# نام و نسب

سید نصیر الدین نصیر گیلانی
(گولڑہ شریف)

(۱) حضرت علیؓ (نجف اشرف)　(۲) حضرت امام حسینؓ (کربلا معلیٰ)　(۳) حضرت غوث پاکؒ (بغداد شریف)

(۴) حضرت امام ابو حنیفہؒ (بغداد شریف)　(۵) حضرت غریب نوازؒ (اجمیر شریف)　(۶) حضرت داتا صاحبؒ (لاہور)

(۷) حضرت مولانا رومؒ (قونیہ)　(۸) حضرت گنج شکرؒ (پاکپتن شریف)　(۹) حضرت شمس الدینؒ (سیال شریف)

(۱۰) حضرت محبوب الٰہی (دہلی)　(۱۱) حضرت پیر مہر علی شاہؒ (گولڑہ شریف)

# نام ونسب

حضرت غوثِ اعظم شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ

کے

## نام ونسب کی تحقیق

◎

سیّد نصیر الدین نصیر گیلانی

◎

گیلانی پبلشرز ○ درگاہ گولڑہ شریف

نام کتاب : نام ونسب
نام مصنّف: علّامہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیر گولڑوی
اشاعت : بارِ چہارم
تعداد : 1100
کمپوزنگ : افتخار احمد گولڑہ شریف
پروف ریڈنگ : مولانا محمد اشفاق سعیدی چشتی، پروفیسر محمد اعجاز، ماسٹر منور حسین آتش
ناشر : مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف
نگرانی طباعت : حاجی عبدالقیوم گولڑوی
مطبع : حمزہ پرویز پرنٹرز، راولپنڈی (051-5521575)
ہدیہ : 520.00 روپے
سنِ طباعت : اکتوبر 2010ء مطابق ذ 1431ھ

ملنے کا پتہ

اندرونِ ملک: طلوعِ مہر آڈیو ویڈیو لائبریری مکتبہ مہریہ نصیریہ، درگاہِ غوثیہ چشتیہ نظامیہ مہریہ گولڑہ شریف
E - 11 اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 0092-51-2106464
نیز: مکتبہ ضیاء القرآن، گنج بخش روڈ، لاہور

ویب سائٹ: www.pirnaseeruddin.com · ای میل: mail@pirnaseeruddin.com

بیرونِ ملک: غفور احمد چشتی 82 Brighton Road, Birmingham,
B12 8QH U.K. Ph: 07976901875 - 0121- 4424548

قاری فضل رسول، جامعہ حنفیہ مہریہ اینڈ مسلم سنٹر INC. '32-13' گلی 57th
وُڈ سائیڈ، نیویارک۔ آفس: 418 ایونیو، پی بروک لائن، نیویارک 11223
فون 718-274-7813 فیکس 385 718-3396 یو ایس اے
فون 1347-2552-767

# ارشادِ باری تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا ط

(القرآن ۲۵ : ۵۴)

ترجمہ۔ اور وُہی ہے، جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا، پھر اُس کے لئے نسب اور سُسرال (کا رشتہ) بنایا۔

○

# حدیثِ پاک

تَعَلَّمُوا مِنْ اَنْسَابِکُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِہٖ اَرْحَامَکُمْ

ترجمہ

اپنے انساب کے متعلق اِس قدر علم (ضرور) حاصل کرو، جس سے تم صلہ رحمی (یعنی رشتہ داری کے حقوق کا خیال) کر سکو۔

(مشکوٰۃ شریف)

## ارشادِ جنابِ غوثِ اعظمؓ

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

### ترجمہ منظوم از مصنّف

ہوئے غروب آفتابِ قطابِ اوّلیں کے مگر ہمیشہ
بلندیوں کے اُفق پہ چمکے گا نیّرِ ضَو فشاں ہمارا

○

## شعر

بندۂ عشق شُدی ترکِ نَسَب کُن جامی
کہ دریں راہ فُلاں ابنِ فُلاں چیزے نیست

### ترجمۂ منظوم از مصنّف

بندۂ عشق ہے جامی! نَسَبی کِبر کو چھوڑ
کہ فُلاں ابنِ فُلاں کچھ نہیں اِس رَستے میں

# انتساب

سیدہ فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا

اور آپ کی ذُرّیتِ پاک

کے نام

آں سیّدۃُ النّسا بہ عصمت تنہا

مخدومہ بہ کائناتِ مرد و زن ہا

اُمِ حسنینؓ و بنتِ خیرؐ البشر است

زہرا رضی اللہُ تعالیٰ عنہا

(مصنّف)

مُصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

یہ کوئی معمولی موضوع نہیں۔ بہرحال حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ سے قرابتِ نسبی کا شرف حاصل ہونے کی بنا پر زمانۂ طالب علمی میں اِس اختلاف سے مجھے خاصی فکری خلش اور ذہنی کوفت ہوئی، مگر اِس دوران آپ کے انتساب نسبی کے ضمن میں اکابرِ اُمّت کی جو بے شمار تحریریں میری نظر سے گزرتی رہیں، اُن سے میری تشکیک کے بادل چھٹتے رہے اور اپنے مطالعہ و تحقیق کے ماحصل کو کتابی شکل دینے کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہا۔ تکمیلِ درسیات کے بعد اِس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں میری شاعرانہ اُفتادِ طبع عناں گیر رہی۔ اِس طرح میری فراغتیں اور شب بیداریاں شعری کاوشوں کی نذر ہو گئیں۔

جن حضرات کو خانقاہی نظام سے کسی نوع کی وابستگی کا تجربہ ہے، وہ ہمارے شبانہ روز معمولات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ زندگی کے حوادث اور مصائب و آلام سے دوچار، اِس کی تلخیوں اور نامرادیوں کے کرب کی گلہ مند، اور اِس کے بے رحم ہاتھوں کی ستائی ہوئی مخلوقِ خدا کا ایک جمِ غفیر اور انبوہِ کثیر سکون و طمانیت کی تلاش میں اشک شوئی کی اُمید لے کر، اپنے مجروح دلوں کے پھاہوں اور اپنے دریدہ دامن کی رفوگری کے لئے، وقت بے وقت، اُفتاں و خیزاں دُور و نزدیک سے ہم بوریانشینوں تک پہنچتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے ؎

غم، دردم، سرشکم، نالہ ام، خونِ دلم، داغم
چو زلفِ تُو پریشاں روزگارم، خانہ بردوشم

ہر آنے والا رُودادِ غم سُنانے کے بعد دل جوئی کے دو بول سُننے کا متمنّی ہوتا ہے، ایسے حالات میں آرام و راحت کا خیال خانقاہی روایات کے سراسر منافی ہوتا ہے ؎

محبّت است کہ دل را نمی دہد آرام — وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد[1]

خاص طور پر خانقاہ کے اُن افراد کے لئے ایسی ذمّہ داریاں سوہانِ روح بن جاتی ہیں، جو طبعاً صرف پیری مُریدی تک محدود رہنے کے قائل نہ ہوں، بلکہ اُنہیں مطالعۂ کُتب کا شوق ہو اور اِس سے بھی ایک قدم آگے وہ اپنے اسلاف کی روایتِ علم کو زندہ رکھنے کی خاطر تصنیف و تحقیق کے بھی

---

[1] (ترجمہ) محبّت ہی ہے جو دل کو چین نہیں لینے دیتی، ورنہ دنیا میں کون ہے، جو آسودگی و سکون نہیں چاہتا۔

شائق ہوں۔ بہرحال یہ مُسلّم ہے کہ اہلِ خانقاہ کی نوعیتِ مصروفیت، خواہ علمی ہو یا غیر علمی، اُن کے ہاں فرصت و فراغت کا ہمیشہ فقدان رہتا ہے اور ویسے بھی اِس کارزارِ حیات میں فراغتِ تامّہ کسے نصیب ہوتی ہے ؎

کہ کرد قطعِ تعلق، کدام شُد آزاد　　　بُریدۂ زہمہ باخدا گرفتار است[1]

یقین کیجئے۔ میں جب اپنی مشغولیت میں ڈوبی ہوئی زندگی اور بے شمار متنوع رابطوں اور علائق کی گرانیوں پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ آج تک جو فکری اور قلمی کاوش منظرِ عام پر آئی، اُس کی تخلیق اور پھر تدوین و ترتیب کس طرح ہوئی۔ میرے خیال میں یہ محض مبدأ فیض اور پھر میرے اسلافِ کرام کے رُوحانی تصرّفات کی بدولت ہوا، ورنہ بقولِ حضرت مولانا جامیؒ ؎

برکفے جامِ شریعت، برکفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن[2]

بہرحال حضرت غوثِ اعظم پیرانِ پیر قدس سرّہٗ کی حیاتِ مُبارکہ کے تفصیلی و تحقیقی مطالعہ کے دوران جو مسائل سامنے آئے، اُن میں آپ کے انتسابِ نسبی کی صحت، اہمیت و احترامِ نسب، لفظِ اہل اور آل کا فرق، اہلِ بیت کا اطلاق و مصداق، کفو کی فقہی حیثیت، لفظِ سیّد و قریش کی تحقیق، شیعہ و خوارج کے نظریات اور غوثِ پاکؓ سے اُن کے بغض و عناد کے عوامل و اسباب، شیخ ابنِ تیمیہؒ کی حضور غوثِ پاکؓ سے عقیدت و نیازمندی، قصیدۂ غوثیہ پر ناقدین کے اعتراضات کی حقیقت اور اِس طرح کے دیگر قابلِ ذکر موضوعات شامل تھے اور انہیں پر اظہارِ خیال کا ارادہ تھا۔ اِس کے علاوہ خانقاہی نظام پر معترضین کے بعض اعتراضات کا ذکر بھی کیا گیا اور موجودہ نظامِ خانقاہی کے سلسلے میں اپنے تاثرات کو بھی قلم بند کیا گیا، اِس تنقید و تبصرہ سے کوئی مخصوص خانقاہ یا اہلِ خانقاہ ہرگز مُراد نہیں تھے، بلکہ اندرون اور بیرونِ مُلک کی تمام خانقاہوں کو زیرِ تبصرہ لانے کا مقصد یہ تھا کہ اِس کے منفی اور مثبت دونوں پہلو ہمارے سامنے رہیں اور ہم لوگ اپنے اِن صالح رُوحانی

---

[1] (ترجمہ) تعلقات سے کوئی کہاں بچ سکا اور کون آزاد رہا، ماسوا سے آزاد ہونے والا بھی آخرکار باری تعالیٰ کے عشق کا گرفتار ہی ٹھہرا۔

[2] (ترجمہ) ایک ہتھیلی پر شریعت کا جام اور دوسری پر عشق کا اہرن رکھنا سخت مشکل کام ہے (اور پھر) جام اور اہرن کو کھیل میں سلامت رکھنا ہر ہوسناک انسان کے بس کی بات نہیں۔

مراکز کو اِن کے درخشندہ ماضی کی طرح دوبارہ تابناک بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اِس عمل سے خانقاہی نظام کے مخالفین کے پاس کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

برِّصغیر پاک و ہند میں گیلانی سادات کی کمی تو نہیں، لیکن افسوس کہ اِس خانوادۂ عالی سے وابستہ کسی صاحبِ علم کی کوئی ایسی تصنیف کم از کم میری نظر سے نہیں گزری، جس میں اِن نازک موضوعات پر محققانہ بحث ہوتی، جو صحیح صورتِ حال جاننے کے خواہش مندوں کے لئے تسلّی و تشفّی کا سامان فراہم کرتی اور شکوک و شبہات کے ازالہ کا موجب بنتی۔ لہٰذا اِس کوتاہی کا احساس مجھے ہمیشہ کچوکے دیتا رہا اور اِن نازک موضوعات پر اظہارِ خیال کی نیّت دل ہی دل میں کروٹیں لیتی رہی، لیکن عدیم الفرصتی، ارادے کو فوری عملی شکل دینے میں حائل رہی، یا یہ کہ کُلُّ اَمْرٍ مَّرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِہٖ کے مصداق وقت کا انتظار تھا۔

چُونکہ مخلوق سے توقّعات کا وابستہ رکھنا، مسلمان کے ذوقِ وحدت پرستی کے خلاف ہے، لہٰذا کسی علمی کاوش سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کوئی اپنا یا بیگانہ مجھے خراجِ تحسین پیش کرے۔ میں بہت ہی حقیر اور ناچیز سا انسان ہُوں۔ بقولِ شاعر؎

نہ خریدار کا حصّہ ہُوں نہ حق بائع کا　　　میں وہ دانہ ہوں جو گر جائے کفِ میزاں سے

اِس کے باوجود اگر کوئی قدرشناس مجھے کسی قابل سمجھتا اور اپنے گوشۂ التفات میں جگہ دیتا ہے تو میں اِسے محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس (قدرشناس) کی بلندیٔ اخلاق سمجھتا ہُوں۔ بقولِ حضرت سید اکبر الٰہ آبادیؒ؎

مُعرّا ہُوں ہُنر سے میں، سراپا عیب ہُوں اکبر
عنایت ہے احبّا کی اگر اچھّا سمجھتے ہیں

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مجھے قطعاً اِدّعائے علم و فضل نہیں اور نہ ہی میں نے اپنی علمیّت اور اپنے تفوّقِ فہم و دانش کے اظہار کی خاطر یہ سب کچھ کیا، اگر تصنیف و تحقیق کا مقصد صرف اظہارِ علمیّت تسلیم کیا جائے تو دنیا کے ہر مصنّف کی نیّت مشکوک ہو کر رہ جائے گی۔ امرِ واقع یہ ہے کہ نام و نسب کی تحقیق میں جس احساس نے مجھے بے چین رکھا وہ یہ تھا کہ جو لوگ حضرت غوثِ پاک قدّس سرّہٗ کی ذات سے عقیدت و محبّت رکھتے ہیں، مجھے اُن کی اولاد میں سے ہونے کے ناطے سے بچشمِ احترام دیکھتے ہیں، میری عزّت کرتے، میری دست بوسی کرتے اور مجھے اُن کا پیر کر نذرانے پیش کرتے ہیں، اگرچہ عقیدت مندوں سے زیادہ تعداد میں وُہ لوگ بھی ہیں، جو صرف علمی اور

قلمی کاوشوں کے حوالے سے میری عزت کرتے اور مجھے جانتے ہیں، بہرحال جو لوگ مجھے نسبی اعتبار سے جانتے اور میری تکریم کرتے ہیں یا اپنے خیال میں وہ صرف میری خداداد صلاحیتوں اور علمی و فنی کاوشوں کی بدولت ایسا کرتے ہیں، بخدا میں دونو طبقوں کے مرکزِ توجہ ہونے کا سبب خداوندِ عالم، حضور علیہ السلام اور پھر حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ کی خصوصی عنایات ہی کو قرار دیتا ہوں، راقم الحروف کی درج ذیل رباعی اِس عقیدۂ راسخہ کی ترجمان ہے ؎

| | |
|---|---|
| ایں تاب و توانِ من زِ من نیست از وست | ویں لفظ و بیانِ من زِ من نیست از وست |
| اَے دیدہ وراں! خُردہ مگیرید بہ من | پیدا و نہانِ من زِ من نیست از وست[1] |

خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ کن الفاظ سے ادا کروں کہ اُس نے بزرگانِ دین اور کاملینِ اُمت کی محبت و عقیدت میری فطرت کو ودیعت فرمائی۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا نُور ہے جو شبستانِ دل و دماغ میں سکون کی قندیلیں روشن رکھتا ہے، جس نام نے مجھے اِتنی عزت بخشی اور دُنیا سے نسبت میں جس کے حوالے سے مجھے بچشمِ احترام دیکھا گیا، اگر اُس ذاتِ گرامی کے نسب یا اُس کے کسی دوسرے وصف پر کوئی معاند محض حقائق پر پردہ ڈالنے کی خاطر، اپنی تحریروں یا تقریروں میں زہر اُگلنے کی کوشش کرے یا تنقید کرے۔ تو میں کس طرح خاموش تماشائی رہ سکتا تھا۔

مجھے حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دینے کا حق دو طرح سے حاصل ہے۔ ایک اِس لئے کہ وہ میرے جدِ اعلیٰ ہیں۔ اور دوسرے اِس لئے کہ سلسلۂ روحانیت و طریقت میں مجھے دیگر لاکھوں کروڑوں عقیدت مندوں کی طرح اُن سے مُریدانہ عقیدت و نیاز بھی ہے۔ کاش یہ احساس گیلانی خانوادے سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کے دل میں موج زن ہوتا، کیونکہ اُس کی تعظیم و توقیر کا واحد سبب حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی ذاتِ مقدسہ ہے اور اپنے اجداد کے اتصالِ نسب پر انگشتِ تنقید و تنقیص اُٹھانے کی ناپاک جسارت کرنے والوں کی اُنگلیاں توڑنے کا حق اگر اولاد کو بھی حاصل نہ ہو، تو پھر کسے ہوگا؟ لہٰذا میں پوری ذمہ داری سے مخالفین کے گوش گزار کرنا چاہوں گا کہ وہ بُغض و خصُومت کی کمین گاہوں سے اوچھے وار کرنے

---

[1] ترجمہ: میری یہ طاقت و توانائی اپنی نہیں؛ اُن کی عطا کردہ ہے۔ میرے یہ الفاظ و معانی ذاتی نہیں۔ بلکہ اُن کے علوم کا صدقہ ہیں۔ اے اربابِ نظر! مجھ پر نکتہ چینی نہ کرنا۔ اِس لئے کہ میرا ظاہر و باطن اُنہی کی نوازشات کا ثمرہ ہے۔

کے بجائے تاریخ کی معتبر کتابیں اور حوالہ جات لے کر میدان میں اُتریں اور حضرت غوث پاک قدس سرّہٗ کے صحیح النسب حسنی حسینی ہونے کے موضوع پر راقم الحروف کے ساتھ دلائل و شواہد کی روشنی میں گفتگو کریں۔ ع تا بہ بینیم کہ از پردہ چہ آید بیروں۔ راقم الحروف نے کتاب کے صفحہ ۲۰۷ سے ۸۴۴ تک اپنے موقف کی تائید میں آپؓ کی سیادت کے موضوع پر دنیائے اسلام کی اُن معروف و مستند شخصیات کی سینکڑوں معرکۃ الآراء تصانیف کی فہرست بھی درج کر دی ہے جن کے حوالوں کے بغیر سیرت و تاریخ کا قاری ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا۔ مجھے اِس بات کا بھی احساس ہے کہ اُس ذاتِ والا تبار کے انتساب کی صحت ہماری وکالت کی محتاج نہیں کیوں کہ ؎

کفر است فضولی بہ ادب گاہِ حقیقت  در خانۂ خورشید دلائل چہ فروشم[1]

لیکن آپ سے قرابتِ نسبی کا شرف متقاضی تھا کہ ادائگیِ حق کے طور پر اپنی تحقیق قارئین تک پہنچاؤں، چنانچہ جب اپنی یادداشتوں کو یکجا کرنے اور ترتیب دینے بیٹھا، تو دورِ حاضر کے مادہ پرست ذہنوں کی اعتقادی اُلجھنوں اور نظریاتی شکوک و شبہات کے متعدد مسائل اُبھرتے چلے آئے، جن پر اظہارِ خیال ناگزیر ہو گیا اور اِس طرح بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ اِس بنا پر زیرِ نظر کتاب کے مندرجات ایک مخصوص موضوع کے دائرہ میں محدود و محصور نہ رکھے جا سکے، جیسا کہ آغازِ کار میں ارادہ تھا، بلکہ موضوعات کی بوقلمونی اور رنگا رنگی انہیں برابر پھیلاتی چلی گئی، جس کی موجودہ شکل آپ کے سامنے ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ درسِ نظامیہ کی تکمیل سے لے کر آج تک میرا واحد شوق مطالعۂ کتب اور تذکرۂ علم و فن ہے؛ دینی علوم و معارف کے مطالعے، اِن کے فوائدِ کثیرہ اور نتائجِ عظیمہ کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرتِ غوث پاک قدس سرّہٗ نے بھی علوم دینیہ کی تحصیل و انہماک کو اپنے لئے منزلِ قطبیت پر فائز ہونے کا زینہ قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے ع دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا (میں نے علم حاصل کیا تا آنکہ میں مقامِ قطبیت پر فائز ہو گیا)

اگرچہ کسی بات کا معقول ہونا ہی تصنیف کی ثقاہت کے لئے کافی ہوتا ہے، مگر بعض ذہن صرف اِس لئے وہ باتیں تسلیم نہیں کرتے، کہ اُن کا نقطۂ نظر مصنف کے موقف کے معارض

[1] (ترجمہ) حقیقت کی ادب گاہ میں فضول گفتگو کفر کے مترادف ہے، آفتاب کے جلوت کدے میں دلائل بازی بے معنی ہے۔ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب کے مصداق کائنات میں بعض ایسے مسلّمات اور حقائق موجود ہیں کہ وہ خود اپنی ذات پر شاہد ہیں اور اُن کے اثبات کے لئے کسی استدلال کی احتیاج نہیں۔ بیدلؒ

ہوتا ہے، لیکن جب وُہی باتیں قرآن و حدیث اور دیگر حوالوں سے ثابت کر دی جائیں، تو مصنف کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے اور مُنصِف مزاج قاری اُن کے انکار میں یقیناً متأمّل ہوتا ہے، لہٰذا بعض ایسے اُمُور میں بہ قدرِ ضرورت حوالہ جات سے کام لیا گیا ہے اور جہاں کہیں اِس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، وہاں اپنے نقطۂ نظر کو دلائل و براہین سے معقول انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اس میں یہ خیال بھی رکھا گیا ہے کہ پیش کردہ تبصرہ کو کسی نہ کسی حوالہ یا مأخذ کی پُشت پناہی حاصل ہو۔

بحمد اللہ نام و نسب محمد یہ پیج میرز کی پنج سالہ ذاتی کاوش و محنت کا نتیجہ اور شبانہ روز کی خلوت گزینی، عرق ریزی اور جگر کاوی کا ثمرہ ہے، لیکن بعض اُمُور میں جن حضرات نے اپنی مصروفیات کے باوجود میرے ساتھ خوشدلی سے مخلصانہ تعاون کیا، اُن کا ذکر نہ کرنا بعید از انصاف ہوگا۔ بعض لوگ اس کے اظہار سے ہچکچاتے ہیں، مگر اعترافِ حقیقت اور اُس کا اظہار ایک ارفع انسانی صفت ہے، لہٰذا میری طبیعت اظہارِ سپاس کے طور پر ان حضرات کی خدمات کے ذکر میں عار کے بجائے افتخار محسوس کرتی ہے۔

محترم مولوی ممتاز احمد صاحب چشتی نے عربی اور فارسی عبارات کی پروف ریڈنگ میں تعاون کیا۔ محترمی جناب قاضی محمد بشیر الدین صاحب مظفر آبادی (ریٹائرڈ پرنسپل کالج آف ایجوکیشن ہری پور) نے کتاب کے اشاریہ کی ترتیب میں میرا ہاتھ بٹایا۔

کتاب کے طباعتی مراحل محمد بشارت قصوری اور محمد رفیق قادری کی نگرانی میں طے ہوئے۔

ربُّ العزّت اِن سب کو بارگاہِ غوثیّت کے خصوصی التفات سے نوازے، اِس فقیر کے پاس دعاؤں سے بڑھ کر اور کوئی ایسی چیز نہیں، جو اِن کے اِس مخلصانہ تعاون کے صلے میں پیش کی جائے۔ میں اِن احباب کے لئے میرزا عبد القادر بیدلؒ کا مندرجہ ذیل شعر ہی پیش کر سکتا ہُوں ؎

اے کاش گردے از کفِ حاکم شود بلند
تاگُل کند بہانۂ دستِ دُعائے تو

اِس امرِ واقع کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ اپنے موقف کی تائید اور وقائع کی صحت کے لئے کیسے کیسے اور کتنے مآخذ سے کام لیا گیا، اِس کا اندازہ قارئینِ کرام اشاریہ اور کتابیات سے

بخوبی کریں گے۔ ہاں یہ بات میں پُورے وثوق سے کہہ سکتا ہُوں کہ کتاب من گھڑت، کورانہ عقیدت و نیازمندی پر مبنی افسانوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ بحمد اللہ ہر نظریّے کو بے شمار مُستند حوالوں کی تائید حاصل ہے اور قارئین کی سہولت کی خاطر پوری تفصیل حواشی میں فراہم کر دی گئی ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اِس موضوع پر یہ کتاب اپنی ثقاہت کے لحاظ سے ایک وقیع دستاویز ثابت ہوگی اور جوان نسل کے بہت سے فکری و اعتقادی شکوک و شبہات رفع کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ مزید یہ کہ اِسے قارئین کے ہر طبقہ کے لئے مفید اور دلچسپ بنانے کی خاطر مضامین کے تنوّع کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے اور یہ بھی کہ ہم اُمّتِ مسلمہ کے اُن افراد کو جو عقائدِ باطلہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اصلاح کی صلائے عام دیتے ہیں۔ اُن پر لازم ہے کہ ہمارے استدلال اور مذکورہ حوالوں کو بہ نظرِ غائر دیکھیں اور قرآن و سُنّت کی روشنی سے دیدہ و دل کی ظلمتوں کو دُور کریں، عقائد کی درُستی اعمالِ صالحہ کے مبادیات سے ہے اور خیرِ دارین اِسی سے مربوط ہے۔

آخر میں ایک بات کی طرف ضرور توجہ دلانا چاہُوں گا، کہ تحریر کا مزاج ہمیشہ موضوع کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے، اِس سے پہلے امام ابو حنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال کے عنوان سے میری ایک تحریر بصورتِ رسالہ چھپ چکی ہے، چونکہ وہ موضوع ایک سنجیدہ تاریخی اور فقہی موضوع تھا، اِس لئے اُس تحریر میں طبعی شگفتگی کو سامنے لانے کے مواقع بہت کم تھے، ایسے موضوعات پر قلم کو سنجیدگی سے اُٹھانا پڑتا ہے، اگرچہ یہ کتاب بھی نہایت سنجیدگی سے لکھی گئی، مگر اِس میں جہاں مخالفین کی شاطرانہ تحریروں اور چالوں کے پیشِ نظر طنز و مزاح کے نشتر ملیں گے، وہاں انشاء اللہ علمی نکات، نادر تحقیقات، سبق آموز وقائع، ادبی لطائف، فقہی مسائل اور سوال و جواب کی نوک جھوک بھی ملے گی۔ ع

جوہر شناس ہے تو اِسے موتیوں سے تول

یہ اِس لئے ہوا کہ مخالفین نے بھی ایسا ہی کیا، لہٰذا جیسا منہ ویسا تھپڑ۔ اور پھر شاعرانہ ذوق کی مناسبت سے دبیے بھی نکتہ آفرینی اور طنز و مزاح کا بلا ارادہ ٹوٹے قلم سے نکل جانا میرے بس میں نہیں، سنجیدہ اور علمی اُمُور کا جواب ہمیشہ سنجیدگی اور علمی متانت سے دینے کا قائل ہُوں لیکن جہاں کسی نے ذرا تیور بدلے تو اپنی رگِ ظرافت بھی پھڑک اُٹھتی ہے۔ بقولِ میرزا عبدالقادر بیدلؒ ؎

معنیٔ حسن و جنونِ عشق از جامِ من است
در گلستاں رنگم و در عندلیباں نالہ ام[1]

بہرحال اپنی علمی بساط اور ذہنی استعداد کے مطابق اِس بات کا ہمیشہ خیال رکھا ہے کہ افراط و تفریط سے اجتناب کیا جائے اور ہر مسئلہ میں راہِ اعتدال اختیار کی جائے۔ ظاہر ہے کہ معتدل اندازِ فکر کو کوئی معتدل مزاج انسان ہی پسند کر سکتا ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ سعیٔ ناچیز بارگاہِ غوثیت میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو، اگر اُن کی نگاہِ التفات اِسے درخورِ اعتنا سمجھے ؎
تو پھر کہیں گے کہاں تاجدار ہم بھی ہیں۔ ورنہ میں کیا اور میری علمی بساط کیا ؎

در مکتبِ نیاز چہ حرف و کدام سطر
چوں خامہ سجدہ ایست کہ صد جا نوشتہ ایم[2]

---

[1] (ترجمہ) حُسن اور جنونِ عشق کے معانی میرے جامِ فکر سے مترشح ہوتے ہیں، مَیں گلستاں میں رنگ ہوں اور عنادل (بلبلوں) میں نالہ ہوں۔

[2] (ترجمہ) نیاز مندی کے مدرسہ میں کیا حرف کا ذکر، اور کیا سطر کا تذکرہ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے قلم کی طرح (بارگاہِ غوثیت میں) ہر جگہ اپنی سجدہ ریزیاں ہی لکھی ہیں۔ بیدلؒ

# فہرستِ مضامین


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| | **بابِ اوّل** | |
| ۱ | نام و نسب | ۱ |
| ۲ | افتخارِ نسبی کی ممانعت | ۳ |
| ۳ | اسلام کا معیارِ فضیلت | ۵ |
| ۴ | ایک غلام کی شرط | ۶ |
| ۵ | پیشہ نسب نہیں | ۷ |
| ۶ | خسیسوں کا افتخارِ نسبی، امام غزالیؒ کی نظر میں | ۹ |
| ۷ | اہمیتِ نسب | ۱۳ |
| ۸ | پاسِ نسب پر قرآنی استشہاد | ۱۴ |
| ۹ | جنابِ حسنؓ کا، خارجی سے ایک سوال | ۱۶ |
| ۱۰ | ایک مسکت جواب | ۱۷ |
| ۱۱ | احترامِ نسب پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا استدلال | ۱۹ |
| ۱۲ | ایک شیعہ دانشور سے مکالمہ | ۱۹ |
| ۱۳ | حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تشریحِ حسب و نسب | ۲۲ |
| ۱۴ | حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ ذات و صفات کے آئینے میں | ۲۴ |
| ۱۵ | نصائح کی جامعیت | ۲۵ |
| ۱۶ | تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز | ۲۵ |
| ۱۷ | وجودِ باری اس کی صفتِ کبرائی ہے | ۲۷ |
| ۱۸ | مزید ہدایات | ۲۸ |
| ۱۹ | خلاصۂ کلام | ۳۴ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۳۵ | شرفِ انتساب کا مسئلہ | ۲۰ |
| ۳۷ | حیوانات کی بلڈ گروپنگ کا معاملہ | ۲۱ |
| ۳۸ | فضیلتِ سادات کا سبب اُن کا شرفِ انتساب ہے | ۲۲ |
| ۳۹ | نسبی تفاخر کا اظہار مستحسن نہیں | ۲۳ |
| ۴۰ | دولت و اقتدار بھی اللہ کی نعمت ہے | ۲۴ |
| ۴۸ | غربت و افلاس، عظمتِ انسانی کا امتحان ہے | ۲۵ |
| ۵۲ | قرآن نے خیرِ کثیر کسے کہا؟ | ۲۶ |
| ۵۵ | ایک شبہ کا ازالہ | ۲۷ |
| ۵۶ | پیکرِ انسانی جلوہ گاہِ صفاتِ یزدانی ہے | ۲۸ |
| ۵۷ | آدمی نامہ | ۲۹ |
| ۵۸ | فرقِ مراتب | ۳۰ |
| ۵۹ | قبائلِ عرب اور حضور علیہ السّلام کی پسند و ناپسند | ۳۱ |
| ۶۲ | خوارج اور شیعہ کی زبان درازیاں | ۳۲ |
| ۶۳ | فیضِ تربیت | ۳۳ |
| ۶۴ | اصلِ طریقت | ۳۴ |
| | **بابِ دوم** | |
| ۶۹ | مسئلۂ کفو | ۳۵ |
| ۶۹ | تعریفِ کفو | ۳۶ |
| ۷۰ | لفظِ کفو کی بحث | ۳۷ |
| ۷۱ | سورۂ اخلاص اور مسئلۂ کفو | ۳۸ |
| ۷۳ | کفو کا اعتبارِ شرعی | ۳۹ |
| ۷۳ | شرائطِ نکاح | ۴۰ |
| ۷۴ | بنتِ ابوجہل سے حضرتِ علیؓ کے رشتہ نہ ہونے کا سبب | ۴۱ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
| --- | --- | --- |
| ۷۶ | حضور علیہ السلام کے خانوادۂ پاک کا اعزاز واکرام | ۴۲ |
| ۷۷ | غیر کفو میں نکاح کا عدمِ انعقاد | ۴۳ |
| ۷۹ | فقہائے احناف کے اقوالِ کفو | ۴۴ |
| ۸۱ | فقہائے اُمت کے خلاف حکیم فیض عالم صدیقی کی زہر افشانی | ۴۵ |
| ۸۴ | غیر کفو میں ہاشمیہ، فاطمیہ، یعنی سیّدہ کے نکاح کا مسئلہ | ۴۶ |
| ۸۶ | غیر کفو میں سیّدہ کے نکاح کا حکم ـــــ استفتاء | ۴۷ |
| ۸۷ | (الجواب) هُوَالمُوَفِّقُ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابِ | ۴۸ |
| ۸۹ | استفتاء کا تجزیہ | ۴۹ |
| ۱۰۰ | بُعدِ زمانی سے رشتہ نسبی منقطع نہیں ہوتا | ۵۰ |
| ۱۰۱ | شرفِ انتساب، سبب احترام ہے | ۵۱ |
| ۱۰۲ | ایک سیّدزادے کے متعلق خواب | ۵۲ |
| ۱۰۳ | خواب سے کیا ثابت ہوا؟ | ۵۳ |
| ۱۰۴ | حضرت گنج شکرؒ کی صاحبزادیوں کا نکاح | ۵۴ |
| ۱۰۸ | معیارِ سیادت | ۵۵ |
| ۱۱۰ | علامہ شیخ شبلنجیؒ کی روایتِ دست بوسی | ۵۶ |
| ۱۱۰ | تعریفِ نکاح | ۵۷ |
| ۱۱۳ | نکاح میں ولی کی اہمیت | ۵۸ |
| ۱۱۴ | نکاح میں ولی کی اہمیت پر شوافع کا استدلال | ۵۹ |
| ۱۱۶ | سیّدہ ہاشمیہ سے غیر سیّد کا نکاح | ۶۰ |
| ۱۱۷ | سیّدہ کے ساتھ آدابِ معاشرت | ۶۱ |
| ۱۱۸ | تعظیمِ رسالت کا حکم تا قیامت واجب العمل ہے | ۶۲ |
|  | **بابِ سوم** |  |
| ۱۲۳ | لفظِ سیّد کا پس منظر | ۶۳ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۶۴ | عرب میں لفظِ شریف کا استعمال | ۱۲۴ |
| ۶۵ | قریشی، ہاشمی اور سید کی بحث | ۱۲۵ |
| ۶۶ | لفظِ قریش کی تحقیق | ۱۲۸ |
| ۶۷ | لفظِ سید کی تحقیق | ۱۲۹ |
| ۶۸ | حدیثِ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ سَیِّدٌ کی تصریح | ۱۳۰ |
| ۶۹ | بارگاہِ رسالت کے عطا فرمودہ القاب | ۱۳۳ |
| ۷۰ | لفظِ سید کا حقیقی مفہوم | ۱۳۵ |
| ۷۱ | لفظِ سید کے استعمال کا معاملہ | ۱۳۷ |
| ۷۲ | اولادِ رسول کا سید کہلانا | ۱۴۰ |
| ۷۳ | کسی لفظ کا سببِ شرف | ۱۴۱ |
| ۷۴ | قرآن مجید میں لفظِ اَبِیْ لَهَبٍ کا استعمال | ۱۴۳ |
| ۷۵ | محمود عباسی اور لفظِ سید کی تصریحات | ۱۴۵ |
| ۷۶ | عباسی اور صدیقی کی سعیِ رائیگاں | ۱۴۷ |
| ۷۷ | ترجمۂ اشعارِ نظامی گنجوی | ۱۴۸ |
| ۷۸ | اسمِ ذات اور حقیقتِ مطلقہ کی بحث | ۱۴۸ |
| ۷۹ | لفظِ اللہ کی اصطلاحی تعریف | ۱۴۹ |
| ۸۰ | لفظِ اللہ کی لغوی تعریف | ۱۴۹ |
| ۸۱ | تعیناتِ ذات | ۱۵۱ |
| ۸۲ | ترجمۂ اشعارِ بیدلؒ | ۱۵۳ |
| ۸۳ | خلیفہ ہارون الرشید کو امام موسیٰ کاظمؓ کا مسکت جواب | ۱۵۸ |
| ۸۴ | اقبالؒ کے گل ہائے عقیدت بحضورِ سیدہ زہراؓ | ۱۵۹ |
| ۸۵ | لفظِ سید کے اطلاق کے بارے میں علامہ سیوطیؒ کی تشریح | ۱۶۱ |
| ۸۶ | عامۃ المسلمین کے لیے عموماً اور سادات کے لیے خصوصاً ہدایات | ۱۶۲ |
| ۸۷ | تعظیمِ سادات اور علامہ شبلنجیؒ | ۱۶۴ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۸۸ | کاذب مدّعیانِ سیادت کے بارے میں امام مالکؒ کا رویّہ | ۱۶۵ |
| ۸۹ | تعظیمِ سادات کے بارے میں ایک عجیب واقعہ | ۱۶۷ |
| ۹۰ | سادات کے لئے حکمِ صدقہ | ۱۶۹ |
| | **بابِ چہارم** | |
| ۹۱ | مومنین کی خصوصیات | ۱۷۵ |
| ۹۲ | حکیم صاحب کی تضاد بیانی | ۱۷۶ |
| ۹۳ | خانقاہ دشمنی کا لاعلاج مرض | ۱۷۹ |
| ۹۴ | انسان کی غرض پرستانہ فطرت | ۱۸۲ |
| ۹۵ | خانقاہوں کی اہمیت | ۱۸۵ |
| ۹۶ | اہلِ فقر کے آدابِ حضوری | ۱۸۵ |
| ۹۷ | بارگاہِ فقر کے حقیقی نذرانے | ۱۸۷ |
| ۹۸ | مُریدین میں عُلماء کی خصوصیت | ۱۸۷ |
| ۹۹ | عُلماء کی خصوصی تعظیم کی علت | ۱۸۹ |
| ۱۰۰ | درگاہوں پر عُلماء کی حاضری کا مقصد | ۱۹۲ |
| ۱۰۱ | آج کل کے مُرید | ۱۹۸ |
| ۱۰۲ | مطلب کے مُرید | ۱۹۹ |
| ۱۰۳ | سرکاری عہدوں پر فائز مُرید | ۲۰۰ |
| ۱۰۴ | نازک مزاج مُرید | ۲۰۰ |
| ۱۰۵ | رشوت دینے والے مُرید | ۲۰۱ |
| ۱۰۶ | موسمی یا انتخابی مُرید | ۲۰۱ |
| ۱۰۷ | پیری مُریدی | ۲۰۵ |
| ۱۰۸ | ترکِ کبر و غرور | ۲۰۶ |
| ۱۰۹ | موقع شناس بلڈ پریشر | ۲۰۸ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۱۰ | غصّے کے بارے میں ارشادِ نبویؐ | ۲۱۰ |
| ۱۱۱ | غصّے کی تادیبی اہمیّت | ۲۱۲ |
| ۱۱۲ | مفاسدِ تکبّر | ۲۱۶ |
| ۱۱۳ | ثقلِ سماعت کا مریض اُونچا کیوں بولتا ہے؟ | ۲۱۷ |
| ۱۱۴ | بہرے اور متکبّر کی قدرِ مشترک | ۲۱۸ |
| ۱۱۵ | شیخ فرید الدّین عطارؒ کی ایک روایت | ۲۲۰ |
| ۱۱۶ | عُلماء و مشائخ کے چند مراتبِ کبر | ۲۲۲ |
| | **بابِ پنجم** | |
| ۱۱۷ | ریاکاری | ۲۳۱ |
| ۱۱۸ | ریا کی مخفی ترین قسم | ۲۳۲ |
| ۱۱۹ | حُبِّ جاہ کی مذمّت | ۲۳۴ |
| ۱۲۰ | جاہ کے معنیٰ اور اِس کی حقیقت | ۲۳۵ |
| ۱۲۱ | تسخیراتِ رُوحانیہ کا اظہار بطورِ تحدیثِ نعمت | ۲۴۱ |
| ۱۲۲ | تحقیقِ اُمور کا شرعی حکم | ۲۴۵ |
| ۱۲۳ | محاسبۂ ذات ضروری ہے | ۲۴۷ |
| ۱۲۴ | آیتِ مبارکہ کی شانِ نزُول | ۲۴۹ |
| ۱۲۵ | آل اور اہل کی تحقیق | ۲۵۳ |
| ۱۲۶ | ابنِ عربیؒ کی تصریح | ۲۵۶ |
| ۱۲۷ | علامہ احمد ابنِ حجر مکیؒ کا قول | ۲۵۷ |
| ۱۲۸ | مصادیقِ آل پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تصریح | ۲۵۷ |
| ۱۲۹ | آلِ محمدؐ میں کون شامل ہے؟ | ۲۵۸ |
| ۱۳۰ | درُود شریف میں آلِ محمدؐ کے مصادیق | ۲۶۰ |
| ۱۳۱ | آل اور اولاد میں فرق | ۲۶۲ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۳۲ | حضرت اعلیٰ گولڑوی کا دادیٔ حمرا کا مبارک خواب | ۲۶۴ |
| ۱۳۳ | خلاصۂ کلام | ۲۶۵ |
| ۱۳۴ | سلاسل طریقت میں جانشینی کا مسئلہ | ۲۶۶ |
| ۱۳۵ | ترتیب خلافت کی حکمت بالغہ | ۲۶۹ |
| ۱۳۶ | خلافت و جانشینی کا معیار | ۲۷۳ |
| ۱۳۷ | مشائخ کی حقیقی وراثت | ۲۷۶ |
| ۱۳۸ | شرائط خلافت | ۲۷۸ |
| ۱۳۹ | دور حاضر کا معیار فضیلت | ۲۹۰ |
| ۱۴۰ | فقر کی شان استغنا | ۲۹۴ |
| ۱۴۱ | فقیر سلطان جاہ | ۲۹۵ |
| ۱۴۲ | اسباب شہرت موروثی ہی نہیں ذاتی بھی ہونے چاہئیں | ۲۹۹ |
| ۱۴۳ | دولت ــــ بے کمالوں کا معیار فضیلت | ۳۰۳ |
| ۱۴۴ | دولت اندھی ہوتی ہے ــــ ایک واقعہ | ۳۰۴ |
| ۱۴۵ | انسانی شخصیت کا دوہرا پن | ۳۰۹ |
| | **باب ششم** | |
| ۱۴۶ | علامہ آلوسیؒ کا ناہنجار اخلاف پر اظہار تأسف | ۳۲۱ |
| ۱۴۷ | احساس سجادگی و صاحبزادگی ــــ ایک لاعلاج مرض | ۳۲۳ |
| ۱۴۸ | راقم الحروف کا زمانہ طالب علمی | ۳۲۵ |
| ۱۴۹ | مصنف کا ایک ذاتی مشاہدہ | ۳۲۷ |
| ۱۵۰ | ایک شعری نشست کے بعد صاحبزادگی پر تلخ تنقید | ۳۲۸ |
| ۱۵۱ | مشائخ عصر پر ایک اعتراض | ۳۳۵ |
| ۱۵۲ | عظمت مآب حضرت قبلہ بابوجیؒ | ۳۳۹ |
| ۱۵۳ | سجادہ نشینوں اور صاحبزادوں کا جذبۂ مسابقت | ۳۵۷ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۵۴ | والدِ محترم اور عمِّ مکرّم کا دَورِ تربیت | ۳۶۰ |
| ۱۵۵ | غزالیِ دوراں حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ | ۳۶۰ |
| ۱۵۶ | استادِ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ | ۳۶۲ |
| ۱۵۷ | استادِ محترم مولانا فیض احمد صاحب فیض | ۳۶۲ |
| ۱۵۸ | مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ العالی | ۳۶۴ |
| ۱۵۹ | شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو (علامہ ہزارویؒ) | ۳۶۵ |
| ۱۶۰ | راقم الحروف کا ذوقِ فقر | ۳۷۵ |
| ۱۶۱ | قاآنی کا حکیمانہ استدلال | ۳۷۶ |
| ۱۶۲ | اہلِ بیت کی ترکیبِ لفظی اور اِس کے مصادیق | ۳۷۸ |
| ۱۶۳ | قرآن وحدیث میں مقامِ اہلِ بیت | ۳۸۳ |
| ۱۶۴ | احکامِ شرعیہ کا اطلاق اور اہلِ بیت | ۳۸۳ |
| ۱۶۵ | حکمِ پردہ اور اِس کی حکمت | ۳۸۵ |
| ۱۶۶ | اہلِ بیت کی ترکیبِ لفظی کا اطلاق | ۳۸۸ |
| ۱۶۷ | اطلاقِ آیت میں صحیح النسب کی قید | ۳۹۲ |
| ۱۶۸ | ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ | ۴۰۸ |
| ۱۶۹ | ازواج وبنات کی خصوصی شان (تعمیم بعد التخصیص) | ۴۱۱ |
| ۱۷۰ | اہلِ کساء کی جداگانہ تطہیر | ۴۱۵ |
| ۱۷۱ | مودّتِ اہلِ بیت کا وجوب | ۴۱۷ |
| ۱۷۲ | فضیلتِ اہلِ بیت احادیث کے آئینے میں | ۴۱۸ |
| ۱۷۳ | ایذائے رسول، ایذائے خدا ہے | ۴۲۱ |
| ۱۷۴ | اہلِ بیت اور عقیدۂ اَھْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَة | ۴۲۷ |
| ۱۷۵ | اصلی سیدوں کی ٹوپی ـــــ ایک واقعہ | ۴۳۰ |
| ۱۷۶ | جناب عبداللہ المحضؓ کا عجیب جواب | ۴۳۱ |
| ۱۷۷ | لقبِ محض کی حقیقت | ۴۳۲ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۷۸ | امام شافعیؒ اور محبتِ آلِ رسول | ۴۳۵ |
| ۱۷۹ | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور احترامِ اہلِ بیت | ۴۳۶ |
| ۱۸۰ | احترامِ اہلِ بیت اور محمد بن عبد الوہاب نجدی | ۴۳۷ |
| ۱۸۱ | اہلِ بیت سے خوارج کا بغض | ۴۳۸ |
| ۱۸۲ | صحتِ حدیث کے متعلق خارجیوں کا دوہرا معیار | ۴۴۰ |
| ۱۸۳ | خوارج کا خبثِ باطن | ۴۴۱ |
| | **بابِ ہفتم** | |
| ۱۸۴ | ہمارا مسلک | ۴۴۵ |
| ۱۸۵ | کرار دی صاحب کی ایک عظیم علمی بد دیانتی | ۴۵۰ |
| ۱۸۶ | یک نہ شد دو شد | ۴۵۳ |
| ۱۸۷ | غنیۃ الطالبین کے بارے میں شنواری صاحب کے موقف کی تردید | ۴۵۵ |
| ۱۸۸ | تصنیف و تالیف کو وقیع و معتبر بنانے کی شرائط | ۴۵۹ |
| | **بابِ ہشتم** | |
| ۱۸۹ | شیعہ اور یہود کے عقائد و افعال میں مماثلت | ۴۶۱ |
| ۱۹۰ | کیا تقیہ منافقت نہیں ؟ | ۴۶۳ |
| ۱۹۱ | کچھ شیعہ عقائد کے متعلق | ۴۶۵ |
| ۱۹۲ | موجودہ قرآن کے بارے میں شیعہ عقائد | ۴۶۶ |
| ۱۹۳ | رسالت کے متعلق شیعہ عقائد | ۴۶۸ |
| ۱۹۴ | سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے متعلق شیعہ عقائد | ۴۶۹ |
| ۱۹۵ | اصحابِ رسولؐ کے متعلق شیعہ عقائد | ۴۷۰ |
| ۱۹۶ | چند شیعوں سے ایک لطیف علمی مکالمہ | ۴۷۱ |
| ۱۹۷ | اہلِ بیت کے متعلق شیعہ عقائد | ۴۷۵ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۹۸ | اھل السُّنَّۃ والجماعۃ کے متعلق عقائدِ شیعہ | ۴۷۷ |
| ۱۹۹ | امامِ انقلاب علامہ خمینی کے نظریات وخیالات | ۴۷۸ |
| ۲۰۰ | شیعہ کے عقائدِ باطلہ کا اجمالی خاکہ | ۴۸۱ |
| ۲۰۱ | شیعہ کا بناوٹی قرآن | ۴۸۲ |
| ۲۰۲ | سُورۃ الولایۃ سبع اٰیاتٍ | ۴۸۲ |
| ۲۰۳ | نذرانۂ عقیدت بحضور خلفاءِ راشدینؓ | ۴۸۳ |
| ۲۰۴ | تاریخی اسناد وشواہد یا سینہ گزٹ | ۴۸۴ |
| ۲۰۵ | غوثِ پاکؒ سے شیعہ دشمنی اور آپؒ کی سیادت سے انکار کے اسباب | ۴۸۷ |
| ۲۰۶ | غُنیۃ الطّالبین کی تفصیلی بحث | ۴۹۰ |
| | **باب نہم** | |
| ۲۰۷ | حدیثِ قُسطُنطِینیہ اور مَغفُورٌ لَھُم کی وضاحت | ۵۰۳ |
| ۲۰۸ | علامہ تفتازانیؒ کی رائے | ۵۰۵ |
| ۲۰۹ | ابنِ کثیرؒ کا قول | ۵۰۶ |
| ۲۱۰ | روایت حضرت ابوہریرہؓ | ۵۰۷ |
| ۲۱۱ | لعن یزید پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا مسلک | ۵۱۰ |
| ۲۱۲ | بنوامیہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث | ۵۱۱ |
| ۲۱۳ | یزید کے بارے میں امام احمدؒ بن حنبل کا فتویٰ | ۵۱۲ |
| ۲۱۴ | جناب معاویہؓ کے حق میں وارد شدہ احادیث پر محدثین کا تبصرہ | ۵۱۴ |
| ۲۱۵ | دورِ بنوامیہ کی بدعات | ۵۱۹ |
| ۲۱۶ | لعنتِ یزید پر ایک لطیفہ | ۵۲۰ |
| ۲۱۷ | حضرت بایزید بسطامیؒ کی حاضر جوابی | ۵۲۰ |
| ۲۱۸ | ایک تباہ کن کج اندیشی کا ازالہ | ۵۲۱ |
| ۲۱۹ | یومُ الفتح کا تفصیلی جائزہ | ۵۲۴ |
| ۲۲۰ | لفظِ فتح کی لغوی تحقیق اور مفسرین کی تشریحات | ۵۲۶ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۵۳۲ | اجتہادی خطا کی حقیقت | ۲۲۱ |
| ۵۳۵ | خواجہ حسن نظامیؒ کی شگفتہ بیانی | ۲۲۲ |
| ۵۳۶ | حضرت علیؓ کی شہادت | ۲۲۳ |
| ۵۳۷ | جنابِ حسنؓ کو زہر کس نے دیا؟ | ۲۲۴ |
| ۵۳۹ | مَیں کورانہ تقلید کا قائل نہیں | ۲۲۵ |
| ۵۳۹ | حضرت امامِ اعظمؒ اور قبولِ تحقیقِ تلامذہ | ۲۲۶ |
| ۵۴۱ | بنو امیہ کی جوان نسل کے بغض کا سبب | ۲۲۷ |
| ۵۴۴ | حُسینی سُنّی، یزیدی سُنّی | ۲۲۸ |
| ۵۴۷ | کسی حدیث کے ردّ و قبول کا انحصار | ۲۲۹ |
| ۵۵۰ | نفی کی نفی اثبات ہے | ۲۳۰ |
| ۵۵۲ | انبیاء کے شاعر نہ ہونے کی حکمت | ۲۳۱ |
| ۵۵۳ | عہدِ امارت پر حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کا تبصرہ | ۲۳۲ |
| | **بابِ دہم** | |
| ۵۵۹ | تاریخ، سرمایۂ آگہی ہے | ۲۳۳ |
| ۵۶۱ | انکارِ حدیث اور پرویز | ۲۳۴ |
| ۵۶۲ | ماضی، سرمایۂ حال | ۲۳۵ |
| ۵۶۴ | واقعاتی احادیث کا معیار | ۲۳۶ |
| ۵۶۵ | محدثین، امتِ مسلمہ کے عظیم محسن ہیں | ۲۳۷ |
| ۵۶۸ | اجتماعِ ضدین | ۲۳۸ |
| | **بابِ یازدہم** | |
| ۵۷۷ | حضرت غوث اعظمؓ کا سوانحی خاکہ | ۲۳۹ |
| ۵۷۷ | بشاراتِ ولادت | ۲۴۰ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۵۷۸ | ولادتِ باسعادت | ۲۴۱ |
| ۵۷۸ | گیلان کا محلِ وقوع | ۲۴۲ |
| ۵۷۹ | خاندانی حالات | ۲۴۳ |
| ۵۷۹ | وُرودِ بغداد | ۲۴۴ |
| ۵۸۱ | تقرر بحیثیت شیخ الجامعہ اور سلسلۂ وعظ کا آغاز | ۲۴۵ |
| ۵۸۲ | تاثیرِ وعظ | ۲۴۶ |
| ۵۸۲ | عہدِ غوثیت میں معاشرہ کی حالت | ۲۴۷ |
| ۵۸۴ | حُکامِ وقت کے ساتھ سُلوک | ۲۴۸ |
| ۵۸۴ | خلیفۂ وقت کے نام خط | ۲۴۹ |
| ۵۸۵ | حلیہ مبارک اور سیرتِ پاک | ۲۵۰ |
| ۵۸۶ | لباسِ مبارک | ۲۵۱ |
| ۵۸۶ | کراماتِ غوثیہ | ۲۵۲ |
| ۵۸۷ | اعلانِ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ | ۲۵۳ |
| ۵۸۸ | تالیفات وتصنیفات | ۲۵۴ |
| ۵۸۹ | حضرت غوثِ اعظم رض کے عظیم اقوال | ۲۵۵ |
| ۵۹۲ | بعض ارشادات کا صرف اُردو ترجمہ | ۲۵۶ |
| ۵۹۴ | آنجناب رض کی وصیّت | ۲۵۷ |
| ۵۹۶ | وصالِ پُرملال | ۲۵۸ |
| ۵۹۶ | عرسِ غوثیہ | ۲۵۹ |
| ۵۹۷ | حضرت غوثِ پاک رض کے مشہورِ زمانہ القاب | ۲۶۰ |
| ۵۹۸ | حضرت غوثِ پاک رض کا شجرۂ نسب | ۲۶۱ |
| ۵۹۹ | غوثِ پاک رض کا اتصالِ نسب | ۲۶۲ |
| ۵۹۹ | نَسَبُهٗ مِنْ جِهَةِ اَبِيْهِ | ۲۶۳ |
| ۶۰۰ | نَسَبُهٗ مِنْ جِهَةِ اُمِّهٖ | ۲۶۴ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۶۰۰ | اِتّصالُ نَسَبِہٖ بِسَیِّدِنَا اَبِی بَکرِ نِ الصِّدِّیق رضی اللہ عنہ | ۲۶۵ |
| ۶۰۱ | اِتّصالُ نَسَبِہٖ بِسَیِّدِنَا عُثمان بنِ عفّان رضی اللہ عنہ | ۲۶۶ |
| ۶۰۱ | اِتّصالُ نَسَبِہٖ بِسَیِّدِنَا عُمَر بنِ الخطّاب رضی اللہ عنہ | ۲۶۷ |
| ۶۰۲ | ایک تاریخی حقیقت | ۲۶۸ |
| ۶۰۳ | شیخ محمد الصبّان کی روایت | ۲۶۹ |
| ۶۰۴ | حضرت گنج شکرؒ کی سیادت کا معاملہ | ۲۷۰ |
| ۶۰۸ | سیّد کہلانے کا مستحق کون؟ | ۲۷۱ |
| ۶۱۲ | لفظِ شیخ کی تحقیق | ۲۷۲ |
| ۶۱۳ | ایک شبہ کا ازالہ | ۲۷۳ |
| ۶۱۷ | ایک لطیفہ | ۲۷۴ |
| ۶۲۶ | علامہ آلوسیؒ اور سیادتِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ | ۲۷۵ |
| ۶۲۸ | حضرت بیدلؒ کی تصریح | ۲۷۶ |
| ۶۳۰ | اربابِ ولایت کی وردی ـــــ اُن کے تصرفات | ۲۷۷ |
| ۶۳۳ | علاماتِ ولایت ایک ولی کی نظر میں | ۲۷۸ |
| ۶۳۵ | ضرورتِ شیخ | ۲۷۹ |
| ۶۳۷ | شیخ ابنِ تیمیہؒ کی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے عقیدت | ۲۸۰ |
| ۶۴۰ | نذر پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا مزید تبصرہ | ۲۸۱ |
| ۶۴۳ | سلاسلِ طریقت پر ایک گفتگو | ۲۸۲ |
| ۶۴۷ | حضرتِ مجددؒ کا محوّلہ مکتوب | ۲۸۳ |
| ۶۴۸ | ترجمہ مکتوب از مولانا ابوالحسن زید فاروقی نقشبندی | ۲۸۴ |
| ۶۴۹ | بر شمسم سے ایک خط | ۲۸۵ |
| ۶۵۲ | غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی قَدَمِی هٰذِهٖ کی تحقیق | ۲۸۶ |
| ۶۵۶ | علامہ شطنوفیؒ کا علمی مقام | ۲۸۷ |
| ۶۵۹ | روایت کا تواتر | ۲۸۸ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
| --- | --- | --- |
| ۲۸۹ | قَدَمِی هٰذِہٖ کا اطلاق | ۶۵۷ |
| ۲۹۰ | بارگاہِ غوثیہ میں حضرت مجددؒ کا اظہارِ عقیدت | ۶۵۷ |
| ۲۹۱ | حضرت شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ کا ایک عجیب واقعہ | ۶۶۰ |
| ۲۹۲ | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت مجددؒ کی نظر میں | ۶۶۱ |
| ۲۹۳ | حضرت غوثِ اعظمؓ سے اکابر مشائخ و علماءِ نقشبند کی عقیدت | ۶۶۳ |
| ۲۹۴ | حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تصریحات | ۶۶۶ |
| ۲۹۵ | علّامہ آلوسی بغدادیؒ کا نقطۂ نظر | ۶۶۸ |
| ۲۹۶ | قصیدۂ غوثیہ کی صحتِ انتساب کے شواہد | ۶۷۰ |
| ۲۹۷ | شرحِ قصیدۂ غوثیہ | ۶۷۲ |
| ۲۹۸ | سندِ اتصال کی شرط | ۶۷۳ |
| ۲۹۹ | اساتذۂ سخن اور تصرفاتِ شعری | ۶۷۴ |
| ۳۰۰ | افاضلِ امت کی امثال | ۶۷۴ |
| ۳۰۱ | جوابِ اعتراض | ۶۷۵ |
| ۳۰۲ | جوابِ اعتراضِ دیگر | ۶۷۷ |
| ۳۰۳ | ارشاداتِ غوثیہ میں کوئی بات مُمتنع نہیں | ۶۷۸ |
| ۳۰۴ | حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے افاداتِ عالیہ | ۶۷۹ |
| ۳۰۵ | گیارھویں شریف، شریعت کے آئینے میں | ۶۸۲ |
| ۳۰۶ | ایصالِ ثواب کی حقیقت | ۶۸۲ |
| ۳۰۷ | گیارھویں شریف پر ایک بڑا اعتراض اور اُس کا جواب | ۶۸۵ |
| ۳۰۸ | غوثِ پاکؓ کا یومِ وصال | ۶۸۸ |
| ۳۰۹ | گیارھویں شریف اور بہ سلسلۂ تعینِ تاریخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تصریح | ۶۹۰ |
| ۳۱۰ | فوت شدگان کو ایصالِ ثواب | ۶۹۳ |
| ۳۱۱ | غوثِ اعظمؓ کے حضور اکابرِ امت کا منثور خراجِ نیاز | ۶۹۵ |

| صفحہ | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ۶۹۷ | بارگاہِ غوثیت میں مشائخ عظام اور شعراء کا منظوم خراجِ عقیدت | ۳۱۲ |
| | **عربی** | |
| ۷۰۱ | حضرت شیخ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسفؒ | ۳۱۳ |
| ۷۰۲ | حضرت امام محمد بن سعید بن احمد بن سعیدؒ | ۳۱۴ |
| ۷۰۴ | جناب مولانا فیض احمد صاحب فیض (مؤلفِ مہرِ منیر) | ۳۱۵ |
| | **فارسی** | |
| ۷۰۹ | حضرت خواجہ، قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ | ۳۱۶ |
| ۷۱۱ | حضرت خواجہ، بہاءُ الدین زکریا ملتانیؒ | ۳۱۷ |
| ۷۱۲ | سرحلقہ سلسلہ نقشبندیہ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ | ۳۱۸ |
| ۷۱۳ | حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ | ۳۱۹ |
| ۷۱۴ | بندہ نواز حضرت گیسو دراز چشتی نظامیؒ (گلبرگہ شریف) | ۳۲۰ |
| ۷۱۵ | سلطان العارفین حضرت باہُوؒ | ۳۲۱ |
| ۷۱۷ | حضرت شاہ ابوالمعالی، قادری لاہوریؒ | ۳۲۲ |
| ۷۱۹ | حضرت مولانا غنیمت کنجاہیؒ | ۳۲۳ |
| ۷۲۴ | حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ | ۳۲۴ |
| ۷۲۵ | حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی | ۳۲۵ |
| ۷۲۶ | حضرت شاہ نیاز بریلوی، چشتی نظامیؒ | ۳۲۶ |
| ۷۲۷ | حضرت مولانا غلام قادر گرامی جالندھریؒ (مصاحب علامہ اقبالؒ) | ۳۲۷ |
| ۷۲۸ | جناب حافظ محمد افضل فقیر، ایم اے فارسی (گولڈ میڈلسٹ) | ۳۲۸ |
| ۷۳۰ | سید نصیر الدین نصیر گیلانی، (مصنفِ کتاب) (رباعیاتِ فارسی) | ۳۲۹ |

| نمبرشمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| | **اُردُو** | |
| ۳۳۰ | حضرت امیر مینائی لکھنوی ؒ | ۷۳۳ |
| ۳۳۱ | فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی ؒ | ۷۳۴ |
| ۳۳۲ | ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی ؒ (جانشینِ استاد داغ ؒ) | ۷۳۵ |
| ۳۳۳ | حضرت مولانا احمد رضا خان ؒ فاضل بریلوی ؒ | ۷۳۶ |
| ۳۳۴ | سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی (مصنّفِ کتاب لورزمینِ فاضل بریلوی ؒ) | ۷۳۸ |
| ۳۳۵ | حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی ؒ | ۷۴۱ |
| ۳۳۶ | حضرت مولانا حسرت مُوہانی ؒ | ۷۴۲ |
| ۳۳۷ | جناب سیّد غلام معینُ الدّین شاہ مشتاق گیلانی (مصنّف کے والدِ گرامی) | ۷۴۳ |
| ۳۳۸ | سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی (مصنّفِ کتاب) | ۷۴۴ |
| ۳۳۹ | جناب حفیظ تائب (پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور) | ۷۴۶ |
| ۳۴۰ | جناب ڈاکٹر ریاض مجید (پروفیسر گورنمنٹ کالج، فیصل آباد) | ۷۴۷ |
| ۳۴۱ | منشی محمد اسماعیل عیسٰی امرتسری ؒ | ۷۴۸ |
| ۳۴۲ | سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی (مصنّف کتاب در زمین عیسٰی امرتسری ؒ) | ۷۵۱ |
| | **پنجابی** | |
| ۳۴۳ | حضرت سلطان باہُو ؒ | ۷۵۹ |
| ۳۴۴ | حضرت پیر وارث شاہ ؒ | ۷۶۰ |
| ۳۴۵ | حضرت میاں محمد بخش صاحب ؒ (کھڑی شریف) | ۷۶۱ |
| ۳۴۶ | جناب پیر فضل گجراتی ؒ | ۷۶۳ |
| ۳۴۷ | جناب دائم اقبال دائم ؒ | ۷۶۳ |
| ۳۴۸ | جناب حفیظ تائب | ۷۶۴ |
| ۳۴۹ | سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی (مصنّفِ کتاب) | ۷۶۵ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| | **فہرستِ اشاریہ** | |
| ۳۵۰ | کتابیات | ۷۷۳ |
| ۳۵۱ | سیرت نگارانِ غوثِ پاکؓ | ۷۸۳ |
| ۳۵۲ | مستند کتابیں | ۸۱۱ |
| ۳۵۳ | شخصیات | ۸۳۷ |
| ۳۵۴ | سنینِ وفات | ۸۷۱ |
| ۳۵۵ | اماکنِ کتاب | ۹۰۷ |
| ۳۵۶ | فہرستِ اشعار | ۹۱۵ |
| ۳۵۷ | کچھ مناظر کچھ یادیں | ۹۴۷ |
| | **تصاویر** | |
| ۳۵۸ | حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ | ۲۴ |
| ۳۵۹ | حضرت پیر سید ولایت شاہ صاحبؒ | ۴۴ |
| ۳۶۰ | حضرت قبلہ بابوجی صاحبؒ (عالمِ طفولیت) | ۳۲۶ |
| ۳۶۱ | حضرت قبلہ بابوجیؒ | ۳۴۰ |
| ۳۶۲ | حضرت قبلہ بابوجی صاحبؒ | ۳۶۰ |
| ۳۶۳ | حضرت پیر سید ولایت شاہ صاحبؒ و حضرت قبلہ بابوجی صاحبؒ | ؍؍ |

## شعر

در زندگی مطالعۂ دل غنیمت است

خواہی بخوان وخواہ مخواں، مانوشتہ ایم

(عبدالقادر بیدلؒ)

## ترجمۂ منظوم از مصنّف

حیات میں ہے غنیمت مُطالعہ دل کا

کوئی پڑھے نہ پڑھے، ہم نے داستاں لکھ دی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِھْرًا وَّ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْ نَالَ بِہٖ نَوْعُ الْاِنْسَانِ الشَّرَفَ وَ الْعُلٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ مَصَابِیْحِ الْھُدٰی بِالْعِلْمِ وَ التَّقْوٰی وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَھُمْ بِاِحْسَانٍ مِّنَ الْاَوْلِیَآءِ وَ الْعُلَمَآءِ خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ ھُوَ الْبَازُ الْاَشْھَبُ الطِّرَازُ الْمُذَھَّبُ الْکِبْرِیْتُ الْاَحْمَرُ الْوُجُوْدُ الْبَحْتُ النُّوْرُ الصِّرْفُ الْمُتَصَرِّفُ فِی الْوُجُوْدِ عَلَی التَّحْقِیْقِ غَوْثُ الثَّقَلَیْنِ قُطْبُ الْکَوْنَیْنِ مَجْمَعُ الْبَحْرَیْنِ اِمَامُ الطَّآئِفَتَیْنِ شَیْخُ الْفَرِیْقَیْنِ کَرِیْمُ الْاَبَوَیْنِ نَجِیْبُ الطَّرَفَیْنِ سُلَالَۃُ الْاِمَامَیْنِ الْھُمَامَیْنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّھِیْدَیْنِ اَبِیْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ عَارِفُ اَسْرَارِ لِیْ مَعَ اللّٰہِ قَآئِلُ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ الْقِنْدِیْلُ النُّوْرَانِیُّ الْھَیْکَلُ الصَّمَدَانِیُّ الْقُطْبُ الرَّبَّانِیُّ شَیْخُ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِیْنَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ مُحْیِ الدِّیْنِ الْمَکِیْنُ الْاَمِیْنُ سَیِّدُنَا الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِیْلَانِیُّ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْعَزِیْزَ۔

◎

## نام ونسب

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قربِ الٰہی کا معیار تقویٰ ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ شرفِ نسب

بھی ایک فضیلتِ عظمیٰ ہے، جس کی اہمیّت پر قرآن وحدیث شاہد ہیں۔ خصوصاً جناب رسالتمآب سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ اطہر واقدس کی عظمت وفضیلت اظہر من الشمس ہے، آپ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش کے بہترین خاندان میں مبعوث فرمایا چونکہ پیرانِ پیر غوثِ اعظم دستگیر حضرت الشیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ان دونو کمالات کے جامع ہیں، اِس لیۓ ہم آپ کے احوال و آثار اور نام ونسب پر اظہارِ خیال سے پہلے شرفِ انسانی کے اُن اسباب کا تذکرہ کریں گے، جن کا موضوعِ کتاب سے گہرا تعلق ہے ۔

بانسب محتاج نبود صاحبِ کسبِ کمال    بے نیاز از بحر گردد قطرہ چوں گوہر شود (بیدلؔ)

(ترجمہ) صاحبِ فضل وکمال انسان، آباؤ اجداد کے نام ونسب کے سہاروں کا محتاج نہیں ہوتا، جیسے قطرہ موتی بن جانے کے بعد سمندر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ (انتہیٰ) جیساکہ سب جانتے ہیں، قطرے کا سلسلۂ نسب سمندر ہی سے ملتا ہے۔ جب تک اُسے ایک عام قطرۂ آب کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور فضل وکمال کا کوئی عنصر اُس میں موجود نہیں ہوتا، اُسے دریا یا سمندر ہی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے، مگر جب قدرت اُسے گوہرِ آبدار بنا دیتی ہے تو پھر وہ سمندر کے حوالۂ تعارف کا محتاج نہیں رہتا، بلکہ حقیقت شناس اور نکتہ رس نگاہیں اُسے اُس کے جوہرِ ذاتی کے حوالے سے پہچانتی اور جانتی ہیں۔ اِس شعر میں اُن محرومِ فضل وکمال افراد کو دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے، جو صرف اپنے بزرگوں کے کارناموں، اُن کی دینی و ملّی خدمات اور اپنے نام ونسب پر اظہارِ فخر ومباہات کرتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو حقیر جانتے ہیں۔ اِس شعر کے مخاطب وُہ لوگ بھی ہیں جو امیر گھرانوں، نوابوں، وڈیروں اور جاگیردارانہ نظام کی آغوشِ رعونت میں پروان چڑھے ہوتے ہیں۔

موجودہ معاشرے میں نام ونسب اور ذات پات پر اظہارِ افتخار اور احساسِ امتیاز ایک موذی اور متعدّی مرض کی طرح پھیل چکا ہے۔ قرآنی تصریحات اور احادیث کی تشریحات کی روشنی میں رنگ ونسل، نام ونسب اور ذات پات کا تصوّر موجودہ تصوّرات اور مفروضات سے قطعاً مختلف بلکہ برعکس ہے۔ قرآنِ مجید میں پوری نوعِ انسانی کے سلسلۂ نسب کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً[1] ـــــ (ترجمہ) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں

[1] القرآن ۴ : ۱

نفسِ واحدہ یعنی ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ (انتہیٰ)

مفسّرین نے نفسِ واحدہ کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اِس سے مُراد حضرت آدم علیہ السّلام ہیں۔ یعنی ساری نسلِ انسانی کا سلسلۂ نسب حضرتِ آدم علیہ السّلام پر منتہی ہوتا ہے، چنانچہ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں: والمرادُ من النفسِ الواحدةِ آدمُ علیه السّلامُ[1]۔ (ترجمہ) نفسِ واحدہ سے مُراد آدم علیہ السّلام ہیں۔ اِس بارے میں صحاحِ ستّہ اور دیگر کُتبِ احادیث میں بھی حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات موجود ہیں، چنانچہ چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں، جن سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اِس مضمون میں جو کچھ کہا جا رہا ہے یا کہا جائے گا وُہ محض شخصی رائے نہیں، بلکہ حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ سے ماخوذ و مفہوم ہے۔

## افتخارِ نسبی کی ممانعت

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لينتهينّ اقوامٌ يفتخرون بآبائهم الذين ماتوا انّما هم فحمٌ من جهنّم اوليكوننّ اهون على الله من الجُعَل الذی يُدهدهُ الخُراءَ بانفه انّ الله قد اذهب عنكم عُبِّيّة الجاهلية وفخرها بالآباء انّما هو مؤمنٌ تقیٌّ او فاجرٌ شقیٌّ كلّهم بنو آدم و آدمُ من تراب[2]۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

---

[1] دیکھئے تفسیرِ رُوح المعانی، از علامہ شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادیؒ، الجزء الرابع، جلدِ دوم، ص ۱۸۰ مطبوعہ مصر

ایضاً تفسیرِ رُوح البیان، از علامہ الشیخ اسماعیل حقی افندی مصریؒ، جلدِ اوّل، ص ۴۰۹، مطبوعہ مصر سنِ طباعت ۱۲۶۴ھ

[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، بابُ المفاخرۃ والعصبیۃ، ص ۴۱۷ تا ۴۱۸ مطبوعہ مطبع الاسلامی لاہور، سنِ طباعت ۱۳۲۶ھ

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہؓ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ ضرور رُک جائیں قومیں اپنے مُردہ آباء و اجداد پر فخر کرنے سے، اِس لئے کہ وُہ یا توجہنم کے کوئلے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کیڑے سے زیادہ ذلیل ہیں جو گندگی کو ناک سے دھکیلتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے جاہلیّت کا غرور و تکبّر اور آباء و اجداد پر فخر تم سے دُور کر دیا ہے، سوائے اِس کے کہ وہ یا تو متقی مؤمن ہے یا فاجر و شقی (بدبخت و بدکار) ہے! سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں (انتہیٰ) گویا ؎

واجب سے ظہُورِ شکلِ امکانی ہے وحدت میں دُوئی کا وہم نادانی ہے
دھوکا ہے نظر کا ورنہ عالم ہمہ اُوست گرداب، حباب، موج، سب پانی ہے

حدیثِ مذکور میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ مُردہ آباء و اجداد پر فخر کرنے سے منع فرمایا، بلکہ اِسے دَورِ جاہلیّت کی علامت و عمل قرار دیا، کُتبِ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ دَورِ جاہلیّت کے معاشرے میں نسبی مفاخرت اور خاندانی برتری اپنی انتہائی معیوب و مکرُوہ صورت میں موجود تھی، اُس دَور کے لوگوں کو جہالت سے اِس لئے منسوب نہیں کیا جاتا کہ وُہ ناخواندہ لوگ تھے، بلکہ وہ اپنے دَور کی مروّجہ تعلیم کے مطابق معیاری قسم کے تعلیم یافتہ تھے، جہالت سے اُن کے انتساب کا سبب تو صرف اُن کی اخلاقی گراوٹ، نسبی تفاخر، ضد، حسد، غرور و نخوت، ڈھٹائی اور بات بات پر جنگ وجدال تھا، چنانچہ دورِ جاہلیّت کی شاعری اِس قسم کے مبتذل افکار و احساسات سے بھری پڑی ہے، زمانۂ جاہلیّت کے ایک مشہور شاعر کے اشعار ملاحظہ کیجئے تو جہالت کا اندازہ ہوجائے گا ؎

أَلَا لَا يَجْهَلَنْ أَحَدٌ عَلَيْنَا فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

ترجمہ۔خبردار ہم سے کوئی جہالت کا معاملہ نہ کرے، ورنہ ہم (اُس کے ساتھ) جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کریں گے۔

إِذَا بَلَغَ الْفِطَامَ لَنَا صَبِيٌّ تَخِرُّ لَهُ الْجَبَابِرُ سَاجِدِيْنَا [1]

ترجمہ۔جب ہمارا بچہ دُودھ چھڑانے کی عُمر کو پہنچتا ہے تو دوسری اقوام کے بڑے بڑے نامور سردار اُس کے سامنے سجدہ ریزی کرتے ہیں۔

---

[1] زمانۂ جاہلیّت کے مشہور عربی شاعر عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب تغلبی (صاحبِ السبع المعلقات)

اِس نسبی عصبیت و افتخار کو اسلام نے رد کر دیا۔ بقولِ جناب حفیظ تائب ؎

شہِ دیں کے فکر و نگاہ سے مٹے نسل و رنگ کے تفرقے
نہ رہا تفاخرِ منصبی، نہ رعونتِ نسبی رہی

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر اِس طرح ارشاد فرمایا: عن عُقبۃَ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسابکم ھٰذہٖ لیست بمسبّۃٍ علی احدٍ کلّکم بنو اٰدم طفّ الصّاع بالصّاع لم تملؤہ لیس لاحدٍ علی احدٍ فضلٌ الّا بدینٍ و تقوٰی کفٰی بالرّجل ان یکونَ بذیًّا فاحشًا بخیلًا[1] (رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے یہ نسب کسی کو برا کہنے کی جگہ نہیں ہیں، تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو اُس صاع کی طرح جسے تم نے مکمل نہ بھرا ہو، مقصد یہ ہے کہ نامکمل صاع جس طرح سب برابر ہوتے ہیں اِسی طرح اولادِ آدمؑ کی حیثیت سے تم بھی کسی نہ کسی کمزوری، یا باپ کی طرف سے نسبت میں برابر ہو۔ تم میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں، مگر دین و تقوٰی کی وجہ سے، آدمی کے گناہ کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش بکنے والا اور بخیل ہو۔ اِس حدیث کو امام احمدؒ نے مُسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

آپ نے دیکھا کہ ہمارے مروّجہ معیارِ فضیلت اور اسلام کے معیارِ فضیلت میں بُعد المشرقین ہے' انکسار و تواضع کا درس دیتے ہُوئے ایک اور مقام پر فرمایا: عن عیاض بن حمار المجاشعی انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنّ اللہ اوحٰی الیّ ان تواضعوا حتّٰی لا یفخر احدٌ علٰی احدٍ ولا یبغی احدٌ علی احدٍ[2] (رواہ مسلم) ترجمہ۔ حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ اِنکسار اور تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کسی پر ظلم کرے (انتہیٰ)

## اسلام کا معیارِ فضیلت

قرآنی تعلیمات کی رُو سے تمام انسان برابر ہیں، شاعر نے کس خوبصورتی کے ساتھ ہیئتِ نماز

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، ص ۴۱۸، مطبوعہ مطبع الاسلامی لاہور، سنِ طباعت ۱۳۲۶ھ
[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، ص ۴۱۷

سے مساوات کا استناد کرتے ہوئے کہا ہے ؎

مُسلم ہو تو مُسلم کو برادر سمجھو ہر ذرّے کو خورشید کا مظہر سمجھو
کیوں ہوتی ہیں مُستوی صفیں وقتِ نماز یعنی ہر اک کو تم برابر سمجھو

بہرحال فضیلت کا معیار تو علم و تقوٰی اور خوش کرداری ہے، ہمارے یہاں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسبی نسبی ہے۔ حسب کا لفظ اعلیٰ انسانی صفات کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً علم و فضل، تقوٰی و طہارت، خوش کرداری وغیرہ، اور لفظِ نسب کا تعلق نسبت اور خونی انتساب سے ہے یعنی زید اولاد ہونے میں کس جدِ اعلیٰ سے نسبت رکھتا ہے یا منسوب ہے، اِس حد تک تو ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی آبائی نسبت یعنی نسب سے آگاہ ہو کہ اُس کا مُورثِ اعلیٰ کون ہے؛ اِس میں کوئی قباحت نہیں۔ اِس لئے کہ قرآن مجید میں انسانی معاشرہ کو قبیلوں اور شاخوں میں تقسیم کرنے کی حکمت بھی یہی بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[1] (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں بڑی قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ (اِس سے) تم آپس میں پہچان کر سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

## ایک غلام کی شرط

اِس ارشادِ خداوندی کا واضح مقصد تو یہ ہے کہ انسان صرف ایک دُوسرے کا نسب جانے اور اپنے باپ دادا کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے، نہ یہ کہ اپنے نسب پر فخر کرے اور دوسروں کی تحقیر۔ صاحبِ رُوحُ المعانی رحمہ اِس آیت کی شانِ نزول کے سلسلے میں دیگر وُجوہ کے ذِکر کرنے کے بعد ایک واقعہ یوں نقل کرتے ہیں کہ ایک روز بازارِ مدینہ میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حبشی غلام کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ جو مجھے خریدے اُس سے میری شرط یہ ہے کہ مجھے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پانچوں نمازیں ادا کرنے سے منع نہ کرے، چنانچہ اُس غلام کو ایک شخص نے خرید لیا۔ ایک مرتبہ جب رسالت مآب

---

[1] القرآن ۴۹ : ۱۳

صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی بیماری کی اطلاع ہوئی، تو آپ اُس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور جب وہ فوت ہو گیا تو تدفین میں شرکت فرمائی، اِس پر لوگوں نے کچھ تبصرہ کیا تو مذکورہ بالا آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔[1]

ہمارے یہاں نسب کا مفہوم ہی بدل چکا ہے۔ آپ نے غور کیا کہ مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں یٰاَیُّھَاالنَّاسُ سے پُوری نوعِ انسانی کو مخاطب کیا گیا۔ ناس کا لفظ عام ہے، جس کا اطلاق پورے معاشرۂ انسانی پر ہوتا ہے۔ اِس میں دین و مذہب، رنگ و نسل، تہذیب و ثقافت اور زبان و وطن کی کوئی قید نہیں۔ اگر ناس کے بجائے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ دیا جاتا، تو اِس کا دائرہ اہلِ ایمان تک محدود رہ جاتا، چونکہ ساری نسلِ انسانی، مخلوقِ خدا اور پھر ذُرّیتِ آدمؑ و حواؑ ہے، اِس لیے ناس کا لفظ کہہ کر اِس حکم کو پُوری نوعِ انسانی کے لیے عام کر دیا گیا۔ آیتِ مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحبِ رُوح المعانی کسی عربی شاعر کا یہ شعر نقل کرتے ہیں ؎

اَلنَّاسُ فِی عَالَمِ التَّمْثِیْلِ اَکْفَاءُ　　اَبُوْھُمُ اٰدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ

یعنی عالمِ تمثیل میں لوگ ایک دوسرے کے کفو ہیں، کیوں کہ اُن کے باپ جناب آدمؑ اور اُن کی ماں حواؑ ہیں۔

## پیشہ نسب نہیں

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، ہمارے یہاں قومیت و نسب کے بارے میں عجیب و غریب قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں، جو سراسر غیر اسلامی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو شخص جس پیشے سے کسبِ معاش کرتا ہے اُسے اُسی نام سے پکارا جاتا ہے، پیشے کے مطابق درجہ بندی کی جاتی ہے اور اُسی پیشے کو اُس کا نسب قرار دے دیا جاتا ہے۔ جیسے موچی، درزی، جولاہا، نائی، میراثی، دھوبی، لوہار، قوّال، قصاب، زرگر، ترکھان اور کمہار وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ سب پیشے ہیں، نسب تو نہیں، مگر اِس کے باوجود انہیں بطورِ نسب سمجھا اور پکارا جاتا ہے۔ عوام النّاس اور جہلا کا یہ اندازِ فکر تو کوئی تعجب انگیز نہیں، مگر مجھے دُکھ

---

[1] بر چہ تازد رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے　　کہ بہ وقتِ جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

ترجمہ۔ وہ نیاز مند کتنے فخر و ناز کے ساتھ اِس جہان سے اُٹھا ہوگا، جس کی جان کنی کے وقت تو اُس کے سرہانے کھڑا ہو۔

[1] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی (عربی) جلد ۹، الجزءُ السّادس والعشرون، ص ۱۴۳، مطبوعہ مصر

کے ساتھ حیرت بھی ہوتی ہے، جب کسی صاحبِ علم و دانش اور اہلِ قدر و منزلت سے اِس قسم کی سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور بہ ظاہر مہذب لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ چھوڑیئے صاحب! فلاں تو دو پیسے کا موچی یا دو پیسے کا میراثی ہے، ایسا کہنے سے جہاں کچھ لوگوں کو وقتی طور پر ذہنی سکون ملتا ہے، وہاں کچھ انسان دوست، شائستہ، حقیقی تعلیم یافتہ اور مہذب لوگوں کو ذہنی کوفت بھی ہوتی ہوگی۔ خاص طور پر اِس جذباتی اذیت سے وہ لوگ زیادہ تر دوچار ہوتے ہیں، جو قرآن و حدیث کے علاوہ بزرگانِ دین اور اکابرِ ملت کی سیرت کا علم بھی رکھتے ہیں۔

اپنے ہاتھوں کما کر کھانا سُنّتِ داؤدی ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ انسان بنیادی ضروریاتِ حیات کی فراہمی کے لئے جو حلال اور جائز ذریعۂ معاش اختیار کرے، وہ اُس کا نسب تو نہیں بن جاتا اور جو لوگ ادنیٰ پیشے والوں کو گھٹیا اور پست قومیں تصوّر کرتے ہیں، وہ دراصل خود پست ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ جب آپ کسی کی زبان سے ایسے حقارت آمیز الفاظ سُنیں، تو سمجھ لیجئے کہ یہ شخص یا تو خود گھٹیا ہے یا بُری طرح سے احساسِ کم تری کا شکار ہے، کم عقل و کم علم ہے یا پھر عظمتِ انسان سے ابھی ناآشنا ہے۔ علاّمہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

آدمیّت احترامِ آدمی      باخبر شو از مقامِ آدمی

کیا بڑے انسانوں کی یہی علاماتِ عظمت ہوا کرتی ہیں کہ خود تو عالی نسب بن کر دوسروں سے اپنی پُوجا پاٹ کروائیں اور دوسروں کو دائرۂ انسانیت سے بھی خارج سمجھیں۔ یہ صورتِ حال کچھ تو صدیوں تک مسلمانوں کے ہندوؤں سے باہمی معاشرتی اور سماجی اختلاط کا نتیجہ ہے، جن کی سوسائٹی کی بنیاد ہی ذات پات کی تقسیم پر رکھی گئی ہے اور کچھ انگریزی سامراج کے دورِ غلامی کی یادگار۔

کسبِ معاش کے ضمن میں ایک صحیح اور مُستند روایت ملاحظہ کیجئے۔ حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَکَلَ اَحَدٌ طعامًا قَطُّ خیرًا مِن ان یاکلَ مِن عمَل یدیه وان نبیَّ الله داؤد کان یاکلُ من عمَلِ یدیهِ (رواه البخاری)[1] (ترجمہ) ہاتھ کی کمائی سے حاصل کئے ہوئے طعام سے اچھا

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، بابُ الکسب وطلب الحلال، ص ۲۴۱، مطبوعہ لاہور، سن طباعت ۱۳۲۶ ھ

کسی نے نہ کھایا اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی جناب داؤد علیہ السلام بھی ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (حضرت داؤد علیہ السّلام زرہ[1] بنا کر بیچتے تھے)۔

بہرحال اِس وبا کے پھیلانے میں وڈیروں، جاگیرداروں، سرداروں، خوانین، نوابوں اور چوہدری قسم کے لوگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ دیہاتیوں کو شہریوں کی نسبت اِس تلخ حقیقت کا بہتر تجربہ ہے کہ گاؤں کے یہ زُعما پیشہ ور اقوام کے حصولِ تعلیم میں ہمیشہ حائل رہے، اُنہیں تو اِن بے چاروں کے اُجلے لباس تک گوارا نہ تھے، یہ اُنہیں اپنے قدموں میں بٹھاتے تھے، بلکہ بعض علاقوں میں تو خوانین کے ڈیروں میں صرف ایک چارپائی رکھی ہوتی تھی، تاکہ کوئی دوسرا اُن کے برابر بیٹھ ہی نہ سکے، گویا راقم الحروف کے ایک شعر کے مطابق ؎

خدا کی مار اِن کافرنُہوں کی اِس ڈھٹائی پر — ارے توبہ ارے توبہ خُدا بن بن کے بیٹھے ہیں

ہمارے معاشرے میں جن اقوام کو ادنیٰ، کم تر یا نچلی قومیں کہا جاتا ہے، وہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق شرفِ انسانیت اور ذُرّیتِ آدم ہونے کے اعتبار سے معاشرے کے خاندانی اور معزّز افراد کے ساتھ برابر کی شریک و سہیم ہیں، البتہ قدرت نے نوعِ انسانی میں صلاحیتوں، فطری رجحانات اور استعداد کی کمی بیشی کا جو فرق رکھا ہے وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ بقولِ شاعر[2] ؎

فریدا مہندی رانگلی جو، لائی سگل جہان
اِکناں نوں رنگ چڑھ گیا اِک رہ گئے امن امان

## خسیسوں کا افتخارِ نسبی، امام غزالیؒ کی نظر میں

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ (م ۵۰۵ ھ) نسب پر گھمنڈ کرنے والے خسیس فطرت انسانوں کو زیرِ تبصرہ لاتے ہوئے لکھتے ہیں، فالمتکبّرُ بالنّسبِ اِن کان خسیساً فی صفاتِ ذاتِہٖ

---

[1] داؤد علیہ السّلام کی ایک صنعت کا تذکرہ قرآن مجید نے اِن الفاظ میں فرمایا: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (ترجمہ) اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے) القرآن ۲۱: ۸۰

[2] بعض لوگ یہ شعر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ شعر فرید ثانی کا ہے جو حضرت گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے اور بابا گرو نانک (م ۱۵۳۹ء) کے ہم عصر اور فرید تخلص کرتے تھے (واللہ اعلم) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: (بابا فرید الدین مسعود گنج شکر از جعفر قاسمی (مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن، سمن آباد لاہور)

فمن اَینَ یُجْبَرخِسَّتُهٗ بکمالِ غیرِہٖ بل لو کان الّذی یُنْسَبُ الیہ حیًا لکان له ان یقولَ الفضلُ لِی و مَن انتَ و اِنّما انتَ دُودَةٌ خُلِقَتْ مِن بولی اَفْتَرٰی ان الدُّودۃ الّتی خُلِقَتْ مِن بولِ انسانٍ اشرفُ من الدُّودۃِ الّتی مِن بولِ فرسٍ هَیْهَاتَ بل هما متساویان والشرف للانسانِ لا لِلدُّودَۃِ۔ (الثّانی) اَن یَعْرِفَ نَسَبَهٗ الحقیقیّ فیَعْرِفَ اٰباہ وجدّہ فانّ اٰباہُ القریبَ نُطفةٌ قَذِرَةٌ وجدّہ البعیدَ تُرابٌ ذلیلٌ وقد عرفه الله تعالیٰ نسبه فقال: اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ[1] فمَن اصلهُ التّرابُ المَهینُ الّذی یُداسُ بالاقدامِ ثُمّ خُمِّرَ طینه حتّی صارحمأً مَسنُونًا۔ کیف یتکبّر واَخَسُّ الاشیاءِ ما الیه انتسابُه اذ یُقال یا اَذَلَّ مِنَ التّرابِ وَ یا اَنْتَنَ مِنَ الحمأۃِ وَیا اَقْذَرَ مِنَ المُضْغَةِ فان کان کونُه من ابیه اَقربَ من کونِه من التّرابِ فنقولُ اِفْتَخِرْ بالقریبِ دونَ البعیدِ فالنُّطفةُ والمضغةُ اقربُ الیه من الاب فلیَحْقِرْ نَفْسَهٗ بِذٰلکَ ثُمّ اِن کانَ ذٰلکَ یُوجِبُ رِفْعَةً لِقُربِهٖ فالابُ الاعلیٰ مِنَ التّرابِ فمِن این رِفْعَتُهٗ واذا لم یَکُن له رفعةٌ فمِن این جاءَتِ الرِّفْعَةُ لِوَلَدِهٖ فلاذن اَصلُهٗ من التّرابِ وفَصْلُهٗ من النُّطْفَةِ فلا اصلَ له ولا فَصْلَ وھٰذہٖ غایةُ خِسّةِ النّسبِ فالاصلُ یُوطَأُ بالاقدامِ والفصلُ تُغْسَلُ منه الابدانُ فهٰذا هو النّسبُ الحقیقیُّ لِلانسانِ و مَن عَرَفَهٗ لَمْ یَتَكَبَّرْ بِالنَّسَبِ[2]۔

*ترجمہ: پس نسب پر فخر کرنے والا ایسی حالت میں کہ خود بہ اعتبار صفات خسیس ہے تو اُس کی اِس خسّت کا تدارک دوسرے کے کمال سے کس طرح کیا جائے گا، بلکہ جس شخص کے نسب کی وجہ سے فخر کرتا ہے، اگر وُہ زندہ ہوتا تو وہ اِسے کہتا: فضیلت تو مجھ میں ہے تو کون ہے؟ تُو تو وُہ کیڑا ہے جو میرے پیشاب سے پیدا ہوا ہے۔ کیا تُو یہ سمجھتا ہے کہ وُہ کیڑا، جو انسان کے پیشاب*

---

[1] القرآن ۳۲: ۷-۸

[2] دیکھئے احیاء العلوم (عربی) از امام غزالیؒ، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، سن طباعت ۱۳۳۴ھ

سے پیدا ہوتا ہے، وہ اُس کیڑے سے بڑھ کر ہے، جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوتا ہے؛ بلکہ وہ دونو تو برابر ہیں اور شرف انسان کے لئے ہے، کیڑے کے لئے نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو اپنے حقیقی نسب اور اپنے باپ دادا کی شناخت کرنی چاہیئے، پس بے شک اُس کا قریبی باپ ایک حقیر نُطفہ ہے اور اُس کا دُور کا دادا بے مایہ مٹّی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے نسب کی تعریف یوں کی ہے: الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (الیٰ) مِنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ[1] پس جس کی اصل حقیر مٹّی ہو، جو پامال ہوتی رہتی ہے اور پھر اُس مٹّی کا خمیر کیا گیا ہو، یہاں تک کہ وُہ سیاہ اور بدبُودار ہو گئی، وہ کیسے تکبّر کر سکتا ہے۔ اِس لئے کہ جس کی طرف اُس کی نسبت ہے، وہ اشیاء میں خسیس ترین ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: اے مٹّی سے زیادہ ذلیل! اور اے سیاہ کیچڑ سے زیادہ بدبُودار! اور اے گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ ناپاک! پس اگر اُس کا باپ کی نسبت سے ہونا مٹّی کے ہونے سے قریب تر ہو تو ہم کہیں گے کہ اُس نے بعید کی نسبت قریب پر فخر کیا، پس نُطفہ اور گوشت کا ٹکڑا باپ کی نسبت زیادہ قریب ہیں، پس چاہیئے کہ وہ (تکبّر کرنے والا) اِس کے باعث اپنے نفس کو حقیر جانے۔ اگر اُس کے اِس قُرب کے باعث رفعت لازم آتی ہے تو اُس کا جدِّ امجد (حضرت آدم علیہ السلام) مٹّی سے ہے تو انسان میں یہ رفعت کہاں سے آگئی، پس جب باپ (آدمؑ) کے لئے رفعت نہیں تو بیٹے کے لئے رفعت کہاں سے آگئی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کی اصل مٹّی سے ہے اور اُس کی فصل نُطفے سے ہے، پس نہ اُس کی کوئی اصل ہے اور نہ فصل (یعنی اُس قطرۂ آب کو باعتبارِ نسب نہ باپ کہا جا سکتا ہے، نہ بیٹا) اور یہی نسب کی خِسّت کی انتہا ہے۔ اُس کی اصل تو وُہ ہے جسے پاؤں تلے رَوندا جاتا ہے اور فصل وہ ہے کہ بدن جس سے پاک کیے جاتے ہیں، پس یہی ہے انسان کا حقیقی نسب جس نے اِسے پہچان لیا، اُس نے نسب پر کبھی تکبّر نہیں کیا (انتہیٰ)

امام غزالیؒ ایک اور جگہ تکبّر کی تیسری علت نسب کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: الثَّالِثُ التَّكَبُّرُ بِالْحَسَبِ وَالنَّسَبِ۔ فَالَّذِی لَهٗ نَسَبٌ شَرِیْفٌ یَسْتَحْقِرُ مَنْ لَیْسَ لَهٗ ذٰلِكَ النَّسَبُ وَاِنْ كَانَ اَرْفَعَ مِنْهُ عَمَلًا وَّ عِلْمًا وَقَدْ یَتَكَبَّرُ بَعْضُهُمْ فَیَرٰی اَنَّ النَّاسَ لَهٗ مَوَالٍ وَعَبِیْدٌ وَیَاْنَفُ مِنْ مُخَالَطَتِهِمْ وَمُجَالَسَتِهِمْ وَثَمْرَتُهٗ عَلَی اللِّسَانِ التَّفَاخُرُ بِهٖ فَیَقُوْلُ لِغَیْرِهٖ یَا نَبْطِیُّ وَیَا هِنْدِیُّ وَیَا اَرْمَنِیُّ مَنْ اَنْتَ

---

[1] القرآن ۳۲: ۷ـ۸

وَمَن أبُوكَ فَأنَا فلان بن فلانٍ و اينَ لمثلكَ أن يُكلّمني اويَنظُرَ اليَّ وَمَعَ مِثلي تَتَكَلَّمُ وما يجري مجراه وذٰلكَ عِرقٌ دفينٌ في النّفس لا ينفكُّ عنه نسيبٌ وان كان صالحاً وعاقلاً الّا أنّهُ قد لا يترشّحُ منه ذٰلكَ عِندَ اعتدال الاحوال فَإن غَلَبَهُ غَضَبٌ أطفأ ذٰلكَ نُورَ بَصِيرَتِهِ وَ تَرَشَّحَ مِنهُ[1]۔(ترجمہ)

تکبّر کا تیسرا سبب حسب و نسب ہے، پس جس شخص کا نسب، شریف (اُونچا) ہے، وہ ایسے شخص کو حقیر جانتا ہے، جس کا ویسا نسب نہ ہو۔ اگرچہ وہ کم نسب والا، عالی نسب والے سے علم و عمل میں بڑھ کر ہی کیوں نہ ہو اور بعض لوگ نسب پر اِس طرح تکبّر کرتے ہیں، گویا دُوسروں کو اپنا غلام تصوّر کرتے، اُن سے ملنے جُلنے اور اُن کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں نسبی افتخار اُن کی زبان پر رہتا ہے۔ دُوسروں سے کہتے ہیں: اَے نبطی! اَے ہندوستانی! اور اے اَرمنی! (آرمینیا کے رہنے والے) تُو کون اور تیرا باپ کون ہے؟ مَیں فلاں ہُوں اور میرا باپ فلاں ہے۔ تجھ جیسے کی کیا طاقت کہ میرے سامنے بولے یا میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے اور تُو میرے جیسے (عالی نسب) انسان سے بولتا ہے؟ اور جیسا کہ ایسے موقع پر بات چلتی ہے، نفس میں یہ ایک ایسی پوشیدہ رگ ہے کہ جس سے کوئی نسب والا خالی نہیں ہوتا (یعنی کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی رنگ میں اظہارِ کبر کر ہی دیتا ہے) اگرچہ وہ نیک بخت اور عاقل ہی کیوں نہ ہو، مگر حالات اور مزاج کے اعتدال کی صورت میں ایسی باتیں اُس سے ظاہر نہیں ہوتیں، لیکن جب اُس پر غضب کا غلبہ، (یعنی غُصّے کا بھُوت سوار) ہو تو وہ اُس کے نورِ بصیرت کو بُجھا دیتا ہے اور یہ (کبر) اُس سے مترشح ہونے لگتا ہے۔ (انتہٰی)

حضرت امام غزالیؒ کی مذکورہ بالا تصریح، اُن خسیس فطرت لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، جو صفاتِ عالیہ سے یکسر بے بہرہ ہوتے ہیں، اُن کے سینے دولتِ علم سے خالی ہوتے ہیں اور اُن کی زندگی، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے نُور سے محروم ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اگر اپنے نسب پر فخر کریں اور دوسروں کو بچشمِ حقارت دیکھیں تو اُنہیں ایک بار امام غزالیؒ کی مذکورہ بالا تصریحات کو غور سے پڑھ لینا چاہیئے۔ لیکن وہ اکابرِ اُمّت مذکورہ بالا تبصرے سے مستثنیٰ ہیں، جو صفاتِ عالیہ کے زیور سے آراستہ اور عُلُومِ نبوی کے موتیوں سے پیراستہ ہیں اور جو افتخارِ نسبی کو

---

[1] دیکھیے احیاءُ العُلوم، جلدِ ثانی، الجزءُ الثالث، ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ مصر

غیر مستحسن قرار دیتے ہوئے اِسے شانِ انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے باخدا، عالی کردار اور بلند نظر انسان، چاہے اپنے مُنہ سے خود کو ایک عبدِ عاجز اور بندۂ حقیر ہی کہیں، اربابِ نظر اُنہیں بہ اعتبارِ حسب و نسب اُونچا ہی سمجھیں اور کہیں گے۔ درحقیقت ایسے عُرفائے اُمت، حسب و نسب کے کھوکھلے اور بے معنی دعووں میں پڑنے کے بجائے اپنے معبُودِ برحق کے سامنے عاجزی، فروتنی اور انکسار کے اظہار کی وجہ سے انسانیتِ کُبریٰ کی ایسی منازلِ رفیعہ پر فائز ہوجاتے ہیں کہ اُن کا ظاہری تنزّل، ترقیاتِ باطنیہ سے ہم کنار ہو کر درج ذیل قطعہ کی تفسیر بن جاتا ہے ؎

جہاں کو ناز ہے ہستی پر اپنی     میں اپنی نیستی پر مر رہا ہُوں
مِلا ہے جب سے لُطفِ خاکساری     تنزّل میں ترقی کر رہا ہُوں

(امجد حیدر آبادیؒ)

## اہمیّتِ نسب

یہ پہلے بھی بیان کیا گیا کہ حسب، ذاتی کمالات کو کہتے ہیں اور نسب کے معنیٰ، ہر انسان کے حقیقی آباء و اجداد سے صحیح انتساب کے ہیں۔ اب جس کے آباء و اجداد جتنے صاحبِ فضائل و کمالات ہوں گے، اُسی قدر اُس خاندان کو بہ نگاہِ احترام دیکھا جائے گا اور اِسے شرافتِ نسبی کہتے ہیں۔ مشہور اور باعزّت خاندانوں کے وُہ افراد، جو خود کو نسبی شرافت کا امین کہتے ہیں، اُن کے بارے میں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن میں سے اکثر و بیشتر ذاتی کمالات و فضائل سے یکسر بے بہرہ ہوتے ہیں؛ اُن کی عزّت و توقیر صرف اِس لئے کی جاتی ہے کہ وُہ فلاں سیاسی، رُوحانی یا علمی خانوادے سے قرابت رکھتے ہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ ایسے معزّز و محترم خانوادوں کے ناخلف پس ماندگان کو احترام کی نگاہ سے دیکھنا اور اُن کا غیر معمولی ادب کرنا، نہ صرف اُن کی فطری صلاحیتوں اور جبلّی استعدادوں کو بروئے کار لانے سے روک دیتا ہے، بلکہ اُنہیں ایک بھرپُور انسان کی انقلاب آفریں حیات سے بھی محروم رکھتا ہے؛ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم میں ذاتی فضائل یا کمالات ہوں نہ ہوں، بزرگوں سے ہماری نسبتِ قرابت ہی ہمارے لئے سامانِ عیش و عشرت مہیا کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہم دینی تعلیم کیوں حاصل کریں؟ محنت مزدوری کے بارے میں کیوں سوچیں؟ دولت بھی ہے، شہرت بھی ہے اور عزّت بھی۔ یہ تینوں ہماری ذاتی سعی کا حاصل نہ سہی، ہمارے اجداد سے ہمیں وراثت میں تو ملی ہیں۔ اگر علم و فضل، زُہد و تقویٰ،

اور دیگر صفاتِ عالیہ میں اُن کے جانشین نہ بن سکیں تو اُن کے نام و نسبت سے ہاتھ آئی دولت، شہرت اور عزت کے تو وارث ہیں ہی۔ مقامِ تاسف ہے کہ مذکورہ خیالات دیگر خاندانوں میں بالعموم اور امیر زادوں، پیرزادوں اور علمی خانوادوں میں بالخصوص شدت سے پائے جاتے ہیں۔

یہ باتیں جملۂ معترضہ کے طور پر درمیان آگئیں؛ اب زیرِ بحث موضوع کی طرف آتے ہیں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ نسب کا اپنی جگہ یقیناً ایک مقام اور احترام ہے۔ بعض لوگ ذاتی کمالات ہی کو سببِ فضیلت گردانتے ہیں اور نسبی عزّ و شرف کو باعثِ فضل نہیں سمجھتے، حالانکہ دوسرے مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص شرفِ نسب قابلِ احترام ہے۔ چنانچہ نکاح میں کفُو کا اعتبار نسب ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسلام میں وقار و تعظیم کی ایک خصوصی شان بھی نسبی شرف کے باعث ہے۔ آباء و اجداد کی شرافت، اخلاف و اعقاب کے لئے دُنیا و آخرت میں مسلّمہ وجہِ عزت ہے۔ اقوامِ عالم ہر دَور میں پاسِ نسب کرتی آئی ہیں اور پھر خود قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ سے بھی اِس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۂ کہف کی اٹھائیسویں آیت میں دو یتیم بچّوں اور حضرتِ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے بلا اُجرت اُن کی اُس دیوار کے تعمیر کرنے کا تذکرہ، جس کے نیچے اُن کا مال مدفون تھا، قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ تعمیرِ دیوار اور اُن یتیم بچّوں پر خصوصی عنایات کا سبب قرآنِ مجید نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے: وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا[1] (اُن دو بچّوں کا باپ نیک انسان تھا) مشہور مفسر علّامہ آلوسی بغدادیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر رُوح المعانی میں تحریر کیا ہے کہ وہ نیک آدمی ساتویں یا دسویں پشت پہلے اُن دو بچّوں کا جدِ اعلیٰ تھا۔ قرآنِ مجید میں مذکور اِس واقعہ سے دو اُمور ثابت ہوئے، ایک تو یہ کہ نیک اسلاف کی وفات کے بعد بھی اُن کے اخلاف و اعقاب کو اُن کی نیکیوں کا فائدہ پہنچایا گیا اور دُوسرے یہ کہ خدائے بزرگ و برتر نے باپ دادا کی شرافت اور اعمالِ صالحہ کے پیشِ نظر اُن دو بچّوں کا احترام اور لحاظ فرمایا۔

## پاسِ نسب پر قرآنی استشہاد

پاسِ نسب کے سلسلے میں قرآنِ مجید سے درج ذیل آیتِ مُبارکہ بھی بطورِ استشہاد و استناد پیش کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ

[1] القرآن ۱۸: ۸۲

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ[1] (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور ایمان لانے میں اُن کی اولاد نے بھی اُن کی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) اُن کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے اپنے اعمالِ صالحہ کے انعامات میں سے کوئی کمی بھی نہیں کریں گے (انتہٰی)

آیتِ مذکورہ بالا کے ضمن میں علّامہ آلوسیؒ نے رُوح المعانی میں متعدد محدثین و مفسّرین کے حوالے دے کر حضرت ابنِ عباسؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ خداوندِ عالم، مومن کی اولاد کو بہشت میں اُس کے ہمراہ اُس کے درجہ و مقام میں رکھے گا تاکہ اُس مردِ مومن کی آنکھیں اپنی اولاد کو دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی ہوتی رہیں۔

اِس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ مومن (مُتقی) کی مومن اولاد کو بہشت میں اِس لئے ایک مقام و مرتبہ میں رکھا جائے گا کہ وہ ایک نیک اور مومن متقی انسان کی اولاد ہے۔ گویا خُدائے بزرگ نے بھی نسب کا پاس کیا اور یہ تو آیت کا صاف اور سیدھا ترجمہ ہے۔ یعنی مومن اولاد پر اِن الطاف و نوازشات کا مُوجب، صالح اسلاف سے خونی قرابت کے سوا کچھ نہیں۔

یہاں پر اولاد کی نیکی اور صالحیت کی ضرورت پر زور نہیں دیا گیا، کیونکہ اولاد اگر خود اِس مقام پر فائز ہوتی تو اُن کی بخشش کا سبب اُن کے آباء و اجداد کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کو قرار نہ دیا جاتا، بلکہ اُسے اپنے اعمالِ صالحہ کے صلے ہی میں بخش دیا جاتا، مگر اِس سے یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ اچھے لوگوں کی اولاد بہ تکلف و اہتمام گنہگار بننے کی مشق شروع کر دے اور اعمالِ صالحہ کی کمائی سے بے نیاز ہو جائے اور اِس امر پر قانع ہو جائے کہ ہمیں ہمارے صالح اجداد کے طفیل بخشش کی نوید و سند مل چکی ہے وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ کی شرط موجود ہے، یعنی ایسی اولاد کو بہشت میں اُن کے بزرگوں کے ساتھ رکھا جائے گا، جنہوں نے ایمان میں اپنے بزرگوں کے اِتباع کو ملحوظِ خاطر رکھا، اگر ایسا نہیں تو حضرت نوح علیہ السّلام کے حقیقی بیٹے والا سلوک بھی کیا جا سکتا ہے؛ چونکہ وہ اپنے باپ یعنی حضرتِ نوح علیہ السّلام کے دین و عقائد کا مُنکر تھا۔ صرف اِس عدمِ ایمان کی وجہ سے جنابِ نوحؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر کے حقیقی بیٹے کو اُس کا نام و نسب فائدہ نہ دے سکا۔ مقصد یہ بھی ہے کہ انسان سے زندگی میں چھوٹی بڑی لغزشیں یا کوتاہیاں بتقاضائے بشری سرزد ہو جاتی ہیں۔ اِس کے باوصف اگر ایمان سلامت رہا اور اپنے بزرگوں

---

[1] القرآن ۵۲ : ۲۱

کے عقائدِ صالحہ کے اتباع کا اہتمام ملحوظ رہا تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اپنے باپ دادا کے اعمال کی شان و مرتبہ ایسے نہ بھی ہوتے تو اِس کمی کو بزرگوں کے شرفِ انتساب و نسب کے باعث پُورا کر دیا جائے گا۔

## جنابِ حسنؓ کا، خارجی سے ایک سوال

رُوحُ المعانی میں علامہ آلوسیؒ، امام عبد بن حمیدؒ اور ابن المنذرؒ کے توسط سے حضرتِ وہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبطِ اکبر جنابِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی سے پوچھا کہ سُورۂ کہف میں مذکورہ یتیموں کے مال کو باری تعالیٰ نے کیوں محفوظ رکھا؛ اُس نے جواباً کہا کہ صرف اُن کے باپ کی نیکوکاری اور تقویٰ وطہارت اور اعمالِ صالحہ کے سبب، تو جنابِ حسنؓ نے فرمایا کہ بخُدا میرے باپ یعنی جنابِ علیؓ اور میرے جدِ مکرّم حضور احمدِ مُصطفٰے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صالحیت اور نیکی اُن یتیم بچّوں کے باپ دادا کی نیکیوں سے بدرجہا زیادہ اور بہتر تھی۔ دراصل اِس توضیح سے آپ خارجیوں کے اُن فاسد خیالات اور باطل مزعُومات کا رد فرمانا چاہتے تھے، جو وہ اہلِ بیتِ رسولؐ اور ذرّیتِ علیؓ و بتولؓ کے بارے میں رکھتے ہیں اور یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ جب سُورۂ طُور میں اللہ ربُّ العزّت نے فرمایا ہے کہ ہم اہلِ ایمان میں سے ابرار اور صالح نفُوس کی ایمان دار اولاد کو آخرت میں اُن کے باپ دادا کے ساتھ رکھیں گے اور وہی مرتبہ و مقام عطا کریں گے؛ اگر سات پُشت بعد والے ایک عام آدمی کو یہ مقام دیا جا سکتا ہے تو ہمارے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ہمارا یعنی اہلِ بیت کا تعلق اور خونی رشتہ تو براہِ راست اُس ذاتِ گرامی سے ہے، جس پر ایمان لانے ہی سے کوئی مومن کہلا سکتا ہے۔ جہاں مومن پر اللہ تعالیٰ نے اِتنی رعایت و نوازش فرمائی کہ قرآن میں اُس کی اولاد کی بخشش کا وعدہ فرما دیا، اب ذرا انصاف کیجئے کہ وہاں اللہ کے نزدیک خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی مقام ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اُن کے لئے کسی رُو رعایت کی گنجائش نہیں ہوگی؟ اور کیا قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو آپ کی وجہ سے نہیں بخشا جائے گا؟ خاص طور پر اُس اولاد کو جس نے آپ کی زیارت بھی کی ہو؛ اُسے درجۂ صحابیت کے علاوہ اولادِ نبی ہونے کا شرف بھی حاصل ہو اور اُس کی ذاتی نکوکاری بھی مسلّم ہو۔ کُتُبِ حدیث میں مناقبِ اہلِ بیت کے زیرِ عنوان ارشاداتِ نبویؐ سے اہلِ بیت کے امتیاز و اختصاص کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً

یہ حدیث: عن ابی ذرٍّ انّہ قال وھو اٰخذٌ بباب الکعبۃ سمعتُ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انّ مثل اھل بیتی فیکم مثلُ سفینۃ نوحٍ مَنْ رکبھا نجی ومن تخلّف عنھا ھلک[1] (رواہ احمد) (ترجمہ) حضرت ابی ذرؓ سے روایت ہے اُنہوں نے فرمایا اِس حال میں کہ وہ کعبہ شریف کے دروازے کو پکڑے ہوئے تھے، میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا بے شک میرے اہلِ بیت تم میں سفینۂ نوحؑ کی طرح ہیں جو اِس کشتی میں سوار ہوا وہ نجات پاگیا اور جو پیچھے رہ گیا، ہلاک ہوگیا۔ (انتہیٰ)

ایک اور حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اربابِ نسب اور جُملہ اقوامِ عالم کے نسب منقطع ہوجائیں گے، مگر میری اولاد کو جو شرفِ انتساب مجھ سے حاصل ہے، اُس کی بدولت اُن کا نسب منقطع نہیں ہوگا۔ (دیکھئے الصواعق المحرقہ، ص ۱۱۵، مطبوعہ مصر)

## ایک مُسکت جواب

مغربی تعلیم یافتہ اور بدقسمتی سے دینی تعلیم سے بے بہرہ ذہن، بعض اوقات عجیب و غریب قسم کے سوالات کرتا ہے۔ ایک صاحب، اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے: کہ وہ ذات تو بڑی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے، اُس کی رحمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نقطۂ عروج بیان کرتے ہوئے بولے: کہ جو لوگ یزید کو گالیاں دیتے اور اُس پر لعنت بھیجتے ہیں، مجھے اُن سے اختلاف ہے، اُنہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ[2] (متفقٌ علیہ) ترجمہ۔ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی، کے مطابق ہوسکتا ہے کہ وہ ذاتِ کریم قیامت کے دن جوشِ رحمت میں آکر یزید کو بھی بخش دے اور اُس کے نامۂ سیاہ پر اپنا قلمِ عفو پھیر دے۔ یہ سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا اور ایک نامعلوم اُستاد کا ایک فارسی قطعہ یاد آگیا، جس کا مفہوم اُنہیں جواب میں سُنا دیا۔ غالباً اُس دَور میں بھی کسی ایسے ہی سر پھرے نے شاعر سے اِسی قسم کا سوال کیا ہوگا۔

میں نے کہا بلاشبہ باری تعالیٰ کی رحمت ایک قلزمِ بے کراں ہے، جس کا اندازہ نہیں لگایا

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب مناقب اہلِ بیت، ص ۵۷۳، مطبوعہ المجتبائی کانپور
[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب الاسماء فی رحمۃ اللہ وغضبہ، ص ۲۰۶ تا ۲۰۷، مطبوعہ کانپور

جاسکتا، مگر اِتنا سُن لیجئے کہ اگر باری تعالیٰ ایک فاسق و فاجر، شرابی، بدکار اور ظالم و سفاک کو، جس نے خانوادۂ رسالت کا خون بہایا، بخش سکتا ہے تو کیا ایسے نامُراد پر لعنت کے چند گجرے نچھاور کرنے اور اُسے دوچار گالیاں دینے والے کو نہیں بخش سکتا، اِتنے بڑے مجرم کے لئے اگر اِس قدر رحمت وعفو کا امکان ہے تو کیا اُسے چند گالیاں دینے والے اور صرف اُس پر لعنت بھیجنے والے کے لئے کوئی امکانِ بخشش نہیں ؟ یہ جواب سُن کر وہ بڑے نادم ہوئے۔ میں نے جب اُن کی ندامت کے آثار کو اُن کے چہرے سے پڑھ لیا تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ اِس دَور میں کوئی تو ندامت و پشیمانی محسوس کرنے والا باقی ہے۔

اُسی نشست میں ایک رُباعی میں نے کہی، جو میری فارسی رُباعیات کے مجموعہ آغوشِ حیرت میں موجود ہے اور وہ یہ ہے ؎

گر جمع روافض است نزدِ تو مَرید
ہم خارجیاں راشمُر از بطنِ پلید
ایمانِ من است حُبِّ آلؑ و اصحابؓ
لعنت بہ سرِ یزید و اَتباعِ یزید

ترجمہ۔ اُسے مخاطب ! اگر شیعہ تیرے نزدیک مَردُود ہیں تو پھر خارجیوں کو بھی پلید اور ناپاک پیٹ کی پیداوار سمجھ۔ میرا ایمان تو آلؑ و اصحابؓ کی محبّت ہے، یزید پر بھی لعنت ہو اور ساتھ ہی اُس کے نام لیواؤں پر۔

جس طرح اُمیّہ نوازوں اور یزید کے پرستاروں کو اُس کے اسلاف و احقاب سے بے پناہ ہمدردیاں ہیں، اِسی طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور غلاموں کو بھی آپ کی عترتِ پاک سے بے پناہ عقیدت و محبّت ہے۔

کیا بنواُمیّہ سے محبّت رکھنے کا بھی کوئی حکم قرآن و حدیث میں موجود ہے، جس کے تحت خارجی یزید اور اَتباعِ یزید سے اِس قدر عقیدت و محبّت کا اظہار کرتے ہیں اور کیا اہلِ سُنّت کے بارے میں کوئی ایسی آیت یا حدیث پائی جاتی ہے، جس کی رُو سے دُودمانِ رسولؐ و بتُولؓ سے اُن کا محبّت اور عقیدت رکھنا ناجائز قرار دیا گیا ہو ؟ بلکہ اہلِ بیتِ عظام کی تطہیر کی ضمانت تو خود قرآنِ مجید نے دی اور احادیثِ صحیحہ میں اِن کے ساتھ محبّت و مودّت کے احکام صریحہ موجود ہیں، جن کا ذکر اجمالاً یہاں بھی کیا گیا۔

## احترامِ نسب پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا استدلال

ملتان کی ایک نشست میں کسی نے، بحر العلوم حضرتِ اعلیٰ قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ سے دریافت کیا کہ نسب کے احترام کا ثبوت قرآنِ مجید سے مل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے یہاں خاص طور پر سادات کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ اگر قرآنِ مجید سے کسی عالی نسب کے اکرام و احترام کا ثبوت میسّر آجائے تو ہمارے لئے مزید باعثِ طمانیت ہوگا۔ حضرت پیر صاحب قدس سرّہٗ نے اس کے ثبوت میں جو آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی، اُسے سُن کر اربابِ علم و فضل انگشت بدنداں رہ گئے اور کہنے لگے کہ ہم نے آج تک احترامِ نسب پر کسی عالمِ دین کو نہ تو یہ آیتِ مبارکہ بطورِ دلیل پیش کرتے سُنا اور نہ کسی تفسیر میں کسی مفسّر نے زیرِ بحث موضوع کو اس آیت کے ضمن میں بیان کیا، وہ یہ تھی: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ[۱] فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ اگر خداوندِ عالم کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرتا، یعنی بیٹے کی عبادت کا سبب اُس کا نسب ہوتا۔

واقعی یہ ایک عجیب استدلال ہے، جس سے اہلِ علم ہی محظوظ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ملفوظات میں ایک اور استدلال پیش کیا: ــــــ حضرت امام حسنؓ سے ایک اُموی نے کہا: آپ کو ابنِ رسول اللہؐ کہا جاتا ہے، حالانکہ آپ تو ابنِ علیؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ابنِ رسول کہا ہے، ذرا آیتِ مباہلہ پڑھو: فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ[۲] بتاؤ اُس وقت ہمارے سوا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی اولادِ نرینہ تھی؟ ابناء سے مُراد ہم ہی تو ہیں[۳]

## ایک شیعہ دانشور سے مکالمہ

ایک مرتبہ حُجت باز قسم کے ایک دانشور مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے پردادا حضرت پیر سیّد

---

[۱] القرآن ۴۳ : ۸۱

[۲] القرآن ۳ : ۶۱

[۳] دیکھئے ملفوظاتِ مہریہ، ص ۴۵، ملفوظ نمبر ۱۳۰، طبع ثانی، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت جولائی ۱۹۷۴ء

مہرِ علی شاہ قدس سرہٗ نے احترامِ سادات پر یہ آیت تو پیش کر دی، جو بلا شبہ ایک عمدہ استدلال ہے، مگر اس آیت میں اِن حرفِ شرط ہے اور شرط پر جزا مترتب ہوتی ہے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو اُس کی عبادت کی جاتی، چونکہ خدا کا بیٹا نہیں، اِس لئے اُس کی عبادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یعنی وہ علمِ منطق کے اعتبار سے قضیہ شرطیہ کے مقدم اور تالی بنانے کے در پے تھے۔ میں نے کہا: جناب! یہاں خدا کے بیٹے سے نہیں، نسب سے بحث کی جا رہی ہے اور قرآن کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جو خدا تعالیٰ کے سلسلۂ توالد و تناسل کے قائل تھے؛ جس پر آیت کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے، اِس لئے حضرت پیر صاحبؒ نے اِس آیت کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو اُس کی عبادت اِس لئے کی جاتی کہ اُس کا نسب، معبودِ حقیقی سے ملتا ہے۔ میں نے اُن سے مزید کہا کہ اِس آیت میں ایک چیز کو ثابت کیا جا رہا ہے، جب کہ ایک کی نفی کی جا رہی ہے، چنانچہ ایک طرف ابنیّت کی نفی کی جا رہی ہے تو دوسری طرف اِسی نفی سے احترامِ نسب کا پہلو اُجاگر ہو رہا ہے کہ اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو بیٹا ہونے کی وجہ سے اُس کی عبادت کی جاتی، ابنیّت اور اُبُوّت کے درمیان جو لفظ ملانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اُسے نسب ہی کہتے ہیں ورنہ آپ بتائیں یہاں اور کون سا لفظ اِس سے زیادہ مناسب ہوگا۔ مزید یہ کہ اگر نسب کا کوئی اعتبار و اختصاص نہ ہوتا تو یُوں کہا جاتا کہ یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اگر خدا کا کوئی حقیقی بیٹا بھی ہوتا، جب بھی میرے لئے اُس کی عبادت حرام ہوتی۔ پھر بھی میں باپ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا، کیونکہ بیک وقت دو معبودوں کی عبادت سے شرک لازم آتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ فرمائیں اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا، چونکہ بیٹے کی عبادت کا سبب اپنے باپ سے اُس کے نسب کا اتصال ہے، اِس لئے اہمیّتِ نسب پر یہ آیت بطورِ دلیل بالکل بجا پیش کی گئی ہے۔ وہ صاحب یہاں تک تو مطمئن ہو گئے کہ نسب کی اہمیّت تو ہے، مگر پھر کہنے لگے کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو اُس کی عبادت کی جاتی جب ہے ہی نہیں تو سلسلۂ نسب کے کیا معنیٰ؟ میں نے کہا کہ آپ اِس نکتے کو ابھی تک نہیں سمجھے۔ اب میں یہی کہوں گا کہ آپ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت ہرگز نہ کریں، اِس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں اور عیسائیوں کو بھی یہ سمجھائیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ اگر خدا کے بیٹے ہوتے تو پھر آپ اللہ کے اِس ارشاد کے مطابق کیا کرتے؟ کہنے لگے اُس کی عبادت کرتا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے اِس لئے

کہ وُہ خدا کا بیٹا ہے۔ میں نے کہا: بیٹے اور باپ کے مابین نُقطۂ اتّصال کیا ہے؟ کہنے لگے نسب۔ مَیں نے کہا پھر نسب ہی عبادت کا مُوجب بنا اور حضرت پیر صاحبؒ نے یہی تو ثابت کیا ہے۔

چونکہ بحث ذرا طُول پکڑ گئی اِس لئے میں نے کہا کہ یہاں سادات، بنو ہاشم، قریشی اور اِس قسم کے معزّز خاندانوں کے احترام اور فضیلتِ نسب کے دلائل سے گفتگو ہو رہی ہے۔ وُہ ذات جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے۔ اُس کے ارشاد کے مطابق اگر اُس کا کوئی بیٹا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ آپ فرما دیں کہ میں اُس کی عبادت سب سے پہلے کرتا۔ آپ خدا کے معاملے کو ذرا ایک طرف کریں، کیونکہ اُس کی تو اولاد ہی نہیں وہ اِس سے پاک ہے، اگر ہوتی تو ہم اُن کی عبادت بھی کر لیتے۔ میں نے کہا آپ یہ فرمائیں کہ خدا کے بعد اِس پوری کائنات میں سب سے مکرّم اور واجب الاحترام ذات کس کی ہے؟ کہنے لگے صرف اور صرف حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ۔ میں نے کہا: آپ کی اولاد دنیا میں موجود ہے؟ کہنے لگے: ہاں۔ میں نے کہا کہ خدا نے اپنے بیٹے کے متعلق تو فرمایا کہ اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو مخلوق پر اُس کی عبادت کا دروازہ کھول دیا جاتا۔ اب ذرا انصاف کیجئے کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو اُس کی عبادت محض نسبتِ ابنیت کی بنا پر جائز ہوتی تو کیا محبوبِ خدا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ربطِ نسبی رکھنے کی وجہ سے مستحقِ احترام نہیں؟ جس طرح خدا کے بیٹے کی عبادت صرف اِس لئے کی جاتی کہ اُس کا نسب خدا سے ملتا ہوتا اور جس طرح خدا کی ذات کے ساتھ تصوّرِ عبادت مختص ہے، اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تصوّرِ عزت و احترام مخصوص ہے۔ اگر ابنُ اللہ کی عبادت سے اللہ خوش ہوتا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد کی تکریم سے خوش نہ ہوں گے؟ جس طرح اللہ کے بیٹے کی عبادت درحقیقت اللہ کی عبادت اور اُس کی خوشنودی کا سبب بنتی، اِسی طرح حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی عزت و حُرمت بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عزت و حُرمت اور آپ کی دلی مسرت کا باعث بدرجۂ اولیٰ بن سکتی ہے۔ اور قرآنِ حکیم میں درجِ ذیل آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کا حکم اِس طرح دیا گیا ہے۔ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۱؎ (ترجمہ) تاکہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کے

---

۱؎ [illegible] ۴۸: ۹

رسول کی عزت و توقیر بجالاؤ۔ (انتہیٰ) کعبۂ مقدسہ کی مثال لے لیجئے۔ کعبہ مسجودِ حقیقی نہیں، لیکن ہم سب اِس کے در و دیوار کی طرف رُخ کرکے سجدہ کرتے ہیں، وہ صرف اِس لئے کہ کعبہ تجلیات و انوارِ الٰہیہ کا مرکز و محور ہے۔ گویا اُس طرف سجدہ کرنا حقیقت میں خدا کو سجدہ کرنا ہے۔ چونکہ کعبہ کا معبودِ حقیقی سے رابطہ ہے اور وہ مظہرِ انوار و برکاتِ یزدانی ہے، اِس لئے اُس کے ساتھ بھی محبّت و احترام کا سلوک کیا جاتا ہے، یعنی اُس کے در و دیوار کو چُوما جاتا ہے، اُس کے گرد طواف کیا جاتا ہے، اُس کی سمت سجدہ کیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ساری دنیا یہ سب کچھ کعبے کی کسی ذاتی فضیلت کی وجہ سے کر رہی ہے تو یہ غلط ہوگا، بلکہ اُس کا احترام تو صرف اِس لئے ہے اور اُسے دُنیائے اسلام نے صرف اِس لئے قبلہ بنایا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی جانب سجدہ ریزی کا حکم دیا ہے، اِس مثال سے یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو لوگ بنو ہاشم، قریش اور خاص طور پر ساداتِ بنو فاطمہ کی عزت صرف اِس لئے کرتے ہیں کہ اُن کے خون کا تعلق حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو وہ سادات کا نہیں، بلکہ درحقیقت اُس سیدالسادات صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کر رہے ہوتے ہیں، جن کا ارشادِ گرامی ہے: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ لَا فَخْرَ[1] (رواہ الترمذی) کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہُوں گا اور یہ بات از رُوئے فخر نہیں کہتا۔

## حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تشریح حسب ونسب

حضرتِ اعلیٰ سیّد پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرّہٗ نے حسب و نسب کے سلسلے میں ایک پیرزادے کو جو نصیحتیں فرمائیں، ہم اُنہیں یہاں نقل کرتے ہیں:—

پیرانِ عظام کے خاندان میں سے ایک بزرگ زادہ کو بیعت و تلقینِ وظائف سے مشرف فرما کر اِس طرح ہدایت فرمائی، جب تک اپنے سر سے بزرگی کی بُو نہیں نکالو گے، بارگاہِ بزرگِ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کرسکو گے۔ انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے، بلکہ ہر کہ و مہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ حدودِ شرعیہ کی پاسداری کو نگاہ میں رکھنا، نمازِ پنجگانہ قضا نہ کرنا، بہتیرے لوگ محض اِس لئے خالی اور خشک

---

[1] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، بابِ فضائلِ سیدالمرسلین، ص ۵۱۲، مطبع القیومی کانپور

رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خُودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں[1]"

حضرتِ اعلیٰ قدس سرّہٗ کے اِن واضح ارشادات سے ثابت ہُوا کہ حسب کا شرف نسب سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ حسب کے ضمن میں انسانی صفات آتی ہیں، جب کہ نسب صرف اُس کے جسدِ عنصری کی صحتِ انتساب ہی کی تصدیق کر سکتا ہے۔ دُنیا میں سب لوگ نسب کے مالک تو ہوتے ہیں، مگر حسب کے مالک بہت کم ملتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہُوا کہ حسب کی طلب اور آرزو، انسان کے لئے صفات و کمالات سے بہرہ اندوز ہونے کے گوناگوں مواقع فراہم کرتی ہے، جب کہ نسب کا زُعم اکثر و بیشتر انسانوں کو جہالت، غرور، جاہ طلبی، حسد و بُغض اور ہوسِ دُنیا کے اندھیروں کی جانب دھکیل دیا کرتا ہے۔ نسب پرست کو گردشِ زمانہ مفلوکُ الحال اور ذلیل بھی کر سکتی ہے، مگر حسب پرست کبھی اور کسی حالت میں خود کو بے بس، محتاج اور رُسوا نہیں سمجھ سکتا؛ اُس کے پاس ایسی صفات، صلاحیتیں اور کمالات ہوتے ہیں، جنہیں وہ کسی وقت بھی بروئے کار لاکر بازارِ کائنات میں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ خلّاقُ المعانی حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

گر آبرو بود از حادثات کاہش نیست
زیاں نمی رسد الماس را ز سُودن ہا

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان میں ذاتی صلاحیتیں اور صفات موجود ہوں تو اُسے حوادث و آفاتِ زمانہ ذرّہ بھر بھی متاثر نہیں کر سکتے، اِس لئے کہ ہیرا گھِسنے کے باوجود اپنی عظمت و شان کو ہمیشہ برقرار رکھتا ہے اور اُس کے وجود میں دیگر جمادات کی طرح کسی وقت کمی نہیں ہونے پاتی؛ حالانکہ ہیرے کا شمار جمادات ہی کے خاندان سے ہے اور اُس کا نسب بھی معدن (کان) ہی سے ملتا ہے، جہاں اُس کے دوسرے ہم نسب پتھر بھی ہوتے ہیں، مگر یہ اُن میں گھُل مل کر رہنے کے باوجود، جس امتیاز و اختصاص کا مالک ہوتا ہے؛ اُس کے دوسرے ہم نسب جمادات نہیں ہوتے۔ یہی حالت نوعِ انسانی کی ہے۔ چنانچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں انسانوں کے لئے معادن (جمع معدن۔ کان) کے الفاظ استعمال فرماتے۔ ارشاد ہُوا، اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ[2] الخ رواہ مسلم (ترجمہ) لوگوں کی مثال معادن (کانوں)

[1] دیکھئے میرِ منیر، طبع سوم، باب ششم، ص ۲۸۲، مطبوعہ لاہور
[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، ۳۲، مطبوعہ کانپور (بھارت)

کی ہے، جیسا کہ سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں (انتہیٰ) کچھ لوگ جن کی ذہنی حیثیت سرِراہ پڑے ہوئے پتھروں کی سی ہوتی ہے، ایک نظر سے زیادہ کی قیمت نہیں رکھتے۔ اور کچھ لوگ قدر و قیمت کے اعتبار سے سونے چاندی اور ہیرے کا درجہ رکھتے ہیں، مگر ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں۔ کم کیوں نہ ہوں؟ ہیرے جو ٹھہرے۔ آج فلمی دُنیا کے ہیرو تو بہت ملتے ہیں، مگر افسوس کہ وہ ہیرے نہیں ہوتے۔ ہیرو اور ہیرے میں جو فرق ہے، اُسے کوئی ہیر نگاہ یا رانجھا نظر ہی سمجھ سکتا ہے۔

## حضرتِ اعلیٰ گولڑوی ذات وصفات کے آئینے میں

حضرتِ اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کی اپنی ذات ہی کو لیجیے، اگرچہ آپ کا سلسلہ نسب، سادات کے ایک عالی گھرانے سے ملتا ہے اور وہ حسنی، گیلانی خانوادہ ذی جاہ و مرتبت کے چشم و چراغ ہیں، مگر آپ نے اپنا چراغ خود روشن کیا؛ اگر آپ اِسی پر اکتفا کر لیتے کہ میں ایک عالی گھرانے کا چشم و چراغ تو ہُوں ہی، مجھے علوم و فنون اور فضائل و کمالات میں حصُولِ امتیاز و انفرادیت کی کیا حاجت ہے تو شاید آج آپ موجودہ حیثیت سے جانے اور پہچانے نہ جاتے آپ کو معلوم تھا کہ محض کسی خانوادہ عالیہ کا چشم و چراغ ہونا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیوں کہ چراغ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ روشن ہی ہو، بُجھے ہوئے چراغوں کو بھی تو چراغ ہی کہا جاتا ہے۔ اِس لیے آپ نے علومِ دینیہ میں تبحّر کے علاوہ، زُہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، درس و تدریس اور اُن فضائل و کمالات میں شبانہ روز جُہدِ مسلسل اور محنت و کاوش سے وہ مقام و مرتبہ حاصل کیا کہ آپ تا قیامت، خانوادہ گیلانیہ کے بجاطور پر چشم و چراغ کہلانے کے مستحق بن گئے۔ ویسے دیکھا جائے تو گیلانی سادات سے دُنیا بھری پڑی ہے۔ کہنے کی حد تک وہ سب حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرّہ السّامی کے دُودمانِ عالی کے چشم و چراغ ہی ہیں، مگر اُن میں سے اکثر و بیشتر محض بُجھے ہُوئے چراغ ہیں، جن پر چراغ خاموش کا اطلاق تو ہو سکتا ہے، مگر اُنہیں چراغِ زندہ نہیں کہا جا سکتا۔ چراغ اُسی کا زندہ ہوگا، یا وہی روشن چراغ کہلائے گا، جو عرصہ دراز تک جسم و دماغ کی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کا عرق کشید کرے گا اور پھر اُس سے اپنے چراغ کو خود روشن کرے گا۔ اگر محض کسی خانوادہ عالی میں پیدا ہو جانے سے انسان کا چراغِ وُجود خود بخود روشن ہو سکتا تو آج دنیا بھر میں پھیلے ہُوئے خاندانِ رسالت
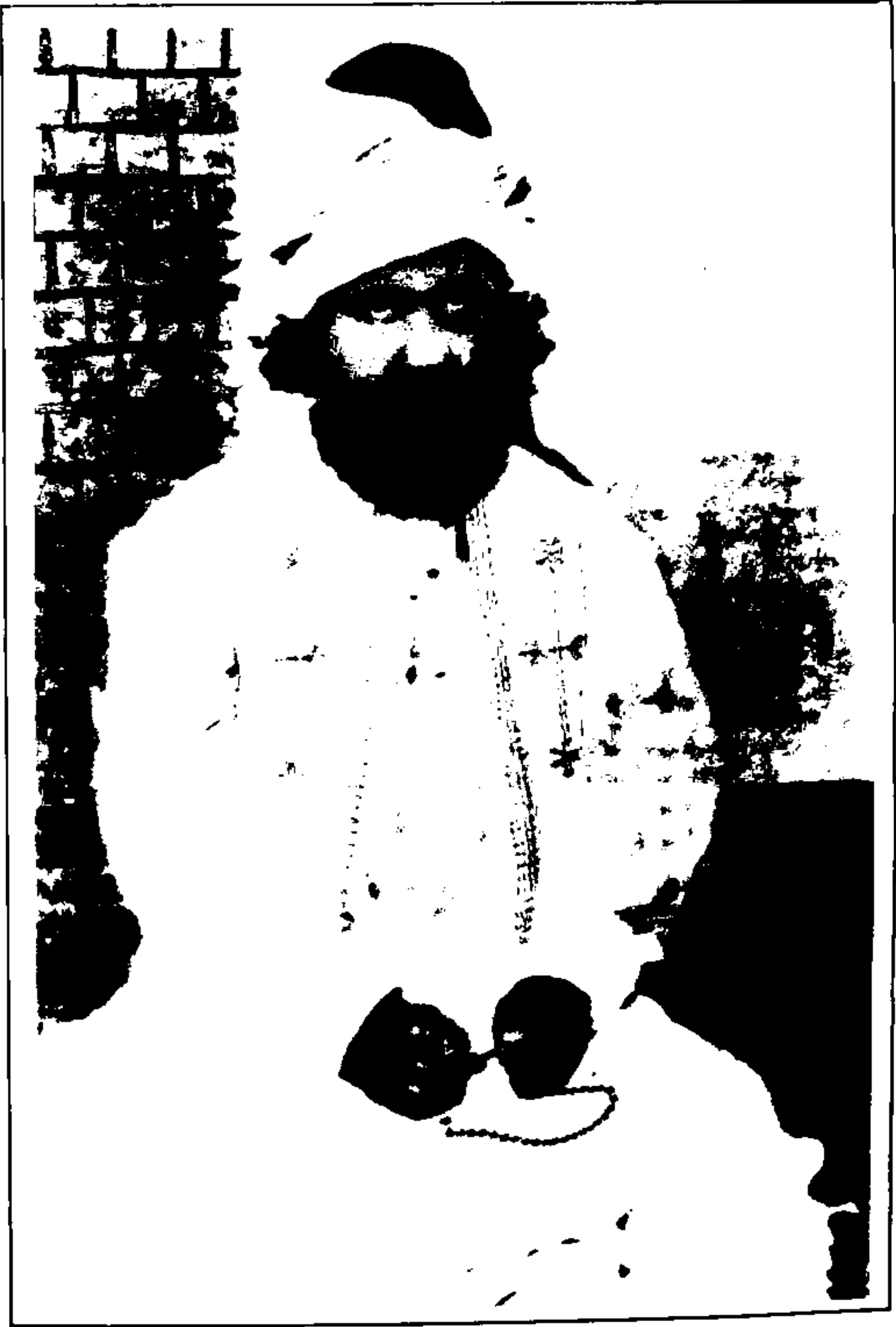
اے پادشاہِ صورت و معنی کہ مثلِ تو — نادیدہ ہیچ دیدہ و نشنیدہ ہیچ گوش

مجددِ ملت قطبِ دوراں حضرت سید پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہٗ

حیرت زبانِ شوخیِ اظہارِ مابس است ۔ آئینہ مشرباں بہ نگہ گفتگو کنند
(بیدلؒ)

حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہٗ
شبیہِ مبارک بہ عالمِ استغراق

رہتا ہے ساتھ مہر کے پرتو کا تذکرہ　　　وابستہ ذکرِ موج سمندر کے ساتھ ہے

حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گیلانیؒ کے برادرِ خورد حضرت پیر سید ولایت شاہ صاحب گیلانیؒ
مصنف کے نانا

کے تمام افراد، بُوعلیؒ، ہندالولیؒ، غوثِ جلیؒ یا مُہرِعلیؒ ہوتے۔

## نصائح کی جامعیّت

دراصل حضرت پیرصاحب قدّس سرّہٗ اُس پیرزادے کو اُنہی صفاتِ عالیہ اور کمالات و فضائل کے حصول کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے، جن کی وجہ سے خود آپؒ کو یہ مقاماتِ بلند و رفیع حاصل ہوئے تھے۔ بہرحال اگر حضرت قبلہ پیرصاحب قدّس سرّہٗ کی مذکورہ نصیحت کے مفہوم کو پھیلایا جائے تو اچھی خاصی کتاب بن سکتی ہے، اِس لئے کہ ایسی عظیم اور نابغہ روزگار ہستیوں کے مختصر، مگر جامع و مانع جملوں کے پس منظر میں ایک دُنیائے معانی جلوہ فرما ہوتی ہے۔ آپ کے اِس جملے ہی کو دیکھ لیجئے، جس میں فرماتے ہیں: انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ گویا آپ نے کوزے میں دریا بند کر دیا۔ اگر قُدرت کے اِس شاہکار (انسان) کے وسیع تر دائرۂ صفات و کمالات اور کائنات میں اُس کی قُدرتِ تسخیر کے جملہ امکانات کو سمجھا جائے اور اُن کا نقطۂ آغاز معلوم کیا جائے تو غالباً یہی جملہ ہو، اگر انسانی کمالات اور اُس کی بے پناہ تسخیری قوّتوں کے دائرۂ امکان کو وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے تو ہر جگہ اسی جملے کی معنویّت کا پھیلاؤ دکھائی دے گا۔ گویا اگر جملے کو سمیٹ کر دیکھا جائے تو یہ ایک قطرہ بھی کہلایا جا سکتا ہے اور اگر اِس کی معنوی وسعتوں کے امکانات کا جائزہ لیا جائے تو یہی ایک قطرہ ایسا سمندر بھی ہے، جو ناپیدا کنار ہے۔ جس طرح قطرے کی لامحدودیّت کو سمندر اور سمندر کی محدودیّت کو قطرے کا نام دیا جاتا ہے، یہی حال بزرگوں کے فقروں اور جملوں کا ہے۔ گویا ؎

دریا سمٹے قطرہ ہو    قطرہ پھیلے دریا ہو

لہٰذا جو شخص حضرتِ اعلیٰ قدّس سرّہٗ کے اِس ایک مذکورہ جملے کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنا کر عمل پیرا ہونا چاہے، اُسے اِس کے پس منظر اور پیش منظر سے متعلق درج ذیل تبصرہ بھی نظر سے گزار لینا چاہیئے۔

## تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

ہر انسان کو حسب اور صفات کا حسین اور مستحکم محل چھوڑ کر رعونتِ نسبی کی ناپائدار اور غیر محفوظ جھونپڑی کا قیدی نہیں بننا چاہیئے۔ اپنی انا اور احساسِ برتری کو (جو درحقیقت احساسِ کمتری

ہی کی دوسری شکل ہے) مٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جب انسان مٹ جاتا ہے تو اُس کا مٹنا ہی اُس کے لئے علامتِ وجود بن جاتا ہے، چنانچہ حضرت میرزا بیدلؒ اسی نکتے کو یُوں بیان فرماتے ہیں ؎

خاک رانفیِ خُود اثباتِ چمن ہا کردن است
آنقدر مُردم براہِ اُو کہ جانے یافتم

اِس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ مٹی، جب اپنی ذات کی نفی کرتی اور اُسے مٹاتی ہے تو درحقیقت اُس کا یہ عملِ نفی، باغ و بہار اور لالہ وگُل کے رُوپ میں اپنے وُجود کا اثبات و اظہار ہوتا ہے۔ مصرعِ ثانی میں فرمایا کہ اِسی لئے میں اُس کی راہ میں اِتنا مَرا کہ میں نے ایک لافانی حیات اور وُجود حاصل کر لیا؛ چونکہ نباتات کی روئیدگی میں مٹی کے اجزائے ترکیبی کے جملہ عناصر، اپنی قوتوں کو صَرف کرنے کے بعد، گویا اپنی نفی کر لیتے ہیں، اگر مٹی اپنے قوائے فطریہ کو نباتات کے عمل روئیدگی میں صَرف نہ کرے اور اِس طرح اگر وُہ اپنی میّتِ وُجود پر نمازِ نفی ادا نہ کرے تو یہ خاکدانِ عالم، لہلہاتے سبزہ زاروں، سربلند و رعنا درختوں، جھُومتی شاخوں، رنگین وعطر بیز پھُولوں، لذیذ پھلوں، مخملیں مرغزاروں اور ترنم ریز آبشاروں سے یکسر محروم رہے اور انسانی نگاہیں، بہاروں کی رعنائیوں اور دل فریبیوں کے لئے ترستی رہیں؛ مٹی کو اپنی نفیِ ذات کی جزا، کائنات میں پھیلے ہُوئے اَن گنت فردوس نگاہ مناظر کی صورت میں دے دی جاتی ہے۔

حضرت عارفِ رُومیؒ نے بھی ایک جگہ نگارِ حقیقی کے شہیدانِ راہِ وفا کی جاں سپاریوں اور اُن کے صلوں کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا ہے ؎

گر کُنی جاں را تُو بر جاناں نثار — در عوض یک جاں دہد صد جاں نگار
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد — آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

ترجمہ۔ اے مخاطب! اگر تُو محبوبِ حقیقی پر اپنی جان قربان کر دے تو یہ سودا مہنگا نہیں، اِس لئے کہ اِس ایک جان کے بدلے وہ تجھے سینکڑوں جانیں عطا فرماتا ہے، لینے کو تو وہ تیری ایک جانِ ناتواں ہی لیتا ہے، مگر اُس کے عوض اِتنا کچھ مرحمت فرماتا ہے، جو تیرے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ مقصد یہ کہ مٹی کی طرح جو انسان اُس ایک وُجودِ حقیقی (باری تعالیٰ) کو ثابت کرنے کے لئے اپنی ذات کی نفی کرتا ہے تو اُسے اِس صلے میں لامحدود اور گوناگوں زندگیوں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے؛ صُوفیاء کے نزدیک چونکہ وُجودِ حقیقی کی مالک صرف ایک ہی ذات

ہے، اِس لئے وہ اُس ذاتِ حیّ و قیوم کے سامنے اپنی ذات کو ثابت نہیں کرتے، بلکہ اِس کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ ایک ثابتِ مستقل کے سامنے ایک ثابتِ عارضی کہاں قائم رہ سکتا ہے، چونکہ خداوندِ عالم نفی سے پاک ہے اور وجود و اثبات سے متصف ہے، لہٰذا ثابتِ عارضی (یعنی انسان) اپنی نفی کو پسند کر لیتا ہے، اِس لئے کہ اگر ایک صفت میں دو ذاتیں شریک ہو جائیں تو یہ شرک ہوگا۔ بقولِ امجد حیدر آبادی مرحوم ؎

ہیں مستِ مئے شہود، تو بھی میں بھی — ہیں مدعیٔ نمود، تو بھی میں بھی
یا تو ہی نہیں جہاں میں یا میں ہی نہیں — ممکن نہیں دو وجود، تو بھی میں بھی

## وجودِ باری، اُس کی صفتِ کبریٰ ہے

حضرتِ امجد کا مطلب یہی ہے کہ دو وجود، جنہیں مستقل الوجود کہا جائے، ممکن نہیں۔ ذاتِ باری کی صفتِ کبریٰ، چونکہ اُس کا وجود ہے، اِس لئے اُس کی نفی ناممکن ہے۔ لہٰذا مقتضائے ادب یہی ہے کہ انسان، اُس کے وجود کو مزید ثابت کرنے کے لئے اپنی نفیِ ذات کے عمل میں مصروف رہے، اِس نفی کا نتیجہ ایک حدیثِ قدسی کے اِس مفہوم کی صورت میں نکلے گا، جس میں ارشاد ہوتا ہے: کہ کثرتِ نوافل سے بندہ اِس قدر میرے قریب ہو جاتا ہے کہ میں اُس کے کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے۔ میں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، جن سے وہ پکڑتا ہے، میں اُس کی زبان بن جاتا ہوں، جس سے وہ بولتا ہے اور میں اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے۔ اصطلاحِ تصوّف میں اِسی کو ؎ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود، کہا جاتا ہے۔ چونکہ اِس وسیع و عریض کائنات کا محبوب و مقصودِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اب جو اُس کے شیدا ہونے یا عاشق بننے کو پسند کرے گا، اُسے اُس کے وجود کے آگے اپنے وجود کو معدوم اور اُس کے اثبات کے سامنے اپنے ثبوتِ وجود کی نفی پیش کرنا ہوگی، جس طرح مثالِ مذکور میں مٹی اپنی ذات اور قویٰ کی نفی کر کے اثباتِ چمن کرتی ہے، چونکہ مٹی کے آثارِ وجود جس قدر گھٹتے ہیں، وہی بظاہر گھٹنے والے آثار، چمن کے اثبات میں بڑھنے کے کام آتے ہیں، گویا ایک گھٹنے والی شے جب گھٹے گی تو اُس کے گھٹنے کی مقدار کے مطابق وہ چیز بڑھے گی، جس کے لئے یہ گھٹ رہی ہے؛ بظاہر اسے ایک چیز کا گھاٹا تو کہا جائے گا، مگر اِس گھٹنے کو دوسری شے کے بڑھنے کا سبب بھی تو قرار دیا جائے گا۔ اگر کسی عاشق کا گھٹاؤ اُس کے محبوب کے بڑھاؤ کا موجب بنے تو اِس سے بڑھ کر

اُس کے لئے باعثِ مُسرّت اور کیا بات ہوگی؟ اِس حقیقت کی طرف میرزا بیدلؒ نے یوُں اشارہ فرمایا ہے ؎

آرزو از نفیِ ما اثباتِ یار ایجاد کرد
ہرچہ از آثارِ مجنوں کاست، بر لیلیٰ فزود

یعنی مجنوں کے آثار جس قدر گھٹتے گئے، اُسی قدر وہ لیلیٰ کے آثار میں افزودگی کا سبب بنتے گئے! ثابت ہوا کہ انسان کی نفی اگر ذاتِ باری کے وجودِ حقیقی کے مشاہدہ کا سبب بن جائے تو انسان کے لئے اِس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے گویا اِس کی نفی، وجودِ حقیقی کے مشاہدہ پر مُنتج ہوتی۔

## مزید ہدایات

انسان کے اپنے وُجود کی نفی اور ذاتِ باری تعالیٰ کے شہُود کے لئے درج ذیل ہدایات پر عمل پیرا ہونا حصُولِ مقصد کی خاطر ضروری ہے:۔

۱۔ رزقِ حلال کھانا چاہیئے۔
۲۔ دُنیوی جاہ و جلال کا خواہش مند نہیں بننا چاہیئے۔
۳۔ کثرتِ مال و دولت کو معیارِ فضیلت اور سرمایۂ عزت نہیں سمجھنا چاہیئے۔
۴۔ ریاکاری، تصنّع اور انسان فریبی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔
۵۔ کسبِ معاش کی غرض سے غیر اسلامی عُلوم و فنُون بھی ضرور سیکھنے چاہئیں، بشرطیکہ اُن سے کہیں زیادہ دینی عُلوم کا سرمایہ اپنے پاس موجود ہو، تاکہ افکار و عقائد مسموم ہونے سے محفوظ رہ سکیں اور غیر اسلامی عُلوم کی یلغار میں دینی عُلوم، حصار کا کام دیں۔
۶۔ قرآنِ مجید، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور اکابرِ اُمّت کے جمع کردہ ذخیرۂ علمی کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔
۷۔ دنیاداری کی باتیں کم اور دین کی باتیں زیادہ کرنی چاہئیں۔
۸۔ اپنے حلقۂ اثر کو محض دُنیوی اُمور زیرِ بحث لانے سے روکنا چاہیئے اور ان کے بجائے اُنہیں قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ کو موضوعِ گفتگو بنانے کی تلقین کرنی چاہیئے۔
۹۔ غیر اسلامی عُلوم کو، اسلامی عُلوم پر فوقیت نہیں دینی چاہیئے، بلکہ غیر اسلامی عُلوم کو اسلامی عُلوم

سے کم تر سمجھنا چاہیئے۔

۱۰۔ صُوفیائے کرام اور اکابرِ اُمّت کے حکمت آموز اور رُوح پرور ذخیرۂ نظم و نثر کو مُستقلاً زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔

۱۱۔ وقت کے حکمرانوں، بادشاہوں، وزیروں، امیروں، سیاسی لوگوں، دنیاداروں، نوابزادوں، جاگیرداروں، وڈیروں اور مغرور دولت مندوں کی ظاہری جاہ و حشمت کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے اور اِن سے تعارف پیدا کرنے اور باریابی کی خاطر ہلکان نہیں ہونا چاہیئے؛ وہ آجائیں یا خود ملنا چاہیں تو اخلاقاً ضرور مل لینا چاہیئے، مگر اپنی ذاتی حاجات لے کر اِن کے دروازوں کا طواف نہیں کرنا چاہیئے، جیسا سلوک وہ کریں، ویسا ہی اُن سے سلوک کرنا چاہیئے۔ اُن کی تعظیم و تکریم میں غُلُو سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

ایسے لوگوں کی صحبت سے اجتناب پر زور دیتے ہُوئے رئیس المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) لکھتے ہیں:۔ قیل لبعض العلماء أوصنا فقال ایّاکم و مُجالسة اقوامٍ یتکلفون بینھم زُخرفَ القول غرورًا و یتملّقُونَ فی الکلام خِداعًا و قلوبہم مملوءة غِشًّا و غِلًّا و دغلًا و حَسَدًا و کِبرًا و حِرصًا و طمعًا و بُغضًا و عداوةً و مکرًا و ختلًا دینُھم التعصّبُ و اعتقادُھمُ النفاقُ و اعمالھم الرّیاءُ و اختیارُھم شھواتُ الدّنیا یتمنّون الخلودَ فیھا مع علمِھم بأنّھم لا سبیلَ لھم الٰی ذٰلك یجمعون مالا یأکلون و یَبنُوْنَ ما لا یسکُنون و یؤمِّلُونَ مالا یُدرِکون و یکسِبون الحرام و ینفقونَ فی المعاصی و یمنعون المعروفَ و یرکَبونَ المُنکرَ۔[1]

ترجمہ۔ بعض عُلماء سے کہا گیا کہ ہمیں وصیّت کیجئے، اُنھوں نے فرمایا۔ اپنے آپ کو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بچانا جو دھوکہ دینے کے لئے باتوں کو بنا سجا کر پیش کرتے ہیں دوسروں کو فریب دینے کی خاطر بات کرنے میں خوشامد کرتے ہیں، اور اُن کے دل کھوٹ، فریب، حسد، تکبّر، حرص، لالچ، بُغض، دشمنی، مکر اور فریب سے بھرے ہوتے ہوتے ہیں، اُن کا دین تعصّب، اعتقاد نفاق اور اُن کے اعمال ریا (پر مبنی) ہوتے ہیں، اور دُنیا کی خواہشات اُن کی پسندیدہ چیزیں ہیں، اور اِس دُنیا میں ہمیشہ رہنے کی آرزو رکھتے ہیں، حالانکہ وہ یہ جانتے

---

[1] دیکھئے فتوحات مکیہ (عربی) باب ۷۰۵ فی وصیات حکمیة، جلد ۴، ص ۵۱۰، مطبوعہ مصر، سن طباعت ۱۲۷۴ھ

ہیں کہ حیاتِ ابدی تک رسائی کے لئے اُن کے پاس کوئی راستہ نہیں، ایسی چیزیں جمع کرتے ہیں جو کھاتے نہیں اور وہ چیزیں تعمیر کرتے ہیں جن میں سکونت پذیر نہیں ہوتے، حرام کی کمائی کرتے اور اُسے گناہوں میں خرچ کرتے ہیں، بھلائی سے روکتے اور منکرات کے مرتکب ہیں۔ (انتہیٰ)

حضرت ابن عربیؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اجتناب اولیٰ ہے، لیکن اگر ان میں سے کسی کی شرافتِ نفسی، آدمیت، انسان دوستی اور خُوئے نیاز و انکسار کا یقین ہو تو مناسب حد تک اُس کی عزّت کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر وہ لوگ جو مرتبۂ اخلاق سے گرے ہوئے ہوں، اُن سے تعارف کے لئے حیلے وسیلے تلاش نہ کرے، بلکہ اُن سے مل کر فخر کے بجائے بیزاری و ندامت محسوس کرے، وقت کے شاہوں، حکمرانوں اور وڈیروں کی مادّی طاقت سے ٹکر لینے کے لئے بے پناہ قسم کی رُوحانی قوّتوں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، اِس لئے کہ ایسے رعونت مزاج اور نشۂ دولت و اقتدار میں بدمستوں سے مذکورہ سلوکِ بے اعتنائی وہی کر سکتا ہے اور اُن کو دندان شکن جواب وہی دے سکتا ہے، جس کے پاس مادیت سے زیادہ رُوحانیت اور کمالات و فضائل کا نایاب اور قدرتی اسلحہ موجود ہو۔ اور یہ اُن کا کام ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے یہ ارشاد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝[1] (ترجمہ) اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے (انتہیٰ) اور جن کے لئے ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوا۔ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔[2] تُو دیکھتا ہے اُنہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے، کبھی سجدے کرتے ہُوئے، طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اُس کی رضا کے اور اُن کے چہرے سجدہ کے اثرات[3] و انوار سے جگمگا رہے ہیں (انتہیٰ) ایسے لوگ جن کے چہرے دیکھنے

---

[1] الفرقان ۲۵ : ۶۴

[2] الفتح ۴۸ : ۲۹

[3] بعض لوگ اَثَرِ السُّجُوْد سے مُراد ماتھے پر پڑا ہُوا سیاہ نشان لیتے ہیں، پھر ظاہر پسند خوفناک حد تک ماتھے کو گھستے ہیں تاکہ اُن کی جبین سجدہ گزار اَثَرِ السُّجُوْد کا صحیح مصداق بن سکے، مگر یہ غلط ہے۔ اِس لئے کہ امام غزالیؒ نے ماتھے پر نشانِ سجدہ کے باقی رکھنے کو علامات ریا میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں وابقاء اَثَرِ السُّجُوْدِ عَلَى الْوُجُوْهِ الخ یعنی نشانِ سجدہ کا ماتھے پر باقی رکھنا بھی ریاکاری ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احیاء العلوم (عربی) جلد ثانی الجزء الثالث، ص ۲۵۷، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۳۲ھ

سے خدا یاد آجائے، جن پر ایک مرتبہ نگاہ ڈالنے سے دُنیائے دل میں ایک ہلچل سی بپا ہو جاتی ہو، اور اُن کو بار بار دیکھنے کی آرزو دل میں رہ رہ کر مچلتی ہو، ایسے با خدا لوگ ہی طاغوتی اور فرعونی طاقتوں کے بالمقابل کوہِ ثبات کی صورت ڈٹ سکنے کی ہمت کر سکتے ہیں، اُن کے چہروں پر ایسا جلالِ خداوندی اور ایسی ہیبتِ حق طاری ہوتی ہے کہ اُن کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ جس طرف اُن کی ایک نگاہِ جلال آگیں اُٹھ جائے، وہ ماحول اِس شعر کا مصداق بن جاتا ہے ؎

جان سے ہو گئے بدن خالی جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا (خواجہ میر دردؒ)

یہ رُعب و دبدبہ اور یہ شانِ جلال، عارضی اقتدار پر گھمنڈ کرنے والوں کے چہروں پر ہرگز نہیں پائی جا سکتی۔ ع ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست

یہ قدرتی ہیبت و دبدبہ اُن کو ذاتی صلاحیتوں، دینی خدمات اور اُن کی ریاضت و عبادت کے صلے میں عطا کیا جاتا ہے۔ ادا شناس اور معرفت نگاہ لوگ اُن کی ہر ادائے جلال و جمال پر اپنی جان چھڑکتے ہیں؛ اگرچہ وہ انتہائی شفقت و رحمت کا سلوک لوگوں سے روا رکھتے ہیں، مگر اِس کے باوجود زمانے کے شاہ و گدا اُن کی ہیبتِ خداداد سے بدستور مرعُوب رہتے ہیں، جو اُنہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے سلف میں یہی ہیبت حق تھی کہ شاہانِ وقت اُن کے نام سے لرز اُٹھتے اور اُن کی بارگاہ میں حاضری و باریابی کے حیلے وسیلے تلاش کیا کرتے تھے۔ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت خواجۂ اکبر غریب نواز اجمیری اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس اللہ اسرارہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جو شاہانِ وقت سے تملّق تو کجا، اُنہیں سرِ عام ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے۔ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دِل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق (اقبالؒ)

اُنہیں اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت بہت کم دیتے تھے، مگر آج کل کے اکثر علماء و مشائخ کو جب شاہی درباروں تک رسائی کے لئے بے تاب و سرگرداں دیکھا جاتا ہے اور جو اربابِ اقتدار کی خدمت میں بغیر کسی شرعی اور ملی ضرورت کے، بن بُلائے حاضری کے لئے عام ملاقاتیوں کی صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا اور دل پر بے حد شاق گزرتا ہے کہ اِن کے اسلاف کس شانِ بے نیازی اور رُعب و دبدبہ کے مالک تھے، مگر آج وہ اُن کا کہلا کر اُن کی اقدار اور روایاتِ فقر و استغنا کو کس بے دردی سے خاک میں ملا رہے ہیں۔ حالانکہ بقولِ

صائب تبریزی ؎

درونِ خانۂ خود ہر گدا شہنشاہست
قدم برون منہ از حدِّ خویش وسلطاں باش

(ترجمہ) ہر گدا اپنے گھر میں شہنشاہ ہوتا ہے؛ اپنے حق میں قدرت کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کر اور بادشاہ بن کر رہ۔

۱۲۔ علمائے دین میں سے وہ، جن کے عقائد درست اور صحیح ہوں، اگر وہ آئیں تو تعظیماً اُن کے لئے اُٹھنا اور اُنہیں بٹھانے کے لئے بہتر جگہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اُن کی عزت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے مترادف ہے؛ سچے اور حقیقی مشائخ کرام کی تعظیم و تکریم میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے؛ جعلی اور اصلی مشائخ کی علامات اور فرق کو سمجھنا اور جاہل پیروں کی صحبت سے قطعاً اجتناب کرنا چاہیئے؛ اِس کے علاوہ دُنیائے علم و ادب سے تعلق رکھنے والے، منکسر المزاج، شائستہ اور صحیح العقیدہ دانشورانِ قوم کو جاہل امیروں اور وڈیروں پر ترجیح دینی چاہیئے اور اُن سے اکتسابِ فیض کرنا چاہیئے۔

۱۳۔ طوطیٔ ہند امیر خسرو، لسان الغیب حافظ شیرازی، عارف نامی مولانا جامی، خلاق المعانی میرزا عبدالقادر بیدل، پیر رُومی مُرشدِ روشن ضمیر اور اُستادِ سخن شیخ سعدی شیرازی رحمہم اللہ جیسے اکابر کے فارسی اور عربی کلام کے مطالعہ کو حرزِ جان بنانے اور لازمۂ حیات سمجھنے کے ساتھ ساتھ اُن کے اشعار کے مفاہیم عالیہ کی اتھاہ گہرائیوں میں جھانکنے اور اُن تک رسائی حاصل کرنے کی جدّ وجہد کرتے رہنا چاہیئے۔

۱۴۔ غریبوں، مفلسوں، درویشوں، فقیر منش اور سادہ مزاج لوگوں کی غیر معمولی عزت کرنے، اُن کو اپنے سے بہتر و افضل سمجھنے، ایسے لوگوں کی جھونپڑیوں میں جانے اور اُن کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر رُوکھی سُوکھی کھانے کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھنا چاہیئے۔ نیز بدتمیز و بد عقیدہ امیروں، مغرور زرداروں کے سامنے، نیک سیرت، مہذب اور خوش عقیدہ غریبوں اور درویشوں کو زیادہ اہمیت دینی اور اُن کی زیادہ عزت و تکریم کرنی چاہیئے۔

فقر اور فقراء کے فضائل بیان کرتے ہوئے، صاحب رُوح البیان ایک واقعہ فارسی الفاظ میں یوں لکھتے ہیں ــــ

مصطفےٰ علیہ السلام گفت: ما مہترِ کلیتِ عالم ایم و بہترِ ذُرّیتِ آدمؑ و ما را بدیں فخر نہ، شربت ہائے کرم بر دستِ ما نہادند و ہدیت ہائے شریف بہ حُجرۂ ما فرستادند و لباس ہائے نفیس در ما پوشیدند و طرازِ اعزاز بر آستینِ ما کشیدند و ما را بداں ہیچ فخر نہ۔ گفتند: مہترا! پس اختیارِ تو چیست؟ و افتخارِ تو بہ چیست؟ گفت: اختیارِ ما آنست و افتخارِ ما بداں است کہ روزے ساعتے جوئیم و با ایں فقرائے مہاجرین چوں بلالؓ و صُہیبؓ و سلمانؓ و عمارؓ ساعتے حدیثِ اُو گوئیم[1]

ترجمہ: حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کُل جہان سے بہتر اور اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں اور ہمیں اس پر فخر نہیں۔ ہمارے ہاتھ پر کرم کے شربت رکھے گئے اور ہمارے حُجرے میں شرف و عزّت کے ہدیے بھیجے گئے، ہمیں نفیس لباس پہنائے گئے اور اعزاز و اکرام کے حاشیے، ہماری آستین پر کھینچے گئے اور ہمیں ان باتوں پر کوئی فخر نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اولادِ آدمؑ کے سردار! پس ان سب چیزوں میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے اور ان سب چیزوں میں سے آپ کو کس چیز پر فخر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہمارا اختیار اور افتخار یہ ہے کہ کسی روز ہمیں چند لمحے میسّر آئیں اور ہم بلالؓ، صُہیبؓ، سلمانؓ اور عمارؓ جیسے مہاجر فقراء کے ساتھ کچھ دیر بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کی باتیں کریں۔ (انتہیٰ)

بعض روایاتِ حدیث میں وارد ہے: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ[2] یعنی فقر میرے لئے باعثِ ناز اور باعثِ فخر ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیثِ مُبارک کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ[3]۔ (ترجمہ) اے اللہ تعالیٰ مجھے غریبوں مسکینوں میں زندہ رکھ، بحالتِ مسکینی اپنے پاس بُلا اور روزِ قیامت مجھے غریبوں مسکینوں کے زُمرے سے اُٹھا۔ مگر اس کے ساتھ ذہن میں یہ بھی رکھنا چاہیے کہ فقرِ محمدی کی روش، جن لوگوں میں پائی جاتی ہو، وہی غریب لوگ قابلِ تعظیم و توقیر ہیں، کیونکہ دوسری قسم کے فقر کے لئے آپ نے فرمایا: کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا[4] (ترجمہ) غریبی اور افلاس کُفر کا سبب بھی بن سکتے ہیں، لہٰذا

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح البیان (عربی فارسی) از علامہ الشیخ اسماعیل حقی افندی مصری جلد ۴ ص ۱۸۸ مطبوعہ مصر سنِ طباعت ۱۲۸۲ھ
[2] دیکھئے تفسیر رُوح البیان جلد ۴ ص ۲۸۸ مطبوعہ مصر
[3] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب فضلِ الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۲ ص ۴۴۴ مطبع قدیمی کراچی
[4] رُوح البیان جلد ۱ ص ۲۸۸ مطبوعہ مصر

جن غُربار و فقرا کی عزّت و توقیر کی تلقین کی جا رہی ہے، وہ صرف وہی افراد ہیں، جو فقرِ محمّدی کے پیروکار ہونے کے ساتھ اِس میں یک گونہ فخر بھی محسوس کرتے ہیں، آج کل کے روٹی، کپڑا، مکان کے نعرے لگانے والے، غیر اسلامی طرزِ فکر کے پرستار، بھوکے مغرور، غریب اور مفلس ہرگز مُراد نہیں، کیونکہ ایسے غریب، فقرِ محمّدی کے زُمرے میں کسی طرح بھی شامل اور داخل نہیں کئے جا سکتے۔

۱۵۔ جس شخص کی محفل میں دُنیا اور عام اہلِ دُنیا کی باتیں بہ کثرت ہوں، ایسی محفلوں میں شرکت سے امکانی حد تک پرہیز کرنا چاہیئے، جس مجلس میں بیٹھنے سے عُلما و مشائخ سلف کا رُوحانی اور علمی فیض ملتا ہو اور جس میں قرآن و حدیث اور صوفیائے کرام کے اقوال و کلام کا ذکر رہتا ہو، ایسے عظیم لوگوں اور ایسی کیف آفریں محفلوں کی تلاش میں رہنا چاہیئے، تاکہ مادّی افزودگی کے بجائے رُوحانی بالیدگی کے سُنہری مواقع میسّر آسکیں۔ مشہور ہے جیسی مجلس ویسی تاثیر۔ جو لوگ ذاتی فوائد، سیاسی مقاصد اور دُنیوی نام و نمود کے دیوانے ہوں گے، کبھی آپ کو اِن اہل اللہ کی محفلوں میں بیٹھے ہوئے دکھائی نہیں دیں گے، جن کا دُنیائے علم و فضل اور عالمِ رُوحانیت سے تعلق ہوتا ہے۔ انسانوں کے فطری رُجحانات پرکھنے اور جانچنے کا یہ معیار بھی ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہیئے۔

## خُلاصۂ کلام

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ کے اِس جُملے کے ایک لفظ حسب کی تشریح و توضیح، ہمیں کہاں سے کہاں لے آئی، چونکہ آپؒ نے نسب کے بجائے حسب (صفات) کے حصُول پر زور دیا اور انسانی صفات لامحدود ہیں، لہٰذا لفظِ حسب کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا ہدایات مختصراً اِس لئے سپردِ قلم کی گئیں کہ جو خوش نصیب، عہدِ حاضر کے اِس مادّہ پرست اور مسموم ماحول میں رہتے ہوئے، رُوحانیّت اور ولایت کی دُنیا میں جھانکنے کے آرزُومند ہیں، وہ ان ہدایات پر عمل پیرا ہوتے بغیر شاید اپنی آرزو کی تکمیل میں کامیاب نہ ہوسکیں، کیونکہ ہر منزل کی رسائی کے آداب، نوعیتِ سفر و منزل کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ یہاں ہم ولایت و رُوحانیت کا ذکر کر رہے ہیں، اِس لئے اِس سفر کے آداب اور اِس راستے پر چلنے کی احتیاطی تدابیر بھی اُسی نوعیت کی بتائی گئیں۔

مذکورہ ہدایات پر جو بھی عمل کرنا چاہے کر سکتا ہے، اگر اُس نے خود کو اِن قیود و ضوابط کا پابند کر لیا تو انشاء اللہ اُسے دُنیائے ولایت اور عالمِ رُوحانیت کی لذّت ضرور محسوس ہوگی۔ بقولِ حضرت ابُوسعید ابُوالخیرؒ ؎

یک لحظہ چراغِ آرزوہا پُف کُن، قطعِ نظر از جمالِ ہر یُوسف کُن!
زیں شہد یک انگشت بہ کامِ تو کُنم از لذّت اگر مست نہ گردی، تُف کُن

ترجمہ۔ لمحہ بھر کے لئے اپنی جُملہ خواہشات کے چراغوں کو بُجھا ڈال اور دنیا کی ہر حسین نظر آنے والی شے سے قطعِ نظر کرلے، اِس شہدِ خالص میں ڈوبی ہُوئی ایک اُنگلی مَیں تیرے حلق میں لگاتا ہُوں، اگر تُو اِس کی لذّت سے مست نہ ہو جائے تو پھر مجھ پر تھُوکنا۔

آپؒ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری باتوں پر پہلے پوری طرح عمل تو کر کے دیکھ، اگر اِن پر عمل بھی نہ کرے اور کہے کہ مجھے لذّت محسوس نہیں ہو رہی تو پھر تجھے ہم پر تھُوکنے کا کوئی حق نہیں اور اگر تجھے تھُوکنے کا اِتنا ہی شوق ہے تو آئینے کو سامنے رکھ کر اپنے مُنہ پر (اِن ڈائریکٹ) تھُوک لیا کر! اِس عمل سے تیرا یہ بے محل غُصّہ بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا اور لُعابِ دہن گرنے کے سبب آئینہ صاف کرنے میں بھی آسانی رہے گی۔

## شرفِ انتساب کا مسئلہ

جیسا کہ میں نے آغازِ کلام ہی میں اپنے عندیہ کی وضاحت کر دی تھی، میں معاشرہ کی طبقاتی اُونچ نیچ کے اندازِ فکر کو غیر اسلامی ہونے کی بنا پر قطعاً غلط سمجھتا ہُوں، بلکہ انسانی ناتے سے ہر انسان کے احترام کا علیٰ حسبِ مراتب قائل ہُوں، مگر کیا کیا جائے بعض حضرات کو مطمئن کرنے کی خاطر بسا اوقات اُن کے اعتراضات کا ایسا جواب دینا پڑتا ہے جو فی الواقع درست بھی ہو، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ دل آویز اور فکر انگیز بھی۔

ہُوا یوں کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک ایسے صاحب تشریف لائے، جو سماجی طبقاتی تقسیم کے اعتبار سے تو درجۂ اسفلُ السافلین سے تعلق رکھتے تھے، لیکن حُسنِ اتفاق کہ اچھا خاصا پڑھ لکھ گئے تھے اور ذہین بھی تھے۔ مجھ سے کہنے لگے، میں آج تم سے ایک ایسا سوال کرنے آیا ہُوں، جس کا جواب تم نہیں دے پاؤ گے۔ کچھ دیر بعد پھر یہی فقرہ دُہراتے اور مُسکرا دیتے۔ آخر مَیں نے گزارش کی کہ جناب! بتایئے تو سہی ایسا کون سا سوال ہے، جس پر آپ اِس قدر اِترا رہے ہیں۔

کہنے لگے: سارے سادات سے پوچھ کر آیا ہُوں، ایک بھی جواب شافی نہیں دے سکا۔ سوال یہ ہے کہ جب سارے انسانوں کی رگوں میں دوڑنے پھرنے والا خون ایک جیسا ہی ہے تو پھر سارے انسان ایک جیسے کیوں نہیں سمجھے جاتے اور اِس طبقاتی اُونچ نیچ کا کیا مطلب؟ مَیں نے کہا: واقعی سوال تو بڑا اہم ہے۔ یہ سُن کر زیرِ لب مُسکرائے اور کہنے لگے: جلدی جواب دیجئے۔ مزید کہنے لگے کہ اگر خون ایک جیسا نہ ہو تو ایک چمار کے خون کا گروپ ایک سیّد کے خون کے گروپ سے کیوں مل جاتا ہے، جسے جدید میڈیکل سائنس کے بلڈ گروپنگ ( Blood Grouping ) کے نظریے نے صحیح ثابت کر دیا ہے۔ میں اُن کی بات سمجھ گیا کہ وہ اِس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا جناب! ناچیز نے تو ہمہ دانی کا کبھی دعویٰ نہیں کیا، لیکن جب آپ تشریف لے ہی آئے ہیں تو مقدور بھر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ خدا کرے کہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے۔ میں نے عرض کیا۔ اِس میں شک نہیں کہ مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والوں کے بلڈ گروپ بہ اعتبارِ ماہیّت آپس میں مل سکتے اور مل جاتے ہیں، لیکن نسبی شرف و فضیلت کا باہمی فرق خون کی ظاہری صورت سے تو پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اُس کے انتساب سے ہوتا ہے۔ کہنے لگے: وہ کیسے؟ جواباً عرض کیا کہ سب کا خون بہ ظاہر بے شک ایک گروپ کا یا ایک صورت کا ہوتا رہے، مگر جس بدن میں وہ خُون ہے، جتنی بلند نسبت اُسے حاصل ہوگی، اُسی قدر وہ بلند کہلائے گا؛ نسبت و انتساب کے اعتبار ہی سے خون کا معیارِ شرف متعیّن ہوتا ہے۔ کہنے لگے: میں اِسے تسلیم نہیں کرتا۔ جب سارے انسانوں میں ایک جیسا خون ہے تو پھر مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا: اب آئے آپ اپنے اصل مسئلہ پر۔ جب وُہ میری اِس ساری تقریر کو نہ سمجھ سکے تو میں نے پوچھا کہ گدھا اور ہرن کیا ہیں؟ بولے: جانور۔ میں نے سوال کیا کہ دونوں کے خون میں فرق ہے کہ نہیں؟ اب وہ جواب میں ذرا متامّل ہوئے اور کہنے لگے: دیکھنے میں تو دونوں کا خون ایک ہی جیسا نظر آتا ہے، فرق صرف حلال و حرام کا ہے۔ ہرن حلال اور پاک ہے، جب کہ گدھا حرام اور پلید۔ میرے اِس استفسار پر کہ دونوں کی حلّت و حُرمت کا سبب اُن کا خون ہے یا اُن کے اجسام سے اُس خون کا انتساب؟ کہنے لگے: انتساب۔ میں نے کہا، چونکہ قدرت نے فرقِ مراتب کے تحت گدھے کے بدن اور خون کو ہرن کے بدن اور خون کا مرتبہ نہیں دیا، یعنی گدھے کو حرام قرار دیا، جب کہ ہرن کو پاک اور حلال۔ اِس طرح خدا کا حکم جس بدن کے حق میں، جس انداز سے وارد ہوا، اُس بدن کو اُسی قدر رُتبہ مِلتا گیا۔ گدھے اور ہرن کے خون کی باہمی مشابہت و مماثلت کے باوجود

شریعتِ مُطہرہ میں دونوں کے مراتب و احکام میں فرق ہے، چونکہ احکام میں ہرن کے خون و بدن کا سلسلۂ نسب حکمِ حلّت سے ملتا ہے، اِس لئے اِس کا مقام، حرام جانوروں سے بلند ہو گیا، جب کہ گدھے کے خون و بدن کا سلسلۂ نسب حکمِ نجسیّت سے ملنے کی بنا پر حلال جانوروں کے مقابلے میں پست و زبُوں ٹھہرا۔

## حیوانات کی بلڈ گروپنگ کا معاملہ

اگر کسی ہنگامی ضرورت کے تحت ہرن کے جسم کو خُون رسانی کی ضرورت پڑ جائے اور گدھوں کے خون کی عام دستیابی کی سہولت کے پیشِ نظر کسی گدھے کا خون ٹیسٹ (Test) کیا جائے اور حُسنِ اتفاق سے وہ مریض ہرن کے خون کا گروپ ہو، پھر بھی گدھے اور ہرن کی اِس ظاہری خونی مماثلت و مشابہت کو دیکھ کر کوئی صاحبِ عقل و خرد، ہرن اور گدھے کو برابر کا مقام دینے کے حق میں نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کہنے اور سوچنے والا اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق انسان نُما خر قرار پائے گا، اِسی طرح اگر کسی صحیح النسب فاطمی سیّد کے خون سے کسی غیر سیّد کے خون کا گروپ مل جائے تو اُن کے خون کی ظاہری یکسانیت کے باوجود دونوں کی جداگانہ نسبی حیثیت بدستور برقرار رہے گی اور دونوں کے مابین سابقہ خطِ امتیاز اُسی طرح کھنچا رہے گا، جیسا کہ مثالِ بالا سے ظاہر ہے۔ اگر ہرن اور گدھے کے خون کی مُماثلت اور حیوانیت میں اُن کے مساویانہ اشتراک کے باوصف ایک رُتبہ اور ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا تو ایک سیّد اور غیر سیّد کو خون کی وقتی مشابہت اور صرف نوع کی مشارکت کے سبب کیونکر برابر سمجھا جا سکتا ہے۔ جس طرح سب حیوان ایک جیسا خون رکھنے اور حیوان کہلانے کے باوجود ایک حکم کی لاٹھی سے نہیں ہانکے جا سکتے، بالکل اُسی طرح انسان بھی نوعی اور جنسی مساوات و مشارکت کے باوجود اپنا اپنا الگ حکم اور مقام رکھتے ہیں ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد  گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

میں نے کہا یہ ساری تفصیلی مثال صرف صورتِ مسئلہ سمجھانے کی خاطر پیش کی گئی ہے، عالمِ انتساب میں انسانوں کی صورت بھی بالکل یہی ہے، جس جسم کا انتساب جتنا محترم اور مکرم ہے، اُسے اُسی قدر شرف و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ نسلِ انسانی میں انسان کے شرف و بزرگی کا نقطۂ عروج صرف اور صرف حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہے لہٰذا جس انسان یا جس بدن کو اُس سرچشمۂ شرف سے انتساب کا اعزاز حاصل ہوگا، اُس کے آداب

انتساب کے بنیادی تقاضوں اور احساسات کو منسوب الیہ کے قصرِ حُرمت و آداب کے کسی گوشے ہی میں رکھنا پڑے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دیوارِ کعبہ میں چُنے ہُوئے پتھر صرف انتسابِ کعبہ کے سبب مسجود الیہ بنے ہُوئے ہیں، اگر دیوارِ کعبہ سے اِن پتھروں کے اتّصالِ نسبت کا سلسلہ ٹوٹ جائے اور اِنہیں دیوارِ کعبہ سے نکال دیا جائے تو اِن کی طرف سجدہ کرنا حرام ہو جائے گا، اِس لئے کہ وہ پتھر ذاتی طور پر تو کسی شرف و احترام کے حامل نہیں، بلکہ دیوارِ کعبہ سے اُن کی نسبتِ اتّصال ہی نے اِن کو ذی شرف بنا رکھا ہے، اِسی طرح اگر دیوارِ کعبہ کے موجودہ پتھروں کی جگہ باہر سے نئے پتھر لا کر چُن دیئے جائیں تو سارا عالمِ اسلام اُن کی طرف سجدہ کرنے لگ جائے گا۔ اِس مثال سے معلوم ہوا کہ اگر ایمرجنسی میں ایک سیّد کو کسی غیر سیّد کا خُون لگا دیا جائے تو سیّد کے جسم کا مس پاتے ہی اُس (خُون) کو وہ مقام مل جاتا ہے، جو باہر سے لائے ہُوئے ایک خوش نصیب اور نَو وارد پتھر کو دیوارِ کعبہ میں چُنے جانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا، چند سال قبل حکومتِ پاکستان کو غلافِ کعبہ تیار کرنے کا شرف حاصل ہوا تو اُسے حجازِ مقدّس بھیجنے سے قبل خصوصی ٹرین کے ذریعے پورے مُلک میں اُس کی نمائش کا اہتمام کیا گیا، اِس طرح لاکھوں فرزندانِ توحید اور پاسبانِ حرم اُس کی زیارت سے مشرّف ہوئے، اِس احترام و اکرام اور شرف و تقدّس کا سبب خانۂ کعبہ سے اُس کی نسبت ہی تھی، ورنہ کعبۃُ اللہ پر آویزاں ہونے سے قبل اُس کی تقدیس و تکریم اور اُس کی زیارت کے کیا معنی؟

## فضیلتِ سادات کا سبب، اُن کا شرفِ انتساب ہے

یہی حال سادات کا ہے، چونکہ اُن کی نسبت یا انتساب اُس ذاتِ جلیلہ سے ہے، جو ساری کائنات میں بعد از خُدا سب سے بڑی اور صاحبِ شرف و فضیلت ذات ہے، اِس لئے اِس انتسابِ عالی کے پیشِ نظر اہلِ بیت کی عزّت و حُرمت کا بھی ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ اُن کے اجسام اور خُون، اُس ذاتِ پاک سے منسُوب ہیں، جس کے ساتھ کعبہ کا یہ سلوک ہے۔

اہلِ دیں سُوئے کعبہ سجدہ کنند
کعبہ سُوئے تو یا رسُولَ اللہ (راقم الحروف)

الحمدُ للہ کہ میری اِس تفصیلی گفتگو کے بعد موصوف نے اعترافاً کہا کہ صاحب! میں آج سمجھا کہ کسی شے کے لئے باعثِ شرف و تحقیر اُس کا انتساب ہے نہ کہ اُس کا اپنا وجُود۔

## نسبی تفاخر کا اظہار، مُستحسن نہیں

اِس تحریر سے یہ مفہوم مُستفاد ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے وہ اہلِ فضیلت، جو بہ اعتبارِ نسب اُونچے نہیں، مگر اُن میں وہ تمام فضائل و خصوصیات پائی جاتی ہیں، جنہیں لفظِ حَسَب سے تعبیر کیا جاتا ہے، اُن کے سامنے ایسے لوگوں کو کبھی اظہارِ فضیلت اور نسبی تفاخر کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے، جن کا نسب تو بہت ارفع ہو، مگر وہ خود شومیٔ قسمت سے فضائلِ اسلاف سے محرُوم ہوں آج کل تو وہ لوگ بھی کبر و غرُور کے مرض میں مُبتلا ہو چکے ہیں، جو نہ تو بہ اعتبارِ حَسَب اُونچے ہیں اور نہ بہ لحاظِ نسب۔ عام طور پر معترضین ساداتِ فاطمیہ کے لئے کبر و غرور کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے باعث چونکہ اُن کا نسب سب سے ارفع و بلند ہے، اِس لئے یہ عموماً مغرُور ہوتے ہیں۔ چلئے کچھ دیر کے لئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ سادات کو اِس قسم کا احساسِ برتری ہوتا ہے، مگر اُن کا یہ احساس غلط کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جس کی جتنی بڑی نسبت ہوگی، اُسے اُتنا ہی ناز کرنے کا حق ہے۔ اگر غیر سیّد اولیاء کی غیر سیّد اولاد کو صرف اِس لئے غرُور و تکبّر اور اظہارِ فضیلت کا حق ہے کہ وہ فلاں قُطبِ دوراں یا فلاں عظیم ولی اللہ کی اولاد ہیں تو سیّدُ النَّسب اولیاء کی اولاد کو اپنی نسبی عظمت و انتساب پر فخر کرنے کا حق کیوں کر حاصل نہیں؟ اِس لئے کہ دیگر خصوصیات کے علاوہ، سادات کے شرف و فضیلت کے لئے سب سے بڑی خصُوصیّت یہی کیا کم ہے کہ دُنیا بھر کے غیر سیّد اولیاء، اقطاب، صالحین، علماء اور مشائخِ کبار اُن کے نانا کا صرف کلمہ پڑھ لینے کی بدولت عظیم رُوحانی مقامات پر فائز ہوئے، گویا غیر سیّد مشائخ و علماء اور اُن کی تمام اولاد، سادات کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں، جو سادات کے لئے قابلِ فخر بات ہو سکتی ہے نہ کہ کسی قُطب، غوث یا کسی شیخِ وقت کے نانا یا دادا کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو غیر سیّد مشائخ اور علماء کی اولاد، سادات پر اظہارِ فخر و برتری کر سکتی تھی، مگر ایسا تو سوچنا بھی مُوجبِ کفر ہے کہ سادات کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا کلمہ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اِس تفصیل میں جانے کا مطلب یہ تھا کہ نسبی برتری پر فخر و غرُور کا حق، دُنیائے اِسلام میں اگر کسی کو ہو سکتا تو وُہ صرف سیّدُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو ہوتا، مگر با کمال، سعادت مند اور بالغ نظر اولاد اپنے نانا کی تعلیمات اور آپ کے اُسوۂ حَسَنہ کو ہمیشہ اپنے لئے مشعلِ راہ سمجھتی ہے، اگرچہ تحدیثِ نعمت کے طور پر ایسا کرنا یا کہنا ناجائز نہیں،

جیسا کہ ایک دفعہ مجھ سے ایک غیر سیّد پیرزادے نے سیّد اور غیر سیّد کے درمیان فرق کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں اور تم میں بُنیادی فرق کیا ہے، چنانچہ جواب میں اُسی وقت درج ذیل دو مصرعے موزوں ہو گئے ؎

کافر نہیں مُنکر ترے نانا کا مگر منکر مرے نانا کا مسلمان نہیں

یہ دو مصرعے سُن کر ہر دو الفاظ میں واقع بُنیادی فرق اُن کی سمجھ آگیا اور خاموش ہوگئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اپنی بلندیٔ مُقدر پر فخر و مباہات کے جواز کے باوصف شیوۂ عجز و انکسار کو زیادہ پسند کرنا چاہیئے۔ بقولِ صائب تبریزی ؎

فروتنی ست دلیلِ رسیدگانِ کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

(ترجمہ) عجز و انکسار، انسان کے لئے منازلِ کمال پر فائز ہونے کی دلیل ہے، اِس لئے کہ سوار منزل پر پہنچ کر پا پیادہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح سواری پر ہونا غرور و نخوت، نارسیدگیٔ منزل اور سفر کی غمازی کرتا ہے، اسی طرح مسافر کا پاپیادہ ہو جانا، اُس کے عجز و انکسار اور اُس کے وُصولِ منزل کی علامت ہوتا ہے۔ ع نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں۔ یعنی پھل سے لدی ہوئی شاخ آخر زمیں بوس دکھائی دیتی ہے اور اوچھوں کی طرح بلا ضرورت اِس قسم کے اظہار کو غیر مستحسن سمجھتی ہے، لہٰذا اُن لوگوں کو بھی کچھ شرم محسوس کرنا چاہیئے، جو سادات جیسے عالی خانوادوں کے افراد بھی نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن کے آباء و اجداد، سادات جیسے عالی گھرانوں سے نسبت رکھتے ہیں، پھر غرورِ نسب اور احساسِ برتری کیسے؟ اور اِس قدر اپنے اجداد کی عظمت و فضیلت کے تذکرے چہ معنی دارد؟

## دولت و اقتدار بھی اللہ کی نعمت ہے

بلاشبہ مال و دولت اور حکومت و اقتدار بھی دوسری نعمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے ایک نعمت ہے، جو فی نفسہٖ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ کوئی قبیح چیز، اگر اِس میں کوئی عیب و قباحت ہوتی تو جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو حکومت و اقتدار اور مال و دولت عطا نہ ہوتے، اِس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں ہوتی، جو درحقیقت عیب ہو، کیونکہ انبیائے عظام جملہ عیوب سے مبرّا اور پاک ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید

میں جنابِ داؤد اور جنابِ سلیمان علیہما السّلام کی حکومت و بادشاہی کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد ہوا: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا [1] (ترجمہ) سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سُلیمانؑ کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حُکم اور علم۔ یعنی ہم نے انہیں علم بھی عطا فرمایا اور حکومت و اقتدار بھی۔ اِسی طرح ایک مقام پر حضرت لُوط علیہ السّلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ [2] (ترجمہ) اور لُوط [3] کو ہم نے حُکم اور عِلم عطا فرمایا اور نجات دی اُسے اُس بستی سے، جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے (انتہیٰ) محوّلہ بالا پہلی آیت میں

---

[1] القرآن ۲۱ : ۷۹

[2] القرآن ۲۱ : ۷۴

[3] یہاں ایک عظیم شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر لواطت کے مفہوم کو جنابِ لُوطؑ کے اسمِ مُبارک سے مُشتق سمجھا جاتا ہے، جو خلافِ لُغت ہونے کے علاوہ ایک جلیلُ القدر پیغمبر کی صریح گستاخی ہے۔ دانستہ ہو تو مُوجبِ کُفر بھی ہو سکتی ہے جان لینا چاہیے کہ لواطت کے لفظ کا لفظِ لُوط سے قطعاً کوئی معنوی تعلق نہیں۔ یہ درست ہے کہ لاط، یَلُوطُ عربی زبان کے الفاظ ہیں، مگر ہمارے ہاں یہ لفظ رذیل معنوں میں رائج و مُستعمل ہے۔ عربی کے تمام معتبر اور مُستند لغات اُٹھا کر دیکھ لیجیے، کسی لُغت میں یہ لفظ ہمارے مُروّجہ (بدکاری) کے معنوں میں نہیں ملے گا جب لُغتِ عرب میں یہ لفظ اِن معنوں میں آتا ہی نہیں تو پھر اسے اِن معنوں میں لکھنا اور بولنا کتنی عظیم جہالت ہے۔ اُردو، فارسی کے جتنے لُغات میں لفظِ لواطت، بدکاری کے معنوں میں لکھا ہے، وہ سب غلط ہے کیونکہ کسی لفظ کی تحقیق کے لئے اُس کی اپنی زبان کا لُغت ہی زیادہ معتبر ہوتا ہے، چونکہ یہ لفظ عربی کا ہے، اِس لئے اُصُولاً اِس کی سند بھی عربی لُغت ہی سے لینی چاہیے۔ اگر کوئی لفظ عُرفِ عام میں دُوسرے معانی میں استعمال ہونے لگے تو یہ اِس کی رواجی اور عُرفی حیثیت ہوگی نہ کہ اصلی اور حقیقی۔ اگر عربی زبان میں لَاطَ یَلُوطُ یا لواطت کے الفاظ میں لغوی طور پر بدکاری کے معنی پائے جاتے تو ایک بات بھی تھی، مگر جب لُغتِ عرب میں یہ الفاظ اِن معنوں میں آتے ہی نہیں تو خواہ مخواہ اِنہیں اِن معنوں میں استعمال کرنا، لغوی تحقیق کے خلاف ہے۔ لسان العرب جو عربی زبان کا مُستند اور مشہور ترین لُغت ہے اور وہ سترہ (۱۷) جلدوں پر مشتمل ہے، اُس کی جلد ۷، ص ۳۹۶ مطبوعہ بیروت میں ہے: ولُوطٌ اسمُ النّبی صلّی اللہ علی سیّدنا محمّدٍ نبیّنا وعلیہ وسلّم وَلَاطَ الرّجلُ لِوَاطًا وَلَاوَطَ أی عَمِلَ عَمَلَ قومِ لُوطٍ قالَ اللَّیثُ لُوطٌ کانَ نَبِیًّا بَعَثَہُ اللہُ إلی قَومِہٖ فَکَذَّبُوہُ وَأحْدَثُوا مَا أحْدَثُوا فَاشْتَقَّ النَّاسُ مِنْ اِسْمِہٖ فِعْلًا لِمَنْ فَعَلَ فِعْلَ قَوْمِہٖ۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

دونو جگہ حُکم کے ساتھ عِلم کا لفظ بھی آیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب سُلیمان اور داؤد علیہما السلام کو فقط حکومت واقتدار اور دُنیوی مال و دولت ہی سے

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) (ترجمہ) اور لُوط ایک نبی کا اسم (مبارک) ہے اور لاطَ الرّجلُ لواطاً وَ لاوَطَ کے معنیٰ ہیں کہ فلاں نے قومِ لُوط کا فعل کیا اور لیث کا قول ہے کہ لُوط علیہ السّلام، اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، جنہیں اُن کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور اُن کی قوم نے نہ صرف یہ کہ اُن کی تکذیب کی، بلکہ نئے کام ایجاد کئے، پس لوگوں نے جناب لُوط علیہ السّلام کے نام (لُوط) سے اُن کی قوم کے اُس (رذیل) فعل کا مفہوم تراش لیا۔ صاحبِ لسانُ العرب کی اِس لغوی تحقیق میں فَاشْتَقَّ النَّاسُ مِنْ اِسْمِہٖ کا جُملہ قابلِ توجہ ہے۔ کہ لوگوں نے آپ کے نام (لُوط) سے یہ مفہوم از خود گھڑ لیا، گویا واضعِ لُغت نے اِس لفظ کو اِس معنیٰ رذیل کے لئے وضع ہی نہیں کیا، بلکہ عوامُ النّاس نے ایسا کیا۔ ظاہر ہے کہ عوام کا ایسا کرنا سند کا درجہ نہیں رکھتا، اگر عوام کے ایسا کرنے کو درجۂ سند دیا جا سکتا تو صاحبِ لسانُ العرب یہ ضرور لکھتے کہ یہ لفظ اگرچہ لُغوی طور پر اِن رذیل معنوں میں استعمال نہیں ہوتا، مگر اب ہوگا کیونکہ عوام اِسے اِنہی رذیل معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اگر اِس لفظ میں لُغوی طور پر یہ معنیٰ موجود ہوتے تو صاحبِ لسانُ العرب یہ نہ کہتے فَاشْتَقَّ النَّاسُ کہ لوگوں نے لُوط کے لفظ سے یہ معنیٰ مُشتق کر لئے۔ اِس کا مطلب صاف یہ نکلا کہ باعتبارِ لُغت اِس (یعنی لفظِ لُوط) کے یہ معنیٰ ہرگز مُراد نہیں، جو عوام نے گھڑ لئے۔ اِس کے صحیح معنیٰ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: لَاطَ الشَّیْئُ بِقَلْبِیْ یَلُوْطُ وَیَلِیْطُ۔ یعنی فلاں چیز میرے دِل کے ساتھ چمٹ گئی۔ البتہ اِس حرکتِ قبیحہ کے بیان کے لئے اگر کوئی لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے تو وہ اِغلام ہے، اِس لئے کہ غَلِمَ بابِ سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے۔ غَلَماً وَغُلْمَۃً وَاغْتَلَمَ، شہوت پرست ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے (ملاحظہ ہو المنجد (عربی۔ اُردُو) ص ۱۷۶، مطبوعہ کراچی) غُلْمَۃ کے یہی معنیٰ لسانُ العرب کی جلد ۱۲، ص ۴۳۹، مطبوعہ بیرُوت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اِغلام بابِ اِفعال سے ہے، گویا اِغلام کے معنیٰ، اَمردوں سے شہوت پرستی کرنے کے ہوئے۔ لہٰذا لواطت کے لفظ کے لئے یہ خیال کرنا کہ یہ لفظ لُوط سے نکلا ہے یا لُوط کے لُغوی معنیٰ بدکاری کے ہیں، یہ ایک پیغمبر کی توہین اور گستاخی ہے، جو عند اللہ گناہِ عظیم ہے۔ ہاں اگر اِس طرح کہا جائے کہ فلاں نے قومِ لُوط کا فعل کیا تو یہ کسی حد تک درست ہے، کیونکہ اِس فعلِ قبیح کا تعلق حضرت لُوط علیہ السّلام کی قوم سے ہے، نہ کہ نعوذ باللہ جنابِ لُوط علیہ السّلام کی ذات سے۔ لہٰذا ادب کا تقاضا یہی ہے کہ لُوطی یا لواطت کے الفاظ استعمال ہی نہ کئے جائیں، کیونکہ اِن الفاظ میں بہر حال ل، و، ط کے حرُوف تو موجود ہی ہیں۔ اُمید ہے کہ با ادب اور بطورِ خاص وُہ حضرات، جنہیں انبیاء علیہم السّلام کی شان و مرتبہ کا احترام ہے، اِس لفظ کے استعمال سے ہمیشہ اجتناب کریں گے اور اِس کی جگہ اِغلام کا لفظ استعمال کریں گے۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

سرفراز نہیں فرمایا تھا، بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ اُنہیں علم بھی عطا کیا تھا، کیونکہ جس انداز سے ایک صاحبِ علم و فضل اپنے اقتدار و حکومت اور مال و دولت کا حق صحیح معنوں میں ادا کرسکتا ہے، ایک جاہل صاحبِ اقتدار و دولت نہیں کر سکتا، لہٰذا اگر دولتِ دُنیا کے ساتھ دولتِ علم بھی میسر ہو تو نُورٌ علیٰ نُور والا معاملہ بن جاتا ہے، اگر صرف دولتِ دُنیا ہو اور دولتِ علم نہ ہو تو یہ عیب ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے مطابق بعض انبیاؑ کو بعض پر فضیلت دی، یعنی چند انبیاء کو علم و حکمت کے ساتھ دُنیوی جاہ و حشم، مال و دولت اور اقتدار بھی عطا فرمایا، جب کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کو حکومت و اقتدار نہیں دیا۔ ہاں علم و حکمت سے ضرور تمام انبیاء کو سرفراز فرمایا، اِس لئے کہ مال و دولت اور اقتدار کا نہ ہونا، انبیاء علیہم السّلام کے لئے باعثِ توہین و ہتک نہیں تھا، کیونکہ یہ متاعِ قلیل ہے، جب کہ علم و حکمت کا نہ ہونا، شانِ انبیاؑ علیہم السّلام کے منافی تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے پاس دُنیوی مال و متاع اور اقتدار تو نہ تھا، مگر اُنہیں خدا کی طرف سے جو بے پناہ قسم کی قوّتِ علم و حکمت عطا ہوئی تھی، اُس کے بل بُوتے پر وہ فرعون کے اقتدار اور بادشاہت سے ٹکرا گئے اور اُسے تہس نہس کر دیا۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام کے بعد اُمّت کے اولیاء اور مقربینِ بارگاہ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی، یہ فضیلت رُوحانی اور مدارج کی حیثیت سے تو ہے ہی، مگر مال و متاع اور اقتدار کی حیثیت سے بھی ہو سکتی ہے، اِس لئے کہ مذکورہ بالا آیات میں جنابِ داؤد اور سلیمان علیہما السّلام کو اقتدار اور علم دونوں سے نوازنے کا ذکر کیا گیا، اگر مال و متاع اور جاہ و اقتدار عیب ہوتے تو انبیاء علیہم السّلام کو اُن سے ہرگز نہ نوازا جاتا، اِس لئے کہ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہوتے ہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اِس تفصیل اور کاوش کی تحریک چند ایسے جُہّال کی گفتگو سے ہوئی، جو لواطت اور لوطی کے رذیل اور گھناؤنے مفہوم کو سیدنا لُوط علیہ السّلام کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کرتے سُنے گئے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں معاف فرمائے، کیونکہ وُہ جہالت کی وجہ سے ایسا کہتے رہے۔ یہ مسئلہ اِس لئے سامنے لایا گیا کہ کہیں نبی کی گستاخی کسی کے لئے مُوجبِ کفر و عذاب نہ بن جائے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ راقم الحروف کی اِس تحقیق اور علمی کاوش کو پہلے خود سمجھیں اور پھر جہاں تک ممکن ہو، اِسے لوگوں تک پہنچائیں، جو جہالت کے سبب اِس کی حقیقت و اصلیت سے ابھی ناواقف ہیں۔

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حیاتِ مبارکہ عُسرت میں گزری، لیکن ربُّ العزّت نے دُنیوی جاہ و اقتدار سے بھی نوازا اور مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم کارنامے سرانجام دیئے۔ جب تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[1] کے مطابق بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی گئی اور بعض کے درجات بعض سے بلند کئے گئے تو بعض اولیاء کو بعض پر فضیلت کیوں نہ دی جائے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کی فضیلت کے تعین کا تذکرہ خداوندِ عالم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، جب کہ اولیاء مقربین کی فضیلت کا تعین خود اولیاء ہی کیا کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون کس مقام کا مالک ہے، چونکہ اولیاء و مُقرّبین، انبیاء علیہم السّلام کے نائب ہوتے ہیں، اس لئے ہر دور میں سُنّتِ انبیاء کو برقرار رکھتے ہوئے، بعض اولیاء کو علم و حکمت کے ساتھ ساتھ فراوانیٔ مال و متاع اور اقتدارِ ظاہری سے بھی نوازا گیا تاکہ علم و حکمت کے ذریعے خلقِ خدا کے عقائد و اعمال کا قبلہ درست کریں۔ مال و متاع سے اُن کی مالی خدمت کریں اور اپنے اثر و رسُوخ اور اقتدار و تحکّم کی بدولت، مظلُوم افراد کی اعانت و دستگیری کرتے ہوئے۔ اُن کی طرف اُٹھنے والے ہر پنجۂ استبداد کو توڑ بھی سکیں۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ایسے عُلماء و مشائخ کثیر تعداد میں ملیں گے، جنہیں قدرت نے علم و حکمت اور باطنی تصرّفات کی غیر معمولی قُوّتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے جاہ و جلال، مال و متاع اور اقتدار سے بھی نوازا۔ مثال کے طور پر حضرت سیّد شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت عبیداللہ احرار نقشبندی، حضرت سیّد نظام الدّین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت بہاء الدّین زکریا ملتانی، حضرت امام ابُوحنیفہ اور حضرت امام فخر الدّین رازی قدّس اللہ اسرارہم، مذکورہ حضراتِ کرام دینی، رُوحانی اور دُنیوی تمام نعمتوں سے مالا مال تھے، اِن کے لنگر جاری تھے اور وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا[2] کے تحت شب و روز ہزاروں غُربا، مساکین اور یتامیٰ کو کھانا کھلاتے تھے، زکوٰۃ اور صدقات دیتے، سفید پوشوں کی درپردہ مالی خدمت کرتے، مفلس، نادار اور لاوارث افراد کی حسبِ گنجائش اعانت کرتے؛ گویا اُس کی عطا کردہ طاقت اور دولت کو

---

[1] القرآن ۲ : ۲۵۳

[2] القرآن ۷۶ : ۸

اُسی کی راہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔ ایسی دولت اور ایسا اقتدار تو سُنّتِ انبیاء علیہم السّلام ہے، جس کا ذکر قرآنِ مجید کی مذکورہ آیات میں ہوا اور پھر اِس آیت میں عمومی اعلان اِن الفاظ میں فرمایا گیا: اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ[1] (ترجمہ) بے شک آپ کا رب کُشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یعنی کسی شخص کو آسُودہ حال اور صاحبِ استطاعت دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہیئے یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، جسے چاہے مالدار کر دے اور جسے چاہے مفلس و نادار بنا دے۔ بقولِ راقم الحروف ؎

کبھی بہلا دیا مجھ کو، کبھی سرمستیاں دے دیں
مِرے ساقی کا اندازِ نظر یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

بہرحال یہ اُس کی قُدرت کے کھیل ہیں، یہاں کسی کو مجالِ دم زنی نہیں! مگر محمود وسعتِ رزق و متاع وہی ہے جو انبیاء علیہم السّلام کو دی گئی، یعنی صرف وُسعتِ رزق ہی نہیں، بلکہ اِس کے ساتھ علم و حکمت کی دولتِ لافانی بھی عطا فرمائی گئی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دَور میں عُلماء و اولیاء کے اکثر وُرثاء، علم و حکمت اور رُوحانیّت سے تہی دامن نظر آتے ہیں، صرف اسلافِ کرام کے نام پر حاصل ہونے والی دولت و اقتدار، تعارف، عزّت اور اثر و رسُوخ کو اپنا جدّی حق سمجھ کر سادہ لوح عوام کی عقیدتوں اور نسبتوں سے کھیل رہے ہیں؛ ایسی دولت و ثروت، عزّت و شہرت، اثر و رسُوخ اور اقتدار، قرآن و حدیث، انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور عنداللہ اِس کی کوئی وَقعت و حقیقت نہیں۔ بقولِ عارفِ رُومیؒ ؎

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا[2] ہر چہ داری صَرف کُن در راہِ اُو

ترجمہ۔ جب تک تم خرچ نہیں کروگے، نیکی حاصل نہ کرسکوگے، اِس لئے تمہارے پاس جو کچھ ہے اُسے اپنے مُحسن و معبُود کی راہ میں خرچ کرو۔

لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سب کچھ لُٹا دو اور خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ حضرت پیرِ رُومیؒ کا مقصد یہ ہے کہ اُس کی راہ میں حسبِ توفیق پیش کرنے سے گریز نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

---

[1] القرآن ۱۷ : ۳۰
[2] القرآن ۳ : ۹۲

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝[1]

(ترجمہ) اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے اردگرد اور نہ ہی اُسے بالکل کشادہ کردو، ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کیے ہوئے درماندہ (انتہٰی)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم بخل و امساک کے عادی ہو جاؤ گے اور استطاعت کے باوجود کسی نادار اور مفلس کی معاونت کے لئے ہاتھ آگے نہیں بڑھاؤ گے تو لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے اور تمہیں طرح طرح سے ملامت کریں گے اور اگر تم فضول خرچی کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم قلاش اور کنگال ہو جاؤ گے اور دل گرفتہ و نادم ہو کر زندگی کی جملہ مستحسن سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے قابل نہیں رہو گے۔

قرآن مجید کے بیان فرمودہ اِسی قاعدہ کلّیہ کے تحت ہر دَور کے عُلمائے راسخین اور مشائخ کاملین نے اپنی بساط اور مالی طاقت کے پیشِ نظر مسافروں کے لئے قیام گاہیں تعمیر کروائیں، لنگروں کا اہتمام کیا اور انعاماتِ ربّانی و نوازشاتِ رحمانی میں غریب عوام کو بھی حتی المقدور اپنے ساتھ شریک رکھا، جو عام اربابِ دولت کے بس کی بات نہ تھی۔ اِس لئے عُلمائے راسخین اور مشائخ کاملین کے اثر و رسوخ، قبولیّت عامّہ، شہرت و عزّت، دولت و ثروت اور اقتدار کو دُنیا کے عام دولت مندوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے، اِس لئے کہ مُقدّم الذکر طبقہ کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے، جب کہ مؤخّر الذکر طبقہ کے پاس جو کچھ بھی ہے، محض اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ہے۔ ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

عام طور پر دُنیوی مال و متاع، جاہ و حشم اور اقتدار کا نہ ہونا علامتِ درویشی اور معیارِ فقر و ولایت قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ محض ایک غلط مفروضہ ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ باخدا لوگ صرف قُوتِ لایمُوت پر زندہ رہتے ہیں اور زندگی کی دیگر آسائشوں اور آسودگیوں سے یکسر محرُوم کر دیئے جاتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ یہ لوگوں کا اپنا مقرّر کردہ معیار ہے، قرآن و حدیث میں ایسا کوئی حکم نہیں، جس میں باخدا ہونے کے لئے اُس کی عطا کردہ نعمتوں سے دامن کشی یا محرُومی کو علامتِ قُرب و ولایت قرار دیا گیا ہو۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ عام دُنیا داروں کی طرح اُن کے دل

---

[1] القرآن ۱۷ : ۲۹

اسبابِ طمانیت میں پھنسے ہوئے نہیں ہوتے، بلکہ اُن کی مثال مُرغابی کی ہوتی ہے کہ ؏ بود در آب، چو برخاست خشک پر برخاست (یعنی پانی میں رہتے ہوئے جب اُٹھتی ہے تو اُس کے پر آلُودۂ آب نہیں ہوتے) لہٰذا یہ معیار بالکل غلط ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، وہی باخدا اور ولی ہوتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو انبیاء علیہم السّلام کو دُنیوی جاہ و جلال، مال و متاع اور اقتدار کبھی نہ دیا جاتا؛ جب اِن چیزوں کی موجودگی انبیاء علیہم السّلام کے لئے عیب نہیں اور نہ اُن کی نبوّت میں سرِ مُو فرق پیدا کر سکتی ہے تو پھر اولیاء اور صالحینِ اُمّت کا تو مرتبہ و مقام ہی بعد کی بات ہے اور پھر انبیاء علیہم السّلام کی طرح ولایت کوئی منصوص مِنَ اللہ مقام بھی نہیں، اِس لئے جن کے دل اپنے مالک و خالق کی یاد سے معمور ہوتے ہیں، اگر قدرت نے اُنہیں افلاس و نکبت میں رکھا تو اِس میں بھی اُس کی مصلحتیں مُضمر تھیں، وُہ گدڑی میں لعل کے مانند درجۂ ولایت پر فائز ہیں اور جن کو دُنیوی جاہ و حشم، اقتدار اور مال و متاع سے نوازا گیا، وہ بھی اُس کے حضُور سربسجُود ہیں اور مقامِ ولایت پر فائز ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اولیائے سَلَف کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، لیس الغنٰی عن کثرۃِ العرض ولکنّ الغنٰی غِنَی النّفس[1] (متفق علیہ) ترجمہ۔ سامان کی کثرت کا نام غنا نہیں، بلکہ حقیقی دولت، غناءِ نفس ہے (انتہیٰ) یہ شانِ غنا جس میں پائی جائے، وہ گدڑی پوش بوریہ نشیں، سلطانِ جہاں ہوتا ہے اور ایسے درویشِ خُدامست کی فتوحات کے انداز ہی نرالے ہوتے ہیں۔ بقولِ علّامہ اقبالؒ ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگہ کی تیغ بازی، وُہ سپہ کی تیغ بازی

فقر و ولایت کے لئے غُربت و افلاس کو معیار بنانا سراسر کج اندیشی ہے۔ بقولِ حضرت سعدی شیرازیؒ ؏ درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار۔ یعنی درویشانہ صفات، ولایت کے مُقتضیات ہیں؛ خواہ آپ کسی لباس میں ہوں۔ اربابِ علم و حکمت اور اصحابِ طہارت و تقوٰی درویش اور ولی ہوتے ہیں، خواہ وُہ سلاطینِ جہاں ہوں، جیسے سلطان التمشؒ، نور الدین زنگیؒ اور حضرت عمرؓ بن عبد العزیز وغیرہم۔ آخر اِن سب کو بھی دولت و اقتدار سے نوازا گیا تھا، مگر وہ اولیاء و صالحینِ اُمّت کی صف ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دولتِ دُنیا اور دولتِ رُوحانیت کا حسین امتزاج ہیں

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، جلد دوم، ص ۴۰۴، مطبوعہ کراچی

یہ اور بات ہے کہ شومئ قسمت سے آج کے دَور میں ایسی مثالیں کم دیکھنے میں آتی ہیں بقولِ راقم الحروف۔

نہ وہ اہتمامِ مئے کہن، نہ وہ میکدے کا نظام ہے
نہ وہ رِند ہیں، نہ وہ ہاؤ ہُو، نہ وہ دَور ہے، نہ وہ جام ہے

## غُربت و افلاس، انسانی عظمت کا امتحان ہے

جیسا کہ سطُورِ بالا میں عرض کیا گیا، افلاس و نکبت، اربابِ عزم و ہمت کے لئے ہرگز وجہِ ذلت نہیں، بلکہ جوہرِ مردانگی کے نکھارنے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ بقولِ خلاقُ المعانی حضرتِ میرزا عبدالقادر بیدلؔ دہلویؒ ۔

بے فقر آشکار نہ گردد عیارِ مَرد
بختِ سیہ بود محکِ اعتبارِ مَرد

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ غرُبت و افلاس کے بغیر انسان کے وہ جوہر نہیں کھل سکتے، جو مبدأ فیض نے اُس کی فطرت کو ودیعت فرمائے۔ سیہ بختی تو اُس کے تعیّنِ مقام کی کسوٹی ہوتی ہے، یا یُوں سمجھیئے کہ جب سونے کو کُلی طور پر خالص کرنا مقصود ہو اور اُس کی چمک دمک کے شباب کا اظہار مطلوب ہو تو اُسے کٹھالی میں ڈال کر سپردِ آتش کیا جاتا ہے، جہاں وہ تمام غیر جنسی اجزاء و عناصر جو اُس کی انجمنِ وجود میں مُضمر ہو کر اُس کی خالصیت پر پردہ ڈالے ہُوئے ہوتے ہیں، آنچ کی شدّت کی تاب نہ لاکر تلچھٹ کی صورت اختیار کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور سونا زرِ خالص بن کر نکھر آتا ہے۔ اِسی طرح جب کوئی صاحبِ صلاحیّت انسان، غرُبت و افلاس کا شکار ہو جائے تو تقلّباتِ احوال اور زندگی کی تلخیاں اُس کے لئے کٹھالی کا کام دیتی ہیں اور اُسے مردِ کامل بنا دیتی ہیں علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اِسی حقیقت کو کچھ اِس طرح بیان فرمایا ہے۔

گلہ از سختئ ایام بگذار    کہ سختی ناچشیدہ کم عیار است
نمی دانی کہ آبِ جُوئبـاراں    اگر بر سنگ غلطد خوشگوار است

علامہؒ کے اِس فارسی قطعہ کا مفہوم یہ ہے کہ زمانے کی تلخیوں اور سختیوں کا گلہ مند نہیں ہونا چاہیئے، اِس لئے کہ صبر آزما حالات سے متصادم اور دوچار ہوتے بغیر کھراپن نہیں پیدا ہوتا، آپ دیکھتے ہیں کہ موسمِ باراں میں طوفانی برساتی نالوں کا گدلا پانی، راستے کی چٹانوں پر سر پٹختے ہوئے گزرتا ہے تو صاف و شفاف ہوتا چلا جاتا ہے، دُوسرے لفظوں میں یہ کیفیت اُس کے

لئے عمل تعطیر بن جاتی ہے۔ گویا بقولِ حضرت امجدؔ حیدر آبادیؒ ؎

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے  بے فکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت، آساں کردی  دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ نے بھی اِس حقیقتِ مُسلّمہ کو اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں یُوں بیان فرمایا ہے ؎

می گزد جوہرِ آئینہ کفِ دستِ تہی  باخبر باش کہ افلاس و ہُنر نزدیک است

ترجمہ۔ آئینے کا جوہر اپنی خالی ہتھیلی کو کاٹتا رہتا ہے، اِس لئے تو ہشیار رہ کہ ہنر مندی و علم، افلاسؔ و غُربت کے بہت نزدیک ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آئینے کا پورا وجود خالی کا خالی ہوتا ہے۔ اور اُس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اِس اعتبار سے تو وہ مفلس ہوتا ہے، مگر اِس افلاس کے باوصف اُس کے اندر یہ عظیم ہنر بھی بدستور موجود ہوتا ہے کہ اُس کے خالی آنگن میں جھانکنے کے لئے ہر شاہ و گدا ہمیشہ مجبور، محتاج اور بے تاب پایا جاتا ہے، گویا آئینے کے افلاس کے باوجود اگر اُس کا سامنا کیا جائے تو وہ مخاطب کے عیوب و ہُنر آئینہ کرنے کے علاوہ اُسے کم از کم آئینہ ضرور دکھا دیتا ہے۔

جیساکہ اُوپر مذکور ہوا کہ بلا شبہ دوسری نعمتوں کی طرح دولت مندی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، مگر جب اِس کے متعلق وارد شدہ احکاماتِ اسلامی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، اِس سے پرستش کی حد تک محبت کی جانے لگے تو یہی نعمت، قارُون کی طرح مُوجبِ ذلت و عذاب بھی بن سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دولت مند مشائخِ اُمت اور صُوفیائے کرام نے اِسے کبھی دل میں جگہ نہیں دی، بلکہ اِس کے اسلامی اور اخلاقی مصارف ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔ ایسے واقعات کے شواہد تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت عارف رومیؒ قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است  آب زیرِ کشتی اُو را پشتی است

شعر کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا کشتی میں داخل ہونا، کشتی کے لئے باعثِ بربادی و ہلاکت ہے، جب کہ پانی کا کشتی کے نیچے نیچے رہنا، اُس کے لئے سامانِ نُصرت و حفاظت فراہم کرتا ہے۔ یہی حال دولت کا ہے، اسلام میں زندگی کے اساسی تقاضوں کے حصول کے لئے اِس کا استعمال ممنوع نہیں، مگر اِسے عیاشی و فحاشی میں صرف کرنا، جائز و ناجائز حربوں اور وسائل سے اِس کے جمع کرنے کے چکر میں ہلکان ہونا اور پرستش کی حد تک اِسے محبوب رکھنا یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات، اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ سلف کی سُنّت کے سراسر منافی ہے، ایسی دولت کی

مثال تو اُس پانی کی ہے، جو کشتی میں داخل ہو کر اُسے آہستہ آہستہ غرقابی کے بھیانک مناظر کی طرف دھکیلے جا رہا ہو۔

بہرحال ہم یہ کہہ رہے تھے کہ خداوندِ عالم نے انبیاء علیہم السّلام کو بیک وقت دولتِ دُنیا اور دولتِ علم سے نوازا اور سچے مسلمان کے لئے عظمت کا یہی معیار ہو سکتا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد اور جناب سلیمان علیہما السّلام کو صرف علم سے نوازنے کا اِن الفاظ میں ذکر فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝[1] (ترجمہ) اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد اور سلیمان علیہما السّلام کو علم اور اُنہوں نے کہا: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت دی (انتہیٰ) اِس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جناب داؤد و سلیمان علیہما السّلام نے دیگر مومن بندوں پر اپنی فضیلت، برگزیدگی اور امتیاز کا سبب علم کو قرار دیا، نہ کہ دولت کو۔ حالانکہ اُنہیں دولت و اقتدار سے بھی نوازا گیا تھا، جیسا کہ اُوپر آیات میں مذکور ہوا، مگر اُنہوں نے دولت و اقتدار کے ملنے پر اپنے امتیاز اور اختصاص کو محسوس نہیں فرمایا۔ ثابت ہوا کہ قرآنِ پاک اور اُسوۂ انبیاء علیہم السّلام کے مطابق اگر اقتدار و علم دونو بیک وقت عطا ہو جائیں تو یہ بہت بڑی خوش نصیبی ہے اور اگر صرف علم مل جائے تو دُوسرے انسانوں سے امتیاز کا معیار یہی ہے اور اِس کے ملنے پر خدا کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر بجا لانا چاہیے۔

مذکورہ بالا آیت کے فوراً بعد یہ ارشاد فرمایا: وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ[2]۔ ترجمہ (اور جانشین بنے سلیمانؑ، داؤد کے) یعنی جناب سلیمانؑ، جناب داؤد کے وارث بنے۔ یوں تو جناب سُلیمانؑ جناب داؤد کے بیٹے ہونے کے ناتے سے اُن کے وارث تھے ہی، مگر یہاں بطورِ خاص اُن کے وارث ہونے کا ذکر اِس لئے کیا گیا کہ بیٹے کو باپ کی طرف سے صرف دولتِ دنیا اور اقتدار ہی مُنتقل نہیں ہوا، بلکہ علم و فضل سے حصّۂ وافر نصیب ہوا۔ یعنی مادّی وراثت کے ساتھ صفاتی کمالات کی وراثت بھی ملی؛ لیکن ان دو میں سے زیادہ وقیع و معتبر وہی وراثت ہے جو زوال پذیر

---

[1] القرآن ۲۷: ۱۵

[2] القرآن ۲۷: ۱۶

نہیں اور وہ صفات کی وراثت ہے۔ چنانچہ مجددِ ملت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ آیتِ مذکورہ بالا پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "آیت شریف وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں وراثت فی العلم والنبوۃ مُراد ہے نہ وراثتِ مالِ متروکہ۔ کیونکہ داؤد علیہ السلام کے سُلیمان علیہ السلام کے علاوہ اور بھی بیٹے تھے۔ پھر اس کے کیا معنی کہ اُن کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام ہی ہوں اور دوسرے نہ ہوں، نیز باپ کے مرنے کے بعد بیٹے کا وارث ہونا اور ترکۂ پدری کا مالک بننا، ایک معمولی اور عام رواجی بات ہے اور یہ اِس قابل نہیں کہ خاص طور پر اِس کا ذکر قصصِ انبیاء علیہم السلام میں کیا جائے، مزید برآں اِس آیت کا ماقبل یعنی عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ بتا رہا ہے کہ داؤدؑ کے بعد سُلیمانؑ کا وارث ہونا کسی کمال میں تھا، یعنی کمال فی العلم والنبوۃ۔" گویا اگر اولاد صرف مادّی ترکہ کی وارث بنے تو یہ از رُوئے نصِ قرآنی دوسرے انسانوں پر وجہِ فضیلت نہیں کہلا سکتی، ہاں اگر علم و حکمت کی وارث بنے تو آیتِ قرآنی کے مطابق وہ دوسرے افراد پر امتیاز و فضیلت کی حامل ہوگی، اِس لئے کہ قرآنِ کریم نے صاف صاف الفاظ میں فرمادیا، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (ترجمہ) آپ پوچھیے کہ کیا کبھی برابر ہوسکتے ہیں علم والے اور جاہل؟ یعنی جاہل اور صاحبِ علم کو برابر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ یہ سلسلہ، سلسلۃ الذہب ہے، جو سب سے پہلے علّام الغیوب، پھر پیغمبرانِ عظام اور پھر علماء و اولیائے راسخین و کاملین سے جا کر ملتا ہے، جب کہ جہالت کا سلسلۂ نسب ہر جاہل سے بالعموم اور ابوجہل سے بالخصوص ملتا ہے، گویا جہالت کا نہ ہونا، علم ہے اور علم کا نہ ہونا، جہالت ہے۔ یا جیسے ظلمت کا عدمِ وجود نور ہے اور نور کا عدمِ وجود ظلمت ہے، جس طرح نور و ظلمت بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے اور دونوں کو ایک رُتبہ نہیں دیا جاسکتا، اِسی طرح ذی علم اور جاہل کا مقام بھی کسی صورت ایک نہیں ہوسکتا، جس طرح روشنی کے آخری خط کے معاً بعد ظلمت کی حد شروع ہوجاتی ہے اور اِس طرح روشنی، ظلمت کو اپنا ہمسایہ تصور کرتی ہے، اِسی طرح اربابِ علم، جہلاء سے دُور نہیں بھاگتے، بلکہ اپنے علم کے آخری خطوط کے بالکل ساتھ ظلمت کی طرح اُن کو بھی شرفِ ہمسائگی سے مشرّف کرنا چاہتے ہیں، مگر جہالت ایسی وُجود رُبا چیز ہے کہ علم کے آثار

---

[illegible] تصنیف [illegible] شیعہ، اَز حضرت اعلیٰ گولڑوی، طبع اوّل، ص ۴۳، سن طباعت مارچ ۱۹۷۹ء، مطبوعہ لاہور
[illegible] القرآن ۳۹:۹

پاتے ہی یہ کہہ کر فرار ہو جاتی ہے ؎

پرتوِ خُور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہُوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک (غالب)

## قرآن نے خیرِ کثیر کسے کہا

قرآنِ حکیم نے ایک اور مقام پر علم و حکمت کے لیے یہ الفاظ فرمائے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا[1] (ترجمہ) عطا فرماتا ہے دانائی (علم) جسے چاہتا ہے اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اُسے دی گئی بہت بھلائی۔ (انتہیٰ) مقامِ توجہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں خداوندِ عالم نے دانائی کو، جو مرکز و محورِ علم ہے خیرِ کثیر[2] سے موسوم فرمایا۔ دولتِ دُنیا، مال و اسباب، ایوان و قصور اور حکومت و اقتدار کو خیرِ کثیر نہیں کہا، بلکہ اِن کے لئے تو ایک اور مقام پر یُوں اظہار فرمایا: اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝[3] (ترجمہ) کیا تم نے پسند کرلی ہے دنیا کی زندگی، آخرت کے مقابلے میں۔ سو نہیں ہے سرو سامان دُنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل (انتہیٰ) گویا دھن دولت، مال و اسباب، ساز و سامان، ایوان و قصُور، حکومت و اقتدار سب کے سب متاعِ قلیل کی فہرست میں آتے ہیں، چونکہ علم، خدا ترسی، خدا شناسی، تدبّر و تفکّر اور ناپائداریٔ دنیا کا احساس و شعُور فراہم کرتا ہے، جب کہ دولت و ثروت کی فراوانی اور بے لگام توسنِ اقتدار، اکثر ایمان اور ایقانِ آخرت سے محروم کر دیتا ہے، اِس لئے علم و حکمت کے مقابلے میں ساری متاعِ دنیا کو (جس میں زینت و زیبائش اور آرام و آسائش کے ساز و سامان کی جملہ انواع و اقسام داخل ہیں) متاعِ قلیل سے تعبیر کیا گیا، اِس جائزے کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو بالعموم اور دینی مراکز و مراجع سے وابستہ علماء و مشائخ کو بالخصوص اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا اہتمام قرآن و سُنّت کے خطوط پر کرنا چاہیئے تاکہ اولاد، صرف

---

[1] القرآن ۲: ۲۶۹

[2] حضرت علامہ اقبالؒ نے اِس آیتِ کریمہ کے مفہوم کو اپنے ایک فارسی شعر میں یُوں بیان فرمایا ہے ؎

گفت حکمت را خُدا خیرِ کثیر ہر کجا ایں خیر را بینی، بگیر (جاوید نامہ)

[3] القرآن ۹: ۳۸

اولاد ہونے تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ سلفِ صالحین کے زُمرۂ آل میں بھی داخل ہو سکے۔ نئی نسل کو خصوصاً یہ بھی بتانا اور سمجھانا ضروری ہوگا کہ قرآن و سُنّت کی تعلیمات کے مطابق کیا صفات اور کون سے علوم انسان کے لئے معیارِ فضیلت ہیں۔ بچّوں کو یہ سب کچھ سمجھانے کی ذمہ داری گھر کے بزرگوں پر ہوگی، اِس لئے کہ کالجوں میں انگریزی تعلیم دینے والے اساتذہ جب خود ہی اسلامی تعلیمات سے دُور ہیں تو وہ بچّوں کو دینی تعلیم و تربیت کا درس کیسے دے سکتے ہیں۔ سرچشمۂ علوم و فنون تو قرآن و حدیث ہیں، نہ کہ کالج اور یونیورسٹیاں۔ مغربی تعلیم کے حصُول سے مادّی ترقّی تو ممکن ہے، مگر رُوحانی نہیں۔ بقولِ حضرتِ اکبر مرحوم ؎

نہ کتابوں سے، نہ کالج کے اثر سے پیدا  دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایضاً

؎ سعادت رُوح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اِس علم کا ماہر نہیں ہوتا

سیّد اکبر علیہ الرحمۃ کا مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان کو کسی باکمال صاحب دل کی صحبت میسّر نہ آئے تو محض کتابوں کی ورق گردانی سے دیدہ سوزی اور ذہنی کوفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا کرتا، چنانچہ ایک اور مقام پر یہی نکتہ اِن الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں  آدمی، آدمی بناتے ہیں

حضرتِ اکبر علیہ الرحمۃ کے مذکورہ بالا اشعار دیکھنے میں تو سیدھے اور سادہ سے معلوم ہوتے ہیں، مگر اربابِ بصیرت کے نزدیک اِن میں حقائق و معارف کا ایک جہان پنہاں ہے۔ اِسی طرح شاعرِ مشرق حضرتِ علامہ اقبالؒ نے بھی کتابوں کو حصُولِ علم و حکمت کا وسیلہ ہی بتایا ہے اور صریحاً اعلان کیا کہ درسِ نگاہ کا مقام درسِ کتاب سے بہت ہی بلند و ارفع ہے۔ فرماتے ہیں ؎

صد کتاب آموزی از اہلِ ہُنر  خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر (جاوید نامہ)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

دیں مجو اندر کُتب اے بے خبر  علم و حکمت از کُتب، دیں از نظر (مثنوی مسافر)

اسی طرح راہبر کی ضرورت اور اہمیت بتاتے ہوئے، اپنے مُرشدِ معنوی حضرت مولانا جلال الدّین بلخی رُومی قدس سرہ العزیز کے مرتبہ و مقام کی نشاندہی اور اعتراف اِس پیرایۂ دلنواز میں فرماتے ہیں ؎

پیرِ رُومیؒ مُرشدِ روشن ضمیر — کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب — خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش — جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آں نئے نوازِ پاک زاد — باز شورے درنہادِ من فتاد

(مثنوی پس چہ باید کرد)

ہر کجا رُومیؒ بَرد آنجا برد — یک دودم از غیرِ اُو بیگانہ شو
رُومیؒ آں عشق و محبت را دلیل — تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل!
گر نیابی صُحبتِ مردِ خبیر — از اَب وجد آنچہ من دارم بگیر
پیرِ رُومیؒ را رفیقِ راہ ساز — تاکہ حق بخشد تُرا سوز و گداز
زانکہ رُومیؒ مغز را داند ز پوست — پائے اُو محکم فتد در کوئے دوست
شرحِ اُو کردند و اُو را کس ندید — معنیٔ اُو، چوں غزال از ما رمید
رقصِ تن از حرفِ اُو آموختند — چشم را از رقصِ جاں بر دوختند
رقصِ تن، در گردش آرد خاک را — رقصِ جاں برہم زند افلاک را

(جاوید نامہ)

راقم الحروف کا فارسی کا ایک شعر بھی اِس مضمون کا تھا۔ یاد آگیا، شاید پسندِ خاطر ہو ؎

صلاحیت نباشد ہیچ شے جُز صُحبتِ نیکاں
کہ قطرہ تا نیفتد در صدف، گوہر نمی گردد

(ترجمہ و تشریح) خُداداد صلاحیت بلاشبہ ایک غیر معمولی نعمت ہے، جس کے بغیر انسان کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا، مگر یہ بھی ہے کہ جب تک کسی صاحبِ صلاحیت و استعداد کو کسی عالی نظر، نیک اور صاحب دل کی صُحبت میسّر نہ آئے تو اُس کی صلاحیت فضول کاموں میں صرف ہوجانے کے باعث اکارت جاتی ہے، اُس کی دلیل یہ ہے کہ پانی کے قطرے میں گوہرِ آبدار بننے کی صلاحیت یقیناً ہوتی ہے، بہ ایں ہمہ اگر وہ ایک مدّتِ مقررہ تک آغوشِ صدف میں نہ رہے تو کبھی گوہرِ آبدار نہیں بن سکتا۔ گوہر اُسی وقت بنے گا، جب اُسے تربیت گاہِ صدف میسّر آئے گی، ورنہ گوہرِ تابدار بننے کی صلاحیتِ تامّہ رکھنے والا وہی قطرہ گندے نالوں اور بول و براز کی نذر ہو کر اُنہیں کا حصّہ بن جاتا ہے، لہٰذا وہ تمام انسان جو کسی صاحبِ نظر اور صاحبِ رُوحانیت کی تربیت گاہ کا رُخ نہیں کرتے،

یا اُن کے فیضانِ نظر سے محروم ہوتے ہیں، استعداد و صلاحیت رکھنے کے باوجود اور الفاظ کی دُنیا کا دھنی ہونے کے باوصف اُس قطرۂ آب کے مانند ہیں، جو آغوشِ صدف میں پرورش نہ پانے کے سبب گوہر آبدار نہ بن سکا اور جس نے اپنی گوہر آمائی کو بَول و براز کے تعفّن آباد کی نذر کر دیا۔

جن خوش نصیب وُرثار کو اپنے اجداد سے دولتِ علم کے ساتھ ساتھ دولتِ دُنیا بھی ملتی ہے وُہ اپنا تن من دھن تمام علمی، فکری اور رُوحانی اثاثوں کو بوقتِ ضرورت و آزمائش خدا و رسُول کے راستے میں جس مردانگی، جس جوش و خروش اور جس خُوش دِلی و اخلاص کے ساتھ نچھاور کرتے ہیں، جاہل اور مُمسِک دُنیا دار دولت مندوں کے مُقدّر میں اُن قلندرانہ اداؤں کی خفیف سی جھلک بھی نہیں ہوا کرتی، کیونکہ وُہ مردِ قلندر، دمِ ایثار بارگاہِ ایزدی میں یُوں عرض پرداز ہوتا ہے۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست　　　تُو دادی ہمہ چیز و من چیز تُست (سعدی شیرازیؒ)

(ترجمہ) بارِ الٰہا! میں اپنے گھر سے تو کچھ بھی ساتھ نہیں لایا، یہ سب کچھ تو تُو نے ہی مجھے عطا فرمایا، لہٰذا مَیں اور میرا یہ سب کچھ، تیرا ہی تو ہے۔

بہرحال جس مسلمان فرد کو ورثے میں دولتِ دُنیا اور اقتدار ملے، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وُہ عُلومِ دینیہ سیکھے، تاکہ دونو دولتوں کا جامع ہو، اِس لئے کہ اِس قسم کی وراثت سُنّتِ داؤدی و سُلیمانی ہے اور جس خوش نصیب کو ورثے میں دولت و اقتدار اور سامانِ عیش و عشرت کے بجائے صرف علم و حکمت ملے ہوں۔ ع وُہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے۔ ایسا انسان قرآنِ مجید کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں کبھی خود کو مُفلس، مفلوک الحال اور غریب و نادار تصوّر نہ کرے اور جلبِ زر کے چکّر میں نہ پڑے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے وُہ نعمت تو عطا کر دی ہے، جسے اُس نے نہ صرف اپنی کتابِ مجید میں خیرِ کثیر سے تعبیر فرمایا، بلکہ دُوسرے انسانوں پر اُسے وجہِ فضیلت و امتیاز بھی قرار دیا ہے۔

وُہ مِل گئے، نگاہ مِلی، دل سے دل مِلا
اب اِس کرم کے بعد کہو، کیا خُدا کرے　　(راقم الحروف)

## ایک شُبہ کا ازالہ

آیئے اب ہم اِس تاریخی بحث کو سمیٹ کر شرفِ نسب کے متعلق ایک شُبہ کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں، بعض لوگ شرفِ نسب کو تسلیم نہیں کرتے اور بالعموم یہ آیت بطورِ دلیل

پیش کرتے ہیں: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] (ترجمہ) بلا شبہ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے، جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ علامہ فیض احمد فیض صاحب اپنی تالیف "مہرِ منیر" میں لکھتے ہیں کہ صاحب رُوح المعانی اس آیت کی تفسیر میں علامہ مناوی اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہما اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ آیت نہ تو شرفِ نسب کے خلاف ہے اور نہ وہ احادیث ہی اس مضمون کے منافی ہیں، جن میں فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، البتہ ہنود و یہود کی طرح اپنی برتریٔ نسب کا اظہار کرنا اور از راہِ تکبّر دوسروں کو اپنے برابر کا انسان نہ سمجھنا بالکل ناروا و نامناسب ہے۔ ہاں تحدیثِ نعمت کے طور پر نسبِ ذاتی کا اظہارِ شرف تو خود سیّد الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: عن واثلۃ بن الاسقع قال سمعتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنّ اللہ اصطفٰی کنانۃ من وُلدِ اسماعیلَ واصطفٰی قریشاً من کنانۃَ واصطفٰی من قریشٍ بنی ھاشمٍ واصطفانی مِنْ بَنِیْ ھاشمٍ[2] (رواہ مسلم) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیلؑ سے کنانہ کو چن لیا پھر کنانہ میں سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

علامہ آلوسیؒ نے تمام مخالف اقوال کا جواب دے کر آخر میں یہ فیصلہ فرمایا: وبالجملۃ شرفُ النّسب ممّا اُعتُبِرَ جاھلیۃً و اسلاماً۔ یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ نسب کا شرف جاہلیت اور اسلام دونوں میں معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔[3]

## پیکرِ انسانی جلوہ گاہِ صفاتِ یزدانی ہے

الغرض آدمی جس رنگ، جس خطّے اور جس نسل کا ہو، بہرحال آدمی ہے اور شرفِ آدمیت میں دوسروں کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ بقولِ سیّد امجد حیدر آبادیؒ ؎

انسان ہزار ہیں، مگر قسم ہے ایک　　گو حرف کثیر ہیں، مگر اسم ہے ایک
اِس عالمِ کثرت کا ہے منشا واحد　　اعضا ہیں جُدا جُدا، مگر جسم ہے ایک

---

[1] القرآن ۴۹ : ۱۳

[2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، باب فضائل سیّد المرسلین، ص ۵۱۱، مطبوعہ مطبع الفیتوی کانپور (بھارت)

[3] دیکھئے مہرِ منیر، بابِ اوّل، ص ۱۰، مطبوعہ لاہور

آدمی کا پیکر صفاتِ یزدانی کی جلوہ گاہ ہے اور مختلف آدمیوں میں مختلف صفات جلوہ گر ہیں، چونکہ صفاتِ باری تعالیٰ لامحدود ہیں، اِس لئے مظہرِ صفات بنانے کے لئے اَن گِنت آدمیوں کی تخلیق کی گئی، جو قیامت تک جاری رہے گی۔ سندھ کے مشہور عالم، صوفی اور فارسی کے نامور شاعر حضرت سیّد میر جان محمد (م ۱۱۶۷ھ) آدمی کے متعلق یوں رطبُ اللّسان ہیں ؎

رُوئے محبُوبِ ازل زیرِ نقابِ آدمی ست عالم آرا آفتابے در سحابِ آدمی ست

ترجمہ۔ محبوبِ ازل کا چہرہ آدمی کے نقاب میں ہے اور ساری کائنات کو منوّر کرنے والا سُورج آدمی کے بادل میں پوشیدہ ہے ؎

گر نہ بُرد ابلیس پے، محبوسِ بندِ خویش بود آسمانہا با ملائک در رکابِ آدمی ست

ترجمہ۔ اگر ابلیس اِس حقیقت کو نہ پا سکا تو وہ اپنی انا کے دام میں گرفتار تھا، (ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ) سارے آسمان فرشتوں سمیت آدمی کی رکاب میں ہیں ؎

ذہنِ صائب گر بہ کار آید تواں دریافتن میرؔ، قرآں سربسر شرحِ کتابِ آدمی ست

ترجمہ۔ اگر ذہنِ رسا کو کام میں لایا جائے تو اَے میرؔ! یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید ابتدا سے انتہا تک آدمی کی کتاب، یعنی متنِ آدمی کی شرح ہے۔

## آدمی نامہ

نظیر اکبر آبادی (م ۱۲۳۶ھ) کے معروف و مقبول مخمّس، "آدمی نامہ" سے چند بند ہدیۂ قارئین ہیں:

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال، قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے حتّیٰ کہ اپنے زورِ ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا شدّاد بھی بہشت بنا کر خدا ہوا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
قرآں پڑھتے آدمی ہیں اور نماز یاں اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جُوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اَشراف اور کمینے سے لے شاہ تاوزیر ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
یاں آدمی مُرید ہیں اور آدمی ہیں پیر اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اَے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

---

انسانوں کی اِس طویل وعریض فہرست میں ناموں کا تنوع کیسا ہی کیوں نہ ہو، ہیں وہ تمام آدمی ہی، اِس لئے کہ حضرتِ آدم علیہ السّلام ہی کی اولاد ہیں، مگر ع گر فرقِ مراتب نہ کُنی زندیقی کے مطابق ذات وصفات کے اعتبار سے ہر انسان کا اپنا اپنا مقام ضرور ہے، جس کی خلاف ورزی کی اجازت قدرت نے اُسے ہرگز نہیں دی۔

اِس میں توکوئی شک نہیں کہ ہر انسان کی عزّت وتکریم اُس کے انسان ہونے کے ناتے ضرور کرنی چاہیئے، کیونکہ اسلام وحدتِ انسانی کا علمبردار ہے۔

## فرقِ مراتب

لُغتِ اسلامی میں ذات پات کے الفاظ مُطلقاً بے معنی ہیں، لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسانی صفات اور فضائل کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے اور معاشرے کے تمام افراد کو ایک لاٹھی سے ہانکا جائے، اِس لئے کہ فرقِ مراتب کے ضمن میں سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدّد ارشادات، کُتُبِ احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً آپ نے بعض قبائل اور خاندانوں کی تعریف فرمائی، چنانچہ خاندانِ قریش کے متعلق صحاحِ ستّہ اور دیگر کُتُبِ احادیث میں بھی تعریفی اور امتیازی ارشادات ملتے ہیں۔

جن قوموں کو ہمارے معاشرے میں گھٹیا تصوّر کیا جاتا ہے، انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنا توکسی طرح مستحسن نہیں، تاہم اُن پر بھی کچھ پابندیاں ضرور عائد ہوتی ہیں۔ اوّلاً اُنہیں چاہیئے کہ خود کو زیورِ علم و ادب سے آراستہ کریں پھر معاشرے میں اپنے آپ کو بلند کردار ثابت کریں اور حصُولِ امتیاز کے لئے کوئی علمی یا عملی معرکہ سر کریں۔ وہ خاندان جو علم وفضل، رُوحانیت یا

کسی اور خصوصیت یا دین و ملت کی کسی غیر معمولی خدمت کرنے کی وجہ سے محترم اور مشہور ہیں، اُن کا احترام کریں اور اُن کے ساتھ روابط قائم رکھیں اور آخری بات یہ کہ وہ جس قسم اور جس سطح کی عزت چاہتے ہیں، پہلے خود کو اُس کا اہل ثابت کریں۔ اگر ان باتوں میں ایک بھی اُن میں پیدا نہ ہو سکے تو محض انسان ہونے کے رشتے سے اُن کی عزت و تکریم اور اُن سے محبت تو کی جا سکتی ہے، اگر وہ اِس سے زیادہ کی توقع کریں تو بے جا ہو گی۔ محض انسانی رشتے اور اخوتِ اسلامی کو پیشِ نظر رکھ کر کسی انسان کی عزت اور اُس سے محبت و مروت کرنا عوام الناس کے بس کا روگ نہیں، ایسا تو وہی کر سکتے ہیں، جو خاندانی شرافت و نجابت کے علاوہ علم و فضل میں بھی مقامِ بلند رکھتے ہوں اور پھر حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور بزرگانِ دین علیہم الرضوان کے اخلاقِ عالیہ کا اِتباع ضروری سمجھتے ہوں۔

اگر مذکورہ اقوام کے افراد یہ چاہتے ہوں کہ اُن کی عزت اکابرِ ملت مثلاً رُومیؒ و غزالیؒ یا رازیؒ و جامیؒ کی طرح کی جائے تو اُن کو لازم ہے کہ پہلے اُن کی صفات اور کمالات پیدا کریں۔ پھر لوگ اُن کو اُس نظر سے دیکھنے کے لئے تیار ہو جائیں گے، کیونکہ جس کی جتنی صلاحیت و استعداد ہو گی، اُسی قدر اُس کو بچشمِ احترام دیکھا جائے گا۔ اگر رُومیؒ و غزالیؒ کا بیٹا بذاتِ خود کچھ بھی نہ ہو تو اُس کی اتنی ہی عزت کی جا سکتی ہے کہ وُہ غزالیؒ و رومیؒ کا فرزند ہے اور اِتنی عزت بھی وہ کریں گے، جو رُومیؒ و غزالیؒ کے علمی و رُوحانی مقامات سے آشنا ہیں۔ اب اگر صاحبزادے میاں لوگوں سے یہ اُمید کریں کہ اُنہیں اُسی نظر سے دیکھا جائے، جس طرح اُن کے اسلاف کو دیکھا جاتا تھا تو یہ محض ناپختگیٔ عقل اور طفلانہ ضد تصور کی جائے گی۔ معاشرے میں عزت اور مقام حاصل کرنے کے لئے بڑی جِدّ و جُہد کرنی پڑتی ہے اور بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ انسانوں کے درمیان اِنہی وُجوہ کی بنا پر فرقِ مراتب کا خط کھینچنا پڑتا ہے۔

## قبائلِ عرب اور حضور علیہ السلام کی پسند و ناپسند

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کچھ خاندانوں اور قبیلوں کی بعض خصوصیات اور کارناموں کی بنا پر نہ صرف یہ کہ تعریف فرمائی، بلکہ اُن کے حق میں دُعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے، صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کُتُبِ احادیث میں بھی اُن کی تفاصیل کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف دو چار احادیث بطورِ مثال

نقل کی جاتی ہیں :—

۱۔ عن ابنِ عمرؓ اَنّ النّبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایزالُ ھٰذا الامرُ فی قریشٍ ما بَقِیَ منھم اثنانؓ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت ہمیشہ قریش ہی رہے گی، جب تک اُن میں دو آدمی باقی رہیں۔

۲۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشٌ والانصارُ وجُھینۃُ ومُزینۃُ و اسلمُ وغِفارُ واشجعُ موالی لیس لھم مولیٰ دونَ اللہ ورسولہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش، انصار، جہینہ، مُزینہ، غِفار اور اشجع میرے دوست ہیں۔ خدا اور رسول کے سوا اُن کا کوئی دوست نہیں۔

۳۔ عن سعدٍؓ عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من یُرِدْ ھوانَ قریشٍ اھانہُ اللہُ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قریش کی ذلت کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کرے گا۔

۴۔ عن عمرانَ بن حُصینٍؓ قال مات النّبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یکرہُ ثلٰثۃَ اَحْیاءٍ ثقیفٍ وبنی حنیفۃَ وبنی اُمیّۃَ۔

ترجمہ۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اس حال میں کہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے، وہ تین قبیلے یہ ہیں بنی ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی اُمیّہ۔ مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری، جلد اوّل، باب مناقب قریش، ص ۴۹۷، مطبوعہ بمبئی، سنِ طباعت ۱۲۸۳ھ

ایضاً مشکوٰۃ شریف، باب مناقب قریش وذکر القبائل، ص ۵۵۰ تا ۵۵۳ مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۳۲۶ھ

[2] دیکھئے صحیح بخاری شریف، جلد اوّل، ص ۴۹۷، مطبوعہ بمبئی

[3] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۰ تا ۵۵۳، مطبوعہ لاہور

[4] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب مناقب قریش وذکر القبائل، ص ۵۵۰، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۳۲۶ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بعض قبائل کو اُن کی مخصوص صفات و خصائص کی بنا پر پسند فرمایا، وہاں بعض خاندانوں کو ناپسند بھی فرمایا، جن میں بنی اُمیّہ بھی شامل ہے۔ پسند و ناپسند کے حقیقی اسرار و بُطُون اور مصالح تو اللہ اور اُس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، مگر بظاہر تاریخ کے مطالعہ سے مذکورہ خاندانوں کے بارے میں جو مواد ملتا ہے، اُس سے اُن کے اندازِ فکر و حیات اور اُن کے مثبت و منفی نقطہ ہائے نظر کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ قریش اور بنو ہاشم کو قبائلِ عرب میں علم و فضل، وفا شعاری، شرافت و شجاعت و تجارت اور اخلاقی اقدار کی وجہ سے جو امتیازی شان حاصل رہی، اُس کا انکار ممکن نہیں اور اِسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی تعریف فرمائی، حالانکہ قریش کے بعض افراد کے ہاتھوں آپ کو شدید اذیتیں اور زحمتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ چونکہ آپ خود بھی قریشی تھے، اِس لئے اِسی خاندان کے کثیر افراد نے نہ صرف آپ کے ساتھ تعاون کیا، بلکہ اسلام کی قوت و سربلندی کا سبب بھی بنے۔ بنو اُمیّہ سے حقیقی نفرت کا سبب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں، مگر جو کچھ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے، اُس کی روشنی میں اِس خاندان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت و کراہیت کے اسباب و عوامل سمجھے جا سکتے ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے بنو اُمیّہ کی بغاوت ہی کو لے لیجئے اور جو کچھ اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ ظلم و ستم یزید نے کیا، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اِس کی تفصیل مناسب مقام پر آگے آئے گی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس خاندان سے حضور سیّد الانام صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نفرت کریں، اُس سے تو محبّت کی جائے اور جس خاندان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبّت کا حکم فرمائیں، اُس سے نہ صرف نفرت کی جائے، بلکہ اُس کی شان میں طرح طرح کی زبان درازیاں اور گستاخیاں کی جائیں اور پھبتیاں کسی جائیں۔ اب قارئین خود ہی انصاف کریں کہ ایسے کلمہ گو اور مدّعیانِ اطاعتِ رسول کے ایمان کے بارے میں کیا رائے قائم کرنی ہوگی؟ آپ جانتے ہیں کہ خارجی، دُشمنانِ اہلِ بیتِ رسول ہیں۔ اور بدقسمتی سے آج کل ہمارے مُلک میں اِن کا بڑا زور ہے؛ ایک طرف اِن کی اُمیّہ نوازی کا یہ عالم ہے کہ یزید جیسے مُسلّم بدکار، مُدمِنُ الخمر، فاسق و فاجر اور ظالم ترین شخص کو سیّد اور امیر المومنین کے القابِ عالی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس نامُراد کے فسق و فجور کو ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی خاطر مجالس ذکر و فکر کے انعقاد کا اہتمام ہوتا ہے اور پھر بنو اُمیّہ کے بعض نام نہاد اکابر کا نام لے کر نعرے بازیاں کی جاتی ہیں، حالانکہ بنو اُمیّہ

وہی خاندان ہے، جس کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ناپسند کیا اور یہ حدیث بحوالہ مشکوٰۃ شریف اُوپر نقل کی جا چکی ہے۔

## خوارج اور شیعہ کی زبان درازیاں

دُوسری طرف شیعہ مسلک کے افراد، اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اصحابِ ثلاثہ[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں جو نازیبا الفاظ اور جلے کٹے رکیک کلمات استعمال کرتے ہیں، اُنہیں سُن کر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے اور زبان سے بے اختیار یہ دُعا نکلتی ہے کہ اَے خداوندِ عالم! یا تو اِن کو ہدایت ارزانی فرما، یا پھر اِن دونو (یعنی خارجیوں اور شیعوں) کی زبانوں پر عذابِ سکوت نازل فرما۔ یا پھر بقول بیدلؔ ؎

بہ ایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگِ ناگاہے

یہ اِس لئے کہ محبوبِ باری تعالیٰ کی باقی اُمّت کی عقیدتیں مجروح ہونے اور ایمان خراب ہونے سے بچ سکے۔ کیا خارجیوں کی نظر سے وُہ احادیثِ مقدسہ نہیں گزریں، جو اہلِ بیتِ کرام کے حق میں ہیں۔ اور کیا شیعہ کی نظر اُن ارشاداتِ عالیہ پر نہیں پڑی جو اصحابِ ثلاثہ کے حق میں خصوصاً اور دیگر صحابہؓ اور اُمّہات المومنینؓ کے حق میں عموماً وارد ہوئے ہیں۔ چونکہ اُمّہات المومنینؓ کے بارے میں تو آیاتِ قرآنیہ موجود ہیں، اِس لئے اُن کا منکر یا اُن کی گستاخی کا مُرتکب قرآن کا منکر ہے اور قرآن کا منکر بالاتفاق کافر و زندیق ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں التجا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو اُمّہات المومنین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کماحقّہٗ احترام کرنے اور اُن سے محبّت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ ؎

میرے نزدیک یہی توشۂ عقبیٰ ہے نصیرؔ
حُبِّ اصحابِ نبیؐ، حُرمتِ اولادِ بتولؓ (راقم الحروف)

بہرحال بیان یہ کیا جا رہا تھا کہ بعض خصائص و صفات کی وجہ سے جہاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کو پسند فرمایا، اُن کی تعریف کی اور اُن سے محبّت کا اظہار فرمایا، وہاں بعض قبائل سے برات اور نفرت کا اظہار بھی فرمایا۔ یاد رہے کہ یہ نفرت چند افراد کی وجہ

[1] خلفائے راشدین میں سے پہلے تین حضرات، یعنی حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

سے تھی، اجتماعی نہ تھی اور وہ بھی کسی فرد سے ذاتی بُغض و عناد پر مبنی نہیں تھی، بلکہ خاندان کے بعض افراد کی ناپسندیدہ حرکات وصفات اور اُن کے غلط سلط عقائد اور منفی رجحانات کی بنا پر تھی۔ گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مقدس، الحبّ فی اللہ والبغض فی اللہ کا آئینہ دار تھا۔ اگر یہی جذبہ کارفرما ہو تو کسی خاندان کے شرپسند افراد سے انفرادی طور پر نفرت کا اظہار امرِ قبیح نہیں، کیونکہ اگر ایسا کرنا فی نفسہٖ حرام ہوتا یا انسانی اخلاق کے منافی ہوتا تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے۔ اِس کے باوجود آپ نے کسی قبیلے کے فرد کو حقیر نہیں سمجھا اور نہ کسی کو کمتر تصور فرمایا۔ اِس سے احترامِ انسان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ تحریر کیا گیا، اُس سے اِس امر کی وضاحت مقصود تھی کہ جو لوگ نادار، پیشہ ور اور اپنی محنت سے رزقِ حلال کمانے والے افراد کو پست قوم یا گھٹیا نسب کے انسان سمجھتے ہیں، وہ جان لیں کہ اُن کا کبرِ نسبی اور افتخارِ خاندانی صرف اُن کے ذہن کی پیداوار ہے، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں انسان کی بلندی کا معیار جداگانہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نسب کوئی چیز ہی نہیں، بلکہ نسب کا لحاظ و احترام تو اسلام کے علاوہ دُنیا کے دیگر مذاہب میں بھی روا رکھا جاتا ہے، جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

## فیضِ تربیت

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں محلّے کے پڑوسی لڑکے میرے ساتھ مِل کر کھیلا کرتے تو اُن میں مختلف خاندانوں کے بچّے بھی شامل ہوتے، چنانچہ جب کوئی لڑکا غصّے میں آکر دوسرے کو اُس کے پیشے کی عار دلاتا کہ تُو تو دو پیسے کا نائی یا میراثی ہے اور یہ سُن کر اُس بے چارے کا مُنہ شرم و ندامت کے مارے زرد پڑ جاتا تو مجھے شدید ذہنی کوفت ہوتی۔ میری یہ عادت تھی کہ میں اُن سب لڑکوں کے ساتھ کھانا کھاتا اور بعض اوقات تو اُن کے گھر جا کر اُن کے چُولہے کے پاس بیٹھ کر اُن کے ہاں پکے ہوئے کھانے میں شوق سے شمولیت کرتا۔ جب ایسے گھروں میں جانا ہوتا تو گھر والے خوشی کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو جاتے کہ ہم اِن کو کہاں بٹھائیں اور کیا کھلائیں؟ اُس وقت بھی مجھے ندامت محسوس ہوتی تھی اور میں یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ بھی میری طرح کے انسان ہیں، مگر مجھ سے کتنے خائف ہیں۔ آخر یہ سب کیوں؟

اللہ کا فضل اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا کرمِ بے پایاں شاملِ حال رہا کہ میں

نے کبھی ایسے مواقع پر کسی قسم کا تامّل یا طبعی تکدّر محسوس نہیں کیا، بلکہ اب تک اپنے اِس رویّہ پر بحمد اللہ یک گُونہ فخر و مسرّت محسوس کرتا ہُوں۔ اِس میں گھریلو تربیت کے ساتھ بڑی حد تک میرے قلندرانہ مزاج کا دخل ہے، کیونکہ جب تک فطرت کسی چیز کی طرف مائل نہ ہو، مصنوعی میلان کے آثار انسان کے چہرے پر بول رہے ہوتے ہیں، مگر مجھ پر سب سے زیادہ گہرا اثر میرے جدِ امجد حضرت قبلہ بابوجی قدس سرّہٗ کی تربیت اور اندازِ حیات نے ڈالا۔ مَیں بچپن میں بھی اکثر دیکھا کرتا تھا کہ آپؒ، محلّے کے غریب اور وہ لوگ جنہیں کمین یا گھٹیا قومیں تصور کیا جاتا ہے، اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے اور میرے دادا علیہ الرّحمۃ انسانیت کے ناتے سے اُن سب کی عزّت بھی کرتے تھے۔ گاؤں کے جاگیردار جب اُن پر کوئی ظُلم کرتے تو آپؒ غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ حضرت قبلہ بابوجی قدس سرّہٗ حضرتِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کے وُہ واقعات اکثر سُنایا کرتے، جن میں غریبوں اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے افراد کے ساتھ برابری کے سلوک اور انسانی درسِ اخلاق کی تابناکیاں بدرجۂ اتم موجود ہوتیں، اُسی تربیت کا اثر ہے کہ والدِ ماجد اور عمِ محترم آج تک اُسی روش پر گامزن ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارے گھرانے میں بزرگوں اور درویشوں کی یہ سُنّتِ مساوات و اُخوّت رہتی نسلوں تک قائم رہے۔

اگر مجھے گھر کا یہ ماحول میسّر نہ آتا اور میرے سامنے اپنے بزرگوں کے یہ معمولات نہ ہوتے تو میں بھی کسی کو ذہنی کوفت دینے اور اُسے حقارت محسوس کروانے کے لئے اِسی قسم کے ناشائستہ اور غیر مُہذّبانہ الفاظ استعمال کرنے میں کبھی نہ ہچکچاتا۔ مطلب یہ کہ اگر معاشرے کے سارے افراد اپنی اولاد کی تربیت اِسی انداز سے کریں تو یہ طبقاتی فرق اور ایسے غیر اسلامی مفروضات ختم ہو سکتے ہیں، مگر ایسا کون کرے گا؟ اِس کے لئے تو پہلے اپنی جھُوٹی انا اور رعونت کا گلا گھونٹنا، عوام کے ساتھ گھُلنا مِلنا، اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونا اور اُنہیں بالکل اپنے ہی جیسا ایک انسان سمجھنا پڑتا ہے، اِسی کو تصوّف اور اِس پر عمل کرنے والوں کو صُوفیا کہا جاتا ہے۔

## اصلِ طریقت

اُستادِ سخن حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے کیا خُوب فرمایا ہے۔

طریقت بجُز خدمتِ خلق نیست  
بہ تسبیح و سجّادہ و دَلق نیست

ترجمہ۔ طریقت دراصل مخلوقِ خدا کی خدمت (اور اُنہیں اپنے جیسا انسان سمجھنے) کا نام ہے۔

تسبیح پھیرنا، مُصلّے پر بیٹھ جانا اور گدڑی پہن لینا تو طریقت نہیں۔

آج کل تصوّف کے خلاف بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ میں اِس کے جواب میں صرف اِتنا کہوں گا کہ حقیقی صُوفیا نے تو ہمیشہ غیر مُسلموں کے دامن دولتِ اسلام سے بھرے؛ جب کہ آج کل کچھ لوگ اُلٹی سیدھی تبلیغ سے مُسلمانوں کا رہا سہا ایمان بھی چھین رہے ہیں، ایسے لوگوں کو صُوفیائے کرام پر انگشتِ تنقید اُٹھانے سے پہلے اپنے گریبانوں میں جھانک لینا چاہیئے کہ اُن کی اپنی علمی، عملی اور رُوحانی بساط کیا ہے۔ بقولِ راقم الحروف ؎

جانچ پرکھ ہے اوروں کی یہ بھی سوچا، خود کیسا ہو؟

بزرگانِ دین کے طرزِ حیات اور اُن کی اخلاقی اقدار کا اتباع نہایت مشکل کام ہے۔ اُمتِ مُسلمہ کے جلیل القدر اولیائے عظام نے جس خوبی اور عزّت کے ساتھ غریب و نادار اور کس مپرس انسانوں کی مالی اور رُوحانی خدمت کی ہے، تصوّف کے ناقدین وحاسدین اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے، آخر کیا وجہ تھی کہ شاہانِ وقت، بوریا نشینوں سے ہمیشہ جھینپتے رہے؛ صرف یہی کہ غریبوں، دردمندوں اور محتاجوں کے دل اِن بزرگوں کے ہاتھ میں ہوتے تھے، وہ رات دن غریبوں اور مسکینوں کے دُکھ بانٹتے، جب کہ شاہانِ جبابرہ اور اربابِ اقتدار اُن پر مشقِ ستم کرتے اور اُنہیں کمتر مخلوق سمجھتے تھے؛ ایسی فضا میں غریب عوام، اولیاء اللہ کا ساتھ کیوں کر نہ دیتے اور اُن پر جان کیسے نہ چھڑکتے؟

وحدتِ انسانی ایک ایسی حقیقت ہے، جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یوں تو صوفیائے کرام اور دیگر شُعرا نے بھی اِس موضوع پر بہت کچھ کہا ہے، مگر یہاں صرف مُصوّرِ جذبات شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی کا ایک مُسدّس بند پیشِ خدمت ہے، جس میں بڑی خوبصورتی سے اِس کا درس دیا گیا ہے ؎

اَے دوست! دل میں گردِ کدُورت نہ چاہیئے — اچھے تو کیا، بُروں سے بھی نفرت نہ چاہیئے
کہتا ہے کون، پھُول سے رغبت نہ چاہیئے — کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیئے
اُس کی رگوں میں بھی ہے لہُو سبزہ زار کا
پالا ہُوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا

یہ درست ہے کہ گلزارِ کائنات میں جہاں پھُول ہیں، وہاں کانٹے بھی ہیں۔ کانٹے پھُول کے ساتھ خواہ کچھ بھی سلوک کریں، مگر پھُول وہی ہے جو کانٹوں سے بھی نباہ کرے، چونکہ

پھُول اور کانٹا دونوں کی رگوں میں خُونِ سبزہ زار دوڑ رہا ہے اور دونو پروردۂ نسیمِ بہار ہیں، اِس لئے اختلافِ مزاج کے باوجود اِن کا ربط نہیں ٹوٹ سکتا اور پھُول کبھی کانٹوں سے اپنا دامن نہیں چھُڑا سکتا، اگر بوجُوہ کچھ دیر کے لئے ایسا کرنا بھی پڑ جائے تو بقولِ شاعر ؎

دفعتاً ترکِ تعلق میں تو رُسوائی ہے
اُلجھے دامن کو چھُڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

---

# بابِ دوم

# مسئلہ کفو

الاکفاءُ جَمعُ کُفُوٍ بمعنی النظیر لغۃً والمرادُ ھھُنا المُماثَلۃُ بینَ الزّوجَینِ فی خُصُوصِ اُمُورٍ[1]۔ (ترجمہ) اکفاء کفو کی جمع ہے، اِس کے لغوی معنیٰ نظیر اور مساوی القدر کے ہیں، اِس مقام پر چند خاص اُمور میں زوجین کے درمیان مماثلت مُراد ہے۔

الکفاءۃُ فی النکاح مُعتَبرۃٌ قالَ علیہِ السّلامُ اَلا لایُزوّجِ النّساءَ اِلّا الاولیاءُ ولایُزوّجن اِلّا مِنَ الاکفاءِ ولاَنَّ انتظامَ المَصالحِ بینَ المتکافِئَینِ عادۃً لاَنَّ الشّریفۃَ تَاْبٰی اَنْ تکونَ مُستَفرَشۃً للخسیس فلابُدَّ مِن اعتبارِھا بخلافِ جانبھا لاَنَّ الزّوجَ مُستَفرِشٌ فلاتُغیظُہٗ دَنَاۃُ الفِراشِ[2]۔

ترجمہ۔ کفاءۃ نکاح میں معتبر ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خبردار! اولیا کے سوا عورتوں کا نکاح کوئی نہ کرائے۔ اور اُن کا نکاح صرف اکفاء (کفو والوں) میں کرایا جائے، اور اس لئے کہ نکاح کی مصلحتیں عموماً اُسی وقت پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں، جب میاں بیوی مماثل ہوں، کیونکہ ایک شریف خاندان کی عورت کسی خسیس آدمی کے لئے حقوقِ زوجیت پیش کرنے سے انکار کرتی ہے۔ پس کفو کا اعتبار ضروری ہے، عورت کی جانب کے برعکس کہ خاوند اُسے لٹانے والا ہے، پس لیٹنے والی عورت کی خستِ نسب اُسے (خاوند کو) غضبناک نہیں کرتی۔

## تعریفِ کفو

احناف کے نزدیک کفو کا مفہوم یہ ہے کہ چند خاص اُمور میں مرد، عورت کا ہم پلّہ ہو۔ اُن اُمور کی تعداد چھ ہے۔ یعنی خاندان، اسلام، پیشہ، حُرّیت، دین، مال، نسب کے لحاظ

---

[1] دیکھئے البحر الرائق (عربی)، از علامہ زین الدین الشہیر بابن نجیمؒ، جلد سوم، ص ۱۴۷، مطبوعہ شرکۃ دارالکتب العربیۃ قاہرہ (مصر)

[2] دیکھئے ہدایہ، از علامہ برہان الدین المرغینانی (م ۵۹۳ھ) جلد ثانی، کتاب النکاح، ص ۳۱۹، مطبوعہ کلام کمپنی کراچی

سے ادنیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مرد، عورت کے خاندان اور قبیلے کے برابر خاندان اور قبیلے کا نہ ہو، اِس کی تفصیل یہ ہے کہ اشخاص دو قسم کے ہیں، عرب اور اہلِ عجم، پھر عربی بھی دو طرح کے ہیں، قریشی اور غیر قریشی۔ اگر مرد قریشی اور عورت بھی قریشیہ ہو، تو دونو ہم کُفو شمار ہوں گے، اگرچہ اُن کے قبیلے مختلف ہوں مثلاً عورت ہاشمیہ ہو اور مرد نوفلی (بنی نوفل میں سے ہو)

## لفظِ کُفو کی بحث

جیساکہ سابقہ سُطُور میں گزر چکا، عربی لُغت میں یہ لفظ برابری کے معنیٰ میں آتا ہے، چنانچہ عرب کہتے ہیں تکافأ الشیئان، دونو چیزیں برابر ہوگئیں۔ یہ اِس کے بنیادی معنیٰ ہیں (ابنِ فارس) اِس لئے کُفُوۡءٌ وکَفُوۡءٌ وکِفۡوٌءٌ کے معنیٰ اُس کی مثل ونظیر اور اُس کے ہم پلّہ کے ہیں۔ الکفاءۃُ فی النکاح۔ اِسی سے مأخوذ ہے۔ یعنی شوہر کا اپنی بیوی سے حسب ونسب اور گھرانے میں برابر ہونا۔ اگر ایسا نہ ہو تو خاوند بیوی کی زندگی مستقل عذاب بن جاتی ہے۔ مثلاً کسی مفلوک الحال، بے علم، بدصورت و بدسیرت انسان کا صرف یہ سمجھ کر کہ آخر یہ مسلمان تو ہے، ایک دولت مند، صاحبِ علم وفضل، خوش صُورت وخوش سیرت، پاک دامن لڑکی سے عقد کر دیا جائے، تو کیا اُس بے چاری کی زندگی جہنم زار نہیں بنے گی؟ اگر ایک انسان دوسرے انسان کے لئے باعثِ رحمت بن سکتا ہے تو کبھی کبھی باعثِ زحمت و عذاب بھی تو بن سکتا ہے۔ کل اگر یہی لفنگا جوان شراب کے نشے میں وُسعت چوراہے میں نیم برہنہ ہو کر گالیاں بکنے لگے، تو آپ انصاف کیجئے کہ اُس کی اُس بیوی کے دل پر کیا گزرے گی، جو کسی شریف گھرانے کی خاتون ہے، چادر اور چاردیواری کے آداب کی پابند ہے، صوم وصلوٰۃ اور احکامِ شریعت پر سختی سے کاربند ہے اور اُس کے باپ دادا اپنے علاقے یا مُلک میں اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ کیا صرف کلمہ گو اور مسلمان سمجھ کر ہر راہ چلتے کو اپنی بیٹیاں بیاہ دینا عقلمندی ہے؟ جو لوگ ازدواجی زندگی میں نام ونسب کی رعایت و اعتبار کے خلاف ہمیشہ بولتے اور لکھتے ہیں، کیا کسی نے اُن کو

---

لہ دیکھئے لسان العرب، جلد اوّل، ص ۱۳۹، مطبوعہ بیروت

دیکھا ہے کہ اُنھوں نے اپنی کسی لختِ جگر کو کسی راہ چلتے کے عقد میں صرف اِس لئے دے دیا ہو کہ وہ آخر مسلمان تو ہے، نجاست سے پاک تو ہے، گنہگار سہی مگر مُوحّد تو ہے۔ آپ نے ایسا واقعہ یقیناً نہ کبھی سُنا اور نہ دیکھا ہوگا۔ یہ حرکت تو عام اور متوسط نسب والے بھی نہیں کرتے؛ جس کو اسلامی اخوّت کا اِتنا ہی شوق ہے، کیا وُہ پہلے اِس نسخے کو اپنے گھر پر آزمانے کا حوصلہ رکھتا ہے؟ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ایسے مدّعیانِ اسلام، اخوّتِ اسلامی اور مساواتِ انسانی کے عَلَم بردار سب سے پہلے اپنی بیٹیوں کے لئے اُونچے گھرانوں کو نظر میں رکھتے ہیں۔ نام و نسب، دولت و ثروت، بنک بیلنس، جائداد، اثر و رسوخ اور خاندانی شان و شوکت کو دیکھتے ہیں، پھر کہیں جاکر اپنی بیٹیوں کو رُخصت کرتے ہیں۔

## سُورۂ اخلاص اور مسئلۂ کُفو

مطلب یہ کہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے اور دیکھنا بھی چاہیئے کہ جہاں رشتہ دیا جارہا ہے یا کیا جارہا ہے، وہاں خیالات و عقائد کی ہم آہنگی کے علاوہ دوسری اہم صفات میں بھی برابری ہے یا نہیں؟ اِسی کو اصطلاحِ فقہ میں کُفو کہا جاتا ہے۔ اور اِسی لئے نکاح میں یہ امر لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کے جملے سے بھی یہ مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ وُہ اِس طرح کہ اِس سے پہلے دو جملوں (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ) میں توالد و تناسُل کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی نہ خدا نے کسی کو جنا اور نہ خدا کسی سے جنا گیا، اِس کے فوراً بعد وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ لفظِ کُفو کا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ سے آخر کوئی تعلق ہے جبھی تو اُن کے ذکر کے متصل اِس کا ذکر فرمایا گیا۔ اگر یہاں کُفو سے سہیم و شریک مُراد لیا جائے تو گزارش ہے کہ لفظِ شرک کی طرح کوئی دوسرا لفظ شرک کے معنیٰ نہیں دے سکتا۔ اِسی لئے مفہوم شرک کی وضاحت کی خاطر قرآن مجید میں سینکڑوں بار صرف شرک ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِس لئے کُفو کے معنیٰ شرک نہیں ہو سکتے؛ اگر بالفرض لفظِ کُفو بمعنیٰ شرک مان بھی لیا جائے، تو پھر یہاں کُفو کے بجائے لفظِ شرک کیوں نہیں استعمال ہوا۔ معلوم ہوا کہ کُفو ایک ایسا لفظ ہے، جس کا رشتہ صرف لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کے الفاظ ہی سے ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خدائے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کا کُفو کوئی نہیں بن سکتا اور جہاں

سلسلۂ توالد و تناسُل موجود ہو، وہاں کُفو (برابری) کا اعتبار ضروری ہوگا۔

میرے خیال کے مطابق شاید فُقہاء نے اعتبارِ کُفو کا مسئلہ اخذ کرتے وقت اِس آیت کو بھی پیشِ نظر رکھا ہو۔ چونکہ نکاح، مرد اور عورت کی باہمی قُربت وصُحبت کے لئے سندِ جواز کی حیثیت رکھتا ہے اور خاوند بیوی کی قُربت کا مُدّعا اولاد ہوتی ہے، اِس لئے جہاں نکاح، والد، والدہ اور ولد کے الفاظ آتے ہیں، کُفو کے لفظ کا اعتبار بھی وہیں ہوتا ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ کے بعد وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فرمایا تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ دعویٰ کہ اُس کی اولاد نہیں اور وہ کسی کی اولاد نہیں، اِس دلیل سے ثابت ومحقّق ہے کہ اُس کا کوئی ہمسر نہیں، جب اُس کے ہمسر کی نفی ہوگئی تو لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ کا دعویٰ مسلّم ٹھہرا۔ اِن تمام اُمور کی نفی فرماتے ہوئے فرمایا کہ لڑکے، لڑکی کے اعتبارِ کُفو کا تصوّر تو مخلوق کے ساتھ وابستہ ہے، یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو سب کا خالق ومالک ہو، وہ بھی اپنی مخلوق کی طرح کسی کا باپ یا کسی کا بیٹا ہو، یا اُس کے لئے بھی کُفو تلاش کیا جائے تو پھر خالق ومخلوق میں حدِ فاصل کیا رہی اور پھر یہ امر بھی خدا کے سامنے تھا کہ جس زبان (یعنی عربی) میں قرآنِ مجید نازل کیا جا رہا ہے اور جو قوم اِس کی مخاطب ہے، اُس کی مُروّجہ اصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے بات سمجھائی جائے، چنانچہ ارشادِ باری ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝[1] (ترجمہ) بے شک ہم نے اُسے عربی قرآن اُتارا تاکہ تم سمجھو۔ گویا اُس دَور میں بھی کُفو کا اعتبار تھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو قرآنِ مجید میں ایسا لفظ استعمال ہی نہ کیا جاتا، جس کے محلِ استعمال کو عرب سمجھنے سے قاصر ہوتے، چونکہ یہ امر بھی مشیّت کے پیشِ نظر تھا کہ لفظِ کُفو عقد ونکاح کے مواقع ہی پر عرب کے ہاں رائج ہے، لہٰذا اِسی رعایت کو سامنے رکھتے ہُوئے لفظِ کُفو کو توالد و تناسُل اور عقد ونکاح کے خاندانِ الفاظ کے ساتھ استعمال کیا، ورنہ پُورے قرآنِ مجید میں یہ لفظ سُورۃ اخلاص کے علاوہ کسی اور مقام پر آیا ہی نہیں، گویا صرف ایک ہی مرتبہ استعمال ہوا اور وہ بھی اِسی سُورۃ مُبارکہ میں اور اِنہی معنوں میں۔

---

[1] القرآن ۱۲ : ۲

# کفو کا اعتبارِ شرعی

کفو کا یہ شرعی اعتبار عمومی ہے۔ سادات، قریش یا بنو ہاشم یا کسی اور قبیلے کے ساتھ مختص نہیں۔ دُنیائے اسلام سے تعلق رکھنے والا مرد یا عورت جس زبان، جس زمین اور جس قبیلے سے منسوب ہو، اُسے اپنے کفو کا لحاظ کرنا پڑے گا، تاکہ کل کلاں اُسے پریشانی اور پشیمانی نہ اُٹھانی پڑے۔ جیساکہ مذکور ہوا، قرآن مجید نے مُشرک (مرد) اور مُشرکہ (عورت) کے درمیان شرک کو اور مسلمان مرد اور عورت کے مابین ایمان اور اسلام کو کفو میں خاص حیثیت دی کفو وایمان صفات ہیں، نسل، خاندان اور خون کا حکم نہیں رکھتے۔ اِس کے باوجود صفات یعنی عقائد و اعمال کو بھی کفو کے ضمن میں رکھا گیا۔ دراصل اِس سے اُن کیمونسٹ اور سوشلسٹ افکار و نظریات کا رد مقصود ہے، جو ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے لئے صرف انسان ہونا کافی سمجھتے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں، خواہ ایک مومن ہو اور دوسرا مُشرک۔ جب دونوں کی رضامندی پائی جائے تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ اگر اُن کے اِسی باطل نظریہ کو سامنے رکھا جائے تو ایمان اور کفر کی تمیز ختم ہوکر رہ جاتی ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک نکاح کے لئے صرف ایک مرد اور ایک عورت کا ہونا ضروری ہے۔ وہ مرد اور عورت کو صرف اِتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اُن کا نکاح کسی جانور سے نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ اتفاق سے اُن کے نزدیک بھی انسان کے کفو نہیں، ورنہ شاید وہ اِسے بھی جائز قرار دے دیتے، مگر اِس بے راہ روی اور غیر فطری بے لگامی کا یہ نتیجہ نکلا کہ آج بھی سیاروں پر کمندیں ڈالنے والے ترقی یافتہ مغرب کے بعض ممالک میں مرد اور عورتیں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے حیوانات کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں۔

## شرائطِ نکاح

اِس بہیمانہ طرزِ عمل کی روک تھام کے لئے خداوندِ عالم نے ازدواجی زندگی کے لئے صرف انسان ہونے کو شرط قرار نہیں دیا، بلکہ اِس کے لئے عقائد و نظریات کی ہم آہنگی کو بھی شرائطِ نکاح میں رکھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (ترجمہ) اور (اے مومنو!) مُشرک عورتوں سے جب تک کہ وُہ ایمان نہ لائیں، نکاح نہ کرنا، کیونکہ مُشرک عورت خواہ تم کو کیسی ہی بھلی لگے، اُس سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اِسی طرح) مُشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں نہ دینا، کیونکہ مُشرک (مرد) سے خواہ وُہ تم کو کیسا ہی بھلا معلوم ہو، مومن غلام بہتر ہے۔[1]

آیاتِ مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ مومن اور مُشرک کا آپس میں ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہو سکتا، کیونکہ وُہ ہم کفو نہیں ہیں۔ اگرچہ شرک و ایمان نسب نہیں کہلاتے، بلکہ یہ تو صفاتِ انسانیہ کے زُمرے میں آتے ہیں، مگر یہاں نسب کی طرح اِنہیں بھی کفو کا درجہ و مقام دیا گیا۔ یہ درست ہے کہ کفر و شرک سے توبہ کرنے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انسان سابقہ نجاستوں سے یکسر پاک ہو جاتا ہے، مگر طہارت و تقویٰ کے بھی تو لامحدود درجات و مراتب ہیں۔ جو شخص حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا، وُہ مُشرک کی نسبت پاک تو کہلا سکتا ہے، مگر صحابہؓ و تابعینؒ اور اولیاء اللہ کے مرتبے کی طہارت ابھی اُس میں کہاں آسکتی ہے؟ اگر ایسا ہی عام سا مسلمان کسی بڑے گھرانے سے (جو علم و فضل کے ساتھ دیگر صفات میں بھی امتیازی شان رکھتا ہو) رشتہ جوڑنا چاہتا ہے تو اُس کے لئے اُن صفاتِ محمودہ کا حصول بھی امرِ ضروری ہے اور اِسی کو کفو سے موسوم کیا جاتا ہے۔

## بنتِ ابُوجہل سے حضرت علیؓ کے رشتہ نہ ہونے کا سبب

حضرت مِسوَر بن مخرمہ سے روایت ہے اَنَّہٗ سَمِعَ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبرِ وَھُوَ یقولُ اِنَّ بَنِی ھِشامِ بنِ المُغِیرۃِ استأذَنُونی اَن یُّنکِحُوا ابنَتَھُم علیَّ بنَ ابی طالب فلا اٰذَنُ لھم، ثم لا اٰذَنُ لھم، ثم لا اٰذَنُ لھم، اِلَّا اَن یُّحِبَّ علیُّ بنُ ابی طالب ان یُّطَلِّقَ اِبنَتِی وَیَنکِحَ ابنَتَھُم فَاِنَّمَا بِنتِی بَضعَۃٌ مِّنِّی یَرِیبُنِی مَا رَابَھَا وَیُؤذِینِی مَا اٰذَاھَا۔[2] (ترجمہ) مِسوَر بن مخرمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سُنا کہ بنی ہشام بن مُغیرہ (یعنی ابوجہل کے خاندان) نے مجھ سے اِس

---

[1] القرآن ۲ : ۲۲۱

[2] دیکھئے مسلم شریف، جلد ثانی، ص ۲۹۰، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، سنِ طباعت ۱۳۷۶ھ

بات کی اجازت طلب کی کہ وہ اپنی لڑکی علیؓ ابنِ ابی طالب کے نکاح میں دیں، پس میں انہیں اجازت نہیں دیتا، یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ہاں اگر علیؓ بن ابی طالب یہ پسند کرتا ہے کہ میری دُختر (فاطمہؓ) کو طلاق دے اور اُن کی لڑکی سے نکاح کرے، کیونکہ میری دُختر (فاطمہؓ) میرے جسم کا ٹکڑا ہے، مجھے بھی وہ چیز پریشانی میں ڈالتی ہے جو اُسے پریشانی میں ڈالتی ہے اور مجھے بھی وہ چیز اذیت پہنچاتی ہے، جو اُسے اذیت پہنچاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیثِ پاک سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کی ایذا کو قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ارشاد فرمایا، جو چیز اُنہیں اذیت دے، وہ مجھے اذیت دیتی ہے اور یہی بات حضرت علیؓ کے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح نہ کرنے کا سبب قرار پائی۔ ابوجہل کی لڑکی مسلمان اور قریشیہ ہونے کے لحاظ سے اگرچہ سیدنا علیؓ کی کفو تھی اور شرعی اعتبار سے یہ نکاح حرام نہ تھا، جیسا کہ حدیثِ مبارک میں ارشاد ہوا:-

وَاِنِّی لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَّ اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ مَکَانًا وَاحِدًا اَبَدًا۔[1] (ترجمہ) اور بے شک میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا، مگر اللہ کی قسم اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہاں سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی ایذا اور اُس پر مترتب ہونے والے نتائج یعنی ایذائے رسول اور ایذائے الٰہی کے پیشِ نظر اِس نکاح کی اجازت نہیں دی۔ جو دنیا و آخرت میں موجبِ لعنت ہیں۔

اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عترتِ رسول کے ادب و احترام اور اعزاز و اکرام کی کیا اہمیت ہے اور اِسلامی غیرت و حمیت کے تقاضوں کو رشتوں کے معاملات میں پیشِ نظر رکھنا کس قدر ضروری ہے۔

---

[1] دیکھئے مسلم شریف، جلد ثانی، ص ۲۹۰، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، سنِ طباعت ۱۳۷۶ھ

# حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادۂ پاک کا اعزاز و اکرام

حضور سرور کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادۂ پاک احترام و ادب سے دیکھا جاتا ہے کہ اُس کے رگ وپے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ اطہر گردش کر رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی عظمت و حرمت تو اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، جن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ کے حسب و نسب ہی سے ہوں، اُن کے حق میں قرآنِ حکیم کا یہ فیصلہ ہے :- یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو ازواجِ مطہرات اور دوسری تمام عورتوں میں نسوانی لوازم و معمولات کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہ تھا اور کسی ایک کو بھی (ماسوائے جنابِ زینب رضی اللہ عنہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیک ترین نسبی قرابت حاصل نہیں تھی، صرف وہ سرورِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ زوجیت میں داخل ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن کے اِس شرف کا یہ مقام اور یہ اعزاز ہے کہ اُن کے لئے یہ کلمات نازل فرمائے کہ تم دُنیا کی دُوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ مقصد یہ کہ اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہ آتیں تو تم دوسری عورتوں ہی کی طرح ہوتیں۔

ثابت ہوا کہ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ایک ایسا محورِ شرف اور مرکزِ فضیلت ہے کہ اُس کے گرد گھومنے والے سیاروں کو مقامِ صحابیت پر فائز کیا جاتا ہے۔ اُس کے دائرۂ زوجیت میں داخل ہونے والی خوش نصیب خواتین کو ازواجِ مطہرات کا مقدس لقب دیا جاتا ہے اور اُن کے بطنِ اطہر سے جلوہ افروز ہونے والے نُور پاروں سیدہ زہرا، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ اُمِ کلثوم، حسن و حسین، قاسم و ابراہیم کے لئے سید، شریف، آلِ محمد، آلِ رسول یا اہلِ بیت جیسے وجد آفریں الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ شرف اور اوجِ مقامِ ازواجِ مطہرات۔

اِس آیتِ مذکورہ سے ذرا آگے ارشاد ہوتا ہے :- وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ؕ (ترجمہ)

[1] القرآن ۳۳ : ۳۲

[2] القرآن ۳۳ : ۳۳

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور اگلی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح بے پردہ نہ ہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اُس کے رسُول کا حکم مانو۔ (اے نبی کے گھر والو!) اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اِن آیات سے ازواجِ مُطہرات کی عند اللہ عزت و حُرمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اُن پر یہ پابندیاں صرف اِس لئے لگائی جا رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ پاک میں داخل ہونے کے بعد وہ عام عورتوں جیسی نہیں رہیں، بلکہ وہ زوجیتِ رسول میں آچکی ہیں، اِس لئے اللہ کریم نے مزید انعام و اکرام کا اظہار فرماتے ہوئے اُن کی تطہیر کا اعلان فرما دیا۔ یہاں ایک نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ شیعہ اِس آیت میں وارد لفظِ اہلِ بیت سے ازواجِ مُطہرات کو خارج کر لیتے ہیں، یہ سراسر گستاخی ہے اور ایسا کرنا قرآنی آیات کے سیاق و سباق سے یا تو عدمِ واقفیت کی بنا پر ہے یا پھر کمالِ سینہ زوری، ہٹ دھرمی اور عاقبت نااندیشی ہے۔

## غیر کُفو میں نکاح کا عدمِ انعقاد

۱۔ وَرَوَی الحسنُ عن ابی حنیفۃَ رحمہُ اللہُ تعالیٰ اَنَّ النکاحَ لاینعَقِدُ وبہٖ اَخَذَ کثیرٌ مِّنْ مَشَائِخِنا رحمَھُمُ اللہُ تعالیٰ کذا فی المحیط۔ والمختارُ فی زمانِنا للفتوٰی روایۃُ الحسنِ۔[1] (ترجمہ) حسنؒ نے امام ابُوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ غیر کُفو میں نکاح سرے سے منعقد ہو ہی نہیں سکتا، ہمارے اکثر مشائخؒ نے اِسی قول کو لیا ہے، اِسی طرح محیط میں ہے اور ہمارے زمانے میں فتوٰی کے لئے روایتِ حسنؒ ہی مختار ہے۔ (غیر کفو میں نکاح کے عدمِ انعقاد کا سبب ولی کی عدمِ رضا ہے۔ دُرِمختار، بابُ الولی)

۲۔ وَقَالَ الشیخُ الامامُ شمسُ الأئمۃِ السَّرخسِیُّ روایۃُ الحسنِ اَقربُ الی الاحتیاطِ کذا فی فتاوٰی قاضی خان۔[2] (ترجمہ) امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ حسنؒ کی روایت اقرب الی الاحتیاط (احتیاط کے زیادہ قریب ہے) اور فتاویٰ قاضی خان میں اِسی طرح لکھا ہوا ہے۔

---

[1] دیکھئے فتاوٰی عالمگیری، جلد اوّل ص ۲۹۲، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ، سنِ طباعت ۱۳۹۸ھ
[2] ایضاً

۳۔ وَيُفْتٰى فی غیرِ الکُفُوِ بعدمِ جوازِہٖ اصلاً وھو المختارُ للفتوٰی لفسادِ الزمان۔[1]
ترجمہ۔ اور غیر کفو میں بالکل عدمِ جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور فسادِ زمان کے لحاظ سے فتویٰ کے لئے یہی قول مختار ہے۔ یہ صورت بھی عدمِ رضائے اولیا کے ساتھ مخصوص ہے۔

۴۔ محولہ بالا عبارت کے بعد علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: وھو المختارُ للفتوٰی وقال شمسُ الأئمۃِ وھٰذا اقربُ الی الاحتیاطِ کذا فی تصحیح العلامۃِ قاسمٍ۔ لانّہ لیس کلُّ ولیٍّ یُحسِنُ المرافعۃَ والخصومۃَ ولا کلُّ قاضٍ یَعدِلُ ولو احسنَ الولیُّ و عَدَلَ القاضیُ فقد یُترَکُ اَنَفَۃً للتردّدِ علٰی ابوابِ الحُکّامِ واستثقالاً لِنفسِ الخصوماتِ فَیتقرّرُ الضررُ فکان مَنعُہٗ دفعاً لَہٗ۔[2] اور فتویٰ کے لئے قول مختار یہی ہے، شمس الائمہ سرخسیؒ کہتے ہیں کہ یہ قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ قاسمؒ کی تصحیح میں اسی طرح ہے، کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لئے صحیح طور پر رجوع نہیں کر سکتا۔ نیز ہر قاضی بھی عادل نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفو میں نکاح کو فسخ کر دے اور اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کرا سکے اور قاضی بھی عادل ہو، تو پھر بھی بعض اوقات حُکّام کے دروازوں پر چکر لگانے کی زحمت، اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا، لہٰذا ضرر ہمیشہ کے لئے پختہ ہو جاتا ہے۔ پس اس ضرر کا دفیہ صرف یہی ہے کہ سرے سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔

۵۔ والاصحّ اَنّہٗ لایکونُ کُفُواً للعلویّۃِ کذا فی غایۃِ السروجیّ۔[3] (ترجمہ) زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ (ذی علم وجاہ) مرد علوی عورت کے لئے کفو نہیں بن سکتا غایۃ السروجی میں اسی طرح مرقوم ہے۔

۶۔ سادات تو کجا اُن کی لونڈیوں کے لئے بھی عام قریش کا غلام کفو نہیں ہو سکتا، چنانچہ لکھتے ہیں: وَمَولاۃُ الھاشمیِّ لاتُکافِیٔ مَولَی القُرَشِیِّ کذا فی التمرتاشی۔[4] (ترجمہ) قریشی ہاشمی کی لونڈی قریشی غیر ہاشمی کے غلام کا کفو نہیں ہو سکتی۔ تمرتاشی میں اسی طرح ہے۔

---

[1] دیکھئے ردُّ المحتار (عربی) از علامہ شامیؒ، جلدِ ثانی، ص ۴۰۹، مطبوعہ ترکی

[2] ملاحظہ ہو ردُّ المحتار، از علامہ ابنِ عابدین شامیؒ، جلدِ ثانی، ص ۴۰۹، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ ترکی، سنِ طباعت ۱۳۲۴ھ

[3] دیکھئے فتاوٰی عالمگیری (عربی) جلدِ اوّل، ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ، سنِ طباعت ۱۲۹۸ھ

[4] ایضاً ص ۲۹۱

بعض لوگ اعتبارِ نسب کا بالکل انکار کرتے ہیں اور بعض نسب کے معاملہ میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ اعتبارِ نسب نہیں کرتے، اُن کو اِس آیتِ کریمہ پر غور کرنا چاہیئے ارشاد ہوا: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا [1] (ترجمہ) اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنایا اُسے خاندان اور سُسرال والا۔ اِس آیتِ کریمہ کی رُو سے اگرچہ پُوری نوعِ انسانی ایک ہی خالق کی مخلوق ہے اور اِس اعتبار سے ایک دوسرے کے مساوی ہے، مگر نَسَبًا کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ اِس نوعِ انسانی کو الگ الگ خاندان، نسب اور قبائل میں تقسیم کر دیا گیا، تاکہ اُس کی خونی قربتوں کے شعورِ یگانگت پر غیر نسبی دُوریوں کے احساساتِ بیگانگی اثر انداز نہ ہونے پائیں۔ ایک اور مقام پر انسان کو مختلف قبائل میں تقسیم کرنے کی غرض و غایت باہمی تعارف بتایا گیا، مگر آیتِ محولہ بالا میں وہ تعارفی مفہوم نہیں، بلکہ مُطلقاً یہ بات ہے کہ ہم نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ اور پھر اُسے ایک مخصوص انتساب اور نسب بھی عطا کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اِس آیت کو سامنے رکھ کر فقہائے کرام نے نسب کو کفو کی دیگر شرائط میں اساسی حیثیت دی ہو۔

## فقہائے احناف کے اقوالِ کفو

بہرحال فقہائے احناف کے درج ذیل اقوال سے اعتبارِ کفو کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ العجميُّ لا يكونُ كفوًا للعربيّةِ ولو كانَ العجميُّ عالِمًا أو سُلطانًا وهو الاصحُّ فتح عن الينابيع وادّعى في البحر أنّه ظاهرُ الرّوايةِ۔ (ترجمہ) عجمی اگرچہ عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، عربی عورت کے لئے کفو نہیں ہو سکتا، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ قول فتح القدیر نے الینابیع سے نقل کیا ہے، صاحب بحر الرائق نے اس کے ظاہر الروایت ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ مگر اس پر علامہ شامی نے کئی اعتراض کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو در مختار) [2]

۲۔ الحسيبُ بذي المنصبِ والجاهِ غيرُ كفوءٍ للعلويّةِ كما في الينابيع۔ (ترجمہ) صاحب منصب و جاہ ذی حسب علویہ خاتون کے لئے کفو قرار نہیں پاتا۔ [3]

---

[1] القرآن ۲۵ : ۵۴

[2] دیکھئے الدّر المختار بحاشیہ ردّ المحتار، ص ۳۲۴، مطبوعہ ترکی

[3] ایضًا

۳- علامہ شامیؒ مزید لکھتے ہیں :- اِنَّ ظاھرَ الرِّوایۃِ انّہ لا یکافئُھا فھو المذھبُ خصوصًا[1] (ترجمہ) یعنی کوئی بھی عالم غیر قریشی علویّہ اور قرشیّہ کے لئے کفو نہیں ہوسکتا۔ یہی مذہبِ حنفیہ ہے۔ (بصورتِ اعتراضِ ولی)

۴- وظاھرُ الرّوایۃِ انّ العجمیّ لا یکونُ کفواً للعربیّۃِ مُطلقًا قال فی المبسوطِ افضلُ النّاسِ نسبًا بنو ھاشمٍ، ثمّ قریشٌ، ثمّ العربُ[2]۔ (ترجمہ) ظاہر الرّوایت یہی ہے کہ عجمی عربیّہ کے لئے مطلقاً کفو نہیں ہوسکتا۔ مبسوط میں ہے کہ بلحاظِ نسب بنو ہاشم سب سے افضل ہیں، پھر قریش اور پھر باقی عرب۔ بحر الرّائق کی عبارت سے واضح ہے کہ عجمی ذی علم و جاہ عام عربیّہ کے لئے کفو نہیں بن سکتا، تو پھر ساداتِ بنو فاطمہؓ کے لئے کیسے کفو بن سکتا ہے۔ (اگر لڑکی اور اُس کا ولی دونوں رضامند ہوں، تو بات اور ہے) پیشے میں کفو (ہمسری) کا مطلب یہ ہے کہ رواج اور عرفِ عام کے لحاظ سے خاوند والوں کا پیشہ بیوی والوں کے پیشے کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہو، پس اگر درزی کے پیشہ کو لوگ پارچہ بافی کے پیشے سے معزز سمجھتے ہوں تو جولاہا درزی کی بیٹی کا کفو نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اِس کے برعکس صورت میں۔ الغرض کفو کا دار و مدار لوگوں کے معزز سمجھنے پر ہے۔ والعبرۃُ فی النَّسَبِ للآباءِ لا للاُمّھاتِ اِلّا فی بناتِ فاطمۃَ رضی اللہ عنھا فَاِنّھُنَّ منسوباتٌ اِلَی النّبیِّ صلّی اللہ علیہ وسلّم وھُنَّ ارقَی الانواعِ مِن عربٍ وّعجمٍ[3]۔ (ترجمہ) نسب کا اعتبار باپ کے لحاظ سے ہوتا ہے ماؤں کے لحاظ سے نہیں، سوائے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کے کہ وہ سب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نسب میں شمار ہوتی ہیں اور بہ اعتبارِ نسب عرب و عجم میں وہی سب سے اُونچی ہیں۔ (انتہیٰ)

نکاح، ولی اور کفو کی مذکورہ تفصیل میں جانے سے مقصود صرف یہ تھا کہ جو لوگ ائمہ اربعہؒ کی تقلید کو ضروری نہیں سمجھتے، اُن پر یہ واضح ہو جائے کہ ائمہؒ نے نکاح میں جو شرائط رکھی ہیں، اُن

---

[1] دیکھئے ردّ المحتار، از علامہ شامیؒ، ص ۴۴۴، مطبوعہ ترکی۔

[2] دیکھئے بحر الرائق، جلد ثالث، ص ۱۴۱، مطبوعہ شرکۃ دار الکتب العربیۃ قاہرہ (مصر)

[3] دیکھئے کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، کتاب النکاح، جلد ۴، ص ۵۹، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت، سنِ طباعت ۱۹۶۹ء

کا ہمارے معاشرے سے گہرا تعلق ہے، اگر اُن کی عائد کردہ شرائط کو پسِ پُشت ڈال دیا جائے اور اعتبارِ کفو (برابری) کی قید کو بالائے طاق رکھ کر کھُلی چھُٹی دے دی جائے، تو ماحول اور طبائع کے نہ ملنے سے ایسے ایسے فسادات کے رُونما ہونے کا اندیشہ ہے، جن کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر لڑکی اور اُس کا ولی راضی ہو تو شرعاً نکاح جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد زینبؓ بنتِ جحش کے غیر کفو میں حضرتِ زیدؓ کے ساتھ نکاح کا معاملہ مشہور و معروف ہے؛ آپ نے دیکھا کہ خاندانی اور نسبی عدمِ توازن نے دونو کے سطحِ مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ آخر حضرتِ زیدؓ روزمرہ کی بڑھتی ہوتی ناگواریوں کے پیشِ نظر بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی خاندانی اور نسلی عدمِ توازن سے پیدا ہونے والے نتائج کو سامنے رکھ کر احناف کفو کو اہمیت دیتے ہیں، بہ اعتبارِ شرعِ محمدی کسی بھی خاندان سے رشتہ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ لڑکی اور ولی دونو راضی ہوں۔ حضرتِ زیدؓ آزاد کردہ غلام تھے اور غیر قبیلے سے تھے، چونکہ حضرتِ زینبؓ اور اُن کے ولی اِس پر راضی تھے، لہٰذا دونو کی رضامندی سے شادی ہو گئی، مگر عدمِ توازن کی وجہ سے رشتہ طلاق پر منتج ہوا۔

## فقہائے اُمت کے خلاف حکیم فیض عالم صدیقی کی زہر افشانی

حکیم فیض عالم صدیقی چونکہ غیر مقلد ہیں اور وہ بھی متعصب ترین قسم کے، اِس لئے اُنہوں نے بالعموم فقہائے شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شانِ علم وفضل کے خلاف سخت زہر اُگلا ہے۔ اگر وہ ذرا غور کرتے تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ نکاح میں کفو وغیرہ کی شرائط رکھنے سے حضرت امام صاحبؒ کے پیشِ نظر یہ مصلحت بھی کہ فسادِ زمان نہ پیدا ہو۔ جیسا کہ آپ نے شامی، بحرالرائق اور دیگر کتبِ احناف کی مذکورہ عبارات سے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ حکیم صاحب کو مسئلہ کفو نے غالباً کافی تکلیف پہنچائی، اسی لئے تو لکھتے ہیں۔۔۔ اِس تمام المیہ کا پس منظر صرف اِس قدر ہے کہ مجددینِ فقہِ حنفی نے وقت کے عیاش، اوباش اور تماش بین حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اِسے جلبِ زر کا ذریعہ بنانے کے لئے اِس مسئلۂ کفو کو ایجاد کیا، اُمراء جب چاہیں غرباء کی عزت و ناموس سے کھیلتے رہیں، جہاں کسی غریب کی

لے دیکھئے نقوش، رسول نمبر، جلد ۷، ص ۱۲۱، مطبوعہ لاہور، سن طباعت ۱۹۸۴ء
ایضاً روح المعانی، الجز الثانی والعشرون، ص ۷۵، مطبوعہ بیروت، سن طباعت ۱۹۸۵ء

وضعدار بہو بیٹی نظر آئی، لے اُڑے اور غربار شرعی نکاح کرکے بھی ناکام رہے[1]۔

حکیم صاحب تو اہلِ حدیث بھی کہلاتے ہیں اور اِس بات پر اُنہیں بے حد ناز ہے۔ کیا حکیم صاحب کی نظر سے یہ حدیث نہیں گزری:۔ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ[2]۔ سب سے بہتر میری صدی ہے پھر اُس کے بعد پھر اُس کے بعد اور حکیم صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے صحابہؓ میں سے جناب انسؓ کی زیارت بھی کی۔ پھر اُن کا علم و فضل اور زُہد و تقویٰ بھی ایک مُسلّمہ حقیقت تھا؛ ایسی ذات کو موردِ طعن و تشنیع بنانا اور اُن پر طلبِ زر کے اِتہامات لگانا کہاں کی شرافت ہے۔ گویا موصوف خود تو ایسے عیوب سے پاک و صاف تھے۔ یہ گناہ صرف فقہائے احناف کرتے رہے۔

؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

مزید لکھتے ہیں:۔ احناف نے تو کفو کا شوشہ چھوڑ کر آنے والی نسلوں کے لئے اُمّتِ مرحومہ میں ایک قسم کے ناسور کے جراثیم چھوڑ دیئے[3]۔

شوشہ، ناسور اور جراثیم کے الفاظ فقہ حنفی کے لئے استعمال کرکے حکیم صاحب نے محض اپنی کم علمی اور تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ جب یہ بات فقہاء کے اقوال سے ثابت ہوگئی کہ کوئی عورت خواہ وہ ادنیٰ خاندان سے ہو یا اعلیٰ سے، اگر اپنے ولی کی اجازت اور مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرلے، تو ایسا نکاح شرعاً منعقد نہ ہوگا۔ اِس سے حکیم صاحب اور اُن کے ہم خیالوں کے وہ تمام اعتراضات رفع ہوجاتے ہیں اور وہ دلائل بھی باطل ہوجاتے ہیں، جنہیں وہ غیر کفو میں نکاح کے انعقاد پر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا یہ کہنا ہے کہ اگر کفو ایسی ہی کوئی بات ہوتی تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرتِ زینبؓ کا عقد جناب ابی العاص سے کیوں کیا ہوتا۔ جناب رقیہؓ اور اُمِّ کلثومؓ یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان غنیؓ کے نکاح میں کیوں آئیں۔ سیدہ اُمِّ کلثومؓ جو حسنینؓ کی سگی بہن تھیں، حضرت فاروقِ اعظمؓ کے نکاح میں کیسے آگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

---

[1] دیکھئے اختلافِ اُمّت کا المیہ، از حکیم فیض عالم صدیقی، ص ۱۰۴، مطبوعہ ملتان

[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، بابِ مناقب الصحابہ، ص ۵۵۳، مطبوعہ القیومی کانپور (بھارت)

[3] دیکھئے اختلافِ اُمّت کا المیہ، از حکیم فیض عالم صدیقی، ص ۱۰۷، مطبوعہ ملتان

پھوپھی زاد زینبؓ بنتِ جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرتِ زیدؓ سے کیوں کر دیا تھا۔ جنابِ زیدؓ اور زینبؓ بنتِ جحش کہاں ہم کُفو تھے۔ وغیرہ۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن کا انکار ممکن نہیں، مگر اِن کا جواب یہی ہے کہ حضرتِ زینبؓ کا نکاح تو اِس لئے جائز تھا کہ اُن کے ولی اور وُہ خود اِس پر راضی تھیں، اور باقی حضرات خاندانِ قریش سے ہیں اور قریش بنو ہاشم اور سادات کے کُفو ہیں۔ چونکہ قرآنِ مجید کی کوئی ایسی نص نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فلاں فلاں خاندان والے فلاں خاندان والوں سے نکاح وغیرہ نہیں کرسکتے۔ البتہ ایک دو مقامات پر مرد اور عورت کے نکاح کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۚ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ[1] ۝ زانی شادی نہیں کرتا، مگر زانیہ کے ساتھ یا مُشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتی، مگر زانی یا مُشرک کے ساتھ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہلِ ایمان پر۔ مطلب یہ ہوا کہ زانی اور زانیہ ہم کُفو (برابر) ہیں۔ اِس لئے وہ زانیہ یا مُشرکہ ہی سے عقد کرسکتا ہے۔ اِسی طرح زانیہ کسی زانی اور مُشرک ہی کی ہم کُفو ہو سکتی ہے۔ اگر برابری مقصود نہ ہوتی تو یہ حکم کیوں دیا جاتا؟ کُفو کے معنی برابری ہی کے تو ہیں۔ اِسی سُورۂ نُور میں مزید ارشاد ہوتا ہے: اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ[2] ناپاک عورتیں ناپاک مَردوں کے لئے اور ناپاک مَرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لئے اور پاک دامن مرد پاک دامن عورتوں کے لئے ہیں۔ گویا اِس آیتِ مُبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے خبیث عورتوں کو خبیث مَردوں کا کُفو اور پاک دامن عورتوں کو پاک دامن مَردوں کا کُفو ٹھہرایا اور کُفو کا مفہوم بھی یہی ہے، جیسا کہ تفصیلاً ذکر کر دیا گیا۔

حکیم صاحب نے اپنے موقف کی تائیدِ مزید کے لئے قرونِ اُولیٰ میں ساداتِ بنو فاطمہؓ کے قریش کے ساتھ رشتوں کا ثبوت پیش کیا ہے اور اِس سے اعتبارِ کُفو کو ساقط کرنے کی کوشش کی ہے، شاید اُنھیں یہ معلوم نہیں کہ بنو ہاشم اور قریش ساداتِ بنو فاطمہؓ کے کُفو ہیں۔ اِسی لئے

---

[1] القرآن ۲۴ : ۳

[2] القرآن ۲۴ : ۲۶

سادات کے رشتے اُن کے ساتھ ہوتے، اِس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر قریش سادات کے کُفو نہ ہوتے تو وہ آپس میں رشتوں کا لین دین نہ کرتے، جب کہ ساداتِ بنو فاطمہ اور قریش کا آپس میں لین دین ایسی تاریخی حقیقت ہے، جس کا انکار ممکن نہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ احناف صرف اعتراضِ اولیا اور فسادِ زمانہ کی بنا پر غیر کفو میں نکاح کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگر یہ خطرہ نہ ہو اور ولی اور عورت دونوں رضامند ہوں تو کسی بھی خاندان میں نکاح ہو سکتا ہے، مگر قرآنِ کریم کی آیاتِ مذکورہ کے حکم (پاک عورتیں پاک مَردوں اور خبیث عورتیں خبیث مَردوں کے لئے ہیں) کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی اِسی لئے لگایا کہ جب تک خصائل و شمائل میں میاں بیوی کی مماثلت نہ ہوگی، اُن کی زندگی میں آئے دن فسادات اور اختلافات کے دروازے کُھلنے کے امکانات موجود رہیں گے۔

ہم مسئلۂ کُفو میں کسی حد تک حکیم صاحب کے موقف کی تائید کرتے ہیں، سادات یا کسی اور قبیلے کی طرف داری مقصود نہیں۔ ہم صرف قرآن وسُنّت کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کے متعلق کوئی نصِ قطعی یا کوئی حدیثِ صحیح پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اور اِس بارے میں عُلمائے اہلِ سُنّت کا کیا مسلک ہے؟ اور مجدّدِ ملّت حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کا کیا مسلک تھا؟

## غیر کفو میں ہاشمیہ، فاطمیہ یعنی سیّدہ کے نکاح کا مسئلہ

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے، تو غیر کفو میں سیدہ کے نکاح کر لینے کی صورت بھی وُہی بنتی ہے، جو غیر سیّدہ کے لئے ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر کوئی سیّد خاندان کی لڑکی اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر غیر کفو میں شادی کر لیتی ہے تو اُس کا نکاح منعقد نہ ہوگا اور اگر سیّدہ بالغہ غیر کفو میں شادی کرنے پر رضامند نہیں، مگر ولی اُس کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں شادی کر دیتا ہے تو از رُوئے شریعتِ محمّدی ایسا نکاح بھی درست نہ ہوگا کیونکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے، اُسے خود بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کی کُھلی اجازت ہے۔ اگر لڑکی کو یہ اختیار نہیں تو نکاح سے پہلے دو گواہ اُس کی رضامندی معلوم کرنے کے لئے کیوں بھیجے جاتے ہیں اور اگر سیّدہ اور اُس کا ولی غیر کفو میں شادی ہو جانے پر رضامند ہیں تو وہ نکاح درست اور نسب ثابت ہوگا۔ بہرحال یہ جو بعض سادات سمجھتے ہیں کہ اُن کی کسی عزیزہ

یا بیٹی کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا، یا ازروئے قرآن و حدیث ناجائز ہے تو یہ محض اُن کی خوش فہمی ہے، ہمیں کوئی ایسی نصِ قطعی نہیں ملتی، جس سے سادات کے اِس عقیدہ کو ثابت کیا جاسکے، کیونکہ ہر مسئلے کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن و سُنّت کو دیکھا جاتا ہے۔ متاخرین شوافع میں سے بعض نے سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کو مطلقاً باطل قرار دیا ہے، مگر وُہ دلیل میں کوئی آیتِ قرآنی یا حدیثِ صحیح پیش نہیں کر سکے، چنانچہ مصر کے ایک عالم ابو بکر بن عبدالرحمٰن (جو متاخرین شوافع میں سے ہیں) نے اپنی ایک کتاب رشفة الصّادی من بحرِ فضائل النّبیِ الهادی جس میں مصر کے بعض حسنی حسینی سادات کرام کے عمل کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ غیر سیّد سے رشتہ نہیں کرتے تھے آخر میں لکھتے ہیں: وَلَهُمْ اختیاراتٌ والانظارُ لا مَطمعَ لِلفقيهِ فِي ادراكِ أسرارِهِمْ یعنی اُن ساداتِ کرام نے بعض ایسے نظریات کو اختیار کیا ہے کہ کسی فقیہ عالم کو اُن کے اسرار تک رسائی کی گنجائش نہیں۔ علامہ موصوف نے نصِ قرآنی یا کوئی حدیثِ صحیح تو درکنار، کسی مشہور مجتہد کا قول بھی نقل نہیں کیا، لہٰذا نصِ قرآنی، حدیثِ صحیح یا کسی امام مجتہد کے قول کے بغیر اِس قسم کے اقوال و تعامل کو اُمت کے لئے حُجّتِ شرعی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

بعض مسائل عُرف میں اورطرح سے مشہور ہوتے ہیں، مگر شریعتِ مطہرہ میں اُن کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ سیّدہ ہاشمیہ کا نکاح بھی اِسی قسم کا ایک مسئلہ ہے، جسے عُرف میں مطلقاً ناجائز تصور کیا جاتا ہے اور شاید اِس لئے کہ لوگوں کے دلوں میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سادات کی نسبی قرابت کے باعث جو احترام موجود ہے، اُس کے پیشِ نظر وُہ سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اکثر و بیشتر اَن پڑھ اور بعض معمولی دینی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے سادات بھی (جو عام طور پر خود کو سیّد اور دوسروں کو اُمتی کہتے اور سمجھتے ہیں حالانکہ سادات بھی اُمت میں داخل ہیں) غیر سیّد سے نکاح کسی شرعی حجت کے بغیر ناجائز سمجھتے ہیں کہ جب کفو میں کوئی رشتہ نہیں یا وُہ دینا نہیں چاہتے تو غیر کفو میں اُن کے لئے رشتہ دینا ہے ہی بالکل حرام، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بعض اوقات اخلاق و عادات اور کردار کے معیاری نہ ہونے کی بنا پر اپنے کفو اور اپنے خاندان میں بھی رشتے کا لین دین دُشوار ہو جاتا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں کئے جانے والے رشتے عام طور پر فسادات و اختلاف پر منتج ہوتے ہیں۔ اِن خطرات و عواقب کے پیشِ نظر رشتہ نہ کرنے کی حیثیت کچھ اور ہے اور جوازِ شرعی کی حیثیت کچھ اور۔ حتی الوسع رشتے کے لئے کفو کو ترجیح دینی چاہیئے، بعض خطرات و عواقب کے باعث اگر ایسا

کرنا ممکن نہ ہو اور لڑکی اور اُس کا ولی (دونو) غیر کفو میں رشتہ کرنے پر رضامند ہو جائیں تو شریعت محمدی کی رُو سے ایسا نکاح درست اور جائز ہوگا۔ اِس لئے کہ شریعت کے احکام سب کے لئے یکساں ہیں، بعض لوگ کم علمی یا پھر عدمِ التفات کی وجہ سے حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کا فتوٰی پیش کرتے ہیں، اُن کے مطابق فتوٰی یہ دیا گیا ہے کہ سیّدہ کا غیر سیّد سے نکاح ہو ہی نہیں سکتا، مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم یہاں اِستفتاء مع فتوٰی کے نقل کئے دیتے ہیں، تاکہ قارئین کا یہ شک بھی رفع ہو جائے۔ اگر سیّدہ ہاشمیہ کے غیر کفو میں نکاح کے مُطلقاً عدمِ جواز پر کوئی دلیل ہوتی تو حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ سب سے پہلے قرآنِ مجید کی نص پیش فرماتے، جیسا کہ نسب کا احترام آپ نے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ کی آیت سے دلالۃً ثابت کیا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ جو شخص احترامِ سادات پر قرآن کی ایک آیت سے دلیل کا اِستنباط کر سکتا ہے، اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ وُہ سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کے عدمِ جواز پر کوئی آیت پیش کرے۔ یا کسی حدیث شریف سے استدلال کرے، اِس لئے حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ نے دورِ حاضر کے بعض عُلماء کی طرح کسی آیت اور اُس کی دُور از کار تاویلات کو پیش کرنا اپنی شانِ علم اور دیانتِ تفقہ کے خلاف سمجھا۔ فتوٰی ملاحظہ ہو۔ اِس کا عنوان ہے۔

## غیر کفو میں سیّدہ کے نکاح کا حکم

### (اِستفتاء)

"چہ می فرمایند عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی محمد خان ساکنِ ملہوٹ بحکم و اجازتِ مولوی عبد الحق ساکنِ ملہوٹ بہ یکے از ہاشمیات سیّدات فاطمیات عقدِ نکاح و ازدواج نمود۔ غَيْرَ مُسْتَرْضِيٍ مِّنْ اَحَدٍ مِّنَ الْوُلَاةِ الْقَرِيْبَةِ اَوِ الْبَعِيْدَةِ۔ هَلْ يَجُوْزُ هٰذَا النِّكَاحُ اَمْ لَا۔"

ترجمہ۔ کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین اِس مسئلہ میں کہ مُسمّٰی محمد خان ساکن ملہوٹ نے مولوی عبد الحق ساکنِ ملہوٹ کے حسبِ حُکم و اجازت ایک سیّدہ ہاشمیہ فاطمیہ سے نکاح کیا اور کسی قریبی اور بعیدی ولی کی رضامندی اِس پر نہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

گویا یہ سوال سیدہ کے مطلق غیر کفو میں نکاح کے جواز یا عدم جواز کے سلسلے میں نہیں، بلکہ ایسی صورت میں ہے کہ ایک مولوی صاحب کے حکم کے مطابق ایک شخص نے ایک سیدزادی سے بصورتِ عدم رضائے اولیا نکاح کر لیا یعنی اُس سیدہ کے قریبی یا دُور کے اولیاء میں سے کوئی بھی اس نکاح یا شادی پر رضامند نہ تھا۔ اِس قسم کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب)

## هُوَالْمُوَفِّقُ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابِ

نکاحِ مذکورہ جائز نیست و مفتی بجوازہ نہ تنہا بر وُلاۃِ سیدہ ظلم روا داشتہ، بلکہ بر کافۂ اہلِ اسلام کہ بمقتضائے آیتِ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى و بفحوائے حدیثِ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ مؤدّت و حبِّ قرابتِ نبویہ را برخود فرض و از اصولِ ایمان شمارند، جورِ بے حد و ستمِ بے مد نمودہ چہ پُر ظاہر است کہ در صحتِ نکاحِ سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیرِ کفو بناءً علی المودّۃ فالمحبۃ المذکورۃ ہزارہا دل بوجہِ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود۔ متونِ فقہ مملوّ اند و مشحون از عدمِ ایں چنیں نکاح۔ لعدمِ کفاءۃ العجمی لا یکون کفوًا للعربیۃ ولو کان عالمًا او سلطانًا وھو الاصح دُرِّ مختار ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہٖ اصلًا وھو المختار للفتوی لفسادِ الزّمان (دُرِّ مختار) پس در صورتِ مسطورہ صحبت صحبتِ زنا خواہد بود۔ لہٰذا بر اہلِ اسلام لازم کہ سیدہ را از جھمی جُدا کنانند و مفتی صاحب را واجب کہ آئندہ باہم چنیں افتاآت کہ مستلزم ہتکِ حرمت و شانِ اہلِ بیت باشند توجہ نہ نمایند۔ و متمسک نہ باشد بدیں کہ سیادت قطعیہ نیست۔ فانّ عدمَ قطعیۃِ السِّیادۃِ لا یستلزمُ قطعیۃَ عدمِ السِّیادۃِ فَاِحتمالُها تَکفی مُصادرۃً فی مُوجباتِ الھَتکِ علی المحب اَعاذنا اللّٰہُ منہُ فکیفَ حالُ الواد وقد طلبَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم منّا المَوَدّۃَ فی قرابتہٖ

قال العامری ؎

اُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانَ حَتّٰی
اُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَ الْكِلَابَ

وقال الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فی ھذا المعنی ؎

اُحِبُّ لِحُبِّكَ الْحُبْشَانَ طُرًّا
وَاَعْشَقُ لِاِسْمِكَ الْبَدْرَ الْمُنِيْرَا

قیل کانتِ الکلابُ السّودُ تناولتْهُ وھُوَیتحبّبُ الیھا اعنی المجنُونَ فھٰذا فعلُ المُحبّ فی حُبِّ مَن لّا یفیدُہٗ محبّتہٗ۔ عندَ اللہِ فہَل ھٰذا اِلّا مِن صِدقِ المحبّۃِ وَثبُوتِ الوُدِّ فِی النّفسِ وَلَو صحّت محبّتُکَ لِلّٰہِ ولِرسولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم رأیتَ کُلَّ مایصدُرُ منھم فی حقّکَ ممّا لایُوافِقُ طبعکَ ولاغرضُکَ انّہٗ جمّالٌ تتنعّمُ بوقوعہٖ منھم فتعلمُ عندَ ذٰلک انّ ھٰذا عنایۃٌ مّن اللہِ الّذی اَحببتُم مِن اَجلہٖ (الی اَن قال) واللہِ ما ذٰلکَ اِلّا مِن نقصِ ایمانِک ومِن مکرِ اللہِ بک واستدراجِہٖ ایاکَ مِن حیثُ لاتعلمُ وصُورۃُ المکرِ اَن تقُولَ وتعتقِدَ اَنّکَ فِی ذٰلکَ تذُبُّ عَن دِینِ اللہِ وشرعِہٖ۔

(والسّلام خیر الختام العبد الملتجی الی اللہ المدعوّ بہ مہر علی شاہ عُفی عنہ از گولڑہ)[1]

(مفہوم) نکاحِ مذکورہ جائز نہیں اور جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیّدہ مذکورہ کے ورثا پر ہی ظلم نہیں کیا، بلکہ تمام اہلِ اسلام پر ظلم کیا ہے، کیونکہ حسبِ ارشادِ الٰہی حدیثِ مذکورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت سے محبت رکھنا تمام اہلِ اسلام اصولِ ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاحِ مذکورہ کی وجہ سے ہزاروں دل اہلِ بیت کی ہتکِ حُرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام مُتُونِ فقہ اِس قسم کے نکاح کے عدمِ جواز پر متفق ہیں، کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے، جیسا کہ دُرِّ مختار سے نقل ہوا۔ پس صورتِ مذکورہ میں یہ صحبت زنا ہوگی۔ لہٰذا اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ سیّدہ کو عجمی سے جُدا کر دیں اور مُفتی پر لازم ہے کہ آئندہ اِس قسم کے فتووں سے اجتناب کرے، جن میں ہتکِ حُرمتِ اہلِ بیتِ کرام ہو اور یہ وجہ پیش نہیں کرنی چاہیئے کہ سیّدہ کا اولادِ رسول سے ہونا یقینی نہیں، کیونکہ اگر اِس اَمر کا یقین نہیں تو یہ یقین کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وُہ غیر سیّدہ ہے۔ لہٰذا سیادت کی بُو بھی محبّت والے پر ہتکِ حُرمت سے مُستوجبِ سزا ہونے کے لئے کافی ہے۔ خدا کی پناہ چہ جائیکہ مدعیِ مَوَدّت ایسا کرے، قیس بنی عامر کہتا ہے ؎ میں لیلےٰ کی محبت میں سیاہ حبشیوں سے محبت کرتا ہُوں حتیٰ کہ سیاہ کتّوں سے بھی۔ اہلِ ادب کے لئے تھوڑی سی نسبت بھی کافی ہے۔ خیال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ اِسی بارے میں فرماتے ہیں ؎ (ترجمہ) میں تیری محبت کی خاطر حبشیوں سے

---

[1] دیکھئے فتاویٰ مہریہ، از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی، ص ۱۲۲۔۱۲۵، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۷۷ء

بھی محبت کرتا ہوں اور تیرے نام کے باعث مجھے بدرِ منیر سے بھی عشق ہے کہ چودھویں رات کا چاند بھی تو رات سے مناسبت رکھتا ہے۔

کہتے ہیں سیاہ کتے مجنوں کو تکلیف پہنچاتے تھے، مگر وہ اُن سے محبت کرتا تھا، کیوں کہ اُس کی معشوقہ لیلیٰ کے نام کو لیل (یعنی رات) سے مناسبت تھی، جو سیاہ ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ محبت خدا کے نزدیک کچھ مفید نہیں۔ پس اہلِ بیتِ کرام کی محبت اور مَوَدّت جس کا حکم ہمیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا اور خدا کے نزدیک ہمارے لئے مفید ہے۔ اِس کی کم از کم اِتنی رعایت تو لازم ہے، جتنی ایک مجازی محبت والا کرتا ہے۔ پس اگر تیری محبت اللہ تعالیٰ اور اِس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی ہے تو حضور کے اہلِ بیت کو ضرور دوست رکھے گا اور اُن سے جو امر تیری طبع کے خلاف واقع ہوگا، اُسے یہ سمجھتے ہوئے کہ تقدیرِ الٰہی یُوں ہی تھی، لہٰذا اہلِ بیت سے تکلیف پہنچنے میں لذّت محسوس کرے گا اور اُسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا، جس کی وجہ سے تُونے اہلِ بیت سے محبت کی۔ پھر حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ بیت کی حُرمت کا خیال نہ کرنے میں مکرِ الٰہی کی ایک صُورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دینِ الٰہی کی حفاظت کر رہا ہوں۔ (انتہیٰ)

## استفتاء کا تجزیہ

اب ذرا اِستفتاء اور فتوٰی کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ استفتاء کے الفاظ یہ ہیں:-

"غَيْرُ مُسْتَرْضٍى مِّنْ أَحَدٍ مِّنَ الْوُلَاةِ الْقَرِيبَةِ أَوِ الْبَعِيدَةِ، هَلْ يَجُوزُ هٰذَا النِّكَاحُ" یعنی ایک شخص نے سیّدہ سے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ سیّدہ کا کوئی قریبی یا بعیدی ولی اِس نکاح پر رضامند نہ تھا، کیا ایسا نکاح جائز ہے؟

اِس کے جواب میں الفاظِ فتوٰی یہ ہیں "نکاحِ مذکورہ جائز نیست اور پھر متُونِ فقہ مملو اند و مشحون از عدم این چنیں نکاح" کہ بیان کردہ صورت میں نکاح جائز نہیں اور اِس قسم کے نکاح کے عدمِ انعقاد پر جس میں ولیِ قریب یا بعید رضامند نہ ہو، فقہ کے متن بھرے پڑے ہیں۔ اگر سوال یہ کیا جاتا کہ ایک سیّدہ اپنی اور اپنے ولیوں کی رضامندی سے کسی غیر کفو میں نکاح کرے ______ تو آیا ایسا نکاح شرعِ محمدی کی رُو سے جائز ہوگا اگر اِس کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ یہ جواب فرماتے کہ سیّدہ اور اُس کے اولیا

کی رضامندی کے باوصف بھی سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں نہیں ہو سکتا تو پھر بات صاف تھی، مگر آپؒ نے ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیا جس میں منکوحہ کے قریب اور بعید کے ولی بالکل رضامند نہیں اور ایسی صورت میں تو کسی بھی عورت کا نکاح چاہے وُہ اعلیٰ خاندان کی ہو یا ادنیٰ کی، از رُوئے شرع منعقد نہیں ہوگا۔ صُورتِ مذکورہ صرف سادات ہی کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والی ہر عورت کے لئے ہے، بشرطیکہ وہ مومنہ ہو۔

جو لوگ آپ کا مذکورہ فتویٰ سیّدہ کے غیر کفو میں مُطلقاً نکاح کے عدمِ جواز کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ افسوس ہے اُن لوگوں پر جو ایسی جلیل القدر ہستیوں کی تحریر کو سمجھنے اور اُسے بہ اعماقِ نظر دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اگر سیّدہ کے غیر کفو میں مُطلقاً نکاح کے مُنعقد نہ ہونے پر کوئی نصِ قرآنی یا حدیثِ صحیح ہوتی تو حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ اس کے عدمِ جواز کو آیتِ قرآنیہ سے ثابت کرتے، جو فقہاء کا طریقہ اور اصُولِ فتویٰ ہے یا پھر حدیث ہی بیان فرما دیتے، جس سے ایسے نکاح کا عدمِ جواز ثابت ہوتا، مگر اِس فتویٰ میں اہلِ بیت کے فضائل اور اُن سے محبّت کرنے کے ثبوت میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی آیت پیش کی گئی۔ اگرچہ بادیُ النظر میں اِس بات کا نفسِ موضوع سے ربط دکھائی نہیں دیتا، مگر ربط ضرور ہے۔ وہ اِس طرح کہ آپ جانتے تھے کہ سیّدہ اور اُس کے اولیاء کی رضامندی کی صورت میں نکاح کے عدمِ انعقاد پر کوئی آیتِ کریمہ یا حدیث وغیرہ نہیں ملتی، مگر صُورتِ استفتاء میں ساداتِ کرام کی ہتک اور ایذا کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ سیّدہ کے اولیاء راضی نہ تھے، اِس لئے آپ نے اہلِ بیت کے اُن فضائل فضائل کا ذکر فرمایا، جن کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے اور حدیث میں بھی، تاکہ لوگوں کے دل میں مقامِ اہلِ بیت جاگزیں رہے، اور فتویٰ میں ہتکِ حُرمتِ اہلِ بیت کے الفاظ اِس لئے اِستعمال ہوئے کہ استفتاء میں یہ لکھا گیا تھا کہ ایک مولوی صاحب نے ایک شخص کو حُکم دیا کہ تم سیّدہ سے اُس کے اولیاء کی رضامندی معلوم کئے بغیر نکاح کر لو۔ صاف بات ہے کہ یہ صُورت تو اغوا اور ہتکِ عزّت ہی کی بنتی ہے! اگر کسی اور قبیلے کی عورت سے بھی یہی سلوک کیا جائے کہ اُس کے ولی بالکل ناخوش ہوں، مگر ایک مولوی صاحب مسائلِ شرعیہ جاننے کے باوجود یہ کہہ دیں کہ تم ایسا کر لو، میں حُکم دیتا ہُوں تو اِسے ہر انسان اپنے لئے بے عزّتی سمجھتا ہے، چہ جائیکہ اہلِ بیت، اُن کا تو مقام ہی اور ہے۔

مزید برآں یہ کہ اگر اِسے سیدہ کے غیر کفو میں نکاح کے مطلقاً عدم جواز پر ہی محمول کر لیا جائے تو آپ ہی انصاف کیجیے کہ جس شخص کے دروازۂ علم و فضل پر علامہ اقبال مرحوم نے دستک[1] دی ہو، اور جو ذات احترامِ نسب کا استدلال قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ؀ سے کر سکتی ہو، اگر قرآن و حدیث سیدہ کے غیر کفو میں مطلقاً عدمِ جوازِ نکاح کے قائل ہوتے تو وہ اُسے کیوں نہ ظاہر کرتی، کیونکہ جب کوئی غیر خون اہلِ بیت کے

---

[1] حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کی شہرۂ آفاق سوانح حیات مہرِ منیر مؤلفہ مولانا فیض احمد صاحب فیض میں وُہ خط بھی موجود ہے، جو علامہ اقبال مرحوم نے حضرت پیر صاحبؒ کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ جس میں حقیقتِ زمان و مکان کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا۔ یہ خط علامہؒ نے ۸ اگست ۱۹۳۳ء کو بھیجا تھا، مگر افسوس کہ اصل مکتوب ہماری تحویل میں نہیں، مجھ سے کئی اربابِ علم و ادب نے سوال کیا کہ علامہ کا وُہ خط جو مہرِ منیر میں شائع ہوا، آپ کے پاس موجود ہے؛ مجھے اُن کے اِس استفسار پر ذہنی کوفت ہوئی، آخر ایک دن پیر سید الطاف حسین شاہ صاحب سے، جو اعلیٰ حضرتؒ کے سگے بھتیجے اور میری والدۂ ماجدہ کے چچا زاد ہونے کے ناتے میرے ماموں ہیں، اِس بات کا ذکر کیا۔ ماموں صاحب انگریزی تعلیم کے باوجود دینی مباحث میں حصّہ لیتے ہیں۔ نہایت معقول، ذہین، با اخلاق اور با ادب انسان ہیں۔ رشتے اور عمر میں بڑا ہونے کے باوصف علمی و ادبی حوالے کی بنا پر میرے ساتھ نہایت احترام سے پیش آتے ہیں۔ اکثر علمی موضوعات پر میری اُن کی بحث رہتی تھی۔ میرا سوال سُن کر کہنے لگے کہ علامہ مرحوم کا وُہ خط، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، میں نے خود پڑھا تھا اور مجھے یاد ہے ملفوف پر حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کے نام سے پہلے حجۃ الاسلام کے الفاظ بھی موجود تھے۔ میں نے پوچھا وُہ کہاں ہے؟ کہنے لگے ملک سُلطان محمود ٹوانہ (م ۱۹۵۶ء) کے پاس تھا، جو حضرتِ اعلیٰؒ کے خطوط کا جواب دینے پر مامور تھے۔ اور علامہ اقبال کے کلاس فیلو بھی رہے تھے۔ چنانچہ میں نے ملک صاحب مرحوم کے صاحبزادے ملک مسعود ٹوانہ صاحب سے رابطہ کیا۔ اُنھوں نے ملک صاحب کے سارے صندوق چھان مارے، مگر وہ خط دستیاب نہ ہوا، جس سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ ماموں الطاف صاحب سے دوبارہ ذکر ہوا تو کہنے لگے کہ مجھے یاد آیا، ایک مرتبہ شاہد حسن سوز ناروی (م ۱۹۷۲ء) نے بتایا کہ خط کی حفاظت کے پیشِ نظر اُنھوں نے سُلطان محمود صاحب سے لے کر

(باقی برصفحۂ آئندہ)

خُون سے ملتا ہے تو یہی اُن کی سب سے بڑی ہتک ہے، مگر یہ عُرفِ عام میں ہتک سمجھی جاتی ہے، عند الشرع نہیں۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی بہ سلسلۂ اتباعِ احکامِ شرعیہ ایک جگہ فرماتے ہیں: جیسے تحلیل ما حرّم اللہ کفر ہے، اسی طرح تحریم ما احل اللہ بھی کفر ہے (دیکھئے ملفوظاتِ مہریہ)۔ اگر آپ نے احترامِ نسب آیت سے دلالۃً ثابت کیا تو یہاں نکاحِ سیدہ کے

---

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

کسی صاحب کو دے دیا تھا، مگر اب یاد نہیں کن صاحب کو دیا تھا۔ بہرحال کچھ سُراغ تو ملا۔ میں نے مکاتیبِ اقبال کے تمام مجموعے منگوائے۔ طویل تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سوز صاحب نے یہ خط اعجاز الحق قدّوسی صاحب کے سپرد کر دیا تھا، جو بقول اُن کے اب تک قدّوسی صاحب کے پاس ہے۔ اب کوشش کر رہا ہوں کہ موصوف سے یہ خط کسی طرح حاصل کر لیا جائے یا کم از کم اس کی فوٹو سٹیٹ ہی فراہم ہو جائے، کیونکہ درحقیقت تو وہ خط ہمارا ہے، جو قدّوسی صاحب کے پاس امانتاً رکھا ہوا ہے۔

اِس تفصیل میں جانے کا مقصد یہ تھا کہ میں سات آٹھ برس تک اِس تلاش میں رہا کہ یہ خط کہاں گیا۔ اور اگر چھپا ہے تو کس نے چھپوایا ہے۔ بہرحال یہ سہرا سوز نارووی مرحوم کے سر ہے؛ اگر وہ اُس وقت قدّوسی صاحب کے سپرد نہ کرتے تو شاید تلف ہو گیا ہوتا۔ اِس خط کا مکمل متن اعجاز الحق قدّوسی صاحب کی تالیف "اقبال کے محبوب صُوفیا" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان) کے ص ۵۴۵ پر موجود ہے۔ اِس کے علاوہ "رُوحِ مکاتیبِ اقبال" کے مرتب محمد عبداللہ قریشی صاحب نے بھی اِس کی تلخیص شائع کی ہے (دیکھئے رُوحِ مکاتیبِ اقبال، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی، ص ۴۶۸، مطبوعہ زرّین آرٹ پریس لاہور) جو لوگ یہ دریافت کرتے تھے کہ کیا علّامہ کا وُہ خط آپ کے پاس موجود ہے۔ شاید اُن کا خیال ہو کہ ہم نے حضرتِ اعلیٰ قدس سرّہٗ کا نام اُونچا کرنے کے لئے علّامہ اقبال سے ایک جعلی خط منسوب کر کے مہرِ مُنیر میں از خود شائع کر دیا ہوگا، یہ تو سراسر اُن کی بدگمانی اور کج اندیشی ہے۔ حضرتِ اعلیٰ قدّس سرّہٗ کو جو رُوحانی و علمی مقام و مرتبہ خُداوندِ عالم نے عطا فرمایا تھا وہ کسی کی تصدیق یا اعانت کا محتاج نہیں، جس کا خود علّامہ کو بھی احساس تھا۔ یہاں علّامہ مرحوم کا وہ مکتوب من وعن نقل کر دینا مناسب ہوگا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

غیر کفو میں عدمِ جواز پر کوئی نہ کوئی آیتِ کریمہ ثبوت میں ضرور پیش فرماتے، کیونکہ ایسے نکاح کے جواز کو بعض لوگ توہینِ نسب کے مترادف قرار دیتے ہیں؛ مگر آپ بخوبی جانتے تھے کہ سادات فاطمیہ، بنوہاشم اور قریش کے نکاح آج سے چودہ سو سال پہلے اور پھر اس کے بعد بھی ہوتے رہے۔ اِس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد زینبؓ بنتِ جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرتِ زیدؓ سے کر دیا تھا۔ وہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ایک صاحبِ فضیلت دوسرے صاحبِ فضیلت کا اعترافِ عظمت کن الفاظ میں کرتا ہے:۔

لاہور۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم۔ اگرچہ زیارت اور استفادے کا شوق ایک مدت سے ہے۔ تاہم اِس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اِس محرومی کی تلافی اِس عریضے سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اِس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی، بہرحال جناب کی وُسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرآت کرتا ہوں کہ اِس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں، جو پیشِ نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی، جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اِس سفر میں حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر باِیں حال چند اُمُور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر اِن سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اوّل یہ کہ حضرت شیخِ اکبرؒ نے تعلیمِ حقیقتِ زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخِ اکبرؒ کی کون کون سی کُتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اِس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوالِ اوّل کی روشنی میں خود بھی اُن مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

۳۔ حضراتِ صُوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو اُن بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم ومغفور نے مجھے عربی کا ایک رسالہ (باقی برصفحہ آئندہ)

زیدؓ جن کا نام قرآنِ مجید میں بھی لیا گیا ہے۔ (اور یہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں آیا) اب ظاہر ہے کہ زینبؓ بنتِ جحش بنو ہاشم سے تھیں۔ کہاں اُن کا نسب اور کہاں زید کا نسب، چونکہ اِس کے عدمِ جواز میں کوئی آیت نہیں اُتری تھی اور نہ نکاح کے بعد ہی نازل ہوئی۔ اِس لئے آپ نے حضرتِ زیدؓ کو اِس شرف سے نوازا۔ چلیئے! اگر اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر بھی دیا تھا تو اُس کے بعد ہی کوئی آیت اُترتی، جس میں ایسا کرنے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مرحمت فرمایا تھا۔ اُس کا نام تھا دِرایۃُ الزّمان جناب کو اِس کا علم ضرور ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے، مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر تھا، اِس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا ہے، اِس لئے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامّل تھا، لیکن چونکہ مقصود خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اِس تصدیعہ کے لئے جناب معاف فرمائیں گے اور جوابِ باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔

مخلص

محمد اقبال

بہرحال یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ علامہ نے حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا۔ آخر جب مکاتیبِ اقبال کے مختلف مجموعوں میں شائع ہوا تو مؤلفِ مہرِ منیر نے بھی وہاں سے نقل کر کے شائع کر دیا۔ آخر جس نے بھی یہ خط شائع کیا، اُس کے پاس اصل خط ضرور موجود ہوگا، ورنہ پھر تو علامہ اقبالؒ سے منسوب سارے مکاتیب ہی مشکوک سمجھے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کوئی صاحبِ فضیلت ہی کسی صاحبِ فضیلت کا اعتراف کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے، ایں کار ہر دیوانہ نیست، خاص طور پر یہ فقرہ کہ

"ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں، جو پیشِ نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔"

اور لفافے پر حضرتِ اعلیٰ کے نامِ نامی سے پہلے حُجّۃُ الاسلام لکھنا کوئی معمولی بات نہیں۔ آج کل بڑے بڑے القاب کو جس بے دردی سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کے لئے استعمال کرنے کی رسم چل نکلی ہے کم از کم مفکرِ پاکستان اور حکیم الامّت جیسی شخصیت سے ہمیں یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ سوچے سمجھے بغیر کوئی فقرہ یا کوئی لقب کسی کے حق میں لکھ دیں گے۔ چونکہ علامہ مرحوم کے دل میں خدمتِ اسلام کا جذبہ موجزن تھا، اِس لئے علومِ اسلامیہ سے مزید استفادہ کی خاطر اُن کی چشمِ انتخاب حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی (باقی برصفحہ آئندہ)

سے روکا گیا ہوتا۔ پھر یقیناً آپ حضرت زیدؓ کا نکاح خود فسخ فرمادیتے، مگر ایسا بھی نہ ہوا۔ دُوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح جو حضرت علیؓ کی حقیقی صاحب زادی اور حضرات حسنین کریمین کی سگی بہن تھیں، حضرت عمر فارُوقؓ سے ہوا۔ اگرچہ بعض شیعہ اِس نکاح کے مُنکر ہیں، مگر وُہ تو سرے سے حضرت عمرؓ ہی کے مُنکر ہیں تو اُن سے اِس نکاح کے ہوجانے کے اقرار کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے بہرحال یہ نکاح ایک تاریخی حقیقت ہے، جو جھٹلائی نہیں جاسکتی۔ حضرت عمر فارُوقؓ سے سیّدہ اُمِ کلثومؓ کے نکاح کا ذکر تاریخ کی مُستند کتابوں میں بکثرت ملتا ہے اور مجدّدِ ملت حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ بھی اِس عقد کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ اُمِ کلثوم را بہ نکاح آورد امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ پس پسرے زید نام براتے اُو زاد۔"[1] (ترجمہ) سیّدہ اُمِ کلثومؓ کا نکاح امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ پس اُمِ کلثومؓ سے آپ کا ایک فرزند بھی ہوا، جس کا نام زید تھا۔

ذرا غور فرمائیے کہ سیّدہ اُمِ کلثومؓ براہِ راست سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی لختِ جگر ہیں اور جناب فارُوقِ اعظمؓ بہ اعتبارِ عُرف سیّد نہیں تھے، بلکہ وہ تو ہاشمی بھی نہ تھے، لیکن اُن کے ساتھ یہ نکاح کیا گیا، اگر قریش، سادات کے کُفو نہ ہوتے تو حضراتِ حسنینؓ اور جنابِ علیؓ ایسا کیوں کرتے۔ یا پھر حضرت فارُوقِ اعظمؓ ہی انکار کر دیتے کہ یہ ہتکِ اہلِ بیت ہے، چونکہ زینبؓ بنتِ جحش کے ولی خود عبداللہ بن جحش تھے اور سیّدہ اُمِ کلثومؓ کے ولی حضرت علیؓ المرتضیٰؓ تھے؛ پس اگر وہ غیر کُفو میں بھی نکاح کرا دیتے، تب بھی جائز ہوتا، کیونکہ اولیاء کی رضا سے غیر کُفو میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور یہی مسلک

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) ہی پر پڑی۔ بقولِ علامہ اگر کوئی اور دروازہ ہوتا تو وُہ یقیناً کھٹکھٹاتے۔ ایسے خوشامدانہ یا منافقانہ اندازِ تحریر خیال کرنا نہ صرف حضرتِ علامہ مرحُوم کی توہین ہے، بلکہ اُن کی علمی و فکری رفعتوں اور عظمتوں کا انکار بھی ہے۔ درج ذیل شعر کے خالق سے کیسے تملّق کی توقع کی جاسکتی ہے۔

در دشتِ جنُونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمّتِ مردانہ

[1] دیکھئے تحقیق الحق (فارسی و عربی) از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی، ص ۱۲۱، مطبوعہ سول اینڈ ملٹری پریس راولپنڈی

احناف کا ہے کہ ولی اور لڑکی دونوں کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح ہو جاتا ہے، چونکہ حضرت فاروقِ اعظمؓ قریشی النسل تھے، لہٰذا قریش سادات کے کفو ہیں۔

سطورِ بالا میں حضرت زینبؓ کے نکاح کے حوالے سے جواز کا ذکر ہو چکا۔ بہرحال اس طرح ہر سید بنیادی طور پر پہلے قریشی ہوگا، پھر ہاشمی اور پھر سید ـــــــ یعنی سید میں بیک وقت تین نسبتیں موجود ہوتی ہیں، جب کہ ہر قریشی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہاشمی بھی ہو، مگر ہر ہاشمی کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہی بنیادِ نسبت ہے۔ اسی طرح ہر ہاشمی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سید بھی ہو، مگر ہر سید کے لئے ہاشمی ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک فوجی جرنیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سپاہی ہو، مگر ہر سپاہی کے لئے بریگیڈیر ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر بریگیڈیر کے لئے جرنیل ہونا ضروری ہے۔ مگر جرنیل کے لئے بریگیڈیر ہونا ضروری ہے۔ جس طرح بریگیڈیر سے جرنیل تک سپاہی کا رینک (Rank) بطور اکائی موجود رہتا ہے، اسی طرح قریشیت کی اکائی بنو ہاشم اور سادات میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سادات بنو فاطمہ کے نکاح بعض بنو اُمیہ سے ہوئے، کیونکہ بنو اُمیہ عبدِ شمس کی اولاد سے ہیں اور بنو فاطمہ ہاشم کی اولاد سے۔ جب کہ عبدِ شمس اور ہاشم دونوں عبدِ مناف کے بیٹے ہیں۔ یعنی اُوپر جا کر یہ دونوں شاخیں مل جاتی ہیں۔ سیدہ فاطمہ بنتِ امام حسینؓ نے امام حسنؓ کے بیٹے حسن مثنیٰؓ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ سے نکاح کیا، جو حضرتِ عثمانؓ بن عفان کے حقیقی پوتے تھے۔ اس رشتے سے بھی ثابت ہوا کہ سیدہ، قریش میں نکاح کر سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا قریشی تھے اور بنو ہاشم میں سے نہیں تھے۔

بہرحال اِن واقعات اور حقائق کے پیشِ نظر سادات کو یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ اگر وہ اپنی کسی بیٹی کا نکاح اپنے خاندان میں نہیں کرنا چاہتے تو پھر اپنے سے قریب خاندان بنو ہاشم میں کریں اور اگر وہ بھی نہیں تو کم از کم قریش میں کر دیں، کیونکہ اِن دونوں خاندانوں (بنو ہاشم اور قریش) میں سادات فاطمیہ کے نکاحوں کے ثبوت تاریخ میں موجود ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ میرا تعلق ایک سید گھرانے سے ہے، مگر حق بات حق ہوتی ہے اور

---

لے دیکھئے نور الابصار (عربی) ص ۱۶۸، مطبوعہ مصر

اِسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ میرے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ قرآنِ مجید، احادیثِ نبویّہ اور شریعتِ مُطہّرہ کے زرّیں اُصولوں کی روشنی میں اِس مسئلہ کو موضوعِ بحث بنا کر آپ کے سامنے ایک نتیجے کی صورت میں پیش کر رہا ہُوں۔ یہ نہیں کہ نسبی زعم و غرور کی وجہ سے شریعتِ مُطہّرہ کے زرّیں اُصول توڑ مروڑ کر ایک خود ساختہ مفرُوضے کو ثابت کرنے کی کوشش کروں۔ اگر سادات کے لئے قرآنِ مجید یا حدیثِ صحیح میں بہ سلسلۂ نکاح کوئی امتیازی حُکم ہوتا تو میں اُسے ضرور پیش کرتا۔ جب میرے جدِّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ نے (میں جن کی خاکِ راہ بھی نہیں ہُوں) کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش نہیں فرمائی تو میں کیوں خواہ مخواہ اِس چیز کو ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کروں۔

اگر سادات میں سے کسی صاحبِ علم کو راقم الحرُوف کی اِس تحقیق سے اتّفاق نہ ہو تو اُن سے التماس ہے کہ براہِ کرم وہ میرے سامنے سب سے پہلے کوئی ایسی آیتِ قرآنی پیش کریں، جس میں خصوصیّت کے ساتھ سیّدہ کے غیر کفُو میں نکاح کے مُطلقاً عدمِ جواز کی صراحت پائی جاتی ہو اور اگر قرآنِ مجید میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا تو کوئی حدیث شریف ہی اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کر دیں۔ قارئین! یہاں ہم آپ کے سامنے ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں، جسے علّامہ ابنِ حجر الہیتمی مکّی نے بحوالہ طبرانی و حاکم نقل کیا ہے اور جس سے ہمارے مذکورہ بالا موقف کی مزید تائید ہوتی ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ مُلاحظہ ہوں:-

أخرجَ الطبرانی والحاکم عن عبد اللّٰہ ابن ابی اوفیٰ أنّ النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال سألتُ ربّی ألّا أتزوّجَ الی احدٍ مِنْ اُمّتی ولا یتزوّجَ الیَّ احدٌ مِن اُمّتی الّا کانَ معِیَ فی الجنّةِ فاعطانی ذٰلکَ[1] (ترجمہ) طبرانی اور حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ اُمّت میں سے جس فرد کے ہاں میری شادی ہو اور جس کی میرے ہاں شادی ہو، وہ جنّت میں میرا رفیق ہو۔ پس میرے رب نے میری اِس التجا کو قبول فرمایا۔ (انتہیٰ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے جنّتی ہونے کے حق میں آپ کی اکثر احادیث وارد ہیں، مگر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنّت میں اُن

---

[1] دیکھئے الصواعق المحرقہ (عربی) از علّامہ ابنِ حجر الہیتمی مکّی، ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر

کی رفاقت ایک حسین و جمیل انداز سے ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کسی کا نکاح کرنا بھی مُژدۂ جنت ہے اور صرف جنّت کی بشارت ہی نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت بھی ایسے فرد کو میسّر آئے گی۔ پھر یہ کہ آپ نے بارگاہِ ربُّ العزّت سے اِس اعزاز کے حصُول کے لئے التجا فرمائی، جسے شرفِ اجابت سے نوازا گیا۔

اِس کے علاوہ آپ کے ارشادِ مُبارک کے جُزوِ آخر سے اِس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ سیّدات کا نکاح غیر کُفو میں ہو سکتا ہے، اِس لئے کہ اِس جُملے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مرد کا آپ کی صاحبزادیوں سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا مُوجبِ بشارتِ مذکورہ ہے، کیونکہ ازواجِ مُطہّرات جو اہلِ ایمان کے لئے مائیں قرار دی گئی ہیں، اُن کا نکاح تو ازرُوئے نصِّ قطعی کسی سے جائز نہیں، لہٰذا اِس سے صاحبزادیاں اور اُن کی اولاد ہی مُراد ہیں[1]۔

ایک بات قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اصل منبعِ احکامِ شریعت صرف قرآن و سُنّت ہیں۔ بیشتر احادیث اُن احکام کی تشریحات ہیں، گویا قرآن متن ہے اور حدیث اُس کی شرح ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شارح کسی متن کی شرح کرتا ہے، تو متن کا نفسِ مضمون ہی پھیلا کر بیان

---

[1] ہم اِس موضوع پر تفصیلاً بحث کرنے کے بعد یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جو لوگ غیر کُفو میں نکاحِ سیّدات کو مُطلقاً حرام سمجھتے ہیں، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ اِس لئے کہ کوئی مسلمان کسی ٹھوس دلیل اور ثبوت کے بغیر شریعتِ مطہّرہ کا دائرہ جواز محدُود کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمّت کے جلیل القدر علماء اور مشائخ طریقت ہر دور میں شریعتِ مُطہّرہ کے زرّیں اُصُولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلہ کی حقیقی صورت نتیجے کی شکل میں اہلِ ایمان پر واضح کرتے چلے آئے، چنانچہ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نُور محمّد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) کے جلیل القدر خلیفہ، حضرت حافظ محمّد جمال ملتانی (م ۱۲۲۶ھ) کے دور میں پیش آیا، جسے پروفیسر خلیق احمد نظامی بحوالہ مناقب المحبوبین نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- حافظ صاحبؒ غیر شرعی رسوم کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ مگر وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور ہماری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ شادی سادات میں کرنی چاہیئے۔ فرمایا: نکاحِ سادات با غیر سادات در شرع جائز است تو گفتۂ جاہلاں را چہ اعتبار می کُنی۔ (ترجمہ) شریعت میں سیّد کا نکاح غیر سیّدہ سے جائز ہے، تُو جاہلوں کے کہنے پر کیوں اعتبار کرتا ہے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت، ص ۶۰۴-۵-۶، مطبوعہ مکتبۂ عارفین کراچی)

کرتا ہے، ایسی تشریح نہیں کر سکتا، جس کا متن کے نفسِ مضمون سے رابطہ ہی نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا آپس میں انتہائی گہرا رابطہ ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی حدیثِ صحیح، قرآن مجید کے مُعارض نہیں ہوتی، یہ اور بات ہے کہ شعُورِ تطبیق کے فقدان کے سبب بعض لوگوں کو قرآن و حدیث میں تعارض نظر آئے گا۔

نکاح کے سلسلے میں جوازِ شرعی کی انتہا تو یہ ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد زینبؓ بنتِ جحش کا عقد ایک آزاد کردہ غلام حضرتِ زیدؓ سے کر دیا، جو آپ کے کفو میں سے بھی نہ تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جوازِ نکاح کے لئے بُنیادی شرط مسلمان ہونا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات جوازِ شرعی پر مترتب ہونے والے عواقب و نتائج کے مفاسد و خطرات کے پیشِ نظر ایک کام کو جائز ہونے کے باوجود پسند نہیں کیا جاتا۔ اِس کی مثال وہ واقعہ ہے، جس میں حضرت علیؓ نے ابُوجہل کی بیٹی سے عقد کرنا چاہا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے اور اُن کے بازو کو پکڑ کر فرمایا: اے فاطمہؓ! اُٹھ اور میرے ساتھ چل! اللہ تعالیٰ کے دوست اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹیاں یکجا نہیں ہو سکتیں، اِس پر حضرت علیؓ نے عرض کی کہ حضورؐ! میں نے یہ ارادہ اب ترک کر دیا ہے۔ اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آگئی کہ یہ صورت میرے منصب اور میری شانِ رسالت کے منافی ہے، اگر وہاں نکاح کا جواز نہ ہوتا تو بابِ علم جیسی شخصیت سے ایسا سوچنے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال مذکورہ بالا واقعہ میں بھی جوازِ نکاح کا پہلو موجود تھا، جبھی تو آپ نے ارادۂ نکاح کیا تھا۔ اِس واقعہ سے رواجِ عُرفی کا پہلو بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر اِس کے تحت کوئی سید خانوادہ اپنی کسی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں نہ کرے، تو یہ اُس کی مرضی ہے جس کا اُسے اختیار بھی ہے، مگر یہ سوچ کر کہ وُہ چونکہ سب سے افضل ہیں، اِس لئے کسی غیر افضل کفو میں اُن کی بیٹیوں کا نکاح کسی صُورت ہو ہی نہیں سکتا، یا از رُوئے شریعت حرام ہے، تو یہ سراسر غلط فہمی اور انتہائی کم علمی ہوگی، بلکہ ایسا سوچنا بھی شریعتِ مُطہّرہ سے تمسخر کے مُترادف ہے۔ جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا افسادِ زمانہ اور اِس قسم کے دیگر خطرات کی بنا پر غیر کفو میں رشتہ نہ دینا قرینِ احتیاط ہے [illegible] دیگر اکابر کی طرح پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی بھی حرمتِ مطلقہ کے ہرگز ہرگز قائل نہ تھے [illegible] بعض لوگ اِس سلسلے میں انتہائی غلط فہمی اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں البتہ حضرت احتیاط و احترام کی حد تک سید کا غیر سید میں رشتہ دینا آپ کو ناپسند تھا اور ناپسندیدگی کا درجہ شرعی نہیں طبعی ہے۔

کیونکہ شرعی احکام جملہ خاندانوں کیلئے برابر لاگو ہیں۔ جیساکہ قرآن و سنت تعامل سلف اور تاریخی شواہد سے ظاہر ہے خلاصۂ کلام یہ کہ غیر الکفاء میں نکاح سیدہ شرعاً حلال ہے۔ مگر خلاف احتیاط ہے۔ لہٰذا اجتناب بہتر ہے ہاں امر مجبوری شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ جن حضرات نے نکاح سیدہ کو انا کا مسئلہ بنا دیا اُن پر واضح ہو کہ اسکی شرعی حیثیت یہی ہے جو بیان کردی گئی۔ ہزاروں صفحات سیاہ کرنے سے کسی مسئلہ کی شرعی حیثیت نہیں بدلی جاسکتی۔ لہٰذا نکاح سیدہ میں میرا موقف کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔

## بُعدِ زمانی سے رشتۂ نسبی منقطع نہیں ہوتا

جیساکہ پہلے مذکور ہوا کہ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی تصنیف لطائف المنن میں اہلِ بیت کے آداب اور احترام کے متعلق جو کچھ بھی لکھا، اُن کا مطلب یہی تھا کہ اہلِ بیت کا احترام اِس اعتبار سے کیا جائے کہ وہ ذُرّیتِ رسُول ہیں اور یہ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی اُن کے حق میں وُہی ادب اور سلوک روا رکھنا چاہیئے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں رکھا جاتا تھا۔ بُعدِ زمانہ کو سلسلۂ ادب و احترام پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے، اِس لئے کہ ؎ بُعدِ منزل نہ بود در سفرِ رُوحانی۔ دُنیائے رُوحانیت سے تعلق رکھنے والوں کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اب بھی اُسی طرح موجود ہے، جس طرح اُن کے اپنے عہدِ مقدس میں موجود تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ جو اہلِ بیت، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مُبارک میں تھے، وُہی لائق و مستحقِ احترام ہیں، کیونکہ اُنہیں شرفِ زیارت کے ساتھ قُربِ زمانی بھی حاصل تھا تو بلا شُبہ یہ بہت بڑا شرف ہے، جو بعد کے اہلِ بیت کو حاصل نہیں، مگر اِس سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خُونی رشتے کا سلسلہ تو منقطع نہیں ہو سکتا۔ منبعِ آب کے قریب کا پانی یقیناً اپنی نسبتِ قُرب کی بنا پر اُس پانی کی نسبت زیادہ ناز کر سکتا ہے، جو اُسی چشمے کا ہو لیکن دو ہزار میل دُور پہنچ چکا ہو، مگر دُوری کی بنا پر یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پانی فلاں چشمے سے نہیں آتا یا اِس میں وُہ لطافت ہی نہیں رہی۔ پانی قدرے گدلا ہو جائے یا شفاف رہے، اُس چشمے سے اُس کی نسبت نہیں ٹوٹتی۔ دُوسری مثال یہ کہ سُورج جو جدید تحقیق کے مُطابق زمین سے تقریباً ۹ کروڑ میل دُور ہے، اُس کے قریب کی شعاعوں کی تمازت، حرارت اور قوت اور زمین تک سفر کر لینے والی شعاعوں کی حرارت و قوت اور تمازت میں جو فرق ہے اُس کا اِنکار ممکن نہیں، لیکن اُن شعاعوں کو بھی شعاعِ خورشید ہی کہا جائے گا، جو سورج سے

۹ کروڑ میل دُور پہنچ چکی ہیں، اگرچہ جیسے جیسے وہ کثافتِ ارض سے ہمکنار ہوتی گئیں، اُن کی طاقت و تمازت اور نسبتِ قُرب میں فرق پڑتا گیا، مگر لفظِ شعاع کا اطلاق دونوں پر یکساں ہوگا، چاہے وہ سورج سے قریب تر کی ہوں یا ۹ کروڑ میل دُور کی ____ بعینہٖ سادات کا وہ مختصر کنبہ جو عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، اُس کے تقویٰ و طہارت، علم و فضل اور شرف و نجابت میں جو طاقت تھی، وہ بعد کے بعض سادات میں نہ سہی، علائق دُنیا کی کثافتوں سے اُن کی رُوحانی، ذہنی، فکری و عملی لطافتیں ضرور متاثر ہوئیں اور ہونگی، مگر اِس کے باوجود تاقیامت آنے والے سادات کا رشتۂ نسب شعاعوں کے مانند آفتابِ رسالت سے منقطع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کوئی غیر سیّد ولیِ کامل، سادات کے اِس شرف میں، جو اُسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے، شریک نہیں ہو سکتا۔ جب غیر سیّد اولیاء کی اولاد کی عزت و حُرمت کا سبب اُن کی اپنی ذات نہیں، بلکہ وُہ ولیِ کامل ہے اور اُسی کو سامنے رکھتے ہوئے اُس کی ساری اولاد کو خواہ کسی قابل ہو نہ ہو، بچشمِ احترام دیکھا جاتا ہے، تو کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا احترام آج کے زمانہ میں صرف اِس لئے نہ کیا جائے کہ وہ عہدِ رسالت کے بعد عالمِ وجُود میں آئے اور غیر سیّد اولیاء اللہ کی اچھی بُری، اہل و نااہل اولاد کا احترام و ادب صرف اِس لئے کیا جائے کہ وہ ایک ولی اللہ کے عہد سے قریب ہے؟ غور کرنا چاہیئے کہ مذکورہ دو نسبتوں میں سے کون سی نسبت زیادہ قابلِ احترام ٹھہرتی ہے، غیر سیّد اولیاء و صالحین کی نسبتِ نسَب، یا سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ مقدس کی نسبت؟

## شرفِ انتساب سببِ احترام ہوتا ہے

صرف قُربتِ عہد سببِ احترام نہیں ہو سکتی، بلکہ مُطلق شرفِ انتساب سببِ احترام ہوتا ہے، جیسا کہ شعاعِ خورشید کی مثال سے سمجھایا گیا۔ غیر سیّد اولیائے کاملین کو جو مقام و مرتبہ ملا، وہ صرف اِس لئے کہ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کا اتباعِ کامل کرتے رہے۔ کوئی غیر سیّد ولی جب تک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ نہ پڑھے اور آپ کی شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ ولی تو کُجا، دائرۂ اسلام میں بھی داخل نہیں ہو سکتا اِس لئے جو لوگ غیر سیّد اولیاء کی اولاد کے ادب و احترام میں غلو سے کام لیتے ہیں، انہیں

سادات اور اہلِ بیت کے حق میں بھی کچھ سوچنا چاہیئے کہ اگر کوئی سید یا غیر سید ولی، سادات کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو اُسے اصطلاحِ شرعی میں کافر ہی کہا جائے گا۔ گستاخانِ اولیاء کو زیادہ سے زیادہ ہم فاسق و فاجر ہی کہہ سکتے ہیں کافر تو نہیں کہہ سکتے، اِس لئے کہ اولیاء و صالحین پر ایمان لانا شرائطِ اسلام سے نہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اسلام کی شرطِ اوّلیں ہے، اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جن کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے اور اُن کی شریعت پر کاربند رہنے سے ایک عام شخص جو سید بھی نہیں مرتبۂ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے تو سادات کا مقام کیا ہوگا، اگر وہ اپنے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی صحیح طور پر اتباع کریں تو اُنہیں غیر سید اولیاء سے بھی کہیں ارفع مقام و مرتبہ ملے گا۔ اِس لئے کہ اُن میں اتباعِ شریعت و ایمان کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی قُرب کا شرف بھی موجود ہے، جو بلاشبہ ایک نعمتِ غیر مُترقبہ ہے۔ ساداتِ کرام کو چاہیئے کہ وُہ اپنی اِس نسبت کا خود بھی احترام کریں، جو اُنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خُونی رشتے کی حیثیت سے حاصل ہے اور وہ اُسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ وُہ شریعتِ مُطہرہ اور احکامِ قرآن وحدیث پر سختی سے عمل پیرا ہوں، ورنہ اُن کی نسبت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور رہے گی، مگر اُس کی رُوح مفقود ہو جائے گی۔ عقائد کی درستی وصحت، سادات کے لئے اشد ضروری ہے۔ وہ عقائد جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر بالتوارث کی حیثیت سے ثابت ہیں اور جنہیں عُرفِ عام میں عقائدِ اھل السنۃ والجماعۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

## ایک سیّد زادے کے متعلق خواب

اِس سلسلے میں ایک سیّد زادے کا قصّہ نقل کرتے ہوئے، علامہ شیخ محمد الصبان مصریؒ لکھتے ہیں:۔ وَحُکِیَ عن بعضھم قال کنتُ اُبغِضُ اشرافَ المدینۃِ بنی حُسَینٍ لتظاھُرِھم بالرّفضِ فرأیتُ النّبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنامِ تُجاہَ القبرِ الشّریفِ فقال یا فلانُ باسمی مالی اَراکَ تُبغِضُ اولادی، فقلتُ حاشَالِلّٰہِ مااَکرَھُھُم وَاِنّما کرِھتُ مارأیتُ مِن تعصّبِھم علی اَھلِ السُّنّۃِ، فقالَ فی مسئلۃٍ فقھیّۃٍ الیسَ الولدُ العاقُ یَلحَقُ بالنَّسَبِ فقلتُ بلٰی یارسولَ اللّٰہِ! فقالَ ھٰذا ولدٌ عاقٌ۔

فلمّا انتبهتُ صِرتُ لا اُلاقِی مِن بَنِی حُسَینٍ احدًا الا بالغتُ فی اکرامِہ۔ فینبغی اَنّ الفاسِقَ مِنْ اَھلِ البَیتِ وَاِنْ کَانَ یُبغَضُ مِنْ حَیثُ فِعلِہٖ یُحَبُّ وَیُحتَرَمُ مِنْ حَیثُ قَرابتِہٖ مِنہُ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ کے ساداتِ حُسینیہ سے اُن کے اظہارِ رفض کے باعث کد رکھتا تھا، پس میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ روضۂ اطہر کے سامنے جلوہ فرما ہیں۔ آپ نے مجھے میرا نام لے کر مخاطب فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تُو میری اولاد سے بُغض رکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسولَ اللہ! ہرگز نہیں۔ میں اُن سے نفرت نہیں کرتا، میری ناپسندیدگی کا سبب اہل السُّنَّۃ کے خلاف اُن کا تعصب ہے، جس کا میں نے مشاہدہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا فقہی مسئلے میں نافرمان بیٹا باپ کی جانب منسوب نہیں رہتا؟ میں نے عرض کیا: یا رسولَ اللہ! منسُوب رہتا ہے۔ اِس پر آپ نے ارشاد فرمایا: کہ یہ میرا ایک نافرمان بیٹا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو (میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ) امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے جس کی بھی ملاقات کرتا، اُس کی تعظیم بجا لاتا۔ پس لازم ہے کہ اہلِ بیت میں سے اگر کوئی شخص فاسق ہو اور باعتبارِ فعل اُس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے، پھر بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے باعث اُسے محبوب و محترم سمجھنا چاہیئے۔

## خواب سے کیا ثابت ہوا؟

مذکورہ حکایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ سادات کی بدکاری، بدافعالی اور بداعتقادی کی بنا پر اُن کے نسبی احترام و ادب کے تقاضوں کا لحاظ نہیں کرتے، اُن کو یہ تنبیہ کی گئی کہ سادات کی کسی خامی کے باوجود اُن کی نسبت کا حتی الامکان ضرور لحاظ کیا جائے۔ دوسری یہ کہ وہ افرادِ اہلِ بیت، جو بدکاری و بداعتقادی کی بنا پر اُسوۂ رسُولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر دیتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق نافرمان اولاد ہیں۔ گویا جو صحیح النَّسَب سادات ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں، اُن کے لئے

---

[1] دیکھئے اسعاف الراغبین برحاشیہ نُور الابصار، از علامہ الشیخ محمد الصبان مصری، ص ۱۱۴ - ۱۱۵، مطبوعہ مصر

ضروری ہے کہ وہ شیعیت و رفض سے تائب ہو کر اُن کے عقائدِ باطلہ اور مزعوماتِ فاسدہ سے فوراً دست کش ہو جائیں، ورنہ اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاق کردہ اولاد میں سے شمار کیا جائے گا اور ظاہر ہے جس بدبخت بیٹے کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جیسا معزز و مکرم خود عاق کر دے، پھر وہ کیا؟ اور اُس کی عزت کیا؟ جو انسان رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر گیا، اُس کی چوٹ وہی محسوس کر سکتا ہے، جو مقامِ مصطفٰے سے آشنا ہو۔ بقولِ اُستاد داغ دہلوی ؒ ؎

پوچھے یہ کوئی چوٹ تو اُس خستہ جگر سے
اُترا جو ترے دل سے، گرا تیری نظر سے

ثابت ہوا کہ سیدہ کا غیر سید کے ساتھ نکاح منعقد ہو جانا از رُوئے شریعتِ محمدی ناجائز نہیں؛ بشرطیکہ لڑکی اور اُس کا ولی دونو اِس پر رضامند ہوں، مگر علامہ عبدالوہاب شعرانی ؒ کی مذکورہ تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتضٰی یہی ہے کہ کوئی غیر سید کسی سیدہ سے نکاح نہ کرے اور یہ نکاح نہ کرنا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے محض ادب و احترام کی بنا پر ہوگا۔

اِس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اگر شریف (سید زادہ) کسی غیر کفو میں شادی کرے تو یہ بات اُس خاندان کے لئے تو باعثِ فخر ہو سکتی ہے اور اِس تعلق سے اُن کی عزت میں تو اضافہ ہو سکتا ہے کہ اُن کی لڑکی ایک سید گھرانے میں چلی گئی، وہ گھرانہ جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ ہے، مگر اِس کے برعکس اگر کسی غیر سید کے ساتھ کوئی شریفہ (سیدہ) نکاح کر دی جائے تو یہ بات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے لئے باعثِ فخر نہیں ہو سکتی؛ اِس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے کوئی گھرانہ افضل ہے ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر اولیائے سلف نے اپنی بیٹیاں سادات کو دیں، مگر اُن کی بیٹیاں اپنے عقد میں نہیں لاتے، صرف احترامِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔

## حضرت گنج شکر ؒ کی صاحبزادیوں کا نکاح

مثلاً حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر ؒ (م ۶۶۴ھ) نے حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری ؒ کو، جو سید تھے، اپنی دُخترِ نیک اختر عقد میں دی اور حضرت مولانا بدر الدین اسحٰق بخاری (م ۶۹۰ھ) کو جو

سید تھے اپنی دوسری صاحبزادی نکاح میں دی۔ حضرت بابا صاحبؒ کے صحیح النسب فاروقی ہونے پر مؤرخین کا اتفاق ہے، چنانچہ شیخ محمد اکرم چشتی صابری اپنی مشہور تصنیف اقتباس الانوار میں لکھتے ہیں:۔ بُودنِ گنج شکرؒ از فرزندانِ حضرتِ عُمر فارُوقؓ ثابت و صحیح است بے ریب و ارتیاب[1]۔ (ترجمہ) حضرت گنج شکرؒ کا سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی اولاد ہونا بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور ثابت ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کی بھی یہی رائے ہے۔ لکھتے ہیں:۔ نسب شریفِ وَے بہ بست و سہ واسطہ بسیدنا فارُوقِ اعظمؓ می رسد۔ (ترجمہ) حضرت گنج شکرؒ کا نسب ۲۳ واسطوں سے سیدنا فارُوقِ اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔[2] اسی طرح جواہر فریدی کے مصنف نے بھی آپ کو فاروقی النسب ثابت کیا ہے۔[3] جہاں حضرت گنج شکرؒ کے فارُوقی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، وہاں حضرت علی احمد صابر کلیریؒ کی سیادت بھی تاریخ سے ثابت ہے، چنانچہ شیخ محمد اکرم چشتی صابریؒ لکھتے ہیں:۔ وَے قدس سرہٗ بہ روایتِ سیر الاقطاب، سیدِ صحیح النسب است و خدمتِ حضرت گنج شکرؒ بسیار کردہ۔[4] (ترجمہ) حضرتِ صابرؒ صحیح النسب سید ہیں اور آپ نے حضرت گنج شکرؒ کی بہت خدمت کی۔ اس کے علاوہ صاحب جواہر فریدی بحوالۂ اخبارُ الاخیار لکھتے ہیں:۔ بی بی شریفہ جو حضرت گنج شکرؒ کی دُختر ہیں، وہ آپ کے خواہر زادے شیخ علاء الدین علی احمد صابرؒ کے عقد میں تھیں اور تیسری صاحبزادی بی بی فاطمہ مولٰنا بدرالدین اسحٰق دہلویؒ کے عقد میں تھیں۔[5] مشہور محدث و محقق حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ لکھتے ہیں:۔ مولٰنا بدرالدین اسحٰق بن علی اسحٰق الدہلویؒ خادم و خلیفہ و دامادِ شیخ فرید الدین است۔[6] شیخ اکرم صابریؒ نے اس کی توثیق ان الفاظ میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔ دُخترِ سوئم آنحضرتؒ بی بی فاطمہ نام داشت قدس سرہا وَے در عقدِ نکاحِ حضرت شیخ بدرُ الدین اسحٰق بُودہ کہ سیدِ صحیح النسب و از کبار خلفائے حضرتِ

---

[1] دیکھئے اقتباسُ الانوار (فارسی) مصنفہ شیخ محمد اکرم صابریؒ، ص ۱۷۱، مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور، سن طباعت ۱۲۸۳ھ
[2] دیکھئے خزینۃُ الاصفیاء (فارسی) مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ، ص ۲۷۲-۲۷۳، مطبوعہ لاہور
[3] دیکھئے جواہر فریدی (اُردو) از مولٰنا محمد علی اصغر چشتی، مترجمہ ملک فضل الدین نقشبندی مجددی، ص ۲۱۷، مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور
[4] دیکھئے اقتباسُ الانوار (فارسی) ص ۱۸۴، مطبوعہ لاہور
[5] دیکھئے جواہر فریدی (اُردو) ص ۳۸۷، مطبوعہ لاہور
[6] دیکھئے اخبارُ الاخیار (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ص ۶۸

گنج شکرؒ بُود[1]۔ (ترجمہ) حضرت فریدُ الدین گنج شکرؒ کی تیسری صاحبزادی، جس کا نام بی بی فاطمہ تھا، وہ حضرت مولانا بدرُ الدینؒ اسحٰق کے عقد میں تھیں، جو صحیح النسب سید اور حضرت گنج شکرؒ کے عظیم خُلفاء میں سے تھے۔

صاحبِ سیرُالاولیاء نے بھی حضرت گنج شکرؒ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حضرت مولانا سید بدرُ الدینؒ اسحٰق کے عقد میں تھیں[2]۔ حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ (م ۶۹۰ھ) گیلانی سید[3] تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب اِس طرح ہے:۔ علاء الدین بن شاہ عبد الرحیم عبد السلام بن شاہ سیف الدین بن عبد الوہاب بن حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ[4]

مفتی غلام سرور لاہوریؒ، حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

دخرقۂ فقر از خواجۂ اکبر حضرت گنج شکرؒ پوشیدہ و علاوہ برآں بہ نسبتِ فرزندی و خواہرزادگی ہم سرفراز بُود[5]۔ (ترجمہ) حضرت صابرؒ نے حضرت گنج شکرؒ سے خرقۂ خلافت پایا۔ اِس کے علاوہ وہ آپؒ کی فرزندی اور خواہرزادگی کے شرف سے بھی مشرف تھے، یہاں فرزندی کا لفظ نسبتِ دامادی کے معنوں میں استعمال ہوا، نہ کہ حقیقی فرزند کے معنوں میں، جیسا کہ عُرفِ عام میں جب کسی کو یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ فلاں کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے دو، تو کہتے ہیں کہ اِسے اپنی فرزندی میں قبول کر لو یا فلاں کو اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ وضاحت اِس لئے کی گئی تاکہ فرزندی کے لفظ سے کسی کو حقیقی فرزند ہونے کا شبہ پیدا نہ ہو۔ اِس لفظ کے بمعنیٰ داماد استعمال ہونے کے ثبوت میں مذکورہ حوالہ جات کافی ہیں، جن سے یہ امر متحقق ہوا کہ حضرت باباصاحبؒ کی ایک صاحبزادی بی بی شریفہ حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کے عقد میں اور دوسری حضرت مولانا سید بدر الدینؒ اسحٰق کے نکاح میں تھیں۔

---

[1] دیکھئے اقتباسُ الانوار (فارسی) از شیخ محمد اکرم صابریؒ، ص ۱۸۲، مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور

[2] دیکھئے سیرُالاولیاء (اُردو) از سید محمد مُبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خوردؒ، مترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۲۲۹، مطبوعہ اُردو بورڈ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۸۰ء

[3] ملاحظہ ہو اُردو اِنسائیکلو پیڈیا، ص ۶۵۵، مطبوعہ فیروز سنز

[4] ملاحظہ کیجئے تاریخ مشائخ چشت (اُردو) از مولانا محمد زکریا، ص ۱۸۰، مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، سنِ طباعت ۱۹۷۵ء

[5] دیکھئے خزینۃ الاصفیاء (فارسی) از مفتی غلام سرور لاہوریؒ، ص ۲۹۹، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۲۸۳ھ

مختصر یہ کہ مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے ثابت ہوا کہ ایسی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں، جن میں کسی غیر سیّد ولی اللہ نے کسی سیّدہ سے نکاح کیا ہو۔ اگر سادات کو بچشمِ احترام دیکھا جاتا ہے تو انہیں بھی یہ امر ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ لوگ اُن کی عزّت کیوں کرتے ہیں۔ انہیں غرورِ نسب کے نشے میں نہیں رہنا چاہیئے، جیسا کہ عام طور پر دیکھا اور سُنا جاتا ہے۔ سادات کو نسبی شرف کے ساتھ صفاتِ عالیہ کی طرف بھی ضرور توجّہ دینی چاہیئے تاکہ اُن کی دست بوسی اور احترام صرف اِسی خاطر نہ کیا جائے کہ اُن کا خونی رشتہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بلکہ انہیں چاہیئے کہ وہ اِس نسبت سے قطعِ نظر بھی اپنا مقام پیدا کریں اور اُن کا حقیقی مقام بھی یہی ہے کہ وہ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنیں۔ قرآن و حدیث کا علم حاصل کریں اِس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کی وراثت صرف علم ہے، اگر کوئی سیّد زادہ کروڑپتی بھی ہو یا دُنیوی تعلیم و اُمور میں غیر معمولی مہارت بھی رکھتا ہو، مگر وہ اپنے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی وراثت (علم) سے مُطلقاً محروم کہلائے گا۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر مکی لکھتے ہیں:۔ وَاعْلَمْ اَنَّهٗ یَتَاَکَّدُ فِی حَقِّ النَّاسِ عَامَّةً وَّاَهْلِ الْبَیْتِ خَاصَّةً رِعَایَةُ اُمُوْرٍ (الاوّل) الاعتناءُ بتحصیلِ العُلومِ الشَّرعیّةِ فَاِنَّهٗ لَا فَائِدَةَ فِی نَسَبٍ مِّن غَیرِ عِلمٍ ودلائلُ الحَثِّ علی الاعتناءِ بالعُلُومِ الشرعیّةِ واٰدابِها واٰدابِ العُلَماءِ والمتعلِّمینَ وتفصیلُ ذٰلِکَ کُلِّهٖ ظاهرٌ معروفٌ مِنْ کُتُبِ الائمّةِ فلا نطولُ بهٖ (الثانی) ترکُ الفخرِ بالآباءِ وعدمُ التعویلِ علیهم مِنْ غیرِ اکتسابٍ للعُلُومِ الدِّینیّةِ۔[1] (ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ سب لوگوں کے لئے عموماً اور اہلِ بیت کے لئے خصوصاً چند چیزوں کی نگہداشت نہایت ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ وہ عُلُومِ شرعیّہ حاصل کرنے کا خاص اہتمام کریں، کیونکہ بغیرِ علم محض نسب میں کچھ فائدہ نہیں اور عُلُومِ شرعیّہ، اُن کے آداب اور علماء و متعلّمین کے آداب کے اہتمام کی ترغیب و ضرورت کے دلائل اور اُن سب کی تفصیل حضراتِ آئمہ کی کتابوں سے ظاہر ہے، ہم اِسے یہاں طُول نہیں دینا چاہتے۔ دوسری یہ کہ دینی عُلُوم حاصل کئے بغیر فقط اپنے آباء و اجداد پر فخر کرنا اور اُن کا سہارا لینا چھوڑ دیں۔ (انتہیٰ)

[1] دیکھئے الصواعق المحرقہ، از امام ابنِ حجر الہیتمی مکی، ص ۱۱۱، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۰۷ھ

بعض سادات اپنا احترام کرانے، عقیدت مندوں اور مُریدین سے نذرانہ وصول کرنے، دست بوسی کرانے کے زیادہ شائق نظر آتے ہیں۔ یاد رہے کہ سادات کو یہ نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے ادب و احترام کی تلقین کرتے پھریں یا اِس کی آرزو رکھیں، اگر وہ اپنے اندر ایسی صفات پیدا کرلیں، جن کا اُنہیں وارث ہونا چاہیئے تو عوام و خواص خود بخود اُن کی عزّت و ادب کا اہتمام کریں گے۔ اب اگر ایک سیّد زادے میں علم و فضل کی دولت ہی موجود نہ ہو اور اِس کے باوجود کوئی شخص رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کی تعظیم کرتا ہے، اُسے نذرانے پیش کرتا ہے، یا اُس کی دست بوسی کر لیتا ہے تو یہ اُس شخص کی شرافت اور محض رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی عقیدت تصوّر کی جائے گی، ورنہ اُن لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا کہاں تک درست سمجھا جا سکتا ہے، جو اپنے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اُسوۂ حسنہ اور عُلوم و فضائل کو خیر باد کہہ چکے ہوں کہ رنگِ دُنیا جس پر بھی غالب ہوا وہ کسی وقت بھی اپنی وراثت سے محروم ہو سکتا ہے۔

## معیارِ سیادت

ایک شیعہ جو خود کو سیّد کہتے تھے، کہنے لگے کہ غوثِ پاکؓ سیّد نہ تھے، ذہنی شعُور کے اعتبار سے وہ اِس قابل نہ تھے کہ اُن کے سامنے علمی دلائل اور تاریخی شواہد بطورِ ثبوت پیش کئے جاتے، میں نے کہا آپ درُست کہتے ہوں گے، مگر کتابوں میں غوثِ پاکؓ کے حُلیۂ مُبارک کی جو روایات ملتی ہیں، اُنہیں سامنے رکھ کر ذرا آپ اپنا چہرہ آئینے میں بغور دیکھ لیں بقولِ شاعر ؎

لگایا آئینہ یہ کہہ کے اُس نے روزنِ در میں
کہ اپنا مُنہ تو دیکھیں میری صُورت دیکھنے والے

اگر بد صورتی اور بد سیرتی سیادت کے اساسی ارکان و علامات میں شامل ہیں تو پھر آپ بلا شُبہ ہم سے زیادہ سیّد کہلانے کے مستحق ہیں اور پھر غوثِ پاکؓ کے حُسنِ سیرت و صُورت کی روایات ہم نے مُستند کتابوں میں پڑھی اور عُلماء سے سُنی ہیں، کیونکہ آپؓ کا تعلق تو دورِ ماضی سے ہے، مگر جناب کی بد صُورتی و بد سیرتی کا حال تو میں براہِ راست مطالعہ کر رہا ہُوں کہ ؎

شُنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

کیا سادات ایسے ہی حسین ہوا کرتے ہیں؟ آپ تو پنجابی کی اِس ضربُ المثل کے بجا طور پر مصداق ہیں: مُنہ نہ متھا تے جن پہاڑوں لتھا، دیکھنے میں تو آپ سید نظر نہیں آتے۔ اب ایسے سادات بھی پائے جاتے ہیں، جو حُسنِ صُورت کے ساتھ حُسنِ سیرت سے بھی محرُوم ہوتے ہیں اور پھر اُن کا صحیح النسب سید ہونا بھی مشکوک ہے، مگر غوثِ پاکؓ، داتا صاحبؒ اور غریب نواز خواجہ اجمیریؒ جیسے مسلّم الثبوت سادات کی سیادت میں مختلف قسم کے شکوک کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ اکثر شیعہ جو خود کو سید بھی کہتے ہیں اور غوثِ پاکؓ کی مخالفت کرتے اور انہیں غیر سید بھی کہتے ہیں۔ اکثر دیہاتوں اور قصبوں میں اُنہی کی نسبت سے گیارھویں شریف کے نذرانے بھی وصول کرتے ہیں اور گیارھویں شریف کے میٹھے چاول بھی اُڑاتے رہتے ہیں ۔

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں مُنکر عجب کھانے غُرّانے والے (فاضل بریلویؒ)

حضرت غوثِ پاکؓ جیسے عظیم، نجیبُ الطرفین اور مسلّم الثبوت سید کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے والو! کبھی آئینے میں اپنا چہرہ بھی دیکھا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو سید ہوگا۔ اُس میں تین خصوصیات ضرور پائی جائیں گی۔ ایکؔ تو وہ حسین ترین صُورت اور سیرت کا مالک ہوگا۔ دوسراؔ انتہائی فیاض اور دریادل ہوگا۔ تیسراؔ نہایت جری اور بہادر ہوگا۔ اگرچہ یہ عوام کے موضوعہ معیارات ہیں تاہم بُرے بھی نہیں۔ اگر کوئی شیعہ جو خود کو سید کہلاتا ہے، وہ اِسی مذکورہ معیار کو سامنے رکھ کر ہی اپنی ذات کو پرکھ لے تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ بعض شیعہ اور غیر شیعہ سادات ایسے بھی نظر سے گزرتے ہیں جنہیں دیکھ کر یہ آرزو ہوتی ہے کہ کاش دوبارہ اُن کی زیارت نہ ہو، مگر بایں ہمہ اُن کی عزت اِس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اپنی نسبی نسبت تو اُس ذاتِ گرامی سے ثابت کر رہے ہیں، جس کی گلی کے کُتّوں کا احترام بھی ہمارے لئے باعثِ سعادت ہے، یہ تو پھر انسان ٹھہرے۔ بہرحال اگر سیادت کے مذکورہ بالا اوصاف کسی سید میں ہوں تو وہ سیّد کہلائے، ورنہ ساداتِ ذی مرتبہ کے لئے خواہ مخواہ باعثِ ننگ و عار نہ بنے ۔

قابلیت ہو تو دیدارِ جمال اچھا ہے
ورنہ اِس کُوچے کا پھر ترکِ خیال اچھا ہے

# علّامہ شیخ شبلنجیؒ کی روایتِ دست بوسی

آج کل نئی روشنی کے لوگ، جن کے ذہنی اُفق پر مغربی تعلیم و تہذیب کے بادل بُری طرح منڈلاتے رہتے ہیں، اکثر یہ کہتے سُنے گئے کہ عُلماء و مشائخ اور اہلِ بیت کی تعظیم و تکریم کیوں ضروری ہے؟ دست بوسی اور دیگر علاماتِ ادب سے سخت نفرت کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دَورِ اقدس میں نہیں ہوا، لہٰذا یہ سب کچھ بدعات میں شامل ہے۔ خیر ایسے لوگوں کو کسی قسم کی سند پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جب کہ وہ خود اسلام کے مبادیات اور اس کے اساسی احکام سے بھی ناآشنا اور رُوگرداں ہیں۔

ایک واقعہ اُن لوگوں کے لیے نقل کیا جا رہا ہے، جو اسلامی تہذیب و تمدن اور اخلاقی اقدار کو بہ نگاہِ عزت دیکھتے ہیں۔ علامہ الشیخ الشبلنجی[1] مصریؒ لکھتے ہیں:- وَصَلّٰی زیدُ ابنُ ثابتٍؓ علٰی جنازۃٍ۔ فلمّا رَکِبَ اَخَذَ ابنُ عباسٍؓ بِرکابِہٖ، فقالَ خَلِّ عنہُ یا ابنَ عَمِّ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقالَ ابنُ عباسٍؓ ھٰکذا اُمِرنا اَنْ نَفعَلَ بِالعُلَماءِ فَقَبَّلَ زیدٌؓ یَدَ ابنِ عباسٍؓ، وقال ھٰکذا اُمِرنا اَنْ نَفعَلَ مَعَ اَھلِ بَیتِ رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم[2]۔ (ترجمہ) حضرت زید بن ثابتؓ نے کسی کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نمازِ جنازہ سے فراغت کے بعد جب وہ سوار ہوئے تو حضرت ابنِ عباسؓ نے اُن کی رکاب تھام لی۔ اِس پر حضرتِ زیدؓ نے فرمایا۔ اَے رسولِ خدا کے چچا کے بیٹے ایسا مت کر اور اِسے چھوڑ دے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ ہمیں علماء سے ایسے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ اِس پر حضرتِ زیدؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ ہم بھی اہلِ بیت کے معاملہ میں اِسی طرح مامور ہیں۔ واضح رہے کہ اُنھوں نے اپنے خیال کے تحت حضرت ابنِ عباسؓ کو حضورؐ کی قرابت کے پیشِ نظر اہلِ بیت میں شمار فرمایا؛ احادیث اُن کے قول کی مؤید نہیں۔

# تعریفِ نکاح

علامہ عبدالرحمٰن الجزائری لکھتے ہیں:- للنکاح معانٍ ثلٰثۃٌ۔ الاوّلُ المعنَی اللُّغَوِیُّ

[1] شبلنجی مصر کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے جو شبلنجی اور نہا العسل کے درمیان شرقی جانب سے بادبردار سواریوں کے لئے قریباً دو گھنٹوں کا سفر ہے۔ (دیباچہ نورالابصار)

[2] دیکھئے نورالابصار (عربی) ص ۱۰۵، مطبوعہ مصر

وَھُوالوطءُ والضَّمُّ، يُقال تناكحت الاشجارُ اذا تمايلت والضمّ بعضها الی بعضٍ وَيُطلقُ علی العقدِ مجازاً لانَّهُ سَبَبٌ فی الوطء۔ الثانی المعنیٰ الاصولیُّ و يُقالُ لهُ الشرعیُّ وقد اختلف العُلماءُ فيه علی ثلاثةِ اقوالٍ۔ اَحَدُھا اَنَّهُ حقيقةٌ فی الوطیِ مجازٌ فی العقدِ کالمعنیٰ اللُّغَوِیِّ مِن کُلِّ وَجهٍ فمتیٰ وَرَدَ النکاحُ فِی الکتابِ والسُّنّةِ بِدُونِ قرينةٍ يکون معناه الوطیُ کقولهٖ تعالیٰ (وَلَا تَنکِحُوا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُم مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ) فَاِنَّ معناه فی ھٰذِهِ الاٰيةِ الوطیُ اِذِ النَّهیُ اِنَّما يُتَصَوَّرُ عنه لا عن العقدِ فی ذاتهٖ لِاَنَّ مجرَّدَ العقدِ لا يَتَرَتَّبُ عليه غَيرةٌ تنقطِعُ بھا صِلاتُ المَوَدَّةِ والاحترامِ وھٰذا ھُوَ رَأیُ الحَنَفِيَّةِ علی اَنَّھم يقولون اِنَّ النکاحَ فی قولهٖ تعالیٰ (حَتّٰی تَنکِحَ زَوْجًا غَيرَهُ) معناه العقدُ لا الوطیُ لاَنَّ اِسنادَهُ للمرأةِ قرينةٌ علیٰ ذٰلکَ فَاِنَّ الوطیَ فعلٌ والمرأةُ لا تفعلُ لکِنَّ مَفھُومَ الاٰيةِ يُفيدُ اَنَّ مجرَّدَ العقدِ يَکفِی فی التَّحليلِ وليس کذٰلکَ لاَنَّ السُّنّةَ صريحةٌ فی اَنَّ التَّحليلَ لابُدَّ فيه مِنَ الوطیِ فھٰذا المفھومُ غيرُ مُعتبَرٍ يَدُلُّ علیٰ ذٰلک ما صُرِّحَ بهٖ فی حديثِ العُسَيلةِ لقولهٖ صلی اللہ علیہ وسلم (حتی تَذُوقِی عُسَيلَتَهُ)

ثانياً اَنَّهُ حقيقةٌ فی العَقدِ مجازٌ فی الوطیِ عکسَ المعنیٰ اللُّغَوِیِّ وَيَدُلُّ علیٰ ذٰلکَ کثرةُ وُرُودِهٖ بمعنیٰ العقدِ فی الکتابِ والسُّنّةِ وَمِن ذٰلکَ قولُهُ تعالیٰ (حتّٰی تَنکِحَ زَوْجًا غَيرَهُ) وذٰلکَ ھُوَ الارجحُ عندَ الشافعيّةِ والمالکيّةِ۔ ثالثُھا اَنَّهُ مُشتَرَکٌ لفظیٌّ بينَ العقدِ والوطیِ وقد يکونُ ھٰذا اظھرَ الاقوالِ الثلاثةِ لِاَنَّ الشرعَ تارةً يَستَعمِلُهُ فی العقدِ وتارةً يَستَعمِلُهُ فی الوطیِ بِدُونِ ان يُلاحِظَ فی الاستعمالِ ھَجْرَ المعنیٰ الاوّلِ وذٰلکَ يدُلُّ علیٰ اَنَّهُ حقيقةٌ فيھما واَمّا المعنیٰ الثالثُ للنکاحِ فھو المعنیٰ الفقھیُّ وقد اختلفت فيه عباراتُ الفُقھاءِ ولکنّھا کُلّھا ترجعُ الی معنیً واحدٍ و ھُوَ اَنَّ عقدَ النکاحِ وَضَعَهُ الشارعُ ليترتَّبَ عليه انتفاعُ الزوجِ بِبُضعِ الزَّوجةِ وسائرِ بَدَنِھا مِن حيثُ التَّلَذُّذُ[1]

[1] دیکھیے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، از علامہ عبد الرحمٰن الجزائری، کتاب النکاح، ص ۱ تا ۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی (بیروت) سن طباعت ۱۹۶۹ء

ترجمہ۔ لفظِ نکاح کے تین معنیٰ ہیں: لُغوی، اصولی، فقہی۔

۱۔ لُغت کی رُو سے اِس کے معنیٰ وطی (مُباشرت، جماع اور باہم ملنے) کے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے تَنَاکَحَتِ الْاَشْجَارُ، اور مجازاً اِس کا اطلاق عقد (نکاح) پر ہوتا ہے، کیونکہ یہ مباشرت کا سبب ہے۔

۲۔ دوسرے معنیٰ اصولی ہیں، جسے معنیٰ شرعی بھی کہتے ہیں۔ اِس بارے میں عُلماء کے تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے حقیقی معنیٰ مُباشرت اور مجازی معنیٰ عقد کے ہیں۔ یہ لفظ جب قرآن یا حدیث میں بغیر قرینہ کے وارد ہو تو اِس کے معنیٰ وطی کے ہوتے ہیں، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ[1] (ترجمہ) جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ مُباشرت کر چکے ہوں، اُن سے مُباشرت (صُحبت) نہ کرو، پہلے جو ہوتا رہا وہ تو ہو چکا۔ (انتہیٰ)

اِس آیت میں نکاح کے معنیٰ وطی کے ہیں، کیونکہ محض عقد کوئی ایسا عمل نہیں جس کی ممانعت کی جاتی اور نہ عقد کوئی ایسی قابلِ شرم بات ہے کہ اِس سے محبت و احترام کا راستہ منقطع ہو جاتا۔ احناف کی یہی رائے ہے، تاہم وہ کہتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالےٰ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[2] یعنی مُطلقہ مُغلّظہ اُس وقت تک سابقہ خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی، جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اِس میں نکاح کے معنیٰ عقد کے ہیں، مُباشرت کے نہیں، اِس لئے کہ اِس آیت میں نکاح کا اِسناد عورت کی طرف ہے اور یہ عقد کے معنیٰ پر قرینہ ہے، کیونکہ مُباشرت ایسا فعل ہے، جو مرد کا ہے عورت کا نہیں۔ لیکن اِس معنیٰ کی رُو سے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ عقد کر لینا حلالہ کے لئے کافی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ حدیث میں بصراحت آیا ہے کہ حلالہ کے لئے زوجِ ثانی کا مباشرت کرنا ضروری ہے، لہٰذا یہ مفہوم معتبر نہیں ہے۔ اِس کی کھُلی دلیل حدیثِ عُسیلہ ہے۔ یعنی وہ حدیث جس میں لفظِ عُسیلہ آیا ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] القرآن ۴ : ۲۲

[2] القرآن ۲ : ۲۳۰

رفاعہ قُرظی کی عورت سے (جس نے طلاقِ ثلاثہ کی عدّت گزارنے کے بعد عبد الرحمٰن بن زبیر کے ساتھ نکاح کیا تھا، لیکن چاہتی تھی کہ اپنے سابقہ خاوند کے پاس چلی جائے) فرمایا تھا: لاحتّٰی تَذُوقِی عُسَیلَتَهٗ وَیَذُوقَ عُسَیلَتَکِ[1] (متفقٌ علیہ) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ تم دونو مُباشرت نہ کر لو۔ مقصد یہ کہ صُحبت کے بعد دوسرا خاوند طلاق دے دے، تب ہی تو عدّت گزار کر پہلے خاوند سے عقد کر سکتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کے حقیقی معنیٰ عقد اور مجازی معنیٰ مُباشرت کے ہیں۔ قرآن و سُنّت میں بہ کثرت اِس کا استعمال ہے۔ جیسے حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ شوافع اور موالک کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لفظِ نکاح، عقد اور وطی دونو معنوں میں مُشترک ہے۔ اقوالِ ثلاثہ میں وطی کے معنوں میں مُستعمل ہے، بغیر اِس کے کہ شرع اِس کے پہلے معنیٰ کو چھوڑ دینے کا لحاظ رکھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونو معنوں میں اِس کا استعمال حقیقت ہے۔

۳۔ لفظِ نکاح کے تیسرے معنیٰ فقہی ہیں، جس کی تعبیر فُقہاء نے مختلف عبارتوں میں کی ہے، لیکن سب کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ شارع نے عقدِ نکاح اِس لئے وضع کیا ہے کہ اُس سے خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محظوظ ہو سکے، چنانچہ نکاح کے بعد خاوند اِس انتفاع کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ حق صرف اور صرف اُسی کے لئے مخصوص ہے۔ (انتہٰی)

## نکاح میں ولی کی اہمیّت

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جو نکاح ولی یا اُس کے قائم مقام کے بغیر ہو، باطل ہو گا۔ البتہ ثیّبہ[2] کا نکاح ولی اُس سے اِذن لے کر کرے گا۔ احناف کے نزدیک صغیرہ یا کبیرہ مجنونہ کے نکاح کے لئے ولی ضروری

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب المطلقة ثلثا، جلدِ ثانی، ص ۲۴۸، مطبوعہ قدیمی کُتب خانہ کراچی

[2] احناف کے نزدیک ثیّبہ سے مُراد وُہ بالغہ عورت ہے، جس کا خاوند مرجائے یا جسے طلاق ہو جائے، شوافع کے نزدیک کم سِن بچّی، جس کا خاوند مرجائے یا اُسے طلاق ہو جائے، وہ بھی ثیّبہ کہلاتی ہے۔

ہے۔ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اُس کا نکاح بغیر ولی کے ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر غیر کفو میں نکاح ہو تو اولیاء اعتراض کی صورت میں عدالت سے فسخ نکاح کرا سکتے ہیں[1]۔ احناف کی بعض مستند روایات کے مطابق غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا، جیسا کہ آگے تذکرہ ہوگا اور فسادِ زمان کے لحاظ سے اِسی قول پر فتویٰ ہے۔

## نکاح میں ولی کی اہمیّت پر شوافع کا استدلال

شوافع کے نزدیک قرآنِ حکیم سے ولیِ نکاح کا ثبوت اِس ارشادِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے:۔ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ[2] یعنی عورتوں کو اِس امر سے منع نہ کرو کہ وُہ اپنے جوڑوں کے ساتھ باہمی رضامندی سے دستور کے مطابق نکاح کرلیں۔ اِس آیت سے اِس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کے اولیاء سے خطاب فرماتا ہے کہ تم عورتوں کو حسبِ پسند خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر اولیاء کو یہ اختیار ہی نہ ہوتا کہ وہ نکاح کرنے سے منع کرسکیں تو وہ اِس طرح خطاب نہ فرماتا، بلکہ اِس صورت میں عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرماتا کہ اگر تمہیں شادی سے منع کیا جائے تو تم خود اپنی شادی کرلو۔

حضرت امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے کہ آیتِ مذکورہ نکاح کے لئے ولی کے لازم ہونے کا صریح ثبوت ہے۔ لیکن احناف نے اِس کا جواب دو طرح سے دیا ہے، ایک تو یہ کہ وُہ اِس سے انکار کرتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں اولیاء کو خطاب ہے، بلکہ احتمال یہ ہے کہ اُن کے خاوندوں کو خطاب ہے، جو اپنی بیویوں کو طلاق دے چکے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہو۔ پہلا احتمال ظاہر ہے، اِس لئے کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے ارشاد فرمایا ہے جو بیویوں کو طلاق دے دیں کہ جب تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تو اب اُن پر یہ ظلم نہ کرو کہ وہ تمہارے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرسکیں۔ بایں طور کہ تم اُنہیں یا اُن لوگوں کو جو (اُن مطلقہ عورتوں سے)

---

[1] ملخص از کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (عربی)
[2] القرآن ۲: ۲۳۲

نکاح کرنا چاہتے ہیں، اپنی طاقت، عہدہ، اختیار اور اثر کے بل بوتے پر دھمکی دو یا پھر اُس عورت کی بُرائیاں اُچھالو اور خوبیوں پر پردہ ڈالو، جس سے رشتہ مانگنے والے اُس سے متنفر ہو جائیں۔ دوسرے احتمال کی صورت میں اِس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وُہ بے شوہر ہو جائیں اور اُن کی مدّت گزر جائے تو ٹھیک بات نہیں کہ تم اُن کی راہ میں روڑے اٹکاؤ اور اُنہیں شادی نہ کرنے دو۔ خواہ یہ رکاوٹ کسی قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہو یا کسی ایسے شخص کی جانب سے، جو کسی عہدہ دار یا بااثر شخص کی آڑ لے کر اِس نازیبا فعل کا مرتکب ہو تو اُسے روکو اور خود بھی ایسا نہ کرو، ورنہ تم بھی دوسروں کے ساتھ گناہ میں شریک ہو جاؤ گے۔

احناف کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اِس آیت میں عورتوں کو نکاح سے روکنے کی ممانعت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُنہیں نکاح سے روکنے والے گناہگار ہوں گے، اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منع کرنے والوں کو منع کرنے کا اختیار ہو۔ عورت ضعف اور کمزوری کی بنا پر حق استعمال نہ کر سکنے کی وجہ سے، نیز عادتاً اور طبعاً اپنے عصبۂ قریب اور کفیل کے زیرِ اثر اور مانوس ہونے کے سبب بطورِ خاص نکاح کے معاملے میں اظہارِ رائے سے شرم وحیا کے پیشِ نظر جھجک محسوس کرتی ہے اور حق حاصل ہونے کے باوجود اُس کے استعمال کی جرأت نہیں کرتی، پس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ مرد، عورتوں کی اِس فطری اور طبعی کمزوری وضعف سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں اور اُن کے حقوق سلب نہ کریں، بلکہ اُنہیں عورتوں کی کمزوری اور ضعف کی بنا پر نکاح میں رکاوٹ بننے سے گریز کرنا چاہیے، آیتِ کریمہ میں اَنْ يَّنْكِحْنَ کے الفاظ بصراحت نکاح کی نسبت عورت کے حقِ عمل اور مستقل اختیار کو ثابت کرتے ہیں، اگر عورتوں کو یہ اختیار نہ ہوتا تو خطابِ الٰہی یُوں ہوتا فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ تُنْكِحُوْهُنَّ اَزْوَاجَهُنَّ (ترجمہ: پس تم عورتوں کو نہ روکو اِس بات سے کہ تم اُن کا نکاح اُن کے ازواج کے ساتھ کرو، حالانکہ ایسا نہیں۔

شوافع نے احناف کے جواب میں جو احادیث پیش کی ہیں، اِس بنا پر قابلِ ترجیح نہیں کہ

---

[1] مفہوم ملخص از کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (عربی) مصنفہ علامہ عبدالرحمٰن الجزائریؒ، جلد ۴، ص ۴۴، مطبوعہ بیروت، دسویں طباعت ۱۹۶۹ء

وہ نصِ قرآنی سے متعارض ہیں۔ نیز فنکاحھا باطل، باطل، باطل، شوافع کی معرکۃ الآرا حدیث اِس لحاظ سے بھی مُوجبِ عمل نہیں کہ اِس کی راویہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا عمل (کہ اُنہوں نے اپنی بھتیجی کا نکاح بھائی سے پُوچھے بغیر کرا دیا تھا) اِس کے خلاف ہے۔

راوی کا عمل مروی کے خلاف ہو تو حدیث کی حُجیّت کو مجرُوح کر دیتا ہے، نیز امام بُخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ حدیث صحت کے معیار پر نہیں پہنچتی۔ احناف نے قرآن و حدیث میں تطبیق دیتے ہوئے اِس حدیث کو تغلیظ[1] (ڈرانے دھمکانے) اور اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کُفو میں نکاح کے بُطلان پر محمول کیا ہے اور اِس میں شک نہیں کہ اولیاء کی رضا کے سوا غیر کُفو میں نکاح نہیں ہوتا۔ چُنانچہ فُقہائے کرام نے فسادِ زمان کے پیشِ نظر اِسی قول پر فتوٰی دیا ہے۔

مذکورہ بالا بیان اور اِس روایت میں کوئی تضاد نہیں، جس کو امام بُخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار کے بارے میں ہے، جنہوں نے اپنی بہن کا نکاح کسی شخص سے کر دیا تھا، اُس کے خاوند نے اُسے طلاق دے دی اور جب دوبارہ اُس نے رجوع کرنا چاہا تو اُس کو منع کر دیا، حالانکہ وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو معقل بن یسار نے اپنی بہن کا عقد دوبارہ اُسی شخص سے کر دیا، ہر چند کہ اِس امر میں احتمال ہے کہ معقل کے واقعہ کا اِس آیت کے نزول کے ساتھ تعلق ہو، لیکن یہ آیت بہ ذاتِ خود عام مفہوم کی حامل ہے۔ لہٰذا کفاءت کا اعتبار ضروری ہے، البتہ عورت کے لئے مرد کا مماثل ہونا ضروری نہیں، وہ کم درجہ کی بھی ہو سکتی ہے، اِس لئے کہ مرد کو یک گونہ فوقیت حاصل ہے اور وہ حُقُوقِ زوجیّت کے حُصُول میں اُس پر غالب ہے، لہٰذا اُس کے لئے بیوی کا کم درجے کا ہونا غیظ و غضب کا باعث نہیں۔

## سیّدہ ہاشمیہ سے غیر سیّد کا نکاح

اِسی طرح بعض لوگ سیّدہ سے غیر سیّد کے نکاح کا فتوٰی صادر فرما دیتے ہیں۔ یہ

---

[1] دیکھئے لمعات التنقیح (عربی) مصنفہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ برحاشیہ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، کتاب النکاح، ص ۲۷۰، مطبوعہ قدیمی کُتب خانہ کراچی

بات مختصر سی ہے، مگر توجہ طلب ضرور ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قرآن کی نص سے یہ امر ثابت ہے کہ مشرکین، مشرکات سے اور مشرکات صرف مشرکین سے نکاح کر سکتی ہیں۔ یعنی ایک شخص اگر مشرک ہے تو وہ مشرکہ عورت ہی سے شادی کر سکتا ہے، مسلمان عورت سے نہیں۔ اِسی طرح اگر ایک عورت مشرکہ ہے تو وہ کسی مسلمان سے نہیں، بلکہ کسی مشرک مرد ہی سے شادی کر سکتی ہے۔ جب کوئی شخص کفر و شرک کو چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اب وہ معاشرۂ اسلامی کا ایک فرد بن چکا ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے تو کوئی حکمِ امتناعی نہیں، مگر فقہاء نے کُفو کو شرائطِ نکاح میں رکھا ہے۔ کُفو کے معنے برابری کے ہوتے ہیں یعنی شرافت و نجابت، رہن سہن، بود و باش، علم و فضل، دولت و عزت اور دوسری تمام صفات میں برابر ہونا اور اِسی لفظِ کُفو کا ذکر سورۂ اخلاص میں بھی آیا ہے: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ کہ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کا ہمسر اور برابر ہے۔

## سیّدہ کے ساتھ آدابِ معاشرت

صاحبِ نورُ الابصار غیر سیّد کے سیّدہ سے نکاح اور اُس کے ساتھ آدابِ معاشرت کے سلسلے میں مشہور محقق علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی تصنیف لطائف المنن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقد تقدّم فی هٰذه المنن انّ من الادب ان لا یتزوّج احدُنا شریفةً الّا ان عرف من نفسه انّه یکون تحت حکمها و اشارتها و یقدّم لها نعلها و یقوم لها اذا وردت علیه ولا یتزوّج علیها ولا یقتّر علیها فی المعیشة الّا ان اختارت ذٰلك ولا ینظر الیها اذا کانت اجنبیّة و هی فی الازار، ولا ینظر لوجهها اذا ابتاعت منه شیئًا، ولا ینظر الٰی رجلها اذا کان بائع الخفاف ولا تسألهٗ شیئًا و یمنعهٗ عنها الّا بطریقٍ شرعیٍّ فی جمیع الامور السّابقة و اللّاحقة و نحوها ولا یمرّ علیها و هی جالسة علی الطّرقات تسأل شیئًا یقدر علیه فلا یعطیها و نحو ذٰلك فاعلم یا اخی ذٰلك واعمل علی التّخلّق به ترشد واللّٰه یتولّی هداك۔[1]

ترجمہ۔ جیسا کہ لطائف المنن میں سابقاً مذکور ہوا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص سادات

[1] دیکھئے نور الابصار (عربی) ص ۱۰۶، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۲۲ھ

کی لڑکی سے عقد نہ کرے تا آنکہ اپنے دل میں اس بات کو راسخ کر لے کہ وہ اُس سیّدہ کے حکم اور اشارے کے تحت ازدواجی زندگی گزارے گا اور اُس کے آگے (از رُوئے احترام) جوتی پہننے کے لئے پیش کرے گا، جب وہ اُس کے سامنے آئے تو تعظیماً کھڑا ہوگا؛ اُس پر سوت لاکر نہیں بٹھائے گا، اُس پر دائرۂ معیشت اُس کی رضا کے بغیر تنگ نہیں کرے گا (اِس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے) کہ کوئی انسان کسی باپردہ اجنبی سیّدہ کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھے (اگر کوئی شخص تاجر ہو) اور اُس سے سیّدہ کوئی چیز خریدے تو وہ اُس کے چہرے کی طرف نہ دیکھے۔ پاپوش فروش انسان سیّدہ کے پاؤں کی جانب نہ دیکھے۔ مذکورہ بالا اُمور اور آگے آنے والے دوسرے معاملات وغیرہ میں بھی اِس امر کا لحاظ رکھے کہ اگر وہ (سیّدہ) کوئی چیز مانگے تو کسی شرعی تقاضے کے بغیر اُسے رد نہ کرے۔ اگر (سیّدہ) کسی راہ گزر پر بیٹھ کر سوال کرے اور انسان عطا پر قادر ہو تو اُسے کچھ دیئے بغیر نہ گزرے اور اِسی طرح دوسرے معاملات میں آدابِ سادات کا پاس رکھے۔ جانِ برادر! اِس بات کو جان لے اور کردار کی اِس روش کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر، تو ہدایت پا جائے گا اور اللہ تعالٰی تجھے ہدایت سے نوازے۔ (انتہٰی)

آج کل تو ویسے بھی لیڈیز فسٹ ( Ladies First ) پر عمل کیا جاتا ہے، اگر یہی سلوک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور خونی قرابت کو ملحوظ رکھ کر کسی سیّد زادی سے روا رکھا جائے تو کیا ایسا کرنے والے کو باری تعالٰی کی بارگاہ سے کوئی اجر و ثواب نہیں دیا جائے گا۔

## تعظیمِ رسالت کا حکم تا قیامت واجبُ العمل ہے

مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ اہلِ بیت سے حُسنِ سُلوک روا رکھا جائے اور اُن کے آداب و تعظیم کا پاس کیا جائے، محض اِس لئے کہ اُن کے رگ و پے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ اطہر گردش کر رہا ہے، سببِ عزت و تکریم سادات کی اپنی ذات نہیں، بلکہ اِس تعظیم و تکریم کے پسِ پردہ وہ ذاتِ اقدس جلوہ فرما ہے، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ[1] (ترجمہ) تاکہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور تاکہ تم اُن کی مدد کرو اور دل سے اُن

---

[1] القرآن ۴۸ : ۹

کی تعظیم کرو۔ گویا تعظیمِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نص سے ثابت ہے، جس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اگر اِس آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ اقدس اور حیاتِ مقدسہ تک کے لئے محدود و محصور سمجھا جائے تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اُس وقت تک تعظیمِ رسول کا حکم تھا، جب آپؐ بقیدِ حیاتِ ظاہری تھے، پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرما چکے تو آپ کی تعظیم نہ کی جائے۔ نعوذُ باللہ ثمّ نعوذُ باللہ۔ کون کلمہ گو اِس مفہوم کو درست مان سکتا ہے؟ اور تُوَقِّرُوْهُ جمع مخاطب کا صیغہ ہے، جس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اب تعظیم کیا ہونی چاہیئے اِس کے لئے اِتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ جس عمل اور جس قول سے سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے آثار نمایاں ہوتے ہوں، وہ سب کچھ کیا جائے مثلاً کسی بڑے آدمی، عالم فاضل فقیہ و محدّث کی آمد پر لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ قیام اُس کی تعظیم کی ایک علامت ہوتا ہے۔ اِسی طرح اگر میلاد شریف کے موقع پر مسلمان اپنے آقا و مولیٰ کی تشریف آوری (ولادت) کے وقت قیام کرتے اور درُود و سلام کے ہدایا پیش کرتے ہیں تو یہ اُمور بھی تُوَقِّرُوْهُ کے ضمن ہی میں آتے ہیں۔ جو شخص آپ کے میلادِ مُبارک کے موقع پر قیام کا قائل نہیں وہ درحقیقت تعظیمِ رسالت کی دولت سے محروم ہے اور جو تُوَقِّرُوْهُ کے حکمِ خداوندی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور صحابہؓ کے دَور تک ہی محدُود سمجھتا ہے، سخت غلطی پر ہے۔ یہ درست ہے کہ اِس اَمر کے اوّلیں مخاطب وہی تھے، جو عہدِ رسالت میں حاضر و موجود تھے، مگر اِس کے بعد یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ اگر بالفرض اِس حکم کو عہدِ رسالت تک محدُود سمجھ لیا جائے تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، روزے رکھو، حج کرو، اِن تمام احکام کو بھی جو بصیغۂ امر ہیں، صرف عہدِ صحابہؓ تک محدود ماننا پڑے گا۔ اگر ناقدین نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، روزہ رکھنے اور حج کرنے کے احکام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مُبارک تک محدود نہیں سمجھتے، بلکہ اِن احکامات کو دین میں اساسی حیثیت دیتے ہوئے تاقیامِ قیامت اِن کے واجب العمل رہنے کے قائل ہیں تو پھر اُن کے پاس تُوَقِّرُوْهُ کے حکم کو آپ کے عہدِ مقدس تک ہی محدود رکھنے کی کیا دلیل ہوگی؟ اگر کوئی ایسی دلیل نصِ قرآنی میں موجود ہو تو اُس سے ہمیں بھی آگاہ کیا جائے۔

---

# بابِ سوم

# لفظِ سیّد کا پس منظر

مصری عالم علامہ صبان کی تحقیق کے مطابق صرف پہلی صدی میں لفظِ شریف عباسیوں ، جعفریوں ، عقیلیوں اور زینبیوں کے ناموں کے ساتھ استعمال ہوا۔ جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہوا کہ اہلِ بیت کے وسیع تر معنوں میں مذکورہ خاندان بھی آتے ہیں یا اُنہیں اہلِ بیت کا قریبی رشتہ دار بھی کہا جا سکتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کے لئے لفظِ شریف (جو عُرف میں بمعنی سیّد آتا ہے) استعمال نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسنؓ کو ابني هٰذا سيّدٌ[1] فرمایا، ابني هٰذا شريفٌ نہیں فرمایا۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ کو سيّدة نساء أهل الجنة[2] فرمایا، شريفة نساء أهل الجنة نہیں فرمایا۔ اور یہ لفظ (سیّد) اِن حضرات کے علاوہ نہ اپنے چچا حضرتِ عباسؓ کے لئے استعمال فرمایا نہ جناب عقیلؓ اور نہ جناب جعفر طیارؓ کے لئے۔ البتہ اپنے چچا حضرتِ حمزہؓ کے لئے سیّد الشہداء کا لفظ ضرور ارشاد فرمایا۔ احادیثِ مبارکہ کی روشنی اور کُتبِ سیرت کے مطالعہ سے یہ امر متحقق اور ثابت ہو جاتا ہے کہ سیّد کا خصوصی شرف صرف اور صرف جناب فاطمہؓ اور حسنینؓ کی اولاد کے لئے ہے۔

پہلی صدی میں چونکہ لفظِ شریف بمعنی معزز و مکرم بھی استعمال کیا جاتا تھا، جیسا کہ آج بھی مکہ و مدینہ میں شریفِ مکہ اور شریفِ مدینہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ لفظِ شریف کا بہ معنی معزز و محترم استعمال ہونا اور بات ہے مگر بمعنی سیّد استعمال ہونا بالکل الگ چیز ہے، جو آج تک تاریخ سے ثابت نہیں۔ چلیئے! کچھ دیر کے لئے عباسی عقیلی وغیرہم کو ہم شریف بھی کہہ دیتے ہیں، مگر پھر یہ کیا وجہ ہے کہ اُنہوں نے وہ لفظ اپنے ناموں کے ساتھ لکھنا یا بولنا ترک کر دیا، جو پہلی صدی میں اُن کے ناموں کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُن کو شریف کا لقب نہیں دیا۔ اگر احادیث میں کہیں اِس کی روایت ملتی ہے تو مطلع کیا جائے۔ چونکہ آپ نے عباسیوں وغیرہم کو سیّد کے لقب سے نہیں نوازا، اِس لئے اُنہوں نے لفظِ شریف ہی کے استعمال کو غنیمت سمجھا مگر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سادات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لفظِ سیّد عطا ہو چکا تھا تو فاطمیوں کے عہدِ حکومت میں لفظِ شریف کو صرف حسنینؓ کی اولاد کے لئے مخصوص و محدود کیوں کیا گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہلِ بیت، ص ۵۶۸، مطبوعہ کانپور
[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب مناقبِ اہلِ بیت، ص ۵۶۹، مطبوعہ کانپور

عرب میں سیّد کا لفظ بمعنی نسب استعمال نہیں ہوتا تھا' جیسا کہ سطورِ بالا میں تفصیلاً مذکور ہوا۔ رفتہ رفتہ عجم میں یہ لفظ بہ طورِ علامتِ نسب سادات کے ساتھ مختص ہوتا گیا۔ اب اگر کسی کو سیّد کے بجائے شریف کہا جائے، تو لوگ یہ نہیں سمجھیں گے کہ اس سے مُراد اولادِ رسول ہونا ہے یا مطلق شریف آدمی۔ چونکہ شرافت و شرف کا محور و مرکزِ اوّل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ جلیلہ تھی' اس لئے شریف کہلانے کے بھی وہی زیادہ مستحق ہوسکتے تھے' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتے کے لوگ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ حضرتِ عباسؓ، جنابِ عقیلؓ اور جنابِ جعفر طیارؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریبی رشتہ نہیں' جتنا سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمینؓ کا ہے۔ کہاں چچا کا رشتہ؟ کہاں چچازاد کا رشتہ؟ اور کہاں حقیقی بیٹی اور سگے نواسوں کا رشتہ؟ اس لئے فاطمیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں لفظِ شریف کو بھی اپنے ہی لئے مخصوص کر لیا' اس لئے کہ محور و مرکزِ شرافت و شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتے میں وہی حضرات ہوسکتے تھے' جو حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کی صُلبی اولاد سے ہوں۔ اگر اولادِ فاطمہؓ اور حسنینؓ کے ہوتے ہوئے عباسی' جعفری' عقیلی اور زینبی بھی شریف ہی کہلاتے تو پھر دُور اور نزدیک ترین رشتوں کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی کیا صُورت باقی رہ جاتی؟ لہٰذا فاطمیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں لفظِ شریف کو اولادِ حسنؓ و حسینؓ کے لئے محدود کر دیا' اس لئے کہ یہی افراد اس کا سب سے زیادہ حق رکھتے تھے۔

## عرب میں لفظِ شریف کا استعمال

جیسا کہ مذکور ہوا آج بھی عرب ممالک میں اولادِ رسول کو سیّد کے بجائے شریف کہا جاتا ہے اور ہمارے ہاں ہند و پاک میں اُنہیں سیّد یا آلِ رسول کہا جاتا ہے اور اُنہیں سیّد کہنا اس لئے غلط نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سادات کے اجدادِ اعلیٰ جناب حسنؓ و حسینؓ کو اس لقب اور امتیازی خطاب سے نوازا تھا۔ شاید عباسی اور ہاشمی حضرات نے کہیں یہ روایت پڑھی ہو کہ پہلی صدی میں چونکہ اُن کے خاندان والوں کے اسماء کے ساتھ بھی لفظِ شریف بولا اور لکھا جاتا تھا' اس لئے آج چودہ سَو سال کے بعد وہ اس دفن شدہ روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اگر اس روایت کو زندہ کرنے کا اُنہیں اتنا ہی شوق ہے تو اپنے ناموں کے ساتھ شریف لکھ لیا کریں' سیّد کیوں لکھتے ہیں؟ مگر اُنہیں معلوم ہے کہ اگر شریف کا لفظ لکھا یا بولا جائے تو عوام پر وہ رُعب نہیں پڑتا جو لفظِ سیّد کے سُننے سے پڑتا ہے' اس لئے وہ اپنے اسلاف کی روایت کو بھی خیرباد کہہ گئے۔ ماشاءاللہ

سعادت مند اولاد کی نشانیاں یہی بتائی جاتی ہیں۔

اگر وہ خود کو شریف یا سیّد بھی کہہ لیں تو بنو فاطمہ کبھی نہیں بن سکتے۔ عبّاسی سید، عقیلی سیّد، جعفری سیّد، زینبی سیّد یا اس کی جگہ عبّاسی شریف، عقیلی شریف لکھ بھی لیں تو یہ اُن کی یا اُن کے اجداد کی اپنی اختراع ہی تصوّر کی جائے گی نہ کہ اُسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا فرمودہ لقب تسلیم کیا جائے گا۔ بات اتنی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسے سیّد کہا؟ جب ہر سعادت کا مرکز و ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے تو ہر خاندان کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کیا لقب عطا فرمایا۔ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے سے کیا حاصل؟

مصری عالم الشیخ محمد الصبّان کے مذکورہ بالا قول کے بعد مزید کسی تفصیل کی ضرورت و احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ محمد الصبّان کا قول بطورِ سند کیوں تسلیم کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہی محمد الصبّان عبّاسیوں، عقیلیوں اور جعفریوں کے لئے یہ سند لکھ دیتے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا دُور کا رشتہ ہی سہی مگر ہے تو، اس لئے انہیں بھی سادات کہا جا سکتا ہے تو کیا ایسی صورت میں عبّاسی اور ہاشمی حضرات اِن کو بطورِ سند پیش نہ کرتے؟ اب چونکہ اُنہوں نے احادیث و تاریخ کی روشنی میں فیصلہ اِن سب کی مرضی و منشاء کے برعکس دیا تو وُہ غیر مستند ہو گئے۔ آج کل کے مسلمان تو قرآن و حدیث کی تکذیب کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے، اگر ان کو کوئی حدیث یا قرآنی آیت اپنے موقف و مسلک کے خلاف مل جائے تو کہتے ہیں: یہ کیسی مساوات اور کیسا نظامِ عدل ہے؟ اب ایسے کج اندیش اور عقل کے اندھوں کے سامنے محققینِ اُمّت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ بہرحال جو اہلِ علم ہیں اور جنہیں یہ معلوم ہے کہ قرآن و حدیث، آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ، اجماع و قیاس اور دیگر شعائرِ اسلامی کا کیا مرتبہ و مقام ہے، ایسے اربابِ دانش و انصاف ہی اسلاف کے فیصلوں، آراء اور تبصروں کو سند کا درجہ دے سکتے ہیں ؎

چشمِ بلبل لائقِ دیدارِ رُوئے گل بود ۔۔۔ در نگاہِ زاغ و کرگس وقعتِ گلزار نیست (راقم الحروف)

## قریشی، ہاشمی اور سیّد کی بحث

قریشیوں اور ہاشمیوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ سیّد یعنی بنو فاطمہ بھی ہوں، مگر اس کے برعکس بنو فاطمہ سیّد ہونے کے ساتھ قریشی اور ہاشمی بھی ہوں گے اس لئے کہ حضور سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش سے تھے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیلؑ میں سے کنانہ کو چُنا

۱؎ مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری شریف، باب فضائل سید المرسلین جلد ثانی ص ۵۱۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

اور ترمذی کی روایت ہے کہ اولادِ ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کو اور اولادِ اسماعیلؑ سے بنوکنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور مجھے بنو ہاشم سے چن لیا یعنی فضیلت دی۔ لہٰذا آپ کی اولاد قریشی اور ہاشمی بھی ضرور ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف اور دیگر اکثر ائمۂ فقہ کے نزدیک قریشی اور ہاشمی سادات بنو فاطمہ کے کفو ہیں۔ اگرچہ بعض فقہآ نے بنو فاطمہ کو افضلیت دیتے ہوئے ہاشمی اور قریشی خانوادوں کو ان کا کفو نہیں مانا۔ بہرحال جمہور فقہآ کے نزدیک ہر دو خاندان مذکورہ سادات بنو فاطمہؓ کے کفو ٹھہرائے گئے، جس کا تفصیلی ذکر کفو کے باب میں گزر چکا ہے۔ جس طرح سید کے لئے ضروری ہے کہ وہ قریشی اور ہاشمی بھی ہو اسی طرح قریشی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہاشمی اور سید بھی ہو جب کہ ہاشمی کے لئے قریشی ہونا ضروری ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ ہاشمی سید بھی ہو۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو سیدُ السادات اور سیدُ الکونین ہیں۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے لئے یہ امر باعثِ فخر و مباہات تو ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریشی اور پھر بنو ہاشم سے تھے، مگر آپ کے لئے آپ کا اپنا منصب ہی باعثِ اختصاص و امتیاز ہے۔ آپ کو کسی دوسرے سہارے اور انتسابی شرف کی حاجت نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ آپ اپنے دَور کے دیگر قبائل میں ایسے مشہور قبیلے (یعنی قریش اور پھر بنو ہاشم) سے تھے، جنہیں اُس زمانے میں بہ نگاہِ احترام دیکھا جاتا تھا۔ قریش اور بنو ہاشم کو دیگر قبائلِ عرب پر جو امتیاز و برتری حاصل تھی، وہ ایسی مسلّم حقیقت ہے، جس کا انکار ممکن نہیں۔ اِس بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی موجود ہیں، جو مناقبِ قریش و بنو ہاشم کے ضمن میں ذکر کر دی گئی ہیں۔ اِسی لئے بعض شعرا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی شانِ رسالت اور دیگر خصائص کے علاوہ آپ کی خاندانی نسبت سے بھی یاد کیا۔ مثلاً جامی کہتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| لی حبیبٌ عربیٌ مدنیٌ قرشی | کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی |
| فہم رازش چہ کنم اُو عربی من عجمی | لافِ مہرش چہ زنم اُو قرشی من حبشی |

اِسی طرح قدسی کی مشہور نعت کا مصرع ہے۔ ؎

اَے قریشی لقب و ہاشمی و مُطلبی

اُس دَور کے قریش کو دیگر اقوام پر جو شرف حاصل تھا اس کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک پُوری سُورۃ قریش کے بارے میں اُتری یعنی سُورۃ قریش۔ بعض روایات میں قریش کی فضیلت کے دیگر اسباب میں سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قریش کے علاوہ سارے قرآن میں کوئی سُورۃ کسی قبیلے یا خاندانی

نام پر نہیں اُتری۔ چنانچہ مشہور فقیہ اور محدث علامہ شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر الہیتمی المکی الشافعیؒ (م ۹۷۴ھ) فضیلتِ قریش کے سلسلے میں طبرانی کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وفی روایۃٍ للطبرانی فضّل اللّٰہُ قریشًا بسبع خصالٍ فضّلھُم بانّھُم عبدُوا اللّٰہَ عشر سنین لا یعبدُ اللّٰہَ الا قریشیٌّ وفضّلھُم بانْ نصرھُم یومَ الفیلِ وھُم مُشرِکُون وفضّلھُم بانْ نزلت فیھم سُورۃٌ مِنَ القرآنِ لم یدخل فیھا احدٌ غیرُھُم مِنَ العالَمینَ وھی لِاِیلٰفِ قُرَیْشٍ وفضّلھُم بانّ فیھِمُ النُّبُوَّۃَ والخلافۃَ والحِجابۃَ والسِّقایۃَ

(ترجمہ) طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات وُجُوہ کی بنا پر قومِ قریش کو فضیلت بخشی ہے

۱۔ اُنہوں نے دس سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جب کہ اُس وقت قریشیوں کے سوا اللہ کی عبادت اور کوئی نہیں کرتا تھا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے یوم الفیل میں اُن کی نصرت و مدد فرمائی ایسی حالت میں کہ وہ مُشرک تھے۔
۳۔ اُن کے لئے قرآن مجید میں ایک مستقل سُورۃ نازل ہوئی جس میں دنیا کی کسی قوم کا فرد داخل نہیں اور وہ سُورۃ قریش ہے۔
۴۔ نبوّت اِن میں آئی۔
۵۔ خلافت اِن میں ہے۔
۶۔ بیتُ اللہ کی دربانی اور تولیت کا شرف انہیں سے مخصوص ہے۔
۷۔ حُجّاج کو آبِ زمزم پلانے کا عُہدہ انہیں سے مختص ہے۔

یہ شرف صرف قریش کو حاصل ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ قریش کو یہ شرف بھی سیّدُ الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر کے طفیل ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قومِ قریش سے نہ ہوتے تو قرآن میں اُس قوم یا خاندان کا ذکر کیا جاتا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہوتا۔ بہر حال قریش اور بنو ہاشم کے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے ہیں۔ قریش یا بنو ہاشم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ شرف نہیں، بلکہ آپ تو جس خاندان میں پیدا ہوتے اُسی خاندان کو فضیلت و شرف کی معراج حاصل ہو جاتی۔ بنو ہاشم اور قریش اِسے اپنی خوش بختی سمجھیں کہ غیب سے یہ سعادت و شرف اُن کے حصّے میں آ گئے۔

---

لہ دیکھئے الصواعق المحرقۃ، ص ۱۱۶ مطبوعہ مصر، سن طباعت ۱۳۰۷ھ

چیزے کہ انبیا را حاصل نہ بود کُلّی
آں کار بے مشقت آساں شدہ است مارا

(احمد جام زندہ پیل)

# لفظِ قُریش کی تحقیق

اربابِ لُغت قریش کی تحقیق کے ضمن میں لکھتے ہیں:- القَرشُ الجمعُ والکسبُ، ابنِ سیدہ: قَرَشَ قرشاً جَمَعَ وضَمَّ مِن ھُنا وھُنا وبِہٖ سُمِّیَتْ قریشٌ وتَقَرَّشَ القومُ تجمّعُوا۔ وقرش یقرش ویقرش قرشاً واقترش وتقرّش۔ جَمَعَ واکتَسَبَ والتقریش الاکتساب[1]

یعنی القرش کے معنیٰ جمع کرنے اور کمانے کے ہیں۔ ابنِ سیدہ نے کہا قرش کے معنیٰ یہاں وہاں سے جمع کرنے اور ملانے کے ہیں۔ قریش کا اسی وجہ سے قریش نام پڑا۔ اور تقرّش القومُ کے معنیٰ اُس کے جمع ہونے کے ہیں اور یقرشُ قرشاً اقترشَ کے معنیٰ جمع کرنے اور کمانے کے ہیں اور تقریش کمانے کو کہتے ہیں۔

شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لفظِ قریش کے سلسلے میں لکھتے ہیں: "وقریش قبیلہ خاص است از عرب دراصل نامِ ولدِ نضر بن کنانہ است۔ نام کردہ شد بنامِ پدر اُو، دراصل نامِ دابہ ایست قوی ترین دواب دریا۔ گویند در دریا ماہی ست کہ می خورد ماہیاں را و ہیچ ماہی بر وے غلبہ نتواند کرد۔ و معانی دیگر نیز گفتہ اند و مشہور است ایں کہ گفتہ شد۔"[2] (ترجمہ) اور قریش عرب کا ایک قبیلہ ہے دراصل یہ نضر بن کنانہ کے لڑکے کا نام تھا پھر اس کی وجہ سے خاندان کا نام پڑ گیا اور دراصل دریائی جانوروں میں سے ایک قوی ترین جانور کو قریش کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دریا میں ایک مچھلی ہوتی ہے، جو دوسری مچھلیوں کو کھا جاتی ہے اور کوئی مچھلی اُس پر غلبہ نہیں پا سکتی، اِس کے علاوہ بھی اس کے معنیٰ ہیں، مگر مشہور یہی ہے، جو کہا گیا۔

حکیم فیض عالم صدیقی اور اُن کے ہم خیال خوارج کو اِس بات کا بہت دُکھ ہے، لیکن اِس میں نہ تو پریشان ہونے کی کوئی بات ہے اور نہ اِس فکر میں شب و روز ناحق اپنی صحت خراب کرنے کی ضرورت ہے بلکہ حسبِ ذیل

---

[1] دیکھئے لسانُ العرب مصنفہ امام ابی الفضل جمال الدین ابن منظور الافریقی المصری جلد ۶، ص ۳۳۴ مطبوعہ دار صادر بیروت
[2] دیکھئے اشعۃ اللمعات (فارسی) مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد ۴، ص ۸۱۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

سطور کو غور سے پڑھیئے، آپ کو محمود عباسی صاحب کی پوری کتاب کا جواب مل جائے گا کہ مسئلے کی حقیقی صورت کیا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ قریش کی تعریف فرمائی اور لغت کی کتابوں میں اس لفظ یعنی قریش کے بہت سے معانی لکھے ہیں چنانچہ مشہور امام نحو فراء کے قول کے مطابق لفظ قریش، قَرَش سے بنا ہے جس کے معنیٰ ادھر اُدھر سے چیزیں جمع کرنا اور سمیٹنا ہیں اور بعض نے کہا کہ قریش چونکہ حرم میں جمع ہوا کرتے تھے اس لئے اُن کا یہ نام پڑ گیا۔ اسی سے تَقَرَّشَ الْقَوْمُ ہے، یعنی لوگ اکٹھے ہوئے۔ بعض نے کہا کہ وہ سامانِ تجارت کے خریدنے میں جلدی اور پہل کرتے تھے اس لئے قریش کہلائے کیونکہ تَقَرَّشَ کے معنیٰ سامانِ تجارت کو پہلے خریدنے کے ہیں۔ بعض نے کہا نضر بن کنانہ (قریش کے جدِ امجد) ایک دن کپڑے میں لپٹ کر سمٹ گئے، اس لئے اُن کا نام قریش پڑ گیا۔

## لفظِ سیّد کی تحقیق

سَیِّد اصل میں سَادَ یَسُوْدُ فَھُوَ سَیْوِدٌ تھا۔ واؤ کو یا بنا کر ادغام کرنے سے بہ تشدید الیاء بنا۔ اس کا اطلاق ان معانی پر ہوتا ہے۔ رب، مالک، شریف، فاضل، کریم، حلیم، اور اپنی قوم کی ایذا کو برداشت کرنے والا رئیس۔ ابن شمیل کہتے ہیں جو شخص دوسروں پر عقل و مالی رفع و نفع میں فوقیت رکھتا ہو، وہ سید ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک السّیّد اُسے کہتے ہیں جس پر غصہ اور غضب غالب نہ ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سید عابد، متورع اور حوصلہ مند کو کہتے ہیں، چونکہ حقیقی سیادت یعنی کرم، ملکیت اور حلم جیسی صفات کاملہ اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ تواضع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قول پر کہ آپ سید العرب ہیں ارشاد فرمایا: اَلسَّیِّدُ ھُوَ اللّٰہُ، کہ حقیقی سید تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابو منصور کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے بالمشافہ مدح کو پسند نہ فرمایا۔ ویسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ انصار کے ایک قبیلہ کے رئیس (حضرت سعدؓ بن معاذ) کے مجلس میں آنے پر اُس کی قوم سے فرمایا۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ[1]۔ اپنی قوم کے سردار کی تعظیم کے لیے اُٹھو۔ اور اپنے متعلق فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن اس پر مجھے کوئی فخر نہیں، اس

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، جلد ۲، باب القیام، ص ۴۰۳

لیے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان و کرم ہے اپنا ذاتی کمال نہیں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا آپ کی اُمت میں سید کون ہے تو ارشاد فرمایا جسے اللہ تعالیٰ مال اور سماحت یعنی جوانمردی عطا کرے۔ اور وہ اُس نعمت کا شکر کرے۔ نیز بادشاہ، سخی، غلام کے مالک اور عورت کے خاوند پر بھی سیّد کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اِس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے۔ وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ[1]۔ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ سَیِّدُنَا اَیْ رَئِیْسُنَا وَالَّذِیْ نُعَظِّمُہٗ[2]۔ وہ ہمارا سید ہے یعنی وہ رئیس ہے اور ہم اُس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ابوزید نے یہ شعر بطورِ شہادت پڑھا ہے

سَوَاءٌ سَیِّدُنَا وَ سَیِّدُ غَیْرِنَا
صِدْقُ الْحَدِیْثِ فَلَیْسَ فِیْہِ تَمَارِیْ

یعنی سوار ہمارا اور ہمارے سوا دوسروں کا قابلِ تعظیم رئیس ہے۔ یہ سچی بات ہے، جس میں جھگڑا نہیں۔ گویا سیّد کا لفظ عرب میں مختلف معانی میں مستعمل رہا۔ تشریح مذکورہ بالا سے مقصود یہ تھا تاکہ قارئین کو اُس کے لغوی معنیٰ اور اُس کے مقامات و مراتب کا اندازہ ہو سکے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰہَ وَسَوِّدُوْا اَکْبَرَکُمْ یعنی اللہ سے ڈرو اور تمہاری قوم میں جو بڑا ہو اُسے اپنا سردار سمجھو۔ یہ بزرگی بہ اعتبارِ علم و فضل بھی ہو سکتی ہے اور بہ اعتبارِ عمر بھی۔ اِس کی تائید میں حضرت سعدؓ بن معاذ والی حدیث اوپر گزر چکی ہے، جس میں آپ نے اُن کے مجلس میں آنے پر قوم سے فرمایا کہ اپنی قوم کے سردار کے لیے اُٹھو۔ محمود عباسی اینڈ کمپنی اولادِ رسول کے لئے لفظِ سید کو مخصوص نہ رکھنے کی کوشش میں عجیب و غریب باتیں اور روایات پیش کرتے ہیں تاکہ کسی طرح لوگوں کے ذہن اِس موقف سے ہٹ جائیں۔ یہ حضرات جس حدیث شریف سے استناد کرتے ہیں ہم وہ بھی تحریر کیے دیتے ہیں۔ اِس حدیث میں لفظِ سید کی تحقیق کے تحت علامہ ابو الفضلؒ لکھتے ہیں:-

## حدیثِ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ سَیِّدٌ کی تصریح

وفی الحدیث کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ سَیِّدٌ۔ تمام اولادِ آدم سید ہے۔ اِس حدیث کے تحت تو عباسی اور صدیقی

---

[1] القرآن ۱۲: ۲۵

[2] دیکھئے لسان العرب (عربی) مصنفہ علامہ ابو الفضل جمال الدین الافریقی المصری جلد ۳، ص ۲۲۸۔۲۲۹ مطبوعہ بیروت

[3] دیکھئے لسان العرب جلد ۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ بیروت

صاحبان بھی سید کہلا سکتے ہیں، خاص طور پر وہ صاحبان جو نسباً سید نہیں ہوتے مگر پہلے پہل اپنے نام کے ساتھ صرف صاحبزادہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور پھر مرحلہ وار ترقی فرما کر سید لکھنے اور کہلوانے کے درپے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے اب مزید پریشان اور نسب بدلتے میں ہلکان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں رہی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا کہ تمام اولادِ آدم سید ہے۔ مگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس ارشادِ مبارک سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انسان جو حضرتِ آدمؑ کی ذُرّیت سے ہے، دیگر مخلوقِ خدا مثلاً جمادات و نباتات و حیوانات وغیرہم کی نسبت سید ہے یعنی افضل ہے، سردار ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اُسی کے لئے تو پیدا کیا گیا ہے ۔

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک　　(اقبالؒ)

اگر یہاں سید کے وہی معنٰی مراد لیے جائیں جو شرف و فضیلت کے ساتھ مخصوص ہیں، تو پھر اولادِ آدمؑ میں خود سید الانبیاء بھی ہیں۔ کیا تمام اولادِ آدمؑ کی سیادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مساویانہ طور پر شریک سمجھے جائیں گے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ سے مذکورہ بالا مضمون کی تطبیق کیسے ہو گی؟ ایک طرف تو آپ پوری نسلِ انسانی کو سید فرما رہے ہیں۔ اور دوسری جگہ خود کو اولادِ آدمؑ کا سردار فرما رہے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا یہی مطلب ہو گا کہ اولادِ آدم دیگر تمام مخلوق کی نسبت جس میں جمادات، نباتات اور حیوانات شامل ہیں، سید ہے اور اگر اب بھی آپ حدیثِ مذکور کے ظاہری معنٰی ہی لیتے ہیں تو پھر یہ بتائیں کہ اگر اس حدیث کے مطابق ساری اولادِ آدم سید ہے تو اس میں کفار، مشرکین، ملحدین، زنادیق، فاسق و فاجر، زانی، شرابی سب لوگ ہیں۔ کیا انہیں بھی سید کہا جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیائے سابقین بھی اولادِ آدمؑ ہی سے ہیں، تو کیا اُن سب کی سیادت کا مرتبہ یکساں ہو گا؟ ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کو سیدِ اولادِ آدمؑ فرما رہے ہیں اور دوسری طرف تمام اولادِ آدمؑ کو سید فرما رہے ہیں۔ اگر ظاہری معنٰی مراد لیے جائیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جداگانہ طور پر اپنے آپ کو اولادِ آدمؑ کا سید کیوں فرمایا؟ آپ اسی بات پر اکتفا فرما دیتے کہ تمام اولادِ آدمؑ سید ہے۔ اِس میں آپ خود بھی شریک ہو جاتے، مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا، بلکہ اپنی سیادت کا بطورِ خاص الگ ذکر فرمایا جو بلاشبہ سیادتِ حقیقی ہے اور آپ کے ساتھ مختص ہے۔ عظمتِ انسانی کے بیان کے ضمن میں عمومی طور پر اولادِ آدمؑ کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا تاکہ اُسے اُس کی عظمت اور دیگر مخلوق سے اُس کے امتیاز و اختصاص کا شعور و

احساس ہو۔ مزید سمجھانے کے لیے دوسری مثال یہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے تمام انواع و اقسام پر شرف و فضیلت رکھتا ہے، یہ حکم کسی ایک شخص یا کسی مخصوص انسان کے لیے نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ اگر ہر مُشرک، کافر، فاسق و فاجر یہ کہے کہ بھائی مجھے کون بے وقوف مُشرک، کافر، زندیق، بدکار، زانی اور شرابی کہتا ہے، مَیں تو اشرفُ المخلوقات ہُوں۔ تو کیا اُس کا یہ کہنا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اگر اُس کے کہنے کو درست تسلیم کیا جائے تو مخلوقات میں تو عرشِ عظیم، کعبۃُ اللہ، بیتُ المقدس اور بیتُ المعمور بھی ہیں۔ تو کیا نعوذ باللہ ایسا بدکردار اور مُشرک انسان اِن سے بھی زیادہ شرف والا ہوگا؟ جس طرح اشرف المخلوقات میں سے کوئی انسان انفرادی طور پر خود کو صاحبِ شرف سمجھنے کا حق نہیں رکھتا، اِسی طرح كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ سَيِّدٌ سے کوئی انسان انفرادی طور پر خود کو سید نہیں کہلا سکتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حدیث میں انسان کو من حیث المجموع سید فرمایا ہے نہ کہ فرداً فرداً۔ پھر یہ کہ اِس حدیث کے مطابق انسان کی سیادت بہ مقابلہ دیگر مخلوقات مقصود ہے، جیسا کہ تفصیلاً مذکور ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جنابِ حسنؓ کو بطورِ خاص اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ فرمایا اور جنابِ فاطمہؓ کو سیّدہ کا لقب دیا اور پھر مجموعی طور پر حسنینِ کریمینؓ کو سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ اگر كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ سَيِّدٌ سے آپ کی مراد وہی سیادت ہوتی جس کا اظہار دوسری حدیث میں اپنی ذات کے لئے فرمایا یا حسنینؓ اور سیّدہ فاطمہؓ کے لئے لفظِ سیّد فرمایا تو پھر یہ سب کچھ الگ فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ سَيِّدٌ میں آپ سمیت یہ سب حضرات شامل ہی تھے۔ ثابت ہوا کہ سیادتِ نوعِ انسانی اور ہے، آپ اور آپ کے اہلِ بیت کی سیادت کی نوعیت کچھ اور ہے۔ اولادِ آدمؑ کی سیادت دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں ہے تو اہلِ بیت کی سیادت دیگر تمام اُمت کے مقابلہ میں ہے۔ کہاں وہ سیادت اور کہاں یہ سیادت۔ ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

الفاظ کی سطحی ہیئت کو اختیار کرنے اور محض ظاہر بیں نگاہوں سے دیکھنے کا یہی تو نتیجہ ہوتا ہے کہ جہاں ایک ہی لفظ کو دو مقامات پر استعمال ہوتے دیکھا تو دونوں کو ایک سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُطلق انسان کو بھی سید فرمایا، خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی، تو گویا ہم سب کی سیادت برابر ہے، کیونکہ تینوں پر سید کا لفظ بولا گیا ہے، یہ سراسر حماقت و جہالت ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا، یار لوگوں نے گلے پھاڑ پھاڑ کر کہنا شروع کر دیا کہ بھائی ہم بھی بشر ہیں اور ہمارے دادا جنابِ آدمؑ بھی ابوالبشر ہیں۔ اور چونکہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بشر ہی کہا گیا ہے اِس

لئے ہم سب کی بشریت یکساں درجہ رکھتی ہے، جیساکہ ہم اپنی تصنیف رسم و رہِ منزل ہا میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں کہ اگر بشریت سب کی برابر ہے تو کیا وجہ ہے کہ سب یہ تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر تھے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بشر ہیں، اگر کسی میں جرأت ہے تو یہ کہہ کر دکھائے۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ حدیثِ مذکورہ بالا کے مطابق تمام اولادِ آدم سیّد ہے۔ لہٰذا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سیّد ہوں تو یہ بھی کفر ہوگا۔ اگر کوئی انسان خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بشر اور آپ جیسا سیّد نہیں کہہ سکتا تو معلوم ہوا کہ اس بشریت اور اس سیادت کا مقام ہی کچھ اور ہے۔ بعض عقل کے اندھے اور بدبخت جو ہرزہ سرائیاں کرتے ہیں وہ اپنی عادتِ قبیحہ سے مجبور ہیں، ورنہ کسی میں یہ جرات کہاں کہ وہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بشر کہے! یا خود کو آپ جیسا سیّد کہے اور پھر مسلمان بھی رہے اور پاکستان میں بھی۔

اکبر الٰہ آبادیؒ کے شعر میں کچھ تصرف کے ساتھ عرض ہے ؎

حضرت کی ہرزہ لائی کچھ مستند نہیں ہے
کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

## بارگاہِ رسالت کے عطا فرمودہ القاب

اب مقامِ غور و انصاف ہے کہ حضور سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن ذواتِ مقدسہ کو انفرادی طور پر سیّد کے لقب سے نوازیں تو وہ خود کو اس عطا کے مطابق سیّد کیوں نہ کہلوائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جناب علیؓ کو ابوتراب اور جناب عبد الرحمٰنؓ کو ابوہریرہ کے القاب سے نوازا تو اس کے بعد یہ حضرات اپنے نام سے پکارے جانے کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ فرماتے کہ ہمیں اسی لقبِ مبارک سے بلایا جائے جو بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا ہے، چنانچہ مسلم شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ ماکان لعلی اسمٌ احبُّ الیہ من ابی تراب وان کان لیفرح اذا دعی بھا۔ کہ حضرت علیؓ کے نزدیک ابوتراب سے بڑھ کر کوئی نام پسندیدہ نہ تھا اور جب انہیں ابوتراب کہہ کر پکارا جاتا، تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ اسی طرح جب سیّدہ کا لقب حضرتِ فاطمہؓ اور جناب حسنینؓ کو بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا ہے تو پھر ان کو اور ان کی اولاد کو اس لقب سے کیوں نہ بلایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

له دیکھئے مسلم شریف، باب مناقب علیؓ، جلد ثانی، ص ۲۸۰ مطبوعہ اصح المطابع دہلی، سن طباعت ۱۳۷۶ھ

کی زبانِ اطہر کی تاثیر کا یہ معجزہ بھی دیدنی ہے کہ لفظِ سیّد جو عرب میں مختلف معانی میں بولا اور لکھا جاتا تھا، آپ کی اولاد کے لئے صدیوں سے علامتِ نسب بلکہ بطورِ نسب زباں زدِ خلائق ہے۔ یہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ اطہر کا معجزہ ہے اور معجزہ کی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ خرقِ عادت ہوا کرتا ہے۔ اگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حسنینؓ اور فاطمہؓ کو سیّد نہ فرماتے، بلکہ دوسرے لوگ اُن کو یا اُن کی اولاد کو سیّد کہتے تو ایک بات بھی تھی اور معترض کا اعتراض بھی بجا تھا، مگر جب آپ کی زبانِ معجز بیان سے یہ لفظ نکل گیا تو ظاہر ہے کہ اُسے معجزانہ حد تک ہی مشہور اور مقبول ہونا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو زبانِ معجز بیان کی تاثیرات محلِ نظر ہو جاتیں۔ اگر کسی کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات کا انکار ہے تو وہ بدبخت پہلے توبہ کرے۔ دوبارہ کلمہ پڑھے اور مسلمان ہو، کیونکہ آپ سیّدُ الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں، اِس لئے آپ کے معجزات کے اندازہائے ظہور بھی صورتِ اعجاز لامحدود ہیں، اگر اُنگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اُنگلی سے اشارہ فرما کر اشجار کو بلایا تو وہ سر کے بل دوڑ کر حاضرِ خدمت ہوتے، نگاہ آسمان کی طرف اُٹھ گئی تو اعجازِ نگاہ دیکھئے کہ فوراً رسائی نگاہ کی تصدیق قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ[1] کی آیت سے کر دی گئی جسمِ اطہر پر آفتاب نے اپنی تمازت کا پرتو ڈالنا چاہا تو قدرت نے فوراً بادلوں کو حائل کر دیا تاکہ سورج آفتابِ نبوّت کا سامنا کرنے کی گستاخی نہ کر سکے اور وہ خود جس کے نقشِ کفِ پا کا عکس ہے اُس پر یہ عکس اُفگنی چہ معنی دارد جس ذاتِ مقدسہ کا پورا جسمِ پاک اعجاز بار ہو گیا اُس کی زبانِ مبارک کا اعجاز اپنا کہا نہیں منوائے گا؟ جس کی خاموشی تک کو یہ اعجاز حاصل ہو کہ وہ پتھروں میں گویائی پیدا کر دے تو اندازہ کیجئے کہ اُس کے کمالِ گویائی اور اُس کے حرف و صوت کا مرتبۂ اعجاز کیا ہوگا۔ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اعجازِ مکمّل ہے اور پھر جب خود ایک صاحبِ اعجاز اپنی ہی اولاد کے لئے کچھ فرما دے تو اُس اعجاز کا مرتبہ کیا ہوگا۔ یعنی اگر صاحبِ اعجاز ایک پتھر کو گوہر کہہ کر گوہر کر دے تو سب اُسے گوہرِ آبدار کہیں گے اور جب وہ چند حقیقی گوہروں کے بارے میں صرف یہ کہہ دے کہ یہ گوہر ہیں تو کیا یہ بات اعجاز کی حد تک مشہور و مقبول نہ ہوگی؟ ان مثالوں کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا شرفِ صحبت صحرائے عرب کے بدوی شتربانوں اور چرواہوں کو جلیل القدر اصحاب کا یہ رتبہ دے سکتا ہے کہ اُن کے سامنے ساری اُمّت کے اکابر کی گردنیں خم ہیں تو کیا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اپنی اولاد کا کوئی پہلوئے فضیلت و اختصاص

---

[1] القرآن ۲ : ۱۴۴

نہیں، جن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ اطہر گردش کر رہا ہو۔ کیا یہ محض تعصب کا مقام نہیں؟ اگر آپ نے اصحابی فرما کر عام لوگوں کو مرتبۂ صحابیت پر فائز کر کے اخص ترین خلائق بنا دیا اسی طرح اولاد کے لئے سید کا لفظ فرما دیا اور وہ آپ کی اولاد کے ساتھ علامتِ نسب کے طور پر مقبول و مشہور ہو گیا تو اس میں جلنے کی کیا بات ہے، باپ اگر اپنی اولاد کو اچھے الفاظ سے یاد کرے تو اس پر صرف وہی لوگ جل کر راکھ ہوتے ہیں جو باپ اور اس کی اولاد دونوں کے حاسد دشمن ہوں مخلص اور سچے نیاز مند تو خوش ہوا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو سید فرمایا اور تکلیف عباسی اینڈ پارٹی کو ہونے لگ گئی۔ اگر آپ تمام صحابہ کو اصحابی کے بجائے سادات فرما دیتے تو کیا عباسی صاحب انہیں سادات نہ کہتے؟ اگر آپ صحابۂ کرام کے لئے یہ لفظ استعمال فرما دیتے تو آج بڑے شد و مد سے یہ کہا جاتا کہ خبردار! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سادات فرمایا، یا سید کے لقب سے نوازا ہے ان کی گستاخی ہرگز نہ کرنا مگر جب یہی لفظ آپ نے جناب فاطمہؓ اور حسنینؓ کو عطا فرما دیا تو عباسی صاحب تلملانے لگے۔ صحابہؓ کو اگر صحابہ یا اصحاب کے مقدس لفظ سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابی کے شرف سے مکرم فرمایا ہے۔ اگر آپ انہیں اصحابی کے اعزاز سے نہ نوازتے اور امت اپنی طرف سے اظہارِ توقیر کے لئے اونچے سے اونچا لفظ بھی ان کے لئے استعمال کرتی، جب بھی وہ اس لفظ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے نکلا تھا اور وہ لفظِ اصحابی تھا۔ اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد کو سید نہ فرماتے تو کوئی انہیں سید نہ کہتا آج اگر امت آپ کی اولاد کو سید کہتی ہے تو یہ محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کا اعجاز ہے اور نبی کا معجزہ قیامت تک اپنی شانِ اعجاز دکھاتا رہے گا۔ ہرزہ سرایانِ زمانہ مصروفِ ہرزہ سرائی رہیں گے مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز حسبِ فرمانِ الٰہی تا ابد گویا رہے گا۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1] (ترجمہ) اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں دیں وہ لے لیا کرو اور جس بات سے روک دیں، رک جایا کرو۔

## لفظِ سیّد کا حقیقی مفہوم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ سید کی تحقیق اس کے حقیقی مفہوم کے تناظر میں کی جائے

[1] القرآن: ۵۹ : ۷

اور اُس کے متعلق بعض جُہّال کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیا جائے کچھ عرصہ پہلے محمود عباسی کی تصنیف تحقیقِ سیّد و سادات نظر سے گزری، بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف بہت بڑے علامہ ہیں، مگر اِس تصنیف کی ورق گردانی سے ثابت ہوا کہ اُن کا تو اولادِ رسُول سے کوئی ازلی بیر ہے۔ موصوف اپنی بے سروپا اور متعصّبانہ تحقیق کے دوران حوالہ جات جمع کر کے قارئین کو مرعوب کرنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے رہے۔ اگر آپ عبّاسی صاحب کی تصنیف پُوری طرح پڑھ لیں تو آپ کے پلّے کچھ نہیں پڑے گا، کیونکہ تحریر کا مقصد غیر جانبدارانہ تحقیق ہے ہی نہیں، بلکہ محض بُغض و عناد ہے۔ میں لفظِ سیّد کی تحقیق اِس لئے نہیں کر رہا کہ میرا تعلق بھی اِس گھرانے سے ہے، بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصُود ہے کہ ذرا سی بات کو طُول دے کر کس طرح افسانہ بنا دیا، مگر اِس سے حقیقی اربابِ علم کسی طور متاثر نہیں ہو سکتے۔

سیّد اور سائد عربی کے الفاظ ہیں، بنیادی طور پر ان کے معنی سردار یا معزز آدمی کے ہیں؛ اِن کی جمع سادۃ ہے، البتہ سائد کی جمع الجمع سادات آتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تین جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہوا اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝[1] بے شک اللہ (تعالیٰ) تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحیٰی (علیہ السلام) کی، اللہ کے حکم کی گواہی دے گا اور سردار و پاکباز ہوگا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝[2] (ترجمہ) جس روز اُن (کفّار) کے چہرے آگ میں اُلٹائے جائیں گے، وُہ کہیں گے اے کاش! ہم خدا کی فرمانبرداری کرتے اور رسُولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانتے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو اُنھوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔

تیسرے مقام پر ارشاد ہوا: وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔[3] (ترجمہ) اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسفؑ اور پیچھے زلیخا) اور عورت نے اُن کا کُرتہ (پیچھے سے پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔

---

[1] القرآن ۳ : ۳۹

[2] القرآن ۳۳ : ۶۶، ۶۷

[3] القرآن ۱۲ : ۲۵

محوّلہ بالا تین آیات میں سے دو میں لفظِ سیّد بمعنی سردار اور ایک میں بمعنی خاوند استعمال ہوا۔ بعض لوگوں کو یہ دیکھ کر کہ لفظِ سیّد نسب کے معنوں میں بولا اور لکھا جاتا ہے، خاصی تکلیف ہوتی ہے، خاص طور پر محمود عبّاسی صاحب کو، بہرحال یہ لغوی تحقیقات ہیں ان میں جس وجہ سے بھی ایک آدمی کو قریش یا جماعت کو اِس لفظ سے منسوب کر دیا گیا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب یہ لفظ کسی بھی معنوی مناسبت کے سبب اِس قوم کے کسی پہلے فرد کے لئے تجویز کیا گیا اور پھر یہ بطورِ نسب استعمال کیا جانے لگا یہی حال لفظِ سیّد کا ہے۔

## لفظِ سیّد کے استعمال کا معاملہ

اِسی طرح عبّاسی خاندان چونکہ حضرتِ عبّاسؓ سے منسوب ہے، اِس لئے عبّاسی کہلاتا ہے، ہرچند یہ بھی غلط ہے، کیونکہ حضرتِ عبّاسؓ اصل میں تو قریش تھے، محمود عبّاسی صاحب نے اپنے نام کے ساتھ قریشی کیوں نہیں لکھا؟ عبّاسی کیوں لکھا۔ جس طرح لفظِ قریش کسی معنوی مناسبت کی وجہ سے ایک قوم کا نسب بن گیا، اِسی طرح سیّد کا لفظ بھی معنوی اعتبار سے ایک مخصوص خانوادے کے لئے بمنزلہ نسب استعمال ہوا۔ جس طرح قریشی، عبّاسی اور ہاشمی کے الفاظ سے سامع کا ذہن اِن ہر سہ اسمار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ لفظ کسی فرد نے اپنے نسب کے اظہار و اعلان کے لئے بطورِ علامت استعمال کیا ہے کہ وہ قریشی، عبّاسی یا ہاشمی ہے۔ اِسی طرح سیّد کا لفظ پڑھ یا سُن کر انسان کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے۔ اگر عبّاسی صاحب اب بھی نہیں مانتے تو یہ فرمائیں کہ اُن کے جدِ اعلیٰ جنابِ عبّاسؓ خود کو کس نسب سے منسوب فرماتے تھے۔ کیا وہ عبّاسی لکھتے تھے یا قریشی، یا قریشی خاندان کے افراد قریشی کہلانے سے پہلے اپنے آپ کو کیا لکھتے تھے؟ کیونکہ یہ تو ثابت ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں، جو جنابِ اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھا۔ اُصولی طور پر تو قریشی، ہاشمی، سادات اور عبّاسیوں کو اپنے نام کے ساتھ مروّجہ الفاظ کے بجائے اسماعیلی لکھنا چاہیئے تھا، اِس لئے کہ ان سب کے مورثِ اعلیٰ کا نام جنابِ اسمٰعیلؑ ہے، جو ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ایک مورثِ اعلیٰ کے نام اور نسبت کے ہوتے ہوئے اپنے آباء و اجداد کے نام سے انتساب کو بہتر جان کر خود کو عبّاسی، ہاشمی اور قریشی لکھنا شروع کر دیا گیا، حالانکہ اُن سب کا یہ نسب نہیں بلکہ اُن کو اسمٰعیلی لکھنا چاہیئے تھا تو جس طرح اِس خاندان کے افراد اپنے اجداد کے ناموں کو علامت کے طور پر اپنے ناموں کے ساتھ تحریر کرتے اور اُن کو اپنے نسب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اِسی طرح سیّدۃ عالم فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین کی اولاد کے ناموں کے ساتھ بھی لفظِ سیّد علامتِ نسب کے طور پر لکھا اور

بولا جاتا ہے۔ شاید عباسی صاحب کا مقصد یہ ہو کہ سیّد تو ایک لقب ہے جو عرب میں مسٹر، جناب اور سردار کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ بظاہر اُن کا یہ اعتراض بجا ہے، مگر میں گزارش کر چکا ہوں کہ بعض الفاظ جب اسمِ علم بن جاتے ہیں تو وہ ایک خصوصی ہیئت اپنا لیتے ہیں، حالانکہ لُغت میں اُن کے وہ معنیٰ نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر لفظِ مدینہ ہی کو لے لیجئے لُغوی اعتبار سے اِس کے معنیٰ مطلق شہر کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں بھی یہ لفظ شہر ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، مگر اب جہاں کہیں مدینہ کا لفظ بولا یا لکھا جاتا ہے تو ذہن فوراً مدینہ منوّرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر اب بھی آپ عرب میں جائیں تو وہ مدینہ کا لفظ شہر کے معنوں ہی میں بولیں گے، مثلاً مدینۃ لاہور، مدینۃ لکھنؤ۔ لاہور کا شہر، لکھنؤ کا شہر۔ لیکن وہ خود اِسی لفظِ مدینہ کو باوجودیکہ عام شہر کے معنیٰ میں بولتے اور لکھتے ہیں، اُس زمین کے لئے بھی بولتے اور لکھتے ہیں جس میں سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر آسودہ ہے۔ کیا مکہ مدینہ کے الفاظ آپ نے سعودی عرب جا کر نہیں سُنے؟ کیا عباسی صاحب اِس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں؟ بالکل یہی معاملہ لفظِ سیّد کا ہے۔ عام بول چال میں جس طرح مدینہ کا لفظ عام شہر کے معنیٰ میں عرب اب بھی بولتے ہیں۔ سیّد کا لفظ بھی مسٹر اور جناب کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ مدینہ ایک مشہور و مخصوص شہر کا نام بھی ہے جس میں گنبدِ خضرا واقع ہے، اِسی طرح اگر لفظِ سیّد ایک خانوادے کے ساتھ بطورِ علامتِ نسب استعمال کیا جاتا ہے تو بعض تنگ نظر افراد کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟

عباسی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ساتویں صدی تک آلِ رسُول کے کسی فرد نے اپنے نام کے ساتھ لفظِ سیّد نہیں لکھا، اُنہیں شاید نہیں معلوم کہ ساتویں صدی سے قبل بلکہ زمانۂ نبوت میں حسنین کریمین کو ابنِ رسُول، ذرّیتِ رسول اور آلِ بیت کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا بلکہ اُنہیں خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّد فرمایا، ہم نے وہ احادیث نقل کر دی ہیں، البتہ اُنہیں اِس بارے میں ثبوت پیش کرنا چاہئے کہ حضرت عباسؓ کی اولاد نے اُس زمانے میں اپنے آپ کو عباسی کہلوایا ہے یا اُنہیں عباسی کہا جاتا تھا کہ اب عباسی صاحب یہ لقب استعمال کرتے ہیں، جب عباسی صاحب کے جدِ اعلیٰ کی اولاد کا لقب مستعمل نہ ہونے کے باوجود عباسی صاحب اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، تو پھر سادات جن کے جدِ اعلیٰ کی اولاد کو سیّد کا لقب عطا ہوا اور اُنہیں سیّد کہا گیا اپنے نام کے ساتھ یہ لقب کیوں استعمال نہ کریں۔ اگر عباسی صاحب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو سیّد نہیں کہنا چاہتے تو نہ کہیں۔ آلِ رسول، آلِ محمد یا اولادِ رسول تو کہیں گے۔ آخر سادات اپنے نسب کے اظہار و اعلان کے لئے اِن مذکورہ بالا الفاظ میں سے کوئی لفظ تو استعمال کریں گے یا اِس کی بھی اجازت نہیں۔ آخر آپ اولادِ رسول کے لئے کیا لفظ تجویز فرماتے ہیں

تاکہ وہ اپنے نام کے ساتھ وہ لفظ صرف اِس لئے لکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کی نسبی نسبت کا اظہار ہو جائے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہم عبّاسی اِس لئے کہلاتے ہیں کہ ہمارے باپ کا نام عبّاس تھا تو پھر سادات کو اجازت دیں کہ وہ خود کو سیّد، آلِ رسول، آلِ محمد یا اولادِ مصطفےٰ کے بجائے صرف محمّدی لکھا کریں کیونکہ اِن کے جدِّ امجد کا نام محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مذکورہ الفاظ میں سے سادات کو، جس لفظ کی بھی آپ اجازت دیں، اُنہیں منظور ہے، مگر آپ سادات سے اُن کا شرفِ نسب کسی طرح بھی چھین نہیں سکتے۔ آپ پھر بھی عبّاسی، ہاشمی اور قریشی ہی کہلائیں گے، جب کہ محمّدی صرف وہی کہلا سکتے ہیں، جن کی رگ و پے میں محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون گردش کر رہا ہو۔ اگر آپ لوگوں کے لئے عبّاسی، ہاشمی اور قریشی کہلانا باعثِ فخر ہو سکتا ہے تو محمّدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو بطورِ نسب محمّدی یا سیّد لکھنا کیونکر موجبِ فخر نہیں ہو سکتا؟ دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ تین خاندانوں کا سردار اور اُن کا محترم ترین انسان کون ہے؟ کیا محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبّاس، بنو ہاشم اور قریش قابلِ احترام ہیں یا ان ہر سہ کے لئے محمّدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم لائقِ احترام ہیں۔ کلمہ محمّدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھا جاتا ہے یا عبّاسیوں، ہاشمیوں اور قریشیوں کا۔ دُنیا میں جس کے باپ کو جو مرتبہ اور شرف حاصل ہے، اُسی کے پیشِ نظر اُس کی اولاد کو دیکھا جاتا ہے۔ میرے خیال میں عبّاسی حضرات کو سادات سے جتنا بَیر بھی ہو اور اُن کی جس قدر بھی توہین کریں، مگر وہ یہ سلوک حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح بھی روا رکھنے کے حق میں نہیں ہوں گے، کیونکہ اُن کا کلمہ پڑھتے تھے اور اُن کے دادا جنابِ عبّاسؓ نے بھی اُنہی کا کلمہ پڑھا تھا اور اِسی باعث وہ محترم بھی ہیں، ورنہ آپ کا چچا ابولہب بھی تھا آخر کیا وجہ ہے کہ سب عبّاسی، ہاشمی اور قریشی تو لکھتے ہیں، مگر کوئی اپنے نام کے ساتھ ابولہبی نہیں لکھتا۔ کیا ابولہب ہاشمی اور قریشی نہ تھا؟ یا پھر اِس کا کیا ثبوت ہے کہ سب لوگوں کی نسلیں تو چلیں، مگر ابولہب کی نسل نہیں چلی۔ کیا یہ امرِ واقع نہیں کہ اگر کسی کو علم الیقین کی حد تک بھی معلوم ہو جائے کہ وہ ابوجہل، ابولہب یا اُمیّہ بن خلف کی نسل سے ہے جب بھی وہ اِس نسبتِ قبیحہ کے اظہار سے کترائے گا۔ صرف اِس لئے کہ وہ کافر و مشرک تھے اور اسلامی معاشرے میں اُن کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ہاشمیوں کی طرح محمود عبّاسی صاحب بھی خوش نصیب ہیں کہ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ ایمان چچا جنابِ عبّاسؓ کی اولاد سے پیدا ہوئے، اِسی لئے تو اپنے نام کے ساتھ بے دھڑک عبّاسی لکھ دیتے ہیں، اگر خدانخواستہ دیگر دو نسبتوں میں سے کوئی ایک بھی اُن کے حصے میں آجاتی تو اپنا سر پیٹ کر رہ جاتے۔ اِس صورت میں جب کوئی اُن سے یہ دریافت کرتا کہ عبّاسی صاحب آپ کا نسب کیا ہے؟ یا آپ کا جدِّ اعلیٰ کون ہے؟ تو وہ یقیناً اِسی فقرے پر اکتفا کرتے کہ بھائی انسان کا نسب انسانیت کے سوا کچھ نہیں تاہم کل بھی ایسے لوگ ہیں جو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آدمی کا نسب آدمیت ہے۔ اگر خوش بختی سے

کسی میں ہو) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے افراد یا تو اپنے نسب کے سلسلے میں جاہل ہوتے ہیں یا پھر اعلانِ نسب اس لئے نہیں کرتے کہ اُن کا جدِ اعلیٰ کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہیں ہوتا۔ یہ اپنے اپنے ذوق اور سمجھ کی بات ہے۔ مصر کے ایک سابق صدر تو ببانگِ دُہل اس بات پر فخر کرتے ہوئے سُنے گئے کہ وہ فراعنۂ مصر کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ فی زمانہ بعض حضرات یزید کو اپنا باپ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بہرحال یہ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہے۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

## اولادِ رسول کا سیّد کہلانا

آج کل بعض ہاشمی اور عباسی بھی اپنے ناموں کے ساتھ سید لکھتے ہیں، جو غلط ہے وہ اس لئے کہ یہ لفظ صدیوں سے اولادِ رسول کی علامتِ نسب بن چکا ہے۔ سید وہی کہلانے کا مجاز ہے جو امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی صُلبی اولاد سے ہو۔ اولادِ رسول کو سید اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمینؓ اور فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو سید کے لقب سے نوازا۔ لہٰذا لفظِ سید کا اطلاق صرف اُنہی افراد پر ہوگا، جو حسنی یا حسینی نسب کے حامل ہوں۔ جنابِ حمزہؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدُ الشہداء کا لقب منتخب فرمایا۔ اس لئے دنیا میں اگر اُن کی اولاد کہیں موجود ہے تو وہ اپنے نام کے ساتھ لفظِ سید کا استعمال تو کر سکتی ہے، مگر وہ اس طرح کہ صرف ساداتِ حمزہ کہلائے۔ قریشی اور ہاشمی خانوادوں کے لئے احادیث میں کہیں لفظِ سید نہیں ملتا۔ وہ ہاشمی یا قریشی حضرات جو اپنے ناموں کے ساتھ لفظِ سید استعمال کرتے ہیں، یہ ثابت کریں کہ وہ سید الشہداء جناب حمزہؓ کی ذُرّیت سے ہیں تو اُنہیں ساداتِ حمزہؓ کہہ دیا جائے مگر عباسی تو جناب عباسؓ کی اولاد ہیں اور چچا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظِ سید نہیں فرمایا۔ اگر کہیں فرمایا ہے تو عباسیوں کو چاہیے کہ وہ حدیث بطورِ ثبوت پیش کریں اور اسی طرح قریشی بھی۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہونا لفظِ سید کے استعمال کا موجب نہیں بن سکتا، بلکہ سید وہی کہلا سکتا ہے یا اُسی کی اولاد پر لفظِ سید کا اطلاق ہو سکتا ہے، جسے خود سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لقب کے اعزاز سے نوازا ہو۔ اگر عباسی، ہاشمی اور قریشی حضرات کو لفظِ سید کے استعمال کا بہت ہی شوق ہے تو پھر کم از کم ساداتِ عباسی، ساداتِ ہاشمی اور ساداتِ قریشی تو لکھ دیا کریں، مگر اُن کے اس عمل پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ جنابِ حسنؓ و حسینؓ اور امیر حمزہ رضوان اللہ علیہم کی اولاد کو تو خود کو اس لئے سید کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُن کے جدِّ اعلیٰ کو اِس لقب سے مشرّف فرمایا تھا لیکن ہاشمی، قریشی اور عبّاسی ایسا کیوں لکھتے ہیں؟ کیا اُن کے کسی جدِّ اعلیٰ کے حق میں کوئی ایسی مُستند روایت ملتی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کسی جدِّ اعلیٰ کو سیّد فرمایا ہو یقیناً اُن کا جواب نفی میں ہوگا۔ بہرحال کوئی ایسی روایت تو نہیں ملتی۔ ہاں برعمِ خود یہ کہہ سکتے ہیں: چونکہ ہمیں کوئی سیّد نہیں کہتا، اِس لئے ہم نے اِس کا اہتمام از خود کر لیا کہ ہم بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مذکورہ ہر سہ خانوادے یعنی ہاشمی، قریشی اور عبّاسی صرف اِنہی انتسابی الفاظ و القاب پر اکتفا کریں اور خواہ مخواہ سیّد کے لفظ کا اضافہ نہ کریں، کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گے تو پھر بھی اُن کو سادات ہاشمی، عبّاسی یا قریشی ہی سمجھا جائے گا۔ دُوسری بات یہ کہ جب اُن کے نسب کے لئے عبّاسی، ہاشمی اور قریشی کے الفاظ موجود ہیں تو اُن القاب پر لفظِ سیّد بطورِ مُستزاد استعمال کرنے کی کیا تُک بنتی ہے؟ سادات بنو فاطمہؓ تو خود کو اِس لئے بھی سیّد لکھنے میں حق بجانب ہیں کہ اُن کو ہاشمی و قریشی الاصل ہونے کے باوجود صرف اِس لئے سیّد یا شریف کہا جاتا ہے کہ اُن کے خون کا انتساب براہِ راست رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنینؓ کو سیّد فرمایا ہے، اِسی لئے سادات کو قریشی یا ہاشمی نہیں کہا جاتا، حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق پہلے قریشی پھر ہاشمی اور پھر سیّد ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بنو ہاشم اور قریش سے مزید امتیاز و اختصاص سے نوازا، اِس لئے وہ لفظ استعمال فرمایا جو اُس دَور کے قریش اور بنو ہاشم پر نہیں بولا جاتا اور نہ آج تک بولا گیا ہے اور وہ سیّد کا لفظ تھا۔ محمود عبّاسی صاحب نے اپنی تصنیف تحقیقِ سیّد و سادات میں برعمِ خود مختلف دلائل و براہین پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے کہ لفظِ سیّد اولادِ رسول ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ اُسے کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔ خاص طور پر بقول اُن کے عبّاسی، ہاشمی اور قریشی بھی استعمال کر سکتے ہیں، یہ اُن کا خیالِ باطل ہے۔ اپنی طرف سے از خود کوئی بھی استعمال کرے تو ٹھیک ہے، مگر پھر یہی کہے کہ یہ لفظ ہم از خود لکھتے ہیں، حضور رسالت مآب فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمارے آباؤ اجداد کو عطا نہیں ہوا۔

## کسی لفظ کا سببِ شرف

بیشک کسی بھی لفظ کی عزّت کا باعث اُس کا اپنا وجود و شرف نہیں بلکہ ہر لفظ کے شرف و عزّت کا سبب حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجماں سے اُس کا از راہِ عزّت افزائی ادا ہو جانا ہے۔

اِس کی مثال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰ کو ابو تراب اور جناب عبد الرحمٰن کو ابو ہریرہ کے القاب سے نوازا۔ ابو تراب کے لفظی معنیٰ مٹی کے باپ اور ابو ہریرہ کے لفظی معنیٰ بلی کے باپ کے ہیں۔ آپ غور کریں، اگر یہی لفظ عام آدمی کسی کو کہہ دے تو وہ اُس سے اُلجھ بھی سکتا ہے کہ تُو نے مجھے مٹی کا باپ یا بلی کا باپ کیوں کہا؟ اِس لئے کہ اگر ان الفاظ کے عمومی معنیٰ لئے جائیں تو ان میں کسی قسم کا اختصاصی و امتیازی پہلو نہیں جس پر فخر کیا جا سکے؛ چونکہ یہ الفاظ لبِ قرآن نوا سے نکلے لہٰذا اِن کا سَر ازراہِ فخر و مباہات افلاک کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ روایات میں ہے کہ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو اگر کوئی شخص ابو تراب کہہ کر پکارتا تو خوش ہوتے، اِس لئے کہ یہ لقب اُنہیں اُس ذاتِ مقدس نے عطا فرمایا جو سیّد الانبیاء اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہے، اِسی طرح جناب ابُوھُریرہ کو بھی جن کا اصلی نام عبد الرحمٰن تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بلیوں سے اُن کا ذوق و شوق دیکھ کر ابُو ہریرہ فرمایا کہ تُو تو بلی کا باپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اُن کے حقیقی نام سے آگاہ تک نہیں، بلکہ اُنہیں ابُو ہریرہ ہی کے نام سے جانتے ہیں۔ جناب حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ کی شان میں کسی شاعر نے آپ کے لقب بُوتُراب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یُوں کہا ع

ابو البشر بود آدم بُوتُراب علیؓ

کہ انسانوں کے باپ تو جناب آدمؑ ہیں اور بمطابقِ ارشادِ نبوی مٹی کے باپ جناب علی المرتضیٰؓ ہیں۔
مولانا غنی کاشمیری علیہ الرحمہ نے ابُوتراب کے لفظ سے عجیب و غریب نکتہ آفرینی کی ہے فرمایا ؎

زیبا است خُوئے آتش، اولادِ بُولہب را
تُو ابنِ بُوترابی، باید کہ خاک باشی؟

(ترجمہ) غضب و کبر کی عادت تو ابُولہب کی اولاد کو زیب دیتی ہے، تُو چونکہ ابوتراب کی اولاد ہونے کا مدعی ہے اِس لئے تجھے مٹی بن کر رہنا چاہیئے۔ مولانا غنیؒ کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے جتنے متکبر بغیظ و غضب کی وجہ سے آگ کی طرح فوراً بھڑک اُٹھتے ہیں حقیقت میں وہ ابولہب سے معنوی مناسبت رکھتے ہیں۔ ابولہب کو اُس کے تکبّر اور افراطِ غیظ و غضب کی وجہ ہی سے ابولہب یعنی شعلے کا باپ کہا گیا تھا، اِس لئے جناب علیؓ کی صحیح النسب اولاد کو چاہیئے کہ وہ مٹی بن کر رہے، کیونکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے باپ علیؓ کو ابُوتراب فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ مٹی میں غایت درجہ عجز و انکسار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اُسے عجز و انکسار کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ محققین کی کاوشیں اپنی جگہ، مگر ابُوتراب کے معنوی سلسلے میں میری عقل تو یہی کہتی ہے کہ جب یُوں کہا جائے کہ اے فلاں! تُو فلاں کا باپ ہے تو اِس سے اظہارِ مبالغہ کی انتہا مُراد ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک تو مٹی میں فطری اور جبلّی طور پر نیازمندی ہے ہی، مگر فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے مطابق جناب علی ضیغمؒ کے بھی باپ نکلے۔ بالفاظِ دیگر اُن کے جذبۂ عجز و انکسار کے سامنے خاک بھلا خاک مقابلہ کر سکتی ہے۔ گویا ذاتِ علیؑ المرتضیٰ خداوندِ عالم اور اُس کے محبوبِ پاک کی بارگاہ میں جس مقام پر فائز تھی وہ عجز و انکسار کا نقطۂ عروج تھا۔ فرقِ مراتب کے اعتبار سے یہ ایک مسلّم امر ہے کہ فرمودۂ خدا کا مقام فرمودۂ رسول سے بلند و بالا ہے۔ اگر کسی کا ذکر حدیثِ نبویؐ میں مل جائے تو اُس کی اہمیت مسلّم ہو جاتی ہے، چہ جائیکہ قرآن مجید میں کسی بات یا کسی انسان کا ذکر پایا جائے، اُس کی تو بات ہی اور ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ مذکور کا ذکر کس سیاق و سباق، کس پیرائے اور کن الفاظ میں کیا گیا ہے۔ کسی شے یا کسی انسان کا قرآن و حدیث میں مطلقاً ذکر تو باعثِ شرف و منزلت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لفظِ خنزیر ہی کو لے لیجئے ہمارے معاشرے میں اِس سے نفرت و بیزاری کا یہ عالم ہے کہ لوگ اِس کا نام تک زبان پر لانے سے کتراتے ہیں۔ عام طور پر جہلا میں تو یہاں تک مشہور ہے کہ اِس کا نام زبان پر لانے سے چالیس روز تک زبان ناپاک و پلید رہتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ڈھکوسلا ہے، ورنہ جس آیتِ مبارکہ میں خنزیر کا لفظ آیا ہے عوامی نظریۂ مذکور کے مطابق یا تو اُس آیت کو پڑھنا ہی نہ چاہیئے یا پھر اُسے نعوذ باللہ قرآن سے خارج سمجھنا چاہیئے اور ظاہر ہے ایسا کرنے والا کافر و زندیق ہو گا۔

## قرآن مجید میں لفظِ ابی لہب کا استعمال

سورۃ اللّھب کا بھی یہی حال ہے، بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس کے حق میں پوری سورۃ نازل کی گئی وہ کوئی بڑی شخصیت ہوگی اور پھر اُسے اَبِیْ لَھَبٍ کہا گیا یا اُس کے مروّجہ لقب کا اعادہ کیا گیا، مگر اِس سورہ کی شانِ نزول اور اِس کے بیان و واقعات کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اُس کا ذِکر اُسے اعزاز و اختصاص بخشنے کے لئے نہیں کیا گیا اور نہ اُس کی امتیازی حیثیت اُجاگر کرنے کے لئے اُسے ابی لہب کہا گیا، بلکہ یہ سب کچھ اُس کی تذلیل و تحقیر کی انتہائی مکروہ صورت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔

چونکہ عربی زبان میں لہب کے معنی شعلہ ہیں اور شعلے کی گردن فرازی سے علامتِ کبر و رعونت کا استنباط بھی ہوتا ہے، اِس لئے یہ بات واضح کی گئی کہ ابو لہب کے کبر اور اُس کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ وہ شعلے کا بھی باپ تھا۔ اُس میں خاکساری و نیازمندی نام کو بھی نہ تھی۔ اُس کے اُستاد ابلیس نے بھی انکارِ سجدہ کا سبب خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ ہی بتایا تھا۔ ثابت ہوا کہ جس کا حقیقی یا معنوی سلسلۂ نسب آگ سے ملتا ہو اُس میں استکبار و انکار کے عناصر زیادہ ہوں گے اور وہ معنوی طور پر ابلیس اور ابو لہب کا مقلد یا متبع ہو گا۔ اگر ابلیس کے اجزائے ترکیبی میں عنصرِ خاک بھی شامل ہوتا تو اُس میں امکانِ عجز و انکسار ہوتا اور شاید اپنے

قول و فعل پر نظرِ ثانی کر لیتا، مگر وہ ابو لہب کی طرح آج تک اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے، اگرچہ اُس کی یہ ڈھٹائی خداوندِ عالم کی کبریائی میں سرِ مو تخفیف پیدا نہیں کر سکتی۔ جس گروہ یا جس فرد میں انکار و استکبار کی افراط ہو تو وہ سمجھ لے کہ اُس کے جسمِ خاکی پر اثراتِ آتش نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ابلیسی اندازِ فکر اور طاغوتی طرزِ عمل اختیار کر سکتا ہے اور جو گروہ یا فرد طین یعنی مٹی سے حقیقی نسبت اور اس کا احساس و شعور رکھتا ہو گا اُسے اتباعِ ابو ترابؓ میں داخل و شامل سمجھا جائے گا اور درس گاہِ بوترابؓ ہی وہ مستند درس گاہ ہے جس کے نصابِ عجز و انکسار کو خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمایا اور بوتراب کہہ کر اُس کی مزید تصدیق و توثیق فرمائی۔ اِس درس گاہِ اخلاق سے جس نے بھی اپنا ذہنی رشتہ جوڑا، اُس کا دامن انکار و استکبار کے بجائے دولتِ عجز و انکسار سے بھر جائے گا، کیونکہ اِس کا اوّلیں سبق یہ ہے کہ تمام نوعِ انسانی جنابِ آدم کی ذُرّیت ہے، اور جنابِ آدم کی نسبت خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ سے ہے، نار سے نہیں اِس لئے درحقیقت وہی انسان جنابِ آدمؑ کا صحیح النسب فرزند کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے، جس میں اُس کے باپ یعنی جنابِ آدم کے خصائص و شمائل موجود ہوں، ورنہ وہ حقیقی آدمی نہیں، بلکہ انسان نما ابلیس ہے۔ مصرعِ ثانی میں مولانا غنیؒ مرحوم نے ؎ تو ابنِ بوترابی، باید کہ خاک باشی کہہ کر اولادِ علیؓ کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ علوی ہوں زیدی کاظمی، طباطبائی، گیلانی، بخاری یا حسنی حسینی ہوں، اِن سب کی صحتِ نسب کی سب سے بڑی علامت اور پہچان یہی ہے کہ اُن کے باپ بوتراب کی طرح اُن میں عجز و انکسار کی صفتِ عالیہ بحدِّ کمال موجود ہو گی، اِخواہ مخواہ رعونت و کبر کے اظہار و عمل سے ہمیشہ گریز کریں گے۔ البتہ بقولِ اُستاد مصحفیؔ ؎

نخوت سے جو کوئی پیش آیا ۔۔۔ کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

مسطورۂ بالا شعر کی معنویت کا جواز بھی شریعتِ مُبارکہ میں موجود ہے بہرحال بات ابوترابؓ اور ابوہریرہؓ کی چل رہی تھی کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ابوہریرہ اور ابوتراب جیسے عام الفاظ سے بھی نواز دیں تو اُن الفاظ کی شان و تقدیس ہزار ہا باعزت القاب سے بلند و بالا ہو جاتی ہے اِسی طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمینؓ اور جنابِ فاطمہؓ کو لفظِ سید سے ملقب فرما دیں تو کیا یہ امر ذُرّیتِ بتولؓ کے لئے باعثِ افتخار و مباہات نہیں ہو سکتا؟ ؎

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خُوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

(مولانا حسرتؔ موہانیؒ)

جو ہاشمی، عبّاسی و قریشی اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ لکھتے ہیں، دراصل وہ عوام الناس سے اُس

عزّت و احترام کی توقّع کے خواہش مند ہوتے ہیں، جو آلِ رسول اور اولادِ بتولؓ سے روا رکھی جاتی ہے۔ چونکہ عوام سیّد یا شاہ صاحب کا لفظ سنتے ہی تعظیم و تکریم کا اہتمام کرتے ہیں اور کسی قسم کی تحقیق تک نہیں کرتے۔ یہ مرض متعدی ہو چکا ہے، عوام و خواص کو پہلے تحقیق کر لینی چاہیئے کہ جو صاحب سیادت کے مدعی ہیں وہ واقعی سید ہیں بھی یا نہیں کیا وہ ہاشمی، عباسی یا قریشی سادات تو نہیں؟ کیونکہ آج کل قریشیوں کے مقابلے میں ہاشمی اور عباسی خانوادوں کے افراد لفظِ سیّد کو میٹھے چاولوں کی طرح استعمال کر رہے ہیں، بہرحال ماہرینِ انساب اور اربابِ علم کی طرف سے اُن پر کوئی قدغن نہیں۔ وہ بے شک اپنے نام کے ساتھ لفظِ سید استعمال کریں، مگر یہ وضاحت بھی کر دیا کریں کہ اَے عوام! ہم اولادِ رسول والے سادات نہیں، بلکہ خود ساختہ سیّد ہیں۔ چونکہ تم اولادِ رسول کو فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سید کہتے ہو اور ہمیں رشک آتا ہے کہ ہم بھی تو آخر ہاشمی اور عباسی ہیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس لقب سے کیوں نہیں نوازا۔ لہٰذا اپنے ضمیر کی طمانیت کے لیے ہم بھی سید کا لفظ استعمال کر کے یک گونہ سکون محسوس کرتے ہیں۔ بہرحال لفظِ سیّد یا شاہ کو اِس طرح بے دریغ استعمال کر کے عوام النّاس کی اُس محبّت و عقیدت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا جس کا اظہار وہ اولادِ رسول کے ساتھ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ اطہر کی وجہ سے کرتے ہیں، ایک بہت بڑا دجل و فریب، ایک شرمناک اور حمیّت سوز حرکت ہے۔ عرب میں حسنی حسینی سادات کو شریف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے یعنی عرب میں لفظِ شریف اولادِ رسول کے نسب کے لئے بطورِ علامت و نشان دہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور برِّصغیر پاک و ہند میں سیّد، شاہ صاحب یا میر صاحب وغیرہ کے الفاظ سادات کے لئے بطورِ علامتِ نسب مستعمل ہیں۔ یہ علاقائی رسم و رواج اور زبان کا معاملہ ہے۔ بھلا اِس میں لڑنے مرنے کی کونسی بات ہے۔ عبّاسی صاحب پاکستان اور ہندوستان میں تو عباسی کہلا سکتے ہیں اور اِسی طرح ہاشمی اور قریشی حضرات بھی، مگر یہ ضروری نہیں کہ عرب یا دیگر ممالک میں بھی اُن کو اِنہی علامتی الفاظ سے بلایا جائے۔ ہو سکتا ہے وہ اُنہیں کچھ اور نام دیتے ہوں۔

## محمود عبّاسی اور لفظِ سیّد کی تصریحات

عبّاسی صاحب نے اپنی تصنیف تحقیق سیّد و سادات میں بعض احادیث بھی نقل کی ہیں، جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّد کا لفظ صرف حسنینؓ اور جنابِ فاطمہؓ کے لیے ہی نہیں بلکہ اور لوگوں کے لئے بھی استعمال فرمایا۔ مثلاً حضرتِ حمزہؓ کے لیے سیّد الشہداء کے الفاظ

حدیث میں ملتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اور لوگوں کے لئے بھی اِس لفظ کے استعمال کا ثبوت ملتا ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اُن کی اولاد کو سیّد کیوں نہیں کہا گیا؟ عبّاسی صاحب! خدا کی مرضی یہی تھی کہ یہ لفظ چونکہ تمام الفاظ میں سب سے زیادہ محترم و مکرم ہے، اِس لئے اُس نے اپنے بعد سب سے زیادہ مکرم و محترم ذاتِ پاک یعنی حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد کے لئے مخصوص کر کے زبان زدِ عوام و خواص کر دیا۔ اب اللہ کی مرضی میں کسے دخل دینے کا حق حاصل ہے؟

مصنّف موصوف نے وہ احادیث تو سنداً نقل کرنے کا اہتمام فرمایا، جن میں لفظِ سیّد چند اشخاص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا، مگر اہلِ بیت سے مصنّف کے طبعی عناد کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے وُہ احادیث نقل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، جن میں لفظِ سیّد حسنؓ حسینؓ اور حضرتِ فاطمہؓ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ غالباً اُن کے نزدیک وہ حدیثیں جن میں حسنینؓ اور جنابِ فاطمہؓ کو سیّد کہا گیا ہے، ضعیف ہوں یا پھر مناقبِ اہلِ بیت میں وارد ہونے والی احادیث شیعہ حضرات کی موضوعہ ہوں گی۔ ہم مانتے ہیں عبّاسی صاحب بڑے فاضل محقق سہی، مگر تاریخ کی اِن وادیوں سے ہم بھی آشنا ہیں۔

واضح رہے کہ جو احادیث اولادِ رسول کے بارے میں کتُبِ احادیث میں آتی ہیں اُن میں سے اکثر نہ تو ضعیف ہیں اور نہ شیعہ حضرات کی وضع کردہ، بلکہ وہ بالکل صحیح ہیں اور اسماءُ الرّجال کے اعتبار سے اُن کے راوی معتبر ہیں۔ عبّاسی صاحب کو اگر بنو اُمیّہ یا اپنے خاندان کے بارے میں کچھ احادیث مل جائیں تو وُہ معتبر ٹھہریں اور اگر اُسی کتاب میں اہلِ بیت کی شان میں احادیث موجود ہوں تو وہ غیر معتبر۔ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ[1] یعنی قرآن کی اُن آیات پر تو ایمان ہے، جو اپنی مرضی کی ہیں اور اُن پر ایمان نہیں، جو مرضی کے خلاف ہیں۔ یہ سراسر علمی بد دیانتی ہے اور ایسا کرنا ایک فاضل انسان کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔ بقولِ عبّاسی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظِ سیّد جن اشخاص کے لئے استعمال کیا، ہم اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ اِس لفظ کا تعلق صرف اُس فرد کی ذات تک رہا۔ اُس کی اولاد میں رائج نہ ہو سکا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مخلوق سے مکرّم ہیں، اِس لئے یہ مکرّم لفظ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کی اولاد کے لئے نسبی اعزاز اور اُس کی علامت کے طور پر رائج فرما دیا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صفاتی نام ہیں، مثلاً رؤف و رحیم، قاسم، شافع وغیرہ، اِسی طرح آپ کی اولاد کو بھی ہر ملک میں اُس مُلک کی زبان اور لب و لہجہ کے مطابق القاب سے یاد کیا جاتا ہے، جب کہ دیگر انساب کو صرف ایک مخصوص نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس میں بھی محبوبِ دو عالم

---

[1] القرآن ۲:۸۵

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا ظہور ہے کہ آپ کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح ربُّ العزّت کے صفاتی نام ہیں اُسے جس نام سے بھی پکارا جائے مُسمّیٰ ایک ہی ہوگا۔ اس لئے آپ اولادِ رسول کے لئے خواہ سید کا لفظ استعمال کریں، خواہ اُسے شاہ صاحب کہیں، آلِ رسول یا آلِ محمد کہیں، بنی فاطمہ کہیں، اِن سب الفاظ کا مقصد واحد ہے کہ مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صُلبی اولاد ہے۔ عباسی، اعوان یا کسی اور قوم سے نہیں۔ عباسی صاحب یا اُن کے ہم مشرب ذہنوں کو دراصل تکلیف یہ ہے کہ اولادِ رسول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے زیادہ معزز و محترم کیوں سمجھا جاتا ہے؟ سید وغیرہ کی تحقیق کے پس منظر میں یہی ذہنی روگ کارفرما ہے، جس کا علاج سادات کے پاس نہیں۔ سیدھی سی بات ہے اگر عباسی صاحب یا کوئی اور صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوتے تو وہ خود کو کیا کہلانا پسند کرتے یا پھر یہ لکھ دیں کہ کسی اور قوم سے ہونا تو باعثِ شرف ہو سکتا ہے مگر حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہونا باعثِ شرف نہیں؟

## عباسی اور صدیقی کی سعیٔ رائگاں

محمود احمد عباسی نے اپنی تصنیف تحقیقِ سید و سادات اور حکیم فیض عالم صدیقی نے اختلافِ اُمّت کا المیہ میں اس بات پر بہت زور دیا اور اسے ثابت کرنے کی بڑی جدّ و جہد کی کہ لفظِ سید ایک لقب ہے، جو کسی فرد یا خاندان کی ذات کے ساتھ بطورِ اسمِ علَم نہیں آسکتا۔ یہاں وہ ذات سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں، جو مروّجہ ذات پات کے معنوں میں مستعمل ہے۔ حکیم صاحب اور عباسی صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ اس عالمِ ماکان و مایکون میں اگر کوئی قائم بالذّات ہے، تو وہ ایک ہی ذات ہے، جس نے معدومات کو موجودات اور نیست کو ہست کیا۔ بقولِ مولانا نظامی گنجوی قدس سرّہٗ ؎

۱۔ اوّل و آخر بوجود و صفات ہست کُن و نیست کُن کائنات
۲۔ اوّل تُو اوّلِ بے ابتداست آخرِ تُو آخرِ بے انتہاست

۳۔ زیرِ نشینِ علَمت کائنات با تو قائم چو تُو قائم بذات
۴۔ ہستیِ تُو صورتِ پیوند نے تو بکس و کس بتُو مانند نے
۵۔ آنکہ تغیّر نہ پذیرد توئی و آنکہ نمردست و نمیرد توئی
۶۔ ما ہمہ فانی و بقا بس تراست ملکِ تعالیٰ و تقدّس تراست

۷. اے شرف نامِ نظامی بتو
خواجگیِ اوست غلامی بتو[1]

# ترجمۂ اشعارِ نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ

۱. اپنی ذات وصفات میں حق تعالیٰ ہی اوّل و آخر ہے، وہی کائنات کو زندہ کرنے والا اور فنا کرنے والا ہے
۲. وہ ایسا اوّل ہے کہ اُس سے پہلے کوئی وجود نہیں، وہ ایسا آخر ہے کہ جس کے آخر ہونے کی کوئی حد نہیں۔

---

۳. اے مولا کریم! کائنات تیرے علَم کے نیچے آسودہ ہے؛ ہم تجھ سے قائم ہیں، جس طرح تو بذاتِ خُو قائم ہے۔
۴. تیری ہستی سے (غیر کے) کسی رشتے کی صورت نہیں؛ تیری ذات کسی کے ساتھ اور کوئی تیرے ساتھ مُماثل نہیں۔
۵. تیرا وجود وہی ہے، جو تغیر پذیر نہیں؛ نہ اِسے فنا لاحق ہوئی ہے اور نہ ہی لاحق ہوگی۔
۶. ہم سب فانی ہیں اور بقا محض تیرے لئے ہے۔ بلند و بالا اور مقدس بادشاہی تجھے ہی زیبا ہے۔
۷. اے وہ ذاتِ برحق کہ نظامی کے نام کا شرف تجھ سے ہے؛ تیری غلامی اِس کے لئے سرداری ہے۔

# اسمِ ذات اور حقیقتِ مُطلقہ کی بحث

چونکہ یہاں اسماءِ ذاتی و صفاتی سے بحث چل نکلی ہے کہ فلاں نام انسان کی ذات کا ہے اور فلاں اسمِ ذاتی نہیں، بلکہ لقب یا صفاتی نام ہے۔ اِس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خداوندِ عالم کے اسماءِ صفات و ذات کے بارے میں کچھ بیان کریں۔ اِس پر کچھ لکھنے سے پہلے اِتنا عرض کردوں کہ موضوع تصوّف اور الٰہیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس لئے منکرینِ تصوّف اِس سے محظوظ نہیں ہو سکیں گے، کیونکہ تصوّف وجدانیات و مشاہدات کی دنیا ہے، اُس کے اسرار و رُموز وہی سمجھ سکتا ہے، جس میں کچھ نہ کچھ معقولیت ہو یا دُنیائے رُوحانیت اور علومِ تصوّف سے قدرے مَس ہو، ورنہ بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہوگی۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ لفظِ اللہ خداوندِ عالم کا اسمِ ذاتی ہے اور اُس کے صفاتی اسماء بہت ہیں۔ چنانچہ ارشادِ

---

[1] کلیاتِ خمسہ، مخزن الاسرار، از مولانا نظامی گنجوی، ص ۱۱، ۱۵، مطبوعہ ایران، سنِ طباعت ۱۳۴۴ھ

الٰہی ہے:۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا[1] (ترجمہ) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان (ہی) ناموں سے اُسے پکارو۔ ویسے ۹۹۔ اسماء ایک ہی حدیث میں مذکور ہونے کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ ہمارے ہاں جب کسی چیز کا نام لیا جاتا ہے تو اُس کی ہیئت کذائی اور ذات مع الصفات کا تصور ذہن کی سکرین پر اُبھر کر سامنے آجاتا ہے گویا صفات کو معرفتِ ذات میں گہرا دخل ہے۔

## لفظِ اَللّٰہ کی اصطلاحی تعریف

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:۔ هُوَ اِسْمٌ لِلذَّاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَحِقِّ لِجَمِيْعِ الْمَحَامِدِ[2]۔ (ترجمہ) یہ اُس ذات کے لئے اسم ہے، جو واجب الوجود تمام محامد و کمالات کی مستحق ہے۔

## لفظِ اَللّٰہ کی لغوی تعریف

لفظِ اللّٰہ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے مفسرینِ عظام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں:۔

ایک قول ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے، اصل میں لاھا تھا، الف کو آخر سے حذف کرکے اوّل میں الف لام داخل کیا گیا اور معرّب بنایا گیا۔

دُوسرا قول ہے کہ یہ لفظ عربی ہے، ذاتِ باری سے مختص ہے، کسی مأخذ سے مشتق نہیں اور کسی اصل پر متفرع نہیں۔

تیسرا قول ہے کہ یہ لفظ مُشتق ہے اور اِس کا مأخذ اَلَهَ يَاْلَهُ اُلُوْهَةً اِلٰهَةً اُلُوْهِيَّةً بمعنی عَبَدَ ہے، اِسی سے تَاَلَّهَ، اِسْتَاْلَهَ ہے۔ اِس صورت میں اِلٰهٌ بروزنِ فِعَالٌ بمعنی مفعولٌ یعنی مَاْلُوْهٌ بمعنی معبودٌ ہے، ہمزہ کو حذف کرکے عوض میں الف لام لاتے، پہلے لام کو دُوسرے میں ادغام کرکے اللّٰہ پڑھا گیا۔

چوتھا قول ہے کہ اَلِهَ فِي الشَّيْءِ اِذَا تَحَيَّرَ وَلَمْ يَهْتَدِ سے مأخوذ ہے، یعنی کوئی شخص جب کسی کام میں حیرت زدہ ہو اور اُسے کوئی راہ نہ ملے لِاَنَّ الْعُقُوْلَ تَتَحَيَّرُ فِيْ مَعْرِفَتِهٖ، کیونکہ عقل

---

[1] القرآن ۷: ۱۸۰

[2] دیکھئے مختصر المعانی از علامہ سعد الدین تفتازانی ص ۵، مطبع علمی لاہور، سن طباعت ۱۹۵۶ء

اِنسانی معرفتِ الٰہی میں حیران رہ جاتی ہے۔

پانچویں قول کے مطابق یہ لفظ وَلِہَ یَوْلَہُ اِذَا تَحَیَّرَ وَتَخَبَّطَ عَقْلُہٗ سے ماخوذ ہے، اِس صورت میں اِلٰہٌ اصل میں وِلَاہٌ ہوگا، واو کو ہمزہ سے تبدیل کیا گیا۔

چھٹے قول کے مطابق یہ لفظ اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ سَکَنْتُ اِلَیْہِ سے ماخوذ ہے اور وجہ مناسبت یہ ہوگی لِاَنَّ الْقُلُوْبَ تَطْمَئِنُّ بِذِکْرِہٖ وَالْاَرْوَاحَ تَسْکُنُ اِلَیْہِ، کیونکہ دلوں کو اُس کے ذکر سے اطمینان اور رُوحوں کو اُس سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

ساتویں قول کے مطابق اَلِہَ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ عَلَیْہِ سے ماخوذ ہے اور اِسی سے ہے اٰلَھَہٗ غَیْرُہٗ اَجَارَہٗ اِذِ العَائِذُ یَفْزَعُ اِلَیْہِ وَھُوَ یُجِیْرُہٗ حَقِیْقَۃً اَوْ بِزَعْمِہٖ یعنی اُس کے غیر نے اُسے پناہ دی، چونکہ پناہ مانگنے والا اُس کی طرف پناہ لینے کے لئے بڑھتا ہے اور وہ اُسے حقیقتاً پناہ دیتا ہے، یا اُس کے خیال کے مطابق 'اٰلَھَہٗ' میں ہمزہ بابِ افعال سلبِ ماخذ کے لئے ہے۔

آٹھواں قول ہے کہ یہ لفظ اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِذَا وَلِعَ بِاُمِّہٖ سے ماخوذ ہے، یعنی اُونٹنی کا بچہ ماں کی طرف لپکا: اِذِ العِبَادُ مُوْلِعُوْنَ بِالتَّضَرُّعِ اِلَیْہِ فِی الشَّدَائِدِ، کیونکہ مصائب و آلام میں بندے عاجزی سے اُس کی طرف ملتجی ہوتے ہیں۔

نواں قول ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یَلِیْہُ لَیْھًا وَلَاھًا اِذَا احْتَجَبَ وَارْتَفَعَ سے ماخوذ ہے لِاَنَّہٗ تَعَالٰی مُحْتَجِبٌ عَنْ اِدْرَاکِ الْاَبْصَارِ وَمُرْتَفِعٌ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ[1]۔ (ترجمہ) کیونکہ اللہ تعالٰے ابصار کے ادراک سے حجابِ انوار میں ہے اور ہر اُس شے سے بلند و بالا ہے جو اُس کی شان کے لائق نہیں۔

لفظِ اَللّٰہ سے بحث اِس لئے کی گئی تاکہ اِس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکے، جیسا کہ پہلے مسطور ہوا کہ اللّٰہ اسمِ ذات ہے، اسماءِ صفات بہت ہیں اور یہ کہ صفات کی معرفت کے بعد معرفتِ ذات حاصل ہوتی ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ جب آپ کسی کے لئے مطلقاً کہہ دیں کہ وہ انسان ہے تو مخاطب کو صرف اتنا معلوم ہوگا کہ وہ انسان ہے، اُس کا کماحقہٗ عرفان اُس وقت ہوگا، جب آپ

---

[1] ماخوذ از تفسیرِ بیضاوی، ص ۴، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی
ایضاً تفسیر کبیر، از امام رازیؒ، جلد اوّل، ص ۸۲-۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، سنِ طباعت ۱۹۷۸ء

اُس کی صفات کا ذکر کریں گے۔ اگر لفظِ اللہ کا مفہوم تمام صفات ہوتا تو خداوندِ عالم اپنے اسماءِ صفات کا قرآن مجید میں جا بجا ذکر نہ فرماتا۔ مثلاً ارشاد ہوا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ[1] (ترجمہ) وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، پاک ذات، ہر نقص سے سالم، امان بخشنے والا، نگہبان، بہت غالب، نہایت عظمت والا، کبریائی والا۔ جب ہم آیتِ محوّلہ بالا میں مذکور اور اِن کے علاوہ تمام دیگر صفاتی اسماء کو ذہن میں لاتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اِن اسماء کا مسمّٰی اور مرجع اللہ ہے، مگر اِس کے باوجود اُس کی کُنہ اور حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا، اِس لئے کہ اُس کی ذات بے کران و لامحدود اور انسانی ادراک و شعور انتہائی محدود ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظِ اللہ تمام صفات و کمالات کی جامع ذات پر دلالت کرتا ہے، اِس لئے باقی صفات کی نسبت اُسے (لفظِ اللہ کو) اسمِ ذات کہا جائے گا، گویا لفظِ اللہ اسماءِ صفات کی مناسبت سے اسمِ ذات ہے اور ایسا اسم کہ جو ذاتِ بحت اور حقیقتِ مُطلقہ کی نشاندہی کے لئے قریب تر لفظ ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ کوئی لفظ بھی درجۂ اطلاق اور ھُوِیّتِ محضہ کی مکمل ترجمانی نہیں کر سکتا۔ بقولِ مولانا نظیری نیشاپوری؎

کُنہِ ذاتِ تو بہ ادراک نشاید دانست
ویں سخن نیز باندازۂ ادراکِ من است

ترجمہ۔ تیری ذات اور تیری حقیقتِ محضہ کا ادراک بے چارے حواسِ خمسہ کے بس کی بات نہیں اور یہ اعترافِ عجز بھی تو میرے ظرفِ ادراک ہی کے مطابق ہے، جب کہ تُو لفظی اعتبارات کی گرفت سے بالکل آزاد اور وراء ہے اور ہمارے خیال، قیاس، گمان اور وہم کی سرحدوں سے بہت دُور ہے۔ بقولِ اکبر الٰہ آبادی؎

ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیوں کر ہوا　　جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

## تعیّناتِ ذات

یہ درست ہے کہ لفظِ اللہ ذات کے ایک مرتبہ و مقام کی تعیین ضرور کرتا ہے، مگر اُس کی حقیقت و اصلیت کی نہیں۔ صوفیائے عظام کے نزدیک وجود کے چھ (۶) مراتب ہیں جنہیں اصطلاح

---

[1] القرآن ۵۹: ۲۳

میں مراتبِ ستّہ وجُود کہا جاتا ہے، جب ذاتِ بحت اور حقیقتِ مُطلقہ نزول کرتی ہے تو اُسے اَحَدْ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وُہ ایک ہے اور جب حقیقتِ مُطلقہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہاں اُس پر اَحَدْ کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا، اِس لئے کہ اِس کے معنٰی یہ ہُوئے کہ ہم اَللّٰہ کو ایک ہونے میں مُقیّد کر رہے ہیں، جب کہ وہ ہر قسم کی قید سے آزاد اور حقیقتِ مُطلقہ ہے۔ صوفیائے کرام اِسے ھُوْ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں ؎

نہ مُوسٰی گُفتن و آنجا نہ فرعون
چہ جائے کُفر، ایماں ھم نگنجد (مستان شاہ کابلیؒ)

جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا، ھُوِیّتِ محضہ کے اعتبار سے لفظِ اللّٰہ بھی صفاتی نام معلوم ہونے لگتا ہے، جیسے زید ایک مخصوص شخص کا عَلَم ہونے کے باوجود اُس کی حقیقت کے پیشِ نظر ثانوی حیثیّت رکھتا ہے۔ بہر حال ھُوْ کا مصداق جو کہ حقیقتِ ذات ہے، اُس کا کوئی نام نہیں۔ مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا کہ کائنات میں صفات کا ظہور ہے، یہاں تک کہ ذاتِ باری کی حقیقت کا کوئی نام نہیں۔ جب ذہن اُس کی ذات کی طرف احرامِ سفر باندھ کر اِنّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ کہتا ہے تو وُہ اسم، جو اُسے اُس کی ذاتِ حقیقی کے زیادہ قریب لاسکتا ہے وہ لفظِ اللّٰہ ہے، مگر حقیقت پھر بھی مخفی کی مخفی ہی رہتی ہے اور اُس مخفی حقیقت کو کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ ثابت ہوا کہ جب اِس کائنات کے خالق و مالک کی حقیقی ذات کا نام نہیں تو دُنیا میں اور کس کی ذات ہے جس پر کسی لفظ کا بحیثیّتِ ذات اطلاق ہو سکے، یہ کائنات ایک حیرت کدہ ہے۔ اِس میں ہر نام ایک علامت ہے اور ہر شے کا اسم اسمِ صفاتی ہے، ذاتی نہیں جو بطورِ نسب حقیقی معنوں میں استعمال کیا جاسکے۔ گویا اِس عالمِ ماکان و مایکون میں ایک ایسی ذاتِ حقیقی ضرور جلوہ فرما ہے، جس کی جلوہ گاہ تمام کائنات ہے۔ بقولِ بیدلؒ ؎

۱۔ تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہِ کہ می خرامد
جگر بداغ کہ می نشیند نفَس بآہِ کہ می خرامد

۲۔ غُبارِ ہر ذرّہ می فروشد بحیرت آئینۂ تپیدن
رمِ غزالان ایں بیاباں پئے نگاہِ کہ می خرامد

۳۔ زرنگِ گُل تا بہارِ سُنبل شکست دارد دماغِ نازے
دریں گلستاں ندانم امروز کج کلاہِ کہ می خرامد

---

لہ القرآن ۳۷: ۹۹

۴۔ نگہ بہر جا رسد چوں شبنم زشرم می باید آب گردد
اگر بداند کہ بے محابا بجلوہ گاہِ کہ می خرامد

۵۔ مگر ز چشمش غلط نگاہے رسد بفریادِ حالِ بیدل
دگرنہ آں برقِ بے نیازی پئے گیاہِ کہ می خرامد

## ترجمۂ اشعارِ بیدلؒ

۱۔ ہم سراپا شوق ہیں لیکن ہمیں اِس بات کا علم نہیں کہ دل کس کی راہ میں محوِ خرام ہے، جگر کس کا داغ لئے بیٹھا ہے اور سانس کس کی محبت میں آہ بھر رہا ہے۔

۲۔ ہر ذرّے کا غبارِ حیرت کو سوز و تپش کا آئینہ فراہم کرتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ اِس بیاباں کے ہرنوں کا رَم کس کی نگاہ کی غلط خرام پذیر ہے۔

۳۔ رنگِ گُل سے لے کر سُنبل کی بہار تک سارے سلسلۂ ناز و انداز کو حواس باختہ کر رہا ہے، میں نہیں جانتا کہ اِس گُلستانِ ہستی میں آج کس ذاتِ لم یزل کا کج کلاہ خراماں ہے۔

۴۔ نگہ جس مقام پر بھی ٹھہرے، اُس پر لازم ہے کہ وہ شبنم کی طرح شرم سے پانی پانی ہو جائے، اگر وہ یہ جان لے کہ کس جلوہ گاہ میں بے دھڑک سیر کر رہی ہے۔

۵۔ ممکن ہے کہ وہ محبوب اپنی آنکھ سے بیدلؔ کے حال کی فریاد پر کوئی اُچٹتی نگاہ ڈال دے، ورنہ وہ برقِ بے نیازی کس کے گھاس کی سیرابی کے لئے گرتی ہے۔

اُس ذاتِ مطلق کی عادت یہ ہے کہ اُس نے اپنی ذات کو تمام تر توضیحات و تشریحات کے باوصف مخفی رکھا اور اپنی حقیقی ذات کا نام نہیں بتایا، بلکہ اسماء صفات کے ذریعہ سے اپنی پہچان کرائی، اِس لئے ساری کائنات بھی کسی حقیقی یا ذاتی نام سے موسوم نہیں ہو سکتی، اعتباری، علامتی اور صفاتی نام ہی سے پکاری جائے گی، کیونکہ اُس کی ذات کے سامنے اور کون ہے جو اپنی ذات کو ثابت کر سکے یا منوا سکے۔ ذات تو ایک ہی ہے، جس طرح واجبُ الوجود کے مقابلہ میں ساری کائنات ممکنُ الوجود ہے، اِسی طرح اُس کی ذاتِ حقیقی کے سامنے تمام موجودات محض اعتباری اور عارضی اشیاء ہیں اور اعتباری و عارضی شے کی ذات ہی جب عارضی و اعتباری ہوتی ہے تو اُس کے نام ذاتی اور حقیقی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اِس لئے محمود عباسی اور فیض عالم صدیقی صاحب کو عباسی، صدیقی، سیّد، ہاشمی، قریشی کے الفاظ کے علاوہ بھی تمام اسماء اشیاء کو اعتباری سمجھ کر خواہ مخواہ اُلجھنے سے گریز کرنا چاہیئے، اگر وہ اسماء ذات و صفات کے چکر میں پڑیں گے تو بات خدا تک پہنچ جائے گی۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک　　(فانی بدایونی)

چونکہ نام کی ابتدا اُسی سے ہوئی، اِس لئے ہر معاملہ کی طرح اُسی کے حوالے کو بطورِ سند پیش کیا جائے گا۔ عبّاسی صاحب نے دراصل اپنے اجداد کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ خُلفائے عبّاسیہ نے اپنے دَورِ حکومت میں سادات پر جو مظالم ڈھاتے ہیں، اُن سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ عبّاسی صاحب کو یہ عناد ورثے میں ملا ہے۔[1]

[1] جیساکہ اُوپر مذکور ہوا ہم ازراہِ اخلاق ومروت عبّاسی صاحب کے علم وفضل کو تسلیم کرلیتے ہیں، ہر چند کہ اُن سے ملاقات کا موقع نہیں ملا، تاہم میرے کرم فرما اور بزرگ دوست مولانا ریاض الحق عبّاسی مرحوم، جو محمود عبّاسی صاحب کے حقیقی بھانجے تھے، اکثر اپنے ماموں صاحب قبلہ کی بدعقیدگی اور علمی تہی مائیگی کا رونا رویا کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے اللہ کریم میرے ماموں کو ہدایت دے۔ یہ اہلِ بیتِ رسول سے اِس طرح دشمنی مول لے کر کل کلاں بروزِ محشر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ مولانا ریاض الحق مرحوم عربی، فارسی، اُردو، انگریزی کے ماہر اور شاعر ہونے کے علاوہ عالمِ دین، حافظِ قرآن اور جیّد قسم کے عالم تھے۔ پہلے ڈاڑھی صفاچٹ تھی پھر میرے اصرار اور توفیقِ الٰہی سے رکھ لی تھی۔ فاضلِ دیوبند ہونے کی وجہ سے دیوبندی مسلک رکھتے تھے، مگر جب اُنہیں کسی بات پر معقول دلیل دی جاتی تو اپنے موقف سے رجوع کرلیا کرتے۔ برسوں اُن سے تبادلۂ خیال رہا۔ آخری زمانہ میں وہ عشقِ رسول اور بزرگانِ دین سے محبت وعقیدت کے جذبات سے لبریز ہوگئے اور فرمایا کرتے، تم نے میری دنیا بدل ڈالی۔ کبھی کبھی محفلِ سماع میں بھی شریک ہوجاتے اور بے اختیار رویا کرتے۔ اُن کے اخلاص وعمل کا نتیجہ دیکھئے کہ حج کے لئے روانہ ہوئے اور حج سے فراغت کے بعد جب دیارِ مصطفےٰ میں داخل ہوئے تو دو تین روز کی حاضری کے بعد وہیں انتقال ہوا۔ حرم نبوی میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنّت البقیع میں دفن ہونے کی سعادت پائی۔ ؎　یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

مرحوم ہر جمعرات کو ہمارے گاؤں آیا کرتے کیونکہ اُن کی بیٹی مولانا نُور اللہ میاں الٰہ آبادی کے عقد میں ہے۔ شاہد حسن سوز ناڑوی (م ۱۹۷۳ء) بھی اُن کے ساتھ آیا کرتے۔ نُور اللہ میاں الٰہ آباد کے مشہور عالمِ دین اور حضرت اعلیٰ پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہٗ کے عزیز ترین مُرید حضرت مولانا محمد نعمت اللہ ناڑوی الٰہ آبادیؒ (م ۱۹۵۸ء) کے صاحبزادے ہیں۔ جدِّ امجد حضرت قبلہ بابوجیؒ سے خصوصی عقیدت کی بنا پر مولانا محمد نعمت اللہ مرحوم نے الٰہ آباد کو خیرباد کہہ کر گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ میرے والدِ ماجد اور عمِ محترم اُن سے بھی کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ میں نے مولانا مرحوم کو اپنے انتہائی بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا۔ اُن کی نُورانی صورت اور ناڑہ کی دیہاتی زبان کے چند الفاظ اب تک لوحِ ذہن پر نقش ہیں۔ وہ ایک جیّد عالمِ دین تھے۔ گولڑے ہی میں انتقال ہوا اور اپنے شیخ کی قیام گاہ کے بالمقابل قبرستان میں جگہ پائی۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت بابوجی قدس سرہٗ جب بھی کہیں سفر پر جاتے یا سفر

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

اگر عباسی صاحب آج بھی مشقِ ستم نہ فرمائیں تو اُن کا عباسی ہونا بجائے خود مشکوک ہو جاتا ہے۔ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

سے واپس آتے تو گھر جانے سے قبل حضرت مولانا مرحوم کے یہاں تشریف لے جایا کرتے؛ عید کے روز بھی یہی معمول تھا۔ مولانا مرحوم بلند پایہ عالمِ دین ہونے کے ساتھ عربی، فارسی اور اُردو کے بہترین شاعر تھے۔ الٰہ آباد کے مشہور نواحی قصبہ نارہ کے رہنے والے تھے، جہاں کے نوح ناروی (م ۱۹۶۲ء) ہیں، جو اُستاد داغ (م ۱۹۰۵ء) کے مشہور شاگرد اور جانشین تھے۔

سوز ناروی بھی اچھے شاعر تھے اور اُنہیں بھی حضرت نوح ناروی ہی سے نسبتِ تلمذ تھی۔ اُن کا دیوان مسودے کی صورت میں موجود ہے۔ خدا کرے بجلد منصۂ شہود پر آجائے۔ سوز مرحوم بھی گوڑہ ہی میں دفن ہوئے۔ مولانا کے نواسے صابر عرف چشتی میاں بھی ان مجالس علیہ میں شریک ہوا کرتے؛ وہ ان کل اسلام آباد میں ملازمت کرتے ہیں اور دینی شوق کے ساتھ خاصا شعری ذوق بھی رکھتے ہیں۔

اِس تفصیلی تعارف کا مقصد یہ تھا کہ سوز ناروی اور مولانا ریاض الحق عباسی (م ۱۹۷۱ء) جب بیٹھتے تو شاعری کے علاوہ علمی و دینی مباحث پر بھی تبصرہ کرتے۔ اُنہی دنوں کی بات ہے کہ سوز ناروی مرحوم نے محمود احمد عباسی کی کتاب خلافتِ معاویہ و یزید کا مطالعہ کیا تو اُن پر خوارج کے خارجی اثرات نے غلبہ پانا شروع کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی نوراللہ عرف ماموں جان اور غلام صابر عرف چشتی میاں اُن کی غلط سلط گفتار سے دل تنگ ہوتے۔ ریاض الحق عباسی بھی اُنہیں سمجھاتے، مگر عرصۂ دراز تک محمود عباسی کے عقائد و افکار سوز ناروی مرحوم پر اثر انداز رہے، مگر بحمداللہ آخری زمانے میں عقائدِ باطلہ سے تائب ہو کر محبِ اہلِ بیتؓ بن گئے اور اِس طرح اُن کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

ریاض الحق عباسی اپنے ماموں محمود احمد عباسی سے اپنے انقطاع کا سبب اُن کا اہلِ بیت سے بغض و عناد ہی بتلاتے تھے۔ یہ تمام باتیں بیس بائیس برس پہلے کی ہیں، کچھ عرصہ پہلے کسی رسالے میں محمود برکاتی صاحب کا ایک مضمون نظر سے گزرا، جس میں اُنھوں نے محمود عباسی کی پوری شخصیت کو واضح کیا تو تعجب کی اِنتہا نہ رہی۔ یہاں سارا مضمون نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اُن قارئین پر جو محمود عباسی صاحب کے علمی فضائل اور کمالات نیز اُن کی تاریخی تحقیقات کے مدّاح و معترف ہیں عباسی صاحب کی تاریخ دانی واضح ہو جائے۔ چنانچہ ماہنامہ الفاروق جنگ اشاعتِ مارچ ۱۹۸۶ء صفحہ ۳۳ تا ۳۶ سے چند اقتباس درج کر رہا ہوں، مضمون نگار محمود برکاتی ہیں:۔

محمود احمد عباسی صاحب سے میرا تعارف پاکستان آکر ۵۳-۱۹۵۲ء میں ہوا تھا۔ انہیں کسی کتاب کی ضرورت تھی، کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

امر واقع ہے کہ عباسی خانوادے نے حسنی وحسینی سادات پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں اور کمال کی بات

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اُستاد امامِ طب حکیم فرید احمد مرحوم ومغفور کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قُرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد ورفت شروع ہو گئی اُن اور اُن کے اہل وعیال کی خدمت علاج کے مواقع بھی بارہا ملے۔ اِن ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے۔ عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے۔ فارسی پر بھی عبور نہیں تھا۔ میں نے اُن کو فارسی کی غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سُنا تحریری کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے۔ آخر عُمر میں تاریخ امروہہ تحقیق الانساب اور تذکرۃ الکرام لکھی۔ اِس کے بہت عرصہ بعد ۷۰ سال سے زیادہ کی عُمر میں خلافتِ معاویہ ویزید لکھی۔ اِس کتاب کے سلسلے میں اُن کو متعدد اہلِ قلم کا تعاون حاصل تھا جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے، وہ مولانا تمنا عمادی کا نام ہے، جو اُن کے لئے کُتبِ تاریخ سے اقتباسات اور اُن کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ میرا دوسرا تاثر یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مُخلص نہیں تھے۔ زبان وقلم سے ردِّ شیعیت کے باوجود اہلِ تشیّع سے اُن کے گوناگوں مراسم تھے۔ ایک بار جب اُن کے ہاں حاضر ہوا تو چند نامور شیعہ اہلِ قلم براجمان تھے اور پُر تکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بڑی اپنائیت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اُن کے جانے کے بعد از خود صفائی پیش کرنے لگے کہ اُن کے بچپن سے وطن ہی سے مراسم ہیں۔ بڑی محبت کرتے ہیں اور بڑا لحاظ رکھتے ہیں۔ میں نے جی ہاں کہہ کر بات ٹال دی۔ ایک بار اُن کی اہلیہ محترمہ، جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ آج صبح اُنہیں (یعنی عباسی صاحب کو) گالیاں دے رہا تھا اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا۔ اِس پر میں نے ازراہِ تفنن کہہ دیا کہ یہ آپ کے نقطۂ نظر کے مطابق تو مدح ہوئی نہ کہ قدح۔ اِس پر وہ بہت برہم ہوئے اور اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور اُن کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں کیوں چھیڑتے ہو؟ مطلب یہ کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید دوست اور شیعہ دشمن نہیں، بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کے آلۂ کار تھے۔ میں نے اُن میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے مثلاً مجالس تک اُن کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رُلاتے تھے، مگر اُن کی پابندیِ احکامِ شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم وذہن میں نہیں ہے۔ کم از کم میں نے اُن کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، نہ کسی سے سُنا۔

اُن کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود عباسی صاحب کے ہاں مقیم ہیں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ ہے کہ ایک عباسی خلیفہ نے حضرت امام موسیٰ کاظمؓ سے اُن کے نسب کے بارے میں سوال کیا تو اُس کا جواب امام موسیٰ کاظمؓ نے قرآن مجید سے دیا چونکہ وہ خلیفہ عالم بھی تھا اس لئے معقول جواب سُن کر خاموش ہوگیا ــــــ اب تو معقول جواب سُن کر بھی لوگ خاموش نہیں ہوتے۔

---

(بقیہ صفحہ گزشتہ) چنانچہ میں اور میرے رفیقِ درس اور عزیز دوست حکیم جامی صاحب جو کوٹری سے حُسین میاں سے ملنے کے لئے ہی تشریف لاتے تھے، عباسی صاحب کے یہاں پہنچے۔ حُسین میاں تو نہیں ملے البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسبِ عادت وہی موضوع چھیڑ دیا۔ میں تو تحمل سے کام لیتا رہا، مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور ردِ باطل کے لئے ہر وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے ماخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور طبری وغیرہ کو غیر معتبر بتا رہے تھے۔ اچانک سیدنا حسینؓ کے لئے فرمانے لگے : اُنہیں خُناق کا مرض تھا اور اطباء نے لکھا ہے کہ اس کے مریض کی قوتِ فیصلہ بہت متاثر ہو جاتی ہے۔ اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آگئی تھی عباسی صاحب سے پُوچھا اس کا راوی کون ہے؟ وہ روانی میں کہہ گئے کہ طبری نے لکھا ہے اس پر جامی صاحب نے بڑے زہریلے قسم کا طنزیہ قہقہہ لگایا اور بولے جی ہاں وہ طبری نا جو غیر معتبر ہے۔ اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی برہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہوگئے۔

ایک دفعہ نیاز فتح پُوری کا ایک خط ایک دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لئے دے دیا۔ میں بھی جب سارا خط پڑھ چکا تو پتا چلا کہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے، خط اُنہیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے۔ بہرحال اُس خط کا جو مفہوم ذہن میں مستحضر ہے، وہ کچھ اس قسم کا ہے کہ خُوب کتاب لکھی ہے کچھ ہنگامہ بپا ہوگا تُلطف رہے گا۔ خُوب نکل رہی ہوگی۔ میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے کتابی شکل میں بھی آئے گا، اُسے وہاں منگوائیں اور اپنی کتاب کے اِتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوا دیں کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی ہوگی۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب اقتدا ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے ہاں گئے۔ ہاشمی صاحب تاریخِ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں۔ اُن کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتبِ مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن میں اور ہاشمی صاحب اُن کے یہاں گئے۔ ہاشمی صاحب اور عباسی صاحب اسی موضوع (حسینؓ و یزید) پر گفتگو کرنے لگے۔ میں نے وقت گزارنے کے لئے ایک کتاب دیکھنا شروع کی۔ مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی

(باقی برصفحہ آئندہ)

# خلیفہ ہارُونُ الرّشید کو امام موسیٰ کاظمؑ کا مُسکت جواب

بہرحال وہ واقعہ مشہور علامہ الشیخ الشبلنجیؒ نے اپنی مشہور و معتبر تصنیف نُورُالابصار فی مناقب آلِ بیتِ النّبیِّ المختار میں یُوں نقل فرمایا ہے ——— یحکی انّ الرّشید سألہ یوماً فقال کیف قلتم نحن ذُرّیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وانتم بنو علی و انّما یُنسب الرّجلُ الٰی جدّہٖ لابیہ دون جدّہٖ لاُمّہٖ۔ فقال الکاظم اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ لا وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ[1] ولا لعیسٰی اَبٌ وَاِنّما اُلحِقَ بِذُرّیّۃِ الاَنْبیاء من قِبَلِ اُمّہٖ کذٰلک اُلحِقْنا بذرّیۃ النّبیّ من قِبَلِ اُمّنا فاطمۃ[2]۔

(ترجمہ) روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبّاسی خلیفہ ہارون الرّشید نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے کہا کہ تم کس بنا پر کہتے ہو کہ ہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں تم تو علیؓ کی اولاد ہو، اس لئے کہ آدمی کا نسب تو باپ کی طرف سے دادا تک جاتا ہے نہ کہ والدہ کی طرف سے نانا تک۔ اس پر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فوراً تعوّذ و تسمیہ پڑھ کر یہ آیت دلیل میں پیش کردی اور اُس کی اولاد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوبؑ و یوسفؑ و موسیٰ اور ہارون علیہم السّلام کو (ہدایت عطا کی) اور ہم نیکوکار بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السّلام کو بھی۔ آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے باپ نہیں ہیں۔ اس لیے جس طرح اُن کے نسب کو اُن کی والدہ ماجدہ جناب مریم علیہا السّلام کی جانب سے انبیاء کے ساتھ ملا دیا گیا، اِسی طرح ہمارا نسب ہماری والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضور

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) آواز نے بتائی۔ (ایڈیٹ (Idiot)) ہاں ایڈیٹ تھا۔ ملی ایڈیٹ۔ ملی ایڈیٹ ہیں (Yes) ملی از ایڈیٹ۔ اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اُٹھائے تخت پر بیٹھے تھے جوتے پہنتے ہوئے۔ مجھ سے کہنے لگے حکیم صاحب آپ ٹھہریں گے؟ میں تو چلا اب ممکن نہیں ———"

محمود برکاتی صاحب کے اِس تبصرہ کے بعد محمود عبّاسی کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجموعی طور پر عبّاسی صاحب کی شخصیت کیا تھی اور لوگوں نے اُنہیں کیا کیا سمجھ رکھا ہے۔

[1] القرآن ۶ : ۸۴، ۸۵

[2] دیکھئے نورالابصار فی مناقب آلِ النّبیِّ المختار مصنفہ الشیخ الشبلنجیؒ ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر سن طباعت ۱۳۰۶ھ

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔

کیسا عجیب و غریب جواب ہے اور پھر کتنی جلدی میں آیت قرآنی سے استدلال کیا گیا سُبحان اللہ یہ سب علوم مرتضوی کی معجز نمائیاں ہیں اور اُنہی کا اثر ظہور ہے۔ اِس گھرانے کا طرۂ امتیاز ہی علم و تقویٰ ہے

قارئین آپ نے ہارون الرشید کے سوال پر غور کیا کہ اُس نے بزعم خود کتنا اہم اور معقول سوال کیا تھا کہ جواب نہ ملنے کی صورت میں یہ طے ہو جائے کہ یہ علوی تو کہلا سکتے ہیں، مگر اولادِ رسول نہیں کہلا سکتے۔ ہارون الرشید کا سوال یہ تھا کہ ہر انسان کا نسب اُس کے باپ کی طرف سے اجداد تک پہنچتا ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ تمہارے والد تو جناب علیؓ ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور داماد ہیں، بیٹے تو نہیں اِس لئے تم بنو علیؓ کہلا سکتے ہو۔ اگر تم کہو کہ ہماری ماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادی تھیں۔ یُوں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے دادا تو نہیں، نانا بنتے ہیں اور نسب نانا سے نہیں دادا کی طرف سے چلتا ہے۔ اِس پر امام موسیٰ کاظمؓ نے جواب میں قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ابراہیم کی اولاد سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسےٰ اور الیاس علیہم السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِس آیت پر غور کرو کہ عیسیٰ کا ذکر اُن انبیاء کی صف میں کیوں ہوا جن کے باپ تھے، حالانکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ تھا اِس اعتبار سے تو اُن کا ذکر اُس صف میں نہیں آنا چاہیئے تھا جس میں مذکور سب افراد کے باپ تھے۔ ظاہر ہے کہ جناب عیسیٰؑ کی والدہ کو باپ کا مقام دے کر ہی عیسیٰؑ کا نام باپ دادا والے انبیاء میں رکھا گیا اور حضرت مریمؑ کو اُبُوَّۃ کا درجہ اِس لئے دیا گیا کہ وہ صرف حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہیں۔ اُن کی حقیقی بیٹی نہیں تھیں۔ ایک عورت جسے اللہ کا نبی صرف اپنی کفالت میں رکھے اُس کا تو یہ مقام ہو سکتا ہے کہ اُسے باپ کے درجہ پر فائز کر دیا گیا۔ اب اُس خاتون کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہوگی جو سیّد الانبیاء، خاتم المرسلین فخر الاوّلین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادی ہو۔ کیا اُس کو باپ کا مرتبہ نہیں دیا جا سکتا؟ کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب زکریاؑ اور دیگر انبیاء سے افضل نہیں اور پھر جناب سیدہ فاطمہ زہراؓ اور جناب مریمؑ کے درجات کا اندازہ بھی اِسی بات سے کیا جا سکتا ہے۔

## اقبالؒ کے گلہائے عقیدت بحضورِ سیّدہ زہراؓ

علامہ اقبال مرحوم نے اِسی مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز  از سہ نسبت حضرت زہراؓ عزیز

حضرت مریم حضرت عیسیٰؑ کی ایک نسبت سے قابلِ احترام ہیں، جب کہ سیدہ زہراؓ تین نسبتوں کی بنا پر لائقِ تعظیم و تکریم ہیں۔

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمیں  آں امامِ اولین و آخریں

ایک یہ نسبت کہ سیدہ فاطمہؓ حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کا نور ہیں اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اولین و آخرین کی امام ہے۔

بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ  مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا

دوسری نسبت یہ کہ آپ ھَلْ اَتیٰ کے تاجدار یعنی جناب علی المرتضیٰؓ کی زوجۂ محترمہ ہیں اور علیؓ وہ ہیں جو شیرِ خدا اور مشکل کشا ہیں۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق  مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آپ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں جو عشق و مودت کی پرکار کے مرکز تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بھی والدہ ہیں جو کاروانِ عشق کے سالار تھے۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ  مادراں را اُسوۂ کامل بتولؓ

سیدہ زہراؓ تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور دُنیا بھر کی ماؤں کے لئے نمونۂ کامل و اکمل ہیں۔

آں ادب پروردۂ صبر و رضا  آسیا گردان و لب قرآں سرا

وہ بتولؓ کہ جو ادب گاہِ صبر و رضا کی پلی ہوئی ہیں، اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں اور اُس وقت اُن کے لبوں پر آیاتِ قرآنیہ جاری ہوتی تھیں۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست  پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است

قانونِ الٰہی کا دھاگہ زنجیرِ پا بنا ہوا ہے اور پھر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا پاس ہے۔

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے  سجدہ ہا بر خاکِ اُو پاشیدمے

اگر ایسا نہ ہوتا تو میں سیدہ زہراؓ کی لحدِ مبارک کے گرد طوافِ عقیدت کرتا اور آپؓ کی تربتِ پاک کی مٹی پر محبت و نیاز کے سجدے نچھاور کرتا۔

اِن اشعار کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے دل میں اولادِ رسول کی محبت کس درجہ کی تھی اور کس قدر احترام تھا۔ یہ اقبالؒ ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے کس جذبہ

اور کس اندرونی تحریک کے تحت یہ اشعار کہے ہیں۔ خداوندِ عالم اِس سچے عاشقِ رسول اور محبِ اولادِ علیؓ و بتولؓ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اُس کے درجات اُخروی مزید بلند فرمائے (آمین)

## لفظِ سیّد کے اطلاق کے بارے میں علّامہ سیوطیؒ کی تشریح

ومنها الاصطلاحُ علی اطلاقِ الاشرافِ علیهم دونَ غیرِهم قال الجلالُ السیوطیُّ فی رسالتِه الزینبیّةِ اسمُ الشریفِ یُطلقُ فی الصدرِ الاوّلِ علی کُلِّ مَن کانَ من اهلِ البیتِ سواءٌ کان حسنیًّا ام حسینیًّا ام علویًّا من ذُرّیّةِ محمّدِ بنِ الحنفیّةِ او غیرِه مِن اولادِ علی بن ابی طالب ام جعفریًّا ام عقیلیًّا ام عبّاسیًّا ولهذا تجِدُ تاریخَ الحافظِ الذّهبیِ مشحونًا فی التراجمِ بذلکَ یقولُ: الشریفُ العبّاسیُّ، الشریفُ العقیلیُّ، الشریفُ الجعفریُّ، الشریفُ الزینبیُّ۔ فلمّا وُلّیَ الخلافةَ الفاطمیّونَ بمصرَ قصروا اسمَ الشریفِ علی ذرّیّةِ الحسنِ والحسینِ فقط واستمرّ ذٰلک بمصرَ الی الآن[1]۔

ترجمہ۔ ساداتِ فاطمیہ کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اصطلاح میں شریف کا اطلاق اُن پر ہوتا ہے نہ کہ اُن کے غیر پر۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، اپنے ایک رسالے میں جس کا نام زینبیہ ہے، یُوں لکھتے ہیں: شریف (یعنی سیّد) کے اسم کا اطلاق صدرِ اوّل میں ہر اُس آدمی پر کیا جاتا تھا، جو اہلِ بیت سے ہو۔ چاہے وہ حسنی، حسینی ہو یا علوی ہو۔ جو محمد بن حنفیہ کی اولاد سے ہیں یا اُن کے علاوہ جو بھی علیؓ بن ابی طالب کی اولاد سے ہو یا جعفرِ طیار کی اولاد سے ہو، جنہیں اِس نسبت سے جعفری کہا جاتا تھا، یا جنابِ عقیلؓ کی اولاد ہو جو عقیلی کہلاتے تھے یا حضرتِ عباسؓ کی اولاد سے ہوں، جو عباسی کہلاتے ہیں؛ اِسی لئے علامہ حافظ ذہبیؒ کی تاریخ کو ایسے القاب سے بھرا ہوا پاؤ گے مثلاً الشریف العباسی، الشریف العقیلی، الشریف الجعفری اور الشریف الزینبی۔ پس جب مصر میں فاطمیوں کی حکومت قائم ہوئی تو اُنہوں نے لفظِ شریف (جو ہمارے ہاں سیّد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے) کو فقط حسنی حسینی خانوادوں کے لئے مخصوص و محدود کر دیا، جو آج تک مصر میں رائج ہے یعنی آج بھی مصر کے باشندے لفظِ شریف یعنی سیّد اُسی آدمی کے نام کے ساتھ لکھتے یا بولتے ہیں، جو جنابِ حسنؓ اور حسینؓ کی صحیح النسب اولاد سے ہو۔

---

[1] دیکھئے اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار از علامہ الشیخ محمد الصبان، ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر

چونکہ حضرت خاتونِ جنت اور حسنینِ کریمین کے لئے سیادت کا شرف خاص طور پر ثابت ہے اور سیدہ فاطمہؓ کی اولاد حضورؐ کی اولاد شمار کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرات حسنینؓ کو ابنِ رسول کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور قرآنِ مجید سے آیتِ مباہلہ کے ضمن میں اَبْنَآءَنَا سے مُراد یہی دو حضرات ہیں اِس لئے اِن حضرات کو سیّد کہنا تو کسی طرح بھی محلِّ اعتراض نہیں۔ اِن حضرات کی اولادِ اطہار کو سیّد کہنا بہ ایں معنیٰ کہ خاص ذُرّیتِ رسول سمجھے جائیں اور اِن کا امتیاز ظاہر ہو، اِس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ سادات کی اولاد کا سادات ہونا واضح ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ عُرف اور محاورے یا رواج کے لحاظ سے سیّد سے آلِ رسول مُراد لینا، اِس میں بھی کلام نہیں ہونا چاہیئے۔ اِس لئے کہ عُرف اور محاورے کو الفاظ کے معانی اور مفاہیم میں بڑا دخل ہے اور الفاظ کے استعمال میں عُرف اور محاورے کو بہ طورِ خاص مدِ نظر رکھا جاتا ہے، چنانچہ اصولِ فقہ کی تمام کُتُب سے ثابت ہے کہ عُرف کی وجہ سے لفظ کے حقیقی معنیٰ ترک کر دیتے جاتے ہیں اور عُرف و رواج کے پیشِ نظر استحسان یعنی قیاسِ خفی کو اہمیت دی گئی اِسی طرح لفظ کو حقیقی معنیٰ سے پھیر لینے میں عُرفِ عام کو بڑا دخل ہے جس کا ثبوت منقولِ عُرفی کی اصطلاح ہے۔ عُلماء فرماتے ہیں کہ تافیفِ ابوینؑ[2] اگرچہ نص سے حرام ہے لیکن عُرف و رواج میں اگر تافیف کلمۂ تعظیم و تکریم ہو تو وہاں یہ کلمہ کہنا حرام نہ ہوگا۔ اِن تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ محاورے، عُرف اور رواج کو الفاظ کے معانی، مفاہیم اور محامل میں گہرا دخل ہے، لہٰذا اگر کسی مُلک یا علاقے میں وہاں کے عُرف و رواج کے مطابق سیّد کا لفظ آلِ رسول کے معنوں میں خاص طور پر استعمال ہوتا ہے اور اِس کے لُغوی معنیٰ مُراد نہیں لئے جاتے تو از رُوئے عُرف و محاورہ اِس معنیٰ میں اِس لفظ کا استعمال ہونا شرعاً، عقلاً اور عُرفاً معتبر ہوگا۔ پس آلِ رسول کے غیر کو اِس لفظ کے استعمال پر شرعاً، عقلاً اور عُرفاً قابلِ مواخذہ سمجھا جائے گا۔ خاص طور پر جب کہ اِس طرح کرنے سے غرض جلبِ منفعت، نسب پوشی اور عوامُ النّاس کو دھوکے میں ڈالنا ہو تو مفاسدِ کثیرہ کی بنا پر ایسے فعل کے مُرتکب کو سخت سزا کا مُستوجب قرار دیا جائے گا۔

## عامۃُ المسلمین کے لئے عُموماً اور سادات کے لئے خصُوصاً ہدایات

مشہور محدث علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمیؒ مسلمانوں کو نسبِ رسول کے بارے میں غیرت

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی، (عربی) جلد اوّل، الجزء الثالث، ص ۱۸۹ مطبوعہ مصر

[2] یعنی والدین کو اُف کہنا

اور خاص توجہ دینے پر آمادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ینبغی لکلّ احدٍ ان یکونَ لہٗ غیرۃٌ علیٰ ھٰذا النّسبِ الشّریفِ وضبطِہٖ حتّٰی لاینتسبَ الیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احدٌ الّا بحقٍّ ولم تزل انسابُ اھلِ البیتِ النّبویّ مضبوطۃً علیٰ تطاوُلِ الایّامِ واَحسابُھم الّتی بھا یتمیّزُونَ محفوظۃً عن ان یّدّعیھا الجُھّالُ واللِّئامُ قد اَلھمَ اللّٰہُ من یّقومُ بتصحیحِھا فی کُلِّ زمانٍ ومَن یّعتنی بحفظِ تفاصیلِھا فی کُلِّ اَوانٍ خصوصًا انسابُ الطّالبیّینَ والمطّلبیّینَ ومِن ثَمَّ وقع الاصطلاحُ علی اختصاصِ الذّرّیۃِ الطّاھرۃِ بنی فاطمۃَ من بینِ ذوی الشّرفِ کالعبّاسیّینَ والجعافرۃِ بلبسِ الاخضرِ اظھارًا لمزیدِ شرفِھم[1]۔

ترجمہ۔ ہر انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ (حضورِ پاک) کے نسبِ مبارک اور اس کے انضباط پر غیرت کا مظاہرہ کرے، تاآنکہ بغیر استحقاق کے کوئی فرد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا رشتۂ انتساب پیدا نہ کرسکے (یہی وجہ ہے) کہ چیرہ دستیٔ ایّام کے باوصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے انساب درست چلے آرہے ہیں اور جن کمالات کے باعث وہ ممتاز ہیں، اِس امر سے محفوظ ہیں کہ جاہل اور پست فطرت لوگ اُن کے مُدّعی ہوسکیں ہر زمانے میں اللہ تعالٰے نے کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی، جو ہر دَور میں آپ کے نسب بالخصوص طالبیوں اور مُطّلبیوں کے انساب کی حفاظتِ تفصیلات کو درخورِ اعتنا سمجھتے رہے اور پھر اِسی کے سبب عباسیہ اور جعافرہ میں سے سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذُرّیتِ طاہرہ کی اصطلاح امتیازی طور پر ظہور پذیر ہوئی کہ وہ اپنے اضافۂ شرف کے اظہار کے تحت سبز پوش ہیں۔

علّامہ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تصریح کا مطلب یہ ہے کہ عامۃُ المسلمین کے لئے عموماً اور سادات کے لئے خصوصاً ضروری ہے کہ وہ نسبِ رسول محفوظ رکھیں اور اِس معاملے میں غیرت وحمیّت کا ثبوت دیں تاکہ وہ لوگ جن کا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ اطہر سے دُور کا واسطہ بھی نہیں، خود کو سیّد نہ کہلانے لگ جائیں، کیونکہ وہ صحیحُ النّسب سادات ہیں کہ جن کے پاس اپنے نسب کے بارے میں ٹھوس ثبوت موجود ہوں یا پھر کم ازکم اُن میں وُہ تمام صفات وکمالات تو پائے جاتے ہوں، جو ساداتِ بنو فاطمہؓ کے لئے ایک طرّۂ امتیاز کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً علم وفضل، زُہد وتقویٰ، اِنابت

---

[1] الصواعق المحرقۃ (عربی) مصنفہ علّامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی مکی ص ۱۱۳ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر

اِلَی اللہ، احترامِ صحابہؓ و اکابرِ اُمت، صحیح العقیدتی، خوش صورتی اگر نہ ہو تو خوش سیرتی، حُسنِ اخلاق وغیرہ، اگر اپنے ناموں کی حفاظت نہیں کریں گے تو عام جُہّال اور کمینہ فطرت لوگ بھی دعویٔ سیادت کے عَلَم بردار بن بیٹھیں گے۔ اُن کو جھٹلانے کے لئے اُن سے نسبی ثبوت دریافت کرنے چاہئیں تاکہ کسی نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔ ایک ہوتے ہیں وہ سیدؔ، جن کا خونی رشتہ سیدہ فاطمہؓ اور حسنینؓ سے ثابت و قائم ہو۔ دوسرے وہ جو درحقیقت سید نہیں ہوتے، مگر سید کہلانے یا بننے کے شوق میں ہلکان ہوئے پھرتے ہیں، اُنہیں عربی قواعد کے اعتبار سے مُتَسَیِّد یعنی (جعلی سید) کہنا چاہیئے۔

علامہ شہاب الدینؒ کی مذکورہ تحقیق کے تحت سادات بنُو فاطمہؓ نے اپنے اور عباسیوں اور آلِ جعفر میں مزید امتیاز و اختصاص پیدا کرنے کے لئے سال ہا سال تک سبز رنگ کے کپڑے زیبِ تن کرنے کا اہتمام کئے رکھا تاکہ پتا چل سکے کہ سبز پوشی صرف ساداتِ بنو فاطمہؓ کی علامتِ شناخت ہے، جب کہ آلِ جعفر کی نسبت عام عباسی عموماً اور خلفائے عباسیہ خصوصاً سیاہ رنگ کے کپڑے استعمال کیا کرتے تھے، جو اُن کی علامتِ شناخت میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ آج کے دَور میں اگر کوئی شخص سبز لباس زیبِ تن کرلے تو اُسے سید نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ علامہ شہاب الدین آج سے آٹھ نَو سَو سال پہلے کے ساداتِ بنو فاطمہؓ کے مُرَوّجہ پہناوے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اُس دَور میں سبز پوشاک ساداتِ بنو فاطمہؓ کی علامتِ شناخت کی حیثیت سے اِس قدر شہرت پا چکی تھی کہ جسے بھی سبز لباس میں ملبوس دیکھا جاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ یہ آدمی بنُو فاطمی ہے، مگر آج کل چونکہ سادات کی شناخت کے لئے کوئی خاص لباس یا رنگ مخصوص اور رائج نہیں، اِس لئے اُن کی شناخت یا تو اُن کے نسب ناموں کی جانچ پرکھ سے ہو سکتی ہے یا پھر اُن کے کمالاتِ علمیّہ اور صفاتِ عالیہ کو ایک معیار بنا کر باعتبارِ حَسَب پرکھا اور جانچا جا سکتا ہے، جنہیں اُن کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلی وراثت قرار دیا تھا۔

میرے ناقص خیال میں نسب ناموں کی جانچ پڑتال کے بجائے مؤخر الذکر معیارِ سیادت زیادہ وقیع معتبر اور کاشفُ الحقیقت ثابت ہوگا۔ گویا بقولِ راقم الحروف ؎

حقیقت دیکھ لیں خُود جوڑ کر تصویر کے ٹکڑے　　یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں یہ اُن کے تیر کے ٹکڑے

## تعظیمِ سادات اور علامہ شبلنجیؒ

قال ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ وسمعتُ سیدی علیّ الخواص رحمۃ اللہ علیہ

يقولُ مِن حقِّ الشّريفِ علينا ان نفدِيَهُ بارواحِنا لسريانِ لحمِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ودَمِہ الکریمینِ فیہ فھو بضعۃٌ مِّن رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وللبعضِ فی الاجلالِ والتعظیمِ والتوقیرِ ما للکلِ وحرمۃُ جزئہٖ بعد موتہٖ صلی اللہ علیہ وسلم کحرمۃِ جزئہٖ حیًّا علیٰ حدٍّ سواءٍ۔[1]

ترجمہ۔ ابوبکر بن عیاشؒ کا قول ہے کہ میں نے حضرت علی الخواصؒ سے سُنا کہ وہ کہتے تھے: شریف (یعنی سیّد) کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اُس پر اپنی جانیں فدا کریں کہ اُس میں فخرِ موجودات حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لحمِ اطہر اور خونِ مقدّس کی تاثیرات پائی جاتی ہیں احترام و تعظیم کا حکم جُزو کے لیے بھی کُل کے مانند ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جسدِ اطہر کے جُزو کا احترام بالکل اُسی طرح ہے، جس طرح حیاتِ مُبارکہ میں اُس جُزو کی عزّت و توقیر تھی۔

مزید لکھتے ہیں:۔

"قال بعضُ العلماءِ ومِن حقوقِ الشّرفاءِ علینا وانْ بَعُدُوا فی النّسب ان نُؤثِرَ رضاھم علیٰ اھوائِنا وشھواتِنا ونعظّمَھم ونوقّرَھم ولانجلسَ فوقَ سریرٍ وھُم علَی الارضِ"[2]

ترجمہ بعض عُلماء فرماتے ہیں کہ سادات اگرچہ نسب میں بعید بھی ہوں، اِس کے باوجود ہم پر اُن کے حقوق ہیں۔ منجُملہ یہ کہ ہم اپنی آرزوؤں اور خواہشات پر اُن کی رضا کو مقدّم سمجھیں اور اُن کی تعظیم و توقیر بجالائیں اور جب وہ زمین پر بیٹھے ہوں تو ہم چارپائیوں پر نہ بیٹھیں۔

## کاذب مدّعیانِ سیادت کے بارے میں امام مالکؒ کا رویّہ

سادات کے متعلق حضرت امام مالکؒ کے رویّے کا ذکر نورالابصار میں اِس طرح مرقوم ہے:۔

وکان الامام مالکٌ یقول من ادّعی الشّرفَ کاذبًا یُضربُ ضربًا وجیعًا ثمّ یُشھرُ ویُحبَسُ طویلًا حتّٰی یَظھرَ لنا توبتُہٗ لانّ ذٰلک استخفافٌ مّنہ بحقّہٖ صلی اللہ علیہ وسلم ومع ذٰلک کانَ یعظّمُ مَن طعنَ فی نسبہٖ ویقولُ لعلّہٗ شریفٌ فی نفسِ الامرِ[3]

[1] دیکھئے نورالابصار، از علّامہ الشیخ شبلنجی، ص ۱۰۶، مطبوعہ مصر

[2] ایضاً ص ۱۰۶

[3] ایضاً ص ۱۰۷

ترجمہ۔ اور امام مالکؒ فرماتے تھے کہ جو شخص سیادت کا جھوٹا دعویٰ کرے اُسے سخت مارا جائے اُس کی تشہیر کرائی جائے اور کافی عرصہ قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ ہمارے سامنے اُس کی توبہ واضح ہو جائے۔ کیونکہ اُس کی جانب سے یہ بات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گستاخی پر مبنی ہے۔ اِس کے باوجود وہ ایسے سادات کی تعظیم بھی کیا کرتے تھے جن کے نسب پر اعتراض کیا جاتا تھا، اور فرماتے تھے کہ شاید وہ حقیقت میں سیّد ہی ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ادّعائے سیادت کرے اُس کی تحقیق ضروری ہے۔ آج کل تو یہ عمل فیشن کے طور پر رائج ہے۔ پہلے اپنے نام کے ساتھ صرف صاحبزادہ لکھتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ سیّد لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جو شخص اپنے نسب کو بدلے اور کسی دوسرے نسب میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو احادیث میں اُس کے لئے سخت الفاظ ملتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو اسلامی معاشرے میں وقتی وجاہت و عزت طلبی اور مفاد پرستی کی خاطر سیّد کہلا کر اپنی مادرِ محترمہ کے دامنِ عصمت کو داغدار کرتے ہیں۔

علامہ شبلنجیؒ سادات پر حدودِ شرعیہ اور احکامِ اسلامیہ کے عائد کرنے کے حق میں مزید لکھتے ہیں۔

وقد تقدّم انّ اقامة الحدود على الشرفاء لا تنافى تعظيمهم و توقيرهم فنعظمهم من حيث كونهم من ذرّية رسول الله ونقيم عليهم الحدّ الذى شرعه جدّهم صلى الله عليه وسلم ولم يخصّ به احدًا دون احدٍ بدليل قوله صلى الله عليه وسلم وايم الله لو انّ فاطمة بنت محمّدٍ سرقت لقطعتُ يدها۔[2] (متفق عليه)

ترجمہ۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ شرعی حدود قائم کرنا سادات کی تعظیم و توقیر کے خلاف نہیں، پس ہم ذُرّیتِ رسول ہونے کے لحاظ سے اُن کی عزت کرتے ہیں اور اُن پر وہ حد جاری کرتے ہیں، جسے اُن کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تخصیص کے مشروع قرار دیا اور اِس پر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی گواہ ہے، جو سیدہ فاطمہؓ کے بارے میں فرمایا کہ بالفرض اگر فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اِس توضیح سے یہ غلط فہمی بھی رفع ہو جاتی ہے، جو بعض کے دل میں پائی جاتی ہے کہ سادات حدود اللہ اور شرعی تعزیرات سے مستثنیٰ ہیں۔ سادات جو سیاہ و سفید کریں، بازپرس کرنے والا کوئی

[1] دیکھئے نور الابصار، ص ۱۰۶، مطبوعہ مصر

[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب قطع السرقۃ، ص ۳۱۴

نہیں یا اُن پر کسی قسم کی شرعی حد یا تعزیر لاگو نہیں ہو سکتی، غلطِ محض ہے۔ محولہ عبارت سے معلوم ہُوا کہ سادات پر بھی حدودِ شرعیہ کا نفاذ اُسی طرح ہوگا، جیسا کہ غیر سیّد پر ہوتا ہے۔

## تعظیمِ سادات کے بارے میں ایک عجیب واقعہ

علامہ موصوف عزّت و حُرمتِ سادات کے بارے میں ایک عجیب واقعہ نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:—

نَقَلَ الشَّیخُ عبدُ الرحمٰنِ الاَجهوریُّ المالکی فی کتابِهٖ مشارقِ الانوارِ اَنَّ رجلاً من المغرب عزم علی التوجّهِ الی الحجّ فاعطاه اٰخرُ مائةَ دینارٍ وقال تُعطیها بالمدینة لرجلٍ شریفٍ صحیحِ النّسبِ فلمّا وصلَ سأَلَ عن الاشرافِ فقالوا له اِنّهم من الشّیعةِ یَسُبُّونَ الشّیخَینِ رضی اللّٰه عنهما فکرهَ الاعطاءَ فجلس بجنبِهٖ رجلٌ بالمدینة فقال له أَ أنتَ شریفٌ فقال نعم قال له ماعقیدتُکَ قال شیعیٌّ فکرِهَ الاعطاءَ له قال فَرُمْتُ تلک اللّیلةَ فَرَاَیتُ اَنّ القیامةَ قامتْ والنّاسُ یَجُوزُونَ علی الصِّراطِ فاردتُ الجوازَ فمنعَتْنِی فاطمةُ رضی اللّٰه عنها فاقبلَ رسولُ اللّٰه فشکوتُ له فقال لها لِمَ منعتِیهِ فقالتْ قطعَ رزقَ اِبنی فقالَ لها رسولُ اللّٰهِ اِنّهُ مامنعَهُ الّا مِن کونِهٖ یَسُبُّ الشّیخینِ قال فالتفتتْ فاطمةُ الی الشّیخینِ وقالت لهما أتُؤاخذانِ وَلَدِی بذلک فقالا بل سامحناهُ فالتفتتْ الیَّ وقالتْ ما الذی اَدخَلَکَ بین وَلَدِی وبینَ الشّیخینِ فانتبهتُ فزعاً فاخذتُ المبلغَ وجئتُ بهٖ الی ذٰلکَ الشّریفِ ودَفعتُهُ الیه فتعجّبَ من ذٰلکَ فقصَصتُ علیهِ الرّؤیا فقال أُشهدُکَ علیَّ اَنّی لا اَسُبُّهما۔[1]

ترجمہ: شیخ عبد الرحمٰن اجہوری مالکیؒ سے اُن کی کتاب مشارق الانوار میں منقول ہے کہ دیارِ مغرب سے ایک شخص نے حج کا قصد کیا تو ایک آدمی نے اُسے سَو دینار دیئے تاکہ مدینہ منورہ میں کسی صحیح النسب سیّد کو دے دے۔ جب وہ مدینہ عالیہ پہنچا تو اُس نے اشرافِ مدینہ کے بارے میں معلوم کیا۔ پتا چلا کہ وہ شیعہ ہیں اور حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی بنا پر اُس نے اُس رقم کا شیعہ سیّد کو دینا پسند نہ کیا۔ بازار میں ایک شخص بیٹھا تھا اُس سے پُوچھا کیا تو سیّد ہے؟ جواب ملا ہاں۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ تیرا عقیدہ کیا ہے۔ اُس نے کہا شیعہ ہُوں۔ یہ سُن کر اُس نے اُسے بھی رقم دینا پسند

[1] نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار از علامہ شیخ شبلنجی، ص ۱۰۷، مطبوعہ مصر

نہ کیا۔ اُس شخص کا بیان ہے کہ مَیں نے رات کو بحالتِ خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور لوگ پُلصراط سے گزر رہے ہیں؛ جب میں گزرنے لگا تو مجھے فوراً سیدہ فاطمہؓ نے روک لیا۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے آپ سے شکایت کی۔ آپ نے سیدہ فاطمہؓ سے روکنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت سیدۂ عالمؓ نے عرض کی کہ اِس نے میرے ایک بیٹے کا رزق روک رکھا ہے۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا کہ اِس نے تیرے بیٹے کو اِس لئے رقم نہیں دی کہ وہ جناب ابوبکرؓ اور عمرؓ کو گالیاں دیتا اور بُرا بھلا کہتا ہے۔ یہ سُن کر حضرتِ فاطمہؓ نے حضرت صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا آپ اِس بات پر میرے بیٹے سے مؤاخذہ کریں گے؟ تو دونو حضرات نے فرمایا نہیں بلکہ ہم نے اُسے معاف کیا اور اُس کے اِس فعل سے درگزر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا یہ جواب سُن کر حضرتِ سیدۂؓ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میرے بیٹے اور شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے درمیان کس چیز نے تجھے مداخلت پر آمادہ کیا؟ چنانچہ میں گھبرا کر اُٹھا اور وہ رقم اُس سیدزادے کو دے دی اور اُسے خواب کا سارا قصّہ سُنایا تو وہ سیدزادہ سارا قصّہ سُن کر حیرت زدہ ہو گیا اور کہا تم گواہ رہنا میں آئندہ حضرات شیخینؓ کو ہرگز ہرگز سب وشتم نہیں کروں گا اور نہ ہی اُن کے حق میں سخت و سُست الفاظ استعمال کروں گا۔

اِس واقعہ سے بہت سے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے سب وشتم کرنے کے باوجود اُس سیدزادے کو معاف کر دیا، وہ صرف اِس لئے کہ اُس کا خونی رشتہ سیدہ زہراؓ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ نے سیدہ زہراؓ اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتنی شرم ملحوظ رکھی تو اُن سادات کو بھی کم از کم ابوبکرؓ و عمرؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ کے معاملے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم و حیا ضرور رکھنی چاہیئے جو اُن کو گالیاں دیتے اور بکواس کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی حقیقی سیدزادہ ہے تو اِس واقعہ کو پڑھنے یا سُننے کے بعد حضرات شیخینؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ کے حق میں کسی قسم کا ہتک آمیز جملہ زبان پر نہیں لائے گا اور اگر محض جمعراتی اور برساتی قسم کا فرضی و جعلی سید ہے تو بکتا رہے۔ اُن کی شان میں کیا فرق پڑ سکتا ہے؟

روایتِ مذکورہ کو رافضی سادات اپنی نجات کی سند نہ سمجھیں، کیونکہ اِس میں غور کرنے سے یہ نتیجہ بھی سامنے آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے خواب میں شفقت و نصیحت کا یہ انداز اختیار فرما کر اُنہیں تنبیہ فرمائی شیخینؓ کے سب وشتم سے ڈرایا اور واضح فرما دیا کہ اِن حضرات کی معافی کے بغیر نجات نہیں مل سکتی۔ رافضی سید کا آئندہ سب وشتم سے باز رہنے کا عہد اِس نتیجے کی صحت پر شاہد ہے۔

# سادات کے لئے حکمِ صدقہ

سادات کے لئے صدقہ وغیرہ کے حکم کے متعلق لکھتے ہیں:—

تَحْرُمُ الصَّدَقَۃُ عَلَیْھِمْ لِکَوْنِھَا اَوْسَاخَ النَّاسِ وَلِتَعْوِیْضِھِمْ خُمُسَ الْخُمُسِ مِنَ الْفَیْئِ وَالْغَنِیْمَۃِ وَقَصَرَ مَالِکٌ وَاَبُوْحَنِیْفَۃَ تَحْرِیْمَھَا عَلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ بِتَحْرِیْمِھَا عَلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ وَبَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ جَوَازُھَا لِبَنِیْ ھَاشِمٍ مُطْلَقًا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ تَحِلُّ مِنْ بَعْضِھِمْ لِبَعْضٍ وَمَذْھَبُ اَکْثَرِ الْحَنَفِیَّۃِ وَالشَّافِعِیَّۃِ وَاَحْمَدَ جَوَازُ اَخْذِھِمْ صَدَقَۃَ النَّفْلِ وَھُوَ رِوَایَۃٌ عَنْ مَالِکٍ وَرُوِیَ عَنْہُ حِلُّ اَخْذِ الْفَرْضِ دُوْنَ التَّطَوُّعِ لِاَنَّ الذُّلَّ فِیْہِ اَکْثَرُ۔[1]

ترجمہ۔ شُرفا یعنی سادات پر صدقہ حرام ہے اِس لئے کہ صدقات لوگوں کی مَیل ہیں نیز اِس لئے کہ خمسِ غنیمت اور فَے سے اُن (سادات) کا پانچواں حصّہ بھی مقرر ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے تو بنی ہاشم تک حرمت کو محصُور رکھا لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سب پر صدقے کی حُرمت کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ بنی ہاشم کے لئے مطلقاً جائز ہے اور امام ابویوسفؒ بنی ہاشم کے ایک دوسرے کو صدقہ دینے کے جواز کے قائل ہیں یعنی وہ ایک دوسرے کو صدقہ دے سکتے ہیں۔ اکثر حنفیہ اور شافعیہ اور جناب احمد بن حنبلؒ کا مذہب صدقہ نفل کے جواز کے بارے میں ہے اور امام مالکؒ سے بھی یہی روایت ہے اور اُن سے یہ روایت بھی ہے کہ فرض صدقہ لینا جائز ہے نفل نہیں، اِس لئے کہ اِس میں زیادہ ذلّت کا پہلو پایا جاتا ہے۔

اِس کے علاوہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے متعلق فقہائے حنفیہ کا مسلک یہ ہے: وَلَا تُدْفَعُ اِلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ وَھُمْ اٰلُ عَلِیٍّ وَاٰلُ عَبَّاسٍ وَاٰلُ جَعْفَرٍ وَاٰلُ عَقِیْلٍ وَاٰلُ حَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَمَوَالِیْھِمْ۔[2] (ترجمہ) بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے اور وہ حضرات علی و عباس و جعفر و عقیل و حارث بن عبدالمطلب کی آل ہیں۔ البتہ سادات، بنو ہاشم اور دیگر مذکورہ بالا خانوادوں کے فقر و مسکنت پر نظر رکھتے ہوئے اکثر علمائے کرام نے اُنہیں خمسِ غنیمت دوسرے لوگوں کی

---

[1] دیکھئے نورالابصار فی مناقب آل النبی المختار، از علامہ الشیخ شبلنجی، ص ۱۰۷، مطبوعہ مصر

[2] دیکھئے ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ

نسبت زیادہ دینے کی تاکید کی ہے، لیکن صدقاتِ فرضیہ مثلاً زکوٰۃ، عُشر، کفارات، نذرِ شرعی اور صدقہ فطر کے متعلق علماء میں اختلاف ہے، چنانچہ ائمہ اربعہ سے یہی منقول ہے کہ اُن کے نزدیک مذکورہ بالا خانوادوں کے لئے ایسے صدقات ناجائز ہیں۔ کفایہ شرح ہدایہ میں مُجوّزین کا موقف یہ ہے: الحُرمۃ کانت فی عھد النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم للعوض وھو الخُمس فلمّا سقط ذٰلک حلّت لھم الصّدقۃ قال الطّحاویؒ وبالجواز نأخذ، یعنی مذکورہ خانوادوں پر زکوٰۃ و صدقات کی حرمت حضور علیہ السّلام کے عہدِ مقدّس سے مخصوص تھی، کیونکہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ کا بدل یعنی خُمس دیا جاتا تھا، جب وہ ساقط ہو گیا تو اُن کے لئے صدقہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ حلال ہو گئے۔ امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے فرمایا کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اِسی روایت کو مجدّدِ ملّت حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ نے تفسیر رُوح البیان زیرِ آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ[1] سے تفصیلاً نقل فرمایا ہے[2]۔ نیز ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی شائع کردہ کتاب برِصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ مؤلفہ مولوی محمد اسحٰق صاحب میں فتاوٰی غیاثیہ اور فتاوٰی حمّادیہ سے یہی روایت بواسطۂ ابو عصمہؒ[3]، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور امام طحاویؒ نے اپنی تصنیف شرح معانی الآثار میں اِسی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے ان خانوادوں کے لئے صدقاتِ فرضیہ کو اُن کے فقر و مسکنت کے سبب جائز قرار دیا ہے، یا اُن پر صدقات کے جواز کا حکم ابن السّبیل (مسافر) ہونے کے تحت لگایا ہے۔ لیکن اِس کے جواز کے باوجود خاندانِ رسالت کے احترام اور عزّتِ نفس کے پیشِ نظر سادات وغیرہم کے لئے صدقاتِ فرضیہ کا نہ لینا انسب و اولیٰ ہے۔ کاشانات جن کے گھر کا صدقہ کھاتی ہو، اگر وہ بغیر کسی عُذرِ شرعی کے صدقات و زکوٰۃ لینے پر اُتر آئیں اور اُنہیں اپنی ذات کے لئے استحقاق کے بغیر استعمال کرنے لگیں، تو یہ مستحسن نہ ہوگا۔ ہاں اگر صدقات و زکوٰۃ وصول کر کے مساکین و مستحقین تک پہنچا دیں تو یہ الگ بات ہے، بلکہ کارِ ثواب بھی ہے۔

بعض مقامات پر ایسے مولوی حضرات جو علمی اعتبار سے منصبِ افتاء کے لائق نہیں ہوتے،

---

[1] القرآن ۸: ۴۱۔

[2] دیکھئے فتاوٰی مہریہ، ص ۱۸، طبع دوم، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۷۷ء

[3] آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔

خود کو علامۂ زماں اور مفتیٔ دہر باور کرانے کے شوق میں خانوادۂ رسالت کو اُن کے استحقاق کے باوجود زکوٰۃ و صدقات دینا مطلقاً حرام قرار دے کر لوگوں کو روکتے اور سادات کو لینے سے ڈراتے ہیں؛ ایسے حریص اور خود غرض ملّاؤں کا دراصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے غلط سلط فتوے ٹھونس کر صدقات و زکوٰۃ وغیرہ خود بہ آسانی ہضم کر سکیں اور لوگوں کے دلوں میں خاندانِ رسالت کے لئے جو احترام و ایثار پایا جاتا ہے، اُس کی آڑ میں عامۃ النّاس کو سادات کی امداد سے باز رکھیں، بالفاظِ دیگر اُنہیں دنیوی منافع سے محروم کر دیں، اُن کے اِس موقف کا مطلب یہ ہے کہ خاندانِ رسالت ہمیشہ افلاس و نکبت کے شکنجوں میں جکڑا رہے اور ایسے مُفت خور فرضی مُلّا عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔ یاد رہے کہ یہ نقطۂ نظر محوّلہ بالا فقہی تصریحات کے سراسر منافی ہے اور ایسا عمل عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے؛ لہٰذا لوگوں کو ایسے غیر معتبر فتویٰ بازوں کی بے بنیاد منطق پر کان نہیں دھرنے چاہئیں، بلکہ سادات اور بنو ہاشم وغیرہم کے مستحق افراد کی ضرور مدد کرنی چاہیئے۔ اِس سلسلے میں ہم نے حضرت اعلیٰ گولڑویؒ، امام طحاویؒ اور دیگر فقہائے احناف کے نقطۂ نظر کو یہاں تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔

اِس مقام پر یہ اعتراض بے معنی قرار پائے گا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ذوی القربیٰ کا حصّہ کیوں ساقط کر دیا گیا؟ اِس کی وجہ درج ذیل حدیث پاک سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ غنائمِ خیبر کی تقسیم کے موقع پر آپ نے بنو ہاشم کو خُمس سے وافر حصّہ عطا فرمایا، تو بعض اکابرِ قریش نے عرض کیا کہ بہ اعتبارِ خاندان ہم بھی تو بنو ہاشم کے ساتھ استحقاق میں برابر ہیں۔ اِس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: اِنَّھُمْ لَنْ یَّزَالُوْا مَعِیْ ھٰکَذَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَالْاِسْلَامِ وَ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ (بنی ہاشم میرے ساتھ جاہلیت اور اسلام میں اِس طرح رہے اور آپؐ نے دونو ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ملا دیا۔ اِس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصّہ اُن کے اُس خصوصی تعاون کی بنا پر تھا؛ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السّلام کے وصال کے بعد یہ حکم ساقط ہو گیا۔ یاد رہے کہ شوافع کے نزدیک آپؐ کے بعد تا قیامت ریاستِ اسلامیہ کے قیام کی صورت میں بنو فاطمہ اور بنو ہاشم وغیرہم کے لئے خُمسِ غنیمت کی ادائگی حکومت پر واجب ہے، کیونکہ شوافع کے نزدیک آیتِ شریفہ میں مذکور لفظِ ذوی القربیٰ ایک مستقل مصرف

---

[۱] ابو داؤد و نسائی کی محوّلہ بالا احادیث پر تفصیلی بحث ہدایہ کتاب السیر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ (مصنف)

ہے اور احناف اِن خانوادوں کے افراد کے فقر و مسکنت کی صورت میں اُنہیں دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتے ہوئے زیادہ دینے کی تاکید کرتے ہیں۔ احناف کے قول کی تائید اِس سے بھی ہوتی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلافتِ راشدہ کے سُنہری دَور میں ذوی القربیٰ میں سے کسی صاحبِ استطاعت فرد نے خُمسِ غنیمت کے حُصُول میں اپنا حق نہیں جتلایا؛ اِس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور محوّلہ بالا حدیثِ پاک بھی اِس کی مؤیّد ہے۔

---

# بابِ چہارم

# مومنین کی خصوصیات

ارشادِ باری ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ[1] (ترجمہ) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں، مگر آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے!) تو اُنہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے۔ اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے (انتہیٰ) یعنی وہ خدا کے آگے جُھکے ہوتے اور سربسجود ہیں، اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں اور کثرتِ سجود کے اثرات سے اُن کی پیشانیاں جگمگا رہی ہیں۔

مقامِ توجہ ہے کہ جب وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (جو آپ کے ساتھ ہیں) کا یہ مقام بتایا گیا ہے تو والذین منہ (جو آپ سے ہیں) یعنی اولاد کہلاتے ہیں، اُن کا اتباعِ شریعتِ مطہرہ اور عبادات میں کیا مقام ہونا چاہیئے۔ بعض لوگ اَثَرِ السُّجُوْد کے ظاہری معنےٰ لیتے ہوئے دورانِ سجدہ اپنے ماتھے کو خوفناک حد تک گھسانے میں مصروف نظر آتے ہیں، اُن سے گزارش ہے کہ یہاں اثر بمعنیٰ نشانِ ظاہری کے نہیں[2]۔ بلکہ اِس سے مُراد وہ اثرات و تجلّیاتِ ربّانیہ ہیں، جو ایک مردِ مومن کی جبینِ سعادت آگیں سے موج در موج اُٹھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اِس آیت کو اگر سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو قرآنِ مجید کے اِس معیار پر بہت کم سیّد اور غیر سیّد پورا اُتریں گے۔ ایسی صورت میں نسب کے بلند بانگ دعووں سے کیا حاصل؟

بلکہ کم کوش ساداتؔ کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُمّت کے دوسرے افراد کی نسبت زیادہ ندامت اُٹھانا پڑے گی، کیونکہ اُنہیں دوگونہ شرف حاصل ہے کہ وہ آپ کی اُمّت بھی ہیں اور آپ کی اولاد بھی۔ ہمارے یہاں بعض جاہل سادات خود کو سیّد اور

---

[1] القرآن ۴۸: ۲۹

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر رُوح المعانی (عربی) از علامہ آلوسی بغدادیؒ، جلد ۹، الجزءُ السادس و العشرون، ص ۱۲۵، مطبوعہ مصر

دُوسروں کو اُمتی کہہ کر پکارتے ہیں، یہ سراسر جہالت ہے۔ کیا سید آپ کی اُمت سے خارج ہیں؟ اگر خود کو وہ آپ کی اُمت نہیں سمجھتے تو اولاد ہوتے ہوئے بھی از رُوئے شریعتِ مطہرہ کافر ہو جائیں گے، اِس لئے کہ سب سے بڑا شرف تو آپ کا اُمتی ہونا ہے، جسے خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق سمجھ کر ہر سید اور غیر سید کو اپنے گلے کی زینت بنانا ہوگا۔ آپ کی غلامی میں جو مزا ہے، وہ کسی اور نسبت میں نہیں، کیونکہ دوسری نسبتوں میں خدشۂ کبر موجود ہے، اِس لئے کامل مشائخ نے سید ہونے کے باوجود نسبتِ غلامی ہی کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ عشقِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں لب کُشا ہوتے ہیں ؎

ہووان میں سگ مدینے دی گلی دا ایہو رُتبہ ہے ہر کامل ولی دا

یا پھر کسی اور عاشقِ رسول نے کیا خوب کہا ہے ؎

اعمالِ پسندیدہ کہاں سے لاؤں بس ہے اگر اتنا بھی سہارا پاؤں
جب اپنے نسب سے سب پکارے جائیں میں تیرے غلاموں میں پکارا جاؤں

حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی بارگاہِ رسالت میں یُوں عرض پرداز ہوتے ہیں ؎

سگیست جامی و جایش ہمیشہ خاکِ درت نہ آں سگے کہ بہر آستانۂ باشد

ترجمہ: یعنی جامی آپ کا ایک ایسا سگ ہے کہ آپ کی دہلیز کی مٹی پر پڑا رہتا ہے، ایسا سگ نہیں، جو آج یہاں کل وہاں کے مصداق دُنیا بھر کے آستانوں پر جبیں سائی کرتا رہے۔

## حکیم صاحب کی تضاد بیانی

لفظِ سید کی تحقیق کے سلسلے میں محمود احمد عباسی کی طرح موصوف نے بھی کافی گُل کھلائے ہیں۔ مثلاً اُن کا کہنا ہے کہ آج شیعوں کے نزدیک سید عبد القادر جیلانی کو سید کہنا بھی جُرم ہے۔ حاشیے میں لفظِ سید کی تحقیق کرتے ہوئے اپنی فاضلانہ رائے کا اظہار اِن الفاظ میں کرتے ہیں: "ہمارے ہاں بنو فاطمہ کے لئے لفظِ سید غلط العام مشہور کے مصداق مخصوص ہو کر رہ گیا ہے اور شاہ ہر فاطمی کے نام کا جزوِ اعظم ہے حالانکہ انیسویں صدی کے آخر تک برصغیر میں سید اور شاہ سے عوام ناآشنا تھے۔ سادات کے ناموں کے ساتھ شاہ کے بجائے اکثر خان استعمال ہوتا تھا اور سید آج کل عرب ممالک

---

لہ دیکھئے مراۃ العرفان ص ۱۸، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۶ء

میں جناب کے معنوں میں تخاطب کے وقت استعمال ہوتا ہے۔"[1]

حکیم صاحب اگرچہ خود کو بڑے فخر سے اہلِ حدیث میں شمار کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر اِن کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حضرت آخر کسی کے دوست بھی ہیں؟ تضاد بیانی کا یہ عالم ہے کہ اگر ایک جگہ کسی کی تعریف کی جا رہی ہے تو دوسرے مقام پر اُسی کی تحقیر پر تلے ہوئے ہیں۔ اُن کی تصانیف کے مطالعہ سے کم از کم میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موصوف سطحی علم و فکر کے آدمی تھے۔ حوالہ جات کے طُومار لگانے میں اُنہیں خاص مہارت تھی۔ انتہائی ضدی، متعصب اور متکبر انسان تھے۔ اُن کا کوئی مخصوص مسلک نہ تھا۔ انشاء پردازی کے شوق میں اگر کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی اُن کے توسنِ قلم کی زد میں آگئی تو وہ اُسے روندتے ہُوئے نکل گئے۔ اُن کی محولہ بالا عبارت سے یہ بات صاف صاف سمجھی جا سکتی ہے کہ وہ خارجی مسلک کے علم بردار ہونے کے ساتھ ساتھ محمود احمد عباسی کے گروہ کے رُکنِ رکین بھی تھے! اُن کا مقصد یہ ہے کہ سیّد کا لفظ بطورِ نسب استعمال کرنا درست نہیں، اِس لئے کہ عرب میں یہ لفظ نسب کے معنوں کے بجائے مسٹر اور جناب کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ ہم اِس کا تفصیلی جواب اِسی کتاب میں دے چکے ہیں۔ چلئے ہم کچھ دیر کے لئے حکیم صاحب کی بات کو مان لیتے ہیں، مگر وہ یہ تو فرمائیں کہ خود اپنے نامِ نامی فیض عالم کے ساتھ صدیقی نسبت کا اضافہ کیوں فرماتے ہیں؟ اِس لئے کہ عرب آج بھی یہ لفظ علامتِ نسب کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ حکیم صاحب اُدھر تو لفظِ سیّد کو صرف ایک لقب قرار دیتے ہوئے عرب کا محاورہ سند میں پیش کرتے ہیں اور اِدھر خود لفظِ صدیقی علامتِ نسب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جب کہ ایسا کرنا عرب سے ثابت نہیں۔ چونکہ سیّد و صدیق دو عربی زبان کے الفاظ ہیں لہٰذا اِن اور اِن جیسے تمام الفاظ کے لئے عرب کے محاورہ سے استناد ضروری قرار پائے گا ورنہ تنہا لفظِ سیّد سے مسٹر اور اِس کے پوسٹ مارٹم کا کیا مطلب؟ غالباً حکیم صاحب صدیقی کا لفظ لگانے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ کیا وہ یہ بتانا پسند کریں گے کہ اُن کے جدِّ اعلیٰ کا نام ابوبکر تھا اور لقب صدیق، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے؟ حیرت ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے جدِّ اعلیٰ کے لقب کو استعمال کرنے میں کس قدر عجلت سے کام لیا اور اپنے نام کے ساتھ صدیقی لکھ دیا۔ چاہیئے تو تھا کہ وہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ذاتی نام ابوبکر سے اپنا انتساب کرتے ہوئے فیض عالم ابوبکری یا صرف البکری لکھ دیتے۔ اگر وہ یہ فرمائیں کہ ہمارے جدِّ اعلیٰ کو صدیق کا خطاب بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا

---

[1] دیکھئے اختلافِ اُمت کا المیہ از حکیم فیض عالم صدیقی ص ۲۲۳ تا ۲۲۴ مطبوعہ بارِ سوم۔ ملتان

ہوا تھا تو پھر سوچنے کا مقام ہے کہ اگر اُن کے جدّ اعلیٰ کو یہ لقب (صدیق) عطا ہو سکتا ہے تو کیا جناب حسنؓ، حسینؓ اور جناب فاطمہؓ کو سید کا لقب عطا نہیں ہو سکتا، جب کہ حسنین کریمینؓ اور جناب فاطمہؓ کا سید اور سیدہ سے موسوم ہونے کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ سید کا لفظ نسب نہ سہی اعزازی سہی، مگر اُس کا ثبوت کُتبِ حدیث میں ملتا ہے۔

حکیم صاحب کو اپنی خاطر تو تکلیف نہیں ہوتی، مگر سید کے لفظ سے خاصی کلفت ہوتی ہے۔ اگر حکیم صاحب مصدّق (تصدیق کرنے والے) یعنی ابوبکرؓ سے اظہارِ نسبت کے لئے صدیقی کہلا سکتے ہیں تو سادات مُصدَّق (جس ذات کی تصدیق کی گئی) یعنی رسولِ کریم علیہ السّلام سے اپنی نسبی قرابت کا اظہار کرنے کے لیے لفظِ سید کیونکر استعمال نہیں کر سکتے۔ کیا حکیم صاحب کے لئے کوئی خاص آیت اُتری ہے کہ صرف وہی نسبتِ صدیقی کا اظہار کر سکتے ہیں اور دوسرا کوئی فرد ایسا نہیں کر سکتا۔ حکیم صاحب موصوف جب یہ لکھتے ہیں کہ شیعہ حضرت غوثِ پاک کو سید نہیں مانتے تو آپ کے اسمِ گرامی کے ساتھ سید کا لفظ بڑھا دیتے ہیں۔ غالباً وہ ایسا صرف اِس لئے کرتے ہیں تاکہ شیعہ کو ذہنی کوفت ہو۔ جیسا کہ اُنہوں نے مذکورہ عبارت میں آپ کے نام کے ساتھ سید عبدالقادر جیلانی تحریر کیا، مگر جب اِسی کتاب میں اُن کا تعارف کراتے ہیں تو اِن الفاظ میں:—

"حضرت سید عبدالقادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ کی ذاتِ گرامی سے دنیا بھر کا کوئی مسلمان ناواقف نہیں۔ آپ نسباً فاطمی اور عقیدۃً حنبلی تھے۔"[1]

اگرچہ حکیم صاحب نے یہاں بھی آپ کے نام کے ساتھ لفظِ سید استعمال کیا مگر میرے خیال کے مطابق وہ صرف جناب یا مسٹر کے معنوں کی حد تک۔ اِس لئے کہ اگر اُن کا مدعا یہ نہ ہوتا تو صرف اِسی پر اکتفا کرتے کہ آپ سید تھے، یہ نہ لکھتے کہ وہ نسباً فاطمی تھے۔ کیا وہ سادات کے لئے متعارف لفظِ سید کا استعمال غوثِ پاکؓ کے لئے ناجائز سمجھتے تھے، جب کہ اپنے ایک ہم خیال غیر مقلّدوں کے باوا آدم نوابِ صدیق حسن خان کی وضاحتِ نسب کے سلسلے میں لفظِ سید لکھ رہے ہیں کہ وہ نسباً سید تھے۔ پھر اِسی کتاب کے صفحہ ۲۷۸ کے حاشیے میں یہ لکھا کہ یہ غلط العام ہے۔ سید عرب میں مسٹر یا جناب کے معنوں میں آتا ہے، مطلب یہ کہ اِسے بطورِ علامتِ نسب نہیں لکھنا چاہیئے، مگر اُنہوں نے ایسا کیا۔ کیا ہم نوابِ صدیق حسن صاحب کو فاطمی سمجھیں یا یہ کہ اُن کے نام کے ساتھ لفظِ سید کا استعمال مسٹر کے معنوں میں ہوا ہے۔ حق تعالیٰ حکیم صاحب کو معاف فرمائے کیونکہ

---

[1] دیکھئے اختلافِ اُمّت کا المیہ از حکیم فیض عالم صدیقی، ص ۲۴۸، بارِ سوم، مطبوعہ ملتان

وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، ایک جگہ ایک بات کی تردید کر رہے ہیں اور دوسری جگہ وہی کچھ لکھ رہے ہیں جس سے پہلے دوسروں کو رد کا تھا۔ سید اور فاطمی میں کوئی فرق تو نہیں، دونو ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ سادات کے لئے فاطمی کا لفظ سید کے لفظ کی نسبت چنداں مشہور نہیں حکیم صاحب یہاں بھی ڈنڈی مار گئے، وہ اِس طرح کہ جس لفظ (سید) سے عوام آشنا تھے اُس کا استعمال نواب صاحب قبلہ کے نام کے ساتھ کیا اور جس لفظ (فاطمی) کو عرفِ عام میں اتنی شہرت نہیں اُسے حضرت سید عبد القادر جیلانی کے اسمِ گرامی کے ساتھ لکھ دیا میری دانست کے مطابق ایسا کرنے سے وہ اپنے ہم مسلک نواب صاحب اور غوثِ پاک کے درمیان فرق رکھنے کے علاوہ ایک اشتباہی اندازِ فکر سے ذہنوں کو آشنا اور مانوس کرانا چاہتے تھے۔ وہ یہ کہ چوں کہ غوثِ پاک کے زمانے میں باطنی، زیدی اور دوسرے شیعہ فرقوں کی طرح ایک فرقے کا نام فاطمی بھی تھا اس لئے غوثِ پاک کے نام کے ساتھ ایسا لفظ لکھ دیا جس سے ذہن فوراً شیعہ مذہب کے فاطمی گروہ کی طرف بھی مائل ہو سکے۔ چونکہ نواب صاحب کے سلسلے میں وہ ایسے عمل کو اُن کی توہین کے مترادف سمجھتے تھے، اس لئے اُن کے نام کے ساتھ فاطمی کے بجائے سید لکھ دیا، حالانکہ اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ سید صرف جناب یا مسٹر کے معنوں میں آتا ہے کسی نسب کا نام نہیں۔ مگر صدیق حسن خاں کے نام کے ساتھ نسباً سیدؔ کے الفاظ لکھے۔ آخر مسلّمہ انسانی اقدار کی کچھ تو پاسداری ہونی چاہیئے۔ کیا ایسے سرپھروں کو محقق دوراں کہا جانا چاہیئے جنہیں یہ شعور بھی نہیں کہ کس قدر تضاد بیانی سے کام لیا جا رہا ہے، اگر حکیم فیض عالم اور محمود عباسی جیسے محققین پیدا ہوتے رہے تو پھر یہ کارِ طفلاں تمام خواہد شد۔

## خانقاہ دشمنی کا لاعلاج مرض

مخالفین نے خانقاہوں اور مشائخ کے خلاف آج تک نہ صرف یہ کہ بہت کچھ لکھا اور کہا، بلکہ آئندہ بھی حسبِ عادت لکھتے اور کہتے رہیں گے۔ ہمیں اُن سے کسی قسم کا شکوہ نہیں، اس لئے کہ دشمن جو ٹھہرے اور دشمن کہے نہ ہوئی بات۔ تصوّف اور رُوحانیت عشق و محبت کی دنیا ہے، جب کہ معترضین اِس کے معاملات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ غالباً اسی قسم کی عقل کو علامہ اقبالؒ نے عقلِ عیّار اور چراغِ راہ کے القاب سے نوازا تھا۔ اِس بے چاری کی قسمت میں کارزارِ حیات کے خم و پیچ میں شب و روز الجھا رہنا لکھا ہے۔ بقول شاعر

---

۱۔ دیکھئے "اختلافِ اُمّت کا المیہ" از حکیم فیض عالم صدیقی، ص ۱۹۸، بار سوم مطبوعہ ملتان

کھیتی مرے فلسفہ کی پکتی ہی نہیں | تدبیر سے تقدیر چمکتی ہی نہیں
کھاتی ہے ہمیشہ منہ کی، لیکن پھر بھی | یہ کیا، وہ کیوں سے عقل تھکتی ہی نہیں

چنانچہ دیگر مختلف مکاتبِ فکر کی طرح غلام احمد پرویز صاحب نے بھی اپنی تصنیف' تصوف کی حقیقت میں بلا استثناء خانقاہوں، مشائخ اور تصوف کے خلاف جو زہر اُگلا ہے' وہ اربابِ علم سے مخفی نہیں۔ یہاں اُن اعتراضات کا تفصیلاً جواب دینے کی گنجائش نہیں ہورنہ بقولِ اقبالؒ ؎

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں | تو اقبال اُس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

مگر اس سلسلے میں دو تین باتیں ضرور گوش گزار کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ اہلِ خانقاہ کے ظاہری جاہ و جلال اور دولت و ثروت کو دیکھ کر درجِ ذیل شعر کا مصداق بن جاتے ہیں ؎

پتا چلتا نہیں اور آگ لگ جاتی ہے تن من میں
خدا جانے کسی نے غم کی چنگاری کہاں رکھ دی (راقم الحروف)

ایسے تنگ ظرف اور کم فہم حاسدین کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ اگر اربابِ خانقاہ دُنیا کی تمام نعمتوں سے محروم ہو کر بیٹھ جائیں اور ہر معاملے میں دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہوں تو اِن کی باتوں پر کان کون دھرے گا۔ آج کے انسان اس قدر لالچی اور غرض مند ہو چکے ہیں کہ بقولِ علامہ اقبالؒ ع

رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد

یعنی اگر انسان کو اِس امر کا یقین ہو جائے کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ ایک بے بس اور بے اختیار ہستی ہے، اُس کے پاس نہ تو کشائشِ رزق و درہم کی قدرت ہے اور نہ اُسے انسانی موت و حیات کا کوئی اختیار ہے تو وہ یقیناً خدا کی پرستش اور اُس کا نام لینا بھی ترک کر دے، انسان کی غرض مندانہ فطرت کا تجزیہ خاقانی ہند اُستاد ذوقؔ دہلویؒ نے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے ؎

موت نے کر دیا لاچار، وگرنہ انساں | یہ وُہ خود بیں ہے، خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

بعض ایسے بدبخت بھی ہیں، جو اسلامی ملک میں محض اپنا جوازِ سکونت پیدا کرنے کے لئے خدا و رسولؐ کا نام لیتے ہیں، لیکن وہ ذہنی اور اعتقادی طور پر خداوندِ عالم کی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ کلی کے قائل نہیں۔ مادہ پرستی اور مغربیت کے زیرِ اثر اُن کے ذہن صرف اِس بات

پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان کی تقدیر اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ انسانی مقدر اور بالخصوص عزت و ذلت کا جو تصور ہمارے ہاں ہے، وہ اِس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محنت اور جد و جہد سے دُنیا میں مطلوبہ مقام پیدا کیا جا سکتا ہے؛ خدا کا اِس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ قرآنِ حکیم کے یہ واضح فیصلے اور اعلانات اُن کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے کہ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ[1] اور اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ[2] کہ عزت و ذلت کا مالک بھی وہی ہے۔ اور رزق کی تنگی و فراخی کا انحصار بھی منشاءِ ایزدی پر ہے۔

ایک اور جگہ انسان کی طوطا چشمی اور مطلب پرستی کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[3] اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اُس تکلیف کو اُس سے دُور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور) اِس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا اُس نے کسی تکلیف پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا، اِسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے۔

اِسی طرح ایک مقام پر انسان کے اِس دوہرے پن کا ذکر قرآنِ مجید نے اِن الفاظ میں فرمایا: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا[4]
ترجمہ۔ اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر، تو وہ (بجائے شکر کے) مُنہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

مقصد یہ کہ جب ہم انسان کو نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ شکر کرنے کے بجائے بدمستیاں کرنے لگتا ہے اور جب ذرا رنج پہنچے تو مُنہ لٹکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ گویا: وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ

---

[1] القرآن ۳ : ۲۶
[2] القرآن ۳۹ : ۵۲
[3] القرآن ۱۰ : ۱۲
[4] القرآن ۱۷ : ۸۳

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ[1] اور رزق کی تنگی پر کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ذلیل کر دیا۔

## انسان کی غرض پرستانہ فطرت

بعض انسان خداوندِ عالم کو بھی صرف اِس لئے مانتے اور اُس کی عبادت اِس لئے کرتے ہیں کہ اُس کے پاس دولت مند اور مفلس وقلاش بنا دینے کے کُلّی اختیارات ہیں اور اُس کے پاس ہر قسم کی نعمتوں کے خزانے موجود ہیں، شاید ہماری اطاعت اور عبادت دیکھ کر ہی ہمیں دولت مند یا امیر بنا دے۔ بعض دولت مند تو صرف اِس لئے کچھ نہ کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے، نماز پڑھ لیتے اور دو چار روزے بھی رکھ لیتے ہیں کہ کہیں غضب میں آکر خدا اُنہیں کوڑی کوڑی کا محتاج نہ کر دے، اگر اُنہیں یہ خطرہ دامن گیر نہ ہوتا تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو درکنار، وہ شاید خدا کا نام تک نہ لیتے۔ بہرحال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو انسان خدا کو نعمتوں اور خزانوں کا مالک ہونے کے حوالے سے مانتے اور اُس کی عزت وتکریم کرتے ہیں، کیا وہ مفلس ونادار انسان کو (چاہے وُہ کوئی بھی ہو) کبھی خاطر میں لا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور تو اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو قریشِ مکہ نے بھی آپ کے رسول نہ ہونے کی بڑی دلیل آپ کی غربت و افلاس ہی کو قرار دیا تھا کہ سردارِ قوم تو ہم ہیں، یہ یتیم بچہ جس کے پاس نہ گھر ہے، نہ مال و دولت، نہ دُنیوی جاہ وجلال۔ نبی کیسے بن سکتا ہے؟ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۱۶ھ) آیتِ شریفہ (وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ[2]) کے تحت لکھتے ہیں: اور کہنے لگے یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ دو بستیوں سے مُراد مکہ اور طائف ہے۔ "رَجُلٌ عَظِيْمٌ" سے مُراد ہے بڑی عزت والا، دُنیوی آبرو دار اور بڑا مالدار۔ کافروں نے یہ سمجھا کہ رسالت بہت بڑا منصب ہے اور بڑا منصب بڑے آدمی ہی کو ملنا چاہیئے، اُنہوں نے یہ نہ سمجھا کہ نبوت ایک رُوحانی مرتبہ ہے، جس کا دُنیوی وجاہت و دولت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مرتبہ متقاضی ہے کہ جس کو اِس درجہ پر فائز کیا جائے، وہ فضائل وکمالاتِ قُدسیہ کا حامل ہو، ذاتی اور صفاتی تجلّیات کی جلوہ گاہ بننے کی اُس میں صلاحیت ہو۔[3] علاوہ ازیں قرآن مجید کے نہایت معتبر مفسر حضرت علامہ شہاب الدین

[1] القرآن ۸۹ : ۱۶
[2] القرآن ۴۳ : ۳۱
[3] دیکھئے تفسیرِ مظہری، جلد ۱۰، ص ۳۵۸، ناشر سعید ایچ۔ ایم کمپنی کراچی

محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں اِس قسم کی روایات نقل کرنے کے ساتھ اُن کفارِ قریش کے نام بھی لکھے ہیں، جو ایسی باتیں کیا کرتے تھے[1]۔ علاوہ ازیں آیتِ کریمہ (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ[2]) کے تحت لکھتے ہیں: جاء الاقرعُ بن حابس التميمیُّ وعُيينةُ بنُ حصنِ الفزاریُّ فوجدا النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قاعدًا مع بلالٍؓ وصُهيبٍؓ وعمارٍؓ وخبابٍؓ فی اناسٍ ضعفاءَ من المؤمنين فلمّا رأوهم حوله حقّروهم فاتوه فخلوا به فقالوا: نحبُّ ان تجعل لنا منك مجلسًا تعرفُ لنا العربُ له فضلنا فانَّ وفودَ العربِ تأتيكَ فنستحی ان ترانا قعودًا مع هؤلاءِ الأعبدِ فاذا نحنُ جئناكَ فاقِمهم عنّا فاذا فرغنا فاقعُد معهم ان شئتَ قال نعم۔ قالوا: فاكتُب لنا عليك بذلك كتابًا فدعا بالصّحيفةِ ودعا عليًّا كرّم الله وجههُ ليكتُبَ ونحنُ قعودٌ فی ناحيةٍ اذ نزل جبريلُ بهٰذهِ الآيةِ (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ الخ) ثمّ دعانا فاتيناه وهو يقول (سلامٌ عليكم كتب ربّكم علىٰ نفسهِ الرَّحمةَ[3])

ترجمہ۔ اقرع بن حابس تمیمی اور عُیینہ بن حصن فزاری آئے اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالؓ، صُہیبؓ، عمارؓ اور خبابؓ اور کچھ دیگر غریب صحابہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے پایا۔ جب اُنہوں نے غریب صحابہؓ کو آپ کے پاس دیکھا تو اُنہیں حقیر سمجھا۔ پس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنہائی میں کہا: ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ خصوصی مجلس فرمایا کریں تاکہ عرب کو ہماری فضیلت معلوم ہو، کیونکہ آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں تو ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ لوگ ہمیں اِن غریبوں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں، جب ہم آئیں تو اِن کو اُٹھا دیجئے جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر حسبِ منشاء اِن کے ساتھ بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی، جلد ۹، الجزء الخامس والعشرون، ص ۷۸، مطبوعہ المنیریہ مصر

[2] القرآن ۶: ۵۲

[3] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی (عربی) جلد ۳، الجزء السابع، ص ۱۵۸، مطبوعہ مصر
ایضاً احیاء العلوم (عربی) از امام غزالیؒ، جلد دوم، الجزء الثالث، ص ۲۹۸، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۳۴ھ
ترجمہ آیت (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ الخ) اور مت دُور کرو اُن کو، جو اپنے پروردگار کو پکارا کرتے ہیں صبح و شام۔

کہنے لگے: اِس بارے میں تحریر لکھ دیں۔ پس آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لئے طلب کیا اور ہم ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرتِ جبرائیلؑ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ کی آیت لے کر اُترے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بُلایا۔ اور فرمایا: تم پر سلام ہوں خدا نے (تمہارے لئے) اپنی ذات پر رحمت لازم کرلی ہے (انتہٰی) مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ سردارانِ قریش دولت وجاہ اور دُنیوی اقتدار کو نبوّت کے لئے معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے ہوتے ایک ایسے انسان کو نبوّت جیسا منصبِ جلیل کیسے مل سکتا ہے، جس کے پاس بظاہر یہ سب چیزیں نہیں۔ ثابت ہوا کہ مراتبِ رُوحانی کے لئے فراوانیٔ دولت اور دُنیوی اقتدار کو معیار سمجھنا کُفّارِ مکّہ کا طریقہ تھا، یہ مسلمان کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے کہ اسلام کا معیارِ فضیلت صفاتِ عالیہ ہیں، مادّی اشیاء نہیں۔ مطلب یہ کہ ہر دَور کے انسانی ذہن پر مادّی اسباب کی اہمیت ضرور اثرانداز رہی ہے۔ میرے خیال کے مطابق اگر مادّہ پرست اور دُنیادار ذہن خدا و رسول کے ساتھ ایسا سلوک کرسکتے ہیں تو وہ اولیاء و مشائخ سے یہ سلوک بدرجۂ اَولیٰ کرسکتے ہیں۔

لہٰذا جو ذہن مشائخ کے حقیقی منصب و مرتبہ کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ اُن کے مال و منال ظاہری جاہ وجلال اور اُن کی دولت و ثروت کے سبب اُن کی عزّت و توقیر نہیں کرتے، بلکہ علمی خُصوصیات اور رُوحانی کمالات کی وجہ سے اُنہیں محترم و مکرّم سمجھتے ہیں، مگر جو لوگ دولت پرست ابنِ درہم، دنیادار، لالچی اور غرض مند ہوتے ہیں، وہ مشائخ اور اولیاء کی عزّت وتکریم کی حقیقی وُجوہات سمجھنے سے قاصر ہونے کی بنا پر اُن کے ظاہری جاہ وجلال، اثر و رسوخ اور تموّل سے استفادے کی خاطر اُن کی عزّت وتکریم کرتے اور کبھی کبھی اُن کی بات پر کان بھی دھر لیتے ہیں، اُن کے ارشاد پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور روزہ رکھ لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر مشائخ اُن کے اِس پست اور گھٹیا معیار پر پورا نہ اُترتے ہوں تو شاید اُنہیں اُن کے سوال کا جواب بھی نہ دیں۔ ایسے لوگ صرف ظاہری جاہ وجلال سے مرعوب ہو کر مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔

یہ بڑا عامیانہ تصوّر ہے کہ مقبولِ بارگاہ ہونے کے لئے نکبت و افلاس، فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی ضروری ہے۔ سُلطان المشائخ حضرت نظام الدّین اولیاء محبوبِ الٰہی قدّس سرّہٗ نے اپنے خلیفہ مولٰنا حسام الدّین ملتانیؒ کو ترکِ دُنیا کا مفہوم سمجھاتے ہوئے فرمایا: ترکِ دُنیا کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ننگا کرلے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ترکِ دُنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی، لیکن جو کچھ اُسے مل جائے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور اُس سے

دل نہ لگائے۔[1]

بعض حقیقت ناشناس معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل کے مشائخ، دورِ حاضر کی تمام آسائشوں اور سہولتوں سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ یہ کہاں کا فقر اور کہاں کی درویشی ہے؟ اِس ضمن میں گزارش ہے کہ وہ (مشائخ) جس دور میں رہ رہے ہیں، اُس کے تقاضے حدودِ شرعیہ کے اندر رہ کر پورے کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اِس لئے کہ ربُّ العزت نے انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے ارفع و عظیم منصب کے ساتھ ساتھ اُنہیں ناقابلِ تصور دُنیوی جاہ و حشمت، سلطنت و جہانگیری بھی عطا فرمائی تھی۔ اگر یہ مادی سہولتیں، مال و دولت اور جاہ و جلال اللہ تعالیٰ کی نظر میں مذموم و معیوب ہوتے، تو وہ اپنے انبیاء علیہم السلام جیسی محبوب اور جلیل القدر ذواتِ مقدسہ کو کبھی ان سے نہ نوازتا، مشائخ کا تو ذکر ہی کیا؟

## خانقاہوں کی اہمیّت

صورتِ حال کچھ بھی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عقائد کے اِس تباہ کُن مادّی دَور میں ہر قسم کی گمراہیوں سے بچنے کے لئے بلا شبہ خانقاہوں کا وجود غنیمت ہے، جو لوگ دینی تعلیم نہ ہونے کے باعث صحیح اور غیر صحیح عقائد میں تمیز نہیں کر سکتے، اُن کا کسی نہ کسی خانقاہ سے وابستہ رہنا یقیناً درستیٔ عقائد اور حفاظتِ ایمان کے لئے حصار کا کام دیتا ہے، کیونکہ ایسے لوگ جو دینی شعور نہ رکھنے کے باعث اپنے ذی علم و فضل مشائخ کے عقائد پر کاربند رہنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دَورِ حاضر کے بعض غیر اسلامی نظریات اور لٹریچر کی یلغار سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ دراصل خانقاہوں پر حاضری دینے والوں کا نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ وہ اِن سے وابستگی کے سبب اِس دارِ فانی سے سلامتیٔ ایمان کے ساتھ رُخصت ہوں۔

## اہلِ فقر کے آدابِ حضوری

جس طرح ہر مقام پر حاضری کے کچھ آداب ہوتے ہیں، اِسی طرح بزرگانِ دین کی اِن پاکیزہ خانقاہوں اور رُوحانی اداروں میں حاضری کے بھی کچھ آداب ہیں، جنہیں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے

---

[1] دیکھئے تاریخ مشائخ چشت، از خلیق احمد نظامی، ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی

اُنہیں دُنیوی اداروں کی طرح ایک عام ادارہ سمجھ کر اُن کے آداب کو نظر انداز کر دینا بہرحال مُستحسن نہیں، ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ضرور ہے، لیکن صاحبِ مزار یا اہلِ خانقاہ کو نہیں۔ اِس لئے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی دست گیری، پُشت پناہی اور اُس کا فضل وکرم ہی کافی ووافی ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کی خانقاہیں ؎ درِ درویش را درباں نباشد، کے مطابق شاہ وگدا کے لئے یکساں طور پر کھُلی رہتی ہیں اور اِن کے دروازوں پر دستِ غیب سے یہ لکھ دیا جاتا ہے: اگر آئی در باز است وگر نیائی دل بے نیاز است[1]۔ (پیرہرات حضرت عبداللہ انصاریؒ)

اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں حاضری کے آداب بتاتے ہوئے حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ فرماتے ہیں ؎

بے باک پا مَنِہ بہ اَدب گاہِ اہلِ فقر　　خوابیدہ است شیرِ نیستانِ بوریا

ترجمہ۔ اَے آنے والے اہلِ فقر کی ادب گاہوں میں بے باکانہ قدم نہ رکھ، اِس لئے کہ بوریا کے نیستاں[2] کا شیر محوِ خواب ہے۔

اِسی طرح ایک اور مقام پر اہلِ فقر کی حضُوری کے آداب لکھتے ہوئے بیدلؒ فرماتے ہیں ؎

خُدا است حاصلِ خدمت گزینِ درویشاں　　مکار غیرِ جبیں در زمینِ درویشاں

ترجمہ۔ درویشوں کی خدمت کرنے والوں کا حاصل خدا کی ذات ہے، لہٰذا اَے زائر! درویشوں کی سرزمین میں اگر کچھ کاشت کرنا چاہتا ہے تو اپنی جبینِ نیاز کاشت کر۔ بیدلؒ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دہقانوں کو سال بھر کی محنتِ شاقہ کا صلہ غلّہ کی صورت میں ملتا ہے، اِسی طرح بزرگانِ دین اور اہلَ اللہ کی خدمت کرنے والوں کو اپنی خدمت کے صلے میں خدا مل جاتا ہے، گویا اُنہیں غلّہ اور اِنہیں اللہ ملتا ہے اور یہ وہ صلہ ہے، جس سے بڑے صلے کا تصوّر بھی اِس کائنات میں نہیں کیا جا سکتا۔ اِن نفوسِ قُدسیہ کی تقدّس مآبیوں کا کیا کہنا، کہ ؎

پاکی چو بحر موج زند از جبینِ شاں
قومے کہ از گدازِ تمنّا وُضو کنند　　(بیدلؒ)

---

[1] اے آنے والے! اگر تُو آئے تو ہمارا دروازہ تیرے لئے کھُلا ہے اور اگر نہ آنا چاہے تو ہمارا دل تیرے آنے سے بے نیاز ہے۔

[2] وُہ جنگل جہاں نرکل کے درخت بکثرت ہوں۔

ترجمہ۔ وہ قوم جو سوز و گدازِ تمنا (کے پانی) سے وضو کرتی ہے، اُس کی جبینِ سعادت آگیں سے پاکیزگی و طہارت، سمندر کی امواج کی طرح اُٹھتی اور اُبھرتی دکھائی دیتی ہے۔

## بارگاہِ فقر کے حقیقی نذرانے

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے آستانوں پر حاضری کے وقت اِس درجہ خلوص و نیاز، محبت و اضطراب اور یکسوئی ہونی چاہیئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے، جیسے زائر سرزمینِ شیخ میں قدم نہیں رکھ رہا، بلکہ ساحل کی طرف سے سر کے بل چل کر آنے والی موجوں کی طرح فرطِ نیازمندی سے سرزمینِ شیخ میں اپنی جبینِ نیاز کاشت کرتا چلا آ رہا ہے۔ بیدلؒ کے نزدیک درویشوں کے ہاں حاضری کا حقیقی نذرانہ ادب اور اخلاص و نیاز ہوتا ہے اور جو لوگ صدقِ نیت کے فقدان کی وجہ سے یہ نذرانہ پیش نہیں کر سکتے، اُن کے مادّی نذرانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اِس لئے کہ اورنگِ فقر کے یہ تاجدار ایسے نذرانوں کے نہ تو حریص ہوتے ہیں اور نہ محتاج۔ لٰہذا اگر زائر یا سالک کے پاس اِن پاکیزہ بارگاہوں کے شایانِ شان نیازمندی، عاجزی، فروتنی اور عجز و انکسار کا نذرانہ موجود ہے تو وہ اُسے بقولِ حضرت مولٰنا جامیؒ بلا تامل پیش کرنا چاہیئے ؎

بیا جامیؒ رہا کُن شرمساری　　زصاف و دُرد پیش آر آنچہ داری

اور اگر مذکورہ حقیقی اور رُوحانی نذرانے سے اُس کا کیسۂ دل خالی ہے تو ؎

برو ایں دام بر مرغِ دِگر نِہ　　کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ترجمہ۔ جا اور یہ (نذرانوں کا) جال کسی اور (حریص) پرندے پر پھینک! اِس لئے کہ عنقا کا آشیاں تیری دسترس سے بہت بلند ہے۔

## مریدین میں علماء کی خصوصیّت

سلاسلِ طریقت کے مشائخ کو اپنے حلقۂ اثر کی وُسعت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے، لٰہذا اُنہیں چاہیئے کہ اپنے مختلف الطبقہ مریدین میں سے عُلمائے دین کو خصُوصی عزّت و فوقیت دیں، اِس لئے کہ مُریدین میں سے صرف یہی ایک ایسا مُہتم بالشان طبقہ ہے، جو اپنے شیخ کی تعلیمات و فیوض کو براہِ راست عوام تک پہنچاتا ہے۔ آپ نے بھی غالباً مشاہدہ کیا ہوگا، خصوصاً عُرس کے مواقع پر کہ جن خانقاہوں کے وُرثاء اپنے اسلافِ کرام کے رُوحانی و علمی فضائل

وکمالات اور اُن کی دینی و ملّی خدماتِ جلیلہ تک سے نابلد ہونے کے باعث غیر ضروری اُمُور اور دُنیوی جھمیلوں میں مشغول ہوتے ہیں، اُن کے یہی ارادت مند عُلماء منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر یا پھر نجی نشستوں میں صاحبِ مزار کے علمی و رُوحانی کمالات اور اُن کی دینی و ملّی مساعیٔ جمیلہ سے طویل مسافتیں طے کر کے حاضر ہونے والے زائرین کے جمِ غفیر کو آگاہ کرتے ہیں۔
ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اَعراس کے مواقع پر اُن کی حاضری محض پیشہ ورانہ حیثیت کی ہوتی ہے۔ تقریر، شعر خوانی یا شب بیداری سے مقصد جلبِ منفعت ہوتا ہے، اگرچہ اِس ذہنیت کے عُلماء کا درجہ اُن عُلماء سے بہت کم ہے، جو اپنے علم و فضل کے مصرف کو جاننے کی بنا پر محض دُنیوی مقاصد کے حصُول کی خاطر فضائلِ شیخ بیان نہیں کیا کرتے، لیکن مؤخر الذکر طبقہ کے واعظین کا دم بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ اپنی غرض کی وجہ ہی سے سہی، مگر زائرین کی سرزمینِ ذہن پر شیخ کے علمی و رُوحانی سحابِ فیض سے اپنی استعداد کے مطابق چند قطرے تو برسا ہی دیتے ہیں۔ پیشہ ور واعظین اور مولوی حضرات اُن بے علم اور جاہل دولت مند مُریدین سے کہیں بہتر ہیں، جنہیں آج تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آخر درگاہوں میں ہماری حاضری کا مقصد کیا ہے اور ہمارے مشائخ کی علمی و رُوحانی عظمتیں اور رفعتیں کیا تھیں؟
درگاہوں سے منسلک عُلماء اور واعظین کو بھی یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ اپنے مشائخ کے علمی و رُوحانی فضائل اور اُن کی زندگی کے دوسرے مناقب بیان کرنے کے بعد یہ نہ سمجھا کریں کہ اُنھوں نے مشائخ پر احسان کیا ہے اور اگر وہ لوگوں کو اپنی شعلہ بیانی سے مسوّر نہ کرتے تو آج درگاہوں میں شاید یہ رونق نہ ہوتی۔ اُن کا یہ اندازِ فکر بڑا غلط ہے۔ جو ایسا سوچتے ہیں، اُنہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ آخر اُن کی ساری سحر بیانیاں درگاہوں تک ہی کیوں محدود رہتی ہیں؟ اگر اُن کے زُعم کے مطابق وہ صاحبِ مزار کے فضائل و مناقب بیان کر کے صاحبِ مزار اور اُس کی اولاد پر احسان کرتے ہیں تو هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ [1] کے پیشِ نظر صاحبِ مزار اُن کے اِس احسان کا بدلہ اُن کے تعارف، اُن کی عزّت و شہرت اور روپے پیسے کی صورت میں کئی گُنا زیادہ عطا کر دیتا ہے، چنانچہ اِسی تعارف اور حوالے سے ایسے واعظین کی سال بھر کی مصروفیت کا سامان بہم ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے حقائق ہیں، جن سے خود

---

[1] القرآن ۵۵ : ۶۰

واعظین بھی انکار نہیں کرسکتے۔

## عُلماء کی خصُوصی تعظیم کی علّت

اِس تفصیل میں جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ چونکہ عُلمائے کرام اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ کی خصُوصی فضیلت کی بناء پر آلِ محمد اور آلِ شیخ میں شمار ہیں، جیسا کہ ہم نے آل اور اولاد میں فرق بیان کرتے ہوئے اکابرِ ملت کے حوالوں کی روشنی میں اِن اُمُور کا تفصیلاً ذِکر کیا ہے۔ لہٰذا سلاسلِ طریقت کی درگاہوں سے منسلک صحیح العقیدہ اور اپنے مشائخ کے طورطریقوں، تعلیمات اور اُن کی سیرت کو خضرِ راہ کا درجہ دینے والے عُلماء و فُضلاء کو اپنے علم اور قابلیت پر مغرور و متکبّر ہونے کے بجائے بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شُکر ادا کرنا چاہیئے کہ اکابرِ اُمّت نے اِس طبقہ کو آلِ محمد اور آلِ شیخ میں شامل کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ عُلمائے کرام نصیحت کے محتاج نہیں، مگر کبھی کبھی بہ تقاضائے بشریّت انسان سے بھُول چُوک ہو ہی جاتی ہے۔ میری دانست میں کبرِ دولت سے کبرِ علم زیادہ مُہلک اور تباہ کُن ہوتا ہے، اِس لئے کہ ابلیسؑ کی خانہ ویرانی کی غایتِ اُولیٰ

---

[1] اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی بعض اوقات بُغض و حسد کے زیرِ اثر یہ کہتے پائے گئے ہیں کہ علم تو شیطان کے پاس بھی ہے، بالفاظِ دیگر علم کسی کے لئے وجہِ امتیاز و فضیلت نہیں۔ اِس قسم کی باتیں علمِ نفسیات کے مطابق انسان سے اُس کی وقتی تسکینِ اَنا ہی کے لئے سرزد ہوتی ہیں اور خاص طور پر ایسے جلے کٹے جُملے وہی کم بساط افراد استعمال کرتے ہیں، جو خود کو مدِّمقابل سے کسی خاص صفت میں کم محسوس کرتے ہوں۔ اظہارِ تنقیص کے ایسے مواقع پر اگر چارہ حرف بھجائی ہوں تو بے چارے ابلیس کو بہ طورِ سند بیچ میں لانے اور بات کو گھُما پھرا کر بیان کرنے کے بجائے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ایسا علم نافع نہیں ہوسکتا یا عنداللہ ایسے علم کی کوئی وقعت نہیں وغیرہ، مگر خواہ مخواہ دوسرے انسان کی تنقیصِ علم کے لئے ابلیس کو عالم یا دانشور ثابت کرنا عقلمندی نہیں۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق قرآن و حدیث میں کہیں بھی ابلیس کے علم و فضل کی کوئی صراحت یا اشارہ نہیں ملتا، بلکہ عوام کا یہ ایک خود ساختہ اور بے سند مفروضہ ہے۔ البتہ آدم اور ذُرّیتِ آدم (انسان) کے علمی مدارج کا تذکرہ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر بلا زِ تعریف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (القرآن ۵۸:۱۱) کی یہ آیت ایک اصول بیان کرتی ہے کہ اہلِ علم بارگاہِ ربُّ العزّت میں درجاتِ عالیہ کے حامل ہیں۔ جو حضرات شیطان کا صاحبِ علم

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

کبرِ علم نہ سہی، کبرِ فضیلت تو تھی بعض علماء صحیح العقیدہ اور وسیع العلم ہونے کے باوجود نہ جانے کیوں ذرا

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں، اُن پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اُس کے لئے قُربِ خداوندی کے مدارج کا تعین بھی فرمائیں
اِسی طرح طبقۂ عوام میں شیطان کا معلم الملکوت ہونا بھی معروف ہے، جو بالکل بے سند ہے، کوئی نصِ قرآنی یا
متن حدیث اِس جاہلانہ مفروضے کی تائید میں موجود نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ابلیس کے انکارِ
سجدہ کی علت اُس کا کبرِ علم تھا، غلط ہے۔ اِس لئے کہ خالقِ خیر و شر نے قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ
خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ؟ (القرآن ۷: ۱۲) میں ابلیس کے زعمِ فضیلت اور انکارِ سجدہ کی علت
اُس کے عنصرِ تخلیق یعنی آگ اور پھر مٹی پر اُس کے احساسِ برتری کو قرار دیا ہے۔ اگر انکارِ سجدہ کی علت ابلیس کا
کبرِ علم تسلیم کیا جائے، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے تو اُس علتِ انکار کی تکذیب ہو جائے گی، جس کا ذکر آیتِ محولہ
میں باری تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ ثابت ہوا کہ ابلیس کی علتِ انکار علم نہ تھا، بلکہ وُہ آتش نسبی تھی، جس نے
اُس کے دل میں فضیلت کے دبے ہوئے شعلۂ احساس کو ہوا دی اور اُسے عناصر کی طبقاتی تفریق اور معاشرتی
درجہ بندی کے تصور کا مُوجد بنا دیا۔ یُوں بھی علم سے تکبر کے بجائے انکسار اور خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے؛ اللہ تعالیٰ نے
علماء کے علم کو اُن کی خشیت کا سبب قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
(ترجمہ) اللہ سے اُس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں، جو علم والے اربابِ معرفت ہیں (القرآن ۳۵: ۲۸) اگر ابلیس میں علمائے
اُمت جیسا علم و عرفان ہوتا تو مذکورہ بالا قرآنی تصریح کے مُطابق اُس کا لازمی نتیجہ خشیتِ الٰہی ہوتا اور نتیجہ خشیت انکار نہیں،
بلکہ اطاعت ہوتا ہے۔ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو مذکورہ بالا آیتِ مُبارکہ ہی سے ابلیس کا عدمِ علم ثابت ہو
جاتا ہے، وہ اِس طرح کہ آیتِ کریمہ کے مطابق علم و عرفان کا نتیجہ خشیت اور خشیت کا نتیجہ اطاعت ہے، چونکہ ابلیس نے
حکمِ خداوندی کی اطاعت نہیں کی، لہٰذا اُس میں خشیتِ الٰہی نہیں تھی اور جس میں خشیتِ الٰہی نہ ہو، اُسے محولہ
نصِ قرآنی کے مطابق علماء یا اہلِ علم کی صف میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ ابلیس
پر لفظِ عالِم کا اطلاق قطعاً نادرست اور ناروا ہے اور یہ کہ ابلیس اور علمائے اُمت میں مُماثلت ثابت کرنا علم
اور علماء کی تنقیص و توہین کے مترادف ہے۔ علم کے وسیع تر معنوں میں کسی ذی شعور کا کچھ جاننا اُسے صاحبِ علم
کہنے کے لئے تو کافی ہے چنانچہ اگر علم کے اِس لغوی معنیٰ (جاننا) کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کائنات میں تصوّرِ
جہالت ہی ختم ہو جاتا ہے، اِس لئے کہ ہر ذی شعور شے اپنے مرجع و معاد اور اپنے فطری امیال و عواطف کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

پٹڑی سے اُتر جایا کرتے ہیں، غالباً اِس کا سبب اُن کا کبرِ علم ہی ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

علم و ادراک، جو اُسے فطرت نے ودیعت کیا ہے، بدرجۂ اتم رکھتی ہے۔ کیا ہر ذی شعور کو صرف اِسی بنا پر عالم یا صاحبِ علم کہہ دیا جائے کہ اُسے کچھ نہ کچھ علم تو ہے؟ وہ جمادات کی طرح مُطلق بے شعور، جاہل اور ساکت و جامد تو نہیں؟ ایسا فکر بجائے خود ایک بہت بڑی جہالت ہوگا۔ اگر بالفرض ایسا ہو تو آیتِ محوّلہ میں اللہ تعالےٰ نے جن اربابِ علم کا بہ طورِ خاص ذکر فرمایا ہے، اُن میں اور معمولی شعور اور عام معلومات رکھنے والوں میں کیا تمیز رہ جائے گی؟ جن اصحابِ علم کے اقوال و اعمال سے کبر مترشح ہو، اُنہیں حقیقی عالم نہیں کہا جا سکتا، بلکہ ایسے جہالت پرور اور نام نہاد اربابِ دانش، رُوحِ علم کے نہیں، صرف الفاظ کے چند کھوکھلے ڈھانچوں کے وارث سمجھے جائیں گے۔ جن کے الفاظ میں علم کی رُوح بولتی ہو، اہلِ نظر اُنہیں رُومیؒ، جامیؒ، غزالیؒ اور رازیؒ کے ناموں سے پکارا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو دانشور محض الفاظ کے بے رُوح ڈھانچوں سے قوم کے مُردہ ذہنوں کی مسیحائی کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بے چاری قوم کو حیاتِ نَو سے کیوں کر ہم کنار کر سکتے ہیں، جب کہ اُن کے اپنے اثاثۂ حیات پر موت کی مُہر ثبت ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ کبر کا سلسلۂ نسب علم سے نہیں، جہالت سے ملتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس انسان میں جتنی جہالت ہوگی، اُس میں اُتنا ہی تکبر پایا جائے گا اور یہ کہ کبرِ علم تو کسی نہ کسی طرح برداشت کیا جا سکتا ہے، مگر کبرِ جہالت تو ایک ایسی قیامت ہے، جس کا کوئی بھی معقول ذہن متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ کبرِ علم سے بچائے تو کبرِ جہل سے بھی محفوظ رکھے۔ کبرِ جہالت سے مُراد کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی ذات و صفات کو ایک ناقابلِ تردید حقیقت اور اپنی ہر بات کو حرفِ آخر خیال کرنا ہے۔ ہم اپنے اِس دعوے کی دلیل میں صرف ابوجہل کا رویّہ اور اُس کی ذات ہی پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ بہرحال قدرت جو کچھ جسے دیتی ہے، بہت سوچ سمجھ کر دیتی ہے، علم جیسی منزل نما اور انکسار آموز صفاتی دولت جسے وہ اپنے بعد اپنے برگزیدہ بندوں میں سے انبیائے کرام، عُلمائے اُمّت اور اولیائے عظام کو عطا کرتی ہے، ابلیس جیسے ایرے غیرے پر کیسے لُٹا سکتی ہے۔ کیونکہ بقولِ راقم الحروف

ع یہ ایسی شے نہیں ہے جو یہاں رکھ دی وہاں رکھ دی

اگر بقولِ بعض ابلیس کو ایک عالم و فاضل شخصیت ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمّت کے خواص کے لئے علم وجہِ امتیاز و اختصاص نہیں رہ جاتا، کیونکہ اِس طرح ابلیس بھی اُن کی اِس صفتِ مخصوصہ (علم) میں برابر کا شریک ٹھہرتا ہے اور پھر علم تو باری تعالیٰ کی ایک ایسی صفتِ کُبریٰ ہے، جس میں ہدایت اور نور

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تکبر کے سات (۷) اسباب میں علم کو پہلا سبب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: الاوّل العلم و ما اسرع الکبر الی العلماء و لذٰلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفۃ العلم الخیلاء[۱]
(ترجمہ) تکبر پیدا ہونے کا سب سے پہلا اور بڑا سبب علم ہے اور اِس قسم کا کبر عُلماء کو بہت جلد لاحق ہوتا ہے، چنانچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی لئے فرمایا کہ علم کے لئے تکبر آفت ہے۔ (انتہیٰ)

جوش ملیح آبادی مرحوم نے کیا قرینِ حقیقت اور خوبصورت بات کہی ہے ؎

اکثر انعام قہر بن جاتا ہے — یہ بحرِ کثیف نہر بن جاتا ہے
وہ علم، جو اکسیر ہے انساں کے لئے — گر ہضم نہ ہو تو زہر بن جاتا ہے

حضرت پیر رُومیؒ کے اِس شعر ؎

علم را بر دل زنی یارے بود — علم را بر تن زنی مارے بود

کا بھی یہی مفہوم ہے۔

## درگاہوں پر عُلماء کی حاضری کا مقصد

عُلماء کو اپنے مشائخ کے مزارات پر حاضری دینے کی دیگر وُجُوہ میں سے ایک یہ وجہ بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ قلزمِ ذہن سے اُٹھنے والی بعض آزاد، خُود سر، مُنہ زور، سرکش، تباہ کُن

---

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

کا مفہوم پایا جاتا ہے، اگر ابلیس جیسے راندۂ درگاہ کا ظلمت کدۂ دل اِس نُور سے روشن ہوتا تو پھر اُس کے لئے فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ (القرآن ۱۵: ۳۴-۳۵) کے الفاظ وارد نہ ہوتے۔ اِس سلسلے میں آخری گزارش یہ ہے کہ اگر ابلیس کو علم مل گیا ہوتا تو پھر اُس سے انکارِ سجدہ کی توقع محال تھی، کیونکہ اقرار و انکار کے موقع و محل کا ادراک تو علم کے ابتدائی مدارج میں سے ہے۔ اُمّید ہے کہ وہ لوگ جو کم علمی کے باعث شیطان اور اہلِ علم میں مُماثلت پیدا کرتے ہوئے، ناشائستہ جُملے استعمال کر دیتے ہیں، پہلے اِس تفصیلی تبصرے کو پڑھ کر آئندہ اِس قسم کے اندازِ فکر سے اپنے ذہن کو محفوظ رکھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دوسروں کے ذہنی غلفشار کا ازالہ بھی کریں گے۔

[۱] دیکھئے احیاء العلوم (عربی) جلد ثانی، الجزء الثالث، باب بیان مابہ التکبر، صفحہ ۳۰۱، مطبوعہ مصر

اور کشتیِ عقائد ڈبو دینے والی موجوں کو پابہ زنجیر کرنے اور اُن کے تیز بہاؤ کو تمکنت خرامی، آہستہ روی اور اعتدال پسندی کے آداب سکھانے کی خاطر وہ اپنے شیخِ کامل کے حضور حاضر ہوا کرتے ہیں۔
اگرچہ عُلماء اور اولیاء میں علم قدرِ مُشترک ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ عارفانِ اُمت علم کے بعد معلومات کو محسوس کرتے ہیں، جب کہ عُلماءِ ظاہر کا علم ہمیشہ الفاظ و حرُوف کے ارد گرد ہی گھومتا رہتا ہے۔ بعض اوقات تو اُنہیں محسوس اشیاء بھی محسوس نہیں ہو پاتیں۔ علامہ اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ سے وہی علم اور وہی نظر مانگی تھی، جو وہ اپنے عبادِ مخلصین کو عطا کرتا ہے، چنانچہ علامہؒ نے عرض کی کہ ؎ در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ۔ بارِ الٰہا! مجھے وہ نظر عطا فرما، جو شراب میں نشے کو دیکھ سکے۔ کتنا فرق ہے کہ ایک شرابی نشے کی حالت میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا، مگر عارف کی نظر ہوش میں رہ کر شراب میں نشے کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ عُلماء اور عُرفاء میں یہی فرق ہے[1] ؎

باچنیں زورِ جنُوں پاسِ گریباں داشتم　　در جنُوں از خود نہ رفتن کارِ ہر دیوانہ نیست[2]

قارئینِ کرام! میں نے آغازِ کلام میں آج کے مُریدین کی انواع و اقسام پر کچھ عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مگر ضمناً خانقاہوں کی اہمیّت و کردار، اُن کے قیام کے حقیقی مقاصد، زائرین کے لئے اِن پر حاضری کے آداب و قواعد اور درگاہوں سے وابستہ عُلماء کی حاضری کے اصل مقاصد پر مختصراً اظہارِ خیال کرتے ہوئے بات کہیں سے کہیں جا پہنچی، بہر حال اب پھر اصل موضوع کی طرف لَوٹتے ہیں :-

عصرِ حاضر کے مُریدین میں ایسے لوگ بہ مشکل ملیں گے، جو خانقاہ کے سجّادہ نشین سے طریقت کی تعلیمات کے بارے میں کچھ دریافت کریں، عُرفاء و صوفیائے سَلَف کے اقوال و افکار کی

---

[1] اِسی بات کو حضرتِ بیدلؒ نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے ؎
ہر کہ زیں انجمن آثارِ صفا می بیند　　نشہ از بادہ و از تار صدا می بیند
ترجمہ۔ اِس نغمہ زا کائنات میں جو شخص صفائے دل کی علامت دیکھتا ہے، وہ شراب میں نشے اور (ساز کے) تار میں آواز یعنی سُر کا بچشمِ باطن مُشاہدہ کرتا ہے۔

[2] (ترجمہ) جنُونِ عشق کی اِس شدّت کے باوجود میں نے اپنے گریبان کا خیال رکھا، یعنی اُسے چاک ہونے سے بچا لیا (اور یہ جتا دیا) کہ شدّتِ جنُوں میں بھی حواس برقرار رکھنا ہر دیوانے کا کام نہیں بقول شاعر ؎
اُس حُسنِ برق وش کا دل سوختہ وہی ہے　　شعلوں سے بھی جو کھیلے، دامن کو بھی بچالے

توضیح و تشریح چاہیں یا خدا و رسول سے رابطہ پیدا کرنے کا کوئی طریقہ پوچھیں، جس کی خاطر یہ سارا نظامِ خانقاہی معرضِ وجود میں آیا۔[1]

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ آنے والا بڑی عقیدت سے حاضر ہوا، شیخ کی دست بوسی کی اور کچھ دیر بعد بولا: حضور! فلاں محکمے کا افسر اپنا پیر بھائی ہے، اپنے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں اُس کے نام آپ کے دستِ عقدہ کشا کی تحریر کردہ چند سطور مطلوب ہیں۔ ایک اور صاحب بھی اسی طرح با ادب ہو کر آئے، کھانا کھایا، آرام کیا اور پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: قبلہ! گردشِ روزگار نے انتہائی نامساعد معاشی حالات سے دو چار کر رکھا ہے، اگر فلاں آدمی سے سیمنٹ کی ایجنسی دلوا دی جائے تو شاید مصائب کے بادل چھٹ جائیں۔ فلاں کام کے لئے حضور کی چشمِ کرم درکار ہے اور فلاں عقدہ کے لئے آپ کا اشارۂ ابرو۔ اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ اہل اللہ کے آستانوں سے بے نیلِ مرام کبھی کوئی نہیں لوٹتا بقولِ راقم الحروف ؎ یہ اٹل بات، ملے دیر سے یا جلدی سے۔ بہر حال ؎

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اَب کچھ فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

مگر مانگنے کے بھی تو کچھ آداب ہوتے ہیں۔ مسئول کے جذبۂ جُود و سخا کو آمادہ بہ عطا کرنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے ؏

ہمیں چاہیئے اِن سے لینے کا ڈھب کچھ

غرض ایسے لوگ لاکھوں میں سے چند ہی نکلیں گے، جو صاحبِ سجادہ سے تعلیماتِ طریقت، قرآن و حدیث یا اپنے تزکیۂ نفس کے بارے میں کچھ دریافت کریں، ہر وقت دُنیا اور دُنیا کی باتیں! آخر یہ سب کچھ کیوں ہے؟

اِس کی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے مُلک کا نظامِ تعلیم ہی اسلامی نہیں۔ اِسے قرآن و حدیث سے دُور کا واسطہ نہیں رہا۔ اکثر انگریزی تعلیم یافتہ مُریدین محض اپنے آباء و اجداد کی دیرینہ نیازمندی کو زندہ رکھنے اور رسم نباہنے کے لئے خانقاہوں پہ آجاتے ہیں، انھیں کیا معلوم کہ رُوحانی دُنیا میں خانقاہ اور صاحبِ خانقاہ کا کیا مقام ہے، اِس کے آداب اور سلیقے کیا

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخِ مشائخِ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۱۱۵ تا ۱۲۹، جس میں ضرورتِ شیخ، بیعت، اقسامِ مُریدین اور شرائطِ خلافت کا مفصّل تذکرہ کیا گیا ہے۔

اور اِس کی تعلیمات کیا ہیں؟ ظاہر ہے جیسی اُن کی تربیت ہوتی ہے، وہ اُسی قسم کی باتیں اور اُسی نوع کی حاجات پیش کریں گے۔ اُنہیں کیا خبر کہ اِن بوریا نشینوں سے خدا کا پتا ملتا ہے۔

دوسری اہم ترین وجہ یہ ہے کہ مُلک کی اکثر و بیشتر خانقاہوں کے سجادہ نشین اور دیگر افرادِ خاندان خود اپنے بزرگوں کی تعلیمات، ذوق، وجدان، عرفان اور اُن کے علمی فضائل و کمالات سے یکسر بے بہرہ اور کورے ہیں، ایسے جاہل مجاوروں اور سجادہ نشینوں سے کوئی پوچھے بھی تو کیا؟ ؎

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک ‏ ‏ وُہ مرے دل کا راز کیا جانیں (داغ)

یا پھر ؎ خفتہ را خفتہ کے کُند بیدار

ظاہر ہے کہ مُریدین وقت گزارنے کے لئے اِدھر اُدھر کی دُنیوی باتیں ہی کریں گے، جب ایسے سطحی ذہن رکھنے والے دُنیا دار اور مفاد پرست عقیدت مند یہ دیکھتے ہیں کہ اِن بزرگوں سے دُنیا کا کوئی مقصد بھی حل نہیں ہوسکتا یا وہ خود حل کرنا نہیں چاہتے تو ایسے میٹھے چاول کھانے والے مُرید اپنے اُسی پیر کے بارے میں عجیب و غریب خیالات اور سخت و سُست الفاظ استعمال کرنے لگ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ درگاہ کی حاضری بھی ترک کر دیتے ہیں اور اگر اُن کی خواہشات کے مطابق پیر صاحب اُن کے دُنیوی عُقدے حل کرتے اور اُنہیں سر پر بٹھاتے ہیں تو وہ پیر صاحب کی جہالت کو بھی علمِ لَدُنی کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے اور یہ کہ فلاں صاحب تو بڑے غریب پرور اور بندہ نواز ہیں۔

اکثر مُریدوں کی روش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کی تعلیمات اور طرزِ حیات کو اپنے لئے مشعلِ راہ نہیں سمجھتے۔ وہ دُنیا داری ترک کر کے خدا و رسولؐ اور رُوحانیت کے دامن میں پناہ لینے کے بجائے اُلٹا اپنے مشائخ کو دنیا داری کی ترغیب دیتے ہیں۔ حکومت میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ دُنیوی اُمُور میں سبقت لے جانے کے قیمتی مگر مُفت مشورے بھی دیتے ہیں تاکہ وہ اِس راہ سے اپنے دُنیوی مقاصد کے حصُول میں بہ آسانی کامیاب ہوسکیں اور اپنے ساتھ مشائخ اور مشائخ زادوں کو بھی لے ڈوبیں۔ بقولِ جگر مُرادآبادیؒ ؎

ہم بھی گرے سَو بار، مگر ‏ ‏ اُن کو بھی اپنے ساتھ لئے

ذاتی اغراض و مقاصد کے حصُول کی خاطر اُمراء و سلاطین سے اثر و رسوخ پیدا کرنا معیوب اور بلا شبہ کسی درویش سیرت انسان کی شانِ فقر کے منافی ہے۔ اگر اِس رابطے سے مقصود

خلقِ خدا کی خدمت ہو تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اِس سلسلے میں رئیس المکاشفین حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ لکھتے ہیں: اِیَّاکَ وَصُحْبَةَ الْمُلُوْكِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ مَسْمُوْعَ الْکَلِمَةِ عِنْدَهُمْ فَتَنْفَعُ مُسْلِمًا اَوْ تَدْفَعُ عَنْ مَظْلُوْمٍ اَوْ تَرُدُّ السُّلْطَانَ عَنْ فِعْلٍ مَا یُؤَدِّی اِلَی الشَّقَاءِ عِنْدَ اللهِ۔ اپنے آپ کو حاکموں اور بادشاہوں کی صحبت سے بچا! سوائے اِس کے کہ تیری بات اُن کے ہاں سُنی جاتی ہو، پس اِس طرح تُو کسی مسلمان کو فائدہ پہنچاسکے یا کسی مظلوم کی داد رسی کر سکے یا کسی صاحبِ سلطنت و منصب کو ایسے فعل سے روک سکے، جو اُس کے لئے خدا کے نزدیک بدبختی و شقاوت کا مُوجب ہو۔ (انتہی) یعنی اِن مذکورہ بالا تین وُجُوہ کی بنا پر حُکّام اور سلاطینِ وقت سے روابط و مراسم جائز ہیں، بلکہ نفعِ مُسلم، دفعِ ظلم اور نہی عن المنکر کی نیّت سے ایسے مراسم باعثِ اجر و ثواب ہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابنِ عربیؒ کی مذکورہ شرائطِ مراسم کے فُقدان کی صورت میں بالخصوص اہلِ خانقاہ کا سلاطین اور حُکّامِ وقت سے اختلاط محلِ نظر ہے، چنانچہ علمائے اُمّت اور اکابرِ دین کا اُمُورِ ریاست اور معاملاتِ سیاست میں دخیل و شریک ہونا صدیوں سے اختلافی مسئلہ رہا ہے؛ اِس کی نوعیت اجتہادی ہے۔ بہرحال جب فسق و فجور پھیلنے لگے اور اسلامی اقتدار رُو بہ زوال نظر آئیں تو اُس وقت علوم و معارفِ دینیہ کے حاملین پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی شعائر کی عظمت تسلیم کروانے اور سطوتِ دینی کے احیاء کے لئے خلوصِ نیّت کے ساتھ میدانِ عمل میں اُتریں، مگر اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حصولِ اقتدار کے بعد معاصر حکّامِ ریاست کے مذموم اندازِ حکمرانی سے اجتناب کریں، معاشرے میں نام پیدا کرنے، کرسیٔ اقتدار پر قبضہ جمانے اور حرص و ہوا کی لپیٹ میں آکر محض دُنیا کو لُوٹنے اور اُس کے عیش و عشرت سے اپنے دامن کو آلُودہ نہ ہونے دیں، کیونکہ اسلامی نظام کی ترویج اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے حصولِ اقتدار کی جدّوجہد بھی اجر و ثواب کا مُوجب ہے۔ جو لوگ مقتدر مذہبی ہستیوں کو نظم و نسقِ مملکت چلانے اور امورِ سیاست کو اسلامی ڈگر پر ڈھالنے کے اہل نہیں سمجھتے، وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کُلہ اند (حافظ شیرازیؒ)

---

لہ دیکھئے فتوحاتِ مکیہ (عربی) جلد ۴، باب ۵۶۰، ص ۵۲۲، مطبوعہ بُولاق قاہرہ مصر، سنِ طباعت ۱۲۷۴ھ

علماء ومشائخ کو خود مُلکی سطح پر اسلامی خدمات کے عظیم مواقع نظر میں رکھنے چاہئیں کہ اُنہیں کس موقع پر کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیئے تاکہ اُمورِ مملکت اور معاملاتِ سیاست میں اُن کی بے جا دخل اندازیاں اُن کے علمی و رُوحانی مقامات کو مجروح نہ کرسکیں اور عامۃ النّاس یہ تنقید نہ کرسکیں کہ مذہبی گروہ بھی محض حصولِ اقتدار کی خاطر مقدر آزما ہے، بلکہ اُن کے ہر قول و عمل سے یہ ثابت ہو کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، محض خدمتِ دین اور اُسوۂ رسولِ انام علیہ السّلام کی ترویج کی خاطر کر رہے ہیں۔ اگر اُن کی نیت صالح رہی تو مخالفین اُن پر سیاست پسندی اور اقتدار جوئی کے جس قدر الزام بھی لگائیں گے؛ وہ تمام کے تمام درخورِ اعتنا متصوّر نہ ہوں گے۔ کاش بندگانِ سیم و زر اور حریصانِ اقتدار یہ سمجھ جائیں کہ مقامِ فُقرا کیا ہے اور طالع آزما مُرید بھی اِس کا ادراک کر پائیں کہ اِن عظیم رُوحانی مراکز کے افراد کا حقیقی مرتبہ کیا ہے؟ بہرصورت وابستگانِ طریقت پر یہ لازم ہے کہ وہ عُلماء و مشائخ کو ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر ترغیبِ سیاست نہ دیں اور اقتدار طلبی کے مشورے سے خود کو باز رکھیں۔ کیونکہ خانقاہِ فقیر کا مرتبہ و مقام دربارِ امیر سے بلند تر ہے۔

بقولِ راقم الحروف ؎

ہمیں ہے فقیری میں شاہی میسّر
کہاں ہم، کہاں تاجداروں کی دُنیا

بعض اوقات جب مفاد پرست مُریدوں کے مشوروں پر عمل پیرا ہونے کے باعث مشائخ پر رنگِ دُنیا غالب ہو جاتا ہے اور اُن کے طرزِ حیات پر دُنیاداری کی چھاپ لگ جاتی ہے تو جیسے گرو ویسے چیلے کی کہاوت کے مطابق یہی مُرید اپنے مشائخ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں اپنے آباء و اجداد کے رنگ میں نہیں رنگ سکتے، ہم نے تو اُنہیں اپنے رنگ میں رنگ ہی دیا ہے اور اگر وہ ہمارے لئے دینی پیشوا ہیں تو ہم اُن کے لئے دُنیوی رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں، گویا

جو اُنہیں عزِّ وقارِ جاہ ملا تو ہمیں بھی نازِ وفا ملا
ہے برابری کا معاملہ نہ ہم اُن سے کم نہ وُہ ہم سے کم (سیّد آلِ رضا مرحوم)

اس طرح پر پردہ وہ اپنی کامیابی پر خوش ہوتے اور اُن کی محرومیوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، [illegible] سمجھتے ہیں، وہ ہمیشہ مشائخ اور اُن کی اولاد کو اپنے اسلاف کی

تعلیم حاصل کرنے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کی گزارش کیا کرتے ہیں اور وہ کبھی دُنیوی مقاصد کے حصول اور اپنی عزت و شان بڑھانے کی نیت سے اُن کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے۔ بلکہ صاحبِ خانقاہ کی رُوحانی تعلیمات سے توحید و رسالت سے متعلق سوال کر کے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں۔ متوسّلین میں کچھ ایسے پیکرِ اخلاص بھی ہوتے ہیں کہ جو شیخ کے اشارۂ ابرُو یا فقط میلانِ طبع کو محسوس کرتے ہوئے اُسے حکم کا درجہ دیتے اور نیک نیتی سے اُسے عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور کچھ ایسے بھاگوان بھی ہوتے ہیں، جو شیخ کا واضح حکم سُن کر بھی عمر بھر صرف تعمیل ہوگی کی رَٹ لگائے رکھتے ہیں اور کرتے کراتے خاک بھی نہیں۔

## آج کل کے مُرید

آپ یقیناً سوچتے ہوں گے کہ مَیں نے خانقاہی نظام پر اِتنا کچھ کیوں لکھا اور اب بعض مُریدانِ طالع آزما کے چہروں سے نقاب کُشائی کے درپے کیوں ہُوں؟ آپ کے ذہن میں اُٹھنے والا یہ سوال اپنی جگہ درست ہے، مگر ایک خانقاہ سے متعلق ہونے کے باعث معترض حضرات سوالات کرتے اور جواب چاہتے ہیں؛ چنانچہ یہ طے کیا کہ جہاں نظامِ خانقاہی کے عواملِ انحطاط کا ذکر کیا ہے، وہاں خانقاہوں سے منسلک بعض مُریدوں کے اندازِ فکر اور طور طریقوں پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ اولیائے کاملین نے محض دینِ مُبین اور اُس کی تعلیماتِ عالیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر یہ رُوحانی مراکز (خانقاہیں) قائم کیے تھے تاکہ طالبانِ حق اور تشنگانِ علومِ نبوی یہاں آکر اپنی پیاس بُجھا سکیں اور صاحبِ خانقاہ سے دینی تعلیمات کے حصُول کے بعد تزکیۂ نفس کا ساز و سامان حاصل کر سکیں۔

اگر آج سے سو (۱۰۰) برس پہلے کے خانقاہی ماحول اور تبلیغ و اشاعتِ دین کے سلسلے میں مشائخ کی مساعیٔ جمیلہ اور حالیہ دَور کی اکثر و بیشتر خانقاہوں کے طرزِ عمل کا موازنہ کیا جائے تو آپ کو دونوں کے مابین ایک وسیع خلیج حائل دیکھ کر تعجب ہوگا اور آپ اکثر پیروں مُریدوں کو "نہ وُہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زُلفِ ایاز میں" کا مصداق پائیں گے۔ اِس کے اسباب و عوامل پر یہاں تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں۔ خدا نے چاہا تو کسی اور کتاب میں اِس موضوع پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ سرِدست مُریدین کے متعلق مختصراً عرض کروں گا کہ دورِ

حاضر کے تمام سلاسل کے اکثر و بیشتر مُریدین خانقاہ کے سجادہ نشینوں یا اُن کی اولاد سے دُنیوی مفادات اور اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے حصُولِ قُرب کی کوشش کرتے اور اُن سے اظہارِ تعلق و نیاز کیا کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر کے الفاظ اِس لیے استعمال کیے ہیں، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ تمام مُرید ایسے نہیں ہوتے۔ "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ" والے نیازمندوں کی بھی کمی نہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے جو حضرات خانقاہوں پر حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں، اگر وہ اِن خدمات کو صاحب مزار یا اُن کی اولاد پر احسان سمجھیں اور حاضری میں للّٰہیت نہ ہو، تو وہ یقیناً اجر و ثواب سے محروم رہیں گے۔ اِس لیے کہ مشائخ اُن کے کسی عمل کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ بہر حال بات مُریدین کی اکثریت کے متعلق ہو رہی ہے کہ وُہ دُنیوی مقاصد اور اپنی آن بان قائم رکھنے یا بڑھانے کی خاطر اہلِ خانقاہ سے رابطہ رکھتے ہیں یا محرومیوں اور ناکامیوں کے ستائے ہوئے حاضری دیتے ہیں، اِس لیے کہ اہلِ دُنیا کا وطیرہ یہی ہے اور علامہ اقبالؒ نے اِسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

اِس دیرِ کہن میں ہیں غرض مند پُجاری　　رنجیدہ بُتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خُدا یاد

## مطلب کے مُرید

بعض مُرید ایسے بھی ہوتے ہیں، جو طالبِ شیخ کم اور خواہشات کے بندے زیادہ ہوتے ہیں۔ شیخ کی کوئی بات اگر اُن کے لیے مفیدِ مطلب یا پسندیدہ ہو تو اُسے امر بالمعروف کا درجہ دے کر بیان کرتے پھرتے ہیں اور جو بات اُن کے مفاد میں نہ ہو یا اُن کی مرضی کے موافق نہ ہو تو سرے سے اُس کا ذکر ہی نہیں کرتے یا اگر مجبوراً بتانا پڑے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ پیر صاحب کا حکم نہ تھا، بلکہ سرسری واہمہ یا خیال ہوگا، جس کی تعمیل کے ہم مکلف نہیں۔ ایسے لوگ دراصل اپنے مطلب کے مُرید ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں صاحبِ خانقاہ اور اہلِ خانقاہ کے لیے دلی عقیدت و محبت کے جذبات نہیں ہوتے اور اُن کا تعلق، ظاہرداری سے بیش تر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اولیائے کرام اور مشائخ عظام سے محبت و عقیدت کے ایسے جھوٹے دعوے داروں سے اہلِ خانقاہ کیوں کر یہ اُمید رکھ سکتے ہیں کہ وہ کسی دینی یا ملی موقع پر اُن کی ہدایت پر عمل پیرا ہوں گے، جب کہ اُن کی عقیدت کا حال یہ ہے کہ دولت جیسے حقیر دُنیوی امر میں وہ شیخ کو خاطر میں نہیں لاتے اور پھر اُن کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ اظہار

منافقت اور نافرمانی کے باوجود اگر اُنہیں کوئی مشکل پیش آجائے تو آستانۂ شیخ پر جبہ سائی کے لئے دوڑ پڑتے اور روتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؏ کجا رَوم، بہ کہ گویم، بگو چہ چارہ کُنم

مشائخ ازراہِ نصیحت بھی اگر اُن سے بے التفاتی برتیں یا اُن کی منشاء کے مطابق اُن کا کام نہ ہو پائے تو پھر وہ اپنے مشائخ کے خلاف ایسا زہر اُگلنے لگتے ہیں گویا اہلِ خانقاہ سے خصومت اُنہیں ورثے میں ملی ہے۔

پس ایسے دُنیا طلب اور مفاد پرست مُریدوں کی دلجوئی یا پاسِ خاطر، دونوں سے بے نیاز ہوکر اُن سے اغماض برتنا ہی قرینِ مصلحت ہے تاآنکہ اُن کے قلوب عملی طور پر اہلِ خانقاہ، اولیاء اللہ کے باطنی تصرّفات اور اُن کی اہمیت کے قائل ہو جائیں۔ مشائخ کو چاہیے کہ وُہ اپنے مفاد برانڈ کے ماڈرن مُریدوں کی ذہنی نفسیات کو ملحوظ رکھ کر اپنی خداداد صلاحیت اور اپنے علم و دانش کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید نفسیاتی علاج ایجاد کریں تاکہ مُریدین تمام ذہنی آلودگیوں اور طبعی فریب کاریوں سے دست کش ہوکر طالبِ صادق کی طرح عقیدت و احترام کے ساتھ ادب گاہِ خانقاہ میں قدم رکھیں۔

## سرکاری عُہدوں پر فائز مُرید

سرکاری عُہدوں پر فائز بعض ایسے مُرید بھی ہوتے ہیں کہ اگر پیر صاحب نے کسی غریب انسان کے جائز کام کے سلسلے میں بھی اپنے ہاتھ سے تعارف نامہ لکھ کر بھیجا تو تعظیماً کھڑے ہوکر وصول کرتے، پھر چُومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں اور بعض تو وصیّت بھی کر دیتے ہیں کہ میرے پیر کا یہ کرم نامہ میرے ساتھ کفن میں رکھ دیا جائے، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سارے شُتر غمزے کرنے کے باوجود نوازش نامے کو کھولتے تک نہیں اور سائل کے چلے جانے کے بعد ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔

## نازک مزاج مُرید

امیرانہ اور نوابانہ ذہن کے مالک کچھ ایسے مُرید بھی ہوتے ہیں، جو ہر وقت پیر کو اپنے جُنبشِ ابرو کے ماتحت چلتا دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں، بعض اوقات اُنہیں سچے عقیدتمندوں میں بامرِ مجبوری یا کسی غرض کے تحت شیخ سے اظہارِ ارادت کرنا پڑ جاتا ہے، مگر درحقیقت اُن

کے دل میں شیخ کے لئے زیادہ سے زیادہ برادرانہ جذبات ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی ادھورے۔ ایسے نوابانہ ذہن کے لوگ مشائخ کے پاس اپنی آمد و رفت کو اپنے لئے فخر و سعادت سمجھنے کے بجائے اُلٹا مشائخ پر احسان سمجھتے ہیں، چنانچہ شیخ سے اُن کی عقیدت و نیاز کا کوئی ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آتا، جسے اُن کے اندرُونی جذباتِ عقیدت کا ترجمان کہا جاسکے اور جو اُن کی دِلی ارادت کی تصدیق و توثیق کی علامت قرار پاسکے۔ اگر ایسے آمرانہ ذہن مشائخ کو کوئی کام کہہ دیں اور ذرا دیر ہو جائے تو یہ تاخیر ان نازک مزاج شاہوں کو بڑی شاق گزرتی ہے، چنانچہ بعض اوقات معذرت پیش کرنے تک شیخ سے کھچاؤ کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، مگر اِس کے برعکس پیر صاحب اگر بھول کر کسی کے جائز کام کے لئے بھی فرمادیں تو اُن کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور پھر انتہا یہ کہ پیر صاحب اُن سے شکوہ کرنے کے بھی مجاز نہیں ہوتے۔ سُبحانَ اللہ! کیا پیری مُریدی ہے۔

## رشوت دینے والے مُرید

بعض ایسے تیز مُرید بھی ہوتے ہیں کہ پیروں کو لالچی سمجھ کر نذرانے کی صُورت میں رشوت دینے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں تاکہ اُس کے بعد جائز و ناجائز مدّعا پیش کر کے حسبِ منشار کام نکلوا سکیں۔ بظاہر دست بوسی و پابوسی کر کے جاتے ہیں، مگر باہر جا کر کہتے ہیں: دیکھا! پیر صاحب کو کیسا چکر دیا۔ نذرانے کی صورت میں رشوت دے کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیا کہ نہیں؟ شیخ کو کیا معلوم کہ نذر کس نیت سے پیش کی جارہی ہے۔ لہٰذا مشائخ کو نذرانہ قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

## موسمی یا انتخابی مُرید

مُریدین کی تمام انواع میں سے یہ نوع حیرت انگیز حد تک دلچسپ اور دوسرے الفاظ میں قابلِ زیارت ہوتی ہے، جو نو وارد ہونے کے باوجود دیرینہ نیاز و ارادت مندی کا لبادہ اوڑھ کر محض ووٹ لینے اور ممبر بننے کی خاطر خانقاہوں کے چکّر کاٹتی نظر آتی ہے۔ وہ بھی صرف اِس لئے کہ اُن کے حلقۂ انتخاب میں خانقاہ کے ارادت مند ووٹروں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ ایسی انتخابی مہم کے عرصۂ نیاز و اخلاق میں ہزاروں ہوش رُبا وعدے، دن رات حاضریاں؛

دست بوسیاں، نیازمندیاں اور نیازکیشیاں، مگر کامیابی کے بعد طوطا چشمی کا یہ عالم کہ رفتہ رفتہ پیر صاحبان سے سلام و دُعا تک ختم۔

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اِس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

خیر اس قسم کے ووٹ چاہنے والے مُریدوں کے لئے برساتی یا موسمی مُرید کی تراکیب موجود ہیں، جو پانچ سال کے لئے غائب، مگر اگلے الیکشن سے کچھ عرصہ پہلے اپنے فراموش کردہ پیر صاحب کے میکدۂ عرفان پر اکبر الٰہ آبادیؒ کا یہ شعر پڑھ پڑھ کر صدائیں لگاتے پھر نظر آنے لگتے ہیں ۔

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِیْ بدہ ووٹے بہ محفل ہا
کہ سیٹ آساں نمود اوّل، ولے اُفتاد مشکل ہا

ترجمہ۔ اَے پیرِ میخانہ! ہمیں بھی ووٹ کی خیرات عطا کر، اِس لئے کہ سیٹ کا ملنا پہلے تو آسان نظر آتا تھا، مگر اب اِس کے حصُول میں بہت سی مشکلات درپیش ہیں، لہٰذا ہم تیرے ابرُو کی ایک ووٹ نواز جُنبش کے مُنتظر ہیں۔

سطُورِ بالا میں خانقاہوں پر حاضری دینے والے مُریدوں کی معرُوف اقسام کا اجمالی جائزہ لیا گیا، لہٰذا مشائخ اور اُن کی اولاد کو مُریدوں کے ہجوم میں سے اُن مُخلصین کو چُن لینا چاہئیے، جو دُنیوی جھمیلوں سے وقت بچا کر محض رُوحانی تسکین کی خاطر اُن کے پاس حاضری دیا کرتے ہیں۔ اِس طرح مفاد پرست مُریدوں کی صف پر بھی کڑی نظر رکھنی چاہئیے تاکہ وہ مشائخ اور اُن کی اولاد کو اُن کے اسلاف کے طرزِ حیات اور تعلیمات سے بیگانہ نہ کر سکیں اور مادی لالچ دے کر اُن کے سر پر سوار نہ ہو جائیں۔ اگر مذکورہ طرزِ فکر کو مُسترد کر دیا جائے تو اہلِ خانقاہ سے اُستاد داغ دہلویؒ کی رُوح مخاطب ہوگی ۔

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر　　ورنہ یُوں دوش پہ کاکُل ٹھہرے

مخلص اور ناقص مُریدوں کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی خاطر یہ حربہ مجرّب ہے کہ جب مشائخ یا اُن کی اولاد مفاد پرست اور دُنیادار مُریدوں کو خاطر میں نہیں لائے گی تو ایک دو مرتبہ کے بعد اُن کی حاضری کی رفتار سُست پڑجائے گی اور رفتہ رفتہ اُن کی عقیدت بھی نفرت میں بدل جائے گی۔ جب کہ مخلص اور صادق ارادت مندوں کے ساتھ جو

سلوک بھی روا رکھا جاتے نہ تو اُن کے اخلاص میں سرِمُو فرق آئے گا اور نہ ہی وُہ حاضری ترک کریں گے، بلکہ وہ حضرتِ عراقیؒ کے اِس شعر کے مصداق نظر آئیں گے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تُو خنجر آزمائی

ترجمہ۔ خدا کرے کہ تیری تیغِ آبدار سے ہلاک ہونا دشمن کے نصیب میں نہ ہو، اگر تُو نے خنجر آزمائی پر کمر باندھ ہی لی ہے تو دوستوں کے سر حاضر ہیں، یعنی ہمارے ہوتے ہوئے دشمن تیری تیغ سے ہلاک ہونے کا شرف کیوں حاصل کریں۔

بہرحال یہ تصور بڑا دلخراش اور رُوح فرسا ہے کہ اگر صورتِ حال یہی رہی اور پیری مُریدی کا یہی عالم رہا تو رفتہ رفتہ خانقاہوں پر رُوحانیت کے بجائے دُنیاداری کی چھاپ لگتی چلی جائے گی اور اربابِ خانقاہ نے جس جذبِ دروں، اخلاص و محبّت، ذوق و شوق اور کمالِ محنت و مشقت سے یہ پاکیزہ رُوحانی مراکز قائم کیے تھے، روز بروز اُن کی علمی و رُوحانی چمک دمک اور اُن کا تقدس مجرُوح ہوتا چلا جائے گا اور انجامِ کار مُرید یہ کہنے لگ جائیں گے کہ ہم میں اور ہمارے مشائخ میں کیا امتیاز ہے؟ جو کچھ ہم جانتے ہیں وہی کچھ وہ بھی جانتے ہیں، دُنیا کے تمام موضوعات پر یہ بھی گفتگو کرتے ہیں اور ہم بھی۔ اُن کے پاس اپنے اسلاف کی رُوحانیت ہے نہ علمی کمالات! لہٰذا مشائخ کو مُریدوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ محاسبۂ ذات بھی کرنا چاہیئے کہ کیا جس نسبت سے لوگ اُن کے پاس آتے ہیں، وہ اُس نسبت کے رُوحانی، علمی اور تربیتی تقاضوں کو پورا کر بھی رہے ہیں یا نہیں؟

خانقاہی نظام کے مخالفین کے اعتراضات کا سلسلہ تو بہت دراز ہے، اِس لئے کہ دشمن کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اپنے حریف کی خُوبیوں کو چھُپاتے اور ناکردہ گناہوں اور عیوب کو ظاہر کرے، مگر بعض اعتراضات کسی حد تک بجا بھی ہیں۔ اگر مُریدین اور مشائخ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے لگ جائیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اِنہی خانقاہوں اور علمی و رُوحانی تربیت گاہوں سے اگر جُنیدؒ و شبلیؒ نہ اُٹھیں تو کم ازکم اِس دَور میں باذوق اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے دردمند اور صالح مسلمان تو پیدا ہو سکتے ہیں، اِس لئے کہ ایک سچے اور عظیم انسان کی عظمت کے یہی معیار تو ہیں۔

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دلے گرمے نگاہے پاک بینے جانِ بے تابے

جس طرح مشائخ کے مختلف اطوار اور طبائع پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے، اِسی طرح مزاج کی رنگا رنگی اور تنوع کے لحاظ سے متوسلین و مُریدین کی بھی بڑی ورائٹی ہے، جس میں سے کچھ اقسام پر گزشتہ صفحات میں سرسری تبصرہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا صرف مشائخ ہی کو موردِ الزام ٹھہرانا قرینِ انصاف و دانشمندی نہیں۔ مخالفین نے آج تک مشائخ اور درگاہوں کے خلاف اِتنا زہر اُگلا اور اُگل رہے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ خیر، چھوڑیئے ایسا کرنا تو اُن کے مقدر میں لکھا ہوا ہے بقولِ راقم الحروف ؎

جلنے والوں کو صرف جلنا ہے اُن کی قسمت میں اور کچھ بھی نہیں

چونکہ بعض مفاد پرست اور موسمی مُرید بھی مشائخ پر اکثر تبصرے کرتے رہتے ہیں، اِس لئے اُن کی کچھ اقسام مختصراً گنوانا ضروری سمجھا تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ سلاسلِ طریقت کی تمام درگاہوں کے مُرید ایک جیسے مخلص نہیں ہوتے، خوفِ طوالت مانع ہے، ورنہ ہم مُریدی کا رُوپ دھارنے والے بعض بہرُوپیوں کی وقتی اور ڈرامائی عقیدت پر بھی کچھ روشنی ڈالتے، جن کے قول و فعل میں عجیب سا تضاد رہتا ہے اور جو کسی مصلحت کے پیشِ نظر زبان سے اظہارِ عقیدت و نیاز تو کردیتے ہیں، مگر کچھ ہی دیر بعد اُن کا عمل اُن کے سابقہ اظہارِ عقیدت کی تردید کردیتا ہے۔ گویا اُن کے بیانات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور بعض کی تضاد بیانی اور تضادِ عملی دیکھ کر تو انسان بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے ؎

تھا کچھ ابھی بیان، ابھی کچھ بیان ہے
گویا، تری زبان کے نیچے زبان ہے

اہلِ خانقاہ کے اطوار پر بھی ہم نے بھرپور تنقید کی تاکہ معترضین یہ نہ کہہ سکیں کہ ایک خانقاہ سے نسبت رکھنے کے باعث ہم خانقاہی نظام کی بعض معیوب باتوں کو بھی مستحسن سمجھتے ہیں، لہٰذا اہلِ خانقاہ کے لئے بنیادی اور ضروری اُمور کی نشاندہی کردی گئی ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح پر توجہ دے سکیں، اِسی طرح مُریدین و متوسلین کی مختلف اقسام پر بحث بھی اصلاح کی خاطر کی گئی ہے، کسی پر کیچڑ اُچھالنا اور ذلیل کرنا ہرگز مُراد نہیں، اگر درگاہوں سے رابطہ رکھنے والے اپنا محاسبہ نہ کرسکیں تو پھر اُن کی حاضری کا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے خیال میں اگر ایسے لوگ درگاہوں پر نہ ہی جایا کریں تو بہتر ہوگا، اِس لئے کہ ایسے لوگوں کے جانے نہ جانے سے درگاہوں کی رونق میں کسی قسم کی کمی بیشی واقع نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال

ناگزیر ہے تو اُسے ذہن سے نکال دینا چاہیئے۔ حقیقی مشائخ کے آستانوں کی رونق کا سامان تو قادرِ مطلق خود مہیا کرتا ہے اور وہ اِس طرح کہ اپنے مقبول بندوں کی محبّت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور خلقِ خدا جوق در جوق اُن کے مزارات پر حاضری دینے لگ جاتی ہے۔ آمد کا سبب زائرین کا محض اپنا ارادہ نہیں، بلکہ وہ محبّت و کشش ہوتی ہے، جو قدرت اُن کے دلوں میں ڈال دیتی ہے بقولِ ناصر علی سرہندیؒ ؎

محبّت جادہ دارد، نہاں در خلوتِ دل ہا     چو تارِ سُبحہ گم گشتہ است ایں رہ زیرِ منزل ہا

ترجمہ۔ دل کے خلوت کدوں کی طرف محبّت کا ایک خصوصی راستہ نکلتا ہے، جو تسبیح کے دھاگے کی طرح دانوں کے اندر ہی اندر گزرتا ہوا چلا جاتا ہے۔

اِس سے یہ ایک نہایت لطیف نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ نسبتِ شیخ کی حیثیت مُریدوں کے باہمی تعلق میں تسبیح کے دھاگے کی سی ہوتی ہے، جو تمام مُتوسّلین کو مودّت کے ذریعے باہم مربُوط رکھتی ہے، لیکن مُریدوں کو شیخ کے اِس عطا کردہ رشتۂ نسبت کا احساس باہمی خلوص و مُروّت کی صورت میں ضرور ہونا چاہیئے۔

## پیری مُریدی

جیسا کہ مذکور ہوا پیری مُریدی کوئی منصوص چیز نہیں، جس کی پابندی کے بغیر انسان کا ایمان نامکمل رہے، تاہم طریقت، آدابِ سُلُوک اور وصُول اِلیٰ اللہ ایسے اُمور ہیں، جو قرآن و حدیث سے مُستنبط ہیں اور اکابرِ اُمّت کا اِن پر اجماع ہے۔ اِس اعتبار سے بیعت اور اِس کے متعلقات ایک گراں بہا اہمیّت کے حامل ہیں، مگر افسوس کہ آج کل کی پیری مُریدی اور صدیوں پہلے کی پیری مُریدی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تاریخ تصوّف کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف کے ابتدائی دَور میں وُہ لوگ جنہیں اپنا آئینۂ دل چمکانے اور اللہ سے لَو لگانے کی آرزو ہوتی، وہ ایسے اربابِ حال کی تربیت گاہوں کی تلاش کرتے اور ایسے اربابِ بصیرت کی آغوشِ التفات میں رہنے کی کوشش کرتے، جو انہیں مختلف قسم کی رُوحانی ریاضتوں کے صبر آزما مراحل سے گزار کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے، لیکن آج کل کی پیری مُریدی کا وُہ تصوّر کہاں، جو ہمیں صُوفیائے سَلف کے ہاں ملتا ہے۔ بہر حال آج کل کی بعض دیگر رُسُوم کی طرح کسی [illegible] بھی ایک رسم کی حیثیت سے رواج پا چکا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید کسی کے ہاتھ

میں ہاتھ دے دینا ہی بیعت کہلاتا ہے اور مشائخ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ پر ہمارا ہاتھ رکھ دینا ہی اُسے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لینے کے لئے کافی ہے اور اِسی کا نام پیری و مُریدی ہے، حالانکہ صُوفیائے سَلَف مُرید کے تزکیۂ نفس اور اُس کے افکار و اعمال کی اصلاح پر ظاہری بیعت سے زیادہ زور دیتے اور اُسے عرصۂ دراز تک اپنی علمی و رُوحانی تربیت گاہ میں رکھ کر مردِ مومن کے مقام پر پہنچا دیتے تھے۔ اگرچہ اب نہ وہ مشائخ رہے اور نہ وہ مُرید، مگر رسمی اور ظاہری حد تک موجودہ پیری مُریدی بھی غنیمت ہے کہ اِس سے ایک مسلمان بعض غلط عقائد سے تو بچ جاتا ہے، مگر اِس کے ساتھ ساتھ مشائخ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مُرید کو تعلیم دیتے اور سمجھاتے رہیں، ورنہ جہاں وہ مُرید بننے کی وجہ سے بعض غلط مسالک کے گمراہ کُن عقائد سے بچ جاتا ہے، وہاں مُرید بننے کے سبب پیروں سے متعلق بعض غلط اور مُشرکانہ عقائد کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔

## ترکِ کبر و غرُور

پیر ہو یا مُرید، دونوں کے لئے فروتنی، عاجزی اور ترکِ کبر و غرور لازم ہے، ورنہ پیروں کی پیری دکانداری کے سوا کچھ نہیں اور مُریدوں کی مُریدی مطلب برآری کے سوا کچھ نہیں۔ ترکِ کبر و خود پسندی، مشائخ کے لئے اشد ضروری ہے؛ حُجّۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے احیاءُ العلوم میں انسانی طبقات کے اعمال و افکار پر مفصّل بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ہر طبقہ کے افراد مختلف اخلاقی امراض میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ عوام کو دھوکا دینے اور محض دکھاوے کے لئے اعمال و اقوال میں بظاہر عجز و انکسار اختیار کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی عزّت و توقیر بڑھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ جس قدر بظاہر تارکِ غرور و کبر نظر آتے ہیں؛ اگر اُن کو خلوت میں دیکھا جائے تو اُن کے ہر عمل اور قول سے کبر و خود پسندی ٹپکتی ہے، حالانکہ عُرفائے اُمّت نے مردانِ خدا کی علامات یہ بیان کی ہیں ۔

مردانِ خدا میل بہ ہستی نہ کنند		خود بینی و خویشتن پرستی نہ کنند
آنجا کہ مجرّدانِ حق مے نوشند		خُم خانہ تہی کنند و مستی نہ کنند[1]

---

[1] راقم الحروف نے اس رُباعی کے مفہوم کو اُردو قطعہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ہر چند کسی زبان کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ذرا سی بات پر آگ بگولا ہو جانا، اپنی بات کی تردید یا اختلاف گوارا نہ کرنا بھی کبر ہے، اپنے خلاف کسی قسم کے تنقیدی کلمات سُن کر سیخ پا ہو جانا، یا کہنے والے کے خلاف دل میں دائمی کدورت رکھ لینا، اُس سے رنجیدہ خاطر رہنا، بات نہ کرنا، محض اظہارِ مرتبہ کے بنا پر اُس کی بے عزتی کر دینا، یہ سب غرور و کبر ہی کے مظاہر ہیں اور یہ بات اکثر رئیسانہ ذہن رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ حضرت امام غزالیؒ اِس سلسلے میں لکھتے ہیں: وقد قال یحییٰ لعیسیٰ علیہ السّلام ایُّ شیئٍ اشدُّ قال غضبُ اللّٰہ۔ قال فمایقربُ من غضب اللّٰہ؟ قال ان تغضبَ۔ قال فمایُبدی الغضب ومایُنبتُہٗ؟ قال عیسیٰ الکبرُ والفخرُ والتعزّزُ والحَمِیَّۃُ[1]

ترجمہ۔ حضرت یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا کہ سخت ترین چیز کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا غضب۔ حضرت یحییٰؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے لگ بھگ کون سی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تو غصّے کا اظہار کرے۔ پھر پوچھا کہ غصّہ کس بات سے پیدا ہوتا اور نشو و نما پاتا ہے؟ فرمایا کہ تکبّر، فخر، عزّت طلبی اور حمیّت سے (انتہیٰ)

مندرجہ بالا صفات جس طبقہ میں بھی پائی جاتی ہوں، سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ پکّے دنیادار اور انسانیت دشمن افراد ہیں، ایسے لوگوں کی بظاہر نرمی اپنے اندر مکر اور فریب کی ایک دُنیا لئے ہوئے ہوتی ہے۔ بقولِ مولانا غنی کاشمیریؒ ؎

سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است ۔۔۔ پنہاں درونِ پنبہ نگر، پنبہ دانہ را

ترجمہ۔ جو شخص بظاہر نرم گفتار نظر آتے، وہ بہ باطن اُتنا ہی سنگدل ہوتا ہے، جس طرح رُوئی کی ظاہری نرمی اور ملائمت کے باوجود بنولے کی سختی بدستور اُس کے اندر چھپی ہوتی ہے، گویا مولانا غنی کے نزدیک اُس نرم گفتاری سے، جو اپنے اندر سختی اور درشتی کا ایک طوفان لئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حسنِ بیان کو ترجمے میں سمونا مشکل ہے، تاہم اس کے مفہوم کو اُردو میں منتقل کرنے کی کوشش کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ لطفِ ترجمہ ضائع نہ ہو۔ عرض کیا ہے ؎

مردانِ خدا رغبتِ ہستی نہیں کرتے ۔۔۔ یہ لوگ کبھی نفس پرستی نہیں کرتے
پہنچے ہیں جہاں اہلِ صفا بادۂ عرفاں ۔۔۔ میخانہ بھی پی جائیں تو مستی نہیں کرتے

[1] دیکھئے احیاء العلوم، جلدِ ثالث، الجزء الثالث، ص ۱۲۹، مطبوعہ مصر

ہُوتے ہو، ایسی سخت گفتاری بدرجہا بہتر ہے، جو بغرضِ اصلاح، نیک نیتی اور نرمی کا سکوں آمیز انجام اپنی آغوش میں لئے ہوتے ہو۔

امام غزالیؒ کی مذکورہ بالا تصریح سے ثابت ہوا کہ غیظ و غضب کے پسِ پردہ عناصر کبر کارفرما ہوتے ہیں، جنہیں اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور بزعمِ خویش دانا افراد بھی محسوس نہیں کر پاتے۔ جن خوش نصیب افراد کو آتشِ غضب فرو ہونے کے بعد توفیقِ ندامت میسّر آجائے، وہ اِسے بلڈ پریشر کا وقتی تسلط قرار دیتے ہوئے معذرت طلب کر لیا کرتے ہیں، اِس معذرت کو سعادت مندی کہہ لیجئے، مگر یہ ایسا ہی ہے کہ ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

## موقع شناس بلڈ پریشر

رئیسانہ ذہن رکھنے والے ایک صاحب حیثیت، ایک روز کسی غریب آدمی کو معمولی سی غلطی پر سخت سرزنش فرما رہے تھے۔ وہ بے چارہ اُن کی صلواتیں بہ جبر و اکراہ سُنتا رہا، جب معاملہ رفع دفع ہوا تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے ایک غریب انسان کو اِتنا ذلیل کر کے توہینِ انسانیت کی ہے۔ کہنے لگے: دراصل میں بلڈ پریشر Blood Pressure کا مریض ہوں، وقتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے، مگر بعد میں ندامت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں نے کہا بلڈ پریشر خون کے دباؤ کو کہتے ہیں۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ جب بلڈ آپ پر پریشر ڈالنے لگتا ہے تو آپ اُسے اپنا بلڈ سمجھ کر جواباً پریشر ڈالنے کو مناسب نہ سمجھنے کی صورت میں اپنے غریب مدِمقابل پر پریشر ڈالنے لگ جاتے ہیں، یعنی خون آپ پر دباؤ ڈالتا ہے اور آپ بجائے اُس پر پریشر ڈالنے کے اپنے سے کمزوروں پر اپنی اِس بے بسی کا غصّہ نکالنا شروع کر دیتے ہیں، مزا تو جب ہے کہ اپنی سطح یا اپنی سطح سے بلند کسی انسان پر پریشر ڈالیں، مگر شاید اُس وقت آپ کا بلڈ ہائی (High) یا حاوی ہونے کے بجائے لو (Low) اور سلو (Slow) ہو جاتا ہے۔ یہ عجیب قسم کا دانا بلڈ پریشر ہے، جس کا دریا موقع و محل دیکھ کر چڑھتا ہے۔

خیر، یہ بات تو تفننِ طبع کی حد تک تھی، دراصل ایسے لوگ بے جا غصّہ کے اظہار سے جہاں اپنے کبر و نخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہاں کمزوروں پر ستم ڈھا کر اپنی انا کی تسکین کا سرو سامان بھی فراہم کرتے ہیں اور جب اپنے سے قوی آدمی سامنے آجاتا ہے تو ایسی بے جا

حرکت کرنے کے بجائے اخلاقِ عالیہ اور جذبۂ اخوت پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں، اُس وقت اُن کی بے بسی کا منظر دیدنی ہوتا ہے کہ اُن کا بلڈ پریشر بالکل معتدل اور متوازن ہو جاتا ہے۔

طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ہم غیظ و غضب کی مذمت میں وہ احادیثِ مُبارکہ بھی نقل کرتے، جو مشکوٰۃ شریف میں بابُ الغضب کے تحت روایت کی گئی ہیں، جن میں حضور سراپائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی مذمت فرمائی ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض انسانی غلطیاں ناقابلِ معافی ہوتی ہیں، جنہیں بہ آسانی معاف کرنا دشوار ہوتا ہے، مگر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ[1] کی نص کو ہمیشہ نگاہ میں رکھے اور یہ سوچے کہ اگر خداوندِ عالم بھی اُس کے ساتھ یہی سلوک کرے اور اقرارِ جُرم کے باوجود اُسے معاف نہ کرے تو وہ بے چارہ کیا کر سکے گا اور اُس کے دل پر کیا گزرے گی؟ جب انسان گناہوں، سرکشیوں اور بداعمالیوں کے باوجود اللہ تعالٰے سے تُوقّع رکھتا ہے کہ وہ اُسے ذلیل اور رُسوا نہ کرے، اپنے غضب سے بچائے اور اُس کے جریدۂ گناہ پر قلمِ عفو پھیر دے، تو کیا اُسے یہی سلوک اپنے زیردستوں کے ساتھ روا نہیں رکھنا چاہیئے؟ جس طرح وہ اللہ تعالٰی کے سامنے بے بس اور محتاج ہے، اِسی طرح کمزور لوگ اُس کے سامنے بے بس اور محتاج ہیں؛ اگرچہ بندے کی محتاجی و بے بسی حقیقی ہے اور ایک انسان کے آگے دوسرے انسان کی بے چارگی آنی اور وقتی ہے۔

بالکل کسی بات پر غُصّہ نہ آنا بھی حمیّتِ انسانی کے منافی ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ، حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کا ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولذلك قال الشافعي رحمهُ اللهُ من استُغضِبَ فلم يَغضبْ فهو حمارٌ فمَن فَقَدَ قوّةَ الغضب والحميّةِ اصلاً فهو ناقصٌ[2]۔ ترجمہ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: جسے غُصّہ دلانے پر بھی غُصّہ نہ آئے وہ (انسان نہیں) گدھا ہے، جس انسان میں غیرت و غضب بالکل ہی نہ ہو، وہ ناقص ہے۔

---

[1] پوری آیت اِس طرح ہے، الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آلِ عمران ۳: ۱۳۴) ترجمہ۔ وہ پرہیزگار جو خرچ کرتے ہیں خوش حالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غُصّہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔

[2] دیکھئے احیاءُ العلوم، جلدِ ثانی، الجزءُ الثالث، باب بیان حقیقۃ الغضب، ص ۱۴۵، مطبوعہ مصر

## غُصّے کے بارے میں ارشادِ نبوی

امام غزالیؒ غضب کو فرو کرنے کے سلسلے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ مبارک کی روایات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فلیتوضّا با لماءِ فانّما الغضبُ مِنَ النَّار۔ ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصّہ آجائے تو پانی سے ہاتھ منہ دھولے[2] کہ غُصّے کا تعلق آگ سے ہے۔

دوسری روایت[3] نقل فرماتے ہیں: قال ابن عباسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا غَضِبْتَ فاسْکُتْ۔ ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تجھے غصّہ آجائے تو خاموش ہو جا۔

تیسری روایت حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی: قال ابو ھریرۃؓ کانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا غَضِبَ وَھُوَ قَائِمٌ جَلَسَ وَ اِذَا غَضِبَ وَھُوَ جَالِسٌ اِضْطَجَعَ فَیَذْھَبُ غَضَبُہٗ[4]۔ ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ قیام غصّہ آجاتا تو آپ بیٹھ جاتے اور اگر بیٹھنے کی حالت میں غصّہ آجاتا تو آپ پہلو کے بَل لیٹ جایا کرتے (اس طرح) آپ کا غصّہ فرو ہو جایا کرتا تھا۔ ایک اور حدیثِ مبارک

---

[1] دیکھئے احیاءُ العلوم، از امام غزالیؒ، جلدِ ثانی، الجزءُ الثالث، باب علاج الغضب بعد ہیجانہٖ، ص ۱۵۱، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۲۲ھ

[2] حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَرَکَۃُ الطَّعامِ الوضوء قبلہٗ والوضوء بعدہٗ (ترجمہ) کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا کھانے میں برکت کا موجب ہے۔

(ملاحظہ ہو شمائلِ ترمذی، ابواب الاطعمۃ، باب الوضوء قبل الطعام وبعدہٗ۔ ص ۲۷، مطبوعہ آرام باغ کراچی)

وضو سے ہاتھ منہ دھونے کے مفہوم کے متعلق لسان العرب کی عبارت ملاحظہ ہو:۔ قال ابن الاثیر، وُضُوءُ الصَّلٰوۃِ معروفٌ وقد یُراد بہٖ غسل بعض الاعضاء (ترجمہ) ابن الاثیر کا قول ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنا مشہور و معروف ہے۔ وضو سے بعض اعضائے جسم کا دھونا بھی مُراد لیا جاتا ہے۔ (دیکھئے لسان العرب، جلدِ اوّل، ص ۱۹۵، مطبوعہ بیروت)

[3] دیکھئے احیاء العلوم، جلدِ ثانی، الجزء الثالث، ص ۱۵۱، مطبوعہ مصر

[4] ایضاً

کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں، جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے، جو غصّے کو پچھاڑ دے۔

یہ بجا ہے کہ غصّہ بشری تقاضوں میں سے ہے، مگر اِس پر جس نے جس قدر جلد قابو پا لیا، اُسی قدر اُسے انسانی اور اخلاقی مراتبِ عالیہ کا حامل قرار دیا جائے گا۔ بات بات پر اُلجھنا، لال پیلا ہونا، آپے سے باہر ہو جانا، اپنے ہر حکم کو واجبُ الاطاعت سمجھنا، اپنی بات کو حرفِ آخر خیال کرنا، دُوسروں پر تنقید کو خوبی جاننا اور اپنے خلاف تنقید کا ایک حرف بھی نہ سُن سکنا، دوسروں سے اپنی خدمت میں حاضری کی توقع کرنا اور خُود کسی کے پاس نہ جانا، دوسروں سے طلبِ عفو کی آرزو کرنا، جن کے خلاف دل میں زہر بھرا ہو اُنہیں ہر قدم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا، خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنا، اپنی عظمت اور طاقت کا رُعب ڈالنے کی خاطر کمزوروں کو درخُورِ اعتنا نہ سمجھنا، اگر مکمل درستیٔ نیّت اور احساسِ عاجزی کے ساتھ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت محض بغرضِ اصلاح، عمل میں لائی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر اصلاح مقصود نہ ہو، بلکہ اظہارِ دشمنی کا طویل پروگرام ہو، تو یہ سب ایسی کیفیات ہیں، جن کا تعلق انسانیت سے کم اور بہیمیت سے زیادہ ہے۔

جس شخص میں مذکورہ بالا کیفیات میں سے کوئی ایک کیفیت بھی پائی جاتی ہو، اُس کے متعلق یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص نہ صرف یہ کہ اُسوۂ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک ہے، بلکہ خودپسندی اور تکبّر جیسی رذیل عادت کے باعث پایۂ انسانیت سے گِرا ہوا انسان نما حیوان ہے۔ ایسی خفیف حرکات اُسی انسان سے سرزد ہوتی ہیں جو دولت و اقتدار کے نشے میں چُور اور بدمست ہو اور جس کے دماغ میں رعُونت، نخوت، غرُور، خُودپسندی اور کبر کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہو۔ سیّد امجدؔ نے خُوب کہا ہے

کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے ۔۔۔ مانندِ حباب اُبھر کے اِتراتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات میں فخر خسیس ۔۔۔ تنکا تھوڑی ہوا سے اُڑ جاتا ہے

ایسے شخص کی تعظیم کرنا، یا اُسے قابلِ توجہ سمجھنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔ غصّے کے متعلق حضرت امام غزالیؒ کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ غیظ و غضب کا اصلی محرّک کبر و غرُور ہے۔ بالا سطورہ بالا افعال جس انسان سے بھی سرزد ہوں، یقینی طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ رعُونت اور کبر کا شدید ترین مریض ہے اور اسلام میں اس مرض کا علاج یہی بتایا گیا ہے کہ ایسے

شخص کے دماغ کی درستی اور مزاج کی اصلاح کی خاطر جوابًا تکبّر ہی سے پیش آنا چاہیئے۔ روایات میں التکبّرُ معَ المتکبّرِ صَدَقَۃٌ کے جو الفاظ ملتے ہیں، اُن کا مقصد بھی یہی ہے کہ تکبّر اور رعُونت کرنے والے سے تکبّر و رعُونت سے پیش آنا، خدا کی راہ میں صدقہ کے برابر ہے۔ جسے جتنا غصّہ آتا ہو، حکماء کے نزدیک وہ شخص اُتنا ہی احمق سمجھا جاتا ہے، مگر جو شخص بڑی سے بڑی ناقابلِ برداشت بات پر بھی غُصّے کو پی جاتا ہے، یا اُس کا اظہار کم کرتا ہے، بلاشبہ عظیم انسان کہلانے کا مُستحق ہے۔ خاص طور پر ایسا انسان، جو اپنے مدِمقابل کو بآسانی کُچل دینے کی پوری طاقت کے باوجود محض خشیتِ الٰہی کے پیشِ نظر معاف کردے، کیونکہ طاقت و دولت کے بل بُوتے پر کسی کمزور مدِمقابل کو مالی یا جانی نقصان پہنچانا کوئی بہادری نہیں؛ البتّہ ایسا نہ کرنا وہ عظیم کارنامہ ہے، جسے دورِ حاضر کے عوام تو عوام، خواص بھی سرانجام دینے کا کم ہی حوصلہ رکھتے ہیں۔ اِس سلسلے میں راقم الحرُوف کی ایک رُباعی ملاحظہ ہو ؎

در عشق چو شمع گر گدازی، مَردی　　سوزی پروانہ وار و سازی، مَردی
با دلبری است دل نوازی، مَردی　　گر باہمہ ناز در نیازی، مَردی

ترجمہ۔ عشق میں شمع کی طرح پگھلنا جوانمردی ہے۔ پروانے کی طرح جلنا اور پھر اِس حالت کو بہ رضا و رغبت قبول کرنا عظمتِ کردار ہے۔ دلبرانہ اداؤں کے ساتھ ساتھ دلنوازی، بہادری ہے۔ اسبابِ ناز مُہیّا ہونے کے باوجُود عجز و انکسار اختیار کرنا جوانمردی ہے۔

## غُصّے کی تادیبی اہمیّت

بعض اوقات انسان کا غُصّہ بالکل بجا ہوتا ہے۔ کچھ ایسے ذہن بھی ہوتے ہیں، جو انسانی شرافت کو اُس کا بھولپن اور اُس کی عفُو و درگزر کو اُس کی حماقت یا طبعی کمزوری سمجھتے ہوئے جو جی میں آئے کہہ بیٹھتے یا کر گزرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سرزنش ضروری ہے، مگر اِس کی صورت تادیبی ہونی چاہیئے، دشمنی کی نہیں۔ جب تک وہ اپنے کئے پر نادم نہ ہوں، اُن سے مُنہ پھیرنا، بات نہ کرنا اور اُنہیں درخورِ اعتنا نہ سمجھنا وغیرہ سب درست ہے۔ اگر ایسا کرنے سے اعراض کرنے والے کا مقصد یہ ہو کہ جس سے اعراض کیا جارہا ہے، وُہ اُسے اپنی عزت میں تخفیف کا باعث سمجھے اور اُسے احساسِ ندامت بھی لاحق ہو تو ایسے شخص کو معاف کردینا چاہیئے۔ اربابِ دانش کا اصلاحی انداز یہی رہا ہے۔ بعض اِس قسم کے تیز لوگ بھی نظر سے

گزرے کہ جن کے دل میں کسی کی رنجیدگی یا غصّے کا ذرّہ بھر اثر بھی نہیں ہوتا، مگر گناہگاروں کی شکل بناکر سامنے آتے، پاؤں پر گرتے اور معافی مانگتے ہیں، یہ صرف دفع وقتی اور مطلب نکالنے کا حیلہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی درستیِ کردار و اخلاق اشد ضروری ہے، اُنہیں ایسی حرکات سے روکنا اور سمجھانا چاہیئے کہ اُن کا وہ وقتی عمل اور مصلحت اندیشی، صرف مطلب برآری کے باعث ہے اور اُنہیں باور کرانا چاہیئے کہ اُنہیں کسی مُصلح یا ہمدرد کی رضاجوئی یا ناراضی کا کوئی احساس نہیں، بلکہ اُن کا مقصد صرف غرض مندی اور کام برآری ہے۔ اگر ایسے افراد قریب کے تعلق دار ہوں یا اپنے زیرِ اثر رہنے والوں میں سے ہوں، تو اُنہیں اِس طرح سمجھانا چاہیئے، جس طرح انسان اپنی اولاد کو سمجھاتا ہے اور اُن سے وہی سلوک کرنا چاہیئے، جو اپنی اولاد سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمدردی، خیرخواہی اور محبت کی بنا پر انسان اپنی اولاد سے بگڑتا ہے، سال ہا سال مُنہ بھی نہیں لگاتا، مگر یہ نہیں کہ اُس کا جانی دشمن یا بدخواہ ہو جائے؛ یہی سلوک اپنے تعلق داروں سے رکھنا چاہیئے۔

بعض لوگ دوسروں کے غصّے اور رنجیدگی پر اپنی غلطی محسوس کرنے کے بجائے یہ کہنے لگ جاتے ہیں: ہاں جی! آپ آخر بات بات پر غضبناک کیوں نہ ہوں؟ ایسا کیوں نہ کریں؟ دولت مند جو ٹھہرے، بادشاہ جو ٹھہرے! ہم غریب لوگ ہیں، ہمیں تو غضبناک ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں؛ البتہ دوسرے کے غصّے کی برداشت کا حق دیا گیا ہے۔ وغیرہ ایسے لوگ اکثر بہانہ ساز ہوتے ہیں، جو اپنے قصور اور غلطی کو اہمیت نہ دینے کی صورت میں اُلٹا دوسرے کی دولت اور اقتدار پر طنزیہ فقرے کَس کر اپنی بے چارگی اور بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ایسے ناپختہ ذہنوں کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ چاہے جس طرح بھی اِس کا جواب دیا جائے۔ نہ بولنے، رُوٹھ جانے، یا کسی اور طریقے سے، مگر یہ ضروری ہے کہ ایسا کرتے وقت اصلاح کنندہ کا ذہن کبر و نخوت اور گھمنڈ کے اثرات سے بالکل صاف اور پاک ہو۔ اور وہ خدا کو ذہنی طور پر حاضر و ناظر سمجھ کر یہ فیصلہ کرے کہ اُس کا واحد مقصد انسانوں کی اصلاح ہے، اُن سے دشمنی و عداوت یا اُن پر اظہارِ تفاخر و اقتدار نہیں، اگر ایسا پاک نیّت ذہن اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے انسانوں سے مذکورہ بالا سلوک روا رکھتا ہے تو وہ عنداللہ گناہگار نہ ہوگا۔ کیوں کہ اُس کی نیّت صالح ہے اور حدیث شریف کے مطابق انسان کے ہر عمل کا دار و مدار اُس کی نیّت پر ہے، ایسے مشفق اور اصلاح اندیش انسان کو جو لوگ

متکبّر یا غصیل کہتے ہیں، اُنہیں ایسا کہنے سے باز رہنا چاہیئے اور اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے اعمال و اقوال کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔

فارسی کے مشہور شاعر صائبؔ تبریزیؒ کا درج ذیل شعر ایسی ہی بلند حوصلہ اور انسان دوست شخصیات کے لئے ہے، جن کے قلوب کبر و نخوت اور بغض و کینہ جیسی رذیل عادات سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ شعر یہ ہے ؎

ظہورِ خشمِ بزرگاں، تہی ز رحمت نیست　　غبارِ چہرۂ گردوں، دلیلِ باراں ست

شعر کا مطلب یہ ہے کہ عالی نظر انسانوں کا غصّہ رحمت سے خالی نہیں ہوتا، بلکہ اُن کے غصّے کے پردے میں عنایات کی بدلیاں جھوم رہی ہوتی ہیں، جس طرح آسمان کے چہرے کا غبار آلود ہونا، بارش کی دلیل ہے۔ یعنی بہ ظاہر دیکھا جائے تو آسمان کے گرد آلود چہرے میں بارش کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ مگر یہ تجربہ ہے کہ فضا میں حبسِ شدید کے دوران آسمان کا چہرہ جس قدر غبار آلود ہو جائے، اُسی قدر زور سے مینہ برستا ہے، اِسی طرح بزرگوں کے ظاہری غصّے اور اُن کے شیشۂ دل پر غبار کے پیچھے رحمت کی بدلیاں منڈلا رہی ہوتی ہیں، گویا خطاکار کے اُفقِ جبیں سے ستارۂ ندامت کے جھلملاتے ہی مطلعِ قدرت سے خورشیدِ لطف و رحمت سر اُٹھانے لگتا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

رحمت منڈلا رہی ہے پیچھے پیچھے　　اک بدلی سی چھا رہی ہے پیچھے پیچھے
توبہ بھی تو آ رہی ہے پیچھے پیچھے　　اے میری بدی! ٹھہر، کہاں جاتی ہے

بہرحال کسی کی قبر پر مٹی کے دو چار ہاتھ ڈال دینے سے یہ بہتر ہے کہ انسان کے دل میں مرحوم کے خلاف جو غبارِ کدورت ہے، اُسے دُور کر دے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

پسِ فنا مجھے مٹی نہ دے او آتش وش
وہ پھینک دے کہ جو دل میں غبار باقی ہے

انسان کی سچائی اور صداقت کی دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ جب وہ اصلاح کی نیت سے کسی پر غضب ناک ہوتا یا اظہارِ رنجش کرتا ہے، تو وقتی ملال کے فوراً بعد اُس کے بارے میں انسان کے سابقہ جذباتِ اُنس و محبت عود کر آتے ہیں، یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اُس میں شترکینگی نہیں۔ اِس کی مثال ہم ماں کے غصّے سے دے سکتے ہیں کہ وہ اولاد کو بغرضِ تادیب مارتی پیٹتی ہے، مگر بچّہ ہے کہ پھر بھی اُس سے لپٹا چلا جاتا ہے۔

تسکین نہیں جان کو جاناں کے سوا　　مومن کو نہیں سکون ایماں کے سوا
ماں بچے کو مارتی ہے لیکن پھر بھی　　بچے کو کہیں پناہ نہیں، ماں کے سوا

جہاں یہ اثرات نہ ہوں وہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اصلاح کرنے والے کے دل میں جذبۂ مادر جیسی صداقت نہیں، بلکہ اُس کی اصلاح کے پس منظر میں محض کینہ پروری، حسد اور عناد ہے۔

کچھ لوگوں کا غصّہ اُن کی فطرت کی طرح موقع شناس اور زمانہ ساز ہوتا ہے، ایسے مکار فطرت اپنے مدِمقابل پر غصّے کے بجائے بظاہر نہایت شفقت و محبّت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اُس کے خلاف اُن کے دل میں بُغض و نفرت کا زہر بدستور بڑھتا رہتا ہے؛ اُس کے ساتھ منافقانہ مسکراہٹیں، ہنسی مذاق اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے ہیں، لیکن موقع ملتے ہی اُسے ایسا مزا چکھاتے ہیں کہ اُس کی نسلیں یاد رکھتی ہیں۔ ایسے شرّ کینہ انسان، معاشرہ کے بدترین افراد ہوتے ہیں، اُن کی ظاہری مسکراہٹوں پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ راقم الحروف کے اِن دو شعروں کے مطابق ؎

گُلوں کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ　　پسِ منظر چھپے ہوتے ہیں کانٹے
پاس جب آئے تو ہم پر کھُل گیا دامِ فریب　　دُور سے کیا کیا تری زُلفوں کے خم اچھے لگے

یہی مضمون حضرت مرزا عبدالقادر بیدلؒ نے یُوں بیان فرمایا ؎

تواضع ہائے دشمن مکرِ صیّادی بود بیدل　　کہ میلِ آہنی را خم شُدن قلّاب می سازد

ترجمہ۔ اے بیدلؔ! جفاگر کا عجز و انکسار اور تواضع فریبِ صیّاد کے مانند ہوتا ہے کہ لوہے کی سلاخ کا ٹیڑھا ہونا، اُسے ماہی گیر کا کانٹا بنا دیتا ہے۔

عقل مند لوگ ایسے رعونت سرشت افراد کی بدتمیزیوں سے بچنے کی خاطر اُن کے سامنے جانے سے گھبراتے، کتراتے اور بات تک کرنے سے ڈرتے ہیں۔ غریب اور ناتواں لوگ ایسے خُودپسند، آتش خُو وڈیروں کی عزّت اِس لئے نہیں کرتے کہ وہ عزّت و تکریم کے اہل ہیں، بلکہ اُن کے شر اور غضبناکی سے مامون اور اُن کی سازشوں سے محفوظ رہنے کی خاطر بادلِ ناخواستہ بظاہر عزّت و تعظیم کرتے اور سلام پیش کرتے ہیں۔ ایسے جابرانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ مُبارک میں نہایت سخت الفاظ ملتے ہیں حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اِس حدیث کی راویہ ہیں۔ ارشاد ہوا: اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِندَ اللّٰہِ

منزلةً یوم القیٰمۃ مَن ترکہُ النّاسُ اتّقاءَ شرّہٖ وفی روایۃٍ اتّقاءَ فُحشہٖ۔[1] (متفق علیہ)۔ ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک روزِ قیامت وہ شخص اپنے مقام کی حیثیت سے بدترینِ خلائق ہوگا، جسے لوگ اُس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے چھوڑ دیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اُس کی فحش حرکات سے بچنے کے لئے (اُسے چھوڑ دیں)

## مفاسدِ تکبّر

متکبّر انسان میں رعونت و کبر سے پیدا ہونے والی دیگر خرابیوں میں سے ایک نمایاں ترین خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ تکبّر کرنے کے باوجود خود کو متکبّر نہیں سمجھتا، گویا مرضِ کبر کی یہ وہ مُہلک، بدترین اور آخری اسٹیج ہوتی ہے کہ اِس کے فاعل سے قول و فعل میں احساسِ مرض کی صلاحیت بھی سلب ہوجاتی ہے، نتیجتاً وہ اپنے کسی بھی قول و فعل کی طرف غرور و کبر کی نسبت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اوچھے ذہن اور متوسط طبقہ کے لوگ تو کبر و غرور کے اظہار میں یک گونہ فضیلت و مسرّت محسوس کرتے ہیں، مگر کبر کی یہ اسٹیج سنجیدہ و مہذّب اور اعلیٰ طبقہ کے اُن افراد کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، جو تکبّر کی رذالت اور بُرائی سے آگاہ ہوتے ہیں اور زبانی جمع خرچ کی حد تک لوگوں کے سامنے اِس کی مذمّت بھی کرتے ہیں، مگر ان ساری باتوں کے باوجود اُن کے افعال و اقوال سے کبر و نخوت مترشح ہوتی ہے۔

درحقیقت کبر کی یہ حالت ریا کی اُس خفی ترین اور غیر محسوس صورت کے مشابہ ہے، جس کا ہم نے بحوالہ امام غزالیؒ بابِ پنجم میں تفصیلاً تذکرہ کیا ہے۔ جو شخص کبر کی اِس عجیب و غریب حالت سے دوچار ہوتا ہے، اُس کی شناخت یہ ہے کہ وہ خود کو ایسا سمجھنے کے بجائے دوسروں کو متکبّر اور مغرور سمجھتا ہے اور اپنے متعلق انتسابِ کبر کو معیوب گردانتا ہے۔ اگر کوئی اُسے متکبّر کہہ دے تو بدک اُٹھتا اور سیخ پا ہوجاتا ہے، حالانکہ اُس کا یہ ردِ عمل ہی اُس کے کبر و نخوت کی سب سے بڑی پہچان ہوتا ہے۔ بات کو مزید سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں، جس کا ہم روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب فی الغیبۃ والشتم، ص ۴۱۲، مطبوعہ القیومی کانپور (بھارت)

# ثقلِ سماعت کا مریض اُونچا کیوں بولتا ہے؟

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک بہرا آدمی ثقلِ سماعت کی وجہ سے اکثر بلند آواز میں جواب دیتا اور بات کرتا ہے، جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ دوسروں کی سماعت اُس کے نزدیک مشکوک ہوتی ہے اور وہ اپنے گلشن کی تنگ سامانی سے غیر کی بہار کا اندازہ کرتا ہے حالانکہ یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں کہ ایک گراں گوش جن سے مخاطب ہو، وہ تمام کے تمام اُس کی طرح بہرے ہی ہوں، چونکہ وہ خود تکرار کیے بغیر سُننے سمجھنے کی توفیق نہیں رکھتا، اِس لئے اُس کے لاشعور میں دوسروں کو خود پر قیاس کرنے کا نامحسوس جذبہ ہر وقت موجود رہتا ہے، جس کی بنا پر وہ بلند آواز میں بات کرنے کا عادی ہوجاتا ہے۔ دراصل بہرے پن کو چھُپانے کے لئے بعض سمجھ دار اور تعلیم یافتہ لوگ آہستہ جواب دیتے ہیں تاکہ مخاطب اُن کے بہرے پن پر مطّلع نہ ہو جائے، مگر جو لوگ ناسمجھ، کم تعلیم یافتہ اور کم مہذّب ہوتے ہیں، وہ اپنے کبر کو چھُپانے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ اِس کے برعکس اہلِ علم وفضل کے سامنے اپنی خُوئے استکبار کے اظہار میں مسرت وفخر محسوس کرتے ہیں، جیسا کہ بہرے پن کی مثال سے واضح کیا گیا کہ بہرا انسان اپنے بہرے پن کو چھُپانے کے لئے اکثر چِلّا کر بات کرتا ہے اور دوسروں کو لاشعوری طور پر بہرا سمجھتے ہوئے بلند آواز سے کام لیتا ہے۔ اِسی طرح متکبّر انسان لاشعوری طور پر اپنے مخاطب کے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اُسے حقیر اور متکبّر سمجھتا ہے اور اُس کے اعمال واقوال پر تنقید کرتا ہے، لہٰذا وہ خُود کو اِس قیاس کے مطابق متکبّر سمجھنے لگتا ہے، فرق اتنا ہے کہ مہذّب اور تعلیم یافتہ شخص ایسی صورت میں کبر کا اظہار شائستہ انداز میں کرتا ہے، جس طرح مہذّب اور تعلیم یافتہ بہرے دھیمی آواز کو ڈھال بنا کر اپنے عیب کو چھپاتے ہیں اور غیر مہذّب اور جاہل متکبّر ایسی صورت میں تکبّر کے اوچھے واروں پر اُتر آتے ہیں اور اپنے ہر قول وفعل کو کبر کا آئینہ دار کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح وہ بہرے انسان، جو جہالت اور ناشائستگی کے باعث آہستہ بات کرنے کے بجائے پکار کر بات کرنے لگتے ہیں۔

---

## بہرے اور متکبّر کی قدرِ مُشترک

اگر میری اِس پیش کردہ مثال پر غور کیا جائے تو بات جلد سمجھ میں آسکتی ہے کہ میں نے مذکورہ مثال میں بہرے اور متکبّر انسان میں کن چیزوں کو قدرِ مُشترک قرار دیا ہے اور کس چیز کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے۔ یہ کہ جس طرح بہرے لوگ علاج سے مایوسی کی صورت میں بہ آسانی سماعت کشائی کے لئے یورپ سے درآمد شدہ آلاتِ سماعت کانوں میں لگاتے ہیں اور اپنی گراں گوشی کا علاج بدستور قائم رکھتے ہیں، اِسی طرح متکبّر انسان خواہ اُس کا جس طبقہ سے بھی تعلق ہو، اُسے چاہیئے کہ اپنی قوّتِ مُدرکہ پر اُسوۂ رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تعلیمات کے آلاتِ محاسبہ لگائے، تاکہ وُہ کم از کم ایسا کرنے سے اپنی خُوئے کبر کو تسلیم تو کرسکے، جس طرح آلۂ سماعت لگانے سے بہرے کو اپنے بہرے پن کا یقین ہوجاتا ہے۔

بعض امراض کا تعلق اعضائے انسانی سے ہوتا ہے اور بعض کا شعور اور قوّتِ مُدرکہ سے۔ بہرے پن کا تعلق ظاہر ہے کہ عُضو سے ہے، لہٰذا اِس کا مداوا کانوں کے اسپیشلسٹ (Specialist) سے کرانا چاہیئے۔ رعونت و کبر چونکہ عادات ہیں اور عادات کا تعلق شعور اور ذہن سے ہوتا ہے، لہٰذا اِس کا علاج قرآنی تعلیمات، اُسوۂ حسنہ اور اولیاء اللہ کی سیرت ہی سے ممکن ہے۔ اگر رعونت و کبر کے کسی خوش نصیب مریض کو اِس مُوذی اور ایمان سوز مرض سے نجات پانے کا خیال ہو، تو اُسے چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ذہن اور شعُور پر قرآن و سُنّت کا آلۂ احتساب لگائے اور شریعتِ مُطہّرہ کی روشنی میں اپنے ہر قول و فعل کا جائزہ لے۔ انشاء اللہ اُسے بہت جلد مرضِ کبر سے شفا مل جائے گی اور اگر یہ طریقۂ علاج مشکل نظر آئے، تو ایسے انسان کو اپنی رعونت و کبر کو مٹانے کی خاطر کمزوروں اور زیردستوں سے اپنے خلاف تنقید کرانی چاہیئے تاکہ اُن کے مُنہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اُس کی رعونت و کبر کے سر پر جوتے کا کام کرے، مگر یہ حوصلہ مند اور عالی ظرف انسانوں کا کام ہے۔ کم حوصلہ اور کم ظرف انسان اپنے ساتھ ایسا سلوک روا رکھنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہوسکتا۔

جن پاکیزہ ہستیوں کو دُنیائے رُوحانیت میں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، وہ یونہی اِس منصبِ عالی کے اہل قرار نہیں پاتے تھے، بلکہ وہ اپنے کبر و رعونت اور اپنی اَنا کا جنازہ نکالنے کے لئے دُنیا کی ملامت و دُشنام کے تمام ہتک آمیز مراحل سے گزر کر کبر و رعونت اور اَنا کے قلعہ

کو فتح کرتے تھے اور یہ کوئی آسان کام اور بازیچۂ اطفال نہیں۔ آج ہم اولیاء اللہ کے شیدائی تو کہلاتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ وہ درجۂ ولایت پر فائز ہونے کی خاطر کن صبر آزما منزلوں سے گزرے تھے۔

خدا ایسے رعونت طبع، خود پرست اور رئیسانہ ٹھاٹ رکھنے والے مسلمانوں کو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد پڑھنے، سمجھنے اور اسے مشعلِ راہ بنانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ بقول حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید     کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

ترجمہ۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ راستوں کے خلاف کوئی راستہ اختیار کیا، منزلِ مقصود تک اُس کی رسائی محال ہے۔

ہر دور کی تہذیب و تمدن اور اُس کی علمی و عملی صورتِ ارتقاء کے مطابق انسانی ذات و صفات کے چہرے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ خوفِ طوالت دامن گیر نہ ہوتا تو ہم اِس سائنسی اور ترقی یافتہ دَور کے انسان کی اُن صفات اور عادات پر بھی بحث کرتے، جو عہدِ جدید کے بعض ترقی پسندانہ اور غیر اسلامی رُجحانات کی بدولت اُس کی فطرت میں در آئیں اور یہ بھی بتاتے کہ آج کا انسان فرسودہ طریقہ ہائے اظہار کو ترک کرکے کبر و نخوت، بخل و امساک اور بغض و حسد جیسی رذیل خصلتوں کے اظہار کے لئے کیسی کیسی شائستہ اور مُہذب راہیں نکال چکا ہے اور کیسے کیسے محیّر العقول انداز اختیار کئے ہوتے ہے۔

بزرگانِ دین سے عقیدت و محبت کا دم بھرنے والے اُن کے بعض معمولات اور روایات کے اتباع کو اِس لئے بھی اہمیت دیتے اور ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ آسان ہونے کے ساتھ اُن کے منشاء مطلب اور حسبِ منشاء ہوتی ہیں، مگر صفاتِ عالیہ کے حصول اور عاداتِ رذیلہ کے ترک کی مشکل روایت پر وہی خوش نصیب اور بیدار بخت عمل پیرا ہونے کا حوصلہ کر سکتے ہیں، جن کی نسبت و عقیدت میں بے لوثی اور بے نفسی ہو اور اظہارِ عقیدت کے وقت اُن کے آئینۂ دل سے پاک نیتی، راست بازی اور اخلاص مندی کے انوار چھن چھن کر نکل رہے ہوں۔ کیا اولیائے عظام سے محبت و عقیدت کے مدعی اُن کی یہ سُنّت اپنانے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں؟ ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک شخص سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور اُن کو گالیاں دینے لگا۔ شیخ خاموشی سے سُنتے رہے، پھر اُس کے سب مطالبات

پورے کردیئے، جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فریدؒ کی خدمت میں آیا اور اُن سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا: تو بُت بن کر بیٹھ گیا ہے۔ تو بابا فریدؒ نے نرمی سے جواب دیا: من نہ ساختہ ام خدا تعالیٰ ساختہ است۔ آپ کے کردار کی انہی عظمتوں کے سامنے مشاہیرِ وقت اور کج کلاہانِ زمانہ اپنی گردنیں خم کرتے تھے۔ طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ (م ۷۲۵ھ) ایسے بلند حوصلہ شیخ کی غلامی پر اظہارِ افتخار کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1]

مفتخر از وَے بہ غلامی منم  خواجہ نظامؒ است و نظامی منم

ثابت ہوا کہ جو شخص کبر و رعونت کے ایمان دشمن مرض سے نجات کا طالب ہو، اُسے چاہیئے کہ ہر قدم پر محاسبۂ ذات سے کام لے، اپنے سے قوی متکبّرین کو تکبّر ہی کے اوزار سے کاٹے، مگر ناتواں اور کمزور لوگوں کی سختیاں، بدتمیزیاں اپنی انا کو ختم کرنے کی خاطر برداشت کرے اور جو شخص ایسا کرنے سے قاصر ہو، اُسے اُن لوگوں پر بگڑنا نہیں چاہیئے، جو اُس کے لئے تکبّر و رعونت کے الفاظ استعمال کرتے ہوں، بلکہ اُسے اپنے کبر کا برملا اعلان کرنا چاہیئے تاکہ زمانہ اُس سے وہی سلوک کرے، جو اُس نے فرعون سے روا رکھا تھا۔ اگر کوئی شخص رُوحانی دُنیا کی سیر کرنا چاہتا ہو تو اُسے حضرت بیدلؒ کے اِس شعر پر عمل کرنا ہوگا۔

ادب نہ کسبِ عبادت، نہ سعیِ حق طلبی ست
بغیرِ خاک شدن ہر چہ ہست بے ادبی ست

ترجمہ۔ ادب، زیادہ عبادت کرنے اور حق طلبی کی کوشش کا نام نہیں، کیونکہ صُوفیائے کرام کے نزدیک مٹی ہو جانے کے سوا جو کچھ بھی ہے، وہ دائرۂ بے ادبی میں داخل ہے۔

آخر میں ہم خاصانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے اُس امتیازی اندازِ جلال کو بیان کرنا چاہتے ہیں، جس پر اہلِ دُنیا کو اشتباہِ کبر ہوتا ہے، حالانکہ وہ جلال ہر قسم کے استکبار سے پاک ہوتا ہے۔ اِس اندازِ جلال اور اہلِ دُنیا کے تکبّر میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اِن میں کسی قسم کی کوئی مماثلت نہیں۔

## شیخ فریدُالدّین عطّارؒ کی ایک روایت

حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ (م ۶۲۶ھ) حضرت امام جعفر صادقؒ (م ۱۴۹ھ)

[1] دیکھیے تاریخِ مشائخِ چشت، از خلیق احمد نظامی، ص ۲۸۳، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی

کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں: نقل است کہ صادقؓ را گفتند ہمہ ہنرہا داری زہادت و کرمِ باطن و قرۃ العینِ خاندانی، اما بس متکبری۔ گفت: من متکبر نیم، لیکن مرا کبریائے ہست کہ چوں از سرِ کبرِ خود برخاستم، کبریائیِ او بجائے کبرِ من بنشست۔ بہ کبرِ خود کبر نشاید کردن، از کبریائے او کبر شاید کردن[1]۔ (ترجمہ) بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے لوگوں نے کہا: آپ کے پاس تمام کمالاتِ زہد اور باطنی عنایات موجود ہیں اور آپ اہلِ بیت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، لیکن آپ بہت متکبر ہیں، آپ نے جواب دیا: میں متکبر نہیں ہوں، لیکن میرا ایسی ذاتِ کبریا سے تعلق ہے کہ جب میں اپنے کبر سے دست بردار ہوگیا تو اُس کی کبریائی نے میرے کبر کی جگہ لے لی، لہٰذا اپنے کبر پر افتخار نہیں کیا جاسکتا، البتہ اُس کی کبریائی پر اظہارِ فخر روا ہے۔

اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا میں وہ کبر و نخوت نہیں ہوتی، جس کا ہم نے امام غزالیؒ کے حوالے سے اُوپر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ دُنیادار، جاگیردار اور اُمراء اپنی املاک اور دولت کے بل بُوتے پر اظہارِ کبر کرتے ہیں اور خاصانِ خدا کے قلوب پر اللہ تعالٰے کی کبریائی سے پیدا ہونے والے اثراتِ جلال ظہور فرما ہوتے ہیں، جن سے عام دیکھنے والوں کے دلوں میں اشتباہِ کبر پیدا ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ کبر نہیں ہوتا، بلکہ وہ عبدِ مومن کے دل پر ذاتِ کبریا کی کبریائی کے جلووں کا انعکاس ہوتا ہے اور اِس جلال سے مذکورہ عاداتِ رذیلہ ہرگز ظہور پذیر نہیں ہوتیں، ایسے عُرفائے اُمت اپنی تمام تر خوبیوں، کمالات اور شانِ محبوبی کے باوصف بارگاہِ ایزدی میں درج ذیل اشعار کے مصداق ہوتے ہیں ؎

بہ ولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی     از سرِ خواجگیِ کون و مکاں برخیزم (حافظ شیرازی)

ترجمہ۔ تیری محبت کی قسم اگر تو مجھے اپنا غلام (بندہ) کہہ دے تو میں کون و مکان کی شاہی سے دست بردار ہوجاؤں۔

چناں با بندگی در ساختم من     نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی (علامہ اقبالؒ)

ترجمہ۔ مجھے فضائے بندگی اِس قدر راس آئی کہ اگر تُو مجھے خدائی بھی دے تو نہ لُوں۔

---

[1] دیکھیے تذکرۃ الاولیاء (فارسی) از شیخ عطار نیشاپوریؒ، ذکرِ امام جعفر صادقؓ، ص ۱۰، مطبعِ محمدی بمبئی، سنِ طباعت [illegible]

من و جُرم کوشیٔ پے بہ پے، تو و پردہ پوشیٔ دمبدم
بہ حصیرِ ننگِ خطامنم، بہ سریرِ لطف و عطا توئی　　(راقم الحروف)

ترجمہ۔ مجھے ہر آن کوششِ جُرم دامن گیر رہتی ہے اور تُو ہر لمحہ عیوب کی پردہ پوشی فرماتا رہتا ہے۔ اے خالقِ کائنات! شرمِ خطا کی چٹائی پر مَیں ہُوں اور تختِ ستّاری پر تُو ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خاصانِ خدا کی ذواتِ مقدسہ کبر و جلالِ خداوندی کی مظہر اور آئینہ دار ہوتی ہیں اور اِن کا کبر و جلال درحقیقت اللہ کا کبر و جلال ہوتا ہے۔ راقم الحروف کا درج ذیل قطعہ ایسے لوگوں کی شان و عظمت کا ترجمان ہے ؎

گرفتم کز جہانِ رنگ و بُویم　　ہمہ خلوت نشینِ کاخِ ہُویم
سرایت کرد در من جلوۂ دوست　　سراپائے بہارِ حُسنِ اُویم

ترجمہ۔ مَیں نے تسلیم کیا کہ مَیں بھی اِسی جہانِ رنگ و بُو سے ہُوں، مگر اِس کے باوجود میں ھُویتِ ذات کے محل میں گوشہ نشیں ہُوں، محبوب کی تجلیات مجھ میں جاری و ساری ہیں اور میں سرتاپا اُس کے حُسن کی بہار بنا ہوا ہُوں۔

## عُلماء و مشائخ کے چند مراتب کبر

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: لکنَّ العلماءَ والعُبّادَ فی اٰفةِ الکبرِ علٰی ثلاثِ درجاتٍ:
الدرجةُ الاُولٰی ان یکونَ الکبرُ مُستقرًّا فی قلبہٖ یَرٰی نفسَہ خیرًا من غیرہٖ الاّ انّہ یجتہد ویتواضعُ ویفعلُ فعلَ من یَرٰی غیرَہ خیرًا من نفسہٖ وھٰذا قد رَسَخَ فی قلبہٖ شجرةُ الکبرِ ولکنّہ قطعَ اَغصانَھا بالکُلّیّةِ۔ والثانیة اَن یُظھِرَ ذٰلک علٰی افعالہٖ بالترفّعِ فی المجالسِ والتقدّمِ علی الاقرانِ واظھارِ الانکارِ علٰی من یُقصّرُ فی حقّہٖ۔ الثالثة وھو الّذی یظھرُ الکبرُ علٰی لسانہٖ حتّٰی یدعوہ الی الدّعوٰی والمفاخرةِ والمباھاةِ وتزکیةِ النّفسِ وحکایاتِ الاحوالِ والمقاماتِ والتّشمّرِ لغلبةِ الغیرِ فی العلمِ والعملِ۔[1] (ترجمہ) لیکن وہ عُلماء و مشائخ جو آفتِ کبر میں مبتلا ہیں، تین انواع پر مشتمل ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ اُس کے دل میں کبر قرار پکڑے ہوتے ہے

[1] دیکھئے احیاءُ العلوم، جلدِ ثانی، الجزءُ الثالث، ص ۳۰۲ تا ۳۰۳، مطبوعہ مصر

(اور وہ) اپنے نفس کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ کچھ محنت کرتا اور تواضع اختیار کرتا ہے اور بہ تکلف اُن لوگوں کی طرح اپنے کو ظاہر کرتا ہے، جو دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ اِس بات پر دال ہے کہ تکبّر کا درخت اُس کے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُس نے (بہ تکلف تواضع کرنے سے) تکبّر کے درخت کی تمام شاخوں کو کاٹ ڈالا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اُس کے افعال پر تکبّر کا غلبہ ہو۔ مثلاً اُونچا بیٹھے اور اپنے ہمسروں سے آگے بڑھنا چاہے اور جو شخص اُس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، اُس کو بُرا جانے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ تکبّر انسان کی زبان پر اُتر آئے، یہاں تک کہ وہ اُسے دعویٰ، فخر و مباہات، پاکیزگیٔ نفس، احوال و مقامات کی گفتگو اور علم و فضل میں دوسروں پر غلبے کے زعم کی طرف لے جائے۔ (انتہیٰ)

امام غزالیؒ ایک اور جگہ اسبابِ کبر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الرابع التفاخر بالجمال و ذٰلك اكثر ما يجرى بين النساء ويدعو ذٰلك الى التنقص والثلب والغيبة و ذكرِ عيوبِ الناس ومن ذٰلك ما رُوِىَ عن عائشة رضى الله عنها انها قالت: دخلت امرأة على النبى صلى الله عليه وسلم فقلتُ بيدى هكذا اى انها قصيرة فقال النبى صلى الله عليه وسلم قد اغتبتِها وهٰذا منشؤهٗ خفاءُ الكبرِ لانها لو كانت ايضاً قصيرة لماذكرتها بالقصر فكانها اعجبت بقامتها واستقصرتِ المرأة فى جنب نفسها فقالت ما قالت[1]۔ (ترجمہ) تکبّر کی چوتھی وجہ حُسن و جمال ہے۔ عورتوں میں یہ بات اکثر چلتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ تحقیر، گالی گلوچ، غیبت اور مخلوق کی عیب چینی کے ذکر پر منتج ہوتا ہے اور اِسی قبیل سے یہ ہے، جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اُس کا ٹھگناپن ظاہر کیا، اِس پر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اُس کی غیبت کی۔ اِس اشارے میں کبر کی غمّازی پائی جاتی ہے اور یہ اِس لئے کہ اگر وہ (سیّدہ عائشہؓ) خود واقعتاً ٹھگنی ہوتیں تو کبھی اُس کے ٹھگنا ہونے کا ذکر نہ کرتیں۔ گویا سیّدہ عائشہؓ کو اُن کے اپنے قد و قامت نے خود پسندی میں ڈالا، اِس لئے اُنھوں نے اُس عورت کو اپنے قد و قامت کی مناسبت سے ٹھگنی کہا۔ پس اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ نے جو عرض کرنا تھا وہ

[1] دیکھئے احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر

عرض کیا۔ (انتہیٰ) مطلب یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال پر تکبر کرتے ہوئے دوسروں کے عیوب کا تذکرہ، خلق کی عیب جوئی اور اپنی تعریف کرنا، عورتوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ اُمّہاتُ المومنین کی ذواتِ مقدسہ کو اپنی ذات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اُن کی شان بہت ہی بلند و ارفع ہے۔ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس عورت کے لئے اپنی زبانِ مبارک سے نہ تو کوئی حقارت آمیز جُملہ فرمایا اور نہ ہی عام عورتوں کی طرح اُس کے لئے کسی قسم کا کوئی سخت و سُست لفظ فرمایا تھا، صرف اشارے سے اُس کے ٹھگنے پن کے اظہار کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ فرمایا اور اِسے بھی غیبت و کبر کی علامت ٹھہرایا۔ اگر مسلمان عورتیں اِسی واقعہ پر غور کریں تو بہت سے اخلاقی امراض سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

مزید لکھتے ہیں: الخامس الکبر بالمال و ذٰلک یجری بین الملوکِ فی خزائنھو وبین التجار فی بضائعھو وبین الدھاقینِ فی اراضیھم وبین المتجملین فی لباسھو وخیولھو ومراکبھو فیستحقر الغنیُّ الفقیرَ ویتکبّرُ علیه ویقول انت مکدٌ ومسکینٌ وانا لواردتُ لاشتریتُ مثلکَ واستخدمتُ مَن ھُوفوقکَ ومَن انتَ وما معکَ واثاثُ بیتی یُساوی اکثرَ من جمیعِ مالِکَ وانا اُنفِقُ فی الیوم مالا تأکلُهُ فی سنةٍ وکلُّ ذٰلک لاستعظامِهِ للغنیٰ واستحقارِهِ للفقرِ وکلُّ ذٰلک جھلٌ منه بفضیلةِ الفقرِ وافةِ الغنیٰ[1]۔ (ترجمہ) تکبر کا پانچواں سبب مال و دولت ہے۔ اور یہ تکبر بادشاہوں کو خزانوں، سوداگروں کو مالِ تجارت، زمینداروں کو زمینوں اور آرائش پسند لوگوں کو لباس اور سواریوں کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ پس مالدار، نادار کو حقارت کی نظر سے دیکھتا اور اُس پر بڑائی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: تُو مفلس و مسکین ہے۔ میں چاہوں تو تجھ جیسے کو خرید لُوں اور تجھ سے اچھے اچھوں سے خدمت لُوں۔ تُو کیا اور تیری بساط کیا؟ میرے گھر کا سامان تیرے سارے مال کے برابر ہے۔ جتنا تُو سال بھر میں نہیں کھا سکتا، میں اُتنا ایک دن میں خرچ کر ڈالتا ہُوں۔ غرض اِس طرح کی باتیں اِسی لئے کرتا ہے کہ دولتمندی کو بڑا اور غربت کو حقیر جانتا ہے اور یہ سب کا سب اِس لئے ہے کہ وہ فقر کی فضیلت اور دولت مندی کی آزمائش سے بے خبر ہے۔ (انتہیٰ)

---

[1] احیاءُ العلوم، جلد ثانی، الجزءُ الثالث، ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر

کبر کا چھٹا سبب بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: السّادس، الکبر بالقوّۃ وشدّۃ البطش والتکبّر به علی اهل الضعف۔[1] (ترجمہ) تکبّر کی چھٹی قسم کمزوروں اور زیردستوں پر قوتِ گرفت کی شدت اور اُن پر اپنی بڑائی کا اظہار ہے۔ (انتہٰی)

کبر کا ساتواں سبب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: السّابع التکبّر بالاتباع والانصار والتلامذۃ والغلمان وبالعشیرۃ والاقارب والبنین۔[2] (ترجمہ) تکبّر کی ساتویں قسم مُریدین، دوست، شاگرد، نوکر چاکر، خاندان، رشتے دار اور اولاد سے متعلق ہے (انتہٰی)

حکیم الامّت حضرت امام غزالیؒ ایک اور جگہ مشائخ و صوفیاء کے کبر پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال الحسنؒ وحتّٰی انّ صاحب الصّوف اشدّ کبرًا من صاحب المطرّز الخزّ ای انّ صاحب الخزّ یذلّ لصاحب الصّوف ویرٰی الفضل له وصاحب الصّوف یرٰی الفضل لنفسه وھٰذہ الآفة ایضًا قلّما ینفكّ عنها کثیر من العبّاد[3]

ترجمہ۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ صُوف پہننے والا (شیخ) ریشم پہننے والے آدمی کی نسبت زیادہ متکبّر ہوتا ہے، وہ اِس طرح کہ ریشم پہننے والا، گدڑی پوش (شیخ) کے سامنے فروتنی و عاجزی کرتا ہے اور اُس کو اپنے سے افضل سمجھتا ہے، جب کہ گدڑی پہننے والا (شیخ) خود کو افضل سمجھتا ہے، یہ آفت ایسی ہے کہ بہت کم عبادت گزار اِس سے محفوظ ہیں۔ (انتہٰی)

گویا علماء و مشائخ سے بالخصوص اور عام تعلیم یافتہ طبقے سے بالعموم اَنا کی بُو مشکل سے جاتی ہے۔ بقولِ سید امجد حیدر آبادیؒ ؎

جو مغز سے خالی ہو وُہ نَے اچھی ہے — جو دل میں اُتر جائے وہ نَے اچھی ہے
وُہ وجہِ غرُور ہے، تو یہ مُوجبِ عُذر — مَیں مَیں سے ہزار بار، مَے اچھی ہے

کس شان سے مَیں کہتا ہُوں اللہ رے مَیں
سمجھا نہیں مَیں کو آج تک، واہ رے مَیں

بہرحال غرور و تکبّر کی علامات و آثار بہت ہیں، جن سے انسان کا متکبّر ہونا مترشح

---

[1] دیکھئے احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر
[2] دیکھئے احیاء العلوم (عربی) ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر
[3] دیکھئے احیاء العلوم، ص ۳۰۶، مطبوعہ مصر

ہوتا ہے اور ہم امام غزالیؒ کی عبارات کے حوالے سے اُن علامات و آثار کا تفصیلی تذکرہ کر چکے ہیں۔ کبر کی مذکورہ علامات شاخوں کی حیثیت رکھتی ہیں، دراصل درختِ کبر کی نشو و نما جن بنیادی جڑوں کے سہارے ہوتی ہے، حدیثِ پاک کی روشنی میں اِن جڑوں کو ملاحظہ فرمائیں: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا و نعلہ حسنا قال: ان اللہ تعالی جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق و غمط الناسِ[1] (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دل میں ذرہ بھر تکبّر ہوگا، وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو اور جُوتا اچھا ہو۔ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خود صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبّر، حق (بات) کو ٹھکرانے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔ (انتہیٰ)

زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبّر کا جو مفہوم ادا ہوا، اُس سے واضح ہوتا ہے کہ نشۂ دولت و اقتدار یا کسی اور وجہ سے کسی کی حق بات کو ٹھکرا دینا اور دیگر انسانوں کو اپنے آپ سے حقیر سمجھنا اصلِ تکبّر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سے محفوظ رکھے۔ مگر تعزّز، وقار، وضعداری، تمکنت، سنجیدگی اور متانت کو تکبّر سے تعبیر کرنا درست نہیں۔ بعض لوگ کم علمی یا کسی اور وجہ سے اُسی شخص کو حقیقی متواضع سمجھتے ہیں، جو اُن کے ساتھ ذلّت کی حد تک تواضع اور انکسار سے پیش آتے اور جو ایسا نہ کرے، اُسے متکبّر اور خُود پسند کہہ دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ ایسی تواضع قرآن و سُنّت کی تعلیمات اور پھر اعلیٰ انسانی اقدار و روایات کے سراسر منافی ہے۔

اب کبر کے کس درجے اور کیفیت سے کون دوچار ہے، اِس کا اندازہ تو وہی لگا سکتا ہے، جو اپنے مطالعۂ دل اور اپنے سینے کی طرف رجوع کی اہلیت رکھتا ہو۔ حضرت بیدلؒ نے انسان کو اُس کے اپنے بہارستانِ دل کی طرف دعوتِ نظارہ دیتے ہُوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

---

[1] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، بابُ الغضب و الکبر، ص ۴۳۳، مطبوعہ کانپور

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ ای درِ دل کشا بہ چمن درآ

ترجمہ۔ اگر تیری ہوس تجھے سرو و سمن کی سیر پر آمادہ کرے تو یہ ستم ہوگا۔ اے انسان! تو باعتبارِ نشو و نما کسی غنچے سے کم نہیں، ذرا دریچۂ دل کھول کر اُس میں ایک مکمل چمن کا نظارہ تو کر! دراصل بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ غنچۂ لب بستہ فطرت کے متعین کردہ وقت کے مطابق اپنے جسم کے تمام دروازے (جو معصوم پتیوں کی صورت میں ہوتے ہیں) کھول کر تماشائے کائنات کرتا ہے، یا کائنات پر اپنے باطن کو آشکار کرنے کی غرض سے ایسا کرتا ہے، تو غنچے سے کم تو نہیں، کیا تو اپنے اندر کا دروازہ کھول کر بہارِ دل کا تماشہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا؟ غنچے اور تیرے دروازۂ دل میں اِتنا فرق ضرور ہے کہ غنچے کے دروازے (یعنی پتیاں) باہر کے تماشے کے لئے باہر کی طرف کھلتے ہیں، جب کہ تیرے دل کا دروازہ اندرونی کائنات کے مطالعہ کے لئے اندر کی طرف کھلتا ہے۔

---

# باب پنجم

# ریاکاری

حضرت امام غزالیؒ نے انسان کی ریاکاری پر طویل بحث کی ہے۔ عام طور پر جن اعمال و اقوال کو ریا سمجھا جاتا ہے، اُن کے علاوہ آپ نے ریا کے ایسے غیر محسوس اور نازک پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اِس سے صادقین و صالحین کے سوا شاید ہی کوئی بچ سکے؛ چنانچہ ریا کی انواع و اقسام پر طویل بحث فرماتے ہوئے ایک عنوان یوں باندھتے ہیں: بَیَانُ الرِّیَآءِ الْخَفِیِّ الَّذِیْ هُوَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ یعنی اُس ریا کا ذکر جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی اور غیر محسوس ہے۔ گویا انسان کسی عمل کو اپنے خیال کے مطابق ریا نہیں سمجھتا، مگر درحقیقت وہ ریا ہوتا ہے۔ ریا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جلی اور دوسری خفی۔ پہلی قسم پر تو انسان خود مطّلع ہو جاتا ہے کہ اُس کا یہ فعل یا قول مبنی بر ریا ہے۔ غیر محسوس ریا کی کئی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واجلی علاماته ان یسّر باطلاعِ النَّاسِ علی طاعته فرُبَّ عبدٍ یُخلِصُ فی عَمَلِه ولا یَعتقِدُ الرِّیاءَ بَلْ یَکْرَهُهٗ وَیَرُدُّهٗ وَیُتِمُّ الْعَمَلَ کذٰلکَ ولکن اِذا اطّلعَ علَیْهِ النَّاسُ سَرَّهٗ ذٰلکَ وارْتاحَ له وروّحَ ذٰلکَ عن قلبهٖ شِدَّةَ العبادةِ وهٰذا السُّرُوْرُ یَدُلُّ عَلٰی رِیَاءٍ خَفِیٍّ مِّنْهُ یَرْشَحُ السُّرُوْرُ وَلَوْلَا الْتِفَاتُ الْقَلْبِ اِلَی النَّاسِ لَمَا ظَهَرَ سُرُوْرُهٗ عِنْدَ اطِّلَاعِ النَّاسِ فَلَقَدْ کَانَ الرِّیَاءُ مُسْتَکِنًّا فِی الْقَلْبِ اِسْتِکْنَانَ النَّارِ فِی الْحَجَرِ فَاَظْهَرَ عَنْهُ اِطِّلَاعُ الْخَلْقِ اَثَرَ الْفَرَحِ وَالسُّرُوْرِ۔[1]

ترجمہ۔ اِس قسم کی علامات ریا میں سے روشن علامت یہ ہے کہ لوگ جب اُس کی بندگی پر مطّلع ہوں تو وہ خوش ہو۔ مثلاً بہت سے عبادت گزار ایسے ہیں، جن کے عمل میں اخلاص ہوتا ہے اور وہ ریا کے معتقد بھی نہیں ہوتے، بلکہ اِس کو بُرا جانتے اور اِس سے احتراز کرتے ہیں اور اِسی طرح طاعت بجالاتے ہیں، لیکن جب اُن کے اِس عمل پر لوگ مطّلع ہوتے ہیں تو اُن کو اِس سے سرور اور راحت ملتی ہے اور یہ بات اُن کے دل سے عبادت کے انہماک کو زائل کر دیتی ہے اور یہ سرور درپردہ ریا پر دلالت کرتا ہے، جس سے سرور مترشح ہوتا ہے، اِس لئے کہ اگر

---

[1] دیکھئے احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۲۹۳، مطبوعہ مصر

اُن کا دل (عمل کے وقت) لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو اُن کے مُطلع ہونے سے اُنہیں یک گونہ لذت اور سرُور محسوس نہ ہوتا معلوم ہوا کہ جیسے آگ پتھر میں پوشیدہ رہتی ہے، اِسی طرح ریا بھی (انسان کے) دل میں پوشیدہ رہتی ہے (اور لوگوں کا مُطلع ہونا اس کے لئے چقماق کا کام کرتا ہے؛ یعنی جس طرح چقماق رگڑ لگنے کا منتظر ہوتا ہے اور آگ پیدا کر دیتا ہے) اِسی طرح لوگوں کا مُطلع ہونا انسان کے دل میں فرحت و سرُور اور لذّت کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے) لہٰذا ایسی کیفیات بھی ریائے خفی کے ضمن میں آتی ہیں۔

## ریا کی خفی ترین قسم

آگے چل کر امام غزالیؒ لکھتے ہیں: واخفی مِنْ ذٰلك ان يَّخْتَفِيَ بحيث لَايُرِيْدُ الاطّلاعَ ولايَسُرُّ بظُهُوْرِ طَاعَتِهٖ و لٰكِنَّهٗ مَعَ ذٰلِكَ اِذَا رَأَى النَّاسَ اَحَبَّ اَنْ يَّبْدَءُوْهُ بِالسَّلَامِ وَاَنْ يُّقَابِلُوْهُ بِالْبَشَاشَةِ وَالتَّوْقِيْرِ وَاَنْ يُّثْنُوْا عَلَيْهِ وَاَنْ يَّنْشَطُوْا فِيْ قَضَاءِ حَوَائِجِهٖ وَاَنْ يُّسَامِحُوْهُ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَاَنْ يُّوَسِّعُوْا لَهٗ فِي الْمَكَانِ فَاِنْ قَصَّرَ فِيْهِ مُقَصِّرٌ ثَقُلَ ذٰلِكَ عَلٰى قَلْبِهٖ وَجَدَ لِذٰلِكَ اِسْتِبْعَادًا فِيْ نَفْسِهٖ كَاَنَّهٗ يَتَقَاضَى الْاِحْتِرَامَ مَعَ الطَّاعَةِ الَّتِيْ اَخْفَاهَا مَعَ اَنَّهٗ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَدْ سَبَقَ مِنْهُ تِلْكَ الطَّاعَةُ لَمَا كَانَ يَسْتَبْعِدُ تَقْصِيْرَ النَّاسِ فِيْ حَقِّهٖ وَمَهْمَا لَمْ يَكُنْ وُجُوْدُ الْعِبَادَةِ كَعَدَمِهَا فِيْ كُلِّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْخَلْقِ لَمْ يَكُنْ قَدْ قَنَعَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ خَالِيًا عَنْ شَوْبٍ خَفِيٍّ مِّنَ الرِّيَاءِ اخفى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ[1]۔ (ترجمہ) اِس سے بھی زیادہ پوشیدہ ریا یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کو اِس طرح چھپائے کہ لوگوں کے مُطلع ہونے کی آرزو نہ کرے اور طاعت کے ظہور پر خوش نہ ہو، مگر اِس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جب وہ لوگوں سے ملے تو وہ لوگوں سے، پہلے سلام کرنے کو پسند کرے اور یہ کہ لوگ اُس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئیں، اُس کی عزت، تعریف اور اُس کی حاجت برآری میں اظہارِ نشاط کریں اور خرید و فروخت کے معاملات میں اُس کے ساتھ رعایت برتیں اور مجلس میں اُس کے لئے جگہ کی کشادگی کا اہتمام کریں، اگر کسی سے اِن اُمور میں کوتاہی

---

[1] دیکھئے احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث (باب مذمّتِ کبر) ص ۲۹۴ مطبوعہ مصر

ہو جائے تو اِس کے دل پر گراں گزرے اور یہ بات اُس کے نفس کو بعید معلوم ہو کہ اُس سے ایسا سلوک کیوں کیا گیا؛ گویا اُس کا نفس ایسی صورت میں اپنی حُرمت و تعظیم اُسی طاعت یا عمل پر چاہتا ہے، جسے اُس نے خُفیہ ادا کیا تھا اور لوگوں کو اُس کی اطلاع نہ ہونے دی تھی۔ اگر اُس نے پہلے وہ طاعت یا عمل نہ کیا ہوتا تو لوگوں کی اپنے حق میں کوتاہی کو معیوب نہ سمجھتا اور جب تک عبادت کا ہونا نہ ہونا اُن تمام اُمور میں یکساں نہ ہو (تو تسلیم کرنا پڑے گا) کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی عبادت کا جو علم ہے، اُس نے اُس پر قناعت نہیں کی اور وہ ریا کی اُس در پردہ آمیزش سے ہنوز آزاد نہیں ہوا، جو چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ تر ہے۔ (انتھیٰ)

حضرت امام غزالیؒ کے مذکورہ بالا تبصرے سے معلوم ہوا کہ ریا اُسے ہی نہیں کہا جاتا، جسے انسان خود محسوس کرے یا لوگ اُسے محسوس کریں، بلکہ ریا کی کئی ایسی صورتیں بھی ہیں کہ لوگ تو کیا خود انسان بھی (جو اُس عمل سے گزر رہا ہے) ریا کی آمیزش کو محسوس نہیں کر پاتا۔ عام روایات سے ہٹ کر اپنی الگ راہ اور روایت قائم کرنا بھی ریا کی مذکورہ خفی ترین صورت کے ضمن میں آسکتا ہے، کیونکہ عام روایات پر چلنے سے انسان کی اپنی امتیازی حیثیت اور انفرادیت کے خاتمے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے امتیاز و اختصاص کو برقرار رکھنے کی خاطر ہر معاملہ میں ایک نئی نہج اور طرز ایجاد کرتا ہے۔ تاکہ ایسا کرنے سے اُس کی شانِ امتیاز برقرار رہ سکے اور اُس پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ جب وہ کسی اَمر میں امتیاز حاصل کر لیتا ہے (چاہے وہ وقتی ہی ہو) تو اُس کے دل میں لوگوں سے تعریف سُننے اور اُن سے خراجِ تحسین وصُول کرنے کا داعیہ سا پیدا ہوتا ہے، چاہے وہ اِسے تسلیم کرے یا نہ کرے، کیونکہ یہ بشری تقاضا ہے۔ اگر کچھ دیر کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ اُس انسان کو لوگوں کی تعریف و تحسین اور شہرت طلبی سے کوئی غرض نہیں تو پھر یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ ہر معاملہ میں ایک نئی ڈگر اور ایک نیا طریقہ کیوں ایجاد کرتا ہے؟

امام غزالیؒ کی ریا کے سلسلے میں مذکورہ تصریح کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ اُنہوں نے ریا کو صرف زُہّاد و عُبّاد کی ریاضتوں سے مختص کیا ہے، بات یہ ہے کہ اُنہوں نے صرف ریا کی اقسام بتانے اور سمجھانے کے لئے انسانی اعمال میں سے عبادت کے لفظ کو منتخب کر لیا، تاکہ ایک عمل کو سمجھنے کے بعد انسان دوسرے تمام افعال و اقوال کو اُس پر قیاس کر تا جائے۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ ہم احیاء العلوم سے وہ عبارات

مع ترجمہ نقل کرتے، جن میں مختلف طبقوں اور شعبوں کے انداز ہائے ریا کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور اُن پر بڑی شدّ و مد سے بحث کی گئی۔ ثابت ہوا کہ عبادت و طاعت کے علاوہ ریا کی زد میں مختلف طبقاتِ انسانی کے وہ تمام اقوال و اعمال بھی آتے ہیں، جن کے اظہار سے ایک انسان دوسرے انسان سے امتیاز حاصل کرنے اور در پردہ اُس کے معترف ہونے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

لہٰذا حصولِ امتیاز کے لئے اعمال و اقوال کی بڑائی ضروری نہیں بلکہ اِس میں کردار سے متعلق وہ چھوٹی سی چھوٹی باتیں بھی شامل ہیں، جنہیں انسان بروئے کار لاکر اپنی امتیازی حیثیت کو برقرار رکھنے کی خاطر جدّ وجُہد کرتا اور بالواسطہ یا بلا واسطہ اپنی تعریف وتحسین کا آرزو مند رہتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسان کے ہر چھوٹے بڑے قول وعمل کے سر پر خطراتِ ریا کے بادل ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کے مخصوص ومقبول بندے ہی ریا کی ایسی خفیہ سازشوں اور اُس کی درپردہ ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ہر چند دُنیوی جھمیلوں، تفکرات اور ریا وحسد جیسی اخلاقی بیماریوں اور آلائشوں سے مکمل طور پر پاک ہوکر سانس لینا، ہم جیسے عام انسانوں کے بس کی بات نہیں تاہم کچھ دیر کو اِن سے آزاد ہوکر سانس لینا بھی انسان کے لئے ضروری ہے۔ بقولِ حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ ؂

من نمی گویم، بہ کُلّی از تعلقہا برآ
اندکے زیں دردِ سر آزاد باید زیستن

ترجمہ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تُو مکمل طور پر دُنیوی علائق کو ترک کر، لیکن کچھ دیر کے لئے اِس دردِ سر سے آزاد ہوکر بھی انسان کو جینا چاہیئے۔

## حُبّ جاہ کی مذمّت

امام غزالیؒ، آیتِ شریفہ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا[1] (ترجمہ) یہ آخرت کا گھر ہم اُن لوگوں کے لئے (مخصوص) کرتے ہیں، جو زمین میں سرکشی کا ارادہ نہیں کرتے اور نہ فساد کا۔ کے تحت لکھتے ہیں کہ اِس آیت میں دو ارادوں کو اکٹھا فرمایا گیا ہے یعنی ارادۂ رفعت اور ارادۂ فساد، اور پھر بیان فرمایا کہ آخرت اُسی کے لئے ہے جو ان دونو

[1] القرآن ۲۸: ۸۳

ارادوں سے خالی ہو۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝[1]

(ترجمہ) جو لوگ (صرف) حیاتِ دُنیا اور اس کی زینت کے طالب ہیں، ہم دنیا میں اُنہیں اُن کے اعمال کا پُورا بدلہ دیں گے اور وہ اِس میں کمی نہ کئے جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں، جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور بیکار ہوگیا جو کچھ اُنھوں نے دُنیا میں کیا اور برباد ہے، جو کچھ وُہ کرتے ہیں۔ انتہٰی۔۔ یہ آیت بھی اپنے عموم میں محبتِ جاہ کو شامل ہے۔ اِس لئے کہ یہ محبت تمام لذاتِ حیاتِ دُنیوی سے بڑھ کر ہے۔

## جاہ کے معنیٰ اور اُس کی حقیقت

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: ومعنی الجاہِ مِلْكُ الْقُلُوْبِ المطلوب تَعْظِيْمُهَا وَطَاعَتُهَا وَكَمَا اَنَّ الغنيَّ هُوَ الَّذِي يَمْلِكُ الدراهمَ والدنانيرَ اي يَقْدِرُ عَلَيْهِمَا لِيَتَوَصَّلَ بِهِمَا الى الاغراضِ والمقاصِدِ وقضاءِ الشَّهَوَاتِ وسائرِ حُظُوْظِ النَّفْسِ فَكَذٰلِكَ ذُو الجاہِ هُوَ الَّذِيْ يَمْلِكُ قُلُوْبَ النَّاسِ اي يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْهَا وَيَسْتَعْمِلَ بِوَاسِطَتِهَا اَرْبَابَهَا فِي اَغْرَاضِهٖ وَمَآرِبِهٖ۔[2]

ترجمہ۔ جاہ کا مفہوم یہ ہے کہ خلقِ خدا کے دلوں کو بہ ایں طور اپنے قبضے میں لانا کہ اُن کے دلوں سے اپنی تعظیم اور فرماں برداری کی آرزو کی جائے، جس طرح مال دار اور غنی وہ کہلاتا ہے، جو مال و دولت کا مالک ہونے کے ساتھ اُسے یہ قدرت بھی حاصل ہو کہ وہ اُسے اپنے اغراض و مقاصد، خواہشات کو پُورا کرنے اور نفس کی تمام آرزوؤں کے حصُول تک رسائی حاصل کرسکے۔ اِسی طرح صاحب جاہ اُسے کہتے ہیں کہ جو لوگوں کے دلوں کو اِس طرح قابو میں رکھے کہ جو مطلب و حاجت اُن سے چاہے حاصل کرسکے۔ (انتہٰی)

مزید لکھتے ہیں کہ مال و دولت کی نسبت جاہ کا مقام اور اُس سے محبت تین ترجیحی وُجوہ کی بنا پر ہوتی ہے: الاوّلُ انّ التَّوَصُّلَ بالجاہِ الى المالِ ايسرُ مِنَ التَّوَصُّلِ بِالْمَالِ اِلَى الْجَاهِ فَالْعَالِمُ اَوِ الزَّاهِدُ الَّذِيْ تَقَرَّرَ لَهٗ جَاهٌ فِي الْقُلُوْبِ لَوْ قَصَدَ اكْتِسَابَ الْمَالِ تَيَسَّرَ لَهٗ فَاِنَّ اَمْوَالَ اَرْبَابِ الْقُلُوْبِ مُسَخَّرَةٌ لِلْقُلُوْبِ وَمَبْذُوْلَةٌ لِمَنْ

---

[1] القرآن ۱۱: ۱۵-۱۶

[2] دیکھئے احیاءُ العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، باب معنی الجاہ و حقیقتہٖ، ص ۲۴۱، مطبوعہ مصر

اِعْتَقَدَ فِيْهِ الْكَمَالَ وَ اَمَّا الرَّجُلُ الْخَسِيْسُ الَّذِيْ لَا يَتَّصِفُ بِصِفَةِ كَمَالٍ اِذَا وَجَدَ كَنْزًا وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ جَاهٌ يَحْفَظُ مَالَهٗ وَ اَرَادَ اَنْ يَتَوَصَّلَ بِالْمَالِ اِلَى الْجَاهِ لَمْ يَتَيَسَّرْ لَهٗ فَاِذَنِ الْجَاهُ اٰلَةٌ وَوَسِيْلَةٌ اِلَى الْمَالِ فَمَنْ مَلَكَ الْجَاهَ فَقَدْ مَلَكَ الْمَالَ وَمَنْ مَلَكَ الْمَالَ لَمْ يَمْلِكِ الْجَاهَ بِكُلِّ حَالٍ فَلِذٰلِكَ صَارَ الْجَاهُ اَحَبَّ۔[1]

ترجمہ۔ اوّل یہ کہ جاہ سے مال و دولت کا ملنا آسان ہے، جب کہ مال و دولت سے جاہ کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ مثلاً کوئی عالم یا زاہد، جس کی جاہ لوگوں کے دلوں میں ہے، اگر مال پیدا کرنا چاہے تو یہ اُس کے لئے آسان ہے، اِس لئے کہ محبّت رکھنے والوں کے مال درحقیقت اُن لوگوں کی ملکیّت ہی ہیں، جن سے وہ عقیدت رکھتے ہیں اور اِس بنا پر اُنہیں خرچ بھی کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی خسیس جس میں کوئی ذاتی وصفِ کمال نہیں، خزانے کا مالک بن جائے اور اُس کو جاہ حاصل نہ ہو تو وہ مال کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر وہ مال سے جاہ کے حصول کے لئے کوشاں ہو تو اُسے مال سے جاہ میسّر نہیں آسکتی، کیونکہ جاہ حصولِ مال کا وسیلہ اور واسطہ ہے۔ پس جو صاحبِ جاہ ہو، وہ صاحبِ مال ہو سکتا ہے اور جو صاحبِ مال ہو، وہ کسی حال میں بھی صاحبِ جاہ نہیں ہو سکتا؛ اِسی بنا پر جاہ، مال کی نسبت محبوب تر ہوتی ہے۔ (انتہیٰ)

اَلثَّانِيْ هُوَ اَنَّ الْمَالَ مُعَرَّضٌ لِلْبَلْوٰى وَالتَّلَفِ بِاَنْ يُّسْرَقَ وَيُغْصَبَ وَيَطْمَعَ فِيْهِ الْمُلُوْكُ وَالظَّلَمَةُ وَيُحْتَاجَ فِيْهِ اِلَى الْحَفَظَةِ وَالْحُرَّاسِ وَالْخَزَائِنِ وَيَتَطَرَّقُ اِلَيْهِ اَخْطَارٌ كَثِيْرَةٌ وَاَمَّا الْقُلُوْبُ اِذَا مُلِكَتْ فَلَا تَتَعَرَّضُ لِهٰذِهِ الْاٰفَاتِ فَهِيَ عَلَى التَّحْقِيْقِ خَزَائِنُ عَتِيْدَةٌ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا السُّرَّاقُ وَلَا تَتَنَاوَلُهَا اَيْدِي النُّهَّابِ وَالْغُصَّابِ وَاَثْبَتُ الْاَمْوَالِ الْعِقَارُ وَلَا يُؤْمَنُ فِيْهِ الْغَصْبُ وَالظُّلْمُ وَلَا يَسْتَغْنِيْ عَنِ الْمُرَاقَبَةِ وَالْحِفْظِ وَاَمَّا خَزَائِنُ الْقُلُوْبِ فَهِيَ مَحْفُوْظَةٌ مَحْرُوْسَةٌ بِاَنْفُسِهَا وَالْجَاهُ فِيْ اَمْنٍ وَّاَمَانٍ مِّنَ الْغَصْبِ وَالسَّرِقَةِ فِيْهَا نَعَمْ اِنَّمَا تُغْصَبُ الْقُلُوْبُ بِالتَّصْرِيْفِ وَتَقْبِيْحِ الْحَالِ وَتَغْيِيْرِ الْاِعْتِقَادِ فِيْمَا صَدَّقَ بِهٖ مِنْ اَوْصَافِ الْكَمَالِ وَذٰلِكَ مِمَّا يَهُوْنُ دَفْعُهٗ وَلَا يَتَيَسَّرُ عَلٰى مُحَاوِلِهٖ فِعْلُهٗ۔[2] (ترجمہ) دوم یہ کہ مال تلف و فساد کی زد میں

---

[1] دیکھئے احیاء العلوم (عربی) از امام غزالیؒ، جلد ثانی، الجزء الثالث باب معنی الجاہ وحقیقتہ، ص ۲۴۲، مطبوعہ مصر

[2] دیکھئے احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۲۴۲، مطبوعہ مصر

ہوتا ہے، کیونکہ اُس کو چرایا اور چھینا جا سکتا ہے؛ بادشاہ اور ظالم لوگ اُس کے حریص ہیں اور اُس کے لئے گارڈ، چوکیدار اور بنکوں کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سے خطرات اُس (مال) پر اُترتے ہیں۔ اور جب (مخلوق کے) دل قبضے میں آجائیں تو وہ (دل) اس قسم کی آفات سے محفوظ رہتے ہیں، پس حقیقت میں قلوب (دل) ایسے ہمہ وقت موجود خزانے ہیں کہ جن پر چوروں کو دسترس نہیں اور جن تک غاصبوں اور غارت گروں کی رسائی ممکن نہیں اور ملکیتِ اراضی، غیر منقولہ ہونے کے باوجود غصب اور ظلم سے محفوظ نہیں اور اُس کی نگرانی و نگہداشت لازمی ہے، مگر دلوں کے خزانے خود بخود محفوظ و مامون ہیں اور جاہ ہر قسم کے غصب و سرقہ سے امن و امان میں ہے۔ یہ درست ہے۔ ہاں اعتقاد کے بدلنے، احوال کی قباحتوں اور دیگر گردشوں سے دل چھینے جا سکتے ہیں۔ کمال کے وُہ اوصاف جن کی وہ (دل) تصدیق کرتے ہیں اُن (اعتقادات) سے ہٹ جاتے ہیں، ایسی صورتِ حال کی مدافعت آسان ہے؛ مگر ایسا ارادہ کرنے والے پر اُس کا یہ فعل مشکل ہے (انتہیٰ)

اَلثَّالِثُ اَنَّ مِلْكَ الْقُلُوْبِ يَسْرِيْ وَيَنْمِيْ وَيَتَزَايَدُ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ اِلٰى تَعَبٍ وَّمُقَاسَاةٍ فَاِنَّ الْقُلُوْبَ اِذَا اَذْعَنَتْ لِشَخْصٍ وَّاعْتَقَدَتْ كَمَالَهٗ بِعِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ اَوْ غَيْرِهٖ اَفْصَحَتِ الْاَلْسِنَةُ لَا مَحَالَةَ بِمَا فِيْهَا فَيَصِفُ مَا يَعْتَقِدُهٗ لِغَيْرِهٖ وَيَقْتَنِصُ ذٰلِكَ الْقَلْبَ اَيْضًا لَهٗ۔ وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى يُحِبُّ الطَّبْعُ الصِّيْتَ وَانْتِشَارَ الذِّكْرِ لِاَنَّ ذٰلِكَ اِذَا اسْتَطَارَ فِي الْاَقْطَارِ اِقْتَنَصَ الْقُلُوْبَ وَدَعَاهَا اِلَى الْاِذْعَانِ وَالتَّعْظِيْمِ فَلَا يَزَالُ يَسْرِيْ مِنْ وَّاحِدٍ اِلٰى وَاحِدٍ وَّيَتَزَايَدُ وَلَيْسَ لَهٗ مَرَدٌّ مُّعَيَّنٌ وَّاَمَّا الْمَالُ فَمَنْ مَّلَكَ مِنْهُ شَيْئًا فَهُوَ مَالِكُهٗ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى اسْتِنْمَائِهٖ اِلَّا بِتَعَبٍ وَّمُقَاسَاةٍ وَّالْجَاهُ اَبَدًا فِي النَّمَاءِ بِنَفْسِهٖ وَلَا مَرَدَّ لِمَوْقِعِهٖ وَالْمَالُ وَاقِفٌ وَلِهٰذَا اِذَا عَظُمَ الْجَاهُ وَانْتَشَرَ الصِّيْتُ وَانْطَلَقَتِ الْاَلْسِنَةُ بِالثَّنَاءِ اسْتُحْقِرَتِ الْاَمْوَالُ فِيْ مُقَابَلَتِهٖ فَهٰذِهٖ مَجَامِعُ تَرْجِيْحَاتِ الْجَاهِ عَلَى الْمَالِ وَاِذَا فُصِّلَتْ كَثُرَتْ وُجُوْهُ التَّرْجِيْحِ[1]

ترجمہ۔ سوم یہ کہ دلوں کی ملکیت بے رنج و مشقت جاری رہتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے،

---

[1] احیاء العلوم، جلد ثانی، الجزء الثالث، ص ۲۴۲، مطبوعہ مصر ۔

اِس لیئے کہ دل جب کسی کے مُطیع ہوجاتے اور اُس کے کمالاتِ علم وعمل کے معتقد بن جاتے ہیں تو زبانیں لامحالہ اُس کی تعریف میں کھُلتی ہیں، پس زبانیں جس کسی کے ساتھ اعتقاد رکھتی اور اُس کی تعریف کرتی ہیں یہ امر اُس شخص (ممدُوح) کے لیئے دلوں کو گرویدہ کرتا ہے! اِسی باعث طبیعت شہرت اور ذکر کے پھیلاؤ کو پسند کرتی ہے، کیونکہ یہ بات جب آفاق میں پھیلتی ہے تو دلوں کو اسیر کرلیتی ہے اور اُنہیں تعظیم واطاعت کی دعوت دیتی ہے۔ پس یہ معاملہ ایک سے دوسرے کی طرف چلتا رہتا ہے اور اِس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اِس کا کسی معیّن مقام پر ٹھہراؤ نہیں ہوتا۔ لیکن مال کی حیثیت یہ ہے کہ جو شخص بھی اُس کی کسی مقدار کا مالک ہو وہ رنج ومشقّت کے بغیر اُس کے ارتقا پر قدرت نہیں رکھتا اور جاہ خود بخود پروان چڑھتی رہتی ہے اور اِس کے جائے ورُود کو کوئی روک نہیں سکتا جب کہ مال ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے اور اِسی وجہ سے ہے کہ جب جاہ بڑھ جاتے، اُس کی شہرت پھیل جائے اور زبانیں اُس کی تعریف میں کھُل جائیں تو مال ودولت اُس کے مقابلے میں بے حیثیت ہوجاتے ہیں اور یہ مال ودولت پر جاہ کی جامع ترین ترجیحات ہیں اور اگر اِس معاملے کی مزید تفصیل کی جائے تو (جاہ) کی ترجیح کے اسباب زیادہ نظر آئیں گے۔ (انتہٰی)

اِختصار کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مذمّتِ حُبِّ جاہ کے سلسلے میں ہم نے امام غزالیؒ کی بعض عبارات مع ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، جس نفسیاتی، حکیمانہ اور منطقیانہ طرزِ استدلال کو اختیار کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے شرح وبسط سے اِس موضوع کا بہ طورِ خاص جائزہ لیا، اُس کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک ہوسِ جاہ، دیگر اخلاقی عیوب کی طرح ایک عیب ہے اور اِس سے محبّت رکھنے والا، اِسے دُنیا کی ہر نعمت پر ترجیح دیتا ہے۔ جاہ کا حُصول دو طریقوں سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ انسان کسی ذاتی صلاحیت یا فطری کمال وفضیلت کے باعث اِس مرتبہ پر فائز ہوجاتے۔ دوسرے یہ کہ اُسے یہ مرتبہ ومقام کسی صاحبِ جاہ سے نسبی قرابت کے سبب ہاتھ لگ جاتے اور اُس میں اُس کے کسی ذاتی کمال، صلاحیت یا کارنامے کا دخل نہ ہو۔ حُصولِ جاہ کی پہلی صورت کو دوسری صورت پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ اُس میں انسان اپنی ذاتی محنت اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اُسے (جاہ کو) حاصل کرتا ہے، جب کہ دوسری

صورت میں یہ اُس کی ذاتی جِدّ و جُہد اور کسی کمال کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا مذکورہ دونو صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ خلقِ خدا کسی صاحبِ کمال کے کمالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور جس میں کسی قسم کا کوئی کمال پایا جائے گا، اُس کی نوعیت اور اہمیت کے مطابق ہی مخلوق کے دل اُس صاحبِ کمال کے قبضے میں آئیں گے، یہ ایک قدرتی امر ہے۔ اگر بچشمِ حقیقت دیکھا جائے تو یہ ساری کائنات مختلف کمالات کے ظہور کا آئینہ ہے، مگر وہ چشمِ بینا، جو قدرت کے اِن مناظرِ جمال اور مظاہرِ کمال کی مشتاقِ زیارت ہو، میرزا عبدالقادر بیدلؒ اُسے اُن کی اہمیت اور اُن کے آدابِ نظارہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگِ تماشا را

ترجمہ۔ کائنات کا یہ شیشہ خانۂ حیرت، اپنے پہلو میں بے شمار نزاکتیں لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا اے مشتاقِ تماشا! اگر تُو اِن مناظر سے کما حقہٗ محظوظ ہونا چاہتا ہے تو پھر اپنی پلکیں بھی نہ جھپک اور مسلسل دیکھتا رہ تاکہ پلکوں کے جھپک جانے سے تیری نگاہیں کسی منظرِ حسین کا کوئی لمحۂ حسین مِس (Miss) نہ کر بیٹھیں۔ علامہ اقبالؒ کے متعلق سُنا ہے کہ وہ آخری ایّام میں میرزا بیدلؒ کا یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے اور اِس شعر نے اُن کے دل پر اتنا اثر چھوڑا تھا کہ جب بھی وہ یہ شعر پڑھتے، اُن پر وجد و مستی کا عالم طاری ہو جاتا۔ حضرتِ بیدلؒ کے مذکورہ بالا شعر سے مِلتا جُلتا مضمون، ناخدائے سخن میر تقی میرؔ نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اِس کارگہِ شیشہ گری کا

کچھ دیر کے لئے ہم موضوع سے ہٹ گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام غزالیؒ انسان کو کسبِ کمالات اور اظہارِ کمالات سے روکتے نہیں اور نہ ہی وہ انسان کی مقبولیت، عزت اور شہرت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کا مدعا صرف یہ ہے کہ مرتبۂ جاہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، دونوں میں اندیشۂ کبر و ریا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان اِس بات پر کبر و غرور کرنے لگے کہ اتنے دل اُس کی مٹھی میں ہیں یا اُن پر مکمل تصرّف حاصل ہے! ایسا اندازِ فکر انسان میں کبر پیدا کرتا ہے اور قرآن و سنّت کبر کی اجازت نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہانِ وقت کے مقابلے

میں اللہ کے فقیروں اور اولیاء کے لئے عوام النّاس کے دلوں میں جذبۂ محبت و کشش زیادہ ہوتا ہے۔ شاہانِ وقت کسی ذاتی کمال و فضل سے قطع نظر اپنی سطوت و شوکت اور کثرتِ دولت کی بدولت دلوں کو مطیع بنانے میں کوشاں ہوتے ہیں، جب کہ اللہ کے مقبولوں اور اولیاء کا کوئی بھی عمل دلوں کو مسخر کرنے کی نیت سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو کمالِ اخلاص سے اپنے معبودِ برحق کی اطاعت کرتے اور کمالِ بندگی میں کوشاں رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں ربُّ العزّت اُن کے لئے انسانوں کے دل تو کیا کائنات کی ہر شے مسخر اور مطیع کر دیتا ہے اور ایسے لوگ اِس آیۂ مبارکہ کی عملی تفسیر ہوتے ہیں۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ[1] (ترجمہ) اور اُس (ذاتِ باری) نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ سارے کا سارا اپنے حکم سے مسخر کر دیا ہے۔ (انتہیٰ)

اگر کہا جائے کہ مذکورہ تسخیر سے مُراد مادّی تسخیر ہے اور وہ بھی کسی مذہب اور دین سے تعلق رکھنے والوں سے مخصوص نہیں، اِس لئے کہ لَكُمْ ضمیرِ جمع ہے جو ساری نوعِ انسانی کو شامل ہے تو اِس سلسلے میں گزارش ہے کہ اگر اِس تسخیر کو مادّی تسخیر کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ غیر مسلم اقوام، سائنسی ایجادات اور تسخیرات کے میدان میں مسلمانوں سے بہت آگے نکل چکی ہیں۔ انتہا یہ کہ اب چاند کے بعد وہ سورج اور دیگر اجرامِ فلکی پر کمند ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ مقامِ انصاف ہے کہ اگر کافر اور ملحد اقوام کو اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے کے باوجود تسخیرِ کائنات کا اہل قرار دیا جا سکتا ہے تو اِس آیت سے اُن برگزیدہ ہستیوں کی رُوحانی تسخیرات کے استنباط میں تامّل کیوں کیا جاتا ہے جو رضا و اطاعت کے اِس مقامِ بلند پر ہوں ؎

تیری دُنیا میں ہمارا کیا ہے
سانس لیتے ہیں رضا سے تیری

اُس ذاتِ کریم سے ایک مسلمان کبھی یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ کُفّار کو تو سرکشی کے باوجود ارض و سماوات میں تسخیرات کی کھُلی چھُٹی دے دے اور اپنے اطاعت گزار اولیاء کو مادّی کے مقابلے میں رُوحانی قوّتِ تسخیرات سے محروم رکھے۔ سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

---

[1] القرآن ۴۵ : ۱۳

دوستاں راکجا کُنی محرُوم		تُو کہ با دُشمناں نظر داری

یعنی جو ذات اپنے دُشمنوں پربھی انعام و اکرام کی بارش برساتی ہو، اُس سے یہ اُمید کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور چاہنے والوں کو محروم کرے گی۔

## تسخیراتِ رُوحانیہ کا اظہار بطورِ تحدیثِ نعمت

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النُّورانی نے اپنے مشہور عربی اشعار (قصیدہ غوثیہ) میں ایسی ہی رُوحانی تسخیرات کا، تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر فرمایا، آپ کے اِس قصیدے کے اشعار پر ہم نے اِسی کتاب میں تفصیلاً بحث کی ہے۔ایسی باتیں وہی کر سکتے ہیں جو ماذُون یا مَامُور مِنَ اللہ ہوں۔آپ فرماتے ہیں ؎

کَسَانِی خِلْعَۃً بِطِرَازِ عِزٍّ		وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ خلعت پہنایا، جس پر عزت کے بیل بوٹے ہیں اور تمام کمالات کے تاج میرے سر پر رکھے۔

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا		فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے تمام اقطاب (اولیاء) پر حاکم بنایا ہے، پس میرا حکم ہر حال میں جاری ہے۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللہِ جَمْعًا		کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

ترجمہ۔میں نے خدا تعالیٰ کے تمام شہروں کی طرف دیکھا تو وہ سب مل کر رائی کے دانے کے برابر تھے۔

ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اُن کی طاعت و عبادت کے صلے میں دل تو کیا کائنات کی ہر شے پر تصرّف اور تسخیر عطا کر دیتا ہے۔یہ ایسی جاہ ہوتی ہے، جو اُنہیں اُن کے اخلاصِ عمل، اطاعت اور اُن کی پاکیزگیِ نیّت کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے اور وہ ؏ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما کا مصداقِ اتم بن کر سامنے آتے ہیں۔ایسے کاملین دنیا میں عام ذہنوں کی طرح حصُولِ جاہ کی خاطر عبادت و ریاضت نہیں کرتے اور نہ ہی اِس نیّت سے اپنے کسی قسم کے فضل و کمال کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ اُن کی ذواتِ مقدسہ ایسے منابع ہیں، جن سے ہر وقت

کمالات و فضائل کے سوتے خود بخود پھوٹتے رہتے ہیں اور خلقِ خدا کے قلوب اُن کے اس فیضانِ جاری سے سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اور بات کہ کسی کو اِن منابع کی قدر ہو یا نہ ہو، میرزا بیدلؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

قدرِ تو کس چہ داند تا بر تو جاں فشاند
اَے آفتابِ تاباں! گنجی و گنج مُفتی

شعر کا مطلب یہ ہے کہ تیری قدر کوئی جانے تو تجھ پر اپنی جان نچھاور کرے۔ اے تجلیات بکھیرنے والے سورج! تُو یقیناً انوار و تجلیات کا ایک خزانہ ہے اور خزانہ بھی ایسا جو مُفت تقسیم ہو رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ تیری جلوہ سامانیوں کے بغیر کاروبارِ حیات مُعطّل ہو کر رہ جاتا ہے اور ہر قدم پر تیری روشنی درکار ہوتی ہے، مگر افسوس ہے کہ تجھ سے فائدہ تو سب اُٹھاتے ہیں، مگر تیری قدر بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ خاص طور پر خفّاش (چمگادڑ) فطرت لوگ تجھ سے آنکھ ملانے میں گھبراہٹ سی محسوس کرتے ہیں اور تجھے نہ دیکھنے میں سکون محسوس کرتے ہیں، مگر جو تیری تجلیات اور انوار کی قدر و منزلت سے آگاہ ہیں، وہ ہر وقت تجھ سے روشنی کے طالب رہتے اور تجھے جان و دل سے عزیز رکھتے ہیں، یہی حالت اُن حضرات کی ہے جو مقامِ اولیاء سے آشنا ہوں اور جو بے بہرہ ہیں، وہ اُن کے درِ پردہ فیضان سے جھولیاں بھر کر بھی نہ اُن کی قدر کرتے ہیں اور نہ اُن کے احسان مند ہوتے ہیں۔

شاہانِ وقت اور اُمراء اگر اجسام پر حکومت کرتے ہیں تو مقبولانِ خدا مخلوق کے قُلوب اور اُن کی ارواح پر حکومت کرتے ہیں۔ دلوں کے انکار کی صورت میں اجسام اطاعت سے رُوگردانی بھی کر سکتے ہیں، جب کہ دلوں کی اطاعت کی صورت میں اجسام جرأتِ انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اجسام کی حرکت و سکون قلوب کے تحت ہوتی ہے اور قلوب پر اجسام کوئی تحکّم نہیں چلا سکتے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ خاصانِ خدا حضرت شیخ سعدیؒ کے درج ذیل شعر کا مصداق ہوتے ہیں ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ		کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

ترجمہ۔ اے انسان! اللہ تعالیٰ کے احکام سے تو بھی رُوگردانی نہ کر تاکہ کوئی شے تیرے حکم سے رُوگردانی نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہ حاصل ہو جانے پر انسان کے لئے

احتیاط لازم ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ مغرور ہو جائے، اُسے چاہیئے کہ مخلوق کی توجہ، محبت اور رغبت کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کے متعلق روایات میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے محبوب خلیفہ سلطانُ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ سے اِس امر کے اظہار کا ارادہ فرمایا، کہ خلقِ خدا ہمیں یادِ خدا نہیں کرنے دیتی، وقت بے وقت لوگوں کے ہجوم سے ہم تنگ آ چکے ہیں، کسی صحرا میں ڈیرہ ڈال لیا جائے تاکہ مکمل انہماک سے ذکر و فکر کا سلسلہ جاری رکھا جا سکے۔ گویا بقولِ راقم الحروف

اِس سے بہتر کوئی موقع نہیں تنہائی کا
ہم پکاریں گے اُنہیں بیٹھ کے ویرانے سے

ابھی یہ باتیں حضرت بابا صاحبؒ سوچ ہی رہے تھے کہ پاس کھڑا ایک مجذوب اُن کے خطراتِ قلبیہ پر مطلع ہو کر کہنے لگا۔ اے فریدؒ! تو اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا کہ تیرے جیسے انسان تجھے ٹوٹ ٹوٹ کر چاہ رہے ہیں، تیری عزت و توقیر کر رہے ہیں اور تیرے ہاتھ پاؤں چوم رہے ہیں، اگر دیکھا جائے تو بظاہر تجھ میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں، بلکہ دونوں میں انسانیت قدرِ مشترک ہے۔ مجذوب کی اِس قسم کی باتیں سُن کر حضرت بابا صاحبؒ نے صحرا نشینی کا خیال ترک فرما دیا اور پاک پتن ہی میں بیٹھنے کو پسند فرمایا۔ اِس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ جاہ سے جان چھڑاتے تھے اور صحرا میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے، مگر مجذوب کے یاد دلانے پر یہ ارادہ صرف اِس لئے ترک کر دیا کہ اُنہیں یہ جاہ اپنے خالق و مالک کی طرف سے اِنعام میں دی گئی، ہر چند اُنہیں ذاتی طور پر اِس کی کوئی ہوس نہیں۔ بہ نگاہِ غائر دیکھا جائے تو حضرت بابا صاحبؒ کا ہوسِ جاہ کا ارادۂ ترک اور جذبۂ عزلت گزینی علماء و مشائخ کو بالخصوص محاسبۂ افکار کی طرف دعوتِ غور و فکر دیتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنا مقبول اور برگزیدہ بندہ بنائے، اُس کے مرتبہ و جاہ اور دُنیوی ذہن رکھنے والے عام انسانوں کی جاہ طلبی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دُنیوی جاہ پر مرمٹنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی وقتی جاہ کو مقبولانِ خدا اور عبادِ صالحین کی دائمی اور وہبی جاہ پر ہرگز قیاس نہ کریں، کیونکہ اُن کی جاہ اُن

کے لئے کبر و نخوت اور بُغض و حسد جیسی صفاتِ رذیلہ کا باعث بنتی ہے اور اللہ کے مقبولوں کی جاہ، اُن کے لئے عاجزی و فروتنی کا مُوجب اور اُن کے لئے افزائشِ انکسار کا سبب بنتی ہے۔ کہاں وہ جاہ اور کہاں یہ جاہ۔ ع

بہیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

کہنے کو تو دونو پر صاحبِ جاہ کے الفاظ کا اطلاق ہوگا، مگر حقیقت رس نگاہیں اِن کے غیر معمولی تفاوت کو یقیناً محسوس کریں گی۔ پنجابی کے صُوفی شاعر میاں محمد بخش رحمۃ (م ۱۹۰۴ء) کے اِس شعر کے مطابق ۔

کچ وی منکا تے لعل وی منکا، اِکو رنگ دوہاں دا

جوہری دی جد نظریں چڑھدا، نکلے فرق کوہاں دا[1]

چونکہ خاصانِ خدا جاہ کے مُضر اثرات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں اور اُن کے دل میں کبر و نخوت کے راہ پانے کے امکانات عوام کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں، لہٰذا وہ لوگ جو علمی و روحانی فُقدان کی وجہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر جاہ پر مرتے ہیں، اُنہیں اپنا ہر قدم پھُونک پھُونک کر رکھنا چاہیئے تاکہ وہ حُبِ جاہ سے پیدا ہونے والی کبر و نخوت جیسی صفاتِ قبیحہ سے محفوظ رہ سکیں۔ انسان دوسرے کا مُنہ بند کرنے اور صرف کہنے کی حد تک تو بہ آسانی کہہ دیتا ہے کہ میرا دل حُبِ جاہ سے پاک ہے، مگر جب وہ اپنے اعمال و اقوال کا بہ نگاہِ تنقید جائزہ لے گا، تو اُسے محسوس ہوگا کہ واقعی اُس کے فلاں فلاں عمل یا قول کے پسِ پردہ حُبِ جاہ کارفرما تھی، حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے دوسروں کے عیُوب تلاش کرنا تو ایک محبوب مشغلہ اور قابلِ فخر امر ہے، مگر کچھ دیر کے لئے اپنے گریبان میں جھانکنا اُس کے لئے ایک ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ تصوّر مسئلہ ہوتا ہے۔ اگر انسان کے لئے محاسبۂ ذات کے اِن صبر آزما مراحل سے از خود گزرنا مشکل ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ کسی شیخِ کامل اور اُستادِ حاذق کی رُوحانی تربیت گاہ میں رہ کر اپنے آئینۂ دل کو خصائلِ رذیلہ اور خواہشاتِ باطلہ کے تمام زنگوں اور آلائشوں سے پاک کرلے، یا پھر راقم الحروف کے اِس شعر کے مطابق عمل کرے ۔

بنشیں براہِ خود و آنماں بہ اُمیدِ چشمِ عنایتے ۔۔۔ بود آنکہ آئینۂ دِلت ز نگاہِ شاں بہ جلا رسد

---

[1] سیف الملوک (پنجابی)

ترجمہ۔ ایک چشمِ عنایت کی اُمید لے کر خود آگاہ لوگوں کے راستے میں بیٹھ جا! ہو سکتا ہے کہ تیرے دل کا آئینہ اُن کی ایک نگاہ پڑ جانے سے چمک اُٹھے۔

## تحقیقِ اُمُور کا شرعی حُکم

جیساکہ اربابِ علم و دانش اور ماہرینِ نفسیات جانتے ہیں کہ انسان مختلف صفات و عادات کی معجونِ مُرکّب ہے۔ اِسی لئے قرآنِ مجید نے جہاں اُسے اَحْسَنِ تَقْوِیْم کے عظیم خطاب سے نوازا، وہاں اُس کے لئے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ کے الفاظ بھی استعمال کئے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے اندر صفاتِ عالیہ اور خصائلِ حمیدہ پیدا کرلے تو بلاشُبہ وہ اَحْسَنِ تَقْوِیْم کا آئینہ دار بن جاتا ہے، ورنہ دوسری صورت میں موخر الذکر جملے کا مصداق قرار پاتا ہے۔ انسان کے شاہکارِ قُدرت اور اشرفُ المخلوقات ہونے میں تو شک نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ صفاتِ عالیہ اور اقدارِ فاضلہ کو بروئے کار لاکر خود کو اِن القاب کا اہل بھی ثابت کرے۔

قرآنی تعلیمات اور سُنّتِ نبویہ انسان کو حسد، بُخل، کینہ پروری، جنگ و فساد اور عیب جوئی جیسی صفاتِ رذیلہ سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ آیاتِ قرآنی، اُسوۂ رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و صالحینِ اُمت کا تعامل اِس کی اہمیت پر شاہد ہیں۔ قرآنِ مجید میں جہاں تخلیقِ کائنات کے سلسلے میں جگہ جگہ تدبّر و تفکّر پر زور دیا گیا اور حقائق الاشیا معلوم کرنے کی طرف دعوتِ غور و فکر دی گئی، وہاں انسانی معاشرہ سے متعلق اُمُور میں تحقیق کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا گیا۔ انسان خود کو خواہ کتنا ہی دانشور، ذہین و فطین اور صاحبِ علم سمجھے، مگر بھُول چُوک اور خطا و نسیان کا عُنصر اُس کے خمیر میں بدستور موجود رہتا ہے، اِس لئے اُسے علم و دانش اور رُوحانیت کے بلند سے بلند تر مقام پر فائز ہو جانے کے باوصف کسی لمحہ بھی اپنے محاسبۂ اعمال و اقوال سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ؎

اپنے معیارِ محبت پہ نگاہِ تنقید
نہیں معلوم یہ کس کس کی نظر سے گزرے
(علامہ سیماب مرحوم)

بعض دوسرے انسانی عیُوب کی طرح کان کا کچا ہونا اور تحقیقِ اُمُور نہ کرنا بھی انسان میں بہت بڑے عیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس سے تو اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ اثر پذیری

انسانی فطرت کا خاصہ ہے، چنانچہ مختلف انسانی طبقات کا اپنے اپنے ماحول سے متاثر ہونا ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔

یہ امرِ واقع ہے کہ انسان کسی نہ کسی شخصیت پر ضرور بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے؛ اکثر دیکھنے میں یہ آیا کہ انسان جسے خود اچھا سمجھتا ہو، یا اُس سے مانُوس ہو، اُس کے خلاف کوئی شکایت سُننا گوارا نہیں ہوتی، چاہے وہ مبنی بر حقائق ہی ہو، مگر جس سے وہ خود مانُوس نہیں ہوتا یا بوجُوہ کبیدہ خاطر ہوتا ہے، اُس کے خلاف ذرا سی بات کو بھی دل سے لگا کر بیٹھ جاتا ہے اور اِس حد تک اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ ایسے واقعات کے ثبوت بادشاہوں، اُمرائے وقت اور اُن خانوادوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، جنہیں بہ نگاہِ عزت و احترام دیکھا جاتا ہے، چونکہ خوشامدی، طالع آزما اور مطلب برآر حاشیہ نشین، اربابِ اقتدار کے مزاج کے نبّاض ہوتے ہیں، اِس لئے اُنہیں حقیقی صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بجائے اُن کے مزاج اور مُوڈ (Mood) کے مطابق سلسلۂ کلام چلایا کرتے ہیں۔ جہاں یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے قبلۂ حاجات کا مزاج فلاں کے خلاف ہے تو اُس کی بُرائیاں گنوانے بیٹھ جاتے ہیں، خواہ درپردہ اُس سے ذاتی مراسم اور گہرے تعلقات ہی کیوں نہ ہوں اور جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے عُقدہ کُشا کی طبیعتِ شاہانہ فلاں پر مائل بہ کرم ہے تو اُس کی تعریف میں فوراً نثری شاعری شروع کر دیتے ہیں، چاہے بہ باطن اُس سے بُغض و عناد ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ بالفاظِ دیگر ایسے حاشیہ نشین عیّار اور مطلب کے یار ہوتے ہیں۔ اِس قسم کے کاسہ لیس، خوشامدی حاشیہ نشین، جو بظاہر مُعتمد ترین اور مُہذب ترین انسان معلوم ہوتے ہیں، محض اپنی مطلب برآری اور حصُولِ مقاصد کی خاطر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہہ دیتے ہیں اور اُن کے ممدوح و مخدوم، صاحبانِ اقتدار ایسے حاشیہ نشینوں کی غیر محسوس خوشامد کا صیدِ زبُوں بن کر اور تحقیقِ اُمُور سے بے نیاز ہو کر اپنے اعزّہ و اقارب اور نزدیکی تعلقات و روابط کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ بڑی بے دردی سے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور ساری عمر اُن کے خلاف بُغض و کینہ کو اپنے دل میں جگہ دیئے رکھتے ہیں، جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اِسی لئے قرآن مجید نے إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (القرآن ۴۹ : ۱۲) فرمایا کہ بعض بدگمانیاں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

دراصل انسان کو کسی پر کسی بھی نوع کے اعتماد کے سلسلے میں نہایت احتیاط اور سُوجھ بُوجھ سے کام لینا چاہیئے۔ شکایت سُن کر بلا تحقیق و تجسس کسی سے ترکِ تعلق کر لینا اور لگائے گئے الزامات کی صفائی پیش کرنے کے موقع سے اُسے محروم رکھنا، شریعتِ مطہرہ میں ہرگز پسندیدہ نہیں ۔

خاکِ ایں بیاباں راگریہ ات نہ زد آبے
ورنہ ہر قدم ایں جا بُوئے آشنائی ہاست[1]　　(بیدلؒ)

## محاسبۂ ذات ضروری ہے

پھر صاحبانِ اقتدار کو ترکِ موالات اور کسی انتقامی کارروائی سے پہلے یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں شامل افراد سے اپنی مرضی کے مطابق طرزِ عمل دیکھنے کے خواہش مند کیوں ہوتے ہیں؟ اِس لئے کہ آخر وہ خود بھی تو کسی مولا و مُطاع کے بندہ و غلام ہیں۔ ذرا اپنے گریبانوں میں جھانک کر تو دیکھیں کہ وہ اپنے آقا کی مرضیات کے کس حد تک پابند ہیں۔ جب یہ خواہش رکھنے والا خود بھی اپنے اعمال و افعال میں اپنی ہوائے نفس کا بندۂ بے دام ہوتا ہے تو پھر اُسے اپنے حلقۂ اثر سے بھی اِسی فطری صورتِ حال کی توقع رکھنی چاہیئے اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جبر و تشدّد، دھونس، دھاندلی اور ظلم و نفرت سے کسی کو حقیقی معنوں میں مُطیع و فرمانبردار نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ محبت ہی ایک ایسا مؤثر حربہ ہے، جس سے انسان تو کیا، وحشی درندے بھی رام ہو جاتے ہیں ۔

لہجے میں اگر رس ہو تو دو بول بہت ہیں
انسان کو رہتی ہے محبت کی زباں یاد　　(راقم الحروف)

علمی تجربہ اور عملی مُشاہدہ کے مطابق کُھلے دشمنوں سے زیادہ مُوذی وہ مارِ آستین خوشامدی حاشیہ نشین ہوتے ہیں، جو لبادۂ اعتماد و قرب اوڑھ کر دوسرے انسانوں کو

---

[1] ترجمہ۔ افسوس کہ تیرے اشکوں نے اِس بیاباں کی مٹی کو سیراب نہیں کیا، ورنہ یہاں کا ایک ایک قدم آشنائی و محبت کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مضمونِ مذکورہ کو اِس طرح باندھا ہے ۔

نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کسی کی نگاہوں سے دُور کر دیتے یا گرا دیتے ہیں؛ اگرچہ حقیقت ایک نہ ایک دن آشکار ہو کر ہی رہتی ہے اور انجامِ کار وہ خود بھی دارین میں خراب و رُسوا ہو جاتے ہیں بقولِ حضرتِ خواجہ حافظ شیرازیؒ ؎

من ارچہ در نظرِ یار خاکسار شُدم　　رقیب نیز چُنیں محترم نہ خواہد ماند

ترجمہ۔ اگرچہ میں یار کی نظر میں ذلیل ہو گیا ہُوں، لیکن رقیب بھی حسبِ سابق باعزت نہیں رہے گا۔

اعتماد کے سلسلے میں یہ واقعہ قابلِ توجّہ ہے۔ حُکمائے یُونان میں سے غالباً ارسطو یا بُقراط کا کوئی شاگرد سفر پر جانے لگا تو اُستاد سے رُخصت چاہی، جب ذرا دُور گیا تو اُستاد نے بُلایا اور کہا کہ تم سفر پر جا رہے ہو اور مجھ سے کوئی نصیحت دریافت نہیں کی۔ شاگرد نے عرض کی۔ حضور کوتاہی معاف۔ ارشاد ہو: اُستاد نے کہا کہ دورانِ سفر اوّل تو کسی پر اعتماد کرنا ہی نہیں چاہیئے اور اگر کسی کی نیکی اور خوش کرداری اُس پر تمہارا اعتماد قائم کر ہی دے تو اعتماد کر لینے کے بعد اُس سے اور بھی خبردار رہنا کہ اب اُس کے لئے تمہیں دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا بہت آسان ہو گیا ہے، اِس لئے کہ اب تمہارے کُلّی اعتماد کی کمزوری اُس کے ہاتھ آ گئی ہے؛ وہ کسی وقت کسی بھی معاملے میں تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر اِسی ایک حکیمانہ قول پر عمل پیرا ہُوا جائے اور انسان جن پر بہت اعتماد کرتا اور اُنہیں خصُوصی قُرب و عزّت دیتا ہے، اُن کے اعمال و اقوال کی تحقیق کرنے لگ جائے تو بڑے بڑے مُعتمد اور معتبر انسانوں کا حقیقی کردار اور اصلیت کُھل کر سامنے آ سکتی ہے، مگر تحقیق و تفتیش کی ہمّت وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں خشیتِ الٰہی ہو اور جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر وہ کسی کی باتوں میں آ کر بلا تحقیق کسی انسان کے خلاف اپنے دل میں کدورت رکھے گا تو کل قیامت میں خداوندِ عالم کو کیا جواب دے گا؟

ویسے بھی احادیث میں آیا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ زیادہ دیر خفا نہیں رہنا چاہیئے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب دوسرا انسان اپنے کئے پر دل سے نادم اور طالبِ عفو ہو تو درگزر کرنا سنّتِ خدا و رسول ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہُوا اکثر باتیں اور واقعات حقیقت میں ہوتے کچھ اور ہیں، مگر پیش کرنے والے لوگ واقعات کا حُلیہ بگاڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ دوسرے کی ٹانگ بہ آسانی کھینچی جا سکے۔

بقولِ صاحبزادہ اشک رام پوریؒ ؎

اِن ہمدموں کی کارگزاری نہ پوچھیئے دل سے بنا بنا کے اِدھر کی اُدھر کہیں

ایسی صورت میں تحقیقِ معاملہ ضروری ہوتی ہے اور فریقین کو آمنے سامنے کرنا لازم ہو جاتا ہے، ورنہ حقیقتِ حال مخفی رہتی ہے اور جھوٹ بولنے والا اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

## آیتِ مبارکہ کی شانِ نزول

عام انسانی معاشرہ کا ذکر ہی کیا، جب ایک ایسا ہی واقعہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی رُونما ہوا، جو تمام معتبر تفاسیر میں موجود ہے، مگر خوفِ طوالت کے پیشِ نظر ہم صرف معروف مفسّر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تصریح من وعن پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ قارئین اِس واقعے کی اہمیّت کا اندازہ خود لگا سکیں۔ ارشادِ باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ[1] ○ (ترجمہ) اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (کہیں) کسی قوم کو انجانے میں ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے اور علقمہ بن ناجیہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ابنِ جریر نے بھی بوساطتِ عوفی حضرت ابنِ عباس کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ طبرانی نے حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت سے، نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کو بنی مُصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بنی مُصطلق اور ولید کے درمیان عداوت تھی، بنی مُصطلق کے لوگوں نے جب ولید کے آنے کی خبر سُنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے احترام میں ولید کے استقبال میں نکل آئے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ وہ لوگ ولید کو قتل کر دینا چاہتے ہیں، اِس لئے راستہ ہی سے لوٹ آیا اور آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کہ اُن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ بات سُن کر رسول اللہ

[1] القرآن ۴۹: ۶

صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور اُن سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ بنی مُصطلق کو جب ولید کے لَوٹ جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم نے آپؐ کے قاصد (کے روانہ ہو جانے) کی خبر سُنی تو ہم اِس کے استقبال و احترام کے لئے اور اللہ کا جو حق ہم نے قبول کیا تھا، اُس کو ادا کرنے کے واسطے نکل آئے، لیکن لَوٹ جانا ہی مناسب معلوم ہوا؛ اِس لئے ہم کو اندیشہ ہوَا کہ شاید راستہ سے لَوٹ جانے کی وجہ یہ ہو کہ حضورؐ کی ناراضی کا کوئی خطرہ آپ میں اُس کو پہنچ گیا ہو، جس میں حضورؐ نے ہم سے ناراضی کا اظہار کیا ہو۔ ہم اللہ اور اُس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ کے خواستگار ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی مُصطلق کی صداقت کا یقین نہیں آیا اور آپ نے خالد بن ولیدؓ کو کچھ فوج کی معیت میں پوشیدہ طور پر تحقیق کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر تم کو اُن کے مسلمان ہونے کی کوئی علامت معلوم ہو تو اُن کے مال کی زکوٰۃ لے لینا، ورنہ اُن کے ساتھ وہی معاملہ کرنا، جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہاں پہنچے تو مغرب وعشاء کی اذان کی آواز سُنی اور (حسبُ الحکم) اُن سے زکوٰۃ وصول کر لی اور سوائے اطاعت اور بھلائی کے اُن کی طرف سے کوئی بات بھی نہیں دیکھی۔ پھر واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل خبر بتا دی، اُس وقت آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ الخ نازل ہوئی۔

فَاسِقٌۢ، یعنی ولید بن عقبہ۔ نَبَاٍ، یعنی بنی مُصطلق کے مُرتد ہو جانے کی اطلاع اور چونکہ حکم عام تھا، کوئی فاسق کوئی خبر لائے، اِس لئے فَاسِقٌ اور نَبَاٍ کو بصورتِ نکرہ ذکر کیا۔ فَتَبَیَّنُوْٓا، یعنی تحقیقِ حال کر لو۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا، یہ حکم چاہتا ہے کہ اگر ایک عادل (صالح) شخص کوئی خبر دے تو اِس کی اطلاع کو قبول کر لیا جائے، کیونکہ قبولِ خبر سے کوئی مانع نہیں۔

لُغت میں فِسق کے معنیٰ ہیں نکلنا۔ عرب کہتے ہیں: فسقت الرّطبۃ عن قشرھا یعنی کھجور اپنے چھلکے سے نکل آئی۔ اصطلاحِ شرع میں کبھی کافر پر اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ وہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ قرآنی استعمال میں فاسق بمعنیٰ کافر ہی زیادہ مُستعمل ہے، کبھی فاسق، کبیرہ گناہ کے مُرتکب کو کہتے ہیں، کبھی فاسق اُس شخص کو بھی کہتے ہیں، جو صغیرہ

گناہوں پر جما رہے اور توبہ نہ کی ہو۔ آیت میں بہ اجماعِ اہلِ تفسیر مرتکبِ کبیرہ ہی مراد ہے۔
میں کہتا ہوں ولید بن عقبہ صحابی تھے اور اِس دروغ بیانی کا سبب بھی اُن کی بدگمانی اور اُن لوگوں کے متعلق غلط خیال آرائی تھی، جو اسلام سے پہلے اِن کے دشمن تھے، اِس لئے آیت میں فاسق سے مراد ایسا شخص ہو، جس کی سچائی اور عدالت ظاہر نہ ہوتی ہو۔ اِس تفسیر میں وہ شخص جس کی حالت ظاہر نہ ہو اور وہ مستور الحال ہو، داخل ہو جائے گا۔ یا فاسق سے مراد ایسا شخص ہے، جس نے کوئی ایسی خبر دی ہو، جس کے غلط ہونے پر قرینہ دلالت کر رہا ہو، خواہ مُخبر بظاہر صالح ہو۔ بنی مصطلق اپنی خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور اسلام کے احکام قبول کئے تھے، اُن کا مرتد ہو جانا بہت زیادہ بعید از عقل تھا۔ ولید کا قصداً یا سُوءِ ظن کی بنا پر دروغ بیانی کرنا اِتنا بعید از قیاس نہیں تھا۔

اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ بے قصور لوگوں کو حقیقتِ حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تم دُکھ پہنچا دو، یعنی اُن کو قتل کر دو یا اُن سے جنگ کرنے لگو۔ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ ۝ پھر (آخر میں) تم اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ ندامت کے یہ معنیٰ ہیں کہ آدمی سے کوئی بات ایسی صادر ہو جائے جس پر اُسے اندرونی رنج ہو اور اُسے اِس امر پر افسوس ہو کہ اے کاش! مجھ سے یہ حرکت صادر نہ ہوتی۔

آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ولید کو سچا جان کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی مصطلق پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن آپ نے اُن کے مشورے کو قبول نہ فرمایا اور خالد بن ولیدؓ کو تحقیقِ واقعہ کے لئے بھیجا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اُنہیں لوگوں کو خطاب کر کے تحقیقِ حال کا حکم دیا ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا؛ اِس لئے حکم دیا کہ آخر میں ندامت نہ اُٹھانی پڑے۔ اللہ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ اُن کے لئے اپنی خواہشاتِ نفس اور میلاناتِ خاطر کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب دینی جائز نہیں، بلکہ اُن پر فرمانِ رسولؐ کی اطاعت واجب ہے، خواہ اُن کے دلوں کو پسند ہو یا ناگوار۔ اِس مضمون پر آئندہ جملہ دلالت کر رہا ہے[1]۔"

---

[1] دیکھئے تفسیر مظہری، از علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، جلد ۱۱، ص ۵۰ تا ۵۱، مطبوعہ دارالاشاعت پاکستان، کراچی

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر ایک صحابیِ رسول (ولید بن عقبہؓ) سُوءِ ظن کا شکار ہوکر تحقیق سے بے نیاز ہو سکتے ہیں اور مذکورہ آیت اُن کی تادیب و سرزنش کے لئے نازل ہو سکتی ہے تو دُنیا میں اور کون ایسا صاحبِ ایمان اور حاملِ رُشد و ہدایت ہے، جس کا زُہد و تقویٰ اور مرتبہ ایک صحابی سے بھی زیادہ ہو اور جو خود کو خطا و نسیان سے پاک سمجھتا ہو۔ مذکورہ واقعہ اور آیتِ کریمہ کے سیاق سے درج ذیل اُمور مُستنبط ہوتے ہیں:۔

۱۔ بلاتحقیق ہر کسی کی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔
۲۔ شکایت کُنندہ کی ذہنی، علمی حیثیت اور اُس کے کردار کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔
۳۔ غلط شکایات بظاہر نیک، صالح اور قابلِ اعتماد لوگ بھی کر سکتے ہیں۔
۴۔ اگر کوئی کسی کے خلاف شکایت کرے تو اُسے دوسرے کے رُوبرو کرنا چاہیئے تاکہ اصل صورتِ حال واضح ہو جائے۔
۵۔ جن لوگوں کو دوسروں کی شکایات سُننے اور دوسروں کی جاسوسی کا بہت شوق ہوتا ہے، اُنہیں اپنے چھوڑے ہوئے جاسُوسوں کی ہر بات کو حرفِ آخر تسلیم نہیں کرنا چاہیئے، اِس لئے کہ قرآنِ حکیم کی مذکورہ آیتِ مُبارکہ میں ایسی بے پر کی اُڑانے والوں کو لفظِ فاسق سے مخاطب کیا گیا ہے۔
۶۔ جب غلط بیان اور دوسروں کی ٹانگ کھینچنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی بغیر تحقیق کسی کی بات کو تسلیم نہیں کرتا اور جس کے خلاف شکایت کی جاتی ہے اُسے شکایت کُنندہ کے رُوبرُو کر دیا جاتا ہے، تو دوسری مرتبہ وہ لوگ کسی کے خلاف غلط بیانی کی جرأت نہیں کریں گے، بلکہ صحیح بات بتاتے ہوئے بھی محتاط رہیں گے اور خوف محسوس کریں گے۔ کسی انسان کو اپنی ذاتی ناپسند کی بنا پر حاشیہ آرائی اور چرب زبانی سے دوسروں کی نظر سے گرانا یا دُور کرنا بہت بڑی کمینگی ہے۔
۷۔ کچھ لوگ بطورِ خاص باشعُور اور تعلیم یافتہ ذہنوں کو اپنے نقطۂ نظر سے متفق کرنے کے لئے عوام کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، بلکہ بڑے مُہذب، شائستہ اور نرم الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے دوسروں کی جڑیں کاٹنے کے عادی ہوتے ہیں، ایسے شکایت کُنندگان کی ثقاہت، اعتماد اور تہذیب کا یہ عالم ہوتا ہے کہ شکایت سُننے والا بے چارہ اُن کی پُراعتماد، مخلصانہ، دردمندانہ اور مُہذبانہ باتوں کو شکایت کے بجائے ہمدردی اور

خیر خواہی سے تعبیر کرتے ہوئے تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور غریب بے گناہ لوگوں کو نقصان پہنچا دیتا ہے یا اُن کے خلاف اپنے دل میں کدورت رکھ لیتا ہے اور موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ اُن سے کب انتقام لیا جائے؟

مذکورہ بالا اُمور عام معاشرۂ انسانی میں بالعموم اور صاحبِ حیثیت طبقات کے حاشیہ نشینوں میں بالخصوص پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی کی شکایت سُنتے وقت کامل احتیاط اور عقل و شعور سے کام لینا چاہیئے، خاص طور پر وہ لوگ جنہیں قابلِ اعتماد سمجھا جاتے اور وہ عزت و تکریم کے لائق بھی ہوں، اگر وہ کسی کے خلاف گفتگو یا شکایت کریں تو اُس کی تحقیق ضرور کر لینی چاہیئے، اِس لئے کہ ایسے بازی گر اکثر اعتماد میں لاکر دھوکا دیتے اور جب چاہیں غریب عوام کے مقدّر سے کھیلتے ہیں۔ جس کسی سے ایسے مُفسد و مکّار اور کینہ پرور لوگوں کا ذاتی تعلق ہو وہ اُس کے فسق و فجور کو زُہد و تقویٰ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، کیونکہ اُس سے اُن کا ذاتی تعلق جو ٹھہرا۔ اور اُس سے اُن کے مفادات جو وابستہ ٹھہرے' مگر جس سے وہ کھنچے ہوتے ہوں، اُس کے محاسن و فضائل اور تمام اوصافِ حمیدہ کو بھی معائب اور عاداتِ رذیلہ ثابت کر کے دوسروں کے ذہن کو اُس کے خلاف مسموم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور یہ محض اِس لئے کہ اُن کا کسی ذاتی بنا پر اُس سے اختلاف ہے یا کسی وجہ سے اُسے خود اچھا نہیں سمجھتے۔ بہرحال یہ نفسیات کا ایک نازک ترین موضوع ہے، اِس کی نشاندہی اِس لئے کی گئی تاکہ انسان سے نفرت کے بجائے محبّت کی جائے؛ خداوندِ عالم نے قرآنِ کریم میں مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے، لہٰذا بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے والے دُوں فطرت اور بد نہادوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دینا چاہیئے۔

## آل اور اہل کی تحقیق

### اَهْلُ الاَهْلِ، اَهْلُ الرَّجُلِ اور اَهْلُ الدَّارِ

لُغتِ عرب میں لفظِ اَہل درجِ ذیل معانی میں مُستعمل ہے:۔۔۔

۱۔ اهلُ الرّجل، اُس شخص کا کُنبہ اور اہلِ قرابت۔ مشہور ادیب اور نحوی، امام سیبویہ کے نزدیک اَهل کی جمع اَهلُون ہے۔

۲۔ اھلُ القراٰنِ ھُمْ اھلُ اللہِ وخاصَّتُہٗ۔ یعنی قرآن مجید کو حفظ اور اُس پر عمل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اولیاء (دوست ہیں)، جو اُس کی ذات سے ایسا خصوصی تعلق رکھتے ہوں، جیسے کسی شخص کو اپنے اہل و اقربا سے ہوتا ہے۔
۳۔ اہلِ مکہ کو بھی احتراماً اہلُ اللہ کہتے تھے، جس طرح کعبہ کو احتراماً بیتُ اللہ کہا جاتا ہے۔
۴۔ اہلُ الاسلام، جو اسلام کو دینِ حق سمجھتے ہیں۔
۵۔ اہلِ بیت، گھر میں رہنے والے، اہلُ الرجل جو اُس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں۔
۶۔ اہلِ بیت النبی، اَزْوَاجُہٗ وَبَنَاتُہٗ وَصِھْرُہٗ اَعْنِیْ علیاً علیہ السلام وقِیْلَ نِسَآءُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والرجالُ الّذِیْنَ ھُمْ اٰلُہٗ۔ یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے مُراد آپ کی ازواج اور وہ مرد ہیں، جو آپ کی آل ہیں اور ہر نبی کی اُمّت بھی اُس کی اہل کہلاتی ہے، اِسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ہے: اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ[1] یعنی یہ تیری اُمّت سے نہیں، جس سے نجات کا وعدہ ہے۔ نیز عام طور پر کہا جاتا ہے: ھو اھل لِکذا ای مُستوجَبٌ لَہٗ۔ وہ شخص اِس چیز کا اہل اور مستحق ہے، اِسی بنا پر کہا جاتا ہے: اَلمُلکُ لِلّٰہ اھل الملک۔ نیز قرآنِ عزیز میں ہے: ھُوَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ[2] یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو اصل حق ہے کہ مُلک اُسی کا ہے اور وہی ہے، جس سے ڈرنا حق ہے اور ڈرنے والوں کو بخشنے کا اہل بھی وُہی ہے۔ اھلُ الرّجُلِ واَھلتُہٗ سے مُراد اُس کی زوجہ بھی لی جاتی ہے، اِسی لئے تأھّلَ بمعنیٰ تَزَوَّجَ آیا ہے اور اٰلُ الرّجل سے مُراد اُس شخص کے اہل لئے جاتے ہیں، اٰلُ اللہِ وَاٰلُ رَسُوْلِہٖ اولیاءُہٗ یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی آل اُس کے اولیاء ہیں (اولیاء، ولی کی جمع ہے، یہاں خصوصی تعلق رکھنے والے مُراد ہیں) چونکہ آل کا لفظ اہل سے ماخوذ ہے، جس میں اہل کے ہا کو ہمزہ اور اُسی ہمزہ کو الف سے بدلا گیا ہے، اِس لحاظ سے یہ تبدیلی کسی حد تک اہل اور آل کے معنیٰ اور مفہوم

---

[1] القرآن ۱۱ : ۴۶
[2] القرآن ۷۴ : ۵۶

میں بھی تغیر کی متقاضی ہے، اس لئے عرب کہتے ہیں: اِنْصَرِفْ اِلٰی اَھْلِكَ یعنی اپنے اہل کی طرف لوٹ جا۔ نیز کہتے ہیں: اَھْلَكَ وَاللَّیْلَ یعنی رات، اپنے اہل میں قیام کر۔ لیکن یہ نہیں کہتے: اِنْصَرِفْ اِلٰی اٰلِكَ یا اٰلَكَ وَاللَّیْلَ اور پھر آل کا اطلاق کسی صاحبِ شرف اور اَخص انسان پر کرتے ہیں، عام لوگوں پر نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: اَلْقُرَّاءُ اٰلُ اللّٰهِ قاری، اللہ کے آل (دوست) ہیں اور درود شریف میں ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اور ایسا ہی ابو العباس شاعر نے اپنے کلام میں آلِ اعوج کہا، کیونکہ عربوں کے نزدیک اَعْوَج کو ایک مشہور گھوڑے کی وجہ سے شہرت حاصل تھی، اسی بنا پر آلِ اسکاف نہیں کہتے، بلکہ اہلُ الاسکاف یعنی موچی کا اہل کہتے ہیں۔ اگر آل کا الف اہل کی ہا سے بلا واسطہ بدلا جاتا تو دونو کے استعمال میں فرق نہ ہوتا۔ مشہور ادیب اور امامِ نحو، اَخفش کی یہی تحقیق ہے، چنانچہ اسی تحقیق کے مطابق کہا گیا: وَاَنْتَ مُمْتَنِعٌ مِنِ اسْتِعْمَالِ الْاٰلِ فِیْ غَیْرِ الْاَشْھَرِ یعنی لفظِ آل کا استعمال غیر مشہوروں میں ممنوع ہے، جب کہ اہل کا لفظ عام ہے، جو مشہور و مخصوص اور غیر مشہور (عام) دونو میں استعمال ہوتا ہے[1]۔

قرآن حکیم میں لفظِ آل کا استعمال اس طرح ہوا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ[2] (ترجمہ) اے آلِ داؤد! (ان نعمتوں پر) شکر کرو اور میرے بندوں میں بہت کم شکر گزار ہیں۔ آیتِ مذکورہ میں آل سے مراد اولاد اور خاندان کے علاوہ اُمت کے متبعین افراد بھی ہیں اور اگر صرف اولاد مُراد لی جائے تو آپ کی اولاد سے بے شمار جلیل القدر انبیاء پیدا ہوئے، انبیاء علیہم السّلام سے عدمِ شکر گزاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اگر نبی اپنے رب کے انعامات اور نوازشات کا شکر گزار نہیں ہوگا تو پھر کون مائی کا لال اُس کا حقِ شکر ادا کر سکتا ہے، قرینِ قیاس ہے کہ یہاں بھی آل سے داؤد علیہ السّلام کی اُمت کے وہ افراد مُراد ہوں، جن سے عمل ناسپاسی سرزد ہوا یا ہو سکتا تھا۔

---

[1] ملخّص از لسان العرب (عربی) مصنفہ علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری، جلد ۱۱، ص ۲۹، ۳۰، ۳۱، مطبوعہ دار صادر بیروت (لبنان)

[2] القرآن ۳۴ : ۱۳

ظاہر ہے ایسے افراد غیر نبی ہی ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی آل سے صرف اولاد مُراد نہیں۔
بعض کم علم، آلِ محمد سے صرف اُمّت مُراد لیتے ہیں، اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لفظِ آل عربی زبان کا ہے، انگریزی کا (All) نہیں؛ جیسے آل پاکستان، آل انڈیا اور آل مُسلم۔
دورِ حاضر کی تعلیمی کم مائیگی کی بنا پر بعض نام نہاد مفکّرینِ اسلام، جنہیں عربی کا ابجد بھی نہیں آتا، آیات و احادیث کی اُلٹی سیدھی تفسیریں اِس لئے کرتے ہیں کہ شاید اُنہیں عربی زبان کے آل اور انگلش کے (All) میں فرق و تمیز کی اہلیّت نہیں ہوتی۔

## ابنِ عربیؒ کی تصریح

اِس فرق کو رئیسُ المکاشفین حضرت محی الدّین ابنِ عربیؒ (م ۶۳۷ھ) یوں بیان فرماتے ہیں: فَلِاٰلِ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وھُمُ المؤمنونَ مِن اُمّتِہٖ العلماءُ مرتبۃُ النّبوۃِ عند اللہِ تظھرُ فی الاٰخرۃ وما لَھا حکمٌ فی الدّنیا الاّ ھٰذا القدرُ من الاجتھاد المشروع لھم فلم یجتھدوا فی الدّین الاّ بأمرٍ مَشروعٍ من عند اللہ فَاِنِ اتّفقَ ان یکونَ احدٌ مِن اھل البیت بھٰذہِ المثابۃِ مِنَ العلم والاجتھاد ولھم المرتبۃُ کالحسنؓ والحسینؓ وجعفرٍؓ وغیرِھم من اھلِ البیت فقد جمعُوا بینَ الاھلِ والاٰلِ فلا یُتخیّلُ انّ اٰلَ محمّدٍ ھُم اھلُ بیتہٖ خاصّۃً لیس ھٰذا عندَ العربِ۔[1]

ترجمہ۔ پس آلِ محمدؐ جو آپ کی اُمّت کے علماءِ مومنین ہیں، اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُنہیں درجاتِ نبوت میں سے ایک درجہ حاصل ہے جس کا ظہور بروزِ قیامت ہوگا۔
______ اور دُنیا میں اِس کا اثر اِسی قدر ہے کہ وہ شرعی طریقہ پر اجتہاد کرتے ہیں، لہٰذا اُنہوں نے دین اور احکام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرعی امر کی بنا پر ہی اجتہاد کیا۔ اگر ایسا اتّفاق ہو جائے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے کوئی شخصیت علم و اجتہاد کے اُس بلند مقام پر فائز ہو، جیسے سیدنا حسنؓ، حسینؓ اور جعفرؓ وغیرہم تو پھر ایسے حضرات اہلِ بیت اور آلِ محمدؐ دونو کے جامع ہیں، یعنی ایسے ذی علم و اجتہاد افراد پر اہلِ بیت اور آلِ محمدؐ دونو کا اطلاق بیک وقت درست ہوگا، لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ آلِ محمدؐ کی اِصطلاح

---

[1] دیکھئے فتوحاتِ مکیّۃ (عربی) جلدِ اوّل، باب ۶۹، ص ۵۴۵-۵۴۶، مطبوعہ مصر

فقط آپؐ کے اہلِ بیت ہی سے مخصوص ہے، یہ بات عرب سے ثابت نہیں۔ (انتہیٰ)

## علامہ احمد ابن حجر مکیؒ کا قول

مشہور محدّث اور محقق علامہ احمد ابن حجر الہیتمی المکی (م ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں: صَحَّ، یارسولَ اللہ کیف الصلوٰۃ علیکم اھلِ البیتِ قال قُولوا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ (الحدیث) و فی بقیۃِ الرّوایاتِ کیفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ یارسولَ اللہ؟ قال قُولوا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ (الحدیث) وَیُستَفادُ من الرّوایۃِ الاُوْلٰی ان اھلَ البیتِ مِن جملۃِ الآلِ اَوْ ھُمُ الاٰلُ لکن صَحَّ مایُصَرِّحُ بانّھم بنوھاشمٍ والمُطّلِب وھُم اَعَمُّ مِن اھلِ البیت ومَرَّ اَنَّ اھلَ البیتِ قَدْ یُرَادُ بِھِمُ الاٰلُ وَاَعَمُّ منھم و منہ حدیث ابی داؤد: مَن سَرَّہٗ اَنْ یَکْتَالَ بالمِکیالِ الاَوْفٰی اِذا صلّٰی علینا اھل البیتِ فَلْیَقُلِ اللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحمّدِ نِ النَّبِیِّ وازواجہٖ اُمّھاتِ المؤمنینَ وذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی ابراھیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ[1] (ترجمہ) روایتِ صحیح میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہلِ بیت پر دُرود کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا۔ کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ پہلی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ جملہ اہلِ بیت بھی آل میں شامل ہیں یا وہی آل ہیں؛ لیکن یہ بھی صحت سے ثابت ہے کہ آل، بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، جو اہلِ بیت کی نسبت عام ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ اہلِ بیت سے کبھی آل مُراد ہوتی ہے اور کبھی اِس سے اَعَم۔ حدیثِ ابی داؤد میں ہے، جسے پسند ہو کہ مکمل پیمانہ سے (ثواب) حاصل کرے تو جب اہلِ بیت پر درود پڑھے تو یُوں پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ

## مصادیقِ آل پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تصریح

مجدّدِ ملّت حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ لفظِ آل کے مصادیق کے سلسلے میں ایک

---

[1] دیکھئے الصواعق المحرقہ (عربی) ص ۱۴۳، مطبع میمنیہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۰۸ھ

حدیثِ مُبارک نقل فرما کر یُوں رقم طراز ہیں :- لِکُلِّ نَبِیٍّ اٰلٌ وَّعُدَّۃٌ وَّ اٰلِی وعُدَّتِی المُؤمِنُ
ہر ایک نبی کے لئے اَتباع و جماعت ہیں اور میرے تابعین اور جماعت وہ لوگ ہیں، جنہوں
نے مجھ کو صدقِ دل سے سچّا نبی مانا ہے۔ اِس حدیث سے، جس کا ذکر حضرت شیخ اکبرؒ نے
فتوحاتِ مکیّہ کی دوسری جلد میں بجوابِ سوالِ حکیم ترمذی کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ آلِ
محمدؐ سے مُراد سب مؤمن ہیں؛ اقارب و ازواج و اولاد سمیت۔ البتّہ قاموس اور دیگر
لُغات میں اقارب و اَتباع کے معنیٰ درج ہیں۔ ہاں اِس میں شک نہیں کہ کسی مقام میں
اہلِ بیت و آلِ محمدؐ سے مُراد وہ اقارب ہیں، جن پر صدقہ لینا حرام ہے؛ چنانچہ آلِ علی و آلِ
جعفر و آلِ عقیل علیہم الرّضوان اور کسی جگہ پر بہ قرینۂ مقام اولادِ آنحضرت و ازواجِ مُطہّرات
اور کسی جگہ پر سیّدۃُ النّساء فاطمۃُ الزّہرا و حسن و حسین و علی علیہم السّلام۔ خُلاصہ آنکہ لفظِ
آلِ محمدؐ، درود شریف اور آلِ ابراہیم اور آلِ فرعون سے مُراد اَتباع اور پیرو ہیں، ماسوائے
دُرود شریف، جیسا جیسا مقام ہوگا، بقرینۂ مقام خاص خاص معانی مُراد ہوں گے[1]

## آلِ محمدؐ میں کون شامل ہے

مُحوّلہ بالا تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ آل، اصل میں اہل سے نکلا ہے اور اہل
کے معنیٰ اقارب اور گھر والے ہیں، اِس لئے لفظِ آل کی ہیئتِ لفظی کی تبدیلی کے باوجود
اُس میں اہل کے معنیٰ موجود ہیں، کیونکہ آل بنا ہی لفظ اہل سے ہے۔ اگر آل میں اپنے مُشتق منہ
کے معنیٰ ہی نہ پائے جائیں تو فائدۂ اشتقاق مفقود ہو جاتا ہے، لیکن فرق یہ ہوگیا کہ اہل کا
لفظ خاص طور پر اقارب، اولاد اور گھر والوں کے لئے بولا جاتا ہے اور لفظِ آل میں اگرچہ
اہل کے معنیٰ بھی موجود ہیں، مگر اِسے اَتباع اور پیروکار پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ
لفظِ اہل پیروکار افراد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ گویا درود شریف (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ) میں لفظِ آل سے مُراد اُمّت کے صالحین، مُتّبعین اور رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہے، جیسا کہ ابنِ عربیؒ کی مُحوّلہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت یعنی ذرّیت میں سے اگر کوئی ایسی شخصیت پائی جائے، جو علوم

---

[1] دیکھئے فتاویٰ مہریہ، از سیّد پیر مہر علی شاہؒ، ص ۱۸، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۶۸ء

فضل اور اجتہاد کے مراتب عالیہ پر فائز ہو تو اُس پر آل اور اہل، یعنی آلِ محمدؐ اور اہلِ بیت دونوں کا اطلاق درست ہوگا، کیونکہ اُس نے اتباع کا حق بھی ادا کیا اور اُسے شرفِ قرابت بھی حاصل ہے۔ یہ خصوصیت درُود شریف میں آلِ محمدؐ کے لفظ سے مختص ہے، یعنی عام طور پر جو درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھا جاتا ہے، اِس میں وارد شدہ لفظِ آل سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے نیک اور پاک سیرت متّبعین مُراد ہیں اور اِسی طرح نیک اور پاک سیرت اولاد بھی۔ آلِ محمدؐ سے ہر وہ فرد، جو شریعتِ مطہرہ کی پابندی نہ کرے، صوم وصلوٰۃ اور دیگر فرائض کا تارک ہو، عُلومِ شرعیّہ سے نابلد ہو، خواہ اولادِ رسول ہو یا نہ ہو، خارج متصوّر ہوگا۔

جو لوگ درود شریف میں آلِ محمدؐ سے مُراد پوری اُمت لیتے ہیں، وہ بھی غلطی پر ہیں، اِس لئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وَآلِي وَعُلَّاقِي الْمُؤْمِنِ کی قیدِ عائد فرمائی ہے، اُمّت کے فسّاق وفجّار، جنہیں دین ومذہب کا علم تک نہیں، وہ آلِ محمدؐ میں ہرگز شامل نہیں۔ اگر آل سے مُراد اچھے بُرے تمام لوگ لئے جائیں تو پھر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی تمام ذُرّیت اور اَتباع (پیروکار) مُراد ہوں گے، جو غلط ہے۔ وُہ اِس لئے کہ بنی اسرائیل (یہُودی) بھی جناب ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں، تو کیا مسلمان نمازمیں اُن پر بھی اللہ تعالیٰ سے دُرُود بھیجنے کی دعا کریں گے؟ حالانکہ جناب ابراہیمؑ کی، غیر مُتّبعین سے دست برداری کے متعلق قرآن حکیم میں نصِ قطعی اِس طرح وارد ہے: قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِھِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۫[1]

(ترجمہ) بے شک تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیمؑ اور اُن کے ساتھیوں کی (زندگی) جب اُنہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور اُن معبُودوں سے، جن کی تم اللہ کے سوا پُوجا کرتے ہو۔ (انتہیٰ) گویا اِس آیت کے مطابق جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو، جو اللہ کے سوا بتوں کی پرستش کرتے تھے، اپنی آل سے خارج کر دیا۔ لہٰذا وہ لوگ آلِ ابراہیم میں شامل نہیں ہوں گے۔ تشہّد میں عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ کی جو

[1] القرآن ۶۰: ۴

دعا پڑھی جاتی ہے اور جس میں بدرگاہِ ربُّ العزت آلِ ابراہیم پر درُود بھیجنے کی درخواست کی جاتی ہے، وہاں آلِ ابراہیم سے مُراد وہ انبیاء علیہم السّلام ہیں، جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد سے مبعوث ہوتے اور عُلمائے محققین کے نزدیک اُن کی تعداد ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) کے قریب ہے۔ جو افراد اُسوۂ ابراہیمی کو چھوڑ گئے، وہ آلِ ابراہیم میں شامل نہیں ہوں گے۔ اِس سے اور نکتہ بھی سمجھ میں آیا کہ آلِ ابراہیم میں اگر جناب ابراہیمؑ کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیاء علیہم السّلام مستحق درُود ہو سکتے ہیں اور یہاں آل کے لفظ میں اگر اولاد بدرجۂ اَولیٰ شامل ہے تو آلِ محمدؐ میں ائمۂ اہلِ بیت اور دیگر وہ اولیائے کاملین، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں، کیونکر شامل نہیں ہو سکتے۔

## درُود شریف میں آلِ محمدؐ کے مصادیق

آلِ محمدؐ کی تشریح کے سلسلے میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو: عن انسؓ سُئل النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم عن اٰلِ محمدٍ قال کُلُّ تقیٍّ وَ فی روایۃٍ کُلُّ مؤمنٍ[1]۔ (ترجمہ) جنابِ انسؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آلِ محمدؐ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر متّقی انسان، اور ایک روایت میں ہے ہر مومن۔ (انتہیٰ) اِس حدیثِ مُبارک سے بھی ثابت ہوا کہ آلِ محمدؐ کے کلمات، جو درُود شریف میں وارد ہیں، اُن سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے نیک اور پارسا افراد ہی مُراد ہیں، چاہے وہ اولاد سے ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اولاد سے ہوں اور بقولِ ابن عربیؒ مرتبۂ علم و اجتہاد پر بھی فائز ہوں تو اُنہیں دوگونہ شرف حاصل ہے اور وہ بطریقِ اولیٰ آلِ محمدؐ کا مصداق ہیں۔ بخلاف اُن سادات کے جو مذکورہ صفات سے عاری ہیں، وہ درود شریف میں وارد شدہ آلِ محمدؐ سے خارج ہیں۔ یہ بات درود شریف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اِس کے علاوہ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کی تصریح مذکور کے مطابق لفظِ آل بقرینۂ مقام خاص خاص معانی میں مستعمل ہوگا۔ مثلاً جہاں ہم آل و اصحاب یا آلہٖ و اصحابہٖ کہیں گے تو آل سے مُراد اہلِ بیت ہوں گے، ورنہ اصحاب کے لفظ میں

---

[1] دیکھئے نبراس، شرح شرحُ العقائد، از علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۱۰، مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور

اگر آل کے معنیٰ پائے جاتے تو دو الگ لفظ (یعنی آلہٖ و اصحابہٖ) کیوں بولے جاتے۔ آل بمعنیٰ اولاد اس لئے بھی آسکتا ہے کہ وہ اھلؔ سے بنا ہے اور اھل کا لفظ قرابت داروں اور گھر والوں کے لئے مخصوص ہے پھر یہ کہ آل و اصحاب یا آلہٖ و اصحابہٖ میں واوِ عاطفہ موجود ہے، جو مغایرت کے لئے آتی ہے۔ یعنی آل اور ہیں اور اصحاب اور ہیں۔ ہر صحابی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ آل یعنی اہلِ بیت بھی ہو، جب کہ جناب حسنؓ و حسینؓ آل بھی تھے اور صحابی بھی۔ سُنّی العقیدہ، صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم لکھتے اور بولتے ہیں اور خارجی صرف اصحابہٖ، جب کہ شیعہ، اکثر آلہٖ لکھتے اور بولتے ہیں۔ خداوندِ عالم، خارجیوں کو آل، یعنی اہلِ بیت سے محبّت و عقیدت کی توفیق دے اور شیعہ کو اصحابہٖ کہنے اور لکھنے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ خوارج کی اِس سے بڑی شقاوت کیا ہو سکتی ہے کہ قرآنِ کریم کی واضح تصریحات کے باوجود اہلِ بیتِ کرام سے بُغض و عناد رکھتے ہیں[1]

سُورۂ کہف میں ربُّ العزّت نے حضرتِ موسیٰ اور خضر علیہما السّلام سے دو بچّوں کی دیوار بلا اُجرت تعمیر کروانے کا ذکر فرمایا ہے اور ایسا کروانے کی علّت، وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (اُن کا باپ نیک آدمی تھا) بیان فرمائی ہے۔ علّامہ الوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی میں اُس صالح شخص کو اُن یتیم بچّوں کی ساتویں یا دسویں پُشت کا ایک جدِ بزرگ تحریر فرمایا ہے، گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اِسی شرافتِ نسب کے سبب اللہ تعالیٰ نے اُن یتیم بچّوں کا لحاظ فرمایا۔ لیکن بُغض و عناد کے دبیز پردے، نورِ حقیقت کی ایک کرن بھی گزرنے نہیں دیتے۔ یہی نہیں، بلکہ سُورۂ طُور کی اِس آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ[2] (ترجمہ) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان لانے میں اُن کی پیروی کی، اُن کی اولاد کو ہم اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں سے ہم اُن کے لئے کچھ کمی نہ کریں گے۔ کی رُو سے تو مومنین کی مومن اولاد کو بھی آخرت میں اُن کے صالح اسلاف کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اُن کے اپنے اعمالِ صالحہ کے انعامات میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اِس آیت کے مطابق تو غیر صالح اَخلاف بھی مستحقِ مغفرت ٹھہرے، چہ جائیکہ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صُلبی اولاد جیسے شرفِ نسب کا امتیاز بھی حاصل ہے۔

[1] ملخّص از مہرِ منیر، باب اوّل، ص ۸-۹، مطبوعہ لاہور

[2] القرآن ۵۲ : ۲۱

# آل اور اولاد میں فرق

عام طور پر کم علم لوگ آل اور اولاد کو ایک ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ تصور مذکورہ تصریحات اور لغوی تحقیقات کے سراسر منافی ہے۔ مثلاً آلِ رسول، آلِ نبی یا آلِ محمد کے الفاظ جب بولے یا لکھے جائیں گے تو اُن سے اولاد کے وہی افراد مُراد ہوں گے، جو علم وفضل اور دیگر خصوصیات میں سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مُتبع ہوں اور غیر اولاد وہ تمام افراد بھی شامل ہوں گے، جنہیں عُلمائے ربانی، اولیائے اُمّت اور صُلحاء کہا جاتا ہے، اُن کے علاوہ اُمّتِ مُسلمہ کے ایسے تمام افراد، جو عُلوم شرعیہ کی خصوصیات و فضائل اور صفاتِ نبویہ کے وارث نہیں، وُہ ہرگز ہرگز اِن الفاظ کے مصداق قرار نہیں پائیں گے۔ عام طور پر خانقاہی نظام میں مُعتقدین ومتوسلین، بزرگوں کی تمام اولاد اور خاندان کو ایک بزرگ سے نسبی قرابت کی بنا پر برابر سمجھتے ہیں اور اُن سب پر آل و اولاد کے الفاظ[1] کا اطلاق یُوں کرتے ہیں کہ آخر یہ سب حضرات فلاں بزرگ کے اہلِ خاندان یا آل و اولاد ہی تو ہیں، اِس لئے ہماری نظر میں سب برابر ہیں۔ ایسا سمجھنا محض اندھی عقیدت کی بنا پر اور مُرّوجہ خانقاہی نظام کی روایات کے مطابق تو شاید درست ہی ہو، مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک

---

[1] اِس سلسلے میں راقم الحروف کی ایک فارسی رُباعی ملاحظہ ہو۔ ؎

ہر قطرہ بہ بحر چُوں گُہر کے بالد ۔ خاکستر، صورتِ شرر کے بالد

فرق است در ارتقائے ہر موجُودے ۔ مُوئے مژگاں، چو مُوئے سر کے بالد

ترجمہ۔ ہر قطرۂ آب کی یہ قسمت کہاں، کہ وہ سمندر سے موتی ہی بن کر اُبھرے اور راکھ کے مقدّر میں یہ کہاں کہ وہ دوبارہ چنگاری کی صورت اختیار کر سکے، مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر شے کے مراحلِ ارتقا میں غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے؛ وہ یہ کہ پلکوں کے بال، سر کے بالوں کی طرح نہیں بڑھتے۔ گویا بعض اشیا کے دائرۂ ارتقاء کو محدُود ومتعین رکھا گیا ہے اور بعض کے ذوقِ نمُو پر کسی قسم کی روک تھام اور قدغن نہیں لگائی گئی، اگرچہ پلکوں کے بالوں اور سر کے بالوں پر، بال ہی کے لفظ کا اطلاق ہوگا اور بظاہر دونو بال ہی نظر آئیں گے، مگر قدرت نے اِن کو ایک ہی جنس اور نسب سے پیدا فرما کر اِن کے درمیان جس بنیادی فرق کا خط کھینچ دیا، اس سے انکار ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

قطعاً غلط ہے، بلکہ اُن کے نزدیک ایک عظیم رُوحانی شخصیت کی صُلبی اولاد میں سے اگر کسی میں اپنے اجداد کے علم و فضل اور دیگر صفاتِ عالیہ کی بُو تک نہیں پائی جاتی، ایسے فرد کو اولاد میں سے تو کہا جا سکتا ہے مگر آل میں سے نہیں، اِس لئے کہ جب ہم کسی کے لئے آلِ فلاں کے الفاظ استعمال کریں گے تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اپنے جدِ اعلیٰ یا باپ کے علم و فضل اور دیگر خصائص و صفات کا بھی وارث ہے اور جب اولادِ فلاں کہیں گے تو اِس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ فرد، اپنے اجداد کے عُلُوم و فنُون اور کمالات و خصائص کا وارث بھی ہو، اِتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک عظیم المرتبہ، رُوحانی پیشوا یا عالمِ دین کی اولاد سے ہے اور صرف اولاد ہونا کوئی باعثِ عزت و افتخار بات نہیں، اِس لئے کہ ہمارے سامنے ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور بڑے بڑے مُقتدر اولیاء اللہ اور عُلمائے اُمت کی صحیحُ النَّسب اولاد دیکھنے میں آتی ہے، مگر اُن میں سے اکثر میں اجداد کے علم و فضل اور کمالات کی بُو تک نہیں ہوتی۔ اگر ضعیفُ العقیدہ لوگ اُنہیں اُن کے اسلاف کی نسبت سے محترم سمجھیں تو یہ اُن کی محض خوش عقیدتی اور سادگی تصوّر کی جائے گی، ایسے افراد کو اولاد میں سے کہنا درست ہے، جب کہ آل سے کہنا قطعاً نادرست۔ اِس موقف کی مزید وضاحت کے لئے اگرچہ بے شمار حوالہ جات موجود ہیں، مگر خوفِ طوالت کی بنا پر صرف ایک سند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جس کا تعلق براہِ راست تجربہ اور مشاہدہ سے ہے، چونکہ مُوئے سَر کی ارتقائی ہیئت، مُوئے مژگاں کی نسبت تیز تر ہے، اِس لئے نظر باز عُشاق نے ہر مرحلہ کو الگ الگ نام دے دیا۔ چنانچہ زُلف، کاکُل اور گیسو کے متعلق کہا گیا ہے کہ زُلف تا بہ گوش، کاکُل تا بدوش اور گیسُو تا بہ آغوش۔ حاصلِ کلام یہ کہ پلکوں کے بالوں اور سر کے بالوں کو بال تو ضرور کہا جائے گا، مگر اِن دونوں میں فطرت کے پوشیدہ فرق و امتیاز کو بھی ضرور مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اِسی طرح آل و اولاد کے الفاظ، اگرچہ کثرتِ استعمال کے باعث ایک معنٰی میں بولے، سمجھے اور لکھے جاتے ہیں، مگر اِن میں وہی فرق ہے، جو مُوئے مژگاں (پلکوں) اور مُوئے سَر کے سلسلۂ ارتقاء کے ضمن میں اوپر مذکور ہوا، ویسے بھی آل و اولاد کے الفاظ کی املا میں آل کا قد اولاد سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اِن دونوں الفاظ کا حُسن اِسی میں ہے کہ آل کے الف لام کو لفظِ اولاد کے مقابلے میں ذرا قد نکال کر لکھا جائے۔ یہیں ابنِ عربیؒ نے آل کو اولاد پر جو فوقیت دی تھی اس کی مزید تصدیق و تائید قدرت نے فنِ خطاطی سے بھی کر دی۔

# حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا وادیٔ حمرا کا مُبارک خواب

حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ (م ۱۹۳۷ء) جب ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں سفرِ حج پر گئے تو مدینہ منورہ کے سفر میں وادیٔ حمرا کے مقام پر ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کے باعث بامرِ مجبوری آپ سے عشاء کی سُنتیں رہ گئیں، جب حضرت پیر صاحبؒ کچھ ذہنی سکون کے بعد سوئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اِس واقعہ کو حضرتؒ نے اپنی فارسی تحریر میں یوں بیان فرمایا ہے: نزدیک تر بایں عاصی شدہ می فرمایند کہ آلِ رسول را نباید کہ ترکِ سُنّت کُنند[۱] (ترجمہ: اِس عاصی کے زیادہ نزدیک ہوکر فرما رہے ہیں کہ آلِ رسول کو سُنتیں ترک نہیں کرنا چاہئیں۔

یہاں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے اہلِ بیت کو نہیں چاہیئے کہ وہ میری سُنتیں ترک کریں، بلکہ آلِ رسول کے الفاظ فرمائے، اِس کی وجہ وہی ہے، جس کا ذکر ہم محی الدین ابنِ عربیؒ کی وضاحت کے مطابق کچھ پہلے کر چکے ہیں۔ چونکہ حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ، حضور سیّدُ الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اولاد ہی نہ تھے (کیونکہ اولاد میں تو ناخلف افراد بھی شامل ہوتے ہیں، جن میں ذاتی طور پر کوئی خصوصیّتِ علم وفضل نہ ہو) بلکہ آپؒ اپنے عہد کے عظیمُ المرتبہ اور فقیدُ المثال عالمِ دین، عارفِ حق اور جامعِ کمالات و فضائلِ انسانی[۲] بھی تھے، اِس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن صفات وکمالات کے سبب اہلِ بیت کی جگہ آپؒ کے لئے آلِ رسول کے الفاظ استعمال فرمائے۔ اِس سے یہ نکتہ بھی واضح ہوا کہ اولادِ فلاں ہونے یا کہلانے کے بجائے آلِ فلاں ہونا یا کہلانا کہیں زیادہ قابلِ فخر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آلِ رسول یا آلِ اولیاء میں وُہی افرادِ خانہ شامل ہوں گے جو جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] دیکھئے مہرِ منیر، بابِ چہارم، ص ۱۳۱، طبع سوم، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۶ء

[۲] حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ کی علمی و رُوحانی عظمتوں کو خراجِ نیاز پیش کرتے ہوئے، میں نے درج ذیل رُباعی کہی تھی، جو میرے فارسی مجموعۂ رباعیات "آغوشِ حیرت" میں موجود ہے ؎

تنویرِ رسولِ انس وجاں مہرِ علی — سرمایۂ صاحب نظراں مہرِ علی
در پیکرِ عشق، گرمیٔ سوزِ الست — عارف، درویش، نکتہ داں مہرِ علی

یا اولیائے کاملین کے فضائل وصفات کے وارث ہوں؛ بے عمل اور جاہل افرادِ خانہ اِس اعزاز سے خارج ہیں۔ جاہل سے مُراد بھی عُلوم شرعیہ سے جاہل ہے۔ کوئی شخص اسلامی تعلیمات کے علاوہ مغربی تعلیم یا دُنیا کی کسی زبان یا علم میں ماہر سہی، لیکن اگر عُلوم شرعیہ اور قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ ہے تو وہ معاشرۂ اسلامی میں صفاتِ نبویہ اور خصُوصیاتِ اسلاف سے محروم سمجھا جائے گا اور ایسا شخص اُن کی اولاد تو کہلا سکتا ہے، مگر آل نہیں۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کا حقیقی بیٹا اُن کی صفات کا وارث نہ ہونے کی بنا پر آل سے خارج کر دیا گیا اور جیسا کہ مذکور ہُوا، کسی بزرگ یا ولیُ اللہ کی مُطلق اولاد ہونا کوئی باعثِ فضیلت نہیں، جب کہ اُن کے کمالات کی خُوبُو نہ ہو۔ لہٰذا آل میں بزرگانِ دین سے نسبت رکھنے والے عُلما۔ اور صُلحا۔ داخل ہیں، جو اپنے مشائخ کے عُلوم، عقائد اور کمالات کے وارث ہیں اور بزرگانِ دین کی وہ تمام اولاد، جو اُن کے عُلوم اور خصُوصیات سے محروم ہے، دائرۂ اولاد میں تو شامل ہوگی، مگر لفظِ آل کے دائرہ سے خارج ہوگی، جس طرح حضرتِ نوح علیہ السّلام کا بیٹا، اگرچہ اُن کا حقیقی بیٹا تھا، مگر آپ کی صفات وخصُوصیات کا وارث نہ تھا، اِس لئے اُسے لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ یعنی وہ تیرے اہل سے نہیں، کہہ کر خارج کر دیا۔ یاد رہے کہ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ میں، اہل بمعنیٰ آل (متّبعین) ہے، اگر یہاں اہل کے معنٰی مُراد لئے جائیں تو نوح علیہ السّلام کے فرزند کے نسب کی عدمِ صحت ثابت ہوگی، جو نوح علیہ السّلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کے لئے موجب ہتکِ عزّت ہے۔ اہل، بمعنیٰ آل بھی آتا ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ حجر مکّی کی عبارت نقل کی گئی، جس میں وہ لکھتے ہیں: وَقَدْ اَنَّ اَهْلَ الْبَيْتِ قَدْ يُرَادُ بِهِمُ الْاٰلُ[1]، کہ کبھی اہلِ بیت یا لفظِ اہل بول کر آل مُراد لی جاتی ہے، لہٰذا لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ میں اہل سے آل مُراد ہے۔

## خُلاصۂ کلام

یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ، حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ اور عُلمائے مذکورہ کے ارشادات اور مندرجہ تصریحات کے مطابق کسی صاحبِ علم وفضل بزرگ کی آل اور اُس کے اہل و اولاد

---

[1] دیکھئے الصواعق المحرقۃ، از امام احمد بن حجر الہیتمی المکیؒ، ص ۱۴۳ مطبوعہ المیمنیہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۰۷ھ

کے فرق کو نظر میں رکھنا چاہیئے اور یہ امتیاز کرنا چاہیئے کہ اِس بزرگ کی آل کون ہیں اور صرف اولاد کون سی ہے۔ آل اور اولاد کے الفاظ عام طور پر ایک ہی معنیٰ میں بولے جاتے ہیں، مگر اِن میں زمین و آسمان کا جو فرق مذکورہ بالا حوالہ جات اور تصریحات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اُسے ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اگرچہ یہاں بھی بقولِ حضرت مولانا رومیؒ ؎ گرچہ آید در نوشتن شیر و شیر کا معاملہ ہے، جس طرح شیر و شِیر میں فرق ہے اور صورتِ املا میں دونو الفاظ ایک جیسے نظر آتے ہیں، اِسی طرح معنوی اعتبار سے اِن میں غیر معمولی فرق ہے، اِسی لحاظ سے آل اور اولاد کے الفاظ اگرچہ عام طور پر صُلبی اولاد کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، مگر اِن کا فرق معمولی فرق نہیں۔ گویا کسی بزرگ یا عالمِ دین کی محض نسل سے ایسے لوگ تو ہزاروں مل سکتے ہیں، جن پر اُس بزرگ یا عالم کی اولاد یا اہلِ بیت کے الفاظ کا اطلاق ہو سکے، مگر ایسے افراد بہت ہی قلیل ملیں گے، جنہیں کسی بزرگ یا کسی عالمِ دین کی آل ہونے کا اعزاز بھی دیا جا سکے۔ ؏ فضلِ خداست ذٰلِكَ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَا

## سلاسلِ طریقت میں جانشینی کا مسئلہ

چونکہ لفظِ آل کا اطلاقِ حقیقی اُنہی افراد پر ہو سکتا ہے، جو صاحبِ آل کے سچّے متبع، اُس کی صفات و کمالات کے وارث اور اُس کے معنوی جانشین ہوں، یہی وجہ ہے کہ تمام سلاسلِ طریقت میں مشائخِ عظام نے اکثر اپنا خرقۂ خلافت و جانشینی اُن لوگوں کو عطا فرمایا، جو اُن سے نسبی قرابت نہیں رکھتے تھے۔ عام مُروّجہ دستور کے مطابق تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہر شیخ اور پیرِ طریقت یا عالمِ دین اپنے بعد اپنا جانشین اور رُوحانی وارث صرف اپنی اولاد ہی کو بناتا، لیکن تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ مشائخ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اُن افراد کو اپنا جانشین مقرّر کیا، جو اُن کی آل کہلانے کا صحیح استحقاق رکھتے تھے۔ تاریخِ طریقت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ اکثر و بیشتر مشائخِ سلف کا سلسلہ اُن کی اولاد کے بجائے اُن کے خُلفاء سے چلتا ہے، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُن کی ساری اولاد اُن کی جانشینی کی مُستحق نہ تھی، اِس لئے اُنہوں نے دُور دراز سے آتے ہوئے مختلف قبیلہ اور نسب کے افراد کو اپنا جانشین مُقرّر فرمایا۔ مطلب صرف اِتنا ہے کہ مشائخِ سلف کی اولاد میں ایسے لوگ بہت کم تھے، جو اُن کے علم و فضل اور دیگر

کمالات کے بھی وارث ہوتے۔ اِس لئے اُنہوں نے جہاں دیکھا کہ فلاں طالبِ حق اِس کا زیادہ اہل اور مستحق ہے اور ہماری اولاد میں سے کوئی اُس کا ہم پلّہ نہیں تو اُنہوں نے اولاد پر آل کو ترجیح دی اور اپنا نائب و جانشین اُن افراد کو مقرر فرمایا، جن میں وہ تمام خوبیاں اور صفات موجود تھیں، جو ایک نائب و خلیفہ میں ہونی چاہئیں۔ سلطانُ الہند حضرت خواجۂ خواجگاں سیّد معین الدّین چشتی اجمیریؒ (م ۶۳۳ھ) سے لے کر حضرت مولٰنا فخر الدّین فخرِ جہاں مُحِبُّ النّبی دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) تک تمام مشائخ آپس میں رشتۂ اسلام کے علاوہ کوئی خُونی قرابت نہیں رکھتے، مگر اِن نفوسِ قُدسیہ کا سلسلۂ طریقت خُلفاء ہی سے چلا، اولاً سے نہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے متاخرین مشائخ میں ایک مثال ملتی ہے جس میں ایک بیٹا اپنے باپ کا خلیفہ اور جانشین بھی ہوا اور اُس سے سلسلۂ خلافت بھی چلا، چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ لکھتے ہیں: مولٰنا فخر الدّینؒ فخرِ جہاں از عُلمائے اعلم و عظمائے مشائخ و کُبرائے خلفاءِ شیخ نظام الدّین اورنگ آبادیؒ پدرِ خود است[1]۔ یعنی حضرت مولٰنا فخرِ جہاں محبُّ النّبی دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) اپنے والدِ ماجد حضرت شیخ نظام الدّین اورنگ آبادیؒ (م ۱۱۴۱ھ) کے جو آپ کے والد تھے، خلیفہ ہیں۔

یوں تو ہر بڑا بیٹا اپنے باپ کا جانشین سمجھا جاتا ہے، یہ امر خانقاہی نظام ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ ہر طبقہ میں یہی دستور رائج ہے، مگر صرف بڑا فرزند ہونے کے باعث رواجی و عُرفی جانشینی اور ہے اور کسی عظیم المرتبہ شیخِ طریقت کے کمالاتِ علمیہ و رُوحانیہ اور اُس کی صفاتِ عالیہ میں اُس کا جانشین ہونا کچھ اور حیثیت رکھتا ہے، باکمال اسلاف کے کمالات وصفات میں جانشینی کی اہلیت نہ ہونے کی صورت میں سجّادگی سے متعلق چند اُمور کا بہ تقاضائے فرائضِ منصبی سرانجام دے دینا، بلاشُبہ عوامی نقطۂ نظر کے مطابق ایک اعزاز اور امتیاز تو کہلا سکتا ہے، مگر دُنیائے طریقت کے خواص کا باشعور اور بالغ نظر طبقہ، جو سجّادگی کے اساسی مقتضیات اور اُس کے بُنیادی لوازم کا علم رکھتا ہے ایسی کھوکھلی اور بے جان سجّادگیوں کو نہ تسلیم کرتا ہے اور نہ اُنہیں کوئی اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برِّ صغیر پاک و ہند میں محض سجّادہ نشین تو بکثرت دکھائی دیتے ہیں، مگر بالخصوص ایسے جانشینوں

---

[1] دیکھئے خزینۃ الاصفیاء (فارسی) ص ۴۸۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۲۸۴ھ

کی مثال نہایت کم یاب ہے، جو اپنے اسلاف کی ظاہری سجّادگی کے علاوہ کمالات و صفات کے اعتبار سے بھی اُن کے جانشین ہوں اور جو اولاد کے علاوہ آلِ شیخ کہلانے کا استحقاق بھی رکھتے ہوں۔

دانشمندانِ طریقت کا کہنا ہے کہ جو شخص از خود کسی منصب کی خواہش کرے، وہ اُس کا مستحق ہی نہیں، اِس حکیمانہ قول کا دنیوی مناصب پر بالعموم اور روحانی مناصب پر بالخصوص اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اِس سلسلے میں سُنّتِ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کا بہ نگاہِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی خلیفۂ راشد نے از خود خواہشِ جانشینی کا ارادہ و اظہار نہیں فرمایا، بلکہ اُن کی کسرِ نفسی اور غلبۂ خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ وہ اِس عظیم ذمّہ داری سے بچنے کی خاطر خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، مگر خواص و عوام نے جب اُن پاک نیّت اور قدسی نہاد انسانوں کے ارادوں کی معصومیت کا یہ حیرت انگیز منظر دیکھا، تو خلافتِ راشدہ کی موجودہ ترتیبی صورت معرضِ وجود میں آئی! اِس مادّی دور میں مذکورہ خصائل و شمائل کی مثال محال ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کے عہدِ مقدّس کے عالی صفات، بلند کردار اور جذبۂ ایثار سے سرشار انسان اب کہاں؟ لہٰذا دُنیوی اور رُوحانی مناصب کے انتخاب کے سلسلے میں غیر معمولی تدبّر، دُور بینی اور فراستِ ایمانی سے کام لینا چاہیے۔ کسی کی محض کسرِ نفسی سے متاثر ہو کر اُسے اُس منصب و مقام کا اہل نہیں سمجھ لینا چاہیے، کیونکہ خاص طور پر اِس دَور کے انسانوں کی بے جا اور ضرورت سے زائد کسرِ نفسی میں بھی بعض اوقات مکر و فریب اور ریاکاری کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ بھی نظر سے گزرتے ہیں، جو بہ ظاہر کسرِ نفسی میں غلو سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ ہم تو گناہگار ہونے کے باعث فلاں منصب کے لائق نہیں یا خود کو فلاں منصب کے قابل نہیں سمجھتے، مگر آپ لوگوں نے یہ ذمّہ داری ہمارے سر ڈال دی ہے، زبانی جمع خرچ کی حد تک تو اُن کی یہ باتیں درست ہوتی ہیں، مگر افسوس کہ اُن کا عمل اُن کے اپنے ہی قول کے برخلاف ہوتا ہے وہ اِس طرح کہ جس منصب کے لئے وہ خود کو نااہل ثابت کرتے ہیں اُس منصب سے متعلق جملہ اُمُور کو سرانجام دینے میں سرِ فہرست بھی وُہی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اِس قسم کی کسرِ نفسی حق پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ اِس سے اُلٹا لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانا اور اپنی نااہلیت کے اِس پُرفریب اقرار میں اپنی اہلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، دوسرے الفاظ

ہیں آج کل کے بعض مکّار ذہن کسرِ نفسی جیسی صفتِ عالیہ کو، خلقِ خدا کے قلوب کی تسخیر اور اُن میں اپنی عظمت کی دھاک بٹھانے کی خاطر کبھی کبھی محض ایک نفسیاتی حربے کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ؎

کہیں سب کو نہ تم مجھ سا ہی دیوانہ سمجھ لینا
تمہارے سامنے مطلب کے دیوانے بھی آئیں گے (زیبا ناردی مرحوم)

## ترتیبِ خلافت کی حکمتِ بالغہ

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت ہی کو لے لیجیے، جیسا کہ روایات میں آیا ہے: حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت و جانشینی کے لئے حیاتِ ظاہری ہی میں خلیفۂ اوّل و برحق سیدنا صدیق اکبرؓ کی طرف واضح اشارات فرما دیئے تھے، حالانکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی و خلافت کی اہلیت اور شان تمام خلفائے راشدین میں موجود تھی۔ جناب علیؓ المرتضیٰؓ کے چوتھے نمبر پر آنے کی حقیقی حکمتیں اور اسرار تو خدا اور رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں، مگر اُسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد ہونے کے سبب آپ کے وارث بھی تھے، اِس لئے کوئی مستشرق کل کلاں یہ کہہ سکتا تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنے بھائی کو اپنی مسندِ خلافت وراثت میں دے کر شہنشاہیت کی داغ بیل ڈال دی تھی، تاکہ رہتی دُنیا تک اسلامی ریاست کا اقتدار ایک ہی گھرانے میں رہے، مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ مقدس نے اِس قسم کے تمام الزامات اور شبہات پر پانی پھیر دیا، آپ نے اپنے چچازاد (علیؓ) کی اہلیت اور صلاحیت کے باوصف ایک عظیم انسان کے لئے اپنی جانشینی کے واضح اشارات فرمائے، جسے خونی رشتے کی حیثیت سے جنابِ علیؓ کی طرح شرفِ قرابت حاصل نہ تھا، نام لے کر خلیفہ متعین نہ فرمانے کا ایک سبب یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما دیتے، تو اُس کی نیابت و خلافت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا، گویا آپ کا یہ عملِ مقدس بھی اُمت کے حق میں رحمت و کرم پر مبنی تھا تاکہ آپ کے کسی واضح حکم کی تعمیل نہ کرنے سے کوئی مسلمان کافر نہ ہو جائے اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ نامزدگی کا بدیہی نتیجہ یہ نکلتا

کہ جملہ خلفائے راشدینؓ کے نزدیک اِسے سُنّت قرار دیا جاتا اور پھر خلافتِ اسلامیہ کا کوئی مفہوم نامزدگی کے علاوہ متصوّر نہ ہو سکتا۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عملِ مُبارک رائے عامّہ کی اہمیت پر واضح اور بیّن دلیل ہے۔ رہا سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا معاملہ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی نامزدگی کو جمیع صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کی تائید و نصرت حاصل تھی اور اِس کی روح میں تمام جمہوری اقدار کار فرما تھیں۔ ثابت ہوا کہ آپ کا اپنے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی حکم یا اشارہ نہ فرمانا قیصریّت، آمریّت اور شہنشاہیّت کے قلع قمع کی طرف پہلا قدم تھا۔ بہ طورِ خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس سُنّت پر عمل پیرا ہوتے ہُوئے خُلفائے راشدینؓ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت[۱] کے لئے نامزد نہیں فرمایا حتّٰی کہ امام حسنؓ کو بھی عامّۃُ المسلمین ہی نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ چنانچہ علّامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں۔ وُلِّیَ الحَسَنُ الخلافۃَ بعدَ قتلِ ابیہِ بمبایعۃِ اَھلِ الکوفۃِ فقامَ فیھا ستّۃَ اَشھُرٍ وَّ ایّامًا[۲]۔ (ترجمہ) امام حسنؓ اپنے والد کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ کے بیعت کر لینے سے خلافت کے والی ہوئے اور وہاں چھ مہینے اور کچھ دن قیام فرمایا۔ اِسی طرح علّامہ ابنِ عبد البرّ لکھتے ہیں: وَلَمّا قُتِلَ ابوہ علیٌّ رضی اللہ عنہ بایعَہُ اکثرُ من اربعین الفًا[۳]۔ جب امام حسنؓ کے والدِ ماجد شہید کر دیئے گئے تو چالیس ہزار سے زائد افراد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (انتہیٰ)

یہ اور بات ہے کہ ایک سلسلے کو چھوڑ کر باقی سلاسلِ طریقت کی انتسابی جہتیں آخرکار جنابِ حسن بصریؒ اور حضرتِ علیؓ ہی کے توسّط سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ پس سلاسلِ ولایت کے مقتدیٰ ہونے کی اِس خصوصی حیثیت اور باطنی[۴]

---

[۱] اِسی قسم کا مضمون ملفوظاتِ مہریہ میں بھی ہے (ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص ۱۱۱، سطر ۷، طبع سوم، مطبوعہ لاہور، سالِ طباعت اپریل ۱۹۸۶ء

[۲] دیکھئے تاریخ الخلفاء۔ (عربی) از علّامہ جلال الدین سیوطیؒ، ص ۱۲۲، مطبع مجتبائی دہلی

[۳] دیکھئے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد اوّل، ص ۱۲۲، مطبوعہ حیدرآباد دکن (بھارت)

[۴] یہاں خلافت سے مُراد خلافتِ باطنی ہے ظاہری نہیں، جیسا کہ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کی زبانی بھی آچکا

خلافت کی بنا پر جناب علیؓ طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا واسطہ خلیفہ ہیں۔ مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں معاذ اللہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی خلافتِ بلا فصل سے انکار ہے۔ یہاں بیعتِ طریقت کا تذکرہ ہے بیعتِ خلافت کا نہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بیعتِ خلافت اور بیعتِ طریقت دو الگ چیزیں ہیں خلفائے ثلاثہؓ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی اُسے بیعتِ خلافت کہا جائے گا بیعتِ طریقت نہیں۔ اگر صحابہٴ کرامؓ کی حضرت صدیقِ اکبرؓ اور پھر اصحابِ ثلاثہؓ سے بیعت کو بیعتِ خلافت کے بجائے بیعتِ طریقت کہا جائے، تو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ پھر سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے کوئی سلسلۂ طریقت کیوں منسوب نہ ہوا، جب کہ دیگر دو خلفاء کی طرح وہ بھی خلفائے برحق تھے، معلوم ہوا کہ بیعتِ خلافت اور چیز ہے اور بیعتِ طریقت اور چیز۔

بعض کم علم اور طریقت ناآشنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اُس اعتراض کو جو اُنہوں نے اپنی تصنیف الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے حضرت علیؓ سے مُتّصل ہونے پر کیا تھا، بہ طورِ سند پیش کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) چونکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں کم عمر تھے لہٰذا کم عمری میں اُن کو خلافت کیسے مل سکتی تھی۔

اِس اعتراض کو اُچھالنے اور ہوا دینے والوں کو شاید معلوم نہیں کہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک جلیل القدر شیخ اور علامۃ الدہر حضرت مولٰنا فخر الدین محمد مُحِبُّ النّبی

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) تحریر فرماتے ہیں: "اہلِ سُنّت کے نزدیک خلافت کے باطنی مفہوم کے لحاظ سے اور اہلِ شیعہ کے نزدیک اصطلاحی معنیٰ کے لحاظ سے امام کے لفظ کا اطلاق ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام پر صحیح و جائز ہے" (ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص ۱۱۵) اِسی طرح بلا واسطہ خلافت سے ہماری مُراد بھی باطنی خلافت ہے۔ جو جنابِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین اور خلیفۂ راشد ہونے کے اعزاز کے ساتھ بلا واسطہ بارگاہِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوئی، اُس کے فیوض و برکات سلاسلِ عالیہ میں جاری ہیں اور تاقیامت جاری رہیں گے۔ راقم الحروف نے بھی آپ کے اِس خصوصی و امتیازی مقام و منصب کی طرف درج ذیل شعر میں اشارہ کیا ہے۔

گر خاتمِ رسالت و ہم من اے علیؓ ہستی ولایتِ ازلی را تو مُنتَہٰی

فخرِ جہاں دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) نے اِس موضوع پر بہ طورِ خاص ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کا نام فخرالحسن ہے[1]۔ اِس کتاب میں مولانا فخرِ پاکؒ نے تاریخی اور دینی دلائل و شواہد سے ثابت کیا کہ حضرت حسن بصریؒ کو سیدنا علیؓ سے خلافت ملی تھی اور محققانہ انداز میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے عائدکردہ اعتراض کی تردید فرمائی اور لکھا کہ شاہ صاحبؒ کا یہ اعتراض بوجوہ غلط ہے۔ چنانچہ مشہور محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:۔

"شاہ فخرالدین محمد صاحب نے فخرالحسن میں اِس بیان کی تردید کی ہے اور محققانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کو خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ فخر صاحبؒ کی اِس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے جب اِس رسالہ کو دیکھا تو فرمایا کہ حُسنِ اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے، لیکن یہ تحقیق جو مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی، فخرالحسن میں احادیث کی متداول کُتب اور شُروح کے علاوہ اُن کتابوں کے حوالے موجود ہیں، جن سے اُن کے تبحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے[2]۔"

چونکہ آج کل کے بعض تنگ نظر اور کم علم اِس اعتراض کو ہوا دینے کی کوشش کرتے اور اپنی محافل میں اِس موضوع کو بہ طورِ خاص زیرِ بحث لاتے ہیں، لہٰذا اِس کی وضاحت بھی ناگزیر تھی۔ رہا مسئلہ فضیلت، تو اِس پر شیعہ سُنّی کے مابین اختلاف اور فریقین کے درمیان ایک طویل بحث ہے، جس میں ہم اُلجھنا نہیں چاہتے، البتہ اِس امر کا ذہن نشین رکھنا لازم ہے کہ ترتیبِ فضیلت کو ترتیبِ خلافت کی علت قرار دینا محققین کے نزدیک درست اور ثابت نہیں۔

یہ موضوع جُملۂ معترضہ کے طور پر دَر آیا اصل یہ ہے کہ رُوحانیت کی دُنیا میں خُونی رشتے نہیں، اہلیت اور استعدادِ جانشینی دیکھی جاتی ہے، جیسا کہ ہم نے محولہ بالا امثال اور استدلال کو اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے، صورتِ مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

[1] فخرالحسن، مولانا فخرِ پاکؒ کی مایۂ ناز تصنیف ہے، جو عربی زبان میں لکھی گئی، اب نایاب ہو چکی ہے۔ اِس کا ایک قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

[2] دیکھئے تاریخِ مشائخِ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۴۷۹، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

# خلافت و جانشینی کا معیار

جیساکہ جانشینی اور خلافت کے سلسلے میں ہم نے اہلیّت کو معیار قرار دیتے ہوئے، مختلف دلائل سے ثابت کیا کہ اس کے لئے محض بزرگی عمر اور اولادیں سے ہونا ضروری نہیں، جیساکہ حضرات خلفائے راشدین علیہم الرّضوان کے عملِ مبارک سے واضح ہے۔ اگر سن و سال کے اعتبار سے بزرگ ہونا شرائطِ خلافت و جانشینی میں سے ہوتا، تو سیدنا عثمانِ غنیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا علیؓ کے بجائے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب اور حضرت جعفرِ طیارؓ اس کے مستحق تھے، کیونکہ حضرت جعفر بن ابی طالب عمر میں حضرت علیؓ سے دس برس اور حضرت عقیلؓ بن ابی طالب بیس[1] برس بڑے تھے، چونکہ حضرت جعفرِ طیارؓ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مقدس ہی میں جنگِ موتہ میں مرتبۂ شہادت پا چکے تھے، لہٰذا حضرت علیؓ کی جگہ اُن کے خلیفۂ راشد بننے کا امکان ہی نہ تھا، مگر حضرت علیؓ کے خلیفہ نامزد ہونے کے وقت حضرت عقیلؓ بن ابی طالب موجود تھے، جو جناب امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت تک زندہ رہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبرّ النمری القرطبی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: قَدِمَ عقیل البصرۃَ ثمّ اتی الکوفۃَ ثمّ اتی الشّامَ و توفّی فی خلافۃِ معاویۃ۔ (ترجمہ) حضرتِ عقیلؓ بصرہ آئے پھر کوفہ اور پھر شام تشریف لے گئے اور جناب امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں وفات پائی۔ (انتہیٰ)

اگر آج کل کی طرح اُس وقت بھی صرف بزرگیٔ عمر کو شرائطِ خلافت میں شمار کیا جاتا، تو جنابِ علیؓ کے بجائے جناب عقیلؓ بن ابی طالب کو خلیفۂ راشد نامزد کیا جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت جعفرِ طیارؓ اور حضرت عقیلؓ، حضرت علیؓ کے سگے بھائی اور عمر میں بڑا ہونے کے ساتھ صوری و معنوی فضائل و کمالات کے بھی مالک تھے، مگر اس کے

---

[1] دیکھئے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (عربی)، جلدِ اوّل، ص ۸۱، مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن، سنِ طباعت ۱۳۱۹ھ

[2] دیکھئے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلدِ ثانی، ص ۵۲۳، مطبوعہ حیدرآباد دکن (بھارت)

[3] دیکھئے ایضاً

ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کہ کم عمری کے باوجود قدرت نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو جن خصوصیات، فضائل اور کمالات کا مالک بنایا تھا، وہ بزرگیٔ عمر کے باوجود اُن کے دوسرے بھائیوں کے حصّہ میں نہ آسکے۔ اقبالؒ نے سچ کہا ؎

اللہ کی دین ہے، جسے دے    میراث نہیں بلند نامی

سیدنا علیؓ شہرِ علم کا دروازہ کہلائے، لہٰذا اُنہوں نے بجا طور پر سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ (مجھ سے پوچھ لو، اِس سے پہلے کہ تم مجھے کھو بیٹھو) برسرِ منبر اعلان فرمایا۔

مذکورہ بالا تاریخی شواہد و حقائق کو بہ طورِ ثبوت پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کا معیارِ خلافت بزرگیٔ عمر کے بجائے علم و فضل اور دیگر صُوری و معنوی کمالات تھے، خلافتِ راشدہ اور خلافتِ طریقت کے مرتبہ و مقام میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور خلافتِ رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یقیناً بہت بلند ہے، اِس کے ساتھ اہلِ طریقت میں خلافت و جانشینی کا سلسلہ بھی خالص دینی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اہلِ طریقت پر لازم ہے کہ سُنّتِ خلفائے راشدین کو ہر مسئلہ میں عموماً اور اِس مسئلہ میں خصوصاً مشعلِ راہ بنائیں، تاکہ انحراف کے بُرے نتائج سے محفوظ رہ سکیں۔ مذکورہ بالا حقائق و شواہد سے معلوم ہوا کہ دُنیوی منصب کے لئے عموماً اور دینی منصب کے لئے خصوصاً ایسے آدمی کا انتخاب ضروری ہے، جو اُس منصب کے تقاضوں کو بہ تمام و کمال پورا کرنے کی غیر معمولی استعداد اور اہلیت رکھتا ہو۔ خانہ پُری کی خاطر جب کوئی منصب (چاہے اُس کا تعلق دُنیا سے ہو یا دین سے یا رُوحانیت سے) کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے، تو اِس کے ایسے بھیانک نتائج رُونما ہوسکتے ہیں، جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اپنے اِس موقف کی تائید میں ایک حدیثِ پاک نقل کرتے ہیں، جس کے راوی سیدنا ابوہریرہ ہیں۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ[2] (رواہ البخاری) ترجمہ۔ جب کوئی معاملہ (منصب یا ذمّہ داری) ایسے آدمی کے حوالے کیا جائے، جو اُس کا اہل نہ ہو، تو پھر قیامت کا انتظار کر ــــــــ گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نااہل کی

[1] بحوالہ تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، از سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، ص ۸۲، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۹ء
[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب اشراط الساعۃ، ص ۴۶۹، مطبوعہ القیومی کانپور (بھارت)

طرف تفویضِ منصب کو علاماتِ قیامت سے شمار فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ کسی کو کوئی منصب اور عہدہ سپرد کرنے سے پہلے اِس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ جسے جو منصب دیا جا رہا ہے، وہ اُس کے اہل بھی ہے یا نہیں؟ اگر کسی میں اُس منصب کی اہلیت بہ تمام وکمال پائی جاتی ہو، تو وہ منصب اُسے ہی دیا جائے چاہے وہ عُمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ بجا ہے کہ انسان کی نیّت کی اصلیّت کا حال تو خدائے بزرگ و برتر ہی بہتر جانتا ہے، مگر اپنے بندوں میں سے وہ جن کو فراستِ ایمانی اور نورِ بصیرت عطا فرما دیتا ہے، وہ نگاہیں تواضع اور انکسار کے چہرے سے آثار وعلامات پڑھ کر حقیقتِ حال کی تہہ تک پہنچ ہی جایا کرتی ہیں۔ بقولِ حضرت مولنا جلال الدین رُومی ؒ ؎

بندگانِ خاصِ علّامُ الغیُوب　　در جہانِ جاں جَوَاسیسُ القلُوب[1]

اگرچہ رواجِ عُرفی کے مطابق محض بڑا صاحبزادہ ہونے کے باعث منصبِ سجّادگی تو

---

[1] (ترجمہ) علّامُ الغیُوب (ذاتِ باری تعالیٰ) کے خاص بندے عالمِ روحانیت میں دلوں کے جاسُوس ہیں (انتہیٰ)

اِس سے مُراد وہ جاسوسی ہرگز نہیں جو اکثر ایسے نکموں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے، جو خود کو معتبر اور باخبر ثابت کرنے اور خلقِ خدا کے راز جاننے کی خاطر بعض ضمیر فروش انسانوں کو لالچ دے کر جاسوسی جیسے فعلِ رذیل کے لئے خرید لیا کرتے ہیں۔ دنیائے روحانیت کی جاسوسی کو شریعتِ مطہرہ میں فراستِ مؤمن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور فراستِ مؤمن کے سلسلے میں مشہور حدیث موجود ہے۔ لہٰذا دنیوی اُمُور کی جاسوسی کے سلسلے میں درج ذیل حدیثِ مُبارک دنیا پرست ذہنوں کو بالعموم اور خدا پرست ذہنوں کو بالخصوص ہمیشہ نظر میں رکھنی چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے، اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا

(ترجمہ) گمان سے بچو، اِس لئے کہ گمان میں جھوٹ کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور آپس میں جاسوسی نہ کیا کرو، ایک دُوسرے کے حالات اور معاملات کو نہ کُریدا کرو، آپس میں حسد نہ کیا کرو اور نہ بُغض وعناد رکھا کرو، دشمنی کی بنا پر ایک دُوسرے سے پیٹھ نہ پھیرا کرو، اللہ کے بندے اور بھائی بن کر رہو (انتہیٰ)

(دیکھئے بخاری شریف، جلدِ ثانی، باب مایُنھٰی عن التحاسد والتدابر، ص ۸۹۶ مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی، سنِ طباعت ۱۲۷۰ھ)

مل جاتا ہے، مگر اکثر مقامات پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایسے لوگوں کو مقتدر اولیائے کرام کے سجّادہ پر نہ بٹھایا جاتا تو بہتر ہوتا۔ مقصد یہ کہ ایسے لوگ صاحب خانقاہ کی محض اولاد ہوتے ہیں، اُس کی آل نہیں ہوتے، لہٰذا دُنیائے خانقاہ کے ہر اُس سجّادہ نشین کو (جو اپنے باپ دادا کے سجّادہ پر بیٹھ کر بیعت لے) محض اُس مسند پر بیٹھ جانے کی وجہ سے شیخ کی آل سمجھنا اور کہنا نہیں چاہیئے، جب تک یہ امر قرائن سے ثابت نہ ہو جائے کہ لفظِ آل سے متعلق اکابرِ اُمّت کی مذکورہ بالا تشریحات اور تعریفات کے پیشِ نظر اُسے آلِ شیخ سمجھنے اور کہنے کا بجاطور حق حاصل ہے، کیونکہ محض اندھی عقیدت سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مُریدین کی بے جا نیازمندیاں بسا اوقات پیرانِ خانقاہ کے بعض خود پسند، دُنیادار ذہن اور کم عِلم پس ماندگان کے اخلاقی زوال و انحطاط اور اُن کے افراطِ کبر کا باعث بن جاتی ہیں ؎

حلقے نہیں یہ زُلف کے، حلقے ہیں جال کے
اَے طائرِ شعُور[1]! ذرا دیکھ بھال کے

## مشائخ کی حقیقی وراثت

خُلفائے شیخ اور اولادِ شیخ کی جانشینی میں ایک بڑا اور واضح فرق یہ بھی ہے کہ خلفائے شیخ، شیخ کی صفات و فضائل، اُس کی علمی و رُوحانی خصُوصیات اور اُس کے زُہد و تقوٰی کے وارث ہوتے ہیں، شیخ کی پراپرٹی (Property) اور مادّی ملکیت کے وارث نہیں ہوتے؛ اِس لیئے کہ وہ خلفائے شیخ ہیں، اولادِ شیخ نہیں۔ اور اولادِ شیخ اگر اُس کے علمی و رُوحانی فضائل وخصُوصیات کی وارث نہ بھی ہو، جب بھی شرعاً شیخ کی جائداد کی وارث ضرور ہوگی، مگر سچ تو یہ ہے کہ انبیائے کرام کی طرح اولیائے کاملین کی حقیقی جائداد بھی اُن کے صفات و علوُم ہی ہوتے ہیں، خواص کا یہ گروہ تو جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ[2] کے خلاف ہوتا ہے، گویا مشائخ

---

[1] چونکہ یہ شعر لسانُ العصر حضرت سیّد اکبر الٰہ آبادی کا ہے، لہٰذا اُن کی رُوحِ پُرفتوح سے معذرت چاہتے ہُوئے مصرعِ ثانی میں (ہاں لے نگاہِ شوق) کی جگہ مضمون اور تلازمہ شعر کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے (اے طائرِ شعور) کا ٹکڑا بجراَت تصرّف کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ (مصنّف)

[2] القرآن ۱۰۴ : ۲

اور صوفیاء کے نزدیک مشائخ کے نام پر میسّر آنے والے دھن دولت، نذر و فتوح، جاگیریں، فلک بوس ایوان و قصور اور ساز و سامان کی کثرت اُن کی حقیقی وراثت اور پراپرٹی نہیں، اور جو افراد صرف اِنہی مذکورہ مادّی اشیاء کے وارث ہوں، وہ شیخ کے حقیقی وُرثاء نہیں ہوتے۔ شیخ کے حقیقی جانشین اور وارث وہی ہوتے ہیں، جن میں شیخ کی خصوصیات علمی و رُوحانی ہوں، چاہے مالی طور پر وہ مفلوک الحال ہی کیوں نہ ہوں۔ ہمارے ہاں کے مُروّجہ خانقاہی نظام میں اکثر و بیشتر شیخ کی پراپرٹی کا وارث ہونے کی غلط فہمی میں اُس کی اولاد کو، خواہ وہ اہل ہو یا نہ ہو، شیخ کی رُوحانی خصوصیات و فضائل کا وارث بھی سمجھا جاتا ہے، جو غلطِ محض ہے۔ اپنے آباء و اجداد کے مادّی ترکہ کے وارث و مالک ہونے میں اولاد کے لئے کسی قسم کی قابلیت و اہلیت کا حامل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ایک کروڑپتی باپ کی جائیداد (اگر اُس کی ساری اولاد نااہل ہو) پھر بھی دُنیا کے دوسرے قابل ترین انسانوں کو نہیں ملے گی، بلکہ اُسی نااہل اولاد ہی کو ملے گی۔ لیکن دنیائے رُوحانیت کا دستور، دُنیوی دستور سے بالکل مختلف ہے، اِس دنیا میں شیخِ کامل اپنے کمالات، عُلوم اور دیگر صفات و فضائل کا وارث اُسی شخص کو بناتا ہے، جو اِس کا اہل ہو یا جس کے اندر اُس کی جانشینی کی صلاحیت کے عناصر بدرجۂ اتم پائے جاتے ہوں۔ اگر مشائخ کی رُوحانیت و عُلوم اور اُن کی صفات و کمالات کی حیثیت مادّی جائیداد کی ہوتی، جسے تمام اولاد میں برابر تقسیم کر دیا جاتا تو آج تک کے تمام مشائخ کی اولاد سب کی سب غوث و قطب ہوتی۔ چونکہ یہ وراثت اور ہے اور مادّی وراثت کی حیثیت کچھ اور ہے، اِس لئے مشائخ نے اِسے مادّی جائیداد کی طرح اپنی اولاد میں تقسیم نہیں کیا، وہ اِس لئے کہ مادّی جائیداد کا وارث بننے کے لئے اولاد کا اہل ہونا شرط نہیں، مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عُلوم و کمالات اور صفات و خصائل کا وارث بننے کے لئے اہلیت شرطِ اوّلیں ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مشائخ کے سچے خُلفاء چونکہ اُن کی معنوی اولاد (یعنی آل) ہوتے ہیں، اِس لئے مشائخ اپنا سارا گراں بہا صفاتی اثاثہ اور اپنا تمام تر سرمایۂ علوم اُنہی کو سونپتے آئے اور بہت کم مشائخ کی سعادت مند اولاد اِس اثاثہ کی بھی وارث بنی، اکثر و بیشتر نے تو شیخ کے مادّی اثاثہ اور نذر و فتوح پر اکتفا کر لیا، جس پر اظہارِ فخر و مباہات اہلِ نظر کے نزدیک قرینِ دانشمندی نہیں، لہٰذا آل کا مقام اولاد سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ایسے دینی اور رُوحانی صالح اداروں اور مراکز سے

نسبی اور خُونی قرابت رکھنے والے وُرثاء کو چاہیئے کہ اپنے اسلاف کے حقیقی اثاثہ اور سرمایہ کے وارث بنیں۔ محض مادّی اثاثہ کا وارث بن جانا تو کوئی قابلِ فخر اور لائقِ امتیاز واختصاص بات نہیں۔ عُلماء اور مشائخ کی اولاد تو وہ ہیں، مگر صرف اولاد ہونے سے کام نہیں چلتا، کیونکہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تو اُن کا حقیقی بیٹا ہی تھا، چونکہ آل میں سے نہ تھا، اِس لئے یہ نسبتِ نسب اُس کے کام نہ آسکی، لہٰذا اولاد کے علاوہ آلِ شیخ یا آلِ رسول بننے کی کوشش کرنا چاہیئے، تاکہ شیروں کے کچھاروں میں شیر ہی بیٹھیں، زاغ و زغن دُور رہیں اور پھر شیر بھی حقیقی شیر، شیرِ قالین نہیں۔

## شرائطِ خلافت

وہ مشائخ اور صُوفیاء، جو خلافت و نیابت کی غرض و غایت اور اِن کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہوتے ہیں، وہ عرصہ دراز کی جانچ پرکھ کے بعد مُریدین میں سے بعض مخصوص اور اہل افراد کو اِس رُوحانی اعزاز و منصب سے نوازتے ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ سلف کا یہی دستور اور طرزِ عمل رہا ہے۔ چنانچہ علماء و مشائخ کی خلافت کی اہم اور اوّلین شرط یہ ہے کہ خلیفہ علومِ دینیہ میں دستگاہِ کامل رکھنے کے ساتھ ساتھ جامعِ معقول و منقول بھی ہو۔ اِس سلسلے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: —

"خلافت کے لئے جو لوگ منتخب کئے جاتے تھے، وُہ عُلومِ ظاہری میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کا ایک یہ محکم اُصول تھا کہ وہ کبھی ایسے شخص کو خلافت نہ دیتے تھے، جس نے عُلومِ ظاہری کی تکمیل نہ کرلی ہو، اِس پابندی میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ ایک بے علم انسان نہ تو خود تصوّف کے اسرار کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک حاذق طبیب کی طرح امراضِ ملّت کی صحیح تشخیص اور علاج کرسکتا ہے[1]"۔ اِسی صفحہ کے حاشیہ میں مزید لکھتے ہیں:۔ بابا فریدؒ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے کسی ایسے شخص کو خلافت نہیں دی، جو صاحبِ علم نہ ہو۔ اخی سراجؒ، حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے عزیز ترین مُریدین میں سے تھے، لیکن شیخؒ نے اُن کو اُس وقت تک خلافت عطا نہ فرمائی، جب تک اُنہوں نے علومِ ظاہری کی تکمیل نہ کرلی[2]"۔ اِسی طرح حضرت

---

[1] دیکھئے تاریخِ مشائخِ چشت، از خلیق احمد نظامی، ص ۲۷۵، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی

[2] ایضاً

پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہٗ بھی مشائخ اور صوفیاء کے لئے علومِ ظاہری کی تکمیل کو لازمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ "اگلے زمانہ میں لوگ پہلے علومِ ظاہری حاصل کرتے تھے اور اُن میں دستگاہِ کامل حاصل کرنے کے بعد پھر بغلبۂ حال صُوفی ہوتے تھے، اسی طرح اُن کی روش شیطانی وسوسہ سے پاک ہوتی تھی، لیکن اب لوگ بباعثِ کوتاہ ہمتی شروع سے صُوفی بن جاتے ہیں اور یہی بات بہت سی خرابیوں کا مبدا ہے۔"[1] یعنی ایک سالک کے لئے پہلے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ عرصۂ دراز تک ریاضت و عبادت اور تزکیۂ نفس کے صبر آزما مراحل سے گزرے، پھر یہ کہ اُس کے دل میں منصبِ خلافت کے حصُول کی خواہش نہ ہو، گویا وہ یہ سب کچھ محض اپنی تعمیرِ ذات اور خالصتاً رضائے حق کے لئے اختیار کرے، اگر یہ تمام مقامات و مراحل طے کرنے کے بعد شیخ اُسے اپنی خلافت کا اہل سمجھتے ہوئے خلافت سے سرفراز فرمائے، تو اُسے اپنی اہلیت و قابلیت کا نتیجہ نہ سمجھے، بلکہ محض فضلِ ربّانی اور عطائے شیخ تصوّر کرے، مگر اب اِن شرائط کا پاس کسے رہا۔ میں نے جدِّ امجد حضرت قبلہ سیّد غلام محی الدین (المعروف بابوجی) قدس سرہٗ کو اکثر یہ فرماتے سُنا کہ مجھے پیری مُریدی کا کوئی شوق نہیں اور میں خود کو اس منصبِ جلیلہ کے لائق ہرگز نہیں سمجھتا، محض اپنے شیخ اور والدِ بزرگوار حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہٗ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہُوں۔ یہ بات اُنہوں نے صرف کہہ دینے کی حد تک ہی نہیں کہی، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے اُنہیں قریب سے دیکھا، اگر عقیدت سے ہٹ کر بھی اُن سے خدا لگتی بات پُوچھی جائے، تو یقیناً وہ یک زبان ہو کر کہیں گے کہ واقعی اُن کی ساری زندگی اور اُن کا اندازِ حیات اپنے اِس قول کی عملی تفسیر تھا۔ اگر ایسے لوگ (جن کی اہلیتِ خلافت ایک امرِ محقّق ہو) اپنے لئے اِس قسم کے منکسرانہ الفاظ استعمال کریں، تو اِس سے اکابرِ اُمّت کی جانشینی و خلافت کی اہمیت اور اِس کی ذمّہ داریوں کی دشواریوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اِس سلسلے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی، حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت محبوبِ الٰہی سے دریافت کیا کہ خلافت کے لئے کن اوصاف کی ضرورت ہے تو شیخ نے فرمایا: اوصافِ ایں کار بسیار است۔ فامّا در آں ایام کہ خواجۂ من، مرا بدولتِ

---

[1] دیکھئے ملفوظاتِ مہریہ (اُردو) ملفوظ ۱۳۲، ص ۱۰۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۶ء

خلافت رسانید۔ روزے مراگفت: باری تعالیٰ ترا علم وعقل وعشق دادہ است وہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد، از وخلافتِ مشائخ نیکو آید۔" (ترجمہ) اس کام کے لئے بہت سے اوصاف درکار ہیں لیکن جس زمانہ میں میرے شیخ (حضرت فرید الدین گنج شکرؒ) نے مجھے اپنی دولتِ خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، ایک دن آپ مجھ سے فرمانے لگے کہ خدا نے تجھے علم، عقل اور عشق تینوں چیزیں عنایت فرمائی ہیں اور جو شخص ان تینوں صفات سے موصوف ہو، وہ مشائخ کی خلافت کے لائق ہوتا ہے۔ (انتہیٰ) مقصد یہ کہ مشائخ چشت نے اپنے خُلفا کو ریاضت وعبادت کے جن صبر آزما مراحل سے گزارا، نتیجتاً اُن میں سے کوئی ہندالولیؒ، کوئی بوعلیؒ اور کوئی مہرعلیؒ بن کر نکلا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ اب ایسا کوئی دانائے راز نظر نہیں آتا۔ علامہ اقبالؒ نے سچ ہی تو فرمایا تھا ؎

عُمرہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برُوں

ترجمہ۔ زندگی عرصہ دراز تک کعبہ و بُت خانہ میں گریہ زاری کرتی رہتی ہے، تب کہیں بزم عشق ومستی سے ایک دانائے راز قدم باہر رکھتا ہے۔

دورِ حاضر میں کسی خود آگاہ، دانائے راز اور معارف دستگاہ کی نایابی کی دیگر وُجوہ میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اوّل تو آج کے اِس مادّی ترقی پسند دَور میں کسی طالبِ صادق کا ملنا ہی دشوار ہے اور اگر کوئی ہے بھی تو وہ اِس کشاکشِ روزگار سے دامن بچا کر گوشۂ عُزلت وگمنامی میں فروکش ہے۔ جیسے دُنیا میں رہتے ہوتے کوئی دُنیا سے بیزار و بیگانہ بن گیا ہو۔ ع بازار میں بیٹھا ہے، مگر گوشہ نشیں ہے

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ، جو مفہومِ خلافت سے یکسر نابلد ہیں۔ علم وفضل، ریاضت وعبادت اور دیگر لوازمِ سلُوک سے عاری وبے بہرہ ہر قسم کے ایرے غیرے کو اِس بے دردی سے خلافتیں عطا کر دیتے ہیں کہ دیکھ سُن کر حد درجہ حیرت ہوتی ہے، حالانکہ مشائخ سَلَف کے لئے مشہور ہے کہ ع بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ، مشائخ چشت کے اندازِ تربیت اور عطائے خلافت پر تبصرہ کرتے ہوتے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ

---

[1] دیکھئے تاریخِ مشائخ چشت، ص ۲۷۷، مطبوعہ کراچی

مشائخ اپنے خلفاء میں مکارمِ اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش فرماتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء مہر و محبت، عجز و انکسار، ہمدردی و خلوص کی جیتی جاگتی تصویر ہوں [1]۔ مگر دورِ حاضر کے بعض جاہل صُوفیا نے سلف کے اِس معیار کو اپنی عجلت پسندیوں اور بے جا نوازشوں کی نذر کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلاف، باطن کو ظاہر پر ترجیح دیتے تھے، جب کہ آج کل ظاہر کو باطن پر ترجیح دی جاتی ہے۔ وہ کسی لمبے چوڑے تکلف اور اہتمام کے بغیر خلافت سے سرفراز فرمادیا کرتے تھے، لیکن اب اِن اُمور میں بعض غیر ضروری تکلفات سے کام لیا جاتا ہے۔ مشائخ سلف کے خلفاء پر خلافت ناز کرتی تھی اور اب خلفاء صرف اپنی خلافت پہ ناز کرتے ہیں۔

؎ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

مخصوص لباس اور مخصوص وضع قطع فی نفسہٖ کوئی بُری چیز نہیں، لیکن اِتنی بات ضرور ہے کہ جو لوگ عُلماء و مشائخ کے لباس اور اُن کی مخصوص وضع قطع کو اپنائیں، اُن میں کچھ نہ کچھ اُن کے فضائل و خصائص اور اُن کی رُوحانی و علمی اقدار کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص علمی اور رُوحانی کمالات سے محرومی کے باوصف عوام کو صرف مرعوب و متوجہ کرنے کی خاطر ایسا کرتا ہے تو اُس کا یہ عمل نہ صرف ریاکارانہ ہوگا، بلکہ اربابِ علم و فضل سے استہزاً کے مترادف ہوگا۔ ظاہر ہے کہ انسان صرف قیمتی لباس پہننے اور ظاہری ٹھاٹ باٹ سے عظیم نہیں بن سکتا؛ اِس لئے کہ انسانی عظمتیں جُبّہ و دستار اور مخصوص وضع قطع کی پابند نہیں۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

مَردے کہ ہیچ جامہ ندارد باتفاق ‏‏‏‏‏ بہتر ز جامۂ کہ درو ہیچ مَرد نیست

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص صاحبِ فضل و کمال اور مردِ خدا ہونے کے باوجود، گردشِ زمانہ اور تقلباتِ روزگار کی بنا پر قیمتی پوشاک سے محروم ہے، اُس کا مرتبہ و مقام اُن قیمتی اور زرق برق پوشاکوں سے لاکھ درجے بلند ہے، جن کے اندر پوشیدہ جسم میں کوئی فضیلت، کوئی خوبی اور کوئی جوہرِ مردانگی موجود نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو قیمتی پوشاک زیبِ تن کرنے کے ساتھ ساتھ مردانگی کے جوہر بھی عطا کر دیئے ہوں تو بے شک اُس کا معاملہ نورٌ علیٰ نور ہوگا اور اگر قیمتی کپڑوں میں ملبوس جسم، خصوصیات اور کمالات سے عاری ہے تو پھر اُس کے

---

[1] دیکھئے تاریخ مشائخ چشت، ص ۲۸۳، مطبوعہ کراچی

قیمتی لباس اور مخصوص وضع قطع کو سادہ لوح عوام کو فریب دینے اور اُنہیں صرف مرعُوب ومتوجّہ کرنے کا ایک نہایت اوچھا حربہ تصوّر کیا جائے گا۔ بالخصوص دَورِ حاضر میں ایسے بے شمار لوگ نظر سے گزرتے ہیں، جن کی ظاہری وجاہت، ٹھاٹ باٹ اور قیمتی پوشاک دیکھنے والا ایک مرتبہ تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، مگر اُن میں سے کسی ایک کو جب علم وفضل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو سابقہ تاثرات پر یکدم پانی پھر جاتا ہے۔

بہ سلسلۂ لباس حضرتِ بیدلؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

زتشریفِ جہاں بیدلؔ بہ عُریانی قناعت کُن
کہ گُل اِیں جا ہمیں یک جامہ می یابد پس از سالے

ترجمہ۔ اے بیدلؔ! دُنیا کے قیمتی لباس کی نسبت عُریانی پر قناعت کر، اِس لیئے کہ ہستی کے اِس گلشن میں پھُول کو ایک سال بعد کپڑوں کا یہی ایک جوڑا دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا قیمتی پوشاک کے حصُول میں پریشان رہنا اُس کے شایانِ شان نہیں، قُدرت اُسے جس حال میں رکھے، اُسے اُس پر قناعت کرنی چاہیئے، اِس لیئے کہ پھُول، جس کے دم قدم سے گلزار میں بہار سامانی ہوتی ہے اور بُلبل جس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے، فطرت اُسے بھی سال بھر میں ایک ہی جوڑا برگِ گُل کی صورت میں عطا کرتی ہے اور وہ (پھُول) اسی پر قناعت کرتا ہے۔

مُعترضین، مشائخ پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ جو مُرید دس پندرہ نئے آدمی پھانس کر لائے، اُسے بھی انعام میں خلافت دے دی جاتی ہے، گویا مُعترضین کا مقصد یہ ہے کہ مشائخ اپنے ساتھ نئے آدمی لانے والوں کو خلافت اُن کے کمیشن میں دیا کرتے ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ ایسا عمل جو مشائخ کرتے ہوں گے، اِس کے جواب دہ بھی وہی ہو سکتے ہیں۔ بحمداللہ وہ حقیقی مشائخ جن کو قُدرت نے دولتِ سیرچشمی سے نوازا ہے، ایسے گھٹیا حربوں کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، بلکہ بعض اوقات تو وہ آنے والے کو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم گنہ گار انسان ہیں، کسی اور اچھے انسان کی تلاش کرکے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ مگر یہ وہی لوگ کہتے اور کہہ سکتے ہیں، جو پیری اور مُریدی کے مقام ومنصب کی اہمیت سے واقف ہوں، جو لوگ پیری مُریدی کو محض دُکانداری کے طور پر چلانے کے قائل ہوں، وہ تو اُلٹا مُریدوں کو اپنی عظمت وشان باور کرانے کے درپے ہوتے ہیں۔ جو باشعُور، اِس قماش کے جاہل صُوفیوں اور مصنوعی مشائخ کو محفلیں گرم کیئے ہوئے دیکھ لیتا ہے، پکار اُٹھتا ہے ؎

کس شان سے شیخ خود نما بیٹھا ہے  سچ مچ کوئی سمجھے کہ خدا بیٹھا ہے
صورت میں ہے بایزیدؒ سیرت میں یزید  چمڑے پہ ہرن کے بھیڑیا بیٹھا ہے
(امجد حیدر آبادیؒ)

ایک صاحب، جن میں اتفاق سے استعدادِ خلافت قطعاً نہیں تھی، تصوّف پر گفتگو کرتے کرتے کہنے لگے کہ جب کبھی مجھے اپنی ریاضات وعبادات کا خیال آتا ہے تو میں اکثر سوچتا ہوں کہ مجھے آج تک کسی درگاہ سے سندِ خلافت کیوں عطا نہیں ہوئی؟ حالانکہ میں یہ آرزو لے کر کئی درگاہوں پر بھی گیا۔ میں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص حصولِ خلافت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے اور پھر اس کی آرزو بھی، وہ صُوفیائے کامل کے نزدیک مستحقِ خلافت ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ ؎

عذابِ دوزخ کے ڈر سے توبہ، یہ بہرِ حُور و قصُور سجدے
یہ تیری اُجرت طلب عبادت، حقیقتاً بندگی نہیں ہے

دوسری بات یہ کہ آپ کسی درگاہ سے خلافت نہ ملنے کے سبب اِس قدر مایوس اور کبیدہ خاطر کیوں ہیں؟ مَیں آپ کی خلافت کی سند قرآنِ مجید سے پیش کر دیتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ چونک اُٹھے اور کہا وُہ کیسے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1] کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ کیا آپ انسان نہیں؟ کہنے لگے: بے شک انسان ہُوں۔ میں نے کہا: پھر جائیے اور یہ آیت پڑھ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیجئے۔ پیروں فقیروں کی خلافت کا لوگ انکار بھی کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ کوئی منصُوص چیز نہیں، مگر وہ خلافت تو ایسی ہے کہ جو اُس کا انکار کرے گا، وُہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجنے کا اعلان فرما رہا ہے اور آپ ہیں کہ خلافتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر اپنے جیسے بندوں سے طالبِ خلافت ہیں۔

؎ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

وہ پہلے تو یہ باتیں سُن کر بڑے خوش ہوتے، مگر جب ذرا غور و فکر سے کام لیا تو اُن کے دل میں رہ رہ کر انگڑائیاں لینے والا مستُور جذبۂ خلافت سرد ہو گیا۔ یہ تو خیر اُن کی عقل کے

---

[1] القرآن ۲: ۳۰

مطابق اُن کا جواب تھا، لیکن اِتنی بات ضرور ہے کہ جو لوگ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً والی منصوص[1] خلافت کے مقتضیات کو بہ تمام وکمال پُورا کر لیتے ہیں، اُن کے دل میں انسان کی خلافت کا نہ تو کوئی شوق رہتا ہے اور نہ وہ اِس کی کوئی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ وہ لوگ حضرتِ علامہؒ اقبالؒ کی زبان میں ایسے ہوتے ہیں ؎

خاکی و نُوری نہاد، بندۂ مولا صفات　　ہر دو جہاں سے غنی اُس کا دلِ بے نیاز
اُس کی اُمیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل　　اُس کی ادا دلفریب، اُس کی نگہ دلنواز

شاید مذکورہ منصوص خلافتِ الٰہیہ کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے امجد حیدر آبادیؒ نے ایک رُباعی کہی تھی، جس میں انسان اپنے خالق و مالک سے مخاطب ہو کر عرض کرتا ہے ؎

اِس سینے میں کائنات رکھ لی میں نے　　کیا ذکرِ صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی　　سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی میں نے

چونکہ مذکورہ خلافتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا اور اِس منصب سے عہدہ برآ ہونا، عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا اِس خلافتِ مخصوصہ کے اوّل ترین مصداق انبیاً علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ اور پھر تبعاً اولیاء اللہ کے نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی انسان میں براہِ راست خلافتِ خداوندی کے حقوق کے پُورا کرنے کی اہلیت اور فہم نہیں تو اُسے چاہیئے کہ وہ کم از کم اُن عُرفائے اُمّت کی خلافت کا اہل تو بنے، جن کے نفوسِ قدسیہ خلافتِ الٰہیہ کے مظہرِ اتم ہیں۔ کیونکہ اگر ؎

بر نتابی جلوہ اَش عکسِ جمالش را بیاب
چُوں بہ احمد گُم شدی، دیدِ احد دُشوار نیست　　(راقم الحروف)

---

[1] اِس خلافتِ منصوصہ کا اطلاق آدم علیہ السّلام کے علاوہ ہر انسانِ کامل پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی عراق علامہ آلوسی بغدادیؒ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے تحت لکھتے ہیں، ولو تنزل تلك الخلافة فى الانسانِ الكاملِ الى قيامِ الساعةِ وساعةِ القيامِ بل متى فارقَ هذا الانسانُ العالمَ مات العالمُ لانّه الروحُ الذى به قوامُهُ (ترجمہ) اور وہ خلافت انسانِ کامل میں تا قیامِ قیامت قائم رہے گی، بلکہ جب یہ انسانِ کامل جہان سے جدا ہوگا تو جہان مر جائے گا، کیونکہ وہ انسانِ کامل ایسی رُوح ہے، جس سے جہان قائم ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر رُوح المعانی، جلد اوّل، ص ۲۲۰، ۲۲۱، مطبوعہ مصر)

یعنی اگر تجھ میں براہِ راست جلوۂ خداوندی دیکھنے کی تاب نہیں تو اُس کے عکسِ جمال کو پالینے کی کوشش کر، اگر تُو ذاتِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں گم ہوجائے تو پھر تیرے لئے احَد (ایک) کا دیدار کرلینا مشکل نہیں ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اولیائے اُمّت کی خلافتوں کا سلسلہ آخر الامر جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مُقدسہ ہی پر منتہی ہوتا ہے، گویا یہ لوگ ذاتِ احمد میں گم ہیں اور انسان اُن کی ذات میں گم ہوجاتے۔ کسی نے خوب کہا ہے

رہے ہیں اِس لئے ہم اللہ والوں کی خوشامد میں
کہ احمد اِن میں ہیں اور یہ فنا ہیں ذاتِ احمد میں

کڑیوں کے درمیانی فاصلوں پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے، یہ بے شک دُور سہی، مگر مقامات کی سرحدیں تمام کی تمام ایک ہی مقام پر جاکر ملتی ہیں۔ بقولِ عارفِ رُومیؒ ؎

ایں چنیں تاصد چراغ ارنقل شُد دیدنِ آخر لقائے اصل شُد

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کردیئے جائیں تو سب سے آخر میں روشن ہونے والے چراغ کو دیکھنا، حقیقت میں اُسی چراغ کو دیکھنے کے مُترادف ہوگا، جس سے وُہ سارے چراغ روشن ہوتے۔ یعنی اگر ایک چراغ میں تقسیمِ نُور کے بعد ذرّہ بھر نہ کمی واقع ہوتی اور نہ محسوس ہوتی ہے، تو اُس نُورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغِ ذات میں کیونکر کمی واقع ہوسکتی ہے، جس سے شمس و قمر اور نجوم تک نے اپنے چراغ روشن کئے اور جو ذاتِ جلیلہ درج ذیل شعر کی مصداقِ اتم ہے ؎

بیش از آنست در آئینۂ من مایۂ نُور
کہ بہر ذرّہ دو خورشید نمایم تقسیم (بیدلؒ)

ترجمہ۔ اگر میں کائنات کے ہر ذرّے میں دو دو سورج بھی تقسیم کروں، تب بھی میرے آئینے میں نُور کی بُونجی باقی رہے گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مشائخ کو عطائے خلافت میں جلد بازی اور عجلت سے کام نہیں لینا چاہیئے، اِس لئے کہ جو لوگ عجلت پسندی کے نتیجہ میں خلیفہ بنا دیئے جاتے ہیں، وہ مقامِ خلافت سے ناآشنائی اور اپنی ناپختگی کے سبب پیری مُریدی جیسے پاکیزہ مشن کو محض دکانداری سمجھ کر سادہ لوح عوام کو لُوٹتے اور ہدایت کے بجائے اُلٹا گمراہی پھیلاتے ہیں۔ مشائخِ سلف کے

معیار کے مطابق جب تک اُن کی ذات میں یہ صفات پیدا نہ ہوں کہ مُصیبت زدہ غریب اُن کی طرف دیکھے تو اِس کے دل پہ چھایا سا لگ جائے، بات کرنے لگیں تو ایسا محسوس ہو گویا پھُولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے، لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے اور دنیا کی کوئی طاقت اُس کو خوف زدہ نہ کر سکے[1] اُس وقت تک عطائے خلافت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اِن صفات کے بغیر خلافتوں کی تقسیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالفین ایسے جعلی پیروں اور پیری مُریدی کو بطورِ کاروبار استعمال کرنے والوں کی کارستانیوں کو ہوا دے کر سطحی شعور و علم رکھنے والے عوام کے دلوں میں اولیائے کاملین، اُن کی پاکیزہ خانقاہوں اور اُن کے حقیقی تصوّف کے خلاف نفرت، بدظنی اور شکوک و شبہات کا زہر گھولنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پیرِ رُومیؒ نے ایسے جعلی اور نقلی مشائخ کے متعلق فرمایا تھا ؎

اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست		پس بہر دستے نباید داد دست

ترجمہ۔ چونکہ دُنیا میں انسان نُما ابلیس بہت ہیں، لہٰذا انسان کو بلا تأمّل ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے، حضرتِ رُومیؒ کا مقصد یہ ہے کہ حصُولِ یقین کے بعد کسی شیخِ کامل کا ہاتھ پکڑنا چاہیئے، ایسا ہاتھ جو بقولِ علّامہ اقبالؒ ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ		غالب و کار آفریں، کار کُشا، کارساز

کہلانے کا مستحق ہو۔ جو لوگ محض دیکھا دیکھی اور عجلت سے کام لیتے ہوئے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں، اُنہیں بعد میں پشیمانی کا مُنہ دیکھنا پڑتا ہے۔

مخالفین و معترضین کی تصوّف اور خانقاہ دشمنی کے روگ کا ہمارے پاس کوئی مُستقل اور مُجرّب علاج تو موجود نہیں، البتّہ بارگاہِ مُجیبُ الدّعوات میں اُن کے حق میں یہ دُعا ضرور کر سکتے ہیں کہ رَبُّ العزّت اُنہیں اصلی اور نقلی پیروں میں تمیز کرنے کا کچھ شعُور عطا فرمائے تاکہ وہ تادمِ مرگ اچھوں بُروں کو بلا امتیاز ایک ہی حکم کی لاٹھی سے نہ ہانکتے رہیں۔ اگر خانقاہ اور تصوّف کے دُشمن اِتنا ہی سوچ لیں کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمیّتِ منصُوصہ کے باوجود آپ کے عہدِ مقدّس سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک سینکڑوں جھُوٹے مدّعیانِ نبوّت پیدا

---

[1] دیکھیئے تاریخِ مشائخِ چشت، از خلیق احمد نظامی، ص ۲۸۲ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی
[2] علّامہ اقبالؒ نے اپنے عہد کے ایمان سوز فتنوں کا رونا روتے ہوئے کہا تھا کہ (باقی برصفحۂ آئندہ)

ہوتے رہے تو کیا جھوٹے پیر، جعلی اور شعبدہ باز قسم کے مشائخ اور جاہل مدّعیانِ ولایت وعرفان پیدا نہیں ہو سکتے؟ جب کہ پیری مُریدی کوئی منصوص چیز بھی نہیں، لہٰذا تصوّف اور خانقاہوں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ع حصرِ ما پیغمبرے ہم آفرید، مطلب یہ کہ اور تو اور، ہمارے دَور نے ایک جھوٹا پیغمبر بھی پیدا کر ڈالا! اِس سے اُن کا اشارہ فتنۂ مرزائیت کی طرف تھا، جو اسلام کے خلاف برطانوی سامراج کی ایک پُر اسرار اور خطرناک سازش تھی۔ مرزا کے دعویٰ نبوّت نے برِصغیر ہند کے اسلامی معاشرہ میں ایک تہلکہ مچا دیا، کئی ظاہر بیں مسلمان دانشور اور عُلما، اُس کے دامِ تزویر میں پھنسنا شروع ہو گئے، جب اُس کے خرافات کا پانی سر سے گزرنے لگا اور وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہوتی نظر آئی تو عُلما کی درخواست پر حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرّہ نے "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح" لکھ کر اُس کی گستاخ اور بے باک زبان میں لگام ڈالی، جس سے مرزا یہ بھانپ گیا کہ برِصغیر میں اُس کی نبوّت کو سب سے بڑا خطرہ پیر صاحبؒ گولڑہ شریف سے ہے، چنانچہ بوکھلاہٹ میں اُس نے تحریری مناظرہ کا چیلنج کر دیا اور اپنی طرف سے دس شرائط مقرّر کر کے بذریعۂ اشتہار حضرت پیر صاحبؒ کو مطلع کیا، جس کی نقول ہندوستان بھر کے علما کو بھی گئیں۔ آپؒ نے تمام شرائط قبول کرتے ہوئے چیلنج منظور کر لیا اور اپنی طرف سے یہ واحد تجویز پیش کی کہ تحریری مناظرہ کے ساتھ ساتھ مناسب ہوگا کہ تقریری مناظرہ بھی ہو جائے تاکہ ہر فریق کو مسلمانوں کے معقول مجمع میں اپنی حقانیت ثابت کرنے کا موقع مل سکے۔ بالخصوص متنبّیِ قادیاں کے لئے تو مسلمانوں پر اتمامِ حجّت کا اِس سے بہتر موقع کب میسّر آسکتا تھا۔ مقابلۂ تفسیر نویسی کی تاریخ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور طے پائی۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کم و بیش پچاس (۵۰) عُلما کی معیّت میں لاہور تشریف لے گئے۔ ۲۴۔ اگست گولڑہ شریف سے روانگی کے وقت بذریعہ تار متنبّیِ قادیاں کو مطلع کیا گیا اور پھر لالہ موسیٰ جنکشن سے بھی تار دے کر لاہور پہنچنے کی خبر پہنچائی گئی۔ لاہور پہنچنے پر زندہ دلانِ لاہور نے والہانہ استقبال کیا، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ریلوے سٹیشن پر موجود تھا، جو جلوس کی شکل میں آپ کو قیام گاہ تک لے جانا چاہتا تھا، مگر آپؒ نے پسند نہ فرمایا۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا اہتمام برکت علی محمڈن ہال میں کیا گیا اور تحریری مناظرہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ ایک مرتبہ شاہی مسجد لاہور میں تبرکات کی زیارت کے لئے جب حاضری ہوئی تو مجھے بتایا گیا کہ اِس تاریخی معرکہ کا ایک چشم دید گواہ اب بھی ایک نواحی بستی میں موجود ہے۔ میں شوقِ ملاقات میں جب وہاں پہنچا تو سو (۱۰۰) سے کافی متجاوز ایک نحیف البدن اور طویل العمر بابا سے ملاقات ہوئی (باقی برصفحہ آئندہ)

کے خلاف زہر اُگلنے اور خُدا واسطے کا بَیر رکھنے والوں اور جلیل القدر عُرفائے اُمّت کے حق میں گُستاخ زبان استعمال کرنے والوں کو درج ذیل شعر ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیئے ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

ترجمہ۔ کائنات میں ہر موجود شے کا اپنا ایک الگ مرتبہ اور مقام ہے، لہٰذا جو شخص فرقِ مراتب

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) جس نے میرے استفسار پر بتایا کہ میں اُس وقت گبھرو تھا، جب آپ کے پردادا مناظرہ کے لئے یہاں آئے تھے۔ ہجومِ خلق اور موسمی کیفیت کے باعث آپ مسجد سے باہر منٹو پارک میں بھی تشریف رکھتے تھے؛ جو پُرجوش ہجوم اُن ایام میں یہاں دیکھنے میں آیا، اُس کی مثال پھر زندگی بھر دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ مُلک کے کونہ کونہ سے فرزندانِ توحید لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔ درویش، عُلماء ومشائخ اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے دُور و نزدیک سے جمع ہوتے گئے۔ لاہور کی سرائیں، مہمان خانے، مساجد، ہوٹل اور گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ جب نواحی بستیوں سے بھری ہوئی گاڑیاں لاہور پہنچنے لگیں تو لاہور کے بازاروں میں میلے کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ حضرت پیر صاحبؒ جیسی عظیم علمی و رُوحانی شخصیت اسلام پر قادیانی حملوں کے دفاع کے لئے میدان میں اُتر آئی تھی، اِس لئے مسلمان اِس صدی کے سب سے بڑے اشتہاری معرکۃُ الآرا مناظرہ کا انجام بچشمِ خود دیکھنا چاہتے تھے۔" بابا کا یہ بیان سُن کر مجھے خیال گزرا کہ منٹو پارک، جہاں چالیس سال بعد قراردادِ پاکستان منظور ہونا تھی، جس کی فضاؤں میں مینارِ پاکستان بلند ہونا تھا اور اِسے یادگار بنایا جانا تھا، اُس جگہ کو قُدرت نے پہلے ہی فتحِ ختمِ نبوّت سے سرفراز فرما دیا۔ بابا کی اِس روایت کے مطابق اِس معرکۃُ الآرا مناظرہ کے لئے یہ مقام بھی متعین ہونا بتایا گیا ہے۔ کاش کہ یہاں تعمیر ہونے والا مینار، مینارِ ختمِ نبوّت کہلاتا۔ بہرحال حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ وقتِ مقررہ پر مع رُفقاء مقامِ مناظرہ پر پہنچ گئے؛ مگر مرزا کو نہ آنا تھا، نہ آیا۔ قادیانی زُعماء کی بھاگ دوڑ اور انتہائی کوشش کے باوجود متنبّیٔ قادیاں حاضر نہ ہوا۔ آپؒ دو چار روز تک لاہور انتظار فرماتے رہے اور پھر بذاتِ خُود قادیان جانے کا قصد فرمایا، لیکن رُفقاء کے شدید اصرار پر ارادہ ترک کر دیا۔

بالآخر ۲۔ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ مُنعقد ہوا، جس میں عُلمائے دعوتِ مناظرہ کی مکمّل تفصیلات بیان کرتے ہوئے قادیانی دجل و فریب کے پردے چاک کر دیئے اور اِس طرح قادیانی متنبّی کو مُنہ کی کھانا پڑی۔ لاہور سے آپؒ کی واپسی کے بعد قادیانی متنبّی نے یکسر خفّت مٹانا چاہی کہ پیر صاحب کے ہمراہ جاہل سرحدی پٹھانوں کی کثیر تعداد موجود تھی، جو مجھے واجبُ القتل (باقی بر صفحۂ آئندہ)

کئے بغیر ہر موجود شے پر یکساں حکم لگائے، وہ بے دین اور زندیق انسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اشیاء و اجسام کی ظاہری یکسانیت و مماثلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، سب پر یکساں حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرّہٗ نے ایک بڑی عام فہم مثال سے اِس فرق کو یوں سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ آید در نوشتن شیر و شِیر
شیر آں باشد کہ مردم را دَرَد — شِیر آں باشد کہ مردم می خورد

ترجمہ۔ مقبولانِ خُدا کے اعمال کا قیاس اپنے اعمال پر نہ کر، اس لئے کہ لفظِ شیر اور شِیر کی مکتوبی شکل اگرچہ ایک جیسی ہے، مگر معنوی فرق بہت بڑا ہے۔ شیر وُہ درندہ ہے جو انسانوں کو کھاتا ہے اور شِیر (دودھ) وہ لطیف غذا ہے، جسے انسان کھاتے ہیں۔

بہرحال یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ قدرت عُرفائے اُمّت اور نابغۂ روزگار شخصیات کو جن خصُوصیات سے نوازتی ہے، وہ عوامُ النّاس کے حصّے میں نہیں آتیں، اِس لئے کہ خواص کو عوام سے مُمتاز کرنے میں یہی خصُوصیات ہی حدِّ فاصل کا کام کرتی ہیں۔ راقم الحروف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سمجھتے ہُوئے ٹھکانے لگانے کے درپے تھی، اِس لئے ایسی صورت میں وہاں جانا مناسب نہیں تھا۔ اُس دُزدِ دلاور کا کیا کہنا، جس کے ہاتھ میں چراغ ہو۔ آپؒ کی واپسی کے بعد مرزا نے اپنی شکستِ فاش کے اعتراف کے بجائے حضرتؒ کو میدان سے بھاگ جانے والا کہا اور اعجاز المسیح کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی، جس سے اُس کی عربی دانی اور الہامی زبان کا سارا پول کھُل گیا اور نبوت و مہدویت کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت واضح ہوگئی۔ اِس کے جواب میں حضرت قبلہ گولڑوی ؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب سیفِ چشتیائی تصنیف فرمائی، جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی اور مُلک کے طُول و عرض کے عُلماء سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ آج تک اِس کا جواب نہیں دیا جاسکا، اِسی نے مرزائی فتنے کا سدِّ باب کیا۔ اِس طرح معرکۂ ختمِ نبوّت سب سے پہلے حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ نے سر کیا اور یہ بات میں نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں کہہ رہا، بلکہ ایک واضح تاریخی حقیقت ہے، جس کا اظہار کر رہا ہُوں، مگر حیرت ہوتی ہے کہ یار لوگ اپنے اپنے اکابر کو فاتحِ قادیان اور نہ معلوم کن کن القاب سے نوازتے ہیں۔ فتنۂ مرزائیت اور اس کے سدِّ باب کے ضمن میں حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے کردار کی پوری تفصیلات مہرِ منیر کے فصلِ پنجم میں موجود ہیں، جن کے مطالعہ سے صحیح صورتِ حال سامنے آجاتی ہے۔

نے ایک رُباعی میں یہی مفہوم کچھ یوں بیان کیا ہے ؎

تمکینِ ادب، بہرزہ گاماں ندہند ذوقِ طلبِ عشق، بہ خاماں ندہند
گر دَیر گزیں شوی، وگر کعبہ نشیں سرمستیٔ عارفاں، بہ عاماں ندہند

ترجمہ۔ادب کی تمکنت بے راہ رَو لوگوں کو نہیں دیتے اور عشق کی طلب کا ذوق خام طبع افراد کو نہیں دیا جاتا، لہٰذا تو بُت خانے میں جا بیٹھ یا کعبۃُ اللہ میں، عارفانِ اُمّت کی سرمستی اور وجدان عام لوگوں کو نہیں مل سکتا۔

میں ایک اور مثال عرض کروں کہ بہن اور بیوی میں نسوانیت قدرِ مُشترک ہے اور بظاہر نسوانیت کے اشتراک کے اعتبار سے تمام عورتیں ایک ہی حکم کے تحت آنی چاہئیں، مگر محض عورت ہونے کی بنا پر ماں، بہن اور بیوی کے مراتب کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی مسلمان اِن پر یکساں حُکم نہیں لگا سکتا، بلکہ اُسے ہمیشہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھنا ہوگا، لہٰذا جس طرح بہن اور بیوی میں نسوانیت کی معنوی مُماثلت اور قدرِ اشتراک کے باوصف دونوں کے مراتب و احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اِسی طرح پیری و مشیخت کی معنوی مُماثلت اور قدرِ اشتراک کے باوجود اصلی اور نقلی مشائخ کے مراتب و احکام کے فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری امر ہے۔ اُمید ہے کہ معترضینِ تصوّف اور مخالفینِ مشائخ، مذکورہ بالا مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے، اصلی اور نقلی تصوّف اور حقیقی و مصنوعی مشائخ کے اِس واضح فرق اور حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیں گے اور سارے نظامِ تصوّف پر ایک ہی حکم لگانے سے اجتناب کریں گے۔

## دَورِ حاضر کا معیارِ فضیلت

یہ درست ہے کہ دورِ حاضر کا معیارِ فضیلت بدل گیا ہے، پہلے لوگ انسانوں کو اُن کی ذاتی قابلیت اور علم و فن کے حوالوں سے جانتے اور عزت کیا کرتے تھے، چاہے وہ غریب اور نادار ہی کیوں نہ ہوں، مگر مادہ پرستی کے اِس دَور نے یہ معیار بدل کر رکھ دیا۔اب ہر طرف پیسے کی دوڑ ہے۔مُلک کے بڑے بڑے نابغۂ روزگار نفوس، ناقدریٔ زمانہ کے ہاتھوں تنگ آکر گوشۂ گمنامی میں زندگی کے ایام جُوں تُوں بسر کر رہے ہیں۔علم و فن کی بے قدری کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ اب پاکستان کے فنکار اپنے فن پر داد و تحسین حاصل کرنے کے لئے ہندوستان اور دیگر ممالک کا سفر اختیار کر رہے ہیں اور کئی تو اپنے وطنِ عزیز ہی کو خیرباد کہہ گئے ہیں۔ بقول

اُستاد داغ دہلویؒ ؎

برنگِ بُوئے گُل اہلِ چمن، چمن سے چلے
غریب چھوڑ کے اپنا وطن، وطن سے چلے

یعنی احساسِ ناقدری اُنہیں جلا وطنی پر مجبور کر دیتا ہے۔ جب گُلشنِ وطن کے قدرناشناس باشندے اُنہیں خار سے زیادہ اہمیّت نہیں دیتے تو وہ یہ کہہ کر باہر نکل جاتے ہیں ؎

رہے سرسبز گلشن اُن کی بزمِ عیش وعشرت کا
نکل جاؤں گا میں، مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں (سید اکبر الٰہ آبادیؒ)

یہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارا معاشرہ، اپنے اہلِ علم اور اربابِ فن کی قدر اُن کی حیات میں نہیں کرتا، چنانچہ اُن کی چشمِ غیور بہ حسرتِ تمام سرد مہریٔ زمانہ کا نظارہ کرتی رہتی ہے ؎

یُوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال، افسوس ہے
اے کمال! افسوس ہے تجھ پر، کمال افسوس ہے

مگر جب کوئی صاحبِ کمال دُنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو معاشرہ کے مفلوج جسم میں کچھ دیر کے لیے ضمیرِ ناتم کی خفیف سی لرزش، مرحوم کے اعترافِ عظمت پر چند کلمات میں تبدیل ہو کر خاموش ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ بڑی قدرناشناسی ہے، اسی لئے صاحبانِ علم وکمال اور اربابِ ہُنر وفن ہمیشہ ابنائے زمانہ کی ناقدری کے گلہ مند رہتے ہیں۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ انسان کا یہ سلوک صرف اہلِ کمال تک ہی محدود نہیں، بلکہ وُہ اپنے خالق و مالک کا بھی قدرناشناس ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے بارے میں انسان کی قدرناشناسی کا ذکر وماقدروا اللہ کے الفاظ کے ساتھ قرآنِ مجید میں تین[1] مقامات پر فرمایا ہے، ویسے تو انسان کی ناسپاسی اور قدرناشناسی متعدد آیات میں مذکور ہے۔ اُردو فارسی کے نامور رُباعی گو اور صوفی شاعر سید امجد حیدرآبادی علیہ الرحمۃ نے اُس کا مفہوم قالبِ رُباعی میں یوں ڈھالا ہے ؎

دُنیا نہیں عیشِ جاودانی کے لئے | مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کے لئے
جب مَاقَدَرُوا اللہ[2] خدا کہتا ہے | کیوں روتے ہو اپنی قدردانی کے لئے

[1] دیکھئے۔ القرآن ۶ : ۹۱
" ۲۲ : ۷۴
" ۳۹ : ۶۷

[2] وَمَاقَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ۔ (ترجمہ) اور اُنہوں نے خدا کی قدرشناسی جیسی کرنی چاہیئے تھی، نہیں کی۔

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اربابِ فضل و کمال کے ساتھ اُن کی زندگی میں یہ سلوک کیا جاتا ہے، مگر بعد از وفات چند روز کے لئے اُن کی تعریف و توصیف میں زبانیں کھُل جاتی ہیں کہ اب یہ خلا کیسے پُر ہوگا، ایسے صاحبِ کمال کا وجود غنیمت تھا، اب تشنگانِ علم و فن کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ نے اِسی روش کے پیشِ نظر فرمایا تھا۔

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

ترجمہ۔ میرے مرنے کے بعد دُنیا میرے اشعار پڑھے گی، سمجھے گی اور پھر کہے گی کہ ایک مردِ خُود آگاہ نے ایک جہان کو بدل ڈالا۔

وہ قوم واقعی عجیب ہے کہ زندگی میں تو اربابِ علم و فضل اور صاحبانِ کمال کا قافیہ تنگ کئے رکھتی ہے، مگر جب اربابِ فن میں سے کوئی دُنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو محض خانہ پُری کے لئے اُس کی تعریف میں چند کلمات ارزانی فرما دیتی ہے۔ گویا ہماری قوم قدردانی کے سلسلے میں بجا طور پر اِس شعر کی مصداق ہے ؎

عُمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ (احمد ندیم قاسمی)

اے اہلِ وطن! کیا آپ نے اربابِ فضل و کمال اور صاحبانِ فن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اُن کی موت کو ضروری شرط قرار دے دیا ہے؟

افسوس کہ اہلِ وطن کی اکثریت ہوسِ زر، علم و فن دُشمنی اور جہالت میں اِس حد تک اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے کہ وہ یہ تو جانتے ہیں کہ ہمارے ملک اور علاقے کے امیر ترین اور صاحبِ اقتدار کون کون لوگ ہیں اور کہاں کہاں رہتے ہیں، مگر انہوں نے کبھی یہ زحمت اُٹھانے کی کوشش نہیں کی کہ ہمارے علاقے یا پڑوس میں کون فقیر، علامۂ زماں یا صاحبِ فضل و کمال اپنی زندگی کے ایام گوشۂ گمنامی میں خاموشی سے گزار رہا ہے۔

مسلمان قوم کے اِس اندازِ فکر پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ اب تو جس کے پاس لمبی چوڑی گاڑی ہو، بیش قیمت فرنیچر سے آراستہ کناروں پر پھیلی ہوئی کوٹھی ہو، بنک بیلنس ہو، فیکٹری، کارخانے یا ملیں ہوں۔ لوگ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اُس کی عزت و تکریم

کرتے ہیں کہ شاید ایسا کرنے سے کچھ اُن کے بھی ہاتھ لگ جائے، مگر اُنہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ مذکورہ بالا سطح کے لوگوں کے ذہنوں پر صرف اپنی دولت و اقتدار دکھا کر غریب عوام کو مرعُوب کرنے، اُن سے عزّت کروانے اور سب کا مرکزِ توجہ بنے رہنے کا بھُوت سوار رہتا ہے۔ کسی غریب کی دستگیری و اعانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر نادان عوام پھر بھی ایسے خود پرستوں سے توقعات وابستہ کرتے ہوئے اُن کی عزّت و تکریم میں غیر معمولی کردار ادا کرتے ہیں۔ حضرتِ بیدلؒ نے کیا خُوب فرمایا ہے ؎

بیدل! صد حیف نارسائیت نہ رفت — باخلق تملّق آشنائیت نہ رفت
فضلِ یزداں ز مایۂ درویشی — شاہی بہ تو بخشید و گدائیت نہ رفت

ترجمہ۔ اے بیدل! صد افسوس کہ تیری نارسائی اختتام پذیر نہ ہوئی اور خلقِ خدا سے خوشامدانہ سُلوک ابھی تک تُو نے ترک نہیں کیا، حالانکہ فضلِ خداوندی نے تجھے درویشی و فقیری کا سرمایہ عطا فرما کر حقیقت میں تجھے شاہی سے نوازا، مگر ابھی تک تجھ سے تیری خُوئے گدائی نہ چھُٹ سکی۔ (انتھیٰ)

حضرت بیدلؒ مندرجہ بالا رُباعی میں بظاہر خُود سے مخاطب نظر آتے ہیں، مگر درحقیقت اِس کے مخاطب وُہی لوگ ہیں، جو سیر چشمی و قناعت کی دولت سے محروم ہو کر ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے دُنیادار اور مغرور اہلِ دولت و اقتدار کی خوشامد کرتے، اُنہیں سر پر بٹھاتے اور سائے کی طرح اُن کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ (م ۱۱۳۳ھ) کی شانِ استغناء و فقر کے واقعات پڑھنے ہوں تو درویش سیرت محقق جناب ڈاکٹر عبد الغنی (م ۱۹۸۹ء) کی تصانیفِ لطیف، "رُوحِ بیدل" اور "فیضِ بیدل" کا مطالعہ کیجیے۔ دراصل بیدلؒ اور دیگر تمام صُوفیائے سلاسل کا نصبُ العین یہ ہے کہ مخلوق سے توقعات وابستہ نہ کرو، بلکہ اُس کا دروازہ کھٹکھٹاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو سارے جہانوں کا پالن ہار اور داتا ہے، قرآن و سُنّت کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ سیّد امجد حیدر آبادیؒ نے اپنی ایک اُردو رُباعی میں صُوفیائے کرام کے اِسی نقطۂ نظر کو کس خوش اسلوبی سے سمویا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہر چیز مُسبّب سبب سے مانگو — مِنّت سے، خوشامد سے، ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو — بندے ہو اگر رب کے، تو رب سے مانگو

بہر حال کہنا یہ جا رہا تھا کہ پبلک، جاہل دولت مندوں اور اربابِ اقتدار کی آؤ بھگت

اور اُن کی عزّت و تکریم میں تو غیر معمولی کردار ادا کرتی ہے، مگر معاشرے کے اُن باصلاحیت فن کاروں، اربابِ علم و فضل اور مُلک و ملّت کے دانشوروں کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتی، جن کے دم قدم سے دُنیائے علم و ادب میں بہار ہے اور جن کا وُجود مُلک و ملّت کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ مجھے اِس بات سے اتفاق ہے کہ انسان کو زمانے کی رَو کے ساتھ چلنا پڑتا ہے، مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان زمانے کی ہر اچھّی بُری رسم سے اتّفاق کرلے اور اندھا بہرا ہوکر اِس کے ساتھ چلنے لگے۔ اگر بعض مواقع پر ع زمانہ با تُو نسازد تو بازمانہ بساز، کے تحت زمانے کے چلن کا ساتھ دینا ہی عقلمندی ہوتا ہے تو بعض مقامات پر، تو با زمانہ ستیز، پر عمل کرتے ہوئے روشِ روزگار کو بدل دینے کی آرزو لے کر اُس کی مخالفت کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتا ہے، مگر ایسے مردانِ خُدا مست ہر دَور میں خال خال ہی ہوا کرتے ہیں۔

## فقر کی شانِ استغناء

اُوپر جو کچھ بیان ہوا، وہ تو دنیاداروں کا حال تھا۔ اب چند سطُور ایسے صاحبانِ فضل و کمال کے بارے میں بھی پڑھ لیجئے، جن کی شانِ علم و فضل اور شانِ استغناء کے سامنے فغفورانِ زمانہ اور سلاطینِ وقت کے تاج نگوں ہوا کیے۔ راقم الحروف کے پردادا حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کی شانِ استغناء کا ایک واقعہ مہرِ منیر میں اِس طرح مذکور ہے :—

رائے صاحب دیوی دیال اِنسپکٹر پولیس راولپنڈی کی ایک چٹھی پہنچی تھی، جس میں حضرت قبلۂ عالم کی طرف لکھا گیا تھا کہ آپ مورخہ ۲۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کو سپرنٹنڈنٹ پولیس کی کوٹھی پر اُنہیں ملیں تو حضرتؒ نے یہ جواب لکھوایا کہ میں بوجہ مصروفیّت اپنے کام کے، صرف نمازِ عصر کے بعد فارغ ہوتا ہُوں، لہٰذا معذور ہُوں، صاحب بہادر مجھ سے جس امر کی دریافت کرنا چاہیں خود تشریف لاکر یا بوساطت عملۂ ماتحت دریافت فرماسکتے ہیں[1]۔ مؤلّفِ مہرِ منیر نے ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار میں شمولیت سے آپ کے انکار کا سارا واقعہ بھی نقل کیا، جس کا عنوان[2] ہے "انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار"۔ اِسی طرح آپ کے چند دیرینہ خُدّام سے سُننے میں آیا کہ آپ اپنے ایک پُرانے حُقّہ میں

---

[1] دیکھئے مہرِ منیر، ص ۲۸۶ تا ۲۸۷، مطبوعہ لاہور

[2] دیکھئے مہرِ منیر، ص ۲۸۳، مطبوعہ لاہور

قیام فرماتے تھے، جو مٹی اور گارے سے چُنا ہوا تھا۔ جب آپ کے لئے بڑے عالی شان کمرے تیار کیے گئے، جو منقش بھی تھے اور اُن کے ساتھ ملحقہ غسل خانے بھی تھے اور آپ کو پرانے صُفّہ سے نئے مکان میں منتقل ہونے کے لئے عرض کی گئی تو آپ نے پہلے اُسے دیکھنا چاہا۔ جب کمرے کے اندر داخل ہوئے تو در و دیوار کی آب و تاب اور نقش و نگار دیکھ کر فرمانے لگے کہ میں اِس محل میں نہیں رہنا چاہتا، مجھے وہی اپنا گارے مٹی کا بنا ہوا صُفّہ پسند ہے۔ مزید فرمایا کہ ایسے محل درویش منش لوگوں کو پسند نہیں آسکتے، پھر جب یہ عرض کی گئی کہ کمرے کے ساتھ طہارت خانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے وضو وغیرہ میں سہولت و آسانی رہے گی تو آپ نے یہ سُن کر نئے مکان میں رہائش پر رضامندی کا اظہار فرمادیا۔ اِس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ علم و فضل اور دیگر غیر معمولی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ دولتِ دُنیا سے بھی نوازا ہوا تھا، مگر آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی ذات کی شناخت، محلات اور دولت و ثروت میں کھو کر رہ جائے، لوگ آپ کے مال و املاک اور ظاہری جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر آپ کی شناخت کریں، بلکہ آپ کی ذات کے حوالے ہی سے آپ کو پہچانا اور جانا جائے، خواہ وہ کچے مکان میں رہائش پذیر ہوں خواہ بوسیدہ اور پھٹے لباس میں ہوں۔ انسان کی شناخت صرف اُس کی اپنی ذات کے حوالے سے ہونی چاہیئے، مال و منال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کے حوالے سے نہیں۔ بہرحال یہ تو خاصانِ خدا اور اُن عظیم لوگوں کے واقعات ہیں، جو غیر معمولی علمی اور رُوحانی صلاحیتوں کے باعث اسباب دُنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں اور ایسے لوگ بلا شُبہ میرزا بیدلؒ کے اِس شعر کا مصداق ہوتے ہیں ؎

از فقر باز بر سرِ دُنیا زدیم پا   خلقے بجاہ تکیہ زد و مازدیم پا

ترجمہ۔ ہم نے فقر و غنا کی وجہ سے دُنیا کے سر پر لات ماردی، ایک دُنیا نے مال وجاہ کے ساتھ تکیہ لگایا، یعنی اُس کے حوالے سے خود کو متعارف کرانا چاہا، مگر ہم نے اُس چیز کو لات ماری، جسے لوگوں نے اپنے لئے تکیۂ تعارف بنا رکھا تھا۔

## فقیر سُلطان جاہ

اِسی طرح حضرت سُلطانُ المشائخ سیّد نظام الدّین اولیاء محبوبِ الٰہی (م ۷۲۵ ھ) کے متعلق روایات میں ہے کہ آپ کی درگاہ میں روپے پیسے اور سونے چاندی کی اتنی ریل پیل

تھی کہ آپ کے اصطبل میں جانوروں کو باندھنے کے مقامات پر بھی لوہے کی جگہ سونے چاندی کے کُنڈے (حلقے) زمین میں گڑے ہوئے تھے۔ بادشاہِ وقت، علاء الدین خلجی نے یہ سُن کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کی کہ فقیروں کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہوا کرتا، جب کہ آپ کی دولت کا یہ حال ہے کہ سونا چاندی اصطبل میں استعمال ہو رہا ہے۔ آپ نے یہ سُن کر جواب میں فرمایا ؎ کجا اندازم در دل، مگر اندازم در گِل[1]، کہ میں نے سونے چاندی کو دل میں نہیں گِل (مٹی) میں جگہ دی ہے۔ یعنی بظاہر سونا چاندی تو ہم دونو کے پاس ہے، مگر فرق اتنا ہے کہ تُو نے اُسے دل میں جگہ دے رکھی ہے اور میں نے گِل (کیچڑ) میں۔ گویا تیرے نزدیک روپے پیسے اور سونے چاندی کا مقام خزانۂ شاہی ہے، جو پوشیدہ اور محفوظ ترین مقامات پر بصد احتیاط رکھا جاتا ہے اور میرے نزدیک سونے چاندی کی حیثیت یہ ہے کہ میں نے اُسے اصطبل کی کیچڑ میں جگہ دے رکھی ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ فرطِ ندامت سے دم بخود ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ بادشاہِ وقت نے آپ کی خدمت میں حاضری کی درخواست کی، لیکن آپ عرصۂ دراز تک ملاقات سے کتراتے رہے، آخر وہ بتائے بغیر آستانۂ محبوبی پر حاضر ہو گیا۔ خُلفاء دروازے پر کھڑے تھے، اُنہوں نے بادشاہ کو اندر جانے سے روک دیا۔ جب دروازہ کھُلا تو بادشاہ نے کہا ؎ درِ درویش را درباں نباید، کہ فقیروں کے دروازوں پر دربان نہیں ہونا چاہیئے، اِس لئے کہ یہ بادشاہوں کا طریقہ ہے۔ آپ نے یہ مصرع سُن کر فوراً مصرعِ ثانی یوں ارشاد فرمایا: ببایدتا سگِ دُنیا نیاید، کہ فقیروں کے دروازوں پر دربان اِس لئے ضروری ہیں تاکہ دُنیا کا کُتّا اندر داخل نہ ہونے پائے۔ یہ واقعہ ملفوظاتِ مہریہ میں ملفوظ ۸۲ کے تحت کسی اور درویش سے منسوب ہے، مگر میری نظر سے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے بارے میں گزرا (واللہ اعلم)۔ شاید اپنے پیر کی ایسی ہی شانِ بے نیازی دیکھ کر طوطئ ہند امیر خسرو دہلوی (م ۷۲۵ھ) بے ساختہ کہہ اُٹھے تھے ؎

چُوں گوہرِ مدحِ خواجہ سُفتم وز غیب شنیدم آنچہ گفتم

ترجمہ۔ جب مَیں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی اور جو کچھ بھی مَیں نے کہا، وہ مجھے عالمِ بالا سے القاء ہوا۔

---

[1] دیکھئے انوارِ اولیاء، مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی ، ص ۲۹۱، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور

اکنوں قدرے دُرِ معانی ریزم بہ سرِ جُنیدِ ثانی

ترجمہ۔ اب میں معانی کے چند موتی اپنے شیخ، جُنیدِ ثانی کے سر پر نچھاور کرتا ہُوں۔

قطبِ زمن و پناہِ ایماں سرجُملۂ جُملۂ کریماں

ترجمہ۔ جو قطبِ زماں اور اہلِ ایماں کی پناہ (اور لاج) ہیں اور تمام کریموں کے سرتاج ہیں۔

در شرع، نظامِ دینِ احمد یعنی کہ نظامِ دینِ محمد

ترجمہ۔ جو شریعتِ مُبارکہ میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ پاک کے نظام ہیں، میری مُراد حضرت نظام الدین بدایُونیؒ سے ہے۔

در حُجرۂ فقر، بادشاہے در عالمِ دل، جہاں پناہے

ترجمہ۔ وہ حُجرۂ فقر کے شہنشاہ وُہ عالمِ دل کے آسماں جاہ

بر مہ زگلیم بُردہ رآیت سُلطانِ ممالکِ ولایت

ترجمہ۔ اُنہوں نے اپنے خرقے سے ماہتاب کو عَلَم بخشا اور وہ ممالکِ ولایت کے تاجدار ہیں۔

شاہنشہِ بے سریر و بے تاج شاہانش بہ خاکِ پائے محتاج

ترجمہ۔ بے تاج و سریر ہی کریں راج شاہانِ جہاں ہیں جن کے محتاج

بر خاک ز رحمت آسمانے بر چرخ ز دولت آستانے

ترجمہ۔ وہ اپنی نوازشات کے باعث زمین پر فلک کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کی اقبال مندی آسماں آستاں ہے۔

در پردۂ غیب محرمِ راز وز رازِ سپہر کیسہ پرداز

ترجمہ۔ وہ پردہ ہائے غیب کے محرم ہیں اور اُن کا کیسۂ دل رازہائے آسمانی سے مالا مال ہے۔

در وحدتِ عالم ایستادہ بر ہر دو جہاں قدم نہادہ

ترجمہ۔ یکتائے زمانہ بے گُماں ہیں زیرِ قدم اُن کے سب جہاں ہیں

از خواجگی آستیں کشیدہ در پایۂ بندگی رسیدہ

ترجمہ۔ وہ خواجگی سے بھرا بھرا دل بس عبدیت ہے جس کی منزل

بینا ترِ جُملہ پاک بیناں بیدار ترینِ شب نشیناں

ترجمہ۔ آپؒ، تمام اہلِ بصیرت سے زیادہ روشن نگاہ اور رات کو عبادت کرنے والوں میں سب سے زیادہ بیدار رہنے والے ہیں۔

ہر شب کہ رود بریں کہن بام | بر فرشِ فرشتگاں زند گام

ترجمہ۔ اِس کُہنہ بام (آسمان) پر جو رات بھی گزرتی ہے، آپ اُس میں فرشتوں کی قیام گاہ پر محوِ خرام ہوتے ہیں۔

در پیش دَوند جملہ مُشتاق | گویند بہ عرش، قُم علی السّاق

ترجمہ۔ تمام مُشتاقانِ دید آگے آگے چلتے ہیں اور عرش سے کہتے ہیں کہ شیخ کی تعظیم کے لئے اپنی پنڈلیوں پر کھڑا ہو جا۔

مسند ز سپہر برترش باد | خُسرو، چو ستارہ چاکرش باد[1]

ترجمہ۔ خدا کرے اُن کی مسند ورائے افلاک رہے اور خسرو ستاروں کے مانند اُن کا غلام[2] اور اُن کے خرام گاہ کی خاک رہے۔

حضرت سلطانُ المشائخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی زری بخش بدایونی دہلوی قدس سرّہ اور دیگر اولیائے کاملین کے واقعاتِ بے نیازی پڑھ کر دَورِ حاضر کے مشائخ کو اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیئے، اُن کے اسلاف سلاطینِ وقت کو ہزار منّت و سماجت کے بعد کہیں اپنے دربار میں حاضری کا اِذن دیا کرتے تھے اور آج یہ حال ہے کہ اکثر مشائخ اُمراء و سلاطین کے

---

[1] دیکھئے "مثنوی لیلیٰ مجنوں"، از حضرت امیر خسرو، ص ۲۲-۲۳، مطبوعہ حیدر آباد دکن (بھارت)

[2] یوں تو سب اولیاء اللہ لائقِ احترام و عقیدت ہیں، مگر خدا نے بعض کو ایسی خصوصیات و امتیازات سے نوازا ہے کہ وہ میدانِ ولایت میں مُنفرد نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ اُن میں سُلطانُ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی قُدّس سرّہ کی ذاتِ جلیلہ ایسی ہے کہ آپ کا اسمِ پاک سُن کر رُوح تسکین پاتی ہے۔ نہ جانے اُن کا اسمِ گرامی سُنتے ہی راقم الحروف کے ذہن پر عالمِ وجد و مستی کیوں طاری ہو جاتا ہے، شاید یہ طوطیٔ شکر مقال امیر خسروؒ کے درد و گداز کا اثر ہے۔ بہرحال مجھے بھی خسروؒ کی طرح اُن کی غلامی پر غیر معمولی ناز ہے۔ میں بلا خوفِ تردید کہہ رہا ہُوں کہ میں بحمد اللہ چشتی، نظامی ہوں اور میرا پیر نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی ہے۔ خسروؒ کی طرح اُن کی تعریف و توصیف تو ممکن نہیں، بہرحال بارگاہِ محبوبی میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر اپنی ایک فارسی رُباعی نذرِ قارئین کرتا ہُوں ؎

درویشی و فقر و کج کلاہی دارد | زیبائی و دارائی و شاہی دارد
کم یافت کسے ز اولیائے اُمّت | آں رُتبہ کہ محبوبِ الٰہی دارد

دروازوں پر بن بلائے ملاقات کے لئے خود دستک دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دولت مندی فی نفسہ کوئی بُری چیز نہیں، جیساکہ باب اوّل میں اِس کا ذکر تفصیلاً گزر چکا ہے، مگر اِس کو اپنی شناخت بنا لینا اور اپنے مال و اسباب سے مخلوقِ خدا کو مرعُوب کرنے کی کوشش کرنا، محض حماقت اور جہالت ہے۔ ایسا وہی کرتے ہیں، جن کے پاس دولت کے سوا کوئی فضل و کمال نہ ہو؛ وُہ اپنے مفلوج جسم کو ایوان و قصور، قیمتی کاروں، پوشاکوں، سامانِ آرائش و زیبائش اور اِسی قسم کے دُنیوی اسباب کی بیساکھیوں کے سہارے سے توجہ کا مرکز بنانے کی کوشش کرتے ہیں، گویا جب خُود اُن کی ذات لائقِ توجہ نہیں ہوتی تو وہ بعض عارضی مگر اپنے سے قدرے جاذبِ نظر اشیاء کو اپنی ذات کی طرف رجوعِ خلق کی خاطر لگا دیتے ہیں تاکہ اُن کی سجائی ہوئی اشیاء کے طفیل، اُن کی ذات پر بھی ایک نگاہِ لُطف پڑ جائے۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو کسی علمی، فنّی یا دماغی قابلِ ذکر صلاحیت و استعداد کے مالک نہیں ہوتے، مگر اپنے باکمال آباء و اجداد کی نسبت کا لیبل اپنے چہرے پر لگا کر مخلوق سے داد وصول کرنے اور اُن کا مرکزِ توجہ بننے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی اُن کا ذاتی کمال نہیں ہوتا، جسے وہ بھی سمجھتے ہیں اور لوگ بھی۔ مگر آج کل یہ سب کچھ اِس دیدہ دلیری سے ہو رہا ہے کہ دیکھ کر شرم آنے لگتی ہے، لیکن ایسا کرنے والوں کو حیا نہیں آتی۔ باپ دادا کے تعلّقات، تعارف، شہرت، عزّت اور اُن کے نام و نسبت سے ہاتھ لگنے والی دولت اور اسباب تو محض بیساکھی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو لوگ اِن بیساکھیوں کے سہاروں سے اُٹھا کرتے ہیں، اُنہیں صحت مند ذہن صرف مفلوج اور معذور ہی سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ عظیم آباء و اجداد سے نسبی قرابت ایک بہت بڑا اعزاز ہے، انسان کے لئے تعارف کی حد تک اِن حوالوں کا استعمال بجا ہے، مگر اِس تعارف کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، بزرگوں کے حوالے سے سابقہ تعارف کی لاج بھی رکھنی چاہیئے، کیونکہ محض باپ دادا کے تعارف وغیرہ پر انحصار کرنا بھی کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں۔

## اسبابِ شہرت موروثی نہیں ذاتی بھی ہونے چاہئیں

ہم نے جہاں محض آباء و اجداد کی عزّت و شہرت اور تعارف پر انحصار کرنے کو مستحسن قرار نہیں دیا اور روایت و درایت کی رُو سے تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا کہ پس ماندگان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا تعارف اپنی ذات کے حوالے سے بھی پیدا

کریں، وہاں عزّت، شہرت اور مقبولیّت کی نوعیت کو بھی دیکھا جائے گا کہ کیا پس ماندگان نے اُنہی خصائل و فضائل کے سبب عزّت، شہرت اور مقبولیّت حاصل کی، جن سے اُن کے اجداد مشہور و ممتاز تھے یا اجداد کی وُجُوہِ شہرت و عزّت سے ہٹ کر کسی اور حیثیت سے اپنا نام پیدا کیا۔ چاہیئے تو یہ کہ جو پس ماندگان اپنے جلیلُ القدر اور معروف اسلاف کی ظاہری وراثت کے مالک بنتے ہیں، وہ اُنہی خصائل و فضائل میں بھی اپنا نام اور اپنا مقام پیدا کریں، جو اُن کے اجداد کو حاصل تھا۔ اگر ایک بڑے سیاست دان کا بیٹا محض شہرت و عزّت حاصل کرنے کی خاطر میدانِ سیاست کو خیرباد کہہ کر کسی ایسے معاملے میں اپنا نام پیدا کرے، جو اُس کے باپ کے پیشہ سے کمتر ہو تو بظاہر اُس نے نام تو پیدا کر لیا، مگر اربابِ فہم و دانش اُس کی اِس عزّت و شہرت کو خاص اہمیّت نہیں دیں گے؛ اگر وہ اپنے باپ کی طرح میدانِ سیاست ہی میں نکل کر چند ایسے معرکے سر کرے تو لوگ کہیں گے کہ ہاں فلاں شخص اپنے باپ کا صحیح وارث ہے، جس نے باپ کے میدان میں گھوڑے دوڑا کر اُس کے مقام کو چار چاند لگائے، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دورِ حاضر میں بعض دوسرے الفاظ کی طرح سیاست کا لفظ بھی اپنے معنوی تقدّس سے عاری ہو چکا ہے، سیاست (سینِ اوّل کے زیر کے ساتھ) عربی زبان کا لفظ ہے؛ جیسا کہ یہ لفظ عامۃُ النّاس کے ہاں سینِ اوّل کے زبر کے ساتھ مُستعمل ہے، نادرست ہے اِس کے معنیٰ عربی لُغت میں اِس طرح ہیں سَاسَ القوم: دبّرھُم وتولّٰی اَمرَھُم (ایک فرد جو قوم کا سیاستدان ہوا، اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے کسی قوم کے اُمُور کی تدبیر کی اور اُن کے معاملات کا والی ہوا) سیاستِ مُدنی کا مفہوم صاحبِ مُنجد کے نزدیک یوں ہے: تدبیر المعاش مع العموم علٰی سَنَنِ العدلِ والاستقامۃِ (عمومی طور پر تدبیرِ معاش عدل و استقامت کی روش پر) اَلسّیاسیّ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے: ھوالّذی یزاول السّیاسۃ اویتّخذھا حرفۃً لَہٗ[1] (سیاسی شخص سے مُراد وہ انسان ہے جو سیاست سے ربط و ضبط رکھے یا اِسے بطورِ پیشہ و فن اختیار کرے) گویا اِس لفظ کے مفہوم کی رُوح عدل و استقامت اور راست بازی کو بہبودیِ خلق کے لئے بطورِ شغلِ حیات اپنانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب رفاہِ عامّہ اور اُمُورِ سلطنت کے سلسلے میں خلوص و دیانت اور للّٰہیّت کے عناصر موجود ہوں، تو بلاشبہ

---

[1] دیکھئے المنجد (عربی) ایڈیشن ۲۶، ص ۳۶۲، مطبوعہ المکتبۃُ الشّرقیہ بیروت (لبنان)

شغلِ سیاست ایک فعلِ مستحسن کا درجہ رکھتا ہے، اِس لئے کہ قرونِ اُولیٰ میں سیاس حضرات کا عمل اِسی نہج پر تھا۔ آج خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم جیسے مدبرین کی سیاست کو کون مسلمان یا منصف مزاج انسان مذموم یا داغدار کہہ سکتا ہے، بلکہ اُن کا عمل تو سیاستِ صالحہ کا معیار تھا، جو قرآنی تعلیمات اور اُسوۂ نبوی کا مظہرِ اتم تھا۔

لیکن آج کل کی سیاست کا مفہوم کچھ اِس طرح بدلا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی ذہن میں جاہ پسندی، جلبِ منفعت، دجل و فریب، کذب و افتراء، منافقت اور ہوسِ اقتدار جیسے گھٹیا تصورات اُبھرنے لگتے ہیں، ہمارے سیاست دانوں کے قول و فعل میں غیر معمولی تضاد اور اُن کی نیتوں میں فتور ہے۔ یہ گروہ نشۂ اقتدار کی ہوس میں اِس قدر بدمست ہے کہ اِسے بے چارے عوام کے دُکھ درد سے کوئی سروکار نہیں۔ کرسیٔ اقتدار پر قابض ہونے اور سادہ لوح عوام کو مہذب انداز سے اُلّو بنانے کی خاطر ہر لیڈر وقت آنے پر نیا منشور، نیا نعرہ اور ایک نیا طریقۂ واردات لے کر قوم کے مقدر سے کھیلتا ہے۔ سید اکبر الہ آبادیؒ نے شاید ایسے ہی نام نہاد لیڈروں کے لئے کہا تھا۔

یہ لیڈر گا رہا ہے قوم کے گیت　　مگر آواز بالکل بے سُری ہے

بہرحال اِس نوع کی سیاست اور اہلِ سیاست قابلِ پرہیز ہیں، جو نمک کا نمک کھا کر درپردہ اُسی کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے درپے ہوں۔ ورنہ سیاست اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے شجرِ ممنوعہ نہیں، بلکہ شجرہ طیبہ ہے، خدا کرے کہ دولتِ خداداد پاکستان میں خلافتِ راشدہ کی مقدس سیاست رواج پائے، کیونکہ ایسی سیاست عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

مقصد یہ کہ دنیا کے ہر پیشے اور طبقے سے تعلق رکھنے والوں کا بالعموم اور خانقاہی نظام سے تعلق رکھنے والے وُرثاء کا بالخصوص یہی حال ہے۔ اگر صاحبِ خانقاہ کے وُرثاء اُنہی فضائل و کمالات میں شہرت، عزت اور قبولیتِ عامہ حاصل کریں، جن میں اُن کے اسلاف مشہور و مقبول تھے تو ایسے خوش نصیب پس ماندگان کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کا نام روشن کرنے اور اُن کے نام کو چار چاند لگانے کا باعث بنے اور اگر ایسے چند اُمور میں نام پیدا کریں، جن سے اُن کے آباء و اجداد کا دُور کا تعلق نہ ہو تو ایسی شہرت، عزت اور مقبولیت اربابِ نظر کے نزدیک قابلِ تحسین نہ ہوگی۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اپنا نام پیدا کرنے سے صرف یہ مراد نہیں کہ کسی بھی

نوع کی شہرت حاصل کر لی جائے، بلکہ جو شخص جس ماحول کا یا جن افراد کا وارث کہلاتا یا سمجھا جاتا ہے، اُسے اُسی ماحول کی اقدار اور اُنہی مقتدر اسلاف کے کمالات اور فضائل کو آگے بڑھانے کا سبب بن کر دُنیا میں قبولیتِ عامہ حاصل کرنی چاہیے ! اگر مذکورہ بالا معیار کو سامنے رکھا جائے تو بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خانقاہی ماحول کے اکثر پس ماندگان دنیا داری، حکومت میں اثر و رسوخ، عہدہ، مال و دولت اور سیاست وغیرہ سے وابستگی کے سبب خود کو باعزت اور مشہور سمجھتے ہیں، مگر جن اوصاف و کمالات کی وجہ سے اُن کے اسلاف مُستند اور مشہور ہیں، بہت ہی کم پس ماندگان اُن فضائل و خصائص کے باعث مشہور و محترم نکلتے ہیں۔

بعض احباب، علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو خانقاہی نظام کا مخالف تصور کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کی دلیل میں ؎ خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن، جیسے شواہد پیش کرتے ہیں۔ دراصل علامہ مرحوم نے خانقاہی نظام کے اِسی نوع کے پس ماندگان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، جس کا ہم نے سطورِ بالا میں تفصیلاً ذکر کر دیا ہے، ورنہ اولیائے کاملین سے علامہؒ کی بے پناہ عقیدتمندی و نیازمندی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ مثلاً اُن کا یہ شعر ؎

کیمیا پیدا کُن از مُشتِ گِلے بوسہ زن بر آستانِ کاملے

اِس قبیل کے متعدد اشعار، آپ کی عقیدت و محبت کی بیّن دلیل ہیں؛ خاص طور پر سُلطانُ المشائخ حضرت نظام الدّین اولیاء محبوب الٰہی قدّس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی کے لئے اُن کے اِس مصرع کہ ؎ مسیح و خضر سے اُونچا مقام ہے تیرا، پر تو بڑے اعتراض بھی کیے جاتے ہیں۔

راقم الحروف کے خیال کے مطابق اگر سرکاری سطح پر غیر جانبدار اربابِ دانش پر مشتمل ایک ایسا کمشن تشکیل دیا جائے، جو پُورے مُلک کے خانقاہی نظام کا جائزہ لے، تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے متذکرہ معیارِ مقبولیت پر بہت کم پس ماندگان اُتریں گے، بلکہ اپنے مقتدر اسلاف کے سہارے اُن کے عقیدت مندوں کی خدمات سے استفادہ کرنے والے زیادہ ملیں گے (اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہ) معترضین کا یہ کہنا کہ اہلِ خانقاہ نے دُکانداریاں بنا رکھی ہیں؛ اِسی نوع کے پس ماندگان کے لئے ہوتا ہے، مگر اِس سے ہمیں دُکھ اِس لئے ہوتا ہے کہ اِس کا اطلاق سب پر یکساں کیا جاتا ہے، حالانکہ ہر خانقاہ کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ

وہ ایسی ہی صورتِ احوال سے دوچار ہو، بلکہ بعض خانقاہوں کے کچھ افراد تو مولانا حالیؒ کے اِس شعر کا مصداق ہوتے ہیں ؎

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں (مولانا الطاف حسین حالیؒ)

## دولت ــــ بے کمالوں کا معیارِ فضیلت

بے کمال لوگ محض دولتِ دُنیا کو قابلِ تعریف اور باعثِ فضیلت سمجھتے ہیں۔ہم اِس موضوع پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں اور آئندہ بھی مناسب مقامات پر اِس کا ذکر کریں گے۔ یہاں صرف ایک نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں؛ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک پرلے درجے کے جاہل اور بے ہنر دولت مند فرمانے لگے کہ دیکھئے! قرآنِ مجید میں ملکۂ سبا کا خصوصی ذکر ہوا اور اُس کے ذکر کا سبب صرف اُس کی دولت اور بادشاہت ہے، اِس لئے کہ اُس میں اِس کے علاوہ اور کوئی ایسا وصف نہیں تھا، جس کی وجہ سے اُس کا ذکر کیا جاتا۔ میں نے کہا کہ آپ ملکۂ سبا کی دولت کو قرآنِ مجید میں اُس کے تذکرے کا سبب قرار دے رہے ہیں تو گویا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملکۂ سبا کی دولت اور شاہی سے مرعوب ہو کر قرآنِ مجید میں اُس کا نام لیا (نعوذ باللہ من ذٰلک) کہنے لگے ہرگز نہیں۔ میں نے کہا اگر دولت مندی ہی باعثِ ذکر ہے تو قارون کا ذکر بھی قرآنِ مجید ہی میں ہے، محض کسی چیز کے ذکر کو نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اُس چیز کا ذکر کس سیاق و سباق اور کن الفاظ میں ہوا یا پیرایۂ بیان کیا ہے۔ اگر کسی شے کا مطلق ذکر ہی باعثِ فضیلت سمجھا جائے تو قرآنِ مجید نے خنزیر تک کے لفظ کو استعمال کیا۔ اب کیا یہ سمجھا جائے کہ یہ بات خنزیر کے لئے باعثِ فخر ہے کہ اُس کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ قارون جو موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا،[1] لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ مانا اور اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ہمیشہ اپنی دولتمندی اور دُنیوی اسباب کی کثرت پر نازاں رہا۔ آخر اُس کا جو انجام ہوا، وہ قرآن و حدیث سے ثابت اور سب کو معلوم ہے۔

---

[1] دیکھئے تفسیر جلالین شریف مع حاشیہ الجمل، جلد ۳، ص ۳۵۹، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ

میں نے مزید کہا کہ ملکۂ سبا کا ذکر اگر محض اُس کے دولت مند ہونے کے سبب کیا گیا تو کیا حضرت سلیمان علیہ السّلام صاحبِ دولت وجاہ نہ تھے؟ ملکۂ سبا کا ذکر تو اُس کے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ہم عصر ہونے کے توسط سے ہوا؛ اگر سلیمانؑ نہ ہوتے تو ملکۂ سبا کا ذکر کوئی مقصود بالذّات چیز نہ تھا اور پھر یہ کہ اگر ملکۂ سبا کا ذکر اُس کی دولت کے سبب کیا گیا تو اُس آدمی کا ذکر بطورِ خاص کیوں کیا گیا، جس کے تعارف کا سبب اُس کی دولت وجاہ کو نہیں بنایا گیا، بلکہ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کو قرار دیا گیا۔ میں نے اُس دولت مند سے کہا کہ آپ نے اگرچہ ملکۂ سبا کا قصّہ چھیڑ کر اپنے موقف کی تائید حاصل کرنا چاہی تھی، مگر عجیب اتّفاق ہے کہ بازی اُلٹ گئی، وہ اِس طرح کہ اگر کچھ بھی عقل ہو تو قرآن مجید کے اِس قصّے اور آیات کے الفاظ سے بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر ملکۂ سبا (عورت) کے لئے قرآن مجید میں اُس کے تعارف و ذکر کا سبب اُس کی دولت ہے تو اُسی آیت میں مرد کے لئے اُس کے تعارف و ذکر کا باعث عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ہے نہ کہ دولت اور کثرتِ اسباب۔ ثابت ہوا کہ دولت وجاہ اور کثرتِ اسباب ایک عورت یا پھر ایک زن خصائل مرد کے لئے وجہِ تعارف وشہرت تو ہوسکتی ہے، مگر ایک مرد کے لئے نہیں اور پھر مرد بھی وہ کہ مردِ حق ہو۔ اِس تفصیلی جائزے سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو بالعموم اور مردوں کو بالخصوص مال و منال، سیم و زر، بلند و بالا محلّات، موٹر کاروں، گھریلو قیمتی ساز و سامان کی بیساکھیوں کے سہارے عزّت وشہرت حاصل کرنے اور مرکزِ توجہ بننے کی کوشش کرنے کے بجائے اپنے اندر عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کے فضائل و خصائص اور دُنیائے عُلوم و فنون کی وہ لافانی تاجداری حاصل کرنی چاہیئے کہ اندر کا بچّہ پھر ایسے گھٹیا کھلونوں کے لئے ضد نہ کرسکے۔ حُصولِ زر کے لئے بلا وجہ ہلکان ہوتے رہنا تو دانشمندی نہیں؛ ہر وقت دُنیوی آرزوؤں میں مبتلا رہنا تو انسان کے مقصدِ حیات کے منافی ہے۔ آرزُو کی عظمت کا انحصار مقصد کی عظمت پر ہوتا ہے، جتنا مقصد بلند ہوگا، آرزو اُتنی ہی محترم سمجھی جائے گی۔ دیکھئے اِس مضمون کو لسانُ العصر اکبر الٰہ آبادیؒ نے کس خوبی سے ادا کیا ہے:

آرزو وہ ہے، جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ  کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر

## دولت اندھی ہوتی ہے ــــ ایک واقعہ

تیمور لنگ کے متعلق روایات میں ہے کہ اُس نے وُرُودِ شیراز پر ایک بزمِ نشاط آراستہ

کی، جس میں شہر کے ایک مشہور چنگ نواز کو بلایا؛ جو اتفاق سے اندھا تھا۔ چنگ نواز اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ بڑی چابک دستی سے کر رہا تھا۔ تیمور نے دیکھا تو پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا: دولت۔ تیمور نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ دولت اور وہ بھی اندھی! یعنی دولت اندھی کیسے ہوسکتی ہے؟ چنگ نواز نے کہا۔ سرکار! اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر نہ آتی۔ (فارسی میں لنگڑے کو لنگ کہتے ہیں چونکہ تیمور لنگڑا تھا، اِس لئے اُسے تیمور لنگ کہا جاتا ہے) تیمور، چنگ نواز کا یہ برجستہ جواب سُن کر بہت محظوظ ہوا اور اُسے اُس کی معقول حاضر جوابی کے سلسلے میں بیش بہا انعام دے کر رخصت کیا۔

مفکرِ پاکستان علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اُس قوم پر اظہارِ افسوس کیا، جس نے نواب، وڈیرے اور میر و سلطان تو پیدا کئے، مگر کوئی ہند الولیؒ اور مہرِعلی پیدا نہیں کیا۔ فرماتے ہیں:

آہ زاں قومے کہ از پا اوفتاد      میر و سلطاں زاد و درویشے نزاد

ترجمہ۔ اُس قوم پر صد حیف، جو اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہوسکی، اُس نے میر و سلطاں تو پیدا کئے، مگر کوئی درویش سیرت انسان پیدا نہیں کیا۔

مُسلمِ ایں کشور از خود نا اُمید      عمر ہا شد با خدا مردے ندید

ترجمہ۔ اِس مُلک (ہندوستان) کے مسلمان اپنے آپ سے نا اُمید ہوچکے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اُنھوں نے مدّتِ مدید سے کسی باخدا انسان کو نہیں دیکھا۔

لاجرم از قوّتِ دیں بدظن است      کاروانِ خویش را خود رہزن است

ترجمہ۔ دین کی قوّت سے اُس کے بدظن ہونے کی یقیناً یہی وجہ ہے اور وہ اِسی لئے اپنے کارواں کو خود ہی لُوٹ رہا ہے۔

از سہ قرن ایں اُمّتِ خوار و زبوں      زندہ بے سوز و سرُورِ اندروں

ترجمہ۔ تین صدیوں سے یہ اُمّت ذلیل و خوار ہے اور اندر کے سوز و سرُور کے بغیر سانس لے رہی ہے۔

دولتِ اغیار را رحمت شمُرد      رقص ہا گردِ کلیسا کرد و مُرد

ترجمہ۔ غیروں کی دولت کو اِس قوم نے اپنے لئے رحمتِ باری سمجھ لیا اور مسیحی کلیساؤں کے گرد رقص و طواف کرکے مرگئی۔

نکتہ ہا از پیرِ رُومؒ آموختم خویش را در حرفِ اُو وا سوختم

ترجمہ۔ میں نے عارفِ رُومیؒ سے کئی نازک مسائل سیکھے اور اپنے آپ کو اُس کی باتوں پر تڑپایا۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ گوید رسُول

ترجمہ۔ اگر مال و دولت دین کی راہ میں خرچ ہو تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ مُبارک کے مطابق وہ مال اور وہ دولت بہترین اور صالح چیز ہے۔

گر نداری اندریں حکمت نظر تُو غلام و خواجہ تو سیم و زر

ترجمہ۔ اگر تجھے اِس حکمت کا احساس و علم نہیں ہے تو پھر تُو یہ سمجھ لے کہ تُو غلام کی حیثیّت رکھتا ہے اور تیرا آقا و مولیٰ صرف چاندی اور سونا ہے۔

از تہی دستاں کُشادِ اُمتاں از چُنیں مُنعم فسادِ اُمتاں

ترجمہ۔ ایسی قوم کے غریب اور تہی دست لوگ جہاں اُمتوں کی مُقدر کُشائیوں کا باعث بنتے ہیں، وہاں اُس کے زبردست اور بندگانِ درہم و دینار قسم کے دولتمند لوگ اُمتوں کے لیۓ فساد، بربادیوں اور اُن کی خانہ ویرانیوں کا سبب بنتے ہیں۔

گویا حضرتِ علاّمہ اقبالؒ قرآن و سُنّت کے منشور کو سامنے رکھ کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں ارتکازِ دولت ہوا اور جہاں لوگوں نے بُخل کی صفتِ رذیلہ کو اپنانا شروع کیا، وہیں سے بربادی کا آغاز ہوا۔ حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ کی فکر تو علاّمہ مرحوم سے بھی کہیں بلند و بالا ہے، جس کا علاّمہ مرحوم نے خود اعتراف کیا ہے۔ کیا خوب فرمایا ؎

گر نہ منظورِ کرم بخشش عبرت باشد

چہ خیال است کہ دولت بہ اراذل بخشند (بیدلؒ)

تشریح۔ اگر خداوندِ عالم کا اپنے کرم سے عبرت دلانا مقصود نہ ہو، تو کمینہ مزاج اور رذیل فطرت لوگوں کو دولت دینے کی کیا تُک بنتی ہے؟ بیدلؒ کا مطلب یہ ہے کہ قُدرت امیرزادوں، نوّاب زادوں اور وڈیروں کی کمینگیٔ فطرت اور خستتِ طبع سے عبرت حاصل کرنے کے لیۓ اُنہیں دولت اور بے پناہ مال و اسباب اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازتی ہے تاکہ وہ یہ سب کچھ حاصل کرکے بُخل کریں، امساک زدکریں، سائلوں سے آنکھیں چُرائیں اور لوگ اُن کی اِن کمینہ حرکتوں سے عبرت حاصل کرکے ایثار در آغوشِ عزُبت و افلاس میں

زندگی گزارنے کو فوقیت دیں۔ مرزا بیدلؒ اور علامہ اقبالؒ کے فرمودات اور تجربات حرف بحرف سچے ہیں، مگر اس سلسلے میں سب سے زیادہ وقیع، فیصلہ کن اور ناقابلِ تردید حیثیت اُن ارشاداتِ عالیہ کو حاصل ہے، جو ہمارے آقا و مولا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سخی اور بخیل انسان کے متعلق فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوا: اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ[1] (رواہ الترمذی) (ترجمہ) سخی انسان اللہ تعالیٰ، جنّت اور لوگوں کے قریب اور جہنم سے دُور ہے اور بخیل انسان اللہ تعالیٰ، جنّت اور لوگوں سے دُور اور جہنم سے قریب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کو بخیل عبادت گزار سے جاہل سخی زیادہ محبوب ہے۔

ایک اور ارشادِ مبارک کے الفاظ یہ ہیں: اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ[2] (متفق علیہ) ترجمہ۔ اے آدم کے بیٹے! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

ایک اور مقام پر حضرتِ اسماءؓ سے فرمایا: اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ[3] (متفق علیہ) ترجمہ۔ خرچ کر اور حساب نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ تجھے حساب سے دے گا، اور روک کے نہ رکھ، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا، حسبِ استطاعت دیتے جا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ[4] (رواہ الترمذی) ترجمہ۔ بخل اور بد اخلاقی کی دو خصلتیں ایک مومن انسان میں یکجا نہیں ہو سکتیں۔

احادیثِ مذکورہ بالا سے مستفاد ہوا کہ امساکِ زر ایک صاحبِ استطاعت (مسلمان) کے شایانِ شان نہیں۔ راقم الحروف نے یہی مفہوم اپنی ایک اُردو رُباعی میں بیان کیا ہے۔

---

[1] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، بابُ الانفاق وکراہیۃ الامساک، ص ۱۶۴، مطبوعہ القیومی کانپور (بھارت)
[2] ایضاً
[3] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، بابُ الانفاق وکراہیۃ الامساک، ص ۱۶۴، مطبوعہ کانپور
[4] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، ص ۱۶۵

مُلاحظہ ہو ؎

یُوں دیدۂ حق نگر کو خیرہ نہ کرو حرص اور حَسَد اپنا وطیرہ نہ کرو
مُنعِم ہو تو مُفلس کی ضرُورت سمجھو سیم و زر و مال کو ذخیرہ نہ کرو

مال و زر جمع کرنے والوں سے شاعر کا یہ استفسار بھی کیا خوُب ہے ؎

جمعیّتِ مال و زر میں حکمت کیا ہے تکلیف کی، اِس جمع میں راحت کیا ہے
دولت حاصل تو کی بڑی محنت سے یہ کہیئے، کہ اب حاصِلِ دولت کیا ہے؟

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے ایسے امیر زادے، رئیس زادے، نوّاب زادے اور کروڑپتی نظر سے گزرے ہیں اور ہیں، جنہیں بہت قریب سے دیکھنے کا اتّفاق بھی ہوا، اگر اُن کے طرزِ حیات، کردار اور اُن کے خصائل و عادات پر کھُل کر روشنی ڈالنا چاہیں تو شاید الگ ایک کتاب مُرتّب کرنا پڑے، آپ اگر ایسے دولت مندوں کو قریب سے دیکھیں تو آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ اِن سے تو وُہ لوگ بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں، جنہیں یہی مغرور وڈیرے انسانیّت کے اسفل تریں درجے کا آدمی کہتے اور سمجھتے ہیں، اِسی طرح ہماری نظر سے ایسے لوگ بھی بے شمار گزرے، جو مالی تنگ دستی اور فُقدانِ وسائل کے باوجود سخاوت، ایثار اور دیگر اخلاقی اقدارِ عالیہ کے مالک تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ظاہر مادّی دولت سے محرُوم رکھا تو اُنہیں وہ باطنی دولتِ ایثار ضرور عطا فرما دی، جس کا پرچار انبیائے کرام، اولیائے عظام اور آسمانی کتابوں نے کیا۔ اگرچہ بعض دُوں فطرت نوّاب زادوں اور نو دولتیوں کو اپنے ہاتھ مُنہ کالا کرنے کے لیے چند سِکّے تو دیئے، مگر درس گاہِ انسانیّت سے اُنہیں کچھ عطا نہ کیا، بلکہ دھکّے دے کر نکال دیا۔

اِن میں سے بعض تو ایسے فرعون خصلت ہوتے ہیں کہ مطلب ہو تو گدھے کو بھی باپ کہہ جاتے ہیں اور مطلب نہ ہو تو باپ کو گدھا کہہ دینے سے بھی نہیں چُوکتے۔ جب عوام سے ووٹ لینا ہو تو اُن پر اپنا دروازہ کھول دیتے ہیں اور جب ووٹ لے چکیں تو آئندہ انتخاب تک دروازۂ مکان تو کیا، دروازۂ مروّت و اخلاق بھی بند کر دیتے ہیں اور جان پہچان سے بھی انکار۔ اِن میں اکثر بدبخت تو اپنے شکاری کُتّوں کو غریب انسانوں سے افضل سمجھتے ہیں، کاش عوام اتنا بھی اِنہیں سبق سکھانے کے لئے ایسا ہی رویّہ اختیار کرتے ؎

جو تجھے بھُول گئے تجھ کو بھی لازم ہے امیر خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

# اِنسانی شخصیّت کا دوہرا پن

سازوسامان کی کثرت اور اُس پر مرمٹنے کا سبب اُس کی ہوس کے علاوہ طفل مزاجی بھی ہے، جو ساٹھ سال کا بوڑھا ہونے کے باوجود انسان میں بدستور قائم رہتی ہے، جس کی طرف حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے اشارہ فرمایا تھا کہ ؎

چہل سال عمرِ عزیزت گزشت مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

اور حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ نے انسانی حرص کے متعلق فرمایا تھا ؎

حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ از سازِ معاش
آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

(مفہوم) اے بیدلؔ! انسانی خُوئے حرص قناعت پذیر نہیں، ورنہ زندگی سے متعلق وہ سازوسامان، جسے ہم جزوِ حیات سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، اُس میں اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بغیر بھی بہ آسانی زندگی گزاری جاسکتی ہے، مگر کیا کیا جائے حرص ایسی بلا ہے، جو انسان کو بعض غیر ضروری اشیاء کی فراہمی اور حصول کے لئے ہر وقت بے چین رکھتی ہے۔ اِسی طرح ایک اور شعر میں حرص کے ایک انوکھے طریقۂ واردات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قناعت پیشہ ای ہشدار کایں حرصِ غنا دُشمن
کمیں گاہِ ہوس ہا کردہ وضعِ بے سوالی را (بیدلؒ)

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ انسان کہ بزعمِ خویش پیشۂ قناعت اختیار کئے ہوئے ہے، ہشیار اور خبردار ہو جا! کہ حرص انسان کی شانِ استغناء کی دشمن ہے! ایسا نہ ہو کہ تُو اپنے خیال میں قناعت پیشہ بنا رہے اور حرص نے تیری بے سوالی کی وضع قطع کو اپنی ہوا و ہوس کی کمین گاہ (گھات) بنا رکھا ہو۔ گداگری کا رنگ ڈھنگ تو اُس کی حرص و ہوا کا غمّاز اور آئینہ دار ہوتا ہی ہے، مگر حیرت یہ ہے کہ حرص ایک ایسے انسان سے بھی وہی کام لے لیتی ہے، جو نہ تو بھکاری ہوتا ہے اور نہ حریص۔ بلکہ وہ خود کو صاحبِ قناعت سمجھتا ہے۔ اب حرص کا طریقۂ واردات دیکھئے کہ وہ اُس قناعت پیشہ انسان کی اُس وضع قطع کو ہوس کی گھات کے طور پر استعمال کرتی ہے؟ چنانچہ بظاہر قناعت پیشہ انسان، درپردہ یہ آرزو کرتا ہے کہ گداگری کی وضع قطع میں کسی سے کچھ لینا اُس کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ لوگ اُسے بے سوالی کے

اِس مہذب رُوپ میں کچھ نہ کچھ عطا کر دیں۔ خلاصۂ کلام کہ حقیقی مقامِ قناعت بہت بلند ہے اور حرص ایسے خفیہ اور غیر محسوس ہتھکنڈے بروئے کار لاتی ہے کہ نہ تو خُود انسان اُن سے آگاہ ہو پاتا اور نہ کوئی ظاہر بیں آنکھ حرص کی اِن ریشہ دوانیوں پر مطلع ہو سکتی ہے۔

انسان کی طبعی و ذہنی عُمر اور کسرِ ذہانت کے بارے میں اسی کتاب میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، بہت کم لوگ فطرت کی اِس طفلانہ رَجعت (Return to Child Hood) اور اِس کی ہوس رانیوں پر غلبہ حاصل کر پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایسے لوگ بکثرت نظر آئیں گے، جو طبعی عُمر کے اعتبار سے تو بوڑھے، مگر رُجحانات اور فطری دلچسپیوں کے لحاظ سے بہت ہی کم عُمر اور ناپختہ سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ حُکمائے اسلام اور مذہبی مفکّرین نے بھی نفسیات کے اِس نازک موضوع پر قلم اُٹھایا اور انسان کے اندر پوشیدہ طُوفانِ ہوس کی نشاندہی مختلف زاویوں سے کی۔ یورپین مفکّرین کے جدید تجزیہ اور انسانی نفسیات کی نئی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان طبعی طور پر ایک بچّہ ہی رہتا ہے، جس طرح انسانی فطرت کا تنوّع ایک مسلّمہ حقیقت ہے، اِسی طرح شخصیتِ انسانی کے مختلف رویّے، پہلو، رُخ یا چہرے بھی مسلّمہ ہیں، اِس سلسلے میں دورِ جدید کے مغربی ماہرِ نفسیات تھامس-اے ہیرِس Thoms A Harris کی تحقیقات قابلِ مطالعہ[1] ہیں۔

مختصر یہ کہ سِن رسیدہ ہونے کے باوجود انسان کے اندر کا چائلڈ (بچّہ) ہمیشہ اُسے اشیاء کے تنوّع اور ورائٹی کی طرف مائل رکھتا ہے اور یہ اندر کا بچّہ، ذی علم اور باصلاحیت فنکار لوگوں کی نسبت جاہل یا کم علم، بے صلاحیت دولت مندوں اور غریبوں کی طبائع پر زیادہ چھایا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کو تحفہ وصول کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیئے کہ کیا صرف اُس کے اندر کے بچّے کو بہلایا تو نہیں جا رہا، اِس لئے کہ نوعیتِ تحفہ سے نوعیتِ مقام بھی متعیّن ہوا کرتی ہے۔ ٹی۔ وی سکرین پر آنے والے اشتہاروں کو ٹِک ٹِک دیکھنا کہ ہائے کوئی منظر مِس (Miss) نہ ہو جائے، ذہنی بچپنے پر شاہد ہے۔ اِسی طرح جو لوگ بڑے بڑے محلات، فلک بوس عمارتوں، بڑی بڑی قیمتی اور لمبی گاڑیوں، بیش قیمت پوشاکوں، ڈیکوریشن پِیسوں اور اِس قسم کے جملہ سامانِ آرائش و زیبائش کے رسیا اور دیوانے نظر آتے ہیں، وہ انسانی نفسیات کے قدیم و جدید

---

[1] دیکھئے I am ok, you are ok, Page 21

ماہرین کے مطابق ذاتی خوبیوں سے محروم اور عاری ہوتے ہیں۔ جبلّتِ خُود نمائی کے ہاتھوں مجبور انسان مرکزِ توجہ بننے کا خواہش مند واقع ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسانوں کا ایک جمِ غفیر اُس کے کعبۂ وجُود کا طواف کرتا رہے۔ لوگ اُسے ٹوٹ کر چاہیں، اُس کی تعریف کریں، خلوت و جلوت میں اُس کو موضوعِ بحث بنائیں، اُس کی کسی نہ کسی صفت کا تذکرہ چھیڑے رکھیں۔ جو شخص ایسی تمام صفات اپنی خُداداد صلاحیّت اور قابلیّت سے حاصل کر لیتا ہے، وُہ دُنیوی اسباب سے حاصل کئے جانے والی عارضی اور کھوکھلی عزّت و شہرت اور مرکزِ توجّہ بننے سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اِس لئے کہ اُس نے شہرت و عزّت، مقبولیّت اور مرکزِ توجہ بننے کے سارے مراحل دولت کے حوالے کے بغیر طے کر لئے، مگر جو لوگ کسی قسم کے علم و فضل، فن و کمال اور استعداد و صلاحیّت نہ رکھنے کے باعث شہرت و مقبولیّت اور مرکزِ توجہ بننے کی اہلیّت نہیں رکھتے، ایسے تہی دامن جائز و ناجائز دولت اکٹھی کر کے پہلے دولت مند بننے کی کوشش کرتے ہیں اور جب دولت مند بن جاتے ہیں تو پھر مشہور، مقبول اور مرکزِ توجّہ بننے کی خاطر مذکورہ اسبابِ آسائش و زیبائش کی بیباکی کو استعمال میں لانے کی اوچھی حرکات شروع کر دیتے ہیں؛ ایسا کرنے سے برعمِ خود مطمئن سے ہو جاتے ہیں کہ اُنہوں نے عزّت، شہرت اور مقبولیّت کی بلند چوٹیاں دولت کے زور پر سر کر لیں، مقصدِ تخلیق کو حاصل کر لیا، اب تو خلقِ خُدا اُن کی بندۂ بے دام ہو گئی ہے اور وہ پوری طرح اُس کی توجّہ کا مرکز بن چکے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر اُن کی خام خیالی، ہرزہ اندیشی اور اپنے اندر کے چسکے کو محض وقتی تسکین دینا ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر بار ایسے ذہنوں میں مرکزِ توجّہ بننے کا داعیہ کیوں انگڑائیاں لیتا اور اُنہیں ہر لحہ کیوں بےچین رکھتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ایسے بچّہ ذہن اربابِ دولت بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جن بیباکیوں کے ذریعے اُنہوں نے خلقِ خُدا کو مرعُوب کرنے یا اپنی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش کی، وہ نہایت کمزور اور وقتی حربہ ہے، جس سے محض چند ہوس پرست، بے علم، بے جوہرِ فن اور بے ضمیر انسان ہی مرعُوب ہو سکتے ہیں۔ وہ لوگ اُن کی دولت کی بیباکیوں سے ذرّہ بھر بھی مرعُوب و متاثر نہیں ہو سکتے، جنہیں مبداءِ فیض نے صلاحیّت اور استعدادِ فطری کی ایسی ایسی دولتوں سے نوازا ہو کہ دولتِ دُنیا اور مادی اسباب اُن کے سامنے پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، ایسے لوگ جہاں قدم دھرتے ہیں، دولتِ دُنیا کے علاوہ عزّت و شہرت، مقبولیّت اور نیک نامی اُن کے قدم چُومتی نظر آتی ہے۔ بقولِ حضرت

سعدی شیرازیؒ ؎

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست — ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت[1]

وہ کسی وقت بھی اپنی صلاحیت کو حسبِ ضرورت بروئے کار لاکر اپنے قدموں میں دولتِ دنیا کا ڈھیر لگا سکتے ہیں اور وہ بقولِ علامہ اقبالؒ "جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے" کے قائل ہوتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے انسان کی دُنیوی حیات کو لہو و لعب، محض زیب و زینت اور باہمی تفاخر کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ[2] (ترجمہ) خوب جان لو کہ دُنیوی زندگی محض کھیل تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب نسب پر) اِترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے (انتہیٰ) گویا قرآنِ مجید نے بھی دُنیا اور حیاتِ دُنیا کو محض ایک کھیل تماشا، زیب و زینت، سامانِ آرائش اور مال و اولاد میں جذبۂ مسابقت کی حیثیت دی، مگر انسان اپنے عہدِ طفولیت سے عہدِ پیری تک کے مختلف ادوار میں مختلف کھلونوں سے کھیلتا رہتا ہے حتیٰ کہ بعض انسانوں کے اندر کا بچہ تو بڑھاپے میں کھلونوں کی طرف اور زیادہ مائل ہو جاتا ہے۔ بقولِ سید امجد حیدر آبادیؒ ؎

افیون ہو یا مٹھائی مُنہ میں رکھ لی — چیز اپنی ہو یا پرائی مُنہ میں رکھ لی
چھوٹے بچوں سے کم نہیں ہم اب بھی — جو چیز ملی، اُٹھائی، مُنہ میں رکھ لی

معلوم ہوا کہ دُنیوی چیزوں میں جس چیز سے کسی کا دل جس عمر میں بھی بہلتا ہو، وہ اُس کے لئے ایک کھلونے کا درجہ رکھتی ہے۔ راقم الحروف نے اپنی فارسی کی ایک رُباعی میں انسان کے اِسی کھیل کُود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ؎

از بہرِ معاش حیلہ سازی تا کے — در بزمِ جہاں ہوس طرازی تا کے
تا چند بہ نقشِ ماسوا شیفتگی — با لُعبتِ گِل چو طفل، بازی تا کے

---

[1] صاحبِ نعمت، کوہ و دشت اور بیاباں میں مسافر نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ جہاں بھی گیا، خیمہ لگایا اور اپنی بارگاہ بنالی۔

[2] القرآن ۵۷ : ۲۰

ترجمہ۔ اِس دُنیا میں زندگی گزارنے کے لئے یہ حیلہ سازی اور ہوس طرازی آخر کب تک چلے گی؟ کب تک انسان مقاصدِ عالیہ سے توجہ ہٹا کر دُنیوی اسباب اور سامانِ زینت وعیش کا فریفتہ رہے گا، اور کب تک مٹی کے اِن کھلونوں سے بچوں کی طرح کھیلنے میں مشغول رہے گا؟ گویا اگر انسان بچپن سے لے کر عہدِ پیری تک اِنہی کھلونوں سے کھیلتا رہے تو پھر اُس کی ذہنی بلُوغت کے دَور کا آغاز کب ہوگا؟ حالانکہ بڑھاپا انسانی حیات کی آخری اسٹیج ہوتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ؎

بس اِس کے بعد تو راہِ عدم ہے
یہی باقی ہے رستہ دیکھنے کا — راقم الحروف

انسان جب اپنے مرجع و معاد کی فکر سے بے نیاز ہو کر بچوں کی طرح دنیا کی طرف لپکتا ہے تو دُنیا اُسے اِس بُری طرح جھٹک دیتی ہے کہ پھر وہ عمر بھر خُون کے آنسو روتا رہتا ہے۔ آخر اُس کی یہ حالتِ زار دیکھ کر ایک درد آشنا دل پکار اُٹھتا ہے ؎

اشکوں سے تر ہے پھُول کی ہر ایک پنکھڑی
رویا ہے کون تھام کے دامن بہار کا

یہ حقیقت ہے کہ دُنیا ایک فانی چیز ہے اور بے ثبات و فانی چیز سے دوامِ وفا کی توقع ایک سنجیدہ حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ بے ثباتیٔ دُنیا پر راقم الحروف کی تین رُباعیاں ملاحظہ ہوں ؎

جو شے بھی ہے اِس دہر میں بس آنی ہے — جو چیز یہاں آئی ہے وہ جانی ہے
ہر پیکرِ ہستی ہے یہاں نقش بر آب — اِک رسمِ فنا دہر میں لافانی ہے

---

ہے دَورِ طرب سایۂ ابرِ گزراں — ہر خندہ ہے تاب و شررِ برق، یہاں
ہر سانس کو تُو سنگِ ملامت ہی سمجھ — ہستی ہے تری کارگہِ شیشہ گراں

---

دانا ہے، تو دُنیا کو سمجھ دامِ ہوس — انساں کا وجود ہے عناصر کا قفس
ہر پیکرِ تخلیق ہے تصویرِ خیال — یک موجِ ہوا ہیں نہیں تارِ نفس

بے ثباتیٔ دُنیا پر کسی شاعر کے درج ذیل اشعار بھی خوب ہیں ؎

گل کی اُمّید وار ہے دُنیا — عالمِ انتظار ہے دُنیا
حسرتوں کا مزار ہے دُنیا — کارواں کا غبار ہے دُنیا

ہر جگہ جنگ، ہر جگہ ہے نزاع — عرصۂ کارزار ہے دُنیا
گرچہ ظاہر میں صُورتِ گُل ہے — پر حقیقت میں خار ہے دُنیا
ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر — چار دن کی بہار ہے دُنیا
جیتے جی ہیں غریب اِس میں دفن — بے کسوں کا مزار ہے دُنیا
زندگی نام رکھ دیا کِس نے — موت کا انتظار ہے دُنیا

گُل و بُلبل بھی جس سے ناخوش ہیں
وُہ فریبِ بہار ہے دُنیا

اسبابِ دُنیا اور دولت انسان کے طُفیل پیدا کئے گئے نہ کہ انسان کو اسبابِ دُنیا اور دولت کے طُفیل معرضِ وجود میں لایا گیا۔ ثابت ہوا کہ جہاں بھی بلند و بالا ایوان و قصور اور مذکورۂ بالا اسباب کی فراوانی دیکھنے میں آئے، سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں علم و فضل، جوہر و فن، کمالاتِ فطری، استعدادِ علمی موجود نہیں ہے۔ جنہوں نے اپنے گرد دولتِ دُنیا اور مادّی اسباب کے انبار لگا رکھے ہوں، وہ بے چارے ذہنی طور پر مفلوج اور معذور ہیں، ورنہ وہ انسان جسے مبداءِ فیض نے فضائل و کمالاتِ فطریہ سے نوازا ہو، اُسے اُن کا نشہ ہی اِتنا ہوتا ہے کہ اسبابِ دُنیا کا وجود و عدم اُس پر ذرّہ بھر اثرانداز نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا شخص تو اسبابِ دُنیا کی کثرت کو اپنے اردگرد دیکھ کر بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے حضرتِ بیدلؒ کی زبان میں یہ کہہ اُٹھتا ہے ؎

اسباب، بر آزادہ دِلاں سخت حجابیست — نظّارہ، ز جمعیتِ مژگاں گِلہ دارد

یعنی بقولِ علامہ اقبالؒ ؎ نظّارے کو تو جُنبشِ مژگاں بھی بار ہے، وہ لوگ جنہیں فطرت نے کمالات و فضائل سے نواز کر حرص و ہوا سے آزاد کر دیا ہو، دُنیوی اسباب کی کثرت اُلٹا اُن کے دل پر بوجھ ڈالتی اور اِس کے لئے حجاب کا حکم رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظّارہ (دیکھنا) آنکھوں کے قید خانے کی پابندی نہیں برداشت کر سکتا، اِس لئے کہ اِس میں قُدرت نے آزادی کے جوہر رکھے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب یہی نگاہ، دریچۂ چشم سے جَست لگا کر کھُلے اور آزاد مناظر پر پھیل جانا چاہتی ہے تو اُس وقت اُسے اپنے چاروں طرف گھیرا کئے ہوئے پلکوں کے ہجوم سے شدید گِلہ ہوتا ہے، کیونکہ ہجومِ مژگاں نگاہ کی آزادی میں روڑا اٹکانے کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح نگاہ پلکوں کے ہجوم سے گِلہ مند رہتی ہے، اِسی طرح آزاد دل اور اربابِ علم و فن دُنیوی اسباب سے ہمیشہ بیزاری کا اظہار کرتے اور اُن کے جمع و مہیّا کرنے

کی فکر سے آزاد ہوتے ہیں۔

حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ ایک دوسرے مقام پر خیال و نظر کی تُنک سیری کا یوں ذکر فرماتے ہیں ؎

در دستِ جُہد نیست عنانِ تُنک رواں    ہر جا رسد خیال و نظر بے قدم رسد

اِس شعر میں پیش کئے جانے والے دعویٰ و دلیل کے ذریعے حضرتِ بیدلؒ سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ خیال اور نظر چونکہ کثرتِ اسباب کے ثقل تلے دب جانے سے بے نیاز ہیں، اِس لئے ترکِ اسباب نے اُنہیں اِس لطافت سے آشنا کر دیا، جس کے سبب وہ اپنی ایک غیر محسوس اور بے آواز جست میں لاکھوں میل کی مسافت بے جُنبشِ قدم طے کر جاتے ہیں۔ جسم کے دیگر اعضاء کے برعکس جنہیں اپنے اپنے افعال میں یک گونہ زحمت اور کوشش سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔

مشیتِ الٰہی، اگر خیال اور نظر کو تُنک خرام بنانے کے ساتھ ساتھ اُنہیں قدم اُٹھانے کی زحمت کے بغیر طویل و عریض مسافتیں طے کرا سکتی ہے تو کیا وُہ ذات اپنی کسی پاک خیال اور عالی نظر مقبول ہستی کے جسم کثیف کو خیال و نظر کی لطافتیں ارزانی فرما کر چشم زدن میں کائنات کی وسعتیں اور مسافتیں سمیٹ لینے اور اُنہیں طے کرنے پر قادر نہیں کر سکتی؟ ع جادۂ بجلی کی طرح آۓ نظر کی صُورت۔ اگر خیال اور نظر دیگر اعضائے جسم یا خود جسم کی کثافتوں اور کثرتِ اسباب کے انبار تلے دبے ہوتے تو یقیناً جس طرح وہ اب دیگر اعضاء سے لطافت، تُنک خرامی یا قطعِ مُسافت میں مُمتاز و مُمیز ہیں، ہرگز نہ ہوتے۔ خیال اور نظر کی محیّر العقول اور ناقابلِ فہم قوتِ پرواز کا اعتراف کئے بغیر تو چارہ نہیں، لیکن حیران ہوں کہ فتویٰ شرک کے عارضہ میں مُبتلا خیال و نظر کی یہ جولانیاں اور برق رفتاریاں دیکھ کر کیا موقف اختیار کریں گے؟

حضرتِ بیدلؒ کے نزدیک لطیف وجود کی باگ ڈور کوشش کے ہاتھ میں نہیں ہوتی اور لطیف و آزاد مزاج لوگ کثیف طبع لوگوں کی طرح کوشش کے مرہونِ منّت نہیں ہوتے، یہ اور بات ہے کہ جسم کے دوسرے اعضاء کو اپنے طبعی افعال کے صُدُور میں جِدّ و جُہد سے آشنا ہونا پڑتا ہے یہی فرق خواص و عوام میں ہے۔ خواص، خیال و نظر کا مقام رکھتے ہیں اور عوام، دُوسرے اعضائے جسم کا۔ جن کے آئینہ ہائے دل صاف اور شفاف ہوتے ہیں، وُہ اِس وسیع و عریض کائنات میں جہاں بھی پہنچنا چاہیں، خیال اور نظر کی طرح دفعتاً بے زحمتِ قدم پہنچ جایا کرتے

ہیں۔ چنانچہ عارفِ دَوراں حضرت پیر سید مہرعلی شاہ قدس سرہ نے اِسی نکتۂ خاص کی طرف اشارہ فرماتے ہُوئے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کا اظہار اِن الفاظ میں فرمایا ؎

بیرُوں نہ زدم قدمے ویں طُرفہ تماشا بیں
پُر آبلہ شُد پایم عُمریست کہ سیّارم

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے اپنی قیام گاہ سے باہر قدم بھی نہیں رکھا، لیکن اے مخاطب! اِس عجیب و غریب مقام کو ملاحظہ کر کہ میرے پاؤں آبلوں (چھالوں) سے بھرے پڑے ہیں اور ایک عُمر سے راہِ سلوک و عرفان میں مُسلسل سفر کر رہا ہُوں۔ باہر قدم نہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپؒ واقعتاً اپنی قیام گاہ سے کبھی کہیں تشریف نہیں لے گئے، ایسے سفر تو آپؒ نے بے شمار کئے۔ یہاں جس سفرِ خاص کا ذکر کیا جا رہا ہے، وہ بے زحمتِ قدم سفر ہے، جس کا ذکر ابھی کچھ پہلے حضرتِ بیدلؒ کے ایک شعر کے حوالے سے کیا گیا۔ جس طرح اجسام، مادّی منازل تک رسائی کے لئے مسافتِ ارضی کو طے کرتے ہیں، اِسی طرح معنوی اور رُوحانی منازل تک پہنچنے کے لئے خاصانِ خدا کی ارواح اور اُن کا وجدان و عرفان، مسافتِ حجابات طے کرتا ہے اور یہ ایسا عجیب سفر ہوتا ہے کہ مسافر کو اِسے طے کرنے کے لئے ظاہری طور پر اپنا ایک قدم بھی نہیں اُٹھانا پڑتا اور آن کی آن میں کائنات کی وُسعتوں کو اپنی برق رفتاری میں سمیٹ لیتا ہے۔ گویا بیٹھا ہُوا وطن میں بھی سالک سفر میں ہے، یا پھر بقولِ خواجہ میر دردؒ ؎

آپ سے ہم گزر گئے کب کے کیا ہے ظاہر میں جو سفر نہ کیا

مندرجہ بالا تبصرے کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو محسوس نہیں ہوتی، مگر ناصر علی سرہندیؒ کا یہ خوبصورت شعر نظر انداز کر کے گزر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ بھی سُنئیے اور سر دُھنیئے ؎

تُو راہ از کثرتِ اسباب بر خود تنگ می سازی
سُبک رُوحاں چو بُوئے گُل رہا کردند محمل ہا

ترجمہ و مفہوم۔ امرِ واقع یہی ہے کہ خود آگاہ اربابِ نظر کے لئے علائقِ دُنیا بارِ طبع ہوتے ہیں، کیونکہ باغبانِ فطرت جب بُوئے گُل کو زندانِ غنچہ سے حکمِ رہائی دیتا ہے اور برگِ گُل کی صُورت میں ابوابِ غنچہ اُس (خوشبو) پر کھول دیئے جاتے ہیں تو بُوئے گُل (خوشبو) اپنی طبعی لطافت اور سُبک رُوحی کی بناء پر خانۂ گُل کے رنگ برنگ دریچوں کو کھلا ہوا چھوڑ کر

کائنات کی وسیع و عریض فضاؤں میں محوِ پرواز ہو جایا کرتی ہے، گویا بُوئے گُل کے لئے قیدِ مکاں ایک مصیبت ہے، اِسی طرح جو لوگ بُوئے گُل کی طہارت، مہک اور لطافت کے مالک ہیں، وہ مکان سے بُوئے گُل کا سا سلوک کیا کرتے ہیں۔ ؎

در پسِ آئینہ طوطی صِفَتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گُفت، ہُماں می گویم (حافظِ شیرازؒ)

ترجمہ۔ کارکُنانِ قضا و قدر نے مجھے طوطی کی طرح آئینے کے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔ جو کچھ بھی مُعلّمِ ازل مجھے کہتا ہے، میں وہی بولتا ہوں۔

# بابِ ششم

# علّامہ آلوسیؒ کا ناہنجار اَخلاف پر اظہارِ تاسّف

دُنیاداروں، جاگیرداروں اور اُن لوگوں کی اولاد، جو اسلامی تہذیب سے علمی اور عملی دونو لحاظ سے بہت دُور ہو، اگر اپنے مال و متاع یا نسبی بڑائی پر اظہارِ افتخار کرے تو اُس کا یہ طرزِ عمل چنداں تعجب انگیز نہیں ہو سکتا، اِس لئے کہ جو ذہن قرآن و سُنّت کے فیُوض و برکات ہی سے محروم ہو اور صرف روپے کی ریل پیل کا دلدادہ و پرستار اور افسوسناک حد تک مادّہ پرست ہو، اُس سے اِسی قسم کی توقّعات ممکن ہیں۔ مگر جب ایسا کوئی قول و عمل عُلمائے اسلام اور مشائخِ طریقت یا اُن کے اَخلاف سے سرزد ہو تو وہ بلاشُبہ تعجب خیز اور حیرت افزا ہوگا، اِس لئے کہ علماء و مشائخ ہی اسلام کی وہ اہم شخصیات ہیں، جن کا ہر اندازِ حیات اُسوۂ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مُستنیر ہونے کے باعث خَلقِ خدا کے لئے قابلِ تقلید متصوّر ہوتا ہے، لہٰذا اِن کے لئے دُنیا کے بازاری ذہن رکھنے والے اوچھے امیرزادوں کے اندازِ فکر سے اجتناب لازمی ہے۔ موجودہ خانقاہی نظام کی صورتِ حال کا اندازہ اِسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل عظیم محقق، مفسّر اور صاحبِ نظر مرجع اہلِ عراق، مفتیٔ بغداد حضرت علّامہ ابو الفضل شہاب الدین السیّد محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) نے اُمّت کے گرانمایہ اسلاف کے ناخلف اَخلاف کا ذکر متاسّفانہ طور پر اِن الفاظ میں کیا: وَاَکْثَرُ مَا رَاَیْنَا ذٰلِکَ الْاِفْتِخَارَ الْبَارِدَ عِنْدَ اَوْلَادِ مَشَائِخِ الزَّوَایَا الصُّوْفِیَّۃِ فَاِنَّھُمْ ارْتَکَبُوْا کُلَّ رَذِیْلَۃٍ وَتَعَرَّوْا عَنْ کُلِّ فَضِیْلَۃٍ وَمَعَ ذٰلِکَ اسْتَطَالُوْا بِاٰبَائِھِمْ عَلٰی فُضَلَاءِ الْبَرِیَّۃِ وَاحْتَقَرُوْا اُنَاسًا فَاقُوْھُمْ حَسَبًا وَّنَسَبًا وَشَرَفُوْھُمْ اُمًّا وَّاَبًا وَھٰذَا ھُوَ الضَّلَالُ الْبَعِیْدُ وَالْحُمْقُ الَّذِیْ لَیْسَ عَلَیْہِ مَزِیْدٌ وَلَوْلَا خَشْیَۃُ السَّاٰمِ لَاَطْلَقْنَا فِیْ ھٰذَا الْمَیْدَانِ عِنَانَ کُمَیْتِ الْقَلَمِ عَلٰی اَنَّ فِیْمَا ذَکَرْنَا کِفَایَۃً لِمَنْ اَخَذَتْ بِیَدِہِ الْعِنَایَۃُ وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔[1]

ترجمہ۔ اور اِس قسم کا غلط فخر و غرور ہم نے خانقاہوں کے مشائخ صُوفیہ کی اولاد میں دیکھا،

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی، جلد ۹، الجزء السادس والعشرون، ص ۱۶۸، مطبوعہ المنیریہ مصر

وہ باوجودیکہ ہر خسیس حرکت کے مرتکب اور ہر فضیلت سے عاری ہوتے ہیں، پھر بھی اپنے باپ دادا کے نام پر دُنیا کے اہلِ فضیلت پر شیخی بگھارتے اور ایسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں، جو حسب ونسب میں اُن سے فائق اور بلحاظِ والدین اُن سے برتر ہیں اور یہ ایک ایسی بڑی گمراہی اور حماقت ہے، جس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ اگر ملال کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم اِس میدان میں رہوارِ قلم کو کھلا چھوڑ دیتے (یعنی تفصیل سے لکھتے) علاوہ ازیں جو کچھ ذکر کر چکے ہیں، اِس میں اُس شخص کے لئے کفایت ہے، جس کے ہاتھ کو عنایتِ ایزدی تھام لے اور اللہ تعالٰے ہی بہتر جانتا ہے۔ (انتہٰی)

حضرت علامہ آلوسیؒ کے اِس بے لاگ تبصرے سے جو چند نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ مشائخ اُمت نے شرعی جواز اور ضرورت کے بغیر اپنے کسی کمال پر اظہارِ فخر نہیں کیا، جب کہ اُن کی اولاد میں سے اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہاں اکثر کا لفظ کہہ کر علامہ موصوف نے یہ بتانا چاہا کہ سب ہی ایسے نہیں، بلکہ اکثریت کا یہ طریقہ ہے۔

۲۔ اگر کسی کے سامنے شیخی بگھارنا اور اظہارِ فخر کرنا ہی ہو تو اپنے باپ دادا کے ناموں اور اُن کے حوالوں کو پیش نہ کیا جائے، بلکہ کسی ذاتی کمال کے بل بوتے پر ایسا کیا جائے، کیونکہ صرف پدرم سلطان بُود سے کام نہیں چلتا۔

۳۔ محض عظیم آباء و اجداد کی اولاد ہونے کی وجہ سے دیگر مخلوقِ خدا کو نگاہِ تحقیر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیئے۔

۴۔ ایسا عمل اُنہی سے سرزد ہوگا، جو پست فطرت ہونے کے ساتھ ہر قسم کے فضل وکمال سے محروم ہوں۔

۵۔ اِس سے بڑھ کر کوئی گمراہی اور حماقت نہیں کہ انسان صرف عظیم المرتبت آباء و اجداد کی اولاد ہونے پر اکتفا کرلے اور ہر جگہ انہی کے حوالوں کا دست نگر بن کر رہے، جب کہ اُس کے بزرگوں نے اپنا حوالہ اور اپنا تعارف خود پیدا کیا۔ ؂

اپنی دُنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

آخر یہ سُنّت بھی تو بزرگوں ہی کی سُنّت ہے۔ دوسری تمام سُنّتوں کی طرح اِسے بھی واجب الاتباع کیوں نہ سمجھا جائے۔ کیا صرف اِس لئے کہ بعض سُنّتیں مُوافقِ مزاج

ہونے کے ساتھ ساتھ آسان اور باعثِ ناموس ہوتی ہیں اور بعض خلافِ طبیعت ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل اور تلخ ہوتی ہیں۔

صاحب رُوحُ المعانی کا مذکورہ اظہارِ تاسّف بے جا نہیں، بلکہ خانقاہوں کے اکثر صاحبزادے اُن کے قول کے مطابق علمی اور اخلاقی فضائل سے عاری ہوتے ہیں، اُن چیزوں پر فخر کرتے ہیں، جو درحقیقت قابلِ فخر نہیں ہوتیں۔ مثلاً دولت و ثروت، افتخارِ نسبی، اسلاف کے سبب حاصل ہونے والی عزت و شہرت، مادّی اشیاء کی فراوانی، ظاہری جاہ و جلال، دُنیوی اثر و رسوخ اور پھر اِن سب چیزوں کی فراہمی پر کبر و نخوت کا اظہار۔ اگر بہ نگاہِ غائر دیکھا جائے تو مذکورہ بالا چیزیں دوسری نعمتوں کی طرح انسان کے لئے انعامِ خداوندی کا درجہ رکھتی ہیں؛ مگر رحمت بیک نقطہ زحمت شود کے مصداق بعض انسان انعاماتِ خداوندی کے متحمل نہ ہونے کے باعث شکر بجالانے کے بجائے طُغیان و سرکشی، معصیت و بے راہ روی اور کبر و افتخار میں مُبتلا ہو جاتے ہیں، نتیجتاً وہ چیزیں جو بلاشبہ انسان کے لئے انعامِ خداوندی ہوتی ہیں، ایسے جاہ پسند اور خُود پرست ذہنوں کے ساتھ منسوب ہونے کی وجہ سے معیُوب و معتُوب نظر آنے لگتی ہیں۔

## احساسِ سجّادگی و صاحبزادگی ـــــ ایک لاعلاج مرض

مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں جدِّ امجد حضرت سیّد غلام محی الدّین المعروف قبلہ بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۴ء) مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صاحبزادگی سے بچو، یہ ایک مُہلک مرض ہے۔ جہاں تک ہو سکے، اپنے اندر ایسے کمالات پیدا کرو، جو درگاہ سے نسبت کے علاوہ بھی تمہاری پہچان ہوں، کیوں کہ ساری دنیا مُرید تو نہیں ہوتی، جو محض خُوش عقیدتی کی بنا پر ناخُوب کو بھی خُوب اور بے کمالی کو بھی کمال سمجھتی رہے۔ صحیح قدر و منزلت تو اپنی فطری استعداد اور علمی قابلیت ہی سے پیدا ہوتی ہے، جس سے متاثر ہو کر ناآشنا اور غیر متعلق لوگ بھی حلقۂ تعارف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صاحبزادگی سے بچنے کی تلقین آپ نے کوئی ایک دو بار نہیں، بار ہا فرمائی۔ اِس حد تک کہ جب کبھی داداجان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جانے کا اتفاق ہوتا مجھے یہی اندیشہ دامن گیر رہتا کہ اب پھر سب مُریدین کے سامنے میری صاحبزادگی پر تبصرہ ہو گا کہ یہ کرو، وہ نہ کرو۔ ایسا کرنا ٹھیک نہیں وغیرہ۔ سچی بات یہ ہے کہ کم سنی اور کم علمی کے باعث

اِن قیمتی اور شخصیت ساز نصائح پر بعض اوقات اُلجھن بھی ہوتی تھی کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ اُن مُریدوں کے سامنے، جو بڑی عقیدت مندی سے میرے ہاتھ پاؤں چُومتے ہیں، صاحبزادگی پر تلخ تبصرہ فرما کر بے عزت کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً مُریدوں کی موجودگی میں حاضری سے احتراز کرتا تھا، مگر بحمداللہ دینی تعلیم اور ذہنی پختگی نے آہستہ آہستہ اِس اُلجھن سے نجات دلا دی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے ذہن میں صاحبزادگی کی بُو پڑ جاتی ہے، وہ اپنے بزرگوں اور خاندان کی عظمتوں کے افتخار میں مُبتلا ہو جانے کے باعث علم و فضل اور دیگر اخلاقی عظمتوں کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے، اصل میں یہ اندازِ فکر حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا، چنانچہ اِس ضمن میں مؤلفِ مہرِ مُنیر لکھتے ہیں:—

"ایک مرتبہ حضرتِ اعلیٰؒ نے فرمایا کہ ہمارے دل میں خیال گزرا کہ برخوردار غلام محی الدین کی بیعت اپنے پیرخانہ سیال شریف میں کرا دیں، لیکن اِس امر نے باز رکھا کہ صاحبزادگی بڑا نازک مقام ہے، مبادا یہ اِس بار کو نہ اٹھا سکے، چنانچہ اپنے پاس ہی رکھنا بہتر خیال کیا۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگوں کی اولاد میں ایک طرح کا عُجب پیدا ہو جاتا ہے، اِس میں مُریدوں کی نیازمندی اور آؤ بھگت کو بڑا دخل ہے۔ ہر مُرید شیخ کا قُرب حاصل کرنے کی خاطر شیخ کی اولاد کی خدمت کرنا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔ اِس عُجب کی وجہ سے اکثر صاحبزادگان کسبِ کمال سے محروم رہ جاتے ہیں، لیکن اُس طبیبِ حاذق اور فرض شناس والد نے اپنے فرزند کے تربیتی نسخے میں ابتداء ہی سے اِس متعدی بیماری کا پرہیز شامل کر دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ خُودی کو مٹائے رکھنا، مشغولِ خدمتِ خلق رہنا، اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ بن کر رہنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بابوجیؒ ایک طرف تو دُنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعُوب نہیں ہوتے اور دُوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ انسان پر بھی شفقت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ اگرچہ اکلوتے بیٹے تھے، سب کی توجہ کا مرکز، ہر ایک خوشنودی حاصل کرنے کا خواہاں۔ غرض بگاڑ کے سارے سامان موجود تھے، مگر اللہ رے استقامت کہ طبیعت ہمیشہ فقر ہی کی طرف مائل رہی، خُود تو کیا بگڑتے بفضلہٖ تعالیٰ اپنے دونو صاحب زادوں رفع اللہ قدرھُما کو بھی صاحبزادگی کی بُو سے محفُوظ رکھا۔ سچ ہے ترکِ دُنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ کمیٔ مال و اسباب سے[1]" گویا حضرتِ اکبر الٰہ آبادیؒ کی زبان میں ؎

[1] دیکھئے مہرِ مُنیر، بابِ ششم، ص ۳۶۵، مطبوعہ لاہور

نیچریت چیست، از دیں گُم شُدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

# راقم الحروف کا زمانۂ طالب علمی

ربّ کریم نے مشہورِ زمانہ علمی و رُوحانی خاندان سے انتساب کے ساتھ ہر قسم کی دُنیوی اور مادّی آسائشوں سے نواز رکھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دس گیارہ سال تک مُسلسل اپنے اُستادِ مُشفق حضرت مولانا فتح محمّد صاحب (م ۱۳۸۹ھ) مرحوم و مغفور کے گھر راولپنڈی پڑھنے کے لئے جاتا رہا، حالانکہ موٹر وغیرہ کا اہتمام آسانی سے ہو سکتا تھا، مگر داداجان نے ایسا ہرگز نہ ہونے دیا، چنانچہ میری وجہ سے میرے اُستادِ محترم کو بھی پیرانہ سالی میں صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا۔ منزل تک پہنچنے کی حد تک تو کسی قسم کی سواری کا ہونا بھی غنیمت ہے۔ بقولِ اکبر مرحوم ؎

منزلِ گور تک پہنچنا ہے     خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مگر ایک کھاتے پیتے گھرانے کے فرد کے لئے ٹرک پر بیٹھنا، بس اِسٹاپوں پر گرمی سردی میں گھنٹوں انتظار کرنا، پھر نشست نہ ملنے کی صُورت میں کھڑے کھڑے سفر کرنا، تانگوں اور ٹیکسیوں پر بیٹھنا باعثِ شرم سمجھا جاتا ہے۔ یقین کیجئے کہ بعض اوقات میلوں پیدل سفر بھی کرنا پڑا۔ سواریاں فرّاٹے بھرتی ہوئی بڑی شانِ بے نیازی سے گزر جاتیں اور مَیں اِس طرح دیکھتا رہ جاتا جس طرح خشک سالی کا مارا ہوا کسان اپنے جُھلستے کھیتوں پر سے گزرتے ہُوئے بادل کے ٹکڑے کو باحسرت و یاس تکتا رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات تو گولڑہ سٹیشن سے تانگہ نہ ملنے پر بیل گاڑی پر سفر کرنے کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ دس گیارہ سال مُسلسل اِن کٹھن مراحل سے گزرنا صاحبزادگی کے ماحول میں پروان چڑھنے والے نوجوان کے لئے کوئی آسان اور معمولی بات نہ تھی، چنانچہ مَیں نے تنگ آکر حضرت باُوجیؒ کے ایک مخلص مُرید سیٹھی اسماعیل صاحب پشاوری (سابق وائس چانسلر پشاور یُونیورسٹی) کو حضرت قبلہ باُوجیؒ سے اِس سلسلے میں نظرِ ثانی کی استدعا کرنے پر آمادہ کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا تو جواب ملا کہ مجھے معلوم ہے کہ نصیرالدین یہ تکالیف برداشت کر رہا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ مَیں اُس کے لئے ہر قسم کی آسائشیں مُہیّا کر سکتا ہُوں، تم اُس کی خیر خواہی کا تکلّف نہ کرو۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ حصُولِ علم کے لئے وہ ایک غریب

اور نادار انسان کو پیش آنے والی تکالیف سے گزرے! ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی وُہ کچھ بن سکے گا ورنہ خدانخواستہ دولتِ علم سے محروم رہ جائے گا۔ حضرت بابُوجیؒ کی باتیں اُس وقت تو سمجھ میں نہ آتی تھیں، بلکہ اُلٹا طبیعت پر بوجھ کا باعث بنتی تھیں، مگر آج مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر اُس وقت مجھ سے یہ سلوک نہ کیا جاتا اور مجھے وہ آسائشیں مہیا کر دی جاتیں، جو بآسانی دستیاب تھیں تو میں آج کے نصیرالدین سے خاصا مختلف ہوتا۔ اب جو کچھ بھی ہوں اور جیسا بھی ہُوں، یہ اُنہیں تکلیفوں اور صَعُوبتوں کا ثمرہ ہے اور حضرت قبلہ بابُوجیؒ کے مخصوص اندازِ تربیت کا صدقہ ہے۔ دراصل حصُولِ علم کے لیے مصائب و شدائد کا سامنا سُنّتِ اسلاف ہے، جو مجھے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ مُؤلفِ مہرِ مُنیر (بے خُونِ جگر چشید[1] نتواں) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:-

حضرتِ اعلیٰؒ نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں بڑی مشقتیں جھیلی تھیں، سفر کی صَعُوبتیں اُٹھائی تھیں۔ حضرت کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ جو رقُومات ذاتی اخراجات کے لئے گھر سے موصُول ہُوا کرتی تھیں، وہ بھی اپنے ہم سبق طلباء کی ضرورتوں پر صرف کر دیتے تھے اور خود فاقہ کش رہتے تھے۔ اِدھر حضرت بابُوجیؒ کی نظر جب اپنے تعلیمی ماحول پر گئی تو معاملہ بالکل برعکس پایا۔ گھر میں رہتے تھے، ہر طرح کا آرام موجود تھا، ہر قسم کی آسائش مُیسّر۔ چنانچہ اِس طالب علم، بلکہ طالبِ مولیٰ نے مشقت اور جفاکشی کو التزاماً اپنا شعار بنایا۔ کم خوری کی عادت ڈالی، لذائذ اور تن آسانیاں ترک کر دیں اور سفر کی صَعُوبتیں معمُول بنا لیا[2]؎

ایں شربتِ عاشقی ست خُسرو
بے خُونِ جگر چشید نتواں

---

[1] غالباً سہوِ کتابت کی بناء پر مہرِ مُنیر میں چشید کے بجائے چشیدن مرقوم ہے، جو غلط ہے۔ اِس لئے کہ اِس طرح مصرع بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ طوطیِ ہند حضرت امیر خُسروؒ کے فارسی دیوان میں یہ پُوری غزل موجود ہے، جس کا قافیہ دید، شنید، درید اور نتواں ردیف ہے اور اِس غزل کا مطلع درج ذیل ہے؎

از ہجرِ تو تُرتے بُرید نتواں ۔۔۔ بر تُو دگرے گُزید نتواں

(ملاحظہ ہو دیوانِ کامل، امیر خُسرو دہلویؒ، ص ۴۵۹، مطبوعہ تہران، سنِ طباعت ۱۳۴۳ھ)

[2] دیکھئے مہرِ مُنیر، بابِ ششم، ص ۱۴۵، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۴ء

جنہیں سپرد ہے گلگشتِ حسن کی تنظیم وہ پھول صبح سے پہلے کِھلائے جاتے ہیں

(بعالمِ طفولیت، حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ)

# مصنّف کا ایک ذاتی مشاہدہ

میرے درسِ نظامی کی تکمیل اور عُلُومِ شرعیہ کی تحصیل کا باعث بھی حضرت قبلہ بابُو جیؒ کی ذاتِ گرامی ہی تھی، حالانکہ کئی دُنیادار متوسلین اور احباب نے کالج، یُونیورسٹی حتیٰ کہ مغربی ممالک میں انگریزی تعلیم دلوانے کے مشورے بھی دیئے، مگر حضرت بابُوجیؒ ہمیشہ مجھ سے یہی فرماتے کہ اگر تم دارین کی سعادت و فلاح چاہتے ہو تو سب سے پہلے وہ عُلُوم حاصل کرو، جو ہمارے خاندان میں بطورِ وراثت چلے آرہے ہیں اور جو ہماری پہچان ہیں۔ عربی کے ساتھ فارسی کو بطورِ خاص پڑھنے کی ہدایت فرمایا کرتے۔ فارسی زبان کی اہمیت و افادیت کے سلسلے میں حضرت سیّد اکبر الٰہ آبادیؒ کی یہ رُباعی بھی پڑھتے چلیئے ؎

اقبال کے ساتھ اے خرد تُو بھی گئی — غیرت کے ساتھ مذہبی بُو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرتِ کرامت، اکبر — رُخصت ہوئی فارسی تو اُردُو بھی گئی

چنانچہ آج میں قرآن و سُنّت کے علاوہ اساتذۂ متقدمین، صُوفیائے سلف اور خاص طور پر میرزا عبدالقادر بیدلؒ جیسے عظیم انسانوں کا کلام پڑھتا ہُوں تو مجھے اپنے جدِّامجد نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ رہ رہ کر یاد آتے ہیں اور اُن کے لئے دل سے دُعائیں نکلتی ہیں۔ اگر وہ اِن اُمُور پر میرے لئے خصُوصی توجہ مبذول نہ فرماتے تو عُلُومِ اسلامی اور عُرفائے اُمّت کے رمُوز و غوامض کا ادراک نہ کر سکتا۔ اِس ضمن میں جدِّ امجد کی سوچ بعینہٖ وُہی تھی، جو حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی تھی۔ چنانچہ مؤلفِ مہرِ مُنیر "انگریزی تعلیم پر حضرتؒ کا مسلک اور دینی مدارس میں دلچسپی" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں :۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کو دینی مدارس کی بقا اور قیام کا ہمیشہ خیال رہا، انگریزی سکولوں کے مُروّجہ نصاب کے عُیُوب کے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ بعض مکتُوبات سے ملتا ہے، انگریزی کو بطورِ زبان پڑھنے اور سیکھنے پر آپ کو اعتراض نہ تھا، بلکہ حکومتِ برطانیہ کے عہد میں دُنیوی کاروبار اور مفاد کے لئے اِسے ضروری سمجھتے تھے، مگر نظرِ مُبارک اِس خطرہ سے بیگانہ نہ تھی کہ انگریزی ادب میں ایسا مواد بھرا ہوا ہے، جو مذہب اور قومی یک جہتی کے لئے باعثِ نقصان ہوتا ہے، اِس لئے کوشش فرماتے تھے کہ اسلامی عُلُوم بھی ساتھ ساتھ ضرور پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی شعُور اور کردار میں تنزّل نہ آنے پائے، ایسی مغربی لادینی تہذیب کی آپ نے شدّ و مدّ

سے مذمت فرمائی، جو اسلام سے بیگانہ کر دے اور عقلِ محض کی کورانہ تقلید کا پابند بنا دے، اور اِس مسلک کے پیشِ نظر اپنے خاندان میں بچّوں کو انگریزی تعلیم نہ دلوائی۔"[1]

## ایک شعری نشست کے بعد صاحبزادگی پر تلخ تنقید

گزشتہ موسمِ بہار میں دبستانِ لوح و قلم کراچی کے زیرِ اہتمام زندہ دلانِ کراچی نے ایک بھرپور آل پاکستان مشاعرے کا انعقاد کیا۔ جس میں بھارت کے معروف شعراء کی معقول تعداد نے شرکت کی۔ مَیں اُن دنوں اپنے تصنیفی کام میں مصروفیت کی وجہ سے بزم آرائی کے موڈ میں نہیں تھا، اِس لئے معذرت چاہی، لیکن ارشادِ احبا ناطق تھا کے مصداق ناچار شریک ہونا پڑا۔ عروس البلاد کراچی واقعی پاکستان کا لکھنؤ ہے۔ اِس لئے کہ یہاں کی ادبی مجالس کے شرکاء کی اکثریت صاحبِ ذوق اہلِ زبان پر مشتمل ہوتی ہے۔ اِس نوع کی شعری نشست میں شرکت کا پہلا تجربہ تھا، جہاں لکھنوی آداب و تہذیب، شائستگی، شعرفہمی اور زبان دانی کے نظرنواز مناظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سخن شناس اہلِ زبان جس فراخ دلی سے ٹوٹ کر داد دیتے ہیں، وہ منظر بڑا دیدنی ہوتا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ دبستانِ لوح و قلم کراچی نہ تو ہمارے نیازمندوں کی تنظیم تھی اور نہ ہم مسلک احباب کا اجتماع، بلکہ مشاعرہ بہ سلسلۂ ولادتِ علیؓ خالصتاً ایک شیعہ تنظیم کے زیرِ اہتمام منعقد ہو رہا تھا۔ اِس قسم کے اجتماعات میں میری شرکت پر احباب عموماً معترض رہتے ہیں۔ سو عرض یہ ہے کہ اگر دیگر مسالک کی مجلسوں میں اُن کے بلانے پر بھی نہ جایا جائے تو پھر اپنے مسلک کی حقانیت اور اپنے نظریات و عقائد کے اظہار کا موقع کس طرح ہاتھ آئے گا، ہاں یہ ضروری ہے کہ جن حضرات کو اپنے علم اور ایمان پر اعتماد نہ ہو، اُنہیں یقیناً احتراز کرنا چاہیئے، لیکن جو لوگ ردِّ باطل اور اظہارِ حق کی نیّت سے ایسی مجالس میں شرکت کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ اُنہیں اجر و ثواب سے محروم نہیں فرماتا؛ لہٰذا اُنہیں اِس قسم کے اعتراضات کا نشانہ نہیں بنانا چاہیئے۔

بہرحال مذکورہ محفل میں کسی قسم کی نظریاتی و اعتقادی ہم آہنگی نہ ہونے کی بنا پر مجھے

---

[1] دیکھئے "مہرِ منیر" باب پنجم، ص ۱۴۰-۱۴۱ مطبوعہ لاہور۔ اپریل ۱۹۸۷ء

نہ تو اپنی غیر معمولی پذیرائی کی اُمید تھی اور نہ داد پانے کی خُوش فہمی۔ اِس لیئے کہ جہاں بھارتی شعراء میں جگن ناتھ آزاد، راحت اِندوری، ماہر لکھنوی، ڈاکٹر رفیق احمد بلگرامی، خمار بارہ بنکوی، کیف رامپوری اور فنا نظامی کانپوری جیسے عمر رسیدہ اور کہنہ مشق مہمان شامل تھے، وہاں پاکستان کے تابش دہلوی اور اُمید فاضلی جیسے متعدد قابلِ ذکر شعرائے کرام بھی شریکِ محفل تھے۔ کراچی اور بھارت کے اِن کہنہ مشق اہلِ زبان شعراء کے بعد میری باری آئی تو داد یہ صُورت اختیار کر گئی کہ میرے لیئے مصرعِ ثانی پڑھنا مشکل ہو گیا۔ ایک ایک شعر پر سُبحان اللہ! سُبحانَ اللہ! کیا کہنے، پھر ارشاد ہو، مکرر، مکرر کا وہ شور اُٹھتا کہ الامان والحفیظ اور مجھے دُوسرا شعر سُنانے کے لیئے انتظار کرنا پڑتا۔ مُشاعرہ ختم ہوا تو سامعین اور شعراء نے میرا محاصرہ کر لیا اور جس والہانہ طریقے سے میری عزت افزائی کی، اُس کی تفصیل کا بیان اپنی زبان سے خُودستائی ہوگا، جو مستحسن نہیں۔ میں سمجھتا ہُوں کہ یہ سب سرکارِ مدینہ فداہ اَبی و اُمّی کی بندہ نوازی تھی۔

مُشاعرہ کے ایک دو روز بعد شعراء سے تفصیلی ملاقات اور گفتگو رہی۔ ایک بڑے ضعیف العمر، عُمر رسیدہ بزرگ، جو اُس محفل میں شریک ہوئے تھے کہنے لگے: صاحب زادہ صاحب! آپ کی شعری تخلیقات پر تقاریظ اور آپ کا فارسی کلام نظر سے گزرا تو ملاقات کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ اِس لیئے کہ آج کل فارسی اور عربی کے صاحبانِ کمال عنقا ہیں؛ آپ بلاشبہ اپنے اسلافِ کرام کے فیض یافتہ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک طویل مُدت میرا تعلق خانقاہوں سے رہا۔ اِس نظام کی مسلّمہ حقانیت اور اِفادیت کے باوصف اِس پر اعتراض کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔ تفصیل کا وقت نہیں، البتہ میں اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر چند تلخ حقائق کے سلسلے میں استفسار چاہُوں گا، اُمید ہے آپ میری تلخ نوائی کو محسوس نہیں کریں گے بلکہ خندہ پیشانی سے اِسے برداشت کریں گے۔ میں اپنی قلبی خلش دُور کرنے کی خاطر سمع خراشی کی جسارت کر رہا ہُوں۔ میں نے جواباً میاں صاحب سے عرض کیا کہ یہ موضوع اِتنا مختصر نہیں کہ اب اِسی مجلس میں اِس پر کچھ عرض کیا جائے۔ اگر پسندِ خاطر ہو تو کسی فارغ وقت تشریف لے آئیں، انشاء اللہ تفصیلی گفتگو ہوگی۔ چنانچہ بڑے میاں دو روز بعد تشریف لے آئے اور تین چار گھنٹے کی طویل نشست میں اُن سے تبادلۂ خیال رہا۔ اُن کے اعتراضات اور اپنے جوابات تو لفظ بلفظ مجھے یاد نہیں، لیکن اعتراضات و جوابات کا یہ طویل مضمون اپنے اندازِ تحریر میں

نذرِ قارئین ہے۔ بڑے میاں نے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا:۔

مُریدوں کے نذرانے[1] اور اُن کی دست بوسیاں خانقاہی نظام میں پروان چڑھنے والے اکثر سجّادہ نشینوں اور صاحبزادوں کے دماغ خراب کر دیتی ہیں، اِس بگاڑ میں مُریدین کے اُن القاب کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے، جنہیں وہ پیروں اور پیرزادوں کے لئے جا و بے جا اور بے دریغ استعمال کرتے ہیں، مجھے مُریدوں کی مُخلصانہ محبّت و عقیدت سے اختلاف نہیں، لیکن اتنا ضرور دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے مشائخ اور مشائخ زادوں سے جو سلوک کر رہے ہیں، کیا اُن کی عُمر، علم اور ذہن اُس کا متحمل بھی ہے کہ نہیں۔ آج کل اہلِ خانقاہ میں صُوفیائے رفتہ کا عرفان و وجدان، زُہد و تقوٰی اور علم و فضل کہاں، لیکن اگر آنے والا کم از کم ان کے اقوال و اعمال، حرکات و سکنات سے درسِ اخلاق و ادب بھی نہ حاصل کر سکے تو پھر ان کے وُجُود کا کیا فائدہ؟

بڑے میاں کا یہ ناقدانہ تبصرہ مجھے پسند آیا۔ میں نے کہا آپ بالکل درست فرما رہے ہیں اور مجھے اِس سلسلے میں آپ سے سو فیصد اتّفاق ہے، مگر صرف مشائخ کو موردِ الزام ٹھہرانا، یک طرفہ فیصلہ دینے کے مُترادف ہوگا۔ ذرا دَورِ حاضر کے مُریدوں کی اقسام اور اُن کی نوعیّتِ نیاز پر بھی ایک نظر ڈالتے جایئے۔ کہنے لگے وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ آپ کے یہ اعتراضات کوئی نئے نہیں، اگر حضرت امام غزالیؒ کی اِحیاءُ العُلوم کا بغور مُطالعہ کیا جائے تو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ اُنہوں نے اُس دَور کے نظامِ تصوّف پر کس دردمندی اور اخلاص و دیانت سے بے لاگ تنقید فرمائی اور اربابِ طریقت پر اُس کے منفی و مثبت پہلو اُجاگر کئے ہیں، چنانچہ اِس سلسلے میں اِحیاءُ العُلوم کے ابواب بعنوانِ کبر، حسد، جاہ وغیرہ کا مُطالعہ بے حد مُفید ہے۔

مُخلص مُریدین کو چھوڑ کر بعض ایسے ماڈرن اور ایڈوانسڈ (Advanced) قسم کے

---

[1] نذرانوں کے ردّ و قبُول کے متعلق سُلطانُ المشائخ حضرت سیّد نظام الدّین اولیاء محبُوبِ الٰہی بدایُونی دہلوی قدّس سرّہ العزیز کا ارشادِ گرامی ہے:۔ "اگر کوئی چیز کسی کو بغیر زبان سے مانگے اور بغیر فکر و تردّد کے ملتی ہے تو اُسے ردّ نہ کرنا چاہیئے"۔ اِس سلسلے میں حضرت سُلطان المشائخؒ نے رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیثِ مُبارک سے اِستناد فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرُ الاولیاء (فارسی) از سیّد محمد مُبارک علوی کرمانیؒ المعروف بہ امیر خورد (م ۷۷۰ھ) مترجمہ اُردو، از اعجازُ الحق قدّوسی، ص ۱۰۸، طبع اوّل فروری ۱۹۸۰ء، مرکزی اُردو بورڈ لاہور

حضرات بھی مشائخ کی دست بوسی کرتے ہیں، جن کے دل و دماغ میں نہ تو خانقاہوں سے عقیدت ہوتی ہے، نہ وُہ اہلِ خانقاہ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہوتے اور نہ ہی اُن سے طبعاً کوئی دلچسپی رکھتے ہیں، مگر کسی وقتی مصلحت، کسی مجبوری یا مقصد برآری کے تحت اُنہیں آدابِ خانقاہ کو ملحوظِ خاطر رکھنا پڑتا ہے اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو دست بوسی کا ذکر ہی کیا، مشائخ سے آنکھ تک نہیں ملاتے اور بعض ایسے شاطر لوگ بھی ہوتے ہیں، جو محض نمائش کی خاطر شیخ کی دست بوسی کو جھکتے ہیں، تاکہ ماحول پر اُن کی کمالِ عقیدت کا تاثر قائم ہو سکے، ایسے لوگ بوسے کی خاطر شیخ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تو لے لیتے ہیں، لیکن نامعلوم وُجوہات کی بنا پر شیخ کے ہاتھ کے بجائے اپنا دستِ مُبارک چُوم لینے میں ہاتھ کی وہ صفائی دکھاتے ہیں کہ عام ذہن اُن کی اِس مُنافقانہ حرکت کو محسُوس تک نہیں کر پاتے۔

اِسی طرح بعض مُریدین اپنے برادرانِ طریقت کے حلقہ میں شیخ کے ساتھ اپنے قُرب یا خصُوصی تعلق اور نوازش کی مَن گھڑت داستانیں بیان کرنے کے دھنی ہوتے ہیں، وہ اپنے پیر بھائیوں کو چرب زبانی سے اپنی اہمیت جتانے کی کوشش کرتے ہیں، اِس قماش کے اکثر لوگ مخلص نہیں ہوتے، بلکہ ایسی داستانیں اور فرضی قصّے سُنانے سے اُن کا مقصد برادرانِ طریقت سے اپنی مطلب برآری ہوتا ہے۔ یا محض فریبِ نفس کی خاطر اپنی برتری جتلانا مقصود ہوتا ہے، لہٰذا اِس قماش کے لوگوں سے مخلص اور سچّے مُریدوں کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے اِس لئے کہ خانقاہوں میں ایسے لیموں نچوڑ اپنی چرب زبانی اور جادُو بیانی سے سادہ لوح اور مخلص پیر بھائیوں کو فریب دینے میں کامیاب ہو جایا کرتے ہیں۔

بعض ریاکار ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دُنیا میں محض نام و نمود، تعارف، عزّت اور مفاد پرستی کی خاطر مشائخ سے روابط قائم رکھتے ہیں۔ امیرانہ اور توانا بانہ ذہنیت کے سبب وہ اپنے مشائخ سے نیازمندی کے بجائے برادرانہ سُلوک کرتے ہیں، اُن کی حرکات و سکنات میں شیخ کے حقیقی آداب کا کوئی منظر نظر سے نہیں گزرتا۔ درحقیقت ایسی امیرانہ ذہنیت کے مُرید نما حضرات خود کو شیخ سے بھی افضل اور اُونچا سمجھتے ہیں، اپنی آمد و رفت اور اربابِ خانقاہ سے اپنے میل جول کو اہلِ خانقاہ پر یک گونہ احسان اور مہربانی تصوّر کرتے ہیں۔ بعض طالع آزما مُرید ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا شیخ سے خلوت میں اندازِ ملاقات سراپا نیاز ہوتا ہے، مگر

جلوت میں اِس خیال سے سراپا ناز بن جاتے ہیں کہ لوگ اُنہیں دیکھ کر کیا کہیں گے۔ گویا اُن کے آداب محض مقاصدِ دُنیوی پر موقوف ہوتے ہیں، کوئی مطلب ہوا تو برعمِ خویش شیخ کی ذہنی سطح کو ہموار کرنے کے لئے رشوتِ ذہنی کے طور پر دست بوسی وغیرہ کر لی۔ وہ اظہارِ مقصد دیر سے کریں یا جلدی۔ پہلے ذہنی سطح ہموار کرتے ہیں تاکہ اِس طرح اُن کی بات ع اِدھر زبان سے نکلی اُدھر قبُول ہوئی، کا مصداق بن سکے۔ حالانکہ ایسے طریقت ناآشنا اور مفاد پرستوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ حقیقی مشائخ، جن کے دل عجز و انکسار کے جلوؤں سے معمور ہوتے ہیں اور شیخِ طریقت ہونے کے باوُجُود ہر انسان کو خُود سے بہتر و افضل سمجھتے ہیں، اُن کے دل دست بوسی۔ پابوسی اور اپنی تعظیم و توقیر کرانے کی آلائشوں سے قطعاً پاک ہوتے ہیں اور اِس قسم کی کوئی گھٹیا آرزو اُن کے حصارِ عجز و انکسار کو توڑ کر اُن کے نہاں خانۂ قلُوب میں داخل نہیں ہو سکتی، بلکہ اُنہیں دست بوسی کرانے سے یک گونہ عار سی محسوس ہوتی ہے، مگر صرف اِس ڈر سے وہ اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے کہ مبادا کسی مخلص عقیدت مند کی دل شکنی ہو، جو دُنیائے تصوّف کا سب سے بڑا گناہ ہے ؎

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کُن
که در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست (حافظ شیرازیؒ)

بلاشبہ یہ بہت بڑی بات ہے، اِس لئے کہ اگر چار چھ آدمی بھی کسی کا ادب و احترام کرنے لگ جائیں تو اُس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور وہ کسی سے سیدھے مُنہ بات نہیں کرتا، چہ جائیکہ لاکھوں انسان ایک شیخِ طریقت کی دست بوسی، پابوسی اور اُس کی تعظیم و توقیر کا غیر معمولی اہتمام کرتے ہوں۔ اگر اس تعظیم و مقبولیت کے باوصف شیخ کے دل میں جذبۂ عجز و انکسار بدستور موجزن رہے اور وہ خُود کو بڑا نہ سمجھے تو اُس کا یہ عمل اِس مادّی دَور میں بلاشُبہ کرامت سے کم نہ ہوگا۔ ایسے عظیم انسان کا جتنا بھی احترام کیا جائے، کم ہے۔ جس طرح جعلی مُرید ہوتے ہیں، اِسی طرح جعلی مشائخ بھی ہوتے ہیں۔ حقیقی مشائخ کے اندازِ فکر کا ذکر اُوپر کر دیا گیا ہے۔ جعلی مشائخ اپنی دست بوسی، پابوسی اور تعظیم و تکریم کا اہتمام از خُود کرواتے ہیں اور اُن کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اُن سے غیر معمولی عزت کے ساتھ پیش آئیں، ہاتھ چُومیں، قدم بوسی کریں، نعرے لگائیں، قُطبِ عالَم، اور غوثِ زماں وغیرہ کے القاب سے یاد کر کے اُن کی تشہیر کریں۔ یہ سب کچھ وہ لوگ کرتے

ہیں، جن کا دُنیائے تصوّف و رُوحانیت سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اُنہوں نے پیری مُریدی کا ایک ڈھونگ سا رچا رکھا ہوتا ہے، ایسے لوگ حقیقی مشائخ کو بھی بدنام کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ شاید اِسی قماش کے مصنوعی مشائخ اور ریاکار زُہّاد کے لیئے لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازیؒ نے فرمایا تھا ؎

مبوس جُز لبِ معشوق و جامِ مے حافظ — کہ دستِ زُہد فروشاں خطاست بوسیدن

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اے حافظ! محبوب اور جامِ شراب کے لب کے بغیر کسی کو بوسہ نہ دے، اِس لئے کہ زُہد فروشوں کا ہاتھ چُومنا، بہت بڑی غلطی ہے۔ فارسی میں زُہد فروش اُسے کہا جاتا ہے، جو اپنے زُہد و تقویٰ اور پارسائی کی نمائش کرتا پھرے اور اپنی نیکوکاری کے صِلے میں لوگوں سے اپنی تعظیم و تکریم کا آرزُومند ہو کہ اُس کے ہاتھ پاؤں چُومے جائیں اور اُس کے ادب و احترام کی انتہا کر دی جائے۔ حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ کے نزدیک ایسے ریاکار مصنوعی مشائخ اور زُہّاد قطعاً دست بوسی اور تعظیم و توقیر کے لائق نہیں ہوتے۔ حافظ کے نزدیک ایسے خُود پرست ریاکاروں کے ہاتھ چُومنے سے تو لبِ معشوق اور لبِ جام کا چُوم لینا کہیں بہتر ہے۔ بہرحال دُنیائے خانقاہ سے تعلق رکھنے والوں کو حقیقی اور مصنوعی مشائخ کے فرق کو سمجھنا اور اُس کے مطابق اُن سے سُلوک کرنا چاہیئے تاکہ مشائخ کے احترام و تکریم میں صرف للّٰہیّت کار فرما ہو، دُنیوی مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل نہ ہو۔

جب میں نے بعض مُریدین کے مذکورہ بالا خصائل و شمائل کا ذرا تفصیل سے تذکرہ کیا تو بڑے میاں حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے جو کچھ کہا، وہ واقعی قرینِ حقیقت ہے۔ میں اربابِ خانقاہ پر تنقید تو کرتا رہا، مگر مُریدوں کی اقسام، اُن کے طرزِ فکر اور اندازِ عمل پر کبھی غور نہیں کر سکا۔

بہرحال مذکورہ اُمور کا ذکر (جو بظاہر ناقابلِ توجہ معلوم ہوتے ہیں) اِس لئے کیا گیا کہ ایسے غیر مخلص لوگ، جو فریب دہی کی خاطر مشائخ سے اظہارِ عقیدت کرتے اور مُرید کہلاتے ہیں، اُنہیں یہ اَمر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اُن کی تضاد عملی کی اِس نفسیات سے سارے اربابِ خانقاہ بے خبر نہیں ہوتے، بلکہ یہ اُنہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ فلاں انسان کے کتنے چہرے اور کتنے رُوپ ہیں اور یہ کہ ایسی تضاد عملی یقیناً منافقت کا

دُوسرا نام ہے۔ دست بوسی اور مشائخ سے آدابِ ملاقات کے سلسلے میں یہاں بحث کی گئی ہے، مخالفین اِس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیں کہ دست بوسی یا پابوسی شرعاً ممنوع ہے، ہم نے اِس کے جواز کی روایت اِسی کتاب میں نقل کر دی ہے، چنانچہ والدین، اساتذہ، اربابِ علم وفضل اور اپنے پیرومرشد کی دست بوسی ایک عملِ مستحسن ہے، یہاں دست بوسی یا قبرپرستی کے عدمِ جواز سے بحث نہیں، بلکہ یہاں تو بتایا یہ جارہا ہے کہ جو لوگ دست بوسی اور دیگر آدابِ مشائخ کو اُن کی خرابیٔ دماغ کا باعث قرار دیتے ہیں، اُنہیں اُن مُریدین کی اقسام اور اُن کے طرزِ فکر کا علم بھی ہونا چاہیئے، جو مخالفین کے نزدیک مشائخ کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، خیر مُخالفین کا تو ذکر ہی کیا، وہ تو اُسی صُورت میں خاموش ہو سکتے ہیں، جب لوگ مشائخِ طریقت کی دست بوسی اور زیارتِ قبُور کو شرک و بدعت سمجھ کر اُن کی دست بوسی و احترام شروع کر دیں، ایسی صُورت میں سب کچھ جائز ہوجائے گا۔

ادب اور اخلاق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو نمائش کی خاطر پبلک ڈیلنگ (Public Dealing) کے طور پر عوام وخواص سے روا رکھا جاتا ہے، اِس کا تعلق صرف جلوَت سے ہوتا ہے، خلوَت سے نہیں۔ دُوسرا وہ، جو ایک سنجیدہ ذہن اور صاحبِ علم وبصیرت انسان خلقِ خدا سے حسبِ ضرورت روا رکھتا ہے، اس کی کیفیّت خلوَت و جلوَت میں یکساں رہتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کی باتوں سے بچنے کی خاطر سرِعام تو ایک انسان کا احترام کیا جائے، مگر خلوَت میں اپنے قول وعمل اور حرکات وسکنات سے حاضرین پر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ انسان جس کی عزّت وتکریم جلوَت میں کی گئی، خلوَت میں کسی عزّت و توقیر کا مُستحق نہیں ہے۔ ایسی اوچھی حرکتیں وہی انسان کر سکتا ہے، جو خُود علم وفضل اور دیگر خُداداد صلاحیتوں اور اخلاقی فضائل سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ احساسِ کمتری کا شکار ہو۔ ایسے انسان کے لئے یہ کہنا بےجا نہ ہوگا کہ وہ اخلاق وادب اور اپنی شیریں گفتاری آنے والے کو صرف پھانسنے اور اُسے اپنی طرف مائل ومانوس کرنے کی خاطر بطورِ حربہ استعمال کرتا ہے تاکہ لوگ اُسے ایک بااخلاق، مُہذّب، وضعدار، وفادار، شریفُ النّفس، تعلیم یافتہ اور شیریں گفتار انسان سمجھ کر اُس کے کعبۂ وجُود کا طواف کرتے رہیں، حالانکہ ؎

بدی طینت کی چھُپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بجھ جاتی ہے شاید بدزباں ہو کر　　(اکبرالٰہ آبادیؒ)

# مشائخِ عصر پر ایک اعتراض

معترض نے مزید کہا کہ مشائخِ سلف نے قرآن و حدیث، مسلکِ حقّہ اور مختلف علوم و فنون میں جو گرانمایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، اُن کے فیوض و برکات سے خواص و عوام رہتی دُنیا تک فیض یاب ہوتے رہیں گے اور اِس طرح اُن کا یہ سلسلۂ خیر قیامت تک کے لئے فیضانِ جاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن کی علمی و رُوحانی تحقیقات کے مطالعہ سے بدعقیدہ لوگ راہِ ہدایت پر آئے۔ عصرِ رواں کے مشائخ نے اِس اعتبار سے مسلک کی کیا خدمت کی ہے؟ اِس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مشائخِ عصر اپنے سلف کی اِس روایتِ حَسَنہ کو قریباً قریباً خیرباد کہہ چکے ہیں۔ وہ محض بیعت پر اکتفا کرتے ہیں اور علمی تربیت کے تقاضوں سے اِعراض کئے ہوتے ہیں۔ اُن پر لازم ہے کہ بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ اُس کے ذہن و شعور پر علمی ہاتھ بھی رکھیں، ورنہ محض ہاتھ پر ہاتھ رکھ دینے سے مُرید کی ذہنی نشو و نُما، جو طریقت اور مشیخت کا اہم ترین تقاضا ہے، ممکن نہیں۔ اِس لئے کہ تبلیغِ دین اور احکامِ شرعیہ کی ترویج و تعلیم[1] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مُبارکہ کی رُوح ہے۔ اِس لحاظ سے مشائخ پر بھی واجب ہے کہ وہ افرادِ اُمّت کو داخلِ طریقہ کرنے سے

---

[1] اربابِ علم کی فضیلت، دینی علوم کی ضرورتِ ترویج، اِن کی اہمیت و افادیت اور انہیں حاصل کرنے کی ظاہری و باطنی برکات، خصوصیات اور فضائل کا اندازہ مجدّدِ ملّت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کی اُس محققانہ تقریر سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو آپؒ نے دسمبر ۱۹۱۲ء میں انجمنِ نعمانیہ لاہور کے ۲۵ ویں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ علماء و فضلائے عہد کے اِس فقید المثال اور عظیم تاریخی اجتماع میں دوسرے اکابر علماء کی کثیر تعداد کے علاوہ حضرت پیر صاحبؒ کے ہم سبق اور اُستاد بھائی، ہندوستان کے نامور اور جیّد عالمِ دین حضرت مولٰنا وصی احمد محدّث سُورتی (م ۱۹۱۶ء) بھی رونق افروز تھے۔ حضرت پیر صاحبؒ کی تقریر سُن کر حضرت محدّث سُورتیؒ نے فرمایا، کہ آپؒ کے اِس فاضلانہ بیان نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، لہٰذا اب مزید کچھ بیان کی حاجت نہیں رہی۔ حصولِ علم اور فضیلتِ اہلِ علم پر آپؒ کی یہ محققانہ اور فاضلانہ تقریر آپؒ کے اپنے الفاظ میں دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔ (مہرِ منیر، باب ۹، ص ۳۶۳ تا ۳۶۸، مطبوعہ لاہور، سِنِ طباعت اپریل ۱۹۸۰ء)
واضح رہے کہ حضرت مولٰنا محدّث سُورتیؒ، مشہور صُوفی اور محدّث حضرت شاہ فضل الرحمٰن (باقی بر صفحہ آئندہ)

پہلے خود بھی شرعی مسائل اور فقہی اُمُور پر دسترس حاصل کریں، تاکہ اِن خطوط پر مُریدین کی تربیت کر سکیں؛ بصُورتِ دیگر وہ اپنے اور اپنے اہلِ ارادت کے ظاہری و باطنی خُسران کا سامان ہی فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اِن رُوحانی مراکز کو اِس ضلال و تباب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مَیں نے کہا: بڑے میاں؛ آپ نے آج اُس موضوع کو پھر سے چھیڑ دیا، جسے بھُولے ہُوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے اپنے ذہنی اضطراب کا کچھ تذکرہ ضروری سمجھتا ہُوں کہ کسی ثبوت اور دلیل کے بغیر کوئی بات کرنا یا اُسے تسلیم کر لینا میری عادت نہیں۔ دلیل عقلی ہو یا نقلی؛ کوشش یہی رہتی ہے کہ جس موضوع کے متعلق میری جو بھی رائے یا نظریہ ہے اُس کے پس منظر میں منطقی، عقلی یا نقلی ٹھوس دلیل یا ثبوت موجود ہونا چاہیئے۔ بہ الفاظِ دیگر دلائل و شواہد کی روشنی میں گفتگو کرنے اور سُننے کا خُوگر ہُوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ویسے ہی نشستم برخاستم کا نہ قائل ہُوں نہ عادی۔ اِس میں میرا قصور نہیں، فطرت نے جس طرح ہر انسان کو ایک مخصُوص ذہنی مزاج اور ایک متعیّن حد تک استعداد سے نوازا ہے، اُسی طرح مجھے بھی دوسرے انسانوں کے مانند ایک مخصوص آہنگِ فکر، اندازِ استدلال اور طرزِ حیات سے بہرہ ور کیا ہے، چنانچہ فطری طور پر کچھ نہ کچھ منطقی اور فلسفی ذہن رکھنے کے سبب بچپن ہی سے دلائل سازی اور بُرہان طرازی میرا شعار ہے۔

ایک دن میرے اُستادِ محترم حضرت مولٰنا فتح محمّد صاحب علیہ الرّحمۃ نے، اُس دَور میں جب کہ مَیں منطق اور فلسفہ کے اسباق پڑھا کرتا تھا، مجھ سے فرمایا: ابھی تک تم مُرید نہیں بنے؟ جاؤ اور حضرت باُوجیؒ (دادا جان) سے بیعت ہو جاؤ۔ مَیں نے حسبِ مزاج کہا کہ

---

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ) گنج مُرادآبادیؒ (م ۱۳۱۳ھ) کے خلفا میں سے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرۂ مُحدّث سُورتیؒ مؤلفہ خواجہ رضی حیدر۔ تذکرۂ ہٰذا کے مؤلف، حضرت مُحدّث سُورتیؒ کے بڑے پڑپوتے ہیں، جو کراچی میں سکونت پذیر ہیں؛ آپ ایک نہایت وضع دار، باادب اور صحیح العقیدہ انسان ہیں۔ خاندانی روایاتِ علم و ادب کے وارث ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مُحدّث سُورتیؒ اور حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی باہمی محبت و اخوت کی، سابقہ روایت کو زندہ رکھتے ہوئے راقم الحروف پر غیر معمولی کرم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰے اُنھیں سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔

جب ذہن نے اِس بات کو تسلیم کر لیا تو بیعت کر لوں گا، محض دیکھا دیکھی ایسا کرنے والا نہیں۔ میرے اِس جواب نا سزا پر اُستادِ محترم بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ تو پیروں کے گھر وہابی پیدا ہو گیا ہے۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اُستادِ محترم نے مجھے سابقہ حکم پھر دیا۔ میں نے اِس حکم کو یہ کہہ کر دوبارہ ٹال دیا کہ صرف ہاتھ میں ہاتھ دے دینا تو بیعت نہیں ہوتا، اصل بیعت تو سپردگیٔ دل کا نام ہے اور دل اُسی وقت کسی کو دیا جاتا ہے، جب دل پر کچھ گزرے اور دل پر تبھی کچھ گزرتی ہے، جب کوئی اُس پر کچھ گزارے۔ لہٰذا آپ اصرار نہ فرمائیں! اگر شیخ کامل ہے تو مجھے خود کھینچ لے گا، ورنہ میرا از خود جانا فضول اور لاحاصل ہے۔ بقولِ شاعر ؎

گر خود روی بے حاصلی چوں اُو کشیدت، واصلی[1]

ایامِ تدریس میں اُستادِ محترم کا یہ معمول تھا کہ آپ نصاب کا آغاز جدِّ امجد حضرت قبلہ بابوجیؒ کے پاس کراتے اور مجھے اُن کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک صبح تدریسی کُتب کی افتتاحی تقریب میں اُستادِ محترم نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے مجھے داداجانؒ کی بیعت کرنے کو کہا، مجھے آپؒ کے رُعب وجلال نے سوچنے کا موقع نہ دیا۔ تاہم میں نے آپؒ کی خدمت میں بیعت کے لیے درخواست پیش کر دی۔ حضرت قبلہ داداجانؒ حسبِ معمول وظائف خوانی میں مشغول تھے، یہ سُنتے ہی آپؒ نے مجھ پر ایک بھرپور معنی خیز نگاہ ڈالی اور فرمایا: تحصیلِ علم بیعت سے اہم تر ہے اور پھر تم تو صاحبِ علم ہو، جب کہ میں ایسا نہیں، مجھ سے بہتر کوئی شخص تلاش کرو اور جہاں تمہارا دل جمے، وہاں بیعت کر لو۔ یقین جانیئے کہ اِس علمی اور رُوحانی عُلُو کے باوصف اُن کی اِس ادائے انکسار سے میرا دل لرز اُٹھا اور اُس وقت میرا ذہن جن شکوک و شبہات سے دوچار تھا، داداجانؒ نے ترتیب وار اُن سب کے جوابات از خود مرحمت فرما دیئے۔ کچھ نہ پوچھیے اُس وقت شرم کے مارے مجھ پر جو گزری، اُسے ؏ دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من، اِس کے باوجود ذہن نے ایک بار پھر کروٹ لی کہ یہ سب کچھ اتفاقی بھی تو ہو سکتا ہے۔ جونہی یہ بات میرے ذہن میں اُبھری، آپؒ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ بس پھر کیا تھا، میرے دل کی فضا

---

[1] ترجمہ: تیرا خود جانا بے سُود ہے، جب خود شیخ تجھے اپنی طرف کھینچے گا، اُس وقت تُو واصل باللہ ہو گا۔

سے تشکیک کے بادل دفعتاً چھٹ گئے اور خاصانِ خُدا کے احترام وعقیدت کا آفتاب میرے اُفقِ ذہن پر تجلیات برسانے لگا؛ مگر دادا جانؒ نے شاید مجھے مزید راسخ العقیدہ بنانے کے لئے ایک سال تک بیعت نہ فرمایا۔ جب بھی عرض کرتا، بے التفاتی فرماتے، لیکن میرے اندر کا انسان مطمئن تھا کہ اِس بے التفاتی کے پیچھے ایک سیلابِ التفات موج زن ہے۔ بقولِ راقم الحروف

یہ مقامِ ناز و نیاز ہے، مِرا دل ہی محرمِ راز ہے
وہ نوازتے ہیں بہ مصلحت ہمیں التفات وکرم سے کم

بالآخر جب سن ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ آپؒ کی معیت میں مدینہ منورہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ نے میری اِس التجا کو حرم نبوی میں شرفِ پذیرائی بخشا اور یُوں میری کشتیٔ وجود کو اپنے دستِ ساحل رساں کا سہارا دے کر دریائے حرمان وتشکیک سے نکال دیا۔ اِس واقعہ کے بیان سے مقصد یہ ہے کہ مَیں کچھ دیکھ کر قائل ہونے کا عادی ہُوں؛ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ آج بھی میرے بعض تبصروں اور نقطہ ہائے نظر سے اظہارِ اختلاف کرتے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے کوئی معقول یا منقول دلیل پیش نہیں کر پاتے۔ اب ہم پھر اپنے سلسلۂ کلام کی طرف لَوٹتے ہیں۔

مَیں نے مُعترض سے کہا: آپ نے مشائخ اور خانقاہی نظام پر ناقدانہ انداز میں سوال کئے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اِس میں مشائخ کا کوئی قصور نہیں یا وہ بعض اُمُور میں کم کوش نہیں ہیں۔ لٰہذا بشری تقاضوں کی بنا پر ان کو بریُ الذّمہ قرار نہیں دیا جاسکتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اب وہ ماحول اور وہ ذوق وشوق ہی نہیں رہا اور بقولِ اقبالؒ ع۔ نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں ـــــــ وہ طالبانِ صادق اور ارادت مندانِ باصفا عنقا ہو گئے، جن کے باعث خانقاہوں کی وجد آفریں، کیف آگیں، جذب در آغوش اور مستی فروش فضائیں آباد تھیں۔ بے چارے مشائخ کیا کریں؟ مجھے معلوم ہے کہ آج آپ سے میری یہ پہلی ملاقات ہے اور یہ کہ آپ میرے ماحول، اُس کے مزاج اور اُس کے افراد کو نہیں جانتے۔ اگر اجازت اور وقت ہو تو میں کچھ دیر کے لئے آپ کو اُس دَور میں لے جاؤں اور اُس ماحول کے متعلق کچھ عرض کروں جس میں میرے جدِّ امجد حضرت قبلہ سیّد غلام محی الدّین (بابوجی) قدّس سرّہ العزیز رونق افروز تھے۔ مَیں جو کچھ بیان کروں گا، وُہ عقیدت مندی اور خُونی رشتے کے تقاضوں سے بالاتر ہوگا۔

# عظمت مآب حضرت قبلہ بابو جیؒ

آپ علوم متداولہ اور موضوعاتِ تصوّف پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ بارہا دیکھنے میں آیا کہ جیّد ترین علمائے عصر کو آپؒ کا ایک مختصر، مگر محققانہ جُملہ خاموش کر دیتا تھا۔ شریعتِ مطّہرہ کی پابندی آپؒ کا طرّۂ امتیاز تھا۔

آپؒ کا پیکر، حُسنِ ظاہری اور جمالِ معنوی کا ایک دل آویز امتزاج تھا، اپنی سربلندی پر جُھومتی اور کان کی لَووں کو چُومتی سیاہ گھنی زُلفیں؛ رُوئے صبیح، ریشِ مسنُون سے آراستہ و پیراستہ، موزونیٔ قامت پر بیدلؒ کا یہ مصرع صادق آتا تھا ؏ رہبرِ عالمِ بالاست خیالِ قدِ یار۔ انواعِ جمال اور مراتبِ حُسن کے کمال کا شعور رکھنے والی نگاہ جب آپ کی پیشانی کے اُفق پر سفید دستار کی جلوہ گری دیکھتی، تو یُوں محسوس ہوتا کہ اُس پر آج ؏ عیاں شُد معنیٔ نُورٌ علیٰ نُور۔ ہمیشہ سفید دستار استعمال فرماتے اور جب رُومال باندھتے تو وہ بھی سفید ہوتا۔ قدیم طرز، مگر انتہائی باوقار اور پُرکشش وضع کے مالک تھے، جامہ زیبی کا یہ عالم کہ جس رنگ اور جس لباس میں ہوتے، انفرادیت بدستور قائم رہتی اور ایسا لگتا کہ ؎

پرتوِ حُسن سے زیب ہی رہے گا حسرت
چاہے جس طَور سے وہ طرّۂ دستار بندھے (مولانا حسرت موہانیؒ)

قیمتی لباس کا تکلّف کبھی نہ فرماتے، سادگی آپ کا شعار تھا، مگر سادگی بھی ایسی کہ جس پر ہزاروں تکلّفات نثار ؎

وضعِ پُرکاری سے سرتاسر رہا وہ بے نیاز
حُسنِ سادہ کس قدر سرمایہ دارِ ناز تھا (بیدم وارثیؒ)

اِنسانی جسم کا حُسن دراصل اُس کی ساخت پر موقوف ہوتا ہے۔ جو لوگ ظاہری جمال اور تناسب اعضا کے مالک نہیں ہوتے، وہ اکثر بیش قیمت لباس اِس لئے زیبِ تن کیا کرتے ہیں کہ اُن کے جسم کی نازیبائی چُھپ جائے؛ حالانکہ لباس کی بیش قیمتی اور اُجلا پن جسم کی بدصورتی کو ہرگز نہیں چھپا سکتے، مگر قدرت نے جن اصحابِ جمال کو حُسنِ اعضا اور جسمانی زیبائش کے ساتھ ہر قسم کے لباس کی سجاوٹ سے بھی نوازا ہو تو ایسے لوگ حُسن و زیبائی کے اِس مقام پر فائز ہوتے ہیں ؎

رنگ ہے، رُوپ ہے، خوشبو کا تکلّف نہ سہی
چاندنی چُومتی ہے لالۂ صحرائی کو (زیبا ناروی)

آپ کو ایک بار دیکھ لینا، انسان کو بار بار دیکھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ بقولِ صاحبزادہ اشک رام پوری[1]ؔ

اِک دن وہ مل گئے تھے سرِ رہگزر کہیں
پھر دل نے بیٹھنے نہ دیا عُمر بھر کہیں

---

[1] نام واجد علی خاں، صاحب زادہ اور نوّاب خاندانی لقب، تخلّص اشک، عُرف اچھّن میاں، نوّاب صاحب کا تعلق نوّاب صاحب رام پور کے خاندان سے تھا۔ راقم الحروف نے موصوف کو اپنے عالمِ طفولیت میں دیکھا۔ درگاہ کے مہمان خانہ نمبر ۱ میں محترمی سیّد حسن اختر شاہ صاحب کے بالمقابل کمرہ میں سکونت پذیر تھے۔ جب کبھی میں جا پہنچتا تو اچھّن میاں نہایت احترام آگیں شفقت سے پیش آتے اور پان کھانے کی پیش کش بھی فرماتے۔

آپ نے کافی عرصہ یورپ میں گزارا، کیمبرج یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ حضرت بابوجیؒ سے تعارف ہوا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ گولڑہ شریف مستقل سکونت اختیار کر لی اور ۱۹۵۸ء میں یہیں مدفون ہوئے۔ نوّاب اشک مرحوم نے زندگی کے آخری ۱۱/۱۲ سال درگاہ میں گزارے۔ اشک مرحوم یو۔پی کی ٹکسالی زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ طبیعت میں شگفتگی کے ساتھ ظرافت کا عنصر بھی تھا۔ جگر مراد آبادیؒ جیسے شاعرِ سخن آپ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ آپ کا اُردو مجموعہ غزلیات رنگِ اشک کے نام سے طبع ہوا، جس کی طباعت و اشاعت کا اہتمام آپ کے دوست لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد مرحوم نے کیا۔ رنگِ اشک میں آپ کے خاندانی حالات بالتفصیل موجود ہیں حضرت غوثِ پاکؓ سے خصوصی عقیدت کی بنا پر آپ حنبلی المسلک تھے۔ حضرت بابوجیؒ، اچھّن صاحب پر خصوصی کرم فرماتے اور اُنہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یورپ کی فتنہ ساماں فضاؤں میں زندگی گزارنے اور نوابانہ ذہن رکھنے والا یہ مردِ درویش ایسا تارک الدُّنیا ہوا کہ آخری عمر صوم و صلوٰۃ کی پابندی میں گزار دی۔ نوّاب صاحب کی خواہش کے مطابق اُن کا اپنا درجِ ذیل قطعہ لوحِ مزار پر کندہ کروایا گیا۔

سرِ قبر اِک نقشِ پا چاہتا ہُوں — بس اِتنا نشانِ وفا چاہتا ہُوں
درِ شاہِ جیلاںؓ پہ تکیہ ہے واجد — مُقدّر سے کیا اور کیا چاہتا ہُوں

واضح رہے کہ صاحب زادہ واجد علی خاں اشک رام پوری مرحوم، پاکستان کے روشن دماغ وزیرِ خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں صاحب کے قریبی عزیز تھے۔

لگائے بیٹھے ہیں اک شمع لاشریک سے لو　　ہماری بزم میں پروانہ باریاب نہیں

حضرت قبلہ سید غلام محی الدین المعروف بابوجیؒ
مصنف کے جدِ امجد

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت بابوجیؒ اپنے ملابس کے باعث خلقِ خدا کی نگاہ کا مرکز نہ تھے، بلکہ ملابس کا حُسن آپؒ کی فطری وجاہت کے سبب دوبالا ہو جاتا تھا۔ بقولِ اُستادِ سخن سعدیؒ شیرازی ؎

بہ زیورہا بیارایند وقتے خوب رُویاں را
تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیارائی[1]

خاموش ہو جاتے تو تکلّم، افکار و خیالات اور الفاظ و معانی کے آگے سلسلہ جُنبانی کے لئے مُلتجی ہوتا اور جب تکلّم فرماتے تو خاموشی، ذہن کو یہ باور کرنے پر آمادہ کرتی کہ غنچۂ ناشگفتہ کے حُسن کا راز یہی ہے کہ وہ لب بستگی کے باوجود اپنا وجود (ہونا) رنگ و بُو کے لہجے میں تسلیم کراتا ہے اور سکوت سے وہ کام لیتا ہے کہ جس پر خود گویائی دم بخود ہوتی ہے۔ چنانچہ خاموشی اور تکلّم کی اِس حسین و جمیل کشمکش اور دلنواز ذوقِ مُسابقت سے صورتِ حال درجِ ذیل شعر کی آئینہ دار نظر آنے لگتی تھی ؎

خموشی با تکلّم در ستیزہ　　تبسّم در میانش ریزہ ریزہ[2] (گرامی جالندھریؒ)

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا[3] کی معنوی تابش نے آپؒ کی جبینِ سجدہ گزار کو انوارِ الٰہیہ کا تجلّی خانہ بنا رکھا تھا؛ آپؒ کے بڑھاپے کی تقدّس تابیاں اور جلوہ سامانیاں بڑے بڑے جوانانِ رعنا سے اُن کے حُسن و شباب کا اعتبار چھین لیتی تھیں اور اُن کی رعنائیوں کے ماتھے پسینہ پسینہ ہو جانے کے باعث درجِ ذیل شعر کا مصداق نظر آتے تھے ؎

سرو چُوں دید آں قدِ بالا　　گفت سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی[4]

---

[1] راقم الحروف کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو ؎

حسینوں کے بدن کی وجہ آرائش تو ہیں زیور　　مگر آرائشِ زیور کا باعث ہے بدن تیرا

[2] راقم الحروف نے شعرِ مذکورہ میں پیش کی جانے والی لطیف ترین کیفیت کو اپنے منظوم اُردو ترجمہ میں یُوں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ؎

کشتی ہے گفتگو کی اور خاموشی کی آپس میں　　پِسا جاتا ہے بے چارہ تبسّم درمیاں ہو کر

[3] القرآن ۴۸ : ۲۹

[4] راقم الحروف کا منظوم ترجمہ ؎

سرو تکتے ہی وہ قدِ بالا　　بولا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی
(یعنی سجدے میں گر پڑا)

تنہا چلتے تو رُعب و جلالِ خداوندی کا ہجوم آپ کے جلو میں ہوتا اور کوئی ادب شعار نگاہ اُس کا سامنا نہیں کر پاتی تھی۔ اگر کسی باشعور اجنبی کی نظر آپؒ پر پڑ جاتی تو وہ آپؒ کے متعلق کچھ دریافت کرنے سے پہلے کہہ اُٹھتا ؎

تیرا ہر جلوہ ہے آئینۂ اسرارِ ازل
تیری صورت میں ہیں انوارِ معانی ضمنا　　(بیدم وارثیؒ)

فرمودۂ بیدلؒ "عیدِ نگاہ، چشم بہ رُویت کشودن است"، کے مطابق اگر زمانے کے کسی ٹھکراتے ہوئے غم زدہ انسان کی آنکھ آپؒ کے چہرۂ فلک رفعت کے ہلالِ ابرو کو دیکھ لیتی تو چشمِ بینا کے تجلی آباد میں مُقیم طفلِ نگاہ کی عید ہو جاتی اور جب آپؒ علمی و ادبی موضوعاتِ عالیہ پر لب کُشائی فرماتے تو اصحابِ علم اور اربابِ ادب کی سماعتیں رقص کرنے لگتی تھیں۔ تنہائی میں انجمن در آغوش اور انجمن میں تنہا نظر آتے تھے، بلا شبہ آپؒ اِس شعر کے مصداق تھے ؎

سینۂ اُو داغ داغ از درد بُود
صُورتِ خورشید تنہا گرد بُود[1]　　(راقم الحروف)

آپ کے میکدۂ چشم سے عرفانِ خداوندی کی شرابِ طہُور برستی تھی۔ جب آپ اثباتِ حق کے لئے کسی سرزمینِ باطل پر اپنے ہدایت ساماں قدم رکھتے تو اُس کا ذرہ ذرہ قبلہ رُو ہو کر اذان دینے لگتا اور زبانِ حال سے پُکار اُٹھتا ؎

یہ کون رکھ کے خزاں آشنا زمیں پہ قدم
گزر گیا، مگر اُس کی بہار باقی ہے　　(راقم الحروف)

مجھے یاد ہے کہ مدینہ منورہ کے حضرت قبلہ سیّد احمد بن مختار العطّاس (م ۱۹۷۴ء) المعروف مدنی صاحبؒ، اجمیر شریف کے حضرت قبلہ سیّد اسرار احمد صاحب چشتیؒ (م ۱۹۸۴ء) المعروف متولی صاحبؒ اور مہار شریف کے حضرت قبلہ میاں نُور جہانیاں[2] صاحب چشتی نظامی فخری

---

[1] ترجمہ۔ اُن کا سینہ درد و سوز سے داغ داغ تھا اور وہ جادۂ فلک پر تنہا چلنے والے سُورج کی طرح ایک نُورانی مسافر تھے۔

[2] آپ، حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ (م ۱۲۰۵ھ) کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ کا شمار (باقی بر صفحہ آئندہ)

دامت برکاتہ، میں سے جب کوئی فرد حضرت قبلہ بابوجیؒ کے ساتھ شریکِ مجلس ہوتا تو بقولِ داغ یوں لگتا ؎

ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
سب لوگ جدھر وہ ہیں، اُدھر دیکھ رہے ہیں

وہ میرا تعلیمی دَور تھا، اِس لئے شعر گوئی پر قدرے پابندی تھی، مگر کبھی کبھی اِس نیت سے ٹوٹے پھوٹے شعر کہہ کر محبوب علی (م ۱۹۹۱ء) کو مجلس میں گانے کے لئے دے دیا کرتا تھا کہ

یہ مرا گفتۂ بے کیف و پریشاں سیماب
کاش اُن کی نظرِ کیف اثر سے گزرے (سیماب اکبر آبادیؒ)

اگرچہ آپؒ اساتذہ کا فارسی کلام زیادہ سُنتے تھے، تاہم بعض اُردو غزلیات بھی پسند فرماتے۔ ایک مرتبہ تو میری ایک پوری غزل اپنی بیاضِ شعر میں لکھ لی[1]۔ اِس کا ایک شعر تو آپؒ نے بے حد پسند فرمایا اور کئی باذوق احباب سے اِس کا تذکرہ بھی فرماتے رہے۔ وہ شعر یہ تھا ؎

وہ ہمارے، ہم اُن کے ہو جائیں
بات اِتنی ہے اور کچھ بھی نہیں

اِسی طرح ایک فارسی غزل، جس کا مطلع یہ ہے، پسند فرمائی ؎

نشستہ ام بہ سرِ راہ و در تُو راہے نیست
فغاں کہ بر منِ مسکیں تُرا نگاہے نیست

تعلیمی دَور کے تقاضوں کے پیشِ نظر میری حوصلہ افزائی کی خاطر آپؒ اکثر مجھ سے اساتذۂ سخن کے بعض فکر انگیز اور ادب آموز اشعار کے معنی امتحاناً دریافت فرمانے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معانی اور گرامر کے سوال بھی فرمایا کرتے۔ آپؒ کے سامنے مَیں کیا اور میری بساط کیا؟

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) باذوق، صاحبِ علم، متقی اور پابندِ شرع مشائخ میں ہوتا ہے، اِس گئے گزرے دَور میں آپ کا وجود غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ آپ کی شکل و شباہت میں حضرت قبلہ عالم مہاروی ؒ کی جھلک اور کشش پائی جاتی ہے۔ آپ کے خاندانی حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخِ مشائخِ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۵۲۰ تا ۵۵۲، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی۔

[1] یہ غزل راقم الحروف کے اُردو مجموعۂ غزلیات پیمانِ شب کے ص ۶۴ پر موجود ہے۔

مگر یقین جانیئے کہ آپؒ کی سخن فہمی، علم دوستی اور قدر افزائی نے مجھے آپؒ کا فریفتہ بنا رکھا تھا آپؒ کبھی مُربّیانہ تقاضوں کے تحت بہ ظاہر کم التفاتی سے بھی کام لیتے تو آپؒ کی اُس ایک اچٹتی نگاہ کے پسِ پردہ حقیقی توجہات کی تجلّیاں بدستور جھپتی ہوئی محسوس ہوتیں، جنہیں دیکھ کر میں اپنی جگہ خوشی سے پھُولا نہ سماتا اور دل ہی دل میں کہتا کہ ؎

وہ بے رُخی سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں
مَیں شاد ہُوں کہ ہُوں تو کسی کی نگاہ میں

چنانچہ داداجانؒ کی مسرّت وخُوشنودی کے موتی اپنے دامن میں بھرنے کی خاطر رات دن فارسی کے اساتذۂ متقدّمین کے استدلال آمیز اور فکر انگیز اشعار کی تلاش میں لگا رہتا اور موقع پاکر آپؒ کے گوش گزار کیا کرتا۔ یہ بجا ہے کہ بحمد اللہ فکر ونظر کے ارتقاء میں میری شبانہ روز محنت اور مطالعہ کو بڑا دخل ہے۔ اِس کے باوجُود اگر ابتدائی دَور میں داداجان علیہ الرّحمۃ میری حوصلہ افزائی نہ فرماتے تو میں آج اِتنا بھی نہ ہوتا، جتنا کہ اب ہُوں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ جب کسی ماحول کے افراد میں قدر کرنے کا شعور ہی نہ ہو اور کسی کی ذہنی استعداد کو پرکھنے کا احساس اور رُجحان ہی نہ ہو تو بڑے بڑے نابغۂ روزگار اصحابِ علم اور بڑے بڑے مُسلّم اربابِ فن کی ذہنی صلاحیتوں کے ارتقائی امکانات دَم توڑ جایا کرتے ہیں، مجھ جیسے مُبتدی کا کیا ذکر؟

بلاشبہ آپؒ کی قدر افزائیوں اور خصوصی نوازشات نے مجھے علم وادب کے میدان میں آگے بڑھنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا حوصلہ بخشا۔ اگر آپؒ کے اطوارِ کرم اور مقدارِ عنایت پر مزید کچھ کہا جائے تو صفحات کی وُسعتیں سمٹ کر رہ جائیں گی۔

جب بھی مَیں آپؒ کو صائب تبریزی، مولانا غنی کاشمیری، ابوطالب کلیم، نظیری، عُرفی اور بابا فغانی جیسے اساتذۂ سخن کا کوئی لطیف شعر سُناتا تو آپؒ محفل میں بیٹھے اربابِ علم و ذوق کو میرا حوالہ دے کر اُس شعر کا مفہوم بتایا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ کو حضرت مولانا جامیؒ کے ایک فارسی شعر کے کسی لفظ کی تحقیق درکار تھی، درگاہ میں شعری درک رکھنے والے بعض اہلِ علم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر وہ عُقدہ حل نہ ہوا اور داداجان علیہ الرّحمۃ مطمئن نہ ہوتے، چنانچہ مَیں نے آپ کی خوشنودیِ خاطر کے لئے رات دن ایک کرکے وہ مشکل حل کر دی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اِس کی کوئی سند بھی ہے، یا صرف تمہاری ذاتی

رلاتے ہے۔ مَیں نے فارسی زبان کے مصادر پر مشتمل جامع، مُستند اور ضخیم کتاب موارد المصادر پیش کر دی۔ آپؒ نے مطلوبہ لفظ کے سلسلے میں جب میرے پیش کردہ ثبوت کا بچشمِ خود مطالعہ فرمایا تو بے حد خوش ہوتے اور فرمایا: مجھے تمہاری ذہانت اور علمی کاوشوں کا احساس ہے، مگر یاد رکھنا، کبھی غرور سے کام نہ لینا، کیونکہ کبر وغرور اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ پھر فرمایا کہ جاؤ اِسی وقت محبوب علی کو یہ شعر لکھواؤ اور ساتھ یہ بھی کہو کہ کل مجلس میں تمہاری تحقیق کے مطابق شعر پڑھے۔ چنانچہ اگلے روز جب میں مجلس میں حاضر ہؤا تو محبوب علی نے وہ شعر اُسی طرح پڑھا، جس طرح مَیں نے بعدِ تحقیق لکھوایا تھا۔

آپؒ کی بندہ نوازی کا نقطۂ عرُوج دیکھئے کہ جب کبھی میں لاعلمی کے باعث کسی بزرگ کی محفل ختم شریف میں حاضر نہ ہوتا تو بہ طورِ خاص آدمی بھیج کر نہ صرف یہ کہ مجھے بلوایا کرتے، بلکہ میرے آنے تک انتظار بھی فرماتے، حالانکہ محفل میں موجود حضرات میں سے کوئی حافظ یا مولوی صاحب بھی قرآنِ مجید کی تلاوت کر سکتے تھے۔ بڑے میاں! الحمدللہ ہمارے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے ع وہی بزم ہے، وہی دھوم ہے، وہی عاشقوں کا ہجوم ہے۔ مگر ع

ہے کمی تو اک اُسی چاند کی جو تہِ مزار چلا گیا[1]

جب کبھی میرا حافظہ اُس عہدِ رفتہ کی حسین یادوں کی تصویریں ذہن کی سکرین پر دکھاتا ہے، تو کچھ نہ سُوجھنے کی صورت میں گوشہ نشینی اختیار کر لیتا اور مطالعۂ کُتُب میں مشغول ہو جاتا ہُوں، اگرچہ کتابوں کے مطالعہ کو ماضی کے اُن دلنواز اور پاکیزہ مناظر کا نعم البدل تو نہیں سمجھتا، تاہم یہ مطالعاتی استغراق اور فکری انہماک شبِ غم کی درازی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ گویا راقم الحروف کے الفاظ میں ؎

یہ مہ ونجوم کی روشنی ترے حُسن کا تو بدل نہیں
ترا ہجر، شب کا سُہاگ تھا مرے غم کی مانگ بھری رہی

بعض احباب میری اِس کم آمیزی اور ذوقِ مطالعہ کی فراوانی کی شکایت بھی کرتے ہیں کوئی کچھ تبصرہ کرتا ہے تو کوئی کچھ۔ خواص کو ملاقات کے وقت باور کرانا پڑتا ہے کہ میری خلوت گزینی، عزلت پسندی، کم آمیزی اور کثرتِ مطالعہ کے پس پردہ کچھ خاص عوامل کارفرما ہیں۔ خدا کا

---

[1] آپؒ کے وصال پر راقم الحروف کے مرثیہ کا ایک شعر؛ مہرِ منیر کے صفحہ ۴۱۹ پر کامل مرثیہ موجود ہے۔

شُکر ہے، مَیں کسی قسم کے کبر و غرور میں مبتلا نہیں ہُوں اور خلقِ خدا سے ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا۔ گویا عُمر خیام کے الفاظ میں ؎

مے خوردنِ من نہ از برائے طرب است
نز بہرِ ریا و ترکِ دین و ادب است
خواہم کہ بہ بے خودی برآرم نفسے
مے خوردن و مست بودنم زیں سبب است[1]

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ مَیں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ جہاں میرے جدِّ امجد حضرت باوجیؒ کو خدائے بزرگ و برتر نے سلفِ صالحین کی یادگار بنایا تھا، وہاں اُس دَور کے مُریدین کی اکثریت بھی باذوق، صاحبِ علم اور بااَدب تھی۔ میاں صاحب! آپ نے بہ سلسلۂ مشائخ جن اُمُور کا ابھی ذکر فرمایا ہے، مجھے اُن سے اتفاق ہے؛ اِس لئے اِن رُوحانی مراکز (یعنی خانقاہوں) کے قیام و احترام کے اغراض و اسباب وہی ہیں، جو آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر دینی تعلیم، قرآن و سُنّت، طریقت و شریعت، علم و فضل اور زُہد و تقویٰ کے الفاظ درسِ خانقاہی سے نکال دیئے جائیں، تو پھر خانقاہ کا لفظ اپنی معنویت سے محروم ہو جاتا ہے۔

دوسرے مشائخ کا نہ تو مجھے کچھ زیادہ علم ہے اور نہ ہی مَیں کسی کی شخصیت پر کوئی تبصرہ کرنے کے حق میں ہُوں۔ آج کا انسان ذہنی طور پر اِس قدر بیدار ہو چکا ہے کہ وہ ایک نظر اور ایک نشست ہی میں معلوم کر لیتا ہے کہ کَون کیا ہے اور کتنے پانی میں ہے؟ مادّہ پرستی، لادینیّت پسندی اور زر اندوزی کے اِس دَورِ ہوس میں کس کس بات کا ماتم کیا جائے۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کُجا کُجا نہم

آپ نے ابھی تصنیف و تالیف کا ذکر فرمایا؛ بلاشُبہ یہ ایک عظیم دینی و ملّی خدمت ہے،

---

[1] ترجمہ۔ میری شراب نوشی اور طرب کوشی اظہارِ مسرت کے لئے نہیں اور نہ ہی ریاکاری اور دین و اَدب کی اقدار کو پامال کرنے کی نیّت پر مبنی ہے (زیادہ ہوش میں رہنے سے تنگ آجانے کی بنا پر) چاہتا ہُوں کہ ایک سانس بے خُودی کی فضا میں بھی لُوں، لہٰذا میرے شراب پینے اور (کبھی کبھی) مست رہنے کا راز اور سبب یہی ہے۔

مگر یہ کام غیر معمولی قابلیت اور علم کا متقاضی ہے۔ بہر حال تصنیف و تالیف کے مقام و مرتبہ کا تعین، مصنف کے موضوع کی حیثیت، نوعیتِ تحقیق اور اُس کی افادیت کے پیشِ نظر کیا جانا چاہیئے۔ سطحی اور غیر علمی موضوعات کو زیرِ بحث لاکر محض چند اوراق سیاہ کر دینے سے حقِ تصنیف ادا نہیں ہو سکتا۔ سلف صالحین، اکابر علماء اور عظیم صوفیاء نے جس طرح پاکیزہ اور رفیع موضوعات پر قلم اُٹھا کر اپنی خداداد قابلیت اور علمی رفعتوں کا لوہا منوایا اور اس کے ساتھ ساتھ مبتلائے تشکیک ذہنوں کو اُن کی استعداد اور مزاج تفہیم کے مطابق دلائل کا سرمایہ مہیا فرماتے ہوئے، اُنہیں صحیح خطوط پر گامزن کرنے کی سعیٔ مشکور فرمائی ہے، ہر منصف مزاج ناقد اُس کا معترف ہے۔ رہا آج کل کی تصنیف[1] و تالیف کا معاملہ، تو اِس

---

[1] مُصنف اکثر شکایت کرتے ہیں کہ کتابوں کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے بعض حضرات قیمتاً کتاب خرید کر پڑھنے کو گناہ سے کم نہیں جانتے۔ ایسے لوگ بظاہر مطالعۂ کُتب کے شائق اور مدعی تو ہوتے ہیں، مگر اُن کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی حاتم دل مصنّف اپنی تمام لطیف اور فکر افزا تصانیف بقلمِ خود دستخط کر کے اُن کی خدمتِ عالیہ میں نذر کر دے۔ گویا ایسے جُزرس فطرت کے مالک، مُفت خورے، علم و ادب کے انمول موتیوں کو مفت میں رولنے کے قائل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اگر نیت گناہگار نہ ہو تو اپنی جیب سے کتاب خریدنے کے بعد بھی مصنّف سے اُس پر کچھ لکھوا لینے کی حسرتِ اعزاز نکالی جا سکتی ہے؛ انصاف سے دیکھا جائے تو کسی معقول اور عذرِ برحق کے بغیر یہ عادت نہایت مذموم ہے۔ ہزار ہا روپے فضولیات میں اُڑا دینے والوں کو مصنّف کی برسوں کی دماغ سوزی، جگر کاوی، شب بیداری اور محنتِ شاقہ کا کچھ لحاظ تو رکھنا چاہیئے کہ سو دو سو روپے ہدیہ کی کتاب خریدنے سے موت تو واقع نہیں ہو جائے گی۔ اِس قماش کے حضرات کو اگر کتاب مُفت ہاتھ لگ جائے تو مُصنّف کی علمی و ادبی استعداد کا خوب چرچا کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو مصنّف کی زبان دانی اور اندازِ تحریر وغیرہ کو مقراضِ تنقید سے کاٹنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے ہوئے فرمانے لگتے ہیں کہ ع جانِ من! ایں کردہ ای آں کردہ ای۔

ایک روز ایسے ہی ذوقِ مطالعہ کے مالک ایک کُتب بین نے راقم الحروف سے کہا کہ بالخصوص دینی کُتب کے مصنّفین پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی گراں مایہ تصانیف حُصُولِ اجر و ثواب کی خاطر خلقِ خدا میں مفت تقسیم کیا کریں۔ یہ ارشادِ مبارک سن کر میں نے کہا کہ پھر قرآنِ مجید جو ساری دینی کتابوں کا منبع ہے اور اِس کے معلّمین کے لئے اُجرت تک وصول کرنا حرام ہے، ایسی الہامی کتابِ مقدس کو خلقِ خدا کی ہدایت کے لئے مفت تقسیم کرنا بدرجۂ اولیٰ ضروری ٹھہرا، نہ کہ اُس کا ہدیہ وصول کرنا۔ مگر یہ امر شاید کسی سے پوشیدہ نہ ہو کہ قرآنِ حکیم ایسی (باقی برصفحۂ آئندہ)

سلسلے میں گزارش ہے کہ عصرِ رواں کی اکثر و بیشتر تصانیف اور تالیفات میرے بیان کردہ عظیم معیار کے پایہ سے فروتر ہیں، اِس لئے کہ خود کو محض ایک مصنّف ثابت کرنے کی خاطر اناپ شناپ قسم کے موضوعات اور بہ اعتبارِ تعلیماتِ اسلامی بے ہنگم اور غیر ضروری مضامین پر قلم اُٹھانے سے انسان چند ناپختہ، غیر عالمانہ اور نامحققانہ ذہنوں کو بزعمِ خویش متاثر کرنے میں شاید کامیاب ہو جائے، مگر ایک محقق اور فاضلِ عصر کی نگاہِ بلند ایسے پست، بیکار اور نامفیدِ ذہن موضوعات پر مشتمل تصانیف کو کوئی اہمیت اور مقام نہیں دے گی؛ اِس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ اِس قسم کی سُبک اور بے سُود تصانیف کی مُدّتِ حیات بہت ہی مختصر ہوتی ہے اور اُن کے مصنّف کسی صورت ؏ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما، کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ اور پھر تصنیف تو محض ایک کتابِ خاموش ہوتی ہے، جب کہ ایک مردِ باخدا کتابِ ناطق ہوتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے جدِّ امجد حضرت قبلہ بابو جیؒ سَلَفِ صالحین کی ایک چلتی پھرتی تصنیف اور ایک مُنہ بولتی کتاب تھے۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ وہ ایک مرتبہ جسے آنکھ بھر کر دیکھ لیتے، اُس کی دُنیائے دل میں ایک ہلچل سی مچ جاتی تھی اور دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا کہ ؎

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا  تیرِ نگاہِ یار کدھر سے نکل گیا

(بےخود دہلویؒ)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کتابِ علم و حکمت کی کتابت و طباعت کے مصارف کی نسبت سے لاگت کے برابر ھدیہ وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا تو دوسری کتابوں کی قیمت طلب کرنے میں کون سا اخلاقی یا شرعی امر مانع ہے۔ اگرچہ قرآن مجید نازل کرنے والا تو رائلٹی (Royalty) وصول کرنے سے بے نیاز ہے، مگر اُس کے بندوں سے اِس قسم کی خوفناک بے نیازی کا تصور ممکن نہیں۔ یہ سُن کر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ علم و ادب کا حقیقی ذوق رکھنے والے، اچھی کتابوں کو خرید کرتے وقت چند روپوں کی پروا نہیں کیا کرتے ــــــ راقم الحروف کے خیال میں مُفت کا مال ہتھیانے والے اِس قسم کے نام نہاد شائقینِ مطالعہ اور ادبی قارئوں کو اپنی تصنیف تحفتاً پیش کرنا علم و ادب کی توہین سے کم نہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی گوش گزار کرنا چاہوں گا کہ مذکورہ بالا سارے حقائق اپنی جگہ درست اور بجا، مگر فرمودہ حضرت بُوعلی قلندر پانی پتیؒ ؏ اگر یا ہم خریدارے فروشم دین و ایماں را، کے مطابق ایک دانا اور علم شناس مصنّف کے دل میں حق بحق دار رسانی کا جذبۂ صادق اور داعیۂ خیر بھی ضرور رہنا چاہیے۔

مجھے آپؒ کی علمی مجالس میں ایک مدت بیٹھنے کی سعادت نصیب رہی اور میری نگاہ ایک مدت تک آپؒ کی شمعِ وجود کے گرد باذوق، اہلِ سوز و گداز اور اربابِ علم و فضل کی پروانہ وار گرمیِ ہجوم کے دلنواز مناظر دیکھتی اور محسوس کرتی رہی۔ جہاں بیٹھے ہیں، وہاں کبھی کسی آیتِ قرآنیہ پر بحث ہو رہی ہے، کبھی کوئی حدیث شریف زیرِ بحث ہے، کبھی مولانا رُومؒ کی مثنوی کے مقامات کی شرح ہو رہی ہے، جسے اہلِ عرفان ؏ ہست قرآں در زبانِ پہلوی، کہتے ہیں۔—— ذی علم اور باشعور انسان کو یوں لگتا تھا کہ وہ آج سے چار پانچ سو برس پہلے کے کسی علامۂ زمان یا عارفِ وقت کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ غرض حافظ، رُومی، سعدی، عراقی، جامی، خسرو اور دیگر اکابر صُوفیا اور شعرا کے کلام کا دَور آپؒ کی وجد آفریں اور کیف آگیں محفل میں چلا کرتا اور وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا تھا؛ گویا اُن کیفیت افزا، رُوح پرور اور لبریزِ تقدیس محافل کے پاکیزہ جامِ موضوعات کی مُدتِ گردش درجِ ذیل شعر کی مصداق نظر آتی ۔؎

ہماری بزم میں چلتا ہے رات بھر ساغر
غرُوبِ صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے (زیبا ناروی)

آپ جانتے ہیں کہ خانقاہوں میں ہر طرح کے لوگ آیا کرتے ہیں اور سب کا اہلِ علم اور صاحبِ ذوق ہونا بھی ضروری نہیں۔ قبلہ دادا جان علیہ الرحمۃ کی مردم شناسی کا یہ عالم تھا کہ آپؒ لاکھوں کے مجمع میں ایسے اربابِ ذوق اور اصحابِ درد کو چُن لیا کرتے تھے، جنہیں دینی عُلُوم کا شعور اور صُوفیائے عظام کے کلام کا درک ہوتا تھا۔ آپؒ محفل میں اکثر صاحبِ نسبت، متواضع اور غریب عُلماء، اربابِ ذوق اور اہلِ فن کو مخاطب فرمایا کرتے اور اُنہیں صفِ اوّل میں بٹھانے کا اہتمام فرماتے تھے، جب کہ خود پسند، محرومِ نسبت اور متکبّر رئیسوں اور کجکلاہوں کی طرف بہت کم التفات فرماتے اور اُن کی نشست کے سلسلے میں بھی زیادہ تردّد سے کام نہ لیتے تھے۔ بلاشبہ آپؒ کا فقرِ غیور فقرِ محمّدی سے مُستنیر تھا ۔؎

ترا غرُور سمایا ہے اِس قدر دل میں
کہ آنکھ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے (داغ)

مگر یہی مردِ خود آگاہ و خدامست جب غوثِ پاکؓ، غریب نواز اجمیریؒ، جامیؒ، سعدیؒ، اور پیرِ رومیؒ جیسے دوسرے اکابرِ اُمّت کی شایانِ تواضع بارگاہوں میں حاضری دیتا تو

عجز و انکسار کا پیکر بن کر پکار اُٹھتا ؎

بھلا ہو پیرِ مغاں کا، اِدھر نگاہ ملے
فقیر ہیں، کوئی چلّو خُدا کی راہ ملے (اُستاد داغؔ)

محبوب علی قوّال کو بزرگانِ دین کے بالعموم اور مولانا رُومؒ کے بالخصُوص ہزارہا شعر یاد کروائے۔ محبوب علی اور اِس کے سگے چھوٹے بھائی مُشتاق علی پر آپ کے اِس کرمِ خاص کا سبب یہ تھا کہ آپؒ جو کلام جس انداز میں سماعت فرمانا چاہتے تھے، وُہ ہر دو کو حاصل تھا۔ درحقیقت یہ سارے انداز اُن کے اپنے ہی سکھائے ہوتے تھے ؎

ہم سمجھتے ہیں تری عشوہ گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر، نام ہے پیمانے کا (جلیل مانک پُوریؒ)

حضرت قبلہ بابُوجیؒ کی نوازشات محبوب علی کے شاملِ حال رہیں؛ بحمد اللہ مصنّف کے والدِ محترم نے بھی سلسلۂ کرم کی اِس روایت کو جاری رکھا۔ حالات کا تغیّر بہرحال ایک مسلّمہ حقیقت ہے؛ چنانچہ محبوب علی کے خانوادے میں بھی خدمتِ قوّالی کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ خدا کرے کہ حرص و ہوس۔ احسان فراموشی اور مادّہ پرستی کے اِس دَور میں محبوب علی افرادِ خانہ سمیت اپنے سابقہ محبّت بھرے اندازِ حیات کو برقرار رکھ سکے، تاکہ درگاہِ عالیہ مہریہ سے منسوب ہونے کے باعث جو عزّت اُسے میسّر آئی ہے، قائم رہے۔

متوسّلین کے نام حضرت بابُوجیؒ کے بعض ایسے مکاتیب[1] بھی راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں،

---

[1] قاضی محمّد امین کاشف صاحب نے راقم الحروف کو حضرت قبلہ بابوجیؒ کے وہ خطوط دکھائے، جو اُنھوں نے کاشف صاحب کے والدِ مرحوم مفتی قاضی غلام محمّد لیٰسین صاحب (م ۱۹۸۲ء) کے اُس خط کے جواب میں تحریر فرمائے تھے، جس میں قاضی صاحب مرحوم نے محبوب علی کے لئے عندلیبِ رُوم کا لقب تجویز کیا تھا۔ دراصل حضرت قبلہ بابوجیؒ نے قاضی صاحب مرحوم کے نام ایک نوازش نامے میں کسی محفلِ سماع کا ذکر فرمایا، جس میں محبوب علی نے حضرت مولانا رومؒ کے بعض مخصوص اشعار پیش کئے تھے، اُن اشعار کا تذکرہ پڑھنے کے بعد قاضی صاحب مرحوم نے محبوب علی کے لئے عندلیبِ رُوم کا لقب تجویز کرتے ہوئے اِس لقب کو بذریعہ خط حضرت بابوجیؒ کی خدمت میں ارسال کیا۔ آپؒ نے پسند فرمایا۔ (باقی برصفحۂ آئندہ)

جن میں آپ نے محبوب علی کے لئے عندلیب روم کے لقب کو پسند فرماتے ہوئے استعمال فرمایا۔ آپؒ کا معمول تھا کہ دن کے ساڑھے دس گیارہ بجے محفل خانے میں تشریف لے جاتے۔ محفلِ سماع شروع ہوتی، ساتھ ساتھ خطوط خوانی کا سلسلہ بھی جاری رہتا، کسی مصرع پر کیفیت ہو جاتی تو زار وقطار روتے، بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ درگاہ کے قوال محبوب علی اور مشتاق علی سامعہ نوازی کر رہے ہیں اور محفل خانے میں صرف چند ہی آدمی بیٹھے ہیں، مگر یقین جانیئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا سماع خانہ بھرا ہوا ہے۔ درحقیقت وہ میرِ مجلس کے وجودِ مسعود کا اپنا روحانی پھیلاؤ، تصرّف اور ہجوم ہوتا تھا۔ گویا ؎

نہ بادہ ہے نہ صُراحی نہ دَورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ (علامہ اقبالؒ)

اُس ماحول کے باذوق اور ذی علم انسانوں کی فکری سرشاریوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا جبکہ خانقاہ کے در و دیوار پر بھی وجد و مستی کا گماں گزرتا تھا۔ اگر طبیعت لگ جاتی تو بعض اوقات دن کے ایک بجے تک بھی سلسلۂ سماع دراز ہو جاتا۔ آپؒ کے زمانے میں اکثر اربابِ حال بھی حاضری دیتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا حافظ معشوق علی خاں رام پوریؒ (م ۱۹۶۸ء) کے مناظرِ وجد و حال آج تک فردوسِ نگاہ ہیں۔ موصوف کا اکہرا بدن، گھنی سفید ڈاڑھی، نشیلی آنکھیں، متین اور نورانی چہرہ، سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ، سیاہ شیروانی، گلے میں کیسری پٹکا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

——— قاضی صاحب کے نام ایک اور خط میں آپؒ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے: "آپ کا خطاب دینا تھا کہ اس کا علم ہونے پر اور طرف سے بھی خطاب آنے لگے، مکرمی مولوی گل فقیر صاحب پشاوریؒ نے 'عندلیب عشق آباد' کا لقب دیا۔"

واضح رہے کہ قاضی غلام محمد یٰسین صاحب مرحوم، حضرت مولانا قاضی قطب الدین صاحب مظفر آبادیؒ (م ۱۹۱۹ء) کے خلیفِ رشید تھے، جن پر حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کی خصوصی روحانی توجہات اور عنایات تھیں۔ متقی صاحب مرحوم، قاضی محمد بشیر الدین صاحب (ریٹائرڈ پرنسپل ٹیچرز ٹریننگ کالج ہری پور) کے حقیقی ماموں تھے۔ اس طرح قاضی محمد امین کاشف، حضرت مولانا قاضی قطب الدین صاحب مظفر آبادیؒ کے پوتے اور قاضی محمد بشیر الدین صاحب اُن کے نواسے ہوئے۔

اور علی گڑھ کٹ پاجامہ ـــــ یہ تمام اطوار و انداز، جو یُو پی کی خاص تہذیب کی نمائندگی کرتے تھے، آج تک آنکھوں میں پھرتے ہیں۔ جب کبھی موصوف کو کسی مصرع پر کیفیت طاری ہوتی تو لفظِ اَللّٰہ اِس بھرپور جلال و مستی سے ادا فرماتے کہ بعض بے ذوق اور بے شعور سامعین تک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، خیال کیجئے اُس وقت باذوق حضرات کی سرمستی کا عالم کیا ہوگا۔ حضرت بابُوجیؒ اُن کے عرصۂ وجد و حال میں احتراماً کھڑے رہتے اور آپؒ کے اتباع میں تمام محفل کھڑی ہو جاتی تھی۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ لوگ ہی نہیں رہے، جو بھی آتا ہے، صرف دُنیوی معاملات کا رونا روتا ہے۔ گزشتہ پندرہ بیس برس میں انسانوں کے ذہن کو مادہ پرستی، مغربی تہذیب و تعلیم اور ہوسِ دُنیا نے نہایت تیزی کے ساتھ بُری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، بقولِ مُصحفی ؎

یہ زمانہ وہ ہے، جس میں ہیں بزرگ و خُورد جتنے
اُنہیں فرض ہو گیا ہے گلۂ حیات کرنا

یُوں لگتا ہے کہ جس دَور کے واقعات بیان کر رہا ہُوں، وہ کوئی سو سال پہلے کی بات ہے؛ گویا روشِ زمانہ نے اِس طرح کروٹ لی ہے کہ اب ؎

نہ وہ دَور میکدوں کے، نہ وہ شور میکشوں کا
ذرا آنکھ مَیں نے جھپکی، تو بدل گیا زمانہ (راقم الحروف)

ایسی صورتِ حال میں کون زائر یا مُرید ایسا ہے، جو قرآن و سُنّت کی بات پُوچھے یا کرے یا رومیؒ، جامیؒ، سعدیؒ اور فریدالدّین عطّار نیشاپوریؒ جیسے اکابر عُرفاء و شعراء کے عارفانہ کلام سے لذّت اندوز ہو سکے۔ قرآن و سُنّت سے محبّت اور اُن پر عمل کرنے کا مقام تو بہت بلند ہے، آج کل کے اکثر ذہن ان کے ذکر تک کو پسند نہیں کرتے۔ ایسے افراد، احباب کے اصرار، وقتی مصلحت یا ماحول کی مجبوری کے تحت محض وقت گزارنے کی خاطر یا پھر تعارف بڑھانے کے لئے ایسی عظیم دینی و مذہبی محافل اور تقریبات میں شرکت کرتے ہیں۔

مَیں آپ کو اپنی بات سناؤں۔ بحمد اللہ حضرت بابوجیؒ کے فیضانِ نظر اور آپ کی خصوصی چشمِ التفات کے صدقے مجھے کچھ نہ کچھ دینی شعور، ادب سے لگاؤ اور کلامِ صوفیاء کا ادراک نصیب ہے؛ بدقسمتی سے جب کبھی اِس عہد کے مغربیّت زدہ اور ڈسکو (Disco) کے رسیا،

نام نہاد تہذیب یافتہ سرپھروں میں گھر جاتا ہُوں تو اکثر نسخۂ خاموشی اِس لیے استعمال کرتا ہُوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے، اُس کے وہ قابل نہیں اور جو کچھ اُن کے پاس ہے وہ کسی قابل نہیں۔ یہ میرا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اگر اِس دَور میں دینی و رُوحانی موضوعات پر اظہارِ خیال کیا جائے تو بہت ہی کم خوش نصیب اور اصحابِ دل اُنہیں بہ طیبِ خاطر سُننے کے لیے تیار ہوں گے۔ اِس کے برعکس اگر سیاسی موضوعات اور دُنیوی اُمور کو زیرِ بحث لایا جائے تو ہر اَیرا غیرا خود کو ایک عظیم سیاست دان اور قومی رہنما سمجھ کر نہ صرف یہ کہ محوِ تبصرہ نظر آئے گا، بلکہ قیمتی اور مفت کے مشورے بھی دے گا، گویا ملک کا سارا نظامِ سیاست اُسی کے دم قدم سے رواں دواں ہے ۔

جو مَیں نہ ہُوں تو زمانے کی سانس رُک جائے
قتیل! وقت کے سینے میں مَیں دھڑکتا ہُوں (قتیل شفائی)

مَیں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ دُنیا داروں اور بندگانِ سیم و زر کے سامنے قرآن و سُنّت اور دوسرے علمی، ادبی اور رُوحانی موضوعات چھیڑ کر اِن کے تقدّس و وقار کو مجروح نہ کیا جائے۔ لہٰذا مذکورہ بالا ذہنوں کو ایسے موضوعاتِ رفیعہ کی سماعت کے قابل نہ پاتے ہوئے اُن کی ذہنی سطح کے مطابق سیاسی اور اِسی قسم کے عام موضوعات پر گفتگو ہی کو تقاضائے مصلحت سمجھتا ہُوں۔ ہاں اگر خوش قسمتی اور اتفاق سے کبھی کوئی با ذوق اور صاحبِ علم ملاقاتی قرآن و سُنّت، صُوفیائے عظام یا دانشمندانِ اُمّت کے موضوعِ عالی پر کچھ کہنے سُننے کے لیے سنجیدگی سے آمادہ نظر آئے، تو حسبِ توفیق اپنا معلوماتی ماحضر پیش کرنے میں تامّل سے کام نہیں لیتا۔

---

لہ راقم الحروف اپنے اِس موقف کی تائید میں ایک حدیثِ پاک پیش کرتا ہے، جسے حُجّۃُ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے۔ حدیثِ پاک کے الفاظ یہ ہیں: نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمَهُمْ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ (ترجمہ) ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی حیثیت کے مطابق اُن کی پذیرائی کریں اور اُن کی عقل کے مطابق اُن سے گفتگو کریں۔

(ملاحظہ ہو احیاء العلوم (عربی) جلد اوّل، ص ۶۳، مطبوعہ مصر)

کلموا النّاس علیٰ قدر عقولھم کی روایت تو ویسے بھی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو اشعۃ اللّمعات، از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (فارسی) جلد اوّل، ص ۱۶۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

(باقی برصفحۂ آئندہ)

میں نے بڑے میاں سے مزید کہا کہ جدِّ امجد حضرت قبلہ باؤجیؒ کے دینی انہماک، مذہبی لگاؤ اور صوفیانہ ذوق کا یہ عالم تھا کہ مَیں نے اُن کی کیف انگیز محفل میں دُنیا کی باتوں کا ذکر بہت ہی کم سُنا، وہ شاید اِس لئے کہ آپؒ عمر بھر درج ذیل شعر پر عمل پیرا رہے ؎

بات کروں تو پیا کی، جو سُنوں تو پی کی بات
اور بات سب بات ہے، جو بات تو یہ ہی بات

دادا جان علیہ الرحمۃ مخاطب کے جواب کی حد تک دنیا کی بات کرتے تھے، مگر آخر ہر پھر کر سلسلۂ کلام کو قرآن و سُنّت یا کسی بزرگ کے قول یا شعر پر ختم کیا کرتے تھے، آپؒ کو دنیا کی باتیں طبعاً ناپسند تھیں۔ خدا و رسول، بزرگانِ دین اور علمی و ادبی موضوعات گھنٹوں سُننے اور بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان اُمور کا ذوق رکھنے والوں کی بڑی قدر فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اگر اِس دَور کے کسی بزعمِ خویش مہذب اور تعلیم یافتہ جاہل کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) نیز اِس سلسلے میں ایک اور حدیثِ پاک کے الفاظ یہ ہیں: اٰفۃ العلمِ النّسیانُ و اضاعتُہٗ ان تُحدِّثَ بہٖ غیرَ اھلِہٖ (ترجمہ) بھُول جانا، علم کے لئے آفت ہے اور نااہل کے ساتھ علمی گفتگو، علم کو ضائع کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، جلد اوّل، ص ۳۷، مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

[1] سیٹھی محمدؐ اسماعیل صاحب پشاوری (سابق وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی) حضرت قبلہ باؤجیؒ کے باذوق اور صاحبِ علم مُریدین میں اِس اعتبار سے بلاشُبہ سرِفہرست ہیں کہ وہ اپنے ذوق اور میلانِ طبع سے زیادہ اپنے شیخِ کامل کے ذوق اور رجحانِ طبع کو ترجیح دیتے ہوئے ہمیشہ باذوق فضا اور علمی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ سیٹھی اسماعیل صاحب خود بڑے صاحبِ ذوق، سخن آشنا اور جھنگ کے مہر احمد نواز مرحوم (م ۱۹۸۷ء) پنج پھُولاں اور مہر خان محمدؐ (ہرنوٹا) سرخوش کی طرح مولانا رومؒ کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ موصوف پشاور کے مشہور و معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ حضرت باؤجیؒ محلہ سیٹھیاں پشاور میں اکثر اُن کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ راقم الحروف بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا۔ موصوف، مولانا رومؒ اور دیگر صُوفیا کے سلسلے میں اکثر ایسی محافل پاکیزہ منعقد کرتے ہوئے، وہاں کے اربابِ ذوق اور اصحابِ علم و دانش کو جمع کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اُنھوں نے پشاور کے ایک کالج میں بسلسلۂ حضرت مولانا رومؒ ایک مجلس کا اہتمام کیا، جس میں محبوب علی نے قوالی کی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رضا حسین المعروف علامہ رشید ترابی (م ۱۹۷۳ء) کے چھوٹے بھائی عابد علی المعروف ڈاکٹر مظہر علی خاں (م ۱۹۷۰ء) پر دَورانِ سماع ایسا وجد طاری ہوا (باقی بر صفحۂ آئندہ)

دینِ مُبین یا علم و فن کی کوئی بات بہ جبر و اکراہ سُنانے کی کوشش کی جائے، تو وہ ہاتھ چھڑا کر فوراً لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (القرآن ۲: ۲۵۶) یعنی دین میں جبر نہیں، کی آیت دلیل میں پیش کرنے کے ساتھ یہ معذرت بھی کرتا ہے کہ ایسے موضوعات سے مجھے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی میں اِن کا علم رکھتا ہُوں؛ اگر ایسے مقدّس اور ارفع موضوعات سے اُس

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ اُنھوں نے فرطِ بیخودی میں اپنا قمیص چاک کر ڈالا۔ ہال میں دیگر حاضرین کے علاوہ کچھ طلبہ بھی موجود تھے، چونکہ ڈاکٹر مظہر علی خاں مرحوم کا انگریزی ادب کے ماہر ترین اساتذہ میں شمار ہوتا تھا، لہٰذا کالج کے طلباء اپنے فاضل اُستاد کی یہ حالت دیکھ کر دم بخود رہ گئے تھے۔ جس شعر نے ڈاکٹر صاحب کو تڑپایا اور اُن پر کیفیت طاری کر دی وہ شعر یہ تھا ؎

بودش از عکسِ جمالش عالمِ امکانِ ما
یک نگاہِ نازِ جاناں قیمتِ ایمانِ ما

بلاشبہ سیٹھی اسماعیل صاحب کی ایسی خدمات قابلِ صد تعریف ہیں، موصوف کے پاس حضرت باؤجیؒ کے مختلف سفروں کی نایاب تصاویر اور بعض مجالسِ علیہ کی آوازیں بھی محفوظ ہیں۔ راقم الحروف کے مشاہدات اور دانست کے مطابق سیٹھی اسماعیل صاحب، حضرت باؤجیؒ کے وسیع حلقۂ اثر میں اُن معدودے چند مخلصین میں سے ہیں، جو اپنے شیخِ کامل کی خوشنودی اور ذوق کے پیشِ نظر علمی و روحانی محافل کا انعقاد کرتے تھے، ورنہ عام طور پر خانقاہی نظام سے تعلق رکھنے والے بالخصوص عصرِ رواں کے اکثر مُریدین اپنے شیخِ طریقت کی تشریف آوری پر اُمراء، رُؤسا، ارکانِ سلطنت اور زُعمائے حکومت کو شیخ کی زیارت کے لئے اپنے ہاں مدعُو کرتے ہیں، اِس کے پس منظر میں اکثر دُنیوی مقاصد و مفادات کا حصول ہوتا ہے یا وہ ارکانِ سلطنت کے ساتھ اپنے مراسم میں اضافہ کے آرزومند ہوتے ہیں۔ بہرحال اِس قسم کے ارادت مندوں سے سیٹھی اسماعیل صاحب اور اُن جیسے دوسرے اہلِ عقیدت مستثنیٰ ہیں۔ سیٹھی اسماعیل صاحب کے مُورثِ اعلیٰ، دولت مندی اور ظاہری جاہ و حشمت کے نقطۂ عروج پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ علم و فضل کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے۔ اِس خاندان کے جو حضرات اِس وقت بقیدِ حیات ہیں، اُن میں سیٹھی اسماعیل اور سیٹھی مشتاق احمد صاحب ولد سیٹھ فضل الٰہی سیٹھی (م ۱۹۶۹ء) کی طرح سیٹھی محمد یونس وفا صاحب کا وجود غنیمت ہے۔ یہ حضرات علمی و ادبی شغف اور شیخِ کامل سے نسبت و ارادت میں اپنے اکابر کے وارث ہیں؛ اِن کے بزرگوں کا تذکرہ مہرِ منیر میں باب پنجم کے ص ۲۹۸ تا ۲۹۹ پر موجود ہے۔

کے عدمِ رغبت اور لاعلمی کا سبب دریافت کیا جائے تو اکبر الٰہ آبادیؒ کا یہ شعر پڑھ دیتا ہے؎

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

بڑے میاں! میں نے جو کچھ بیان کیا وہ میرے ذاتی محسوسات اور مشاہدات ہیں، جو بحمد اللہ غلط بیانی کی آلائش سے پاک ہیں۔ اب فرمائیے پاکستان اور دنیا بھر کے مشائخ ایسے مغربیت زدہ اور اسلامی تعلیمات و تہذیب سے بیزار انسانوں میں رہ کر کیا تصنیف کریں اور کیا تبلیغ؟ ایسے ذہن ہمیں قدامت پرست سمجھ کر ہمارے پاس بیٹھنے تک سے گریز کرتے ہیں۔ گویا اِس دَور میں ؎

ہم بے کسوں کی بزم میں آتا ہے اور کون
آ بیٹھتی ہے گردشِ دَوراں کبھی کبھی (قابل اجمیری)[1]

راقم الحروف کا یہ تبصرہ سُن کر بڑے میاں اِس حد تک تو مطمئن ہو گئے، مگر کہنے لگے کہ ایک اور موضوع پر ابھی خلش باقی ہے، جس کا تعلق بھی خانقاہی نظام سے ہے۔ اگر اُس

---

[1] اپنے جدِّ مکرم حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ کے بارے میں بیان کردہ میرے مشاہدات و محسوسات کو اگر کوئی کج اندیش قاری تعریف بے جا پر محمول کرے تو یہ محض اُس کی تنگ نظری ہوگی، اِس لیے کہ موصوف کی ذاتِ گرامی سے نہ صرف میرا نسبی تعلق ہے، بلکہ وہ میرے شیخ طریقت بھی ہیں؛ اِس لحاظ سے مجھے یہ دوگونہ حق حاصل ہے کہ ایک ادنیٰ نیازمند ہونے کے ناتے اپنے شیخ کامل کے متعلق اُن مشاہدات و محسوسات کو بلاکم وکاست بیان کر دوں، جن سے میری نگاہ اور میرا شعور فیض یاب ہوتے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ آپؒ کی ذاتِ مقدس کی صفات و کمالات کا احاطہ کرنا میرے بس میں نہیں کیونکہ ؎ من حقیر کُجا و کُجا غریب نواز۔ آج کل کے اکثر جاہل مُریدین اپنے بعض بے علم پیروں کے حق میں قطبِ دَوراں، غوثِ زماں، رئیس الکاملین اور رازیٔ وقت جیسے القاب استعمال کرتے پھرتے ہیں؛ کوئی صاحبِ علم و فضل اُن کی تائید کے حق میں نہیں اور یہاں تو میں تنہا اظہارِ حقیقت نہیں کر رہا، بلکہ میرے بیان کردہ مضمون کو آپؒ سے تعلق رکھنے والے ہزاروں عُلما و فُضلا اور اصحابِ زہد و تقویٰ کی تائید بھی حاصل ہے ؎

نہ من بر آں گُلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیبِ تُو از ہر طرف ہزار انند (حافظ شیرازیؒ)

کا کوئی جوابِ شافی مل جائے تو آئندہ کے لئے خانقاہوں کے متعلق اپنے خلفشار سے محفوظ ہو جاؤں گا۔

## سجّادہ نشینوں اور صاحبزادوں کا جذبہ مُسابقت

مُعترض نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یُوں تو جذبہ مُسابقت دُنیا کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے انسانوں میں موجود ہوتا ہے، اِس لئے کہ یہ انسانی جبلّت ہے۔ خُوبیوں اور کمالات کے حُصُول میں اگر یہی جذبہ کارفرما ہو تو سُبحان اللہ، معاملہ نُورٌ علیٰ نُور بن جاتا ہے، مگر دُنیوی اُمُور کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں اِس کا استعمال عظمتِ انسانی کے منافی ہے۔ مَیں نے دُنیا کے دُوسرے انسانی طبقات کی طرح یہ جذبہ خانقاہوں کے اکثر سجّادہ نشینوں اور صاحبزادوں میں بہت دیکھا ہے۔ اکثر خانقاہوں میں حاضری کا اتّفاق ہوا اور اہلِ خانقاہ کے باہمی تعلّقات کی کشیدگی کے مناظر دیکھ سُن کر تعجب سا ہونے لگا۔ صاحبزادگی اور سجّادگی میں دُوسری خرابیوں کے علاوہ ایک خرابی یہ بھی محسوس ہوئی کہ اِس کے مریض میں حفظِ مراتب کا احساس نہیں رہتا، بڑے چھوٹے کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے اور قبُولیتِ عامّہ حاصل کرنے کی خاطر اِس مرض کا مریض بسا اوقات قابلِ عزّت رشتوں کی بھی پروا نہیں کرتا گویا بقولِ شاعر۔

| | |
|---|---|
| گیسُو میں ہے بَل کہ میرے خَم کو دیکھو | رُخ ہنستا ہے کہ اِس ستم کو دیکھو |
| اظہارِ کمال میں ہر اِک کامل ہے | سب کی یہی خواہش ہے کہ ہم کو دیکھو |

اور بے ادبی اور بد اخلاقی کے اوچھے واروں سے بھی گریز نہیں کرتا؛ یہی وجہ ہے کہ مُعترضین کے دیگر اعتراضات کے علاوہ اہلِ خانقاہ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جو رُوحانی مراکز دُنیا کو تعلیمِ صُلح و آشتی اور درسِ ادب دینے کے مُدّعی ہیں، اُن کے اپنے افراد باہمی نفرت و بیزاری، لُوٹ کھسُوٹ اور ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے کے ذہنی عذاب میں اِس بُری طرح گرفتار نظر آتے ہیں کہ توبہ بھلی۔ خدا بچائے بعض خانقاہوں کے متعلق تو یہاں تک سُننے میں آیا کہ اگر کوئی مُرید یا زائر ماموں زاد، چچا زاد اور دیگر قرابت داروں کے علاوہ سگے بھائی سے بھی مل لے، خواہ نذر و فتُوح پیش کرنے نہ کرے تو دُوسرے بھائی صاحب اُسے اپنے پاس نہیں گھسنے دیتے کہ تُو میرے بھائی کا مُرید ہے، میرا نہیں۔ حالانکہ وہ اِس کا

سگا بھائی ہوتا ہے۔ چچا زادوں، ماموں زادوں اور پھوپھی زادوں میں حسد و بغض کے امکانات[1] زیادہ ہوتے ہیں، اگرچہ مذکورہ بالا رشتوں میں سے بعض باشعور اور سلیم الفطرت انسان بسا اوقات سگے بھائیوں سے بھی زیادہ مخلص، محبت کرنے والے اور باادب نکلتے ہیں، مگر سگے بھائیوں کا آپس میں ایسا سلوک ناقابلِ فہم، افسوسناک اور حیرت افزا ہوتا ہے۔ مزید کہنے لگے: اگر دُنیائے خانقاہ کے تمام سجادہ نشین اور صاحبزادگان یہ چاہیں کہ مریدین کا باشعور اور صاحبِ علم طبقہ اُن سب کو ایک ہی نظر سے دیکھے، تو اُنہیں باہمی جنگ و جدال اور نفرت کے بجائے اپنے آبا و اجداد کے علم و فضل اور دیگر صفات و کمالات پر دسترس حاصل کرنی چاہیئے، جب ہی اُن کی یہ آرزو پوری ہو سکتی ہے، ورنہ باشعور نگاہ اُن کے ہر فرد کو وُہی مقام دے گی، جس کا وہ اہل ہوگا۔ ایسی صورت میں باہمی حسد و عناد، بد اخلاقی اور بد تمیزی کے مظاہرے کرنا بچوں کی ضد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مَیں نے جو کچھ عرض کیا، وہ میرے ذاتی تجربات اور مشاہدات ہیں۔"

بڑے میاں جب دل کی بھڑاس نکال چکے تو مَیں نے عرض کیا کہ صاحب! میرے بارے میں آپ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا۔ وہ آپ کا حسنِ ذوق و سماعت ہے، ورنہ من آنم کہ من دانم، مَیں آپ کی اِس عزت افزائی کے لئے سپاس گزار ہوں۔ رہا معاملہ صاحبزادوں کا، تو مجھے اِن کے اُس رویّہ سے قطعاً اتفاق نہیں ہو سکتا، جو آپ نے ابھی بیان کیا اور آپ کا ذاتی مشاہدہ ہے۔ جن خانقاہوں سے وابستہ صاحبزادوں کی صورتِ حال ایسی ہے، اُنہیں اپنے طرزِ عمل پر یقیناً نظرِ ثانی کرنی چاہیئے، مگر اس کے ساتھ آپ اِس اَمر کو بھی ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ انسانی طبائع کا باہمی اختلاف بھی فطری ہونے کے سبب ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے، جس سے انکار ممکن نہیں۔ طبائع کے اِس اختلاف کے باعث اگر انسان بعض اُمور میں دُوسرے انسان سے اختلاف کرتا ہے تو یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں، کیونکہ اُسے اِس کا حق حاصل ہے اور یہ حق اُسے خود فطرت نے دیا ہے۔

اگر آپ تاریخِ انسانی کا مطالعہ کریں تو ہر دَور کے اِنسانی طبقات میں وقوع پذیر اختلافات کے نظائر بہ کثرت ملیں گے۔ تہذیبِ انسانی میں آج تک ہونے والی قتل و غارت کی وارداتیں اور فساد فی الارض کے بعض دل خراش مناظر اِسی بنیادی طبعی اختلاف کا نتیجہ ہیں۔ اگر انسانی طبائع کا تخلیقی عمل یکساں ہوتا تو انسانوں کا آپس میں کبھی کوئی جھگڑا ہی نہ ہوتا۔

---

[1] بحوالہ احیاء العلوم از امام غزالیؒ الجزء الثالث باب ذم الحسد صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ بیروت

قرآنِ مجید نے انسان کے لئے یہ الفاظ فرمائے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝[1] (ترجمہ) اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس کے جھگڑالو ہونے کی علّتِ عظیمہ اختلافِ طبائع ہی ہے، ورنہ وہ اختلاف ہی نہ کرتا۔ قرآنِ مجید کے علاوہ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں بھی اِس کا ثبوت ملتا ہے؛ چنانچہ ایک حدیث پاک کے الفاظ ہیں:۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ اٰدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزَنُ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ[2] (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد) (ترجمہ) اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السّلام کو ایک مُٹھی سے پیدا کیا، جسے ساری زمین سے لیا تھا۔ پس آدمؑ کی اولاد زمین (مٹی کی خاصیت) کے مُطابق ظہور پذیر ہوئی؛ اُن میں بعض سُرخ، سفید اور بعض سیاہ ہیں؛ اِسی طرح بعض نرم خُو، بعض سخت مزاج، بعض خبیث طبع اور بعض نیک طبع ہیں (انتہیٰ)

قرآن وسُنّت کی روشنی میں پیش کئے جانے والے مذکورہ بالا تجزیئے سے ثابت ہوا کہ اختلافِ طبائع کے بنیادی فرق کی بنا پر انسانوں کا آپس میں اختلاف کوئی غیر متوقع امر نہیں؛ البتّہ عام دُنیوی اور سطحی ذہن رکھنے والوں کی نسبت، ایسے رُوحانی مراکز اور علمی خانوادوں کے افراد کا غیر ضروری اختلاف کے بجائے آپس میں اُخوّت وآشتی کی خوشگوار فضا کو برقرار رکھنا بلاشُبہ اُن کی سعادت مندی، دانائی، تحمّل، فضیلت اور اُن کے امتیاز کی ایک بیّن علامت سمجھا جائے گا۔

مَیں نے مزید کہا، اسے اسلاف کا تصرّف سمجھیئے، بحمد اللہ ابھی تک میں ایسے تلخ تجربوں سے دوچار نہیں ہوا۔ مستقبل کا علم نہیں۔ بہرحال دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ہمیں ہر اُس نوعیت اختلاف سے بچائے جو تباہی وعناد کا موجب ہو۔ خانقاہی نظام میں جن بعض اختلافی معائب کا ذکر آپ نے فرمایا، اُنہیں کوئی معقول انسان پسندیدہ نہیں کہہ سکتا، اِس لئے آپ مجھ سے تردید کی

---

[1] القرآن ۱۸: ۵۴

[2] حاشیہ پر بحوالہ المرقاۃ لکھا ہے۔ علیٰ قدرِ اٰی مبلغہا من الالوان والطباع یعنی اولادِ آدم کے رنگ اور طبائع زمین کی مقدار (خاصیت) کے مطابق ظہور پذیر ہوئے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان فی القدر، ص ۲۲، مطبوعہ کانپور)

[3] دیکھئے ایضاً

توقع نہ رکھیں۔ بلاشبہ میرا تعلق بھی ایک خانقاہ سے ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مَیں زہرِ ہلاہل کو قند و نبات کہہ دُوں، بگاڑ بہر صُورت بگاڑ ہے، معترض کی تلخ تنقید کے جواب میں میرا یہ حقیقت پسندانہ رویہّ بڑا مؤثر ثابت ہؤا اور میرے مذکورہ بالا دلائلِ اختلافِ طبائع سُن کر وہ بہت خُوش ہوئے، چنانچہ بڑے میاں دُعائیں دیتے ہوئے بڑے احترام سے بغل گیر ہوتے اور یہ کہتے ہوئے رُخصت ہوئے کہ اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

## والدِ مُحترم اور عمِّ مکرّم کا دَورِ تربیت

مَیں اپنے زمانۂ طالب علمی کے شدائد اور اپنے جدِّ امجدؒ کے اندازِ تربیت کی بات کر رہا تھا کہ درمیان میں کراچی کی ایک شعری نشست اور بڑے میاں سے تفصیلی گفتگو کا تذکرہ چل نکلا۔ عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ حضرت بابُوجی قدس سرہ العزیز میرے علاوہ میرے والدِ مکرّم اور عمِّ محترم کو بھی اِسی قسم کی ہدایات دیا کرتے تھے۔ والدِ محترم سیّد غلام معین الدین صاحب (م ۱۹۹۷ء) اور عمِّ محترم سیّد شاہ عبدالحق صاحب دامت برکاتھما العالیہ کم و بیش سات (۷) برس تک جامعہ عبّاسیہ بہاولپور میں حضرت علّامہ غلام محمّد گھوٹویؒ (م ۱۹۴۸ء) المعروف بہ شیخ الجامعہ صاحب کے زیرِ تعلیم رہے۔

### غزالیِ دَوراں حضرت مولانا غلام محمّد صاحب گھوٹویؒ

موصوف مجدّدِ ملّت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ کے مخلص اور خاص ترین مُریدوں میں سے تھے۔ مولانا غلام محمّد گھوٹویؒ، علّامہ فضلِ حق رام پوریؒ (م ۱۳۵۸ھ) کے تلمیذِ خاص تھے، موصوف خیر آباد کے مشہور علمی گھرانے کے چشم و چراغ حضرت علّامہ عبدالحق خیر آبادیؒ (م ۱۳۱۶ھ) کے شاگرد تھے۔ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ سے حضرت علّامہ فضلِ حق رام پوریؒ کی بیعت و عقیدت کا تذکرہ مہرِ منیر میں موجود ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا افضال الحق رام پوریؒ (م ۱۹۵۵ء) گولڑے تشریف لایا کرتے تھے۔ خواجہ منظور حسین مُلتانی مرحوم (م ۱۹۷۹ء) کے فرزندِ اکبر خواجہ خدا بخش صاحب مُلتانی، جنہیں خُود بھی دینی کُتب کے مطالعہ کا بے حد شوق ہے، بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت قبلہ بابُوجیؒ صاحب کو وظائف و اوراد کے دوران اگر تعظیماً کسی کے لئے

لہ دیکھئے مہرِ منیر، بابِ پنجم، ص ۲۵۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۷ء

ہمارا خوں بھی ہے سرو دمن کی رگ رگ میں    چمن میں وجہِ نمودِ بہار ہم بھی ہیں

حضرت پیر سید ولایت شاہ صاحب گیلانیؒ (م ۱۹۴۷ء)    حضرت غلام محی الدین بابوجی صاحبؒ کے حقیقی چچا اور مصنف کے نانا
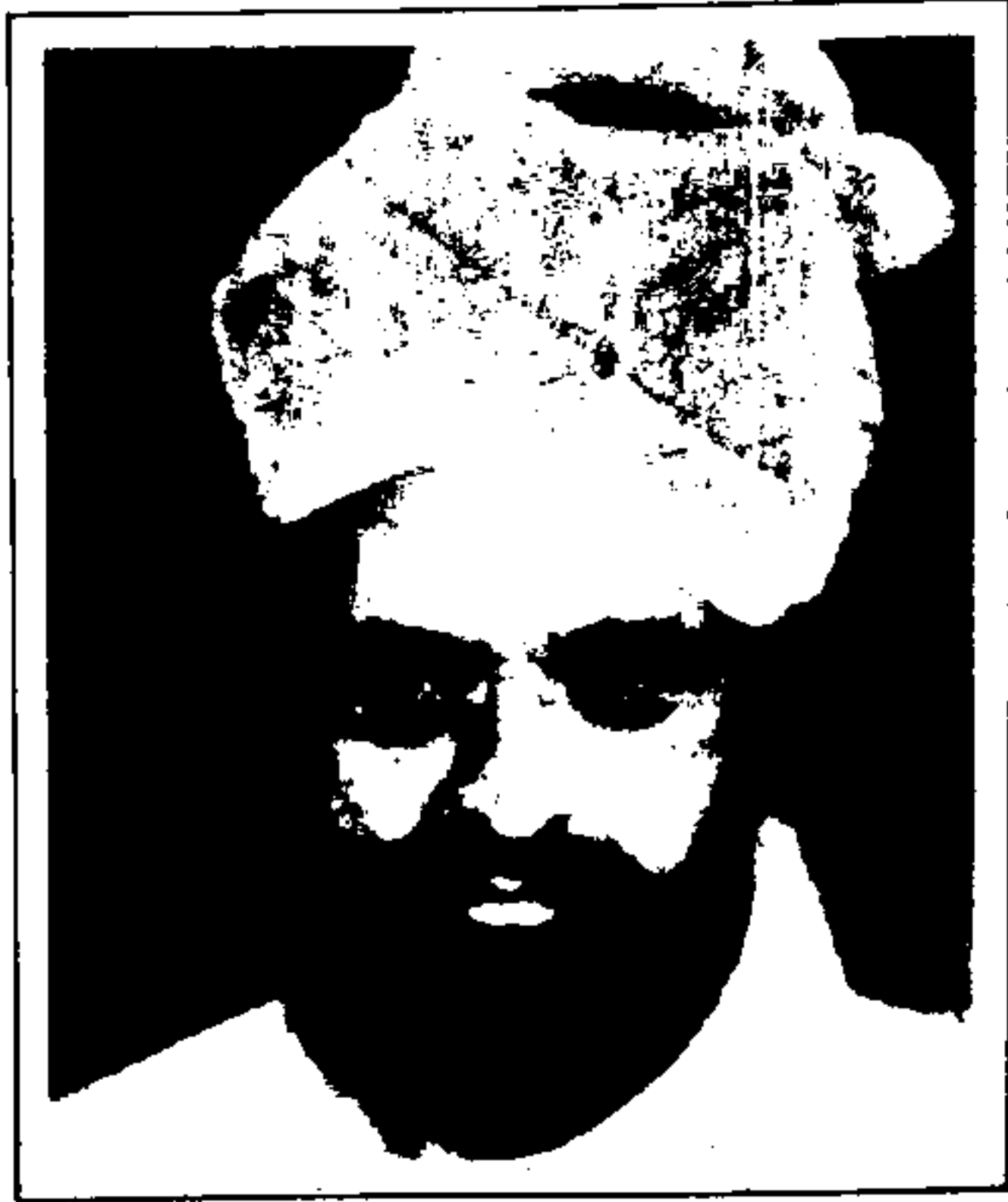
میری فطرت میں ہے سیماب نیاز آگینی    نازہے مجھ پہ زمانے کو، مجھے ناز نہیں!

حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہٗ العزیز

اُٹھتے ہوئے دیکھا تو وہ صرف دو شخصیات تھیں، یعنی حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اور حضرت مولانا افضال الحق رام پوری۔ جب بھی اِن دونو حضرات میں سے کوئی فرد آپ کے پاس حاضر ہوتا، تو آپ نہ صرف یہ کہ اُس کے لئے تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوتے، بلکہ اُس کے عرصۂ نشست میں سلسلۂ وظائف خوانی بھی موقوف فرما دیتے۔ اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باؤجی قبلہ کے دل میں صحیح العقیدہ اہلِ علم اور اربابِ فضل و کمال کی کتنی قدر و منزلت تھی۔

دونو بھائی بہاولپور میں اُستادِ مُشفق کے گھر میں قیام فرما رہے۔ علّامہ گھوٹوی کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحق (م ۱۹۸۱ء) المعروف چشتی صاحب تھے، جو وفات کے بعد گولڑہ شریف مدفون ہوئے۔ دوسرے صاحبزادے علّامہ حافظ غلام احمد المعروف قادری صاحب ہیں، جو علمی و شعری ذوق رکھنے کے ساتھ اُس عقیدت، خلوص اور محبت کے وارث بھی ہیں، جو اُن کے والدِ محترم کو اپنے پیر خانے سے تھی۔ قادری صاحب سے مجھے خصوصی علمی و ادبی اور قلبی لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ اِنہیں خوش رکھے۔ جب کبھی وہ والدِ محترم اور عمِ مکرم کے زمانۂ طالب علمی کے واقعات سناتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ قادری صاحب فرماتے ہیں کہ ساری سہولتیں میسر ہونے کے باوجود اِن حضرات کو کوئی آسانی فراہم نہیں کی جاتی تھی، حتّٰی کہ جب دونو بھائی تعطیلاتِ گرما میں گولڑہ شریف آتے تھے، تو اُنہیں تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کرنے کا حکم تھا، چنانچہ وہ تھرڈ کلاس ہی میں سفر کرتے اور حضرت قبلہ باؤجی قدس سرہٗ کی طرف سے دونو بھائیوں کے لئے حضرت شیخ الجامعہ علیہ الرحمۃ کو کسی قسم کی خصوصی رعایت و آسائش مہیا کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ راقم الحروف کے اُستادِ محترم حضرت علّامہ فتح محمد صاحب علیہ الرحمۃ بھی حضرت شیخ الجامعہ صاحب کے شاگردِ خاص تھے۔ آپ ایک متبحر عالمِ دین، عبادت گزار، خاموش طبع، قناعت شعار، غیور، بے باک حق گو، نہایت بلند کردار و اخلاق کے مالک، عام حالات میں شفقت و محبت کی تصویر، مگر اُمورِ تربیت و تدریس میں نہایت سخت گیر۔ اُنہوں نے میرے سلسلے میں بھی کسی قسم کی رُو رعایت کا کبھی خیال نہ کیا، اگر کوئی چیز اُن کے لئے مرکزِ توجہ تھی تو بس میری تعلیم و تربیت۔ اُستادِ محترم کے تین صاحبزادے ہیں، بڑے فرزند کا نام مولوی عبدالغفار،

منجھلے کا عبدالستار اور چھوٹے کا نام عبدالجبار ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود حصولِ علم کی خاطر اولاد کو مصائب و شدائد سے گزارنا بڑے دل گردے کا کام ہے؛ کچھ نہ ہونے کی صورت میں تکالیف جھیلنا تو حالات کا تقاضا ہوتا ہے، لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود مفلسی کے مراحل سے گزرنا معنی دارد۔ گویا صورتِ حال راقم الحروف کے درجِ ذیل شعر کے مطابق ہو ؎

آسماں سے کوئی پوچھے، یہ تنک تابِ ہلال
کن مراحل سے گزرتا ہے قمر ہونے تک

## اُستادِ محترم علاّمہ فتح محمد صاحبؒ

مَیں نے اُستادِ محترم حضرت علاّمہ فتح محمد صاحبؒ سے پندرہ (۱۵) برس تک پڑھا۔ تحصیلِ علم کے اِس زمانے میں تین چار سال مولوی ممتاز احمد صاحب چشتی میرے ہم درس رہے۔ میں نے فارسی اور عربی کی تقریباً ساری متداول کتابوں کا درس حضرت علامہ مرحوم سے لیا، البتہ اُن کی علالت اور کمزوری کے زمانے میں حضرت علامہ فیض احمد صاحب فیض دامت برکاتہم العالیہ (مؤلفِ مہرِ منیر) سے بعض کتبِ فن کے علاوہ تفسیر و حدیث کی چند کتابیں بھی پڑھیں۔

## اُستادِ محترم مولانا فیض احمد صاحب فیض

اکثر عُلماء میں شعرگوئی تو درکنار، شعرفہمی کا ذوق بھی دکھائی نہیں دیتا، مگر علامہ فیض احمد صاحب متبحر عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا شعری ذوق بھی رکھتے ہیں۔ اِفتاء اور دیگر علمی اُمور میں مصروف رہنے کے باوجود اردو، فارسی اور عربی میں اچھا کہہ لیتے ہیں۔ حضرت مولانا غیر معمولی حافظہ کے مالک ہونے کے ساتھ نہایت متقی، منکسرُالمزاج، خاموش طبع، اعتدال پسند اور ایک صحیح العقیدہ عالمِ دین ہیں، بلاشبہ ایسے حق پرست عُلماء ہی کو آلِ شیخ کہلانے کا بجاطور استحقاق حاصل ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب چشتی ایک بلند پایہ عالمِ دین ہونے کے ساتھ عرصۂ دراز سے مدرسۂ انوارُ العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں۔ اُستادِ محترم علامہ فیض احمد صاحب کو قطبِ دوراں حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے، مقاماتِ تصوّف سے آگاہی کے علاوہ اِفتاء

میں اُنہیں خصُوصی دستگاہ میّسر ہے؛ فاضلانہ بیان کے مالک ہیں۔ تمکنتِ بیان سے اُن کی خُداداد ذہانت اور علمی بصیرت جھلکتی ہے، البتہ اُن کے ہاں مُرَوّجہ اندازِ خطابت نہیں پایا جاتا، شاید یہی وجہ ہے کہ عوام کی نسبت اربابِ علم اُن کے بیان سے زیادہ محظُوظ و مُستفید ہوتے ہیں۔ میری دانست میں مذکورہ تمام اوصاف کی نسبت اُن کی ایک یہ صفت سب سے بُلند ہے کہ اِتنے علم اور اِتنی قابلیّت کے باوُجُود اُن کا ذہن کبرِ علم کی آلائش سے پاک نظر آتا ہے، اُن کا اندازِ حیات راقم الحروف کی درج ذیل رُباعی کا آئینہ دار ہے ؎

در راہِ وفا تیـز مپُو، دَم دَرکَش — ناز از وَرَقِ سینہ بشُو، دَم دَرکَش
در محفلِ اربابِ خـرد لاف مَزَن — تا آنکہ نگویند بگُو، دَم دَرکَش

ترجمہ۔ راہِ وفا میں تیزی سے کام نہ لے، خاموش ہو جا۔ اپنے سینے کے ورق سے غرور و ناز کو دھو ڈال اور چُپ ہو جا۔ اربابِ علم و فضل کی محفل میں بے جا لاف زنی نہ کر اور جب تک تجھے کچھ کہنے کے لئے کہا نہ جائے اُس وقت تک خاموش رہ۔

ایسے اہلِ علم بھی دیکھنے میں آتے ہیں، جن کا علم بہت کم اور نمائش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ سخن (گفتگو) جو بلاشبہ انسان کے لئے قُدرت کا سب سے بڑا عطیہ ہے بعض مینٹل (Mental) افراد سے منسُوب ہو کر اُس پر آفتِ سخن کی ترکیب کا اطلاق ہونے لگتا ہے۔ سخن اور اہلِ سخن کی اہمیّت کے سلسلے میں فارسی کے کسی اُستاد شاعر کا شعر یاد آ رہا ہے۔ اندازِ استدلال دیدنی ہے ؎

بہترین گوہرِ گنجینۂ ہستیست سخن — گر سخن جاں نبُود مُردہ چرا خاموش است

ترجمہ۔ ہستی کے خزانے کا بہترین موتی سخن (گفتگو، یا شعر) ہے، اگر سخن کو جان اور رُوح کا درجہ حاصل نہیں تو پھر بتائیے کہ مُردہ خاموش کیوں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میّت میں اگر کوئی چیز رُوح کہلا سکتی ہے تو وہ گفتگو ہے، اگر گفتگو علامتِ حیات قرار نہ دی جائے تو پھر مُردے کو مُردہ نہیں کہنا چاہیئے۔

کہا یہ جا رہا تھا کہ بعض لوگوں کی محض چرب زبانی کی جادوگری اُن کا ذریعہ معاش ہوتی ہے اور اُن کی لفّاظی عوام کو متاثر کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی مسلّم کم علمی کے باوُجُود کبرِ علم میں مُبتلا ہوتے اور دُوسروں کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے ہیں، اُن کے اقوال و افعال سے خود پسندی اور کبر و نخوت کے آثار ٹپکتے ہیں، حتیٰ کہ بعض

کا تو اندازِ خرام دیکھ کر یُوں لگتا ہے گویا وہ ؎
تعلیم دے رہے ہیں قیامت کو چال کی۔ اپنے علم و فضل پر اظہارِ کبر و غرُور کرتے ہوئے دُوسروں کو خاطر میں نہ لانے اور دُوسروں کے سلام کے جواب میں اپنے سر تک کو زحمتِ جُنبش نہ دینے والے بعض گھمنڈی مولویوں کے لئے مُلّا باقر قزوینی نے کیا خوُب رُباعی کہی تھی ؎

اَے مولوی! از کبر دماغت گندہ گاہے کہ کُند بر تو سلام ایں بندہ
چنداں حرکت بکُن کہ از رُوئے قیاس معلوم شود کہ مُردہ ای یا زندہ

ترجمہ۔ اے وہ (خوُدپسند) مولوی! کہ تیرا دماغ غرُور و تکبّر (کے تعفّن) سے پُر ہے، جب یہ ناچیز تجھے سلام پیش کرے تو کم از کم اتنی حرکت ضرُور کیا کر کہ از رُوئے عقل یہ معلوم ہو سکے کہ تو مُردہ ہے یا زندہ۔

یُوں تو حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کے حلقۂ ارادت میں شامل عُلماء و فضلائے وقت کی فہرست بہت طویل ہے، جس کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں، البتّہ اِس طویل فہرست میں دو شخصیّات ایسی ہیں، جن کی دینی خدمات اور علمی فضائل کا اعتراف نہ کرنا بعید از انصاف ہوگا۔ میری مُراد حضرت مولانا عطا محمّد بندیالوی مدّظلہٗ اور حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی سے ہے۔

## مولانا عطا محمّد صاحب بندیالوی مدّظلّہ العالی

مولانا ایک مُتبحّر عالمِ دین، عُلمائے سَلف کی یادگار اور علمِ منطق میں خصُوصی شہرت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اُستاذُ العُلماء کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ موصوف کی علمیّت کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور مُفسّرِ قرآن علّامہ جسٹس پیر محمّد کرم شاہ بھیروی الازہری اور مولانا

لے اِس کا مصرعِ اوّل یہ ہے ؎ پامال نعش کیوں نہ ہو مجھ خستہ حال کی
یہ شعر سیّد وحید الدّین بیخود دہلوی کا ہے، جو حضرت پیرانِ پیر الشیخ سیّد عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ علاوہ ازیں آپ کو فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ کے مجموعۂ کلام کا نام گفتارِ بیخود ہے، جو ۱۹۲۸ء میں برقی پریس دہلی سے طبع ہوا۔
ٹے بحوالہ آتش کدۂ آذر (فارسی) مؤلفہ حاجی لطیف علی بیگ، ص ۲۲۲، مطبوعہ بمبئی، سنِ طباعت ۱۲۹۹ھ
سے بقولِ مولانا بندیالوی صاحب، پیر کرم شاہ صاحب نے شیخ بُوعلی سینا کی شہرۂ آفاق تصنیف اشارات کے چند اسباق بھیرہ میں اُن سے پڑھے۔

سید محمود احمد رضوی جیسے متعدد علمائے وقت آپ کے زُمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ اِس غیر معمولی تبحرِ علمی کے باوصف مولانا بندیالوی نہایت سادہ لباس زیبِ تن کرتے ہیں، ظاہر بین نگاہیں اُن کی سادگی دیکھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتیں کہ کوئی عام آدمی یا علاّمۂ دوراں یا اُستاذ الاساتذہ جارہا ہے۔ حضرت مولانا بندیالوی پچاس (۵۰) سال کے طویل عرصے سے منصبِ تدریس پر فائز ہیں اور اندرون و بیرونِ مُلک ہزاروں عُلماء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ عمِ محترم سیّد شاہ عبدالحق صاحب مدظلّہٗ نے بھی حضرت مولانا سے چند کتابیں پڑھیں، اِس کے علاوہ علمی رشتے کے اعتبار سے مولانا بندیالوی راقم الحروف کے چچا اُستاد بھی ہیں، اِس لئے کہ اُستادِ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ اور مولانا بندیالوی دونو کے اُستاد حضرت مولانا یار محمد بندیالویؒ (م ۱۹۴۷ء) ہیں، جو ہندوستان کے مشہور علاّمہ اور نامور صُوفی حضرت مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ (م ۱۳۲۲ھ) کے خلیفہ اور شاگردِ خاص تھے۔

## شُعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو (علاّمہ ہزارویؒ)

یہ سحر آفریں آواز حضرت مولانا عبدالغفور ہزارویؒ (م ۱۹۷۰ء) کی تھی، جنہیں قبلۂ عالم حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے اُستادِ گرامی حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ (م ۱۸۷۳ء) ساکن مَوضع بھوئیؔ[1] کے خاندان سے اُن کی رشتہ داری تھی۔ تحریکِ پاکستان اور تحریکِ ختمِ نبوت میں اپنی شعلہ نوائی سے اُمت کے قلوب گرمائے اور ایسی لافانی خدمات سرانجام دیں، جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی؛ شاید اِسی لئے بعض ذہن اُنہیں صرف ایک جادُو بیان مُقرّر یا خطیب کی حیثیت دیتے ہیں، بلا شبہ دوسرے فنُون کی طرح خطابت بھی ایک عظیم فن ہے مگر آج کل کی مُروّجہ خطابت کے لئے علم کا ہونا شرط نہیں، بلکہ خطیب کا محض زورِ بیان ہی کافی ہے، اِس لئے راقم الحروف کے نزدیک علاّمہ ہزارویؒ جیسی جامعِ عُلوم و فنون شخصیت کو محض ولولہ انگیز خطیب یا ایک نامور مُقرّر کہہ کر گزر جانا سراسر ناانصافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علاّمہ ہزارویؒ ایک وجیہہ اور طرح دار انسان ہونے کے علاوہ ایک جیّد عالم، علمِ تفسیر و حدیث کے ماہر،

[1] مَوضع بھوئی، حسن ابدال کے مضافات میں واقع ہے۔

[2] علم اور اہلِ علم کے مقام کا اندازہ اِس حدیثِ مبارک سے لگایا جا سکتا ہے۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

غیر معمولی مناظر و منطقی اور جامع معقول و منقول شخصیت تھے۔ حاضر جوابی، شگفتہ بیانی، طنز ملیح، سخن داؤدی اور حق گوئی و بے باکی اُس مردِ مومن کا طرّۂ امتیاز تھا۔ بعض اوقات تو علم سے پیدل اور ظاہری چمک دمک رکھنے والے مولویوں، نام نہاد دانشوروں، شاعروں، ادیبوں، مفاد پرست سیاست دانوں، جعلی صُوفیوں اور جاہل پیروں کو بر سرِ منبر جھاڑ پلا دیتے تھے۔ مُشتاقانِ علم و فن، اربابِ کمال کی سرگرانی، غیظ و غضب، استغناء و زُود رنجی جیسے ناقابلِ برداشت جذبات کو اُن کی ایک ادائے ناز سمجھ کر بہ طیبِ خاطر قبُول کر لیتے ہیں۔ راقم الحروف نے اِس موضوع پر یُوں اظہارِ خیال کیا ہے ؎

اک ادا ہے، بس اور کچھ بھی نہیں　　یہ جفائیں، یہ جَور کچھ بھی نہیں

لیکن ایسا کرنے کے لئے بھی بڑا حوصلہ اور مقامِ علم و ہنر کا عرفان چاہیئے۔ کارِ ہر دیوانہ نیست والی بات ہے اور پھر اِس قسم کا اظہارِ ناز بھی تو اصحابِ کمال ہی کو زیب دیتا ہے؛ ہر ایرے غیرے کی ناز برداریاں کون کرتا ہے، جب کہ نفس پرستی کے اِس دَور میں اہلِ کمال کے ناز بھی بہت کم اُٹھائے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومیؒ نے اظہارِ ناز کے لئے اہلیّت و کمال ہی کو معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے ؎

ناز را رُوئے ببٰاید ہمچو وَرد　　چُوں نداری گردِ بد خُوئی مگَرد

ترجمہ۔ اِترانے اور ناز فرمانے کے لئے پھُول جیسا چہرہ بھی چاہیئے۔ اے مخاطب! اگر تیرے پاس قابلِ ناز صفات اور کمالات نہیں تو پھر خواہ مخواہ یہ شُتر غمزے نہ کیا کر، اِس لئے کہ تیری اِن بے رُوح اداؤں کو کوئی سلیمُ العقل قبول نہیں کرے گا؛ اگر ناز و ادا کے اِظہار اور بازارِ حیات میں اپنی قیمت کا اندازہ لگانے کا اِتنا ہی شوق ہے تو پہلے پھُول جیسی صفات اور پھُول جیسا چہرہ لا اور پھر اُس پر پھُول!

غرض یہ کہ علّامہ ہزاروی مرحوم اپنے رُوئے وَرد اور اپنی علمی وجاہت کی وجہ سے بجا طور پر ادائے ناز و ادا کا حق رکھتے تھے، لیکن حق گو اور بے باک طبیعت کے باوجود

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) ارشاد ہوا: العلمُ افضلُ مِنَ العِبادةِ ومِلاکُ الدِّینِ۔ (ترجمہ) تحصیلِ علم میں مشغول ہونا عبادت سے بہتر ہے اور علم، دین کا قوام، یعنی بُنیاد ہے۔ (دیکھئے ہزار و یک حدیث، ترجمہ فارسی از سیّد رضا علی زادہ، ص ۲۸۷، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۳۷۳ھ)

اہلِ درد و محبّت، درویش منش اور صحیح العقیدہ لوگوں سے اُن کی محبت و نیازمندی بھی مُسلّمہ تھی؛ البتّہ کٹ حجّت لوگوں اور کج بحث مُعترضین کے ساتھ اُن کا رویّہ ادا سے کج ادائی تک کی مسافت چشم زدن میں طے کر جاتا تھا۔ میرا یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ علماء میں بہت کم حضرات سخن فہم ہوتے ہیں، مگر مجھے اِس اعتراف و اظہار میں کوئی تامّل نہیں کہ غزالیٔ دَوراں حضرت علّامہ احمد سعید کاظمیؒ (م ۱۹۸۵ء) کی طرح علامہ ہزارویؒ بھی سخن فہمی میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ اُنہیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے، راقم الحروف پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ میرے ہم درس محترمی مولوی ممتاز احمد صاحب چشتی، اُستادِ محترم حضرت علّامہ فتح محمّد علیہ الرّحمۃ سے منطق کی کتاب قاضی مُبارک اور حمدُ اللہ کے سبق پڑھ رہے تھے کہ علّامہ ہزارویؒ اُن سے ملنے تشریف لائے، اِس لئے کہ یہ دونو حضرات پیر بھائی ہونے کے علاوہ اُستاد بھائی بھی تھے۔ جب اُستادِ محترم اُن سے ملاقات کے لئے احتراماً اُٹھے تو ہم بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ علامہ ہزارویؒ نے پیر خانے کی نسبت سے پہلے میری دست بوسی کی، پھر منطق کا ایک سوال کیا اور جواب پا کر چار آنے بطورِ انعام دیئے، جو مَیں نے سنبھال کر رکھ لئے کہ یہ ایک جیّد عالم کا نذرانۂ علمی تھا نہ کہ نذرانۂ پیری۔ اِسے میری کور ذوقی سمجھیئے یا بالغ نظری کہ مَیں عام مُقررین کی تقاریر بہت کم سُنتا ہُوں، اِس لئے کہ یہ تقاریر عمُوماً اُس جدّت و نُدرت اور نُکتہ آفرینی سے عاری ہوتی ہیں، جو مُقرّر کے وسیع و عمیق مُطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے، بلکہ اِس کے برعکس گھِسے پِٹے مضامین کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن علّامہ ہزارویؒ کو سُن کر یہ تاثر کبھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ مُلک کے نامور اور درویش سیرت ادیب محترم عزیز ملک صاحب نے بیان کیا کہ فروری ۱۹۵۳ء میں جب ختمِ نبوّت کی مُلک گیر تحریک چل رہی تھی، تو راولپنڈی میں ایک جلُوس کے اختتام پر لیاقت باغ میں حضرت قبلہ بابُوجی قدس سرّہٗ اور علّامہ ہزاروی مرحوم سٹیج پر جلوہ افروز تھے، مجمع ایک لاکھ سے کچھ ہی کم ہوگا۔ مولانا مرحوم نے جب اپنے مخصوص سحر انگیز بیان میں مُتنبّیٔ قادیان کے دجل و فریب کے بخیئے اُدھیڑے تو اُن کی تقریر کے خاتمہ پر بقیّۃ عُلماء نے یہ کہہ کر اختتامِ جلسہ کا اعلان کر دیا کہ علّامہ ہزارویؒ کے بعد کون سی میخ رہ گئی ہے، جو مُتنبّیٔ قادیان کے تابُوت میں پیوست کی جائے۔ مختصر یہ کہ

خطابت کیا تھی اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کی تفسیرِ ناطق۔ بقولِ راقم الحروف ؎

تمام میکدہ سیراب کر دیا جس نے
وُہ چشمِ یار تھی، جامِ شراب تھا، کیا تھا!

علّامہ ہزارویؒ نے ایک بار بیان کیا کہ مَیں اپنے زمانۂ طالب علمی میں جب حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو عرض کی کہ حُضُور! میرے لئے دُعا فرمائیں کہ مَیں مولوی بن جاؤں اور یہ فقرہ دو تین بار دُہرایا، اِس پر حضرتؒ نے مُسکرا کر فرمایا "اچھا جاؤ تم مولوی ہو، مولوی ہو، مولوی ہو۔ شیخِ کامل کی ایک جُنبشِ لب نے اُن کی مولویت کو وہ مقام بخشا کہ بقولِ مُفتی عبدالشکورؒ صاحب ہزاروی، مولانا ظفر علی خان مرحوم (م ۱۹۵۶ء) جیسے برِّصغیر کے شعلہ نوا خطیب و شاعر نے اُن کے زورِ بیان اور علمی تبحرؒ کا لوہا تسلیم کرتے ہوئے ایک طویل نظم میں ہدیۂ تبریک پیش کیا، جس کا مطلع تھا ؎

مَیں آج سے مُرید ہُوں عبدالغفُور کا چشمہ اُبل رہا ہے محمّد کے نُور کا

بقولِ مُفتی عبدالشکور صاحب یہ نظم اُس دَور کے مختلف جرائد میں شائع ہوئی تھی۔ مختصر یہ کہ علّامہ ہزارویؒ کے زورِ خطابت نے اپنے عہد میں ایک طلسم باندھ رکھا تھا اور اُن پر یہ مصرع صادق آتا تھا ؎ نُطق کو سَو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر

---

۱؎ علّامہ عبدالغفور ہزاروی مرحُوم کے دو صاحبزادے ہیں، ایک کا نام عبدالشکور ہزاروی اور دوسرے کا نام محمد طارق ہزاروی ہے۔ طارق ہزاروی میں بزرگانِ دین سے محبّت و عقیدت کا عنصر موجود ہے، وہ ایک شائستہ اور باادب انسان ہیں، اِس کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے اُن کا لگاؤ بھی محسوس ہوتا ہے۔ عبدالشکورؒ صاحب، جنہیں مُفتی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اپنے والدِ گرامی سے صُوری مُشابہت رکھنے کے علاوہ بعض معنوی خصائص میں بھی مُماثلت رکھتے ہیں۔ مُفتی صاحب کے بیان کے مطابق اُن کے والدِ مرحُوم کم و بیش ۲۵ برس تک اَعراس میں منصبِ خطابت پر جلوہ گر رہے۔ بہرحال اِس میں شک نہیں کہ جتنا عرصہ مرحوم نے گولڑہ شریف میں تقریر کی، عوام و خواص کو محظُوظ کرتے رہے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزندِ اکبر مفتی عبدالشکور صاحب اپنے والدِ گرامی کی جگہ اَعراس کے مواقع پر خطاب کرتے ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے علم و فن کو روز افزوں ترقی اور اپنے والدِ گرامی کی طرح اُنہیں مطالعۂ کُتب کا مزید شوق بھی عطا فرمائے۔ ع

اللہ کرے زورِ بیاں اَور زیادہ

محسوسات کو دیانت داری سے بیان کرنا ممنوع نہیں اور نہ ہی اسے چاپلوسی یا خوشامد کہا جاسکتا ہے، البتہ کسی کے متعلق محسوسات کے بیان میں بُخل و تنگ دلی سے کام لینا، یا اُس کے اظہار میں عار محسوس کرنا انسان کی اپنی خود پسندی اور کبر کی دلیل بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی تعریف بلاشبہ مذموم و ممنوع ہے، جو خوشامد، مطلب برآری یا حصُولِ قُرب کی خاطر ہو۔ اُستادِ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحب علیہ الرحمۃ، اُستادِ مکرم حضرت مولانا فیض احمد فیض صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی دامت برکاتہم اور حضرت علّامہ عبدالغفور ہزاروی کے متعلق مَیں نے جو کچھ تحریر کیا ہے، میرے مزاج سے واقف احباب اِن حضرات کے بارے میں میرے مذکورہ بالا محسوسات و مشاہدات کو مبنی بر تملّق نہیں سمجھیں گے، کیونکہ یہ صرف میرے ذاتی محسوسات نہیں میرے مذکورہ خیالات سے ہر وہ شخص اتفاق کرے گا، جو کسی صاحبِ علم اور صاحبِ کمال کے اعترافِ عظمت کی اہلیت اور پھر حوصلہ بھی رکھتا ہو اور بُخل و حسد کی عینک اُتار کر اربابِ کمال کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں یک گُونہ فخر اور مسرت بھی محسوس کرتا ہو۔ ویسے بھی کسی صاحبِ کمال کی تعریف کے وقت کچھ دیر کے لئے انسان کو اپنی اَنا کا گلا گھونٹ کر اپنی نفی کرنی پڑتی ہے اور اِس کام کے لئے نہایت بُلند حوصلے کی ضرورت ہے، یہ ہر کم ظرف، تنگ نظر اور حاسد کے بس کی بات نہیں۔ میدانِ بُخل و حسد کے بعض شہسوار اپنی مسلّم نااہلی کے باوجود اصحابِ کمال کے بارے میں چھوٹے الفاظ استعمال کر دیتے ہیں، حالانکہ اُن کی اپنی اہلیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ کسی صاحبِ علم و فضل کی مجلس میں چند منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے، کیونکہ اِس صورت میں اُن کی جہالت اور کم مائگی کا پول اہلِ محفل پر کھُلنے لگتا ہے، لہٰذا ایسے جاہل مغرور نہ تو اصحابِ کمال کو اپنے مُنہ سے کبھی تسلیم کرتے اور نہ ہی اُن سے زیادہ نشست و برخاست رکھتے ہیں۔ یہ انسانی نفسیات کا مسئلہ ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ بہت ہی کم انسان کسی دوسرے کی صلاحیتوں اور کمالات کو بچشمِ احترام دیکھنے اور اُنہیں برملا خراجِ تحسین پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، کیونکہ فطرتِ انسانی کا چلن یہ ہے ؎

ہم سری اپنی کسی کو کب گوارا ہو سکی
دل ہی دل میں آدمی سے آدمی جلتا رہا (زیبا ناروی)

جو لوگ کسی صاحبِ فن یا صاحبِ علم و فضل کی تعریف سے کتراتے ہیں اور اِسے پسند نہیں کرتے، در اصل وہ لمحہ بھر کے لئے اپنی نفی کا حوصلہ نہیں رکھتے اور اپنی انا کے خول سے باہر آنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بہرحال اگر کوئی شخص اپنے اندر یہ حوصلہ نہیں پاتا کہ وہ کسی کے علم و فضل یا زُہد و تقویٰ جیسی صفاتِ عالیہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی نیّت سے اُس کی تعریف میں دو بول کہہ سکے تو اُسے چاہیئے کہ پھر وہ اپنی انا کو ختم کرنے اور اپنے طاغوتِ کبر و پندار کو شکست دینے کی نیّت ہی سے کسی صاحبِ کمال کی صحیح تعریف میں کم از کم بُخل سے کام نہ لیا کرے، تاکہ یہ عمل اُس کے نامحسوس مرضِ کبر و پندار کے لئے ایک نفسیاتی علاج ثابت ہو سکے۔

یہاں ایک لطیفے کا، جو میرے ساتھ پیش آیا، نقل کرنا خالی از لُطف نہ ہو گا۔ ایک خاصے تعلیم یافتہ اور جدید دانشور سے اتّفاقِ ملاقات ہوا۔ دورانِ گفتگو میں اُن کی علمی قابلیّت اور ذہنی استعداد کے اعتراف میں چند تعریفی جُملے کہہ بیٹھا۔ موصوف شکرِ ایزدی بجا لانے کے بجائے تڑپ کر کہنے لگے، کسی کے مُنہ پر اُس کی تعریف کرنا مُناسب نہیں کہ اِسے خُوشامد اور تملّق کے ضمن میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بات سُن کر مجھے حیرت کے ساتھ ذرا غصّہ بھی آیا، جی میں آیا کہ عجیب الخلقت انسان سے پالا پڑ گیا ہے؛ مَیں نے ہر چند بے شمار عقلی و نقلی دلائل پیش کیے، مگر کہاں صاحب۔ ع زمیں جُنبد نہ جُنبد گل محمدؐ، وہ اپنی بات پر اَڑے رہے۔ بالآخر مَیں نے کہا کہ آپ ذرا لفظِ تعریف کی تعریف تو کریں۔ بولے: تمہی بتا دو۔ مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس مصنوع کو جن اوصاف، کمالات اور خُوبیوں سے نوازے، اُن کے برملا اعتراف کو تعریف کہا جاتا ہے اور حقیقتِ حال کے بیان کو لفظِ تعریف سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ یہ کوئی معقول اور مُسکت جواب نہیں۔ مَیں نے کہا: پھر سُن لیجئے۔ جیسا کہ مَیں نے گزارش کی ہے کہ میرے نزدیک حقیقتِ حال اور نفسِ امر کو بیان کرنا کسی شے کی تعریف کہلاتا ہے، کیا آپ کو اِس سے اختلاف ہے؟ اگر کوئی شخص آپ کے متعلق یہ کہہ دے کہ آپ ایک پکّے مُسلمان ہیں یا یہ کہ آپ اپنے باپ کے صحیح النّسب فرزند ہیں۔ کیا اِن دو اُمُور کا بیان کُنندہ آپ کی حقیقتِ حال یا نفسِ واقعہ کو بیان کر رہا ہو گا یا نہیں اور کیا آپ میں اِن دو اُمُور کی تردید کی ہمّت ہو گی؟ اگر اپنے بارے اِس بیانِ حقیقت کو آپ اپنی خُوشامد تصوّر کرتے ہیں تو یاد رکھیئے قائل صرف وہی کچھ بیان

کر رہا ہے، جو آپ میں پایا جاتا ہے اور اگر یہ بھی خوشامد ہے تو کیا آپ اپنی کسرِ نفسی کی عادت کے زیرِ اثر یہ پسند کریں گے کہ کہنے والا آپ کو پکّے مسلمان کے بجائے پکّا کافر اور صحیح النّسب کہنے کے بجائے مجہول النّسب کہہ دے۔ یہ سُن کر وہ تڑپ اُٹھے اور کہنے لگے، نہیں نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کہنے دُوں گا۔ میں نے کہا کہ پھر یہ بات طے پا گئی کہ حقیقتِ حال اور نفسِ واقعہ کو بیان کر دینا نہ تو خوشامد ہے اور نہ چاپلُوسی۔ جس طرح مسلمان اور اپنے باپ کا صحیح النّسب فرزند ہونا ایک انسان کی قابلِ ذکر تعریفات میں شامل ہیں اور اِن کا برملا اظہار کر دینا آپ کے نزدیک خوشامد نہیں کہلا سکتا، بلکہ حقیقتِ حال کا بیان ہے؛ اِسی طرح قدرت جس شخص کو ذہنی استعدادوں، صلاحیتوں اور علمی و فنّی کمالات سے نوازتی ہے، بوقتِ ضرورت اُن کا برملا اعتراف خوشامد نہیں کہلا سکتا؛ لہٰذا وہ تعریف درحقیقت اُس ذات ہی کی تعریف ہوتی ہے، جس نے اُس صاحبِ کمال کو گوناگوں کمالات و فضائل سے نوازا ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی کے متعلق نفسِ واقعہ، حقیقتِ حال اور سچّے محسُوسات کو بیان نہ کرنا انتہائی تنگ نظری، کور ذوقی، بُخل و حسد اور پھر ذاتِ باری کی اُس بارشِ انعام کا انکار ہے، جو اُس نے محض اپنے فضل کی بنا پر اپنی کسی تخلیق پر کی ہو۔ لفظِ تعریف سے بِدکنے والے اُن صاحب کے سامنے جب تعریف کی تعریف کا یہ شُکست اور خوفناک انداز آیا تو فرمانے لگے کہ آپ اُن تمام محسُوسات کو جو میرے متعلق آپ کے ذہن میں ہیں، بلا خوفِ تردید بیان کر دیا کریں، میں بالکل مُطمئن ہو گیا ہُوں۔

میں نے اُن سے مزید کہا کہ بذاتِ خود کسی صاحبِ کمال کی تعریف اپنی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ بعض ایسے تنگ نظر حاسدین بھی ہوتے ہیں، جو کسی صاحبِ کمال کی تعریف کرنا تو درکنار اُس کی تعریف سُننا بھی گوارا نہیں کرتے، بلکہ ایسے مواقع پر کسی باکمال شخصیت کی تعریف (جس سے اُن کی اپنی نہ بنتی ہو) کے خلاف اپنے کسی نہ کسی قول و عمل سے تردید کو جہاد فی سبیلِ اللہ سے کم نہیں سمجھتے اور چاہتے ہیں کہ اگر اُن میں کوئی لائقِ تعریف بات نہیں تو کسی اور کی تعریف اُن کے سامنے کیوں کی جاتے؟ انسانی نفسیات کے مُطابق یہ پست خیالی اور کم نگاہی کا آخری درجہ ہے؛ ایسے کم نظر اور بے کمال حاسدین کی حالت اصحابِ کمال کی تعریف کے وقت دیدنی ہوتی ہے اور اُن کے تلملانے کی ہیئت درجِ ذیل شعر کی مصداق نظر آتی ہے ؎

آتشِ رشک و حسد سے سنگ بھی خالی نہیں
دیدِ موسیٰؑ کو ہوئی اور طور جل کر رہ گیا

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی حصارِ خود پرستی و کبر سے باہر نکلنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو تو اُسے دوسروں سے اُمیدِ ستائش کے بجائے اُمیدِ ہجو رکھنی چاہیئے، اس لئے کہ کبر و پندار بندوں کے لئے ایک عظیم عیب ہے، ہُنر نہیں اور عیب کی تعریف نہیں کی جاتی۔ گویا کبر کی نسبت جب کسی بندے کی طرف ہو جائے تو ایک عظیم عیب بن جاتا ہے اور جب اِس لفظ کا انتساب ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب کر دیا جائے تو یہ لفظ اُس کی دُوسری صفاتِ جلیلہ کی طرح ایک صفتِ کبریٰ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، اِس لئے کہ المتکبّر دراصل اُسی کی صفت ہے اور درحقیقت اِس کے لائق بھی اُسی کی ذاتِ بے ہمتا ہے، اِسی لئے مقبولانِ خُدا اپنے خالق و مالک کے سامنے عجز و انکسار ہی پیش کرتے رہے۔ جہاں صفاتِ کبریائی نے ظہور فرمایا، وہاں وہ میرزا بیدلؒ کے اِس شعر کی تفسیر بن گئے ؎

ہر کجا ناز سر بر آرد نیاز ہم پاۓ کم ندارد
تو و خرامے و صد تغافل، من و نگاہے و صد تمنّا

ترجمہ۔ ناز جہاں اپنا سر اُٹھاتا ہے، نیاز بھی اُسی قدر اپنے جوہر دکھاتا ہے۔ اگر محبوب کا خرام اپنے جلو میں سینکڑوں تغافل لئے ہوئے ہے تو نیازمند عاشق بھی اپنی ایک نگاہ کے ساتھ سینکڑوں تمنّاؤں اور حسرتوں کا لشکر لئے ہُوئے ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے اُستاذُ القُرّاء حضرت علّامہ قاری محبوب علی صاحب لکھنویؒ (م ۱۹۸۵ء) سے کم و بیش آٹھ دس سال تک فنِ قرأت و تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت قاری صاحبؒ مسلسل پچاس (۵۰) سال تک رمضانُ المبارک میں حضرت قبلہ بابوجی قدس سرّہٗ کو قرآنِ مجید سُناتے رہے۔ جب وہ لکھنؤ میں تھے تو ہر سال وہاں سے آتے تھے۔ آپ فنِ قرأت و تجوید کے مشہور اُستاذُ الاساتذہ حضرت قاری عبد الرحمٰن صاحب الٰہ آبادیؒ (م ۱۳۴۹ھ) کے جانشین اور شاگرد تھے۔ حضرت قاری عبد الرحمٰن الٰہ آبادیؒ بھی حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہُ العزیز سے بیعت تھے۔ مجھے اُستادِ محترم حضرت قاری محبوب علی لکھنوی مرحوم کے ساتھ تقریباً پچیس (۲۵) سال تک اَعراس کے مواقع پر مجلسِ سماع میں ختم شریف پڑھنے کی سعادت حاصل رہی، وَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔ جب قاری صاحبؒ کا شاگرد ہوا تو اُس

وقت میری عمر آٹھ نو سال تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۱۹۵۹ء میں جدِّ امجد حضرت بابُوجی قدس سرہٗ کی معیت میں اجمیر شریف کی حاضری نصیب ہُوئی تو درگاہِ عالیہ کے سابق مُتوَلّی حضرت قبلہ سیّد اسرار احمد صاحبؒ (م ۱۹۸۴ء) المعروف مُتوَلّی صاحب کے ارشاد پر حضرت خواجۂ اکبر غریب نوازؒ کے جوارِ رحمت میں بھی ختم شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہُوئی۔

دراصل میرے جدِّ امجد حضرت بابُوجیؒ اعراس کے مواقع پر حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کے سامنے مجلس میں اپنے اُستادِ محترم حضرت قاری عبدالرحمٰن جونپوریؒ (م ۱۹۲۳ء) کے ساتھ جو گولڑے ہی مدفون ہُوئے اور پھر اُن کے وصال کے بعد حضرت قاری غلام محمّد صاحب پشاوریؒ (م ۱۹۴۷ء) کے ساتھ ختم شریف پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے اِس آرزو اور خواہش کے تحت کہ یہ سلسلہ جاری رہے، مجھے حضرت قاری محبُوب علی صاحب لکھنویؒ کا شاگرد بنایا۔

حضرت قاری صاحبؒ کے تین صاحبزادے ہیں۔ مختار علی، مرغوب علی اور عبدالرحمٰن بحمد اللہ تینوں حافظ اور قاری ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ قیامِ پاکستان کے بعد حسن ابدال میں آباد ہو گئے تھے۔ عرصۂ دراز تک آستانۂ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف میں خُطبۂ عیدین دیتے اور جمعہ پڑھاتے رہے۔ اُن کے صاحبزادے مختار علی تیس پینتیس سال کے عرصے سے رمضان المبارک میں گولڑہ شریف کی درگاہ میں قرآنِ مجید سُناتے ہیں اور اعراس کے مواقع پر راقم الحروف کے ساتھ ختم شریف بھی پڑھتے ہیں۔ حضرت قاری محبوب علی لکھنویؒ نہایت مشفق، محنتی، غیور اور صاحبِ دل انسان تھے۔ گولڑہ شریف ہی میں مدفون ہُوئے۔ قرآنِ مجید کے الفاظ و مخارج کا جو تھوڑا بہت شعور میرے حصّے میں آیا، وہ بلاشُبہ اُستادِ محترم حضرت قاری محبُوب علی لکھنویؒ کی شبانہ روز محنت کا ثمرہ ہے۔

حضرت قبلہ بابُوجیؒ نے میرے زمانۂ طالب علمی میں مجھے جن دشوار اور صبر آزما مراحل سے گزارا، اُس کے دیگر نظری و عملی فوائد میں سے ایک سب سے بڑا اور اہم فائدہ مجھے یہ ہوا کہ پہلے میں ہر وقت قیمتی لباس، قیمتی سواری اور بلند و ارفع مقامات کی خواہش رکھتا

---

۱؎ اس سلسلے میں ایک حدیثِ مبارک کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ [illegible]

تھا، جو بشری تقاضے کے خلاف بھی نہیں تھی، مگر اس خصُوصی تربیت کے صدقے بحمداللہ اب اندازِ فکر وہ نہیں رہا؛ چنانچہ بیش قیمت سواری، فاخرہ پوشاک اور رئیسانہ رہن سہن کی دیوانہ کُن آرزُو پہلے کی طرح اب میرے دل کو نہیں چھیڑتی، بعض اوقات تو احباب کی روک ٹوک کے باوجود انتہائی سادہ لباس میں بلا تکلف خواص کی محفل میں چلا جاتا ہُوں اور مجھے اِس میں ذرّہ بھر عار محسوس نہیں ہوتی۔ ایک کھاتے پیتے گھرانے اور صاحبزادگی کے ماحول میں پروان چڑھنے والے کسی فرد کے لئے ایسا کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے، اِس کی وجہ وہی خاص تربیت اور بزرگانہ تلقین ہے کہ ہو سکے تو اپنے اندر کچھ کمال پیدا کرو، صرف صاحبزادے نہ بنو؛ محض باپ دادا کے تعارف پر انحصار نہ کرو، بلکہ اُن کی طرح عُلُوم و فنون حاصل کرنے میں کوشاں رہو۔ خیر مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ مَیں بڑا صاحبِ علم اور صاحبِ کمال ہُوں، بخدا مجھے نہ اِس کا ادّعا ہے اور نہ کوئی احساس۔ مجھے یہ دعوٰی بھی نہیں کہ اپنے جدِّ امجدؒ کی توقعات پر پُورا اُتر سکا ہُوں، لیکن بحمد اللہ اِتنی بات ضرور ہے کہ اصحابِ کمال کی مصاحبت اور اُن کے فیضِ نگاہ نے مجھے اکابرِ اُمّت کے ارشادات کا کچھ نہ کچھ فہم

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اَعْرَضَ اللّٰہُ عَنْہُ حَتّٰی یَضَعَہٗ مَتٰی وَضَعَہٗ (ترجمہ) جس نے نمُود و نمائش کی غرض سے کوئی لباس پہنا، حق تعالیٰ ایسے شخص سے رُخ پھیر لیتا ہے تا آنکہ وُہ اُس لباس کو اُتار دے (اور) جب بھی اُتارے۔ (دیکھئے ہزار و یک حدیث (مجموعۂ احادیث) مترجمہ فارسی از سیّد رضا علی زادہ، طبع اوّل، ص ۲۲۵، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۳۴۷ھ) کتاب ہذا کے صفحہ مذکورہ پر لفظ ثواب مرقوم ہے، جسے مؤلف نے ترجمہ کرتے وقت پہنا دے کے معنی میں استعمال کیا ہے، یہ سہوِ کتابت معلوم ہوتا ہے کہ ثواب، لباس پہننے کے لئے مستعمل نہیں اور صاحبِ مُنجد بھی اِسی قول کا مؤیّد ہے (ملاحظہ ہو المنجد، عربی، ص ۷۵، ایڈیشن ۱۷، مطبوعہ بیروت) لہٰذا یہ لفظ یقیناً ثوب ہے، جس کے بعد عبارت و ترجمہ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اگر متنِ عبارت میں ثواب کے بجائے اَثواب کا احتمال پیدا ہو تو پھر بھی عربی گرامر کی رُو سے حَتّٰی یَضَعَہٗ کے بجائے حَتّٰی یَضَعَھَا (ضمیرِ مؤنّث) کا محل ہے۔ اِسی مضمون کی ایک حدیث شریف بہ تغیّرِ الفاظ لسانُ العرب میں بھی موجُود ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں، مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُھْرَۃٍ اَلْبَسَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ۔ (ترجمہ) جس شخص نے نمائشی لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اُسے ذلّت کا لباس پہنائے گا (دیکھئے لسانُ العرب، عربی، جلد اوّل، ص ۲۲۶، مطبوعہ بیروت) اِسی مضمون کی ایک حدیث پاک مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، کتاب اللباس)

ضرور عطا کر دیا ہے، اگر اتنا اقرار بھی نہ کروں تو باری تعالیٰ کی کھلی ناشکری ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ تقلباتِ روزگار کا دھارا اب مجھے کسی منفی سمت بہا کر نہیں لے جا سکتا اور وہ میرے لئے باعثِ پریشانی نہیں بن سکتا۔ بحمد اللہ اب تو ؎

ہوائے شوق کی قوت وہاں لے آئی ہے مجھ کو
جہاں منزل بھی گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے　　(علامہ سیمابؒ)

## راقم الحروف کا ذوقِ فقر

یہ عنوان جسے میں نے اپنی ذات کے لئے منتخب کیا ہے، اِس سے بعض حضرات کو حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ پروردگارِ عالم نے خود کو غنی کہا اور تمام افرادِ کائنات کو فقراء سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے، وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ[1] (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اُس کے) محتاج ہو۔ کلامِ الٰہی میں فقر کا مفہوم بے کسی اور بے مائگی ہے۔ متصوفین کی اصطلاحِ فقر اِسی آیت سے مستفاد ہے، جو اُن کے ہاں خودشکنی اور بے نفسی کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مقامِ فقر بہت بلند ہے اور ؎ بدامنش نرسد دستِ ہر گدا حافظ، یعنی اُس کے دامن تک ہر گدا کا ہاتھ نہیں پہنچ پاتا۔ لہٰذا مجھے اُس فقر کا ادّعا ہرگز نہیں اور نہ ہی میں اہلِ فقر میں سے ہونے کی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ البتہ اُس غنیٔ مطلق نے میری فطرت کو جو ذوق ودیعت فرمایا ہے، اگر اُس کا بھی اظہار نہ کروں تو کفرانِ نعمت ہوگا۔ میری ایک اُردو غزل کا یہ شعر فطرت کی اِسی عنایتِ خاص کی غمازی کرتا ہے ؎

ادا ہوتے رہیں گے اُن کے در پر عمر بھر سجدے
مشیت نے مری قسمت میں خاکِ آستاں رکھ دی

یہی وجہ ہے کہ اگر مجھے مسندِ ناز پر بیٹھنے کو کہا جائے تو میرا ذوقِ فقر کتراتا ہے، جب کہ خاک نشینی سے یک گونہ قلبی راحت، سکون اور طمانیت محسوس ہوتی ہے، شاید یہی راستہ دنیا سے فقر کی طرف جاتا ہے ؎

---

[1] القرآن، ۴۷: ۳۸

شاید اِسی کا نام محبّت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی (شیفتہ)

یہ اور بات کہ اگرچہ صاحبزادگی کی تمام دل شکن اور دل رُبا اداؤں کو خیرباد کہے ہوتے ایک زمانہ بیت گیا، مگر اب بھی جب کبھی نخوت و کبر کا کوئی دل خراش اور ناقابلِ برداشت منظر سامنے آجاتا ہے تو اندر کا شاعر دفعتاً پکار اُٹھتا ہے کہ اُستادِ تم بھی

ع ذرا عُمرِ رفتہ کو آواز دینا (صفی لکھنوی)

## قاآنی کا حکیمانہ استدلال

اربابِ علم و فضل اور اصحابِ فن کو جو سیرابی اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے وہ اہلِ ثروت دنیاداروں، نوابوں اور شاہوں کے مقدر میں کہاں۔ اِس سلسلے میں ایران کے مشہور شاعر خلاقُ المعانی حکیم قاآنی (م۔ ۱۲۷۰ھ) کا ایک واقعہ قابلِ توجہ ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ قاآنی فارسی کا نامور قادر الکلام اور طبّاع شاعر تھا۔ کم عمری میں اُس کے علم و فضل اور سخن کا یہ مقام تھا کہ سن رسیدہ اور منتہی اربابِ علم و فن اُس کے ساتھ مشاعرہ پڑھنے سے کتراتے اور حسد کرتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ کسی مجلس میں گیا، تو بادشاہ کے ملکُ الشّعراء اور دیگر نامور اساتذۂ سخن نے اُس کی ذرا آؤ بھگت نہ کی، چنانچہ وہ جوتیوں ہی میں بیٹھ گیا۔ اِس پر اُس کے شاگرد تلملائے کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے؛ بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال کے مطابق اگر آپ عُمر میں اِن سب سے کم ہیں تو کیا ہوا۔ علم و فضل، ذہن اور قادر الکلامی میں تو سب سے بڑھ کر ہیں۔ لہٰذا آپ کو صدرِ مجلس ہونا چاہیے؛ جوتیوں میں کیوں بیٹھتے ہیں، اُٹھیں! یا تو آگے چل کر اپنے شایانِ شان مقام پر بیٹھیں یا پھر واپس چلے جائیں۔ شاگردوں کی یہ تلخ نوائی سُن کر قاآنی نے فی البدیہہ ایک قطعہ کہا۔ اندازِ استناد دیدنی ہے کہ اُس ظالم کا ذہنِ رسا دلیل کے لئے آناً فاناً کہاں پہنچ گیا۔ لیجئے وہ قطعہ حاضر ہے، آپ بھی پڑھ لیجئے۔

گر فرو تر نشست قاآنی		نے ز ننگ و نے مرا ادب است
قُلْ ھُوَ اللہ کہ وصفِ خالقِ ماست		زیرِ تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَھَب است

ترجمہ وتشریح:۔ اگر قاآنی پست مقام پر بیٹھ گیا تو یہ بات نہ آپ کے لئے باعثِ شرم و

عار ہے اور نہ وہ کسی کے پاس ادب کے لئے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ سورۂ اخلاص، جس میں خالق کائنات کی تعریف اور اُس کا ذکر ہے، قرآنی ترتیبِ تلاوت کے مطابق سورۂ لہب کے نیچے لکھی گئی ہے گویا کسی صاحبِ علم و فضل یا قابلِ عزت و تکریم کے نیچے بیٹھ جانے سے اُس کے مرتبہ و مقام میں سرِ مُو فرق نہیں پڑتا، اگر حاسدین دانستہ ایسے لوگوں کو نچلے مقامات پر بٹھا دیں، جب بھی باشعور حاضرینِ مجلس کی نگاہوں کا مرکز وہی اصحابِ فضل و کمال رہا کرتے ہیں۔ بقولِ شاعر ؎

ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رُو ہو گا
نگاہ، جس پہ ٹھہر جائے گی، وہ تُو ہو گا

اگر ایسے لوگوں کو نچلے مقام پر بٹھانے سے اُن کا رُتبہ کم ہو جاتا تو پھر سورۂ اخلاص کا ضرور کم ہوتا کہ وہ سورۂ لہب کے نیچے ہے، مگر سب جانتے ہیں کہ سورۂ لہب، سورۂ اخلاص سے اُوپر ہونے کے باوجود اُس کی عظمت و جلالت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کہاں ربِ قدّوس کی ذات و صفات کا ذکر اور کہاں ابُو لہب کا تذکرہ۔ اِتنی بات ضرور ہے کہ نچلے مقامات پر وہی لوگ بیٹھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، جو علم و فضل اور کمالاتِ ذہنی کی بلندیوں پر براجمان ہوں، یہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ اِس لئے کہ ایسا کرنے سے اُنہیں شرم دامن گیر ہوتی ہے، گویا عام ذہن کے لوگوں کو مسند اور صدارتِ محفل کے سہاروں اور بیساکھیوں کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور باکمال لوگ جہاں بھی بیٹھ جائیں، اُس جگہ کو مسند کا درجہ مل جاتا ہے، گویا ایسے اصحابِ فضل و کمال درج ذیل شعر کے مصداق ہوا کرتے ہیں ؎

خلوصِ دل سے جو سجدہ ہو اُس سجدے کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سَرک آیا، جبیں ہم نے جہاں رکھ دی (سیماب اکبرآبادیؒ)

صاحبزادگی کے مسموم اثرات کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اور جن خصائلِ قبیحہ کی نشان دہی کی گئی، اِس سے کوئی مخصوص خانقاہ یا اُس کے مخصوص افراد ہرگز مُراد نہیں، بلکہ من حیث المجموع تمام خانقاہی نظام اور اِس کے تمام وُرثاء کو سامنے رکھ کر ایک جائزہ لیا گیا۔ اگر دُنیائے صاحبزادگی سے تعلق رکھنے والے تمام صاحبزادگان جذباتِ غضب کو بالائے طاق رکھ کر ان گزارشات پر غور فرمائیں گے تو یقیناً وہ اِس مُوذی مرض سے نجات

حاصل کر کے غرُور و تکبّر، جہالت، حرصِ دُنیا، جاہ طلبی اور اِس قسم کے تمام عُیُوب سے دامن بچا سکیں گے۔ غرُور ایسی بلا ہے کہ قرآن و سُنّت میں اِس کے متعلق سخت تہدید آئی ہے۔ جو شخص (خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو) یہ خواہش کرے کہ جب وہ آئے تو لوگ تعظیماً اُس کے لئے اُٹھا کریں، ایسے شخص کے لئے حدیثِ پاک میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[1] (رواہ الترمذی و ابو داؤد) (ترجمہ) جسے یہ بات پسند ہو کہ لوگ اُس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے۔ (انتہٰی) لہٰذا ہر طبقہ اور ہر شعبہ کے لوگوں کو بالعموم اور طبقہ علماء و مشائخ کو بالخصوص حدیثِ محوّلہ بالا ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے اور انسانی میل ملاپ میں اپنی نیّت کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اگر از خود لوگ کھڑے ہو جائیں تو اِس پر فخر کرنے، خوش ہونے اور اکڑنے کے بجائے عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہُوئے لوگوں کو اپنے حق میں ایسا کرنے سے روکنا چاہیے، اگرچہ عقیدت مند نہیں رُکتے، تاہم اپنی طرف سے بہ خلوصِ نیّت اِس صورت کو اپنی ذات کے لئے ناپسند کرنے کا اظہار کرنا گردنِ کبر توڑنے کا بہترین نسخہ ہے؛ اِس لئے کہ جس کی عزّت حقیقی طور پر باشعور لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے، اُس کے لئے کوئی اُٹھے نہ اُٹھے، اُس کی شخصیت پر نہ تو کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ ہی وہ اِسے محسوس کرتا ہے۔ اپنی تعظیم کے لئے نہ اُٹھنے پر وہ شخص رنجیدہ اور شرمسار ہوتا ہے، جو بے چارہ علمی فضائل و کمالات اور اخلاقِ عالیہ سے تہی دامن ہو، اُس کی یہ سوچ کہ اُسے بھی اربابِ علم و فضل اور اصحابِ کمال کی سی تعظیم و تکریم دی جائے، بڑی احمقانہ ہے۔

## اہلِ بیت کی ترکیبِ لفظی اور اس کے مصادیق

قرآنِ مجید میں وارد شدہ اہلِ بیت کی لفظی ترکیب ازواجِ مطہّرات اور آلِ عبا دونوں کو محیط ہے۔ یہی جمہور علمائے کرام کا مسلک ہے۔ سیاقِ آیات اِس امر پر واضح دلالت کرتا ہے کہ ازواجِ مطہّرات اِس کا مصداقِ اوّلیں ہیں۔ شیعہ اُمّہات المؤمنین کو اہلِ بیت میں شامل نہیں مانتے اور استدلال کرتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں عَنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ کے ضمائر مذکّر ہیں، اگر یہاں

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، بابُ القیام، ص ۴۰۳، مطبوعہ الفیوض کانپور (بھارت)

ازواج مُراد ہوتیں تو ضمیریں مؤنّث عَنْکُنَّ اور یُطَهِّرَکُنَّ وارد ہوتیں؛ نیز یہاں پر بیت کا لفظ مذکور ہے، جو واحد ہے۔ اگر ازواج مُراد ہوتیں تو بیت کے بجائے بُیُوت کا لفظ استعمال ہوتا۔ پھر اہلِ سُنّت کی کتابوں میں بھی ایسی روایات ہیں کہ اہلِ بیت سے مُراد صرف حضراتِ خمسہ ہیں۔ شیعوں کے شیخ الطّائفہ طُوسی نے التّبیان اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اِسی قسم کے اعتراض وارد کیے ہیں، عُلمائے اہلِ سُنّت نے شیعوں کے ان تمام اعتراضات کا تحقیقی انداز میں رد کیا ہے۔

شیعوں کے پہلے اعتراض یعنی مذکر ضمائر کے استعمال کیے جانے کے متعلق صاحب رُوح المعانی اور دیگر مفسّرین نے لکھا ہے کہ لفظِ اہلِ بیت مذکر ہے[۴] اگرچہ باعتبارِ معنیٰ مؤنّث ہے۔ عربی لُغت میں اکثر معنیٰ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، صرف لفظ کے مطابق ضمیر لایا جاتا ہے، جیسا کہ سُورۂ ہُود میں وارد ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کا مُژدہ سُناتے ہیں تو پاس کھڑی اُن کی اہلیہ مُطہّرہ حضرت سارا ہنس کر تعجب کرتی ہیں چنانچہ ارشاد ہوا: قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ[۱] (ترجمہ) کہنے لگیں وائے حیرانی میرے ہاں بچّہ ہوگا! حالانکہ مَیں بُوڑھی ہُوں اور میرے خاوند بھی بُوڑھے ہیں، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اِس پر فرشتے کہتے ہیں: اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ[۲] (ترجمہ: اے سارا!) کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہلِ بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اِس آیتِ کریمہ میں تَعْجَبِیْنَ مؤنّث کا صیغہ ہے، لفظِ اہلِ بیت کے پیشِ نظر بعد کا ضمیر مؤنّث استعمال نہیں ہوا، بلکہ عَلَیْکُمْ مذکر کا ضمیر استعمال ہوا ہے، حالانکہ بالاتفاق اِس سے حضرتِ سارا ہی مُراد ہیں۔ ۲۲ ویں پارے کی ابتدا میں دیکھ لیجیے: وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ[۳] کے کلماتِ قدسیہ میں مِنْکُنَّ مؤنّث کا ضمیر ہے اور بالاتفاق یہاں ازواج مُراد ہیں، یَقْنُتْ مذکر کا صیغہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یَقْنُتْ کے بجائے تَقْنُتْ استعمال ہو، چونکہ لفظِ مَنْ مذکر ہے،

[۱] القرآن ۱۱: ۷۲

[۲] القرآن ۱۱: ۷۳

[۳] القرآن ۳۳: ۳۱

[۴] واضح ہو کہ عام طور پر لفظِ ضمیر کو مؤنّث بولا اور لکھا جاتا ہے، جو اہلِ تحقیق کے نزدیک درست نہیں، اُستادِ سخن حضرت حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری کے شاگرد منشی غلام حسین آفاق بنارسی (م ۱۹۳۴ء) اِس لفظ کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ضمیر ہر معنیٰ میں مذکر مستعمل ہے (ملاحظہ ہو تعین الشعراء، ص ۲۲۹، طبع اوّل، مطبوعہ لکھنؤ)

اِس لئے اِس کی رعایت سے ضمیرِ مذکر استعمال ہُوا ہے۔ اِس نوع کے بہت سے شواہد موجود ہیں، جن کی روشنی میں شیعوں کا یہ استدلال باطل ہوجاتا ہے۔ نیز اگر مذکر ضمائر کی وجہ سے جُملے میں مؤنث شامل نہیں تو پھر سیّدہ زہرا خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا کو کس طرح شامل ماناجائے گا؟ قرآنِ حکیم میں کثرت سے احکام کے صیغے مذکر کے ہیں، حالانکہ مؤنث بھی اِس میں شامل ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہُوا کہ صیغہ مذکر کا ہے اور مُراد صرف مؤنث ہے۔ جیسے ارشادِ ربّانی ہے: فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوٓا[1] حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی زوجہ[2] صفورا، صفورا، یا صفیرا، سے فرمایا ذرا ٹھہر جاوٴ! صاحبِ رُوح المعانی یہاں بڑے پتے کی بات لکھ گئے ہیں۔ وہ یہ کہ اہلِ بیت سے مُراد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مُطہّرات ہیں۔ یہاں سیّدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت وعظمت کے پیشِ نظر تغلیب کے طور پر ضمیرِ مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ اُن کی عبارت ہے: وقیل المراد هو صلی اللہ علیہ وسلم ونساء المطہرات رضی اللہ عنہن وضمیر جمع المذکر لتغلیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہن[3]۔

شیعوں کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ازواجِ مطہّرات کے حُجروں کی دو حیثیتیں تھیں، ایک اُن کی اپنی قیام گاہ کی حیثیت۔ چنانچہ جب اِس حیثیت سے حُجروں کا ذکر کیاجاتا ہے تو بُیُوت کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اِس لئے کہ اُن میں سے ہر ایک کا بیت الگ تھا۔ ارشاد ہُوا: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ[4] اور اس سے اگلی آیت میں ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ[5]۔ دوسری حیثیت اُن حُجروں کی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے کہ وہ سارے کے سارے بیتُ النّبی ہیں اور نبی کا بیت ہونے میں اُن کی جہت ایک ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بیتِ نبی کی جہت سے بشارت

---

[1] القرآن ۲۰: ۱۰

[2] آپ کی زوجہ کے نام کے متعلق تین اقوال ہیں۔ دیکھئے حاشیۂ جمل بر جلالین شریف، از علامہ سلیمان الجمل، ص ۳۴۶، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ

[3] دیکھئے تفسیر رُوح المعانی، جلد ۸، الجزء الثانی والعشرون، ص ۱۳، مطبوعہ مصر

[4] القرآن ۳۳: ۳۳

[5] القرآن ۳۳: ۳۴

تطہیر دی جا رہی ہے، اس لئے لفظِ اہلِ بیت وارد ہوا۔ صاحبِ رُوح المعانی اور دیگر مفسّرین کی یہی تحقیق ہے۔[1]

شیعوں کا تیسرا اعتراض کہ اہلِ سُنّت کی بعض روایات میں بھی اہلِ بیت سے مُراد صرف آلِ عبا ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کثیر روایات اور ثقہ رُوات کے اعتبار سے تو وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے، جو جمہور کا مسلک ہے۔ اگر چند روایات میں یہ مفہوم ہو تو اوّلاً وہ سیاقِ قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہیں۔ ثانیاً اُن کے راوی درجۂ ثقاہت کو نہیں پہنچتے، بلکہ مجروح، ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں۔ ایسے راویوں میں ایک علی بن یزید ہے، جس کے متعلق امام عسقلانیؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:-

لَیْسَ بِالقَوِیِّ مُنکَرُ الحدیثِ عنِ الثِّقاتِ وقال ابن عدی احادیثُہٗ لا تَشْبَہُ احادیثَ الثِّقاتِ[2]۔ (ترجمہ) وہ قوی نہیں، ثقات سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ ابنِ عدی کہتے ہیں کہ اِس کی روایات ثقات کی روایات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔

ایک اور راوی ابوداؤد ہے، یہ وہ ابوداؤد نہیں، جو صاحبِ سُنَن ہیں۔ علامہ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ابوداؤد الاعمٰی نفیع بن حارث کذّاب[3]۔ یعنی اندھا ابوداؤد جس کا نام نفیع بن حارث ہے، کذّاب ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:-

متروکُ الحدیثِ ضعیفٌ یَضَعُ الحدیثَ لَیْسَ بشیٍٔ کَانَ یَغْلُوْ فِی الرَّفضِ۔ یعنی محدّثین اس کی روایت کردہ حدیث ترک کر دیتے ہیں، یہ ضعیف ہے، حدیثیں گھڑتا ہے؛ یہ کچھ بھی نہیں، رفض میں غالی ہے۔ ایک اور راوی عبداللہ بن عبدالقدّوس ہے، جس کے متعلق علامہ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:- قال یحییٰ بن مَعین لَیسَ بشیٍٔ رَافضیٌ خَبِیثٌ۔ یعنی یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، رافضی خبیث ہے۔ یہ امام یحییٰ بن معین کی رائے ہے۔ ایک راوی کا نام مندل ہے، اِس کے متعلق علامہ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:- قال احمد ضعیف الحدیث قال یحییٰ لیس بشیٍٔ والبخاری ادخلہٗ فی الضّعفاء (تہذیب التہذیب) یعنی حضرت

---

[1] بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، از پیر کرم شاہ بھیروی، جلد ۴، ص ۵۱۵، مطبوعہ لاہور
[2] دیکھئے ایضاً
[3] دیکھئے تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۵۴۲، مطبوعہ لاہور

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: مندل ضعیف الحدیث ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور امام بخاریؒ نے اِسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

قرآنِ مجید کی اصطلاح میں اَھل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر ثابت اور محقق ہے، چنانچہ حضرتِ سارا کو اہل بیت کہا گیا۔ اِسی طرح حضرتِ موسٰی علیہ السّلام کی بیوی کے متعلق اہل کا لفظ بولا گیا اور کئی مقامات پر حدیثِ پاک میں آتا ہے: انّ النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم اعطی الاٰھلَ حظّین[1] (رواہ ابو داؤد) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آہل کو مالِ غنیمت میں سے دو حصّے دیئے۔ لفظِ آہل کی وضاحت کرتے ہُوئے امام المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔ آہل بہ مدّ ہمزہ و کسرِ ہا بر وزنِ کاہل مردے کہ اُورا زن باشد[2] یعنی آہل اُس مرد کو کہتے ہیں، جس کی بیوی ہو۔

امامِ لغت علّامہ جوہریؒ، صحاح میں رقم طراز ہیں:۔ اَھْلُ الرَّجُلِ اَھْلُ الدَّارِ وَقَدْ اَھَلَ فُلَانٌ یَاْھُلُ وِ یاھِلُ اُھُوْلًا اَیْ تَزَوَّجَ وَکَذٰلِکَ تَاَھَّلَ قَالَ اَبُوْزَیْدٍ اَھَلَکَ اللّٰہُ فِی الْجَنَّۃِ اَیْ اَدْخَلَکَھَا وَ زَوَّجَکَ فِیْھَا[3]۔ عربی زبان کے استعمال، اطلاق اور محاورے میں بیوی کو آہل سے خارج نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ قرآن و حدیث اور ائمۂ لغت کے مذکورہ اقوال اِس پر شاہد ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ شیعہ ذرا یہ جُرأت تو کریں کہ حضرت خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا کے متعلق کہہ دیں کہ وہ حضرت شیرِ خدا علیُّ المرتضٰی کرّم اللہ وجہہٗ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ یا حضرت شہربانو حضرت امام حسینؓ کے اہلِ بیت میں سے نہیں، یا کم از کم اپنی بیوی کے بارے ہی میں کہہ دیں کہ وُہ اُن کے اہلِ خانہ میں سے نہیں ہے۔ بخدا ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ائمۂ اہلِ بیت کی اَزواج تو اُن کے اہلِ بیت میں داخل ہوں اور خود شیعہ کی بیویاں بھی اُن کے اہلِ خانہ میں شمار ہوں، مگر سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواج مقدّسہ کو آپ کے اہلِ بیت کی فہرست سے نکال دیا جائے۔

---

[1] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، باب الفئ، ص ۳۵۶، مطبوعہ القیّومی کانپور (بھارت)

[2] دیکھیے اشعۃ اللمعات (فارسی) للشیخ دہلویؒ، جلد ۳، ص ۴۷۳، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ سنِ طباعت ۱۹۱۳ء

[3] بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۵۵، مطبوعہ لاہور

اے تاجورِ سریرِ امکاں مددے | سالارِ اُمَم، حبیبِ یزداں مددے
از عرصۂ دہر رستخیزے پیداست | اے مونسِ جانِ دردمنداں مددے

(راقم الحروف)

## قرآن و حدیث میں مقامِ اہلِ بیتؓ

جہاں تک احکامِ شرعیہ اور حُدُود اللہ کا تعلق ہے، وہ اُمت کے دیگر افراد کی طرح اہلِ بیتِ کرام پر بھی یکساں لاگو ہوں گے۔ گویا احکامِ صوم و صلوٰۃ، مسائلِ نکاح و طلاق اور دیگر فرائض و اُمور میں اہلِ بیت دوسرے افرادِ اُمت کے ساتھ برابر کے شریک اور مخاطب ہیں اور اُن کے لئے اِن اُمور میں کوئی تخصیصی حکم موجود نہیں، جس سے انہیں مُستثنیٰ قرار دیا جائے، جیسا کہ مجددِ ملت حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ آیۂ تطہیر کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"سادات فاطمیہ، جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور جو لوگ اہلِ بیت میں شمار ہیں، جیسے حضرت سلمان فارسیؓ، سب اِس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور وہ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں، اُن کا حشر اِس حال میں ہوگا کہ مغفور ہوں گے، لیکن اِس مغفرتِ کاملہ کا ظہور آخرت میں ہوگا، دُنیا میں اگر اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو، جس پر شرعی حد جاری ہوتی ہے تو وہ اُن پر بھی جاری کی جائے گی؛ جیسے توبہ کے باوجود زانی پر ثبوتِ جرم کے بعد حد لگائی جاتی ہے، جو ایک صحابی حضرتِ ماعزؓ کے قصہ سے ظاہر ہے، جنہیں توبہ کے بعد شرعی حد لگائی گئی۔[1]

## احکامِ شرعیہ کا اطلاق اور اہلِ بیتؓ

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کی مذکورہ تشریح دراصل اُن لوگوں کے بعض خیالات کا رد کرتی ہے، جو سادات کو تعزیرات و حدُودِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیہ کی قیود سے آزاد سمجھتے اور یہ

---

[1] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، از حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ، ص ۵۷-۵۸، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۹ء

کہتے ہیں کہ جب آیۂ تطہیر میں اُن کو ہر گناہ سے پاک فرمایا گیا تو اب اُن کا کوئی فعل گناہ کی حد میں نہیں آتا، کیوں کہ جب گناہ ہی نہیں تو حد کیسی؟ مگر حضرتِ اعلیٰ گولڑوی نے شریعتِ مُطہرّہ کے قوانین کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ ہر اُس شخص پر لاگو ہیں، جو کلمہ گو ہے۔ چاہے سیّد ہو، یا غیر سیّد۔ قریشی ہو یا غیر قریشی۔ دینِ حق کے جُملہ احکام کا اطلاق سب پر یکساں ہوگا، ورنہ یہ بات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم گیر شریعتِ مُطہرّہ کی شان کے سراسر منافی ہے کہ اُس کا اطلاق و اجرا آپ کی اپنی اولاد پر نہ ہو اور دوسرے افرادِ اُمّت پر ہو۔

حضرت پیر صاحب قدّس سرّہٗ مزید فرماتے ہیں کہ "اگر اذہاب الرجس اور تطہیر سے مُراد محض فضل و موہبت کی رُو سے گناہوں سے پاک کرنا ہے، بغیر اِس کے کہ کسی عمل کا عوض یا صلہ ہو تو یہ معنیٰ اُس صورت میں کہ اہلِ بیت سے مُراد اُمّہاتُ المومنین ہی ہوں، جیسا کہ ابنِ عباسؓ اور عکرمہؓ کا قول ہے۔ نظمِ قرآنی سے نہیں سمجھا جاتا، البتّہ اگر ان الفاظ کو در رنگِ تبلیغ اوامر و نواہی دیکھا جائے تو اِن کے معانی زیادہ صحیح ہوں گے۔ یعنی اے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ تم سے ناپسندیدہ اُمُور دُور کرنے اور تمہیں پاک و صاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اگر تم نے اوامر و نواہیِ شرعیہ کے مطابق عمل کیا تو اِس کا نتیجہ اور اجر تمہارے لئے یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پاک و مُصفّٰی کر دے گا۔ آیۂ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہے اور اِس سے صُدورِ خطا نا ممکن ہے۔"[1]

ایک اور آیتِ قرآنی بھی معنیٰ مذکور پر شاہد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥[2] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ (تبلیغِ احکامِ شرعیہ سے) تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، لیکن اِس ذریعہ سے تم کو پاک کرنا اور تم پر اپنے انعام و احسان کو پورا کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ اِس معنیٰ کو ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ[3] (ترجمہ) خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی آیات تم سے

---

[1] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، ص ۴۵، مطبوعہ لاہور

[2] القرآن ۵ : ۶

[3] القرآن ۴ : ۲۶

کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے۔ اِس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ یہ ہدایات و احکامات تمہارے پاک کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور تمہیں مامور فرماتا ہے، جس کی غایت یہ ہے کہ جس نے تعمیلِ امرِ خداوندی کی، اُس نے موجبِ طہارت حاصل کرلیا اور جس نے خلاف ورزی کی، وہ اِس (طہارت) سے محروم رہا۔ معلوم ہوا کہ تطہیر بدیں معنیٰ یعنی تنزیلِ احکام و ہدایاتِ قرآنیہ سب اہلِ ایمان کو شامل ہے، صرف اُمہاتُ المومنین اور آلِ عبا علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ لہٰذا ہر دو فریق یعنی سُنّی و شیعہ کا اِس پر زور لگانا کہ آیۂ تطہیر میں لفظِ اہلِ بیت سے مُراد بقرینۂ سیاق وسباقِ آیت ازواجِ مُطہّرات ہی ہیں یا آلِ عبا ہی ہیں، صحیح نہیں اور نہ ہی آیت کا مفاد امتیازی اور جداگانہ تطہیرِ خاص ازواجِ مُطہّرات یا آلِ کساء یا ہر دو کے لئے ہے۔ اِس لئے آیتِ مذکورہ کے نظائر دیگر آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہو چکے ہیں، اِسی لئے سُورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کی آیت یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ[1] تک کا مطلب یہ ہوا کہ اے نبی! اپنی ازواجِ مُطہّرات سے کہہ دو کہ تمہارے پاک اور اچھا کرنے کے لئے یہ احکامات بھیجے گئے ہیں، پس ازواجِ مطہرات کی تطہیر بھی دیگر افرادِ ملّت کی طرح بہ تبلیغِ شرائع ہوگی، نہ یہ کہ موہبت کے طریق سے اور بغیر عوضِ عمل اُن کو پاک کیا گیا اور بخشا گیا۔[2]

مجدّدِ ملّت حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے اِس محققانہ تجزیے سے ثابت ہوا کہ احکاماتِ الٰہیہ افرادِ اُمّت کی طرح ازواجِ مطہرات اور اُن کی اولاد سب کے لئے واجبُ العمل اور ہدایاتِ قرآنیہ ازرُوئے تنزیل سب اہلِ ایمان کو شامل ہیں، صرف آلِ عبا اور اُمّہاتُ المومنین سے مخصوص نہیں، کیوں کہ اِس طرح کی مثالیں دوسری آیات میں بھی پائی جاتی ہیں، جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے۔

## حُکمِ پردہ اور اِس کی حکمت

حضرت پیر سیّد مہرعلی شاہ قدس سرّہٗ کے اِس موقف کی تائید مزید ایک اور آیتِ کریمہ

---

[1] القرآن ۳۳: ۲۸ تا ۳۴

[2] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، ص ۵۵، مطبوعہ لاہور

سے ہوتی ہے: يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[1] (ترجمہ) اے نبیؐ! آپ فرمایئے اپنی ازواجِ (مطہرات) کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہلِ ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اُوپر چادروں کے پلّو۔ اس طرح وہ بہ آسانی پہچان لی جائیں گی اور پھر اُنہیں ستایا نہیں جائے گا اور اللہ تعالےٰ بہت بخشنے والا ہردم رحم فرمانے والا ہے۔

مولانا پیر کرم شاہ بھیروی کے الفاظ کے مطابق مدینہ طیبہ میں یہود و مشرکین کافی تعداد میں آباد تھے، جن کے اوباش، لفنگے نوجوان شرم وحیا کی قدروں سے ناآشنا اور فسق و فجور کے دلدادہ تھے، اُن کی دوسری گھٹیا اور کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھر سے کسی ضروری کام سے نکلتیں تو وُہ دور تک اُن کا تعاقب کرتے، خصوصاً شام کے دُھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لئے باہر جاتیں تو راستوں پر نشیبی جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت اُدھر آنکلتی تو اُس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہ اُن کے ہاں عام دستور تھا، اس کو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اُن کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی خرمستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیا کرتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کی سرزمین کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے، اگر اُنہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے: ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مُسلم خاتون ہے، ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبیِؐ مکرم! آپ اپنی ازواجِ مطہرات، اپنی دُخترانِ پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں، پھر اُس کا ایک پلّو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے، اِس طرح کسی بد باطن کو تمہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی[2] اور نہ عدمِ شناخت

---

[1] القرآن ۳۳ : ۵۹

[2] دیکھئے ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۹۴۔ ۹۵ مطبوعہ لاہور

کا عذر ہی پیش کیا جا سکے گا۔ آیتِ محوّلہ میں ازواج، بنات اور تمام مسلمان عورتوں کو برابر کے خطاب سے مخاطب فرمایا گیا ہے، یعنی پردہ صرف ازواجِ رسول اور دُختران پیغمبر ہی پر فرض نہیں، بلکہ تمام مسلمان عورتوں پر فرض ہے۔ اِس آیت میں جہاں پردے کے عمومی حکم میں مسلمان عورتوں کے ساتھ ازواجِ مطہرات اور دُخترانِ پاک نہاد کو یکساں طور پر مخاطب کیا گیا، وہاں یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ نساء المؤمنین کی عمومیت سے ازواج و بنات کو الگ کر کے بہ طورِ اعزاز و اکرام بھی خطاب کیا گیا، ورنہ مُطلق یہ کہہ دینا کافی تھا کہ مسلمان عورتوں سے کہیئے کہ وہ پردے کا اہتمام کیا کریں، گویا ایک طرف جس طرح ازواج اور دُخترانِ طاہرات، نساء المؤمنین کے ساتھ اِس حکمِ عمومی میں برابر کی شریک ہیں تو دوسری طرف اُسی طرح اُن کا خصوصیت سے ذکر کرنا کہ اپنی ازواج اور دُختران سے بھی کہہ دیجئے، اُن کے دیگر نساء المؤمنین سے یک گونہ امتیاز و اختصاص پر دلالت کرتا ہے۔

اِس آیتِ مُبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لفظِ بَنَات چونکہ بِنت کی جمع ہے، جس کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ضروری ہے، اِس لئے شیعہ کا یہ کہنا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تین بیٹیاں آپ کی حقیقی اولاد نہ تھیں، غلطِ محض ہے۔ بالفرض اگر اُن کا یہ کہنا مان بھی لیا جائے تو اللہ کریم نے لفظِ بنات جمع کی صورت میں کیوں استعمال فرمایا؟ بنت کہا جاتا۔ مطلب یہ کہ دوسری تین صاحبزادیاں بھی سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرح آپ ہی کی اولاد تھیں۔ اگرچہ بعض احادیث کی رُو سے حضرتِ فاطمہؓ کی فوقیت ایک مُسلّمہ حقیقت ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ راقم الحروف نے اِس حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

قرآں میں ازواجِ نبوی، اُمت کی مقدّس مائیں ہیں
ازواج و بَناتؓ سر آنکھوں پر، شانِ زہراؓ سُبحانَ اللہ

دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ آج کل مغربیت زدہ اور فیشن گزیدہ جو دُخترانِ ملت ردائے عزّت و ناموس کو اپنے جسم سے اُتار پھینک کر بازاروں اور سڑکوں پر محوِ خرام نظر آتی ہیں، اُنہیں شرم آنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تو پردے کو مومنہ کی شناخت بتا رہا ہے، جس سے وہ محروم ہو چکی ہیں۔ گویا ایک مسلمان خاتون کے لئے پردہ کرنا نصِ قطعی سے ثابت ہے،

جس کا انکار کفرِ صریح اور جس پر عمل نہ کرنا فسقِ حتمی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیتِ شریفہ میں اس امتیاز و اختصاص کا ذکر ان الفاظ میں ہوا:۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ[1] (ترجمہ: اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کے مانند۔

غور کیجئے کہ اس سُورۂ مُبارکہ میں کئی مقامات پر ازواج اور بنات کو نساء المؤمنین کی عمومیت میں شامل کرکے ذکر کیا گیا، مگر وہ ایسے احکام و اُمُور تھے، جن کا اطلاق ازواج، بنات اور تمام مسلمان عورتوں پر یکساں تھا، اس لئے ازواج اور بنات کو عمومی حکم میں دوسری مسلمان عورتوں کے ساتھ رکھا گیا۔ چونکہ ازواج کی اور حیثیت بھی تھی کہ وہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے رشتۂ زوجیت میں منسلک تھیں، اس خصوصی نسبت کے پیشِ نظر ارشادِ باری ہوا کہ اگرچہ احکام دینی اور اُمُورِ شرعی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ دوسری مسلمان عورتیں برابر ہیں، مگر تمہیں جو خصُوصیت حاصل ہے، وہ دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں۔

## اہلِ بیت کی ترکیبِ لفظی کا اطلاق

آیۂ تطہیر سے پانچ آیات پہلے جمع مؤنث کے صیغے لگاتار استعمال ہو رہے ہیں اور اس کے بعد بھی۔ یہ تو سراسر ناانصافی، بُغض اور کور چشمی کا مظاہرہ ہوگا کہ عورتوں کے لئے استعمال ہونے والے جمع مؤنث کے صیغوں کا اطلاق صرف چار مَردوں اور ایک خاتون پر کیا جائے اور ازواجِ مُطہرات کو طُفیلی صف میں رکھ دیا جائے۔ یاد رہے کہ عقل و نقل اور پھر خود قرآنِ مجید کی مذکورہ آیات کی تلاوت سے یہ حقیقت خود بخود مُبرہن ہو جاتی ہے کہ آیۂ تطہیر کے مصداق اوّل ازواجِ مطہرات ہیں اور تبعاً اُن کی اولاد۔ چونکہ ازواج اور اُن کی اولاد کی مجموعی صورت کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے، اس لئے رسالتمآب

---

[1] القرآن ۳۳ : ۳۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادِ پاک اِس حکمِ تطہیر میں شامل ہے، وہ اِس طرح کہ پہلے ازواج اور اُن کے بعد تبعاً اُن کی اولاد۔ اِس سلسلے میں راقم الحروف کی درج ذیل دو رُباعیاں مُلاحظہ ہوں ؎

مقصود دراصل تو ہے ازواج کی ذات
شامل اِس حکم میں ہیں اَبناء و بنات
ہے آیۂ تطہیر کی تفسیر یہی
ازواجِ مُطہرات ہیں معصُومات

---

جو منکرِ قدرِ آں ہے مُسلمان نہیں
مومن تو وُہ کیا ہو سکے، انسان نہیں
ازواجِ نبیؐ کو ماں نہ سمجھا جس نے
اُس شخص کا کوئی دین ایمان نہیں

---

مَیں کہنا یہ چاہتا تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ زوجیت میں آجانے سے ازواجِ مطہرات اگر اپنی ہم جنس دوسری تمام عورتوں سے ممتاز و مُنفرد ہو سکتی ہیں تو اُس خُونِ اطہر کے متعلق ایک مسلمان کا دل کیا گواہی دے گا جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک کے ایک جُزو ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔ کیا اُس خُون، اُس نسب اور اُس نسبت کا کوئی احترام، کوئی عزت اور کوئی پاس نہیں ہونا چاہیئے اور کیا عند اللہ اُسے کوئی مقام و اہمیت حاصل نہیں؟ مذکورہ آیات اور اُن کے متعلق بیان کردہ تشریحات کو نظر میں رکھتے ہوئے اب ذرا سیدہ زہرا بتولؓ، جنابِ حسنؓ، جنابِ حسینؓ اور جنابِ قاسمؓ و ابراہیمؓ اور خانوادۂ اہلِ بیت سے خُونی اور نسبی تعلق رکھنے والے افراد کی عظمت و شان اور اُن کی اِس خُداداد انفرادیت و امتیاز کا جائزہ لیجیے۔ یہ خصُوصیات اور فضیلتیں خانوادۂ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا بھر کے کسی خاندان اور گھرانے کے حصّہ میں نہ آئیں اور نہ آسکتی ہیں۔ جب دوسرے تمام گھرانوں اور خاندانوں کے لئے کفو کا لحاظ شرائطِ نکاح میں سے ہے تو آقائے دو عالم سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادۂ پاک پر اِس شرط کا اطلاق بطریقِ اَولیٰ ہوگا، اِس لئے کہ اِس خانوادے کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شرفِ انتساب حاصل ہے کوئی دوسرا خاندان اِس خُداداد شرف و فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

اکثر عُلماء نے اِس کے جواز میں فتویٰ دیا، لیکن بعض نے اِس کی مخالفت کی جن میں بعض شوافع سرِفہرست ہیں۔ سید گھرانے کو جو شرف اور فضیلت حاصل ہے، وہ اُن کی

اپنی ذات کی وجہ سے نہیں، بلکہ اُن کے فضل و شرف کا سبب صرف اُن کا ذُرّیتِ رسُول اور اولادِ زہرا بتُول ہونا ہے اور یہ شرف کچھ کم نہیں۔ اپنے اہلِ بیت اور اپنے خاندان کے بارے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشادات فرماتے ہیں، اُن کا بالتفصیل ذکر تو ممکن نہیں، البتہ چند احادیث اِس کتاب میں نقل کر دی گئی ہیں، جن سے فضیلتِ اہلِ بیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

بعض لوگ حضرتِ سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے متعلق ایک حدیث شرفِ نسب کے خلاف بہ طورِ دلیل پیش کرتے ہیں، جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہؓ سے یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اعمالِ صالحہ ہی تمہارے کام آئیں گے، میری دُختر ہونا نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفاذِ شریعت اور احکامِ الٰہیّہ کے اجراء میں مساوات کا حکم تھا، ممکن نہیں کہ شارع (صاحبِ شریعت) اُمّت کے افراد کو تو اعمالِ صالحہ کی طرف دعوت دے اور اپنے اہلِ بیت کو مَن مانی کرنے کی کھُلی چھُٹی دے دے اور یہ کہے کہ تم جو چاہو کرو، کیونکہ تم میری اولاد ہو؛ تمہیں بروزِ حساب کچھ بھی نہ کہا جائے گا۔ اِس ارشاد سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ دینی حدُود اور تعزیرات اُمّت کے عوام کے جرائم کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اگر اہلِ بیت میں سے بھی کوئی ایسا جُرم کرے گا تو اُس پر بھی وہی تعزیرات اور حدُود عائد ہوں گی، جو دوسرے تمام مُجرموں پر عائد ہیں۔ مثلاً ایک ارشادِ نبوی کے الفاظ ہیں کہ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرے تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا[1]۔ اِس ارشاد کا یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ سیّدہ فاطمہؓ نے نعوذ باللہ چوری کی ہو گی یا کر سکتی تھیں۔ کیا کاشانۂ نبوّت کے نُور افشاں اور تقدّس بداماں ماحول میں آغوشِ رسالت کے پروردوں سے ایسی حرکات کا تصوّر بھی کیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا اِس قسم کے ارشادات سے محض اسلامی مساوات و عدل کا اعلان

---

[1] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا، جب قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ بنت الاسود نامی عورت سے چوری کے جُرم پر قریش نے اُسامہ بن زیدؓ سے سفارش کرائی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ وَایْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)
(دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب الشفاعۃ فی الحدود، ص ۳۱۴، مطبوعہ کراچی)

اور اظہار مقصود ہے، ورنہ اقوامِ عالم کہتیں کہ یہ کیسا دین ہے کہ اِس کے پیغمبر کا گھرانہ تو ہر طرح کی حدود و قیود سے آزاد اور مستثنیٰ ہے اور بے چاری اُمت ہی پر ہر قسم کا عذاب ٹوٹا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ باوجود اِس حدیث کے، جس میں سیدہ فاطمہؓ کے اعمال پر بھی اعلانِ گرفت کیا گیا اور بیٹی ہونے کے ناز و افتخار کو نظر انداز کر دیا گیا، تو کیا درج ذیل آیتِ قرآنیہ کا اطلاق حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی اولاد پر نہیں ہوگا؟ جہاں ارشاد ہوا:۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ[1] (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور ایمان لانے میں اُن کی اولاد نے بھی اُن کی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) اُن کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے اعمالِ صالحہ میں سے کوئی کمی بھی نہیں کریں گے (انتہیٰ)

اِس آیۂ مبارکہ پر تفصیلی تبصرہ گزر چکا ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ محولہ بالا آیت کسی مخصوص طبقے یا فرد سے متعلق نہیں، بلکہ اِس میں صرف اُن لوگوں کا ذکر ہے جو خود بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے میں اُن کی پیروی کی تو اولاد کو آخرت میں اُن کے نیک باپ دادا سے ملا دیا جائے گا، اِس ملانے کا سبب صرف یہی ہے کہ اگر وہ خود اچھے نہیں تو نہ سہی، اُن کے بزرگ تو نیک اور صالح انسان تھے۔ کیا اِس آیتِ کریمہ کے مصداقِ اتم و اعظم حضور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوں گے؟ اگر عام مومن جو نیک اور صالح ہو، اُس کی نیکی اور صالحیت کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قدر و منزلت ہے کہ اُس کی اولاد جیسی بھی ہو، آخرت میں اُسے اُس کے باپ سے ملا دینے کا وعدہ فرما دیا تو آپ صاحبِ لولاک، مختارِ کُل اور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کیا رائے قائم کریں گے، جن کی ذاتِ اقدس پر ایمان لانے کے سبب قیامت کے دن نیک بندوں کے ساتھ اُن کی اچھی بُری اولاد ملا دی جائے گی، تو کیا اُس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اولاد کو آپ کے صدقے اور طفیل آپ کے ساتھ نہیں ملا دیا جائے گا؟ اور پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شافعِ محشر علیہ السلام

---

[1] القرآن پ ۲۷

کا مقام جنت الفردوس کی ارفع و اعلیٰ منازل ہی ہو سکتی ہیں۔ اب فرمایئے کہ مُولہ بالا آیتِ مُبارکہ کی رُو سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیحُ النسب اولاد کہاں اور کس کے ساتھ ہوگی ؟

## اطلاقِ آیت میں صحیحُ النّسب کی قید

یہاں صحیحُ النّسب کی قید اِس لیے لگائی ہے کہ آج کل کے برساتی سیدوں نے بھی ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ مثلاً جو جمعرات یا جُمعہ کے دن پیدا ہو، وہ بھی سید کہلانے لگتا ہے، شاید اِس نسبت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جُمعہ سیدالایام، یعنی دنوں کا سید (سردار) ہے۔ یا پھر جو شخص شیعہ مسلک سے مُنسلک ہوگیا، سید کہلانے لگا۔ اِسی لیے آپ کو اکثر شیعہ حضرات سید ہی ملیں گے اور جو صحیحُ النّسب سادات، شیعہ عقائد نہ رکھتے ہوں، شیعہ اُن کو سید نہیں مانتے، جیساکہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کے متعلق اُن کے عقائد کا ذکر تفصیلاً گزر چکا ہے۔

یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ خواجۂ اکبر حضرت سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ ایک سُنّی العقیدہ بزرگ ہونے کے ساتھ صحیحُ النّسب سید بھی تھے، اکثر شیعہ آپ کو اپنا ہم مسلک سمجھ کر سید مانتے ہیں، دراصل اِس کا سبب فارسی کی یہ مشہور رباعی ہے ؎

شاہست حسینؓ و بادشاہست حسینؓ     دینست حسینؓ و دین پناہست حسینؓ
سرداد، نداد دست در دستِ یزید     حقا کہ بنائے لا اِلٰہست حسینؓ

زبان و بیان کے اعتبار سے رباعی کا جواب نہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ اربابِ تحقیق کے نزدیک یہ کلام حضرت غریب نوازؒ کا نہیں ہے۔ ماضی قریب کے عظیم نقاد اور محقق حافظ محمود شیرانی (م ۱۹۴۶ء) اور بعض دیگر ناقدین کے نزدیک دیوانِ معین یا دیوانِ خواجہ، جنہیں حضرت غریب نواز اجمیریؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، خود محلِ نظر ہیں۔ اُن کی تحقیق کے مطابق یہ کلام مولانا جامیؒ کے ایک ہم عصر مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی، صاحب معارج النبوۃ کا ہے اور اُن کے نزدیک مُلا معینی اور مولانا معین الدین ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ راقم الحروف نے دیوانِ معین کا بہ غور مطالعہ کیا، مُولہ بالا رُباعی دیوانِ مذکور میں موجود نہیں ہے۔ دیوانِ معین کو حضرت خواجۂ اجمیریؒ کا مجموعۂ کلام

تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اِس رُباعی کا انتساب پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (خواجہ غریب نواز، از ادارۂ تصنیف و تالیف، ص ۱۰۰ تا ۱۲۳، ناشرین شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اہلِ بیت کی شان میں اشعار کہے، وہ شیعہ ہی ہوگا، راقم الحروف نے خود بے شمار مرثیے اور مناقب کہے ہیں، مگر بفضلہٖ تعالیٰ وہ سُنی المسلک حنفی، چشتی، قادری اور نظامیؒ ہے۔ (الحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک) بہر حال یہ تو جملۂ معترضہ ہُوا۔ اب آپ مذکورہ بالا آیت اور حضرت سیدہ فاطمہؓ سے متعلق اِس حدیث کے بارے میں

---

لہ بعض سطحی لوگ، جو گولڑہ شریف سے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں، نجی محافل گرم تر رکھنے کے لئے راقم الحروف کے بارے میں عجیب و غریب قسم کی آراء و خیالات کے اظہار کو جہاد فی سبیل اللہ سے کم نہیں سمجھتے۔ چلئے ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے۔ مَیں یہ پیش گوئی پیمانِ شب کی ایک غزل میں کر چکا ہُوں۔ وہ شعر یہ تھا ۔

یہ کرم کم ہے کہ وہ یاد کریں تجھ کو نصیر پیار سے اب ہو ترا ذکر کہ دُشنام کے ساتھ

بتقاضائے بشریت ہر انسان محاسن و معائب کا مجموعہ ہوتا ہے، یہ اور بات کہ کچھ کوتاہ بینوں کی توجہ اپنی فطری رغبت و میلان کے سبب دوسروں کی خوبیوں کی طرف کم اور کمزوریوں کی جانب زیادہ مبذول ہوتی ہے۔ ایسے احباب سے درخواست ہے کہ وہ کسی نہ کسی کو ہدفِ تیرِ ملامت ضرور بنائیں، کیونکہ اُنہیں اِس کا اختیار حاصل ہے اور ایک وسیع النظر آدمی ملامت و الزام پر یُوں بھی لُطف محسوس کرتا ہے، مگر اِس کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ کسی کے عیُوب و محاسن بیان کرتے وقت کم از کم وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۹:۵۵) کی آیتِ مُبارکہ کو سامنے رکھتے ہُوئے میزانِ حق کے پلڑے برابر رکھیں اور ان میں توازن قائم کرنے کی خاطر اُس کے عیوب کے ساتھ کچھ خوبیوں کا ذکر بھی کر دیا کریں لیکن کہاں صاحب! جسے ڈنڈی مارنے کی لت پڑ چکی ہو، وہ اِس علت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ بہر حال مَیں بگفتہ غالب کے مطابق بحمد اللہ اپنی جگہ مطمئن ہُوں ؎

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

دیگر تبصروں کے علاوہ راقم الحروف پر بطورِ خاص یہ الزام لگانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے کہ چھوڑیئے صاحب! اُن کا کیا مذکور، وہ تو اپنے اسلاف کے مسلک و طریق (باقی برصفحہ آئندہ)

غور کریں کہ آیت اور حدیث میں تطبیق کیسے کی جائے، اِس لئے کہ حدیث میں تو احتمالِ ضعف بھی ہے، مگر آیتِ قرآنیہ کے متعلق اِس قسم کا ادنیٰ سا شبہ بھی ایک مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ مُعزّز و مکرّم خاندانوں اور خصوصی صفات وفضائل میں مشہور و منسوب انساب کا فضل و شرف ایک مُسلّمہ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے، لیکن اِس کا

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) کو بھی خیرباد کہہ چکے ہیں، میر تقی میرؔ کی زبان میں ؎

میرؔ کے دین ومذہب کی اب پُوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دَیر میں بیٹھا کب کا ترکِ اِسلام کیا

اگر میرا توسنِ فکر بھی اُن کی طرح بے لگام اور میرا شجرِ فطرت بھی شرم وحیا کے ساز وبرگ سے عاری ہوتا تو میں ایسے افراد کی نشاندہی کی خاطر اُن کے اسماء مع الالقاب یہاں تحریر کر دیتا، مگر کیا کروں کہ میری فطرتِ حیا سرشت ایک مدّت سے میرزا عبد القادر بیدلؒ کے اِس مصرع کی عملی تصویر بننے کی کوشش میں ہے ع مژہ برہم آورم از حیاکہ برہنہ بہ قبا رسد (ترجمہ) میں کسی کے پوشاک سے عاری ہونے کی صُورت میں اپنی پلکیں بند کر لیتا ہُوں تاکہ برہنہ آدمی (اِس طرح) کوئی لباس زیبِ تن کر لے۔ اِس کا مصرعۂ اُولیٰ ہے۔

ع دِلِ بے نوا بہ کجا بَرَد غمِ تنگ دستی و مُفلسی

اِس کے علاوہ یہ احساس بھی دامن گیر رہتا ہے کہ مبادا ایسا کرنا اُن کے حق میں مُوجبِ آزار ہو یا وہ اِسے اپنے لئے باعثِ رُسوائی خیال کریں۔ ہاں اگر میری جگہ وہ ہوتے تو بہت کچھ کر گزرتے۔ یہ تو اپنے اپنے حوصلے اور ظرف کی بات ہوتی ہے۔ بہرحال ؎

تیری اِس بھُول کا احساں، تری اِس یاد کا شکر
کہ مجھے بھُول گیا، میرے گُنہ یاد رہے (علامہ سیمابؒ)

اور تو اور ایسی بے پَر کی اُڑانے میں ہمارے بعض سُنّی عُلماء و واعظین اور نیم عالم طبقے کا ہاتھ بھی ہے۔ مجھے چھوڑیئے میرے جدِّ اعلیٰ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گیلانی قدّس سرّہٗ کے متعلق بعض جاہل اور غیر مُستند واعظین اپنی جادو بیانی میں مزید اثر پیدا کرنے کے لئے ایسی بے سند اور ناقابلِ یقین روایات برسرِ منبر بیان کرتے ہیں کہ حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ مثلاً یہ روایت کہ ایک مرتبہ آپ سیال شریف عرس کے موقع پر حاضر ہوئے تو لنگر خانے میں ایک کُتّے نے آٹے کے برتن میں اپنا مُنہ ڈال دیا، خُدّام نے عُلماء سے دریافت کیا کہ یہ گندھا ہوا آٹا پلید ہوا یا نہیں، سب نے فتویٰ دیا کہ پلید ہے اور کھانے (باقی برصفحہ آئندہ)

یہ مطلب بھی نہیں کہ ایسے مُعزّز خانوادوں اور محترم گھرانوں کے افراد اپنے اسلافِ کرام اور بزرگانِ رفتہ کی کمائی ہوئی عزّت، شہرت اور اُن کی قبولیتِ عامّہ پر قناعت کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں۔ مال و دولتِ دُنیا تو آنی جانی شے ہے اور اِس ارشادِ باری کے مطابق، وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (القرآن ۳: ۱۴۰) ترجمہ: اور لوگوں میں ہم دن پھیرتے رہتے ہیں، دُنیوی جاہ وجلال، دولت وثروت اور شوکت وحشمت قابلِ اعتماد اور لائقِ فخر ومباہات ہرگز نہیں۔ تقلّباتِ زمانہ کی نیرنگیاں بڑی عبرت آموز ہوتی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے لائق نہیں۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کو اِس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے وہ آٹا منگوایا اور جس حصے کو کُتّے نے مُنہ لگایا تھا، اُتنی جگہ سے آٹا نکال کر فرمایا کہ اگر یہ پلید ہے تو اِسے میرے لئے پکا دیا جائے، چنانچہ آپ نے اُسی آٹے سے روٹی پکوا کر کھائی۔

جاہل واعظین کو ایسی بے تُکی روایات بیان کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے، جب وہ خود کُتّے کے مُنہ لگی کسی چیز کو استعمال میں لانا جائز نہیں سمجھتے اور نہیں کھاتے، تو کیا حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ جیسا شیخِ کامل، مجدّدِ ملّت اور علّامۂ زمان ایسا عمل کر سکتا ہے، جو شرعاً ناجائز ہو۔ کُتّے کے جُھوٹے کے متعلق کُتُبِ فقہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور احناف کا مسلک ملاحظہ ہو:— وَسُؤْرُ الْكَلْبِ نَجِسٌ وَيُغْسَلُ الْاِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِهٖ ثَلَاثًا لِقَوْلِهٖ عليه السلام، يُغْسَلُ الْاِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا وَلِسَانُهٗ يُلَاقِي الْمَاءَ دُوْنَ الْاِنَاءِ فَلَمَّا تَنَجَّسَ الْاِنَاءُ فَالْمَاءُ اَوْلٰى (ترجمہ) کُتّے کے چاٹے کو نجس تسلیم کیا جاتا اور اِسے دھویا جاتا ہے، اگر وہ کسی برتن کو چاٹ لے تو اُسے تین مرتبہ دھویا جائے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کُتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین بار دھویا جائے، حالانکہ اُس کی زبان پانی سے ملتی ہے نہ کہ برتن سے، جب برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہے۔

(ملاحظہ ہو ہدایہ شریف، جلدِ اوّل، ص ۴۵، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شوافع کے نزدیک کُتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات (۷) مرتبہ دھونے کا جو فتویٰ ہے، اِس کی سند اُن کے ہاں درجِ ذیل حدیثِ پاک ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یُغْسَلُ الْاِنَاءُ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ اَوْ اُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ (ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب کُتّا کسی برتن میں مُنہ ڈالے تو اُسے سات (۷) مرتبہ (باقی برصفحہ آئندہ)

ہیں، جو شخص آج تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہے، کل تختۂ دار پر بھی ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے تاجداروں اور شاہانِ کج کلاہ کے لئے بعض اوقات زمین کا دائرہ اِس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ بقولِ بہادر شاہ ظفرؔ دوگز زمین بھی نہ ملی کُوئے یار میں، قبر کے لئے جگہ بھی میسّر نہیں آتی۔ گویا کل جو سہاروں کے احسانوں کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے، آج اِس شعر کے مصداق نظر آتے ہیں ؎

کبھی یہ شان کہ ٹھکرا دیا سفینوں کو　　کہیں یہ حال کہ تنکوں کے بھی سہارے لئے

بہرحال جو ایسے گھرانوں کے چشم و چراغ ہوں، اُن کے لئے دُنیا طلبی، زر اندوزی اور حصُولِ منصب و اقتدار کے بجائے اپنے اسلاف کی خصُوصیات و فضائل، زُہد و اتقا اور عُلوم و فنون جیسی قابلِ تعریف اور زوال ناپذیر صفات کا حامل ہونا اشدّ ضروری ہے، کیوں کہ انبیائے عظام کی وراثت صرف علم ہے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے: وَ اَنَّ الْعُلَمَاءَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دھویا جائے۔ راوی کو اِس میں شک ہے کہ برتن کو پہلی مرتبہ مٹّی سے مانجا جائے یا آخری مرتبہ (دیکھئے ترمذی شریف، باب ماجاء فی سُؤرِ الکلب، ص ۳۹، مطبوعہ آرام باغ کراچی) ویسے جدید سائنسی تحقیق کے مطابق کُتّے کے لُعاب میں ۳/۷ نجاست کی لیئرز (Layers) تہیں ہوتی ہیں۔

جو لوگ ایسے جھُوٹے اور بے سر و پا واقعات سے حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کی حضرت شمس الدین سیالوی (م۔ ۱۳۰۰ھ) کے ساتھ عقیدت مندی ظاہر کرنے کی سعیٔ رائیگاں کرتے ہیں، اُنہیں شرم آنی چاہیئے۔ اگر حضرت پیر صاحبؒ کی حضرتِ اعلیٰ سیالویؒ سے محبّت و عقیدت کے مُستند حالات پڑھنے ہوں تو مہرِ منیر کا مطالعہ کیا جائے۔ قارئین پر واضح کرنا مقصود ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ بالکل غلط اور قطعاً بے بنیاد ہے، جو شخص یہ واقعہ بیان کرے، اُس کی تردید لازم ہے۔ اِسی طرح بعض لوگ اُستاذُ العلماء حضرت مولانا احمد علی مُحدّث سہارنپوریؒ (م ۶-۱۲۹۵ھ) کے متعلق، جو حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے اُستادِ محترم ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ وہ مکتبۂ وہابیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت پیر صاحبؒ سے یہی سوال حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ (م ۱۹۰۱ء) نے دورانِ ملاقات کیا تھا: "وہ تو بہت بڑا وہابی تھا"۔ اس پر پیر صاحبؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے، وہ بہت بڑے حنفی تھے، البتّہ صُوفیائے کرام کی رسُوم کے پابند نہیں تھے (دیکھئے مہرِ منیر، باب ۵، ص ۲۰۵، مطبوعہ لاہور) حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے اِس مذکورہ جملے سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص صُوفیائے عظام کی رُسوم کی پابندی نہیں کرتا تو ضروری نہیں کہ وہ وہابی ہی ہو، ایسا بھی تو ممکن ہے کہ ایک شخص کے دل میں صُوفیاء اور اُن کے مشاغل و رُسوم (باقی برصفحہ آئندہ)

وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَّاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (ترجمہ) اور بے شک عُلمار، انبیار علیہم السّلام کے وارث ہیں اور انبیار علیہم السّلام نے دینار و درہم ترکہ میں نہیں چھوڑے، بلا شبہ اُنھوں نے علم کی میراث چھوڑی۔ لہٰذا جس شخص نے علم حاصل کر لیا، اُس نے وافر اور کثیر حصّہ حاصل کر لیا (انتہیٰ) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علم کے ہوتے ہوئے دُنیوی مال و دولت وغیرہ حاصل نہ بھی کر سکے تو اُسے مطمئن رہنا چاہیئے کہ اُس نے بہت کچھ حاصل کر لیا اور وہ اِس پر خداوندِ عالم کا شکر ادا کرے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم فی فضیلتہٖ، ص ۳۴، لاہور)

حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہٗ نے اپنے خاندان کے ایک فرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بلا شبہ نسب بھی بڑی چیز ہے، مگر اِسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ نسب کے ساتھ حسب کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور حسب کا اطلاق صفات پر کیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو اِسی قسم کا مضمون، مہرِ مُنیر، باب ۹، ص ۴۸۲ پر) آپ کا مطلب یہ تھا کہ زُہد و تقویٰ، علم و فضل یا دوسری کسی نہ کسی خصُوصیّت اور صفت سے بھی مُتّصف ہونا چاہیئے، تاکہ اِس طرح انسان کی شناخت اور اُس کا تعارف صرف اُس کی اپنی ذات و صفات سے بھی ہو سکے۔ جو انسان صرف اپنے کسی بزرگ کے حوالے ہی سے پہچانا جاتا ہو اور وہ اپنی ذات کا تعارف اپنی ذات کے حوالے سے بھی پیدا نہ کر سکے تو ایسا انسان خاندانی شرافت و نجابت، عزّت شہرت کی مُستعار بیساکھیوں کے سہارے چلنے والا معذور اور محتاج کہلائے گا۔ داناؤں کا قول ہے کہ باعظمت انسان وہ ہوتا ہے، جس کی وجہِ عزّت و شہرت صرف اُس کی اپنی ذات ہو اور جب کوئی ناواقف اُسے

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) کا احترام ہو مگر بوجوہ وہ خود ان کی پابندی نہ کرنا چاہتا ہو، لہٰذا صوفیائے کرام اور اُن کی رُسوم کے خلاف لکھنا اور زبان درازی کرنا اور بات ہے اور اُن کا پابند نہ ہونا اور بات۔ اِسی طرح ایک اور واقعہ غلط مشہور ہے کہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ سردار محمد نواز خان کھٹیسبہ (م ۱۹۶۸ء) نے پڑھائی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت پیر صاحبؒ کو غسل بھی سردار صاحب مرحوم نے دیا۔ یہ دونو باتیں غلط ہیں (تفصیل کے لیے دیکھیے مہرِ مُنیر، باب ۵، ص ۲۹۷، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۸۷ء)

واضح رہے کہ میرے متعلق کرم فرماؤں کے اِس انداز کے اظہارِ خیال سے انشاء اللہ میرے پیکرِ عقیدہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ وہ حق متوازن اور معتدل عقائدِ حقّہ کے صحت مند (باقی برصفحۂ آئندہ)

دیکھے تو یہ دریافت کرنے کے لئے بے تاب ہو جائے کہ یہ کون شخصیت ہے (جدِّ امجد حضرت قبلہ بابوجیؒ بلاشبہ اِس خصوصیت کے حامل تھے) نہ یہ کہ اُس کے متعلق پہلے ہی سے بتایا جائے یا بتانا پڑے کہ یہ صاحب فلاں عظیم ہستی کے صاحبزادے ہیں۔ پہلی صورت میں اُس کی اپنی ذات وجہِ تعارف بنی، جب کہ دوسری صورت میں اُس کے آباء و اجداد اُس کے تعارف کا سبب بنے۔ گویا انسان کو اُن خصوصیات و صفات کا حامل ہونا چاہیئے کہ پہلے اُس کی اپنی شخصیت اُس کے اجداد یا اُس کے نسب کے دریافت کرنے کا مُوجب بنے، نہ یہ کہ اُسے پہلے ہی سے اُس کے نامور بزرگوں یا اُس کی نسل و نسب کے حوالے سے متعارف کرانے کی ضرورت پڑے۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آباء و اجداد یا اپنے نسب و نسل سے پہچانا جانا بالکل ناجائز ہے؛ باپ دادا کی نسبت تو ٹوٹ ہی نہیں سکتی، چاہے انسان میں کوئی ذاتی کمال ہو یا نہ ہو۔ مطلب صرف یہ ہے کہ نام و نسب کی بیساکھیوں کے علاوہ بھی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عناصر سے ترکیب یافتہ ہے، اُن کی بدولت اُس پر کسی قسم کے خارجی یا رافضی اثرات پڑنے کا امکان نہیں، کئی ایسے مواقع آئے مگر ؎

چشمِ ساقی کی توجہ تھی کہ آڑے آئی
قصد واعظ نے کیا تھا مجھے بھکانے کا　　(راقم الحروف)

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ شیعہ میرے حق میں یہی رائے رکھتے ہیں، مگر اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے حق میں اُن کی اِس رائے کا وہی مقام ہے، جو وہ اصحابِ ثلاثہ اور اُمّہات المومنین کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اب جو شخص مذکورہ ذواتِ مقدسہ کے حق میں اُن کی رائے کو صحیح اور درست خیال کرتا ہو، اُسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ میرے بارے میں بھی اُن کی رائے کو صحیح مان لے۔

یہ بات تو طے ہو گئی کہ بحمد اللہ میں شیعہ نہیں ہوں، لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی لکھ رکھیئے کہ میں خارجیوں کی طرح بنو اُمیّہ کے بعض نام نہاد اُمراء المومنین کو خلفائے راشدہ، ائمہ اہلِ بیت اور ذُرّیتِ رسولِ بتول کی عظمتوں کے برابر یا اُن سے بالا کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، اگر یہ شیعیت ہے تو ع فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّي رَافِضِيٌّ۔ اگر اُمیّہ نواز اذہان بنو اُمیّہ کی تعریف و توصیف کے بعد بھی ربّ العزّت سے اُمیدِ بخشش اور شافعِ محشر سے اُمیدِ شفاعت رکھ سکتے ہیں تو میں بطریقِ اَولیٰ اولادِ رسول کے حق میں رطب اللسان ہو کر دارین میں سزاوارِ شفاعت و رحمت ہو سکتا ہوں، اِس لئے کہ رحمت و عفو اور شفاعت (باقی بر صفحہ آئندہ)

انسان میں ایسے علمی و فنی خصائص اور ایسی صفاتِ عالیہ ہونی چاہئیں، جو اُس کے ذاتی تعارف اور اُس کی عزت و شہرت کا براہِ راست سبب بن سکیں۔ کسی عربی شاعر نے اِنھی اُمور کے پیشِ نظر کہا تھا ؎

اِنِ افْتَخَرْتَ بِاٰبَآءٍ مَضَوْا سَلَفًا
لَقَدْ صَدَقْتَ وَلٰکِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوْا

(ترجمہ) اگر تُو اپنے گزشتہ باپ دادا پر فخر کرتا ہے تو تُو نے بالکل سچ کہا، واقعی وُہ اربابِ فضائل و کمالات تھے؛ مگر اُنھوں نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی ہے، وہ کسی کام کی نہیں۔ شاعر کا مدّعا یہ ہے کہ اے مخاطب! ہم تیرے باپ دادا کے کارناموں اور دینی و ملّی خدمات اور اُن میں موجود تمام خُوبیوں اور صلاحیتوں کے قائل ہیں، مگر اِس وقت اُن کا تذکرہ چھوڑ اور یہ بتا کہ تُو خود کتنی خُوبیوں اور کتنے فضائل و کمالات کا مالک ہے، یا صرف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے الفاظ کا براہِ راست تعلق بنو اُمیہ سے نہیں، بلکہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ جلیلہ سے ہے اور اہلِ بیتِ عظام کی سربراہ آپ ہی کی ذاتِ مقدسہ ہے؛ اِس لیے اگر بنو اُمیہ کے چچوں کو اپنی بخشش کا اِس قدر یقین ہو سکتا ہے تو خانوادہ بنو فاطمہؓ کے نمک خوار اپنی نجات اور بخشش کے سلسلے میں کیونکر مُتزلزل العقیدہ ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسُولِ برحق کے نزدیک اہلِ بیتِ کرام کی مِن حیثُ المجموع جو حیثیت و منزلت ہے، وہ آیات و احادیث کی صورت میں بیان کر دی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ مَیں مرثیہ اور منقبت کیوں کہتا ہُوں؟ ہاں اِن الفاظ سے بعض کوتاہ بینوں کے دل میں کانٹا چبھتا ہے؛ خاص طور پر لفظِ مرثیہ سے اُن کو خاصی تکلیف ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ اُن کے نزدیک یہ لفظ بھی عَلَم، تعزیہ، دُلدُل، ذُوالجناح اور شامِ غریباں کی طرح شیعہ اصطلاحات سے متعلق ہے۔ ایسے لوگوں کی سوچ کے اسباب دو ہی ہو سکتے ہیں۔ یا تو وہ پرلے درجے کے جاہل ہیں یا پھر غالی قسم کے متعصب۔ مرثیہ میّت کے فضائل و کمالات اور اِس کی فُرقت سے پیدا ہونے والی ہیجانی اور قلبی کیفیاتِ رنج و غم کو درد آگیں اُسلوب میں پیش کرنے کا نام ہے اور یہ سلسلہ ظہورِ اسلام اور اِس سے قبل کا رائج ہے۔ ہاں غمِ حسینؓ سے اِسے کچھ ایسی نسبت مل گئی کہ یہ لفظ غمِ حسینؓ کی منہ بولتی تصویر بن کر رہ گیا؛ جس طرح عربی میں لفظِ نعت کے معنی مُطلق تعریف کے آتے ہیں، مگر اِس لفظ کی معنوی [illegible] کا کیا ٹھکانا کہ اب قیامت تک اِس کا انتساب صرف اور صرف رسالتمآب (باقی برصفحہ آئندہ)

اپنے باپ دادا کے نام کی رَٹ لگانے اور اُنہی کے کمالات گنوانے کا دھنی ہے۔اِسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے اِن الفاظ میں باندھا ہے ؎

مرد اگر لاف از اَب وجَد می زند بے مشرب است
زانکہ ابجد درحقیقت بہرِ طفلِ مکتب است

ترجمہ وتشریح۔اگر کوئی شخص اپنے باپ دادا کے متعلق لاف وگزاف مارتا ہے، تو وہ درحقیقت بے سلیقہ اور ناپُختہ ہے، اِس لئے کہ مدرسے میں ابتدائی جماعت کے بچّے اب ج د (ابجد) کی مشق کیا کرتے ہیں۔اِس شعر میں اَب وجَد اور ابجد کے الفاظ سے شاعر نے اپنے مدّعا کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر کس حُسن سے اظہارِ مقصد کیا ہے۔شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ صرف اپنے باپ دادا یعنی اَب وجد کے نام کی رَٹ لگائے رکھنا اور اُنہی پر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رہے گا۔مرثیہ کسی کا بھی کہا جا سکتا ہے اور نعت یعنی تعریف کسی کی بھی کی جا سکتی ہے، مگر مُروّجہ اصطلاح میں آج اِن ہردو الفاظ سے ذہن معاً ذکرِ حُسینؓ اور توصیفِ رسالت مآب علیہ السّلام کی طرف مبذول ہو جاتا ہے۔اپنے جاننے والوں اور اہلِ تعلّق کا ذہنی خلجان رفع کرنے کی خاطر اور اِس دعوٰی کی دلیل میں اپنے پردادا حضرت پیر سیّد مہرعلی شاہ قدس سرّہٗ کے مقاماتِ سخن کی جانب توجّہ دلانا چاہتا ہُوں؛ خاص طور پر پنجابی کے اُن اشعار کی طرف، جن میں آپ نے جنابِ حُسینؓ کی مہندی سے متعلق اظہارِ عقیدت کیا ہے۔سب جانتے ہیں کہ مہندی کا لفظ بھی مرثیہ، عَلَم اور تعزیہ کی طرح دُنیائے شیعیت سے تعلّق رکھتا ہے۔چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت پیر صاحب قدس سرّہٗ ایسا لفظ استعمال ہی نہ فرماتے، بلکہ اِس کی جگہ کوئی اور عنوان وضع فرما لیتے؛ مگر یہ پنجابی نظم مہرِ مُنیر اور مِراۃ العرفان میں بعنوان مہندی اور مرثیہ چھپی ہوئی ہے (دیکھئے مہرِ مُنیر، باب ۹، ص ۵۰۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۷ء اور مِراۃ العرفان، ص ۷۷، مطبوعہ لاہور، جو حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کے کلامِ منظوم کا مجموعہ ہے)

کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت پیر صاحب قدس سرّہٗ بھی شیعہ تھے (نعوذ باللہ من ذٰلک) آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ آپ ایک انتہائی متوازن العقیدہ، محتاط ترین اور سلف صالحین کے صحیح المسلک سچّے جانشین، نمائندے اپنے عہد کے نابغۂ روزگار عالمِ دین اور مُستند شیخِ طریقت تھے۔مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے مسلک کی محض اصطلاح کے (باقی برصفحۂ آئندہ)

انحصارِ فخر کرنا ایسا ہے، جیسے سکول میں مُبتدی بچے خوش خطی کی مشق کے لئے بار بار ا۔ ب ج۔ د (ابجد) لکھتے ہیں، یعنی ایسا وہی لوگ کرتے ہیں، جن کے اپنے پلّے کچھ بھی نہیں ہوتا اور صرف باپ دادا کے نام و ناموس کے سہارے زندگی کی گاڑی چلاتے ہیں۔ علامہ ابنِ حجر مکی ؒ نے خاص طور پر اہلِ بیت کے لئے جن ہدایات کا ذکر اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الصواعق المحرقہ میں کیا ہے، ہم نے اربابِ علم کے ذوقِ تحقیق کے پیشِ نظر اُنہیں اِس کتاب کے باب دوم میں نقل کر دیا ہے۔

جیسا کہ اوراقِ سابق میں مذکور ہوا، شرفِ نسب اسلام کے علاوہ دیگر اقوامِ عالم میں بھی تسلیم شدہ امر ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام میں شرفِ نسب پر کبر و افتخار کی

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) استعمال سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ وہ اُسی عقیدے اور اندازِ فکر کا بھی مالک ہو۔ صوفیائے عظام نے بھی اپنے کلام میں جابجا جام و مینا اور میخانہ و پیمانہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، چنانچہ مشہور عاشقِ رسول اور مستند علامۂ زماں عارفِ نامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں؎

شُدم ز مدرسہ و خانقاہ بیگانہ　　سرِ نیازِ من و آستانِ میخانہ

ترجمہ۔ مَیں مدرسہ و خانقاہ سے بیگانہ ہو گیا ہُوں، اب تو میرا سرِ نیاز ہے اور آستانِ مَے خانہ۔

یا پھر آپ ہی کا یہ شعر؎

جاں شُد ز رنگ و بُوئے مَیم تازہ اے حریف!　　رُوئے قدح مپوش و دہانِ سبُو مبند

ترجمہ۔ اَے مخاطب! میری جان شراب کے رنگ و بُو سے تازہ ہوئی جاتی ہے، اِس لئے براہِ کرم ابھی پیالے کے چہرے کو مت ڈھانپ اور مٹکے کے مُنہ کو ابھی بند نہ کر۔

مذکورہ بالا اشعار میں مستعمل الفاظ کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایک ایسے شخص کے ہیں، جو دُنیائے مینا و جام سے متعلق ہے، مگر ایک عارف تو جی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مولانا جامیؒ اِن الفاظ کے پردے میں کس جام اور کس مے خانے کی بات کر رہے ہیں اور اِن الفاظ میں کیا کیا اسرار و رموز پنہاں ہیں۔

اُردو کے پاکباز اور فرشتہ سیرت شاعر ریاض خیر آبادیؒ (م ۱۹۳۴ء) ہی کو لے لیجئے۔ آپ کا نام ریاض احمد، نسباً سید، لقب لسان الملک اور تخلص ریاض تھا، آپ کے مجموعۂ کلام کا نام ریاضِ رضوان المعروف بہ خمریاتِ ریاض، جو ۳۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، آپ کو دبستانِ لکھنؤ کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

سخت ممانعت ہے، بالخصوص اُس وقت کہ جب اِس سے دوسرے انسان کی تحقیر و تذلیل مقصود ہو اور دوسرے انسانوں کو اپنے سے کم تر یا چھوٹا سمجھا جائے۔ عالی نسب ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان کسی کم سے کم تر درجے کے انسان کی بھی عزت کرے، ریاکاری کے طور پر نہیں، بلکہ صرف اِس لئے کہ وہ بھی اُسی طرح کا ایک انسان ہے۔ لوہار، موچی، تیلی، میراثی جیسے غیر اسلامی اور خود ساختہ طبقات میں انسانوں کی تقسیم کرنا ایک شریف النفس کا کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ شریف النفس کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وُہ خود کو جس نسب سے منسوب کر رہا ہے، اُس سے اُس کی اپنی نسبت بھی مشکوک لگتی ہے، اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے اصلی باپ دادا کا سُراغ لگائے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آخری شاعر حضرت امیر احمد امیر مینائی (م ۱۹۰۰ء) سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، وہ اپنے اُستاد کی طرح نہایت پاک سیرت اور پاک دامن انسان تھے۔

پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کے ساتھ اتباعِ سُنّت کا یہ عالم کہ ڈاڑھی سُنّت سے ذرّہ بھر کم نہ تھی، زُہد و تقویٰ میں یہ مقام کہ شراب دیکھی تک نہ ہوگی۔ دراصل حافظ شیرازیؒ اور بعض دوسرے صُوفی شُعراء کی طرح ریاض خیر آبادیؒ کا اندازِ رندانہ صرف اُن کی شاعری تک محدود تھا۔ جو رنگ قال میں نظر آتا ہے، وہ اُن کا حال نہ تھا۔ جیسا کہ مذکور ہوا، وہ حافظ شیرازیؒ کی طرح جام و مینا، میخانہ و پیمانہ اور شراب و شاہد کے استعاروں میں بات تو ضرور کرتے تھے، مگر حقیقت میں اُن کی ذات مولانا اصغر گونڈویؒ کے درج ذیل شعر کی مصداق تھی ؎

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے للہ وگُل کو    مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

بہرحال ہم یہاں حضرت ریاضؒ کے چند اشعار بطورِ نمونہ اُن اصحاب کے لئے نقل کر رہے ہیں، جو صاحبِ علم ہیں اور اچھے شعر سے لُطف اندوز ہونا بھی اُن کا مقدر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہم نے بیٹھے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کو    بعدِ توبہ بھی یہ پھینکا نہیں جاتا ہم سے

---

یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے    کہ آج حشر کے دن بھی خمار باقی ہے

ذرا چھپا کے حرم تک یہ زمزمی لے جائے    چڑھا کے کوئی گیا ہے اُتار باقی ہے

جو آج پی ہو تو ساقی حرام ہے پی ہو    یہ کل کی پی ہوئی ہے کا خمار باقی ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اکثر مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ خود ساختہ مصنوعی شریف النسب، جو اپنے آپ کو سادات، بنو ہاشم، علوی یا قریشی لکھتے یا کہلاتے ہیں، وہ دوسرے انسانوں کو اپنے ساتھ بٹھانا تو درکنار، اپنے برابر چار پائی یا کُرسی پر بھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ بلکہ لوگ بے چارے ان کی جُوتیوں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ مشائخ طریقت اور عُلمائے دین کی محفلوں میں پاسِ ادب کے طور پر کسی کا از خود جُوتیوں میں بیٹھ جانا اور حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ بعض خود پسند عالی نسب کسی کا جھُوٹا پانی پینا تو درکنار، اپنے برتن میں کسی اور کو پینے کی اجازت تک نہیں دیتے اور نہ عام لوگوں کے برتنوں میں خود پانی پیتے ہیں۔ جدید میڈیکل ریسرچ کے مطابق دوسرے انسان کے جراثیم ذہن سے بچنے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دستِ شفقت سر پہ یُوں اِک رند نے پھیرا ریاضؔ
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھُومتا جاتا رہا

---

مئے کُہن میں جھلک سی ہے کچھ جوانی کی
بہت ہی قدر ہے یاروں میں اِس پُرانی کی
شرابِ تُند کا خُوگر ہُوں، کیا کہیں ساقی!
مری شراب بھی پانی ملا کے پانی کی

---

جام نے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹُوٹے ہُوئے پیمانوں کے

---

اچھی پی لی، خراب پی لی
جیسی پائی شراب پی لی
عادت سی ہے، نشّہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا، شراب پی لی
ڈاڑھی کی نہیں ریاضؔ اب شرم
جب پا گئے، بے حساب پی لی

---

وُہ جانا مرا اُٹھ کر میکدے سے
صُراحی کا وُہ مجھ کو آواز دینا

---

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر
توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کی خاطر ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر اور قرینِ احتیاط ہے، لیکن بہ نیّتِ حقارت دوسروں کے ساتھ اِس قسم کا سلوک روا رکھنا دینی تعلیمات، اخوّتِ اسلامی، انسانی اقدار اور مراتبِ اخلاق سے نہایت گری ہوئی بات ہے۔ بہ نیّتِ حقارت اِس قسم کی عادات کے اظہار کی توقع کسی بلند اخلاق، شریف النفس سے ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ البتہ بعض مصنوعی شُرفاء کو آدابِ انسانیت سکھانے اور اُن کو مقامِ انسان سے آگاہ کرنے کی خاطر سبق ضرور سکھانا چاہیئے اور ایسوں کی عزّت و تکریم میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہیئے، اِس لئے کہ اِس میں اُن کے مزید بگڑنے کے امکانات اور خدشات ہیں۔ حضور سیّد الانام علیہ السّلام کی حیاتِ طاہرہ اور آپ کا اُسوۂ حسنہ ہمارے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم خواہ جس قبیلے یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ملّتِ واحدہ بن کر اتباعِ اُسوۂ خیرالانام کریں

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

رحمت کو یہ ادا مری شاید پسند آئے ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے پینا شراب کا

---

جو ہم آئے تو بوتل کیوں الگ پیرِ مُغاں کر دی پُرانی دوستی بھی طاق پر اے مہرباں کر دی

---

اُتری ہے آسمان سے جو کل، اُٹھا تو لا طاقِ حرم سے شیخ وُہ بوتل اُٹھا تو لا
مجھ کو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا، تو لا

ناصح کا مُنہ ہو بند چکھا دُوں شرابِ خُلد
ساقی! ذرا ریاض کی بوتل اُٹھا تو لا

اِسی طرح بعض متشدد ظاہر بین اور شعری لطافتوں کے ادراک سے محروم ذہن لسان الغیب حضرت حافظ شیرازیؒ کے مجموعۂ کلام دیوانِ حافظ کو بھی رُومانی دُنیا کا نقیب، شراب و شاہد، میخانہ و پیمانہ کی جانب ترغیب دلانے والی ایک جرأتِ رندانہ، جیسے الفاظ کہہ کر حافظ کی عظمتِ فکر و فن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے بجائے اعترافِ عظمت سے دامن بچا کر گزر جاتے ہیں، جو انتہائی کور ذوقی اور تعصّب ہے۔

حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ نے اپنے کلام میں جہاں کہیں بارگاہِ نبوی میں کوئی التماس کی تو حسنین کریمینؓ، سیّدہ زہراؓ اور آلِ اطہار کے توسّل ہی کا سہارا لے کر کی۔ مثلاً (باقی برصفحۂ آئندہ)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقوٰی کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔ اِس کا پس منظر یہ تھا کہ عرب اپنے مقابلے میں غیر عرب کو عجمی سمجھتے تھے۔ عجم کے معنی گونگے کے ہیں، یعنی عربوں کے نزدیک ساری غیر عرب اقوام گونگی تھیں اور اُن کے غرورِ نسل و رنگ اور رعونت و افتخارِ نسب کا یہ عالم تھا کہ وہ غیر عرب اقوام کو اپنے مقابلے میں حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دَورِ جہالت کے اِس کبر و غرور کو باطل قرار دیتے ہوئے، سب کو ملّتِ واحدہ کے جھنڈے تلے جمع ہونے کا حکم دیا اور رنگ و نسل پر غرور و کبر کرنے کے متعلق تہدید فرمائی۔ ایک فارسی شاعر نے اِنہی مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ؎

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کا یہ شعر ؎

جیا تربیت ہے درشن دیکھ صدقہ حسنؓ حسینؓ پیا
وصلِ علیٰ کیا شان ہے کامِثْلَکَ فِی الدَّارَیْن پیا

یا پھر حضرت علیؓ کا ذکرِ مبارک اِن الفاظ میں ؎

مہرِ علیؓ ہے حُبِّ نبی، حُبِّ نبی ہے مہرِ علیؓ
لَحْمُکَ لَحْمِیْ جِسْمُکَ جِسْمِیْ، فرق نہیں مابَین پیا

اِس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ آپ اُمّہاتُ المؤمنین یا صحابۂ عظام کے وسیلے کے قائل نہ تھے اور یہ سوال کہ آپ نے صحابہؓ کا وسیلہ کیوں پیش نہیں کیا، سراسر کج اندیشی اور حُجّت بازی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اولاد سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے، یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی سے کچھ مانگا جاتا ہے یا اُسے مائل بہ التفات کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اُس کی اولاد کا واسطہ ہی بطورِ وسیلہ پیش کیا جاتا ہے کہ اپنے بچوں اور اپنی اولاد کا صدقہ کچھ عطا ہو، نہ یہ کہ اپنے دوستوں، اپنی بیویوں اور دوسرے متوسلین کا صدقہ مرحمت ہو۔ کیا سائلوں یا بھکاریوں سے کبھی آپ کا سابقہ نہیں پڑا؟ وہ کیا الفاظ کہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے بعد اِس پوری کائنات کے شہنشاہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں اور ساری اُمّت کے افراد علیٰ حسبِ مراتب خود کو اِسی در کا منگتا سمجھتے ہیں۔ جب کوئی آپ کا بابِ رحمت کھٹکھٹاتا ہے تو آپ کے نواسوں اور بیٹوں کا صدقہ ہی تو مانگتا ہے۔ ہاں جو لوگ رسولِ خدا سے کچھ مانگنے یا اُن سے مانگا یا گھر بار سے بیٹے کے نظریے کے حق میں نہیں، اُنہیں خود کو اہلِ بیت کے در کا بھکاری (باقی برصفحہ آئندہ)

لاف از نسب مزن کہ چو آئینہ در جہاں
آدم کسے نمی شود از روئے دیگراں (محمد قلی سلیم)

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نسب کے بارے میں اِس قدر ڈینگ نہ مار، کہ آئینے کی طرح کوئی دُوسروں کے حوالے سے انسان نہیں بن سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے بزرگوں کو بار بار سامنے لاکر اپنی برتری ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص آئینے کے سامنے جائے اور آئینہ پکار اُٹھے کہ مَیں آئینہ نہیں، انسان ہُوں۔ آئینے کی اِس بے بنیاد منطق کو کون سلیم العقل مان سکتا ہے؟ اِس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ جب اِس کے سامنے سے انسانی چہرہ ہٹ جائے گا تو پھر وہی سپاٹ آئینہ رہ جائے گا۔ اِس شعر میں بے صلاحیت اور کم علم انسانوں کو سادہ اور صاف آئینے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اُن کے پاس خود تو کچھ نہیں ہوتا، مگر وہ اپنے بڑوں کا حوالہ دے کر صرف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی اُن سے کچھ کم نہیں، حالانکہ جب ایسے لوگوں سے اُن کے باکمال اسلاف کے تمام حوالے اور نسبتیں چھین لی جائیں، تو وہ بے چارے آئینے کی طرح کورے کے کورے رہ جاتے ہیں اور اگر اُنہیں ذرا پرکھ بھی لیا جائے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہیں، تو ذاتی طور پر اُن کی وہ قیمت، اہمیت اور حیثیت نہیں ہوتی؛ جو اُنہیں دے دی جاتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایسے افراد بہ کثرت پائے جاتے ہیں، جو کسی قابلِ احترام نسبت کی بدولت بہ ظاہر توجہات کا مرکز بنے ہوتے ہیں، لیکن بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو وہ ایک سنجیدہ نگاہ کے مستحق بھی قرار نہیں پاتے۔ دنیا میں جہاں مذکورہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب بہ قول اُن کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہی اُن کی شان اور اُن کے عقیدے کے منافی ہے، تو وُہ اُن کے نواسوں اور اولاد کو بہ طور وسیلہ پیش کرنے کے حق میں کہاں ہو سکتے ہیں۔ بہرحال بعض نام نہاد مُوحّدین کے نزدیک ہم لوگ مُشرک جو ٹھہرے تو لیجئے اے زُمرۂ مُوحّدین! یہ فرض کرتے ہوئے کہ آپ بھی ہماری طرح خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازۂ فیض امداد سے بھیک مانگنے کے قائل ہیں اور اِس میں یک گونہ فخر محسوس کرتے ہیں اور اگر آپ کے بارے میں ہماری یہ سوچ محض خیالِ باطل ہے تو پھر آپ کے زخم پر نمک پاشی کی خاطر ایک شعر نذر ہے ۔

کہیں اور اپنا گزر نہیں۔ کہیں اور جائیں تصیر کیوں
وہی ایک دَر ہے نگاہ میں، اُسی ایک در کی تلاش ہے (راقم الحروف)

نچ کے افراد پائے جاتے ہیں، وہاں ایسے باکمال اور معنوی فضائل کے مالک انسان بھی موجود ہیں، جو عوام کی نگاہِ عامیانہ کا مرکز تو نہیں ہوتے، البتہ رومیؒ جیسے خواص اور طلبگارانِ حقیقت اُن کا سراغ لگانے کی خاطر ہر طرف پکار پکار کر کہتے ہیں ؎

دی شیخ، با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دام ودد ملولم و انسانم آرزوست[1]　(عارفِ رومیؒ)

اگر جوہرِ ذاتی کا فقدان ہو تو ہر جگہ نسب کا حوالہ کام نہیں دیتا، اِس حقیقت کو فارسی کے ایک اور شعر میں ملاحظہ فرمایئے ؎

نسب صورت بہ بخشد گر نداری جوہرِ ذاتی
کہ باشد بیشتر با آب نسبت تیغ چوبیں را　(مخلص کاشی)

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو ذاتی جوہر نہیں رکھتا، تو نسب تجھے صرف ظاہری صُورت ہی دے سکتا ہے۔ اِس لئے کہ لکڑی کی تلوار کو آب (پانی) سے بہت نسبت ہوتی ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر کسی میں ذاتی جوہر اور فطری صلاحیت نہیں ہے تو وہ کسی بھی عالی خاندان میں پیدا ہو جائے، اُس کا نسب اُسے صرف ظاہری ڈھانچے اور شکل وصورت کے سوا کچھ نہیں دے سکتا، یعنی اُسے دیکھ کر صرف اِتنا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کسی نامور خاندان کا فرد ہے، اِس کی مثال لکڑی کی تلوار جیسی ہے، جس کا سلسلۂ نسب پانی سے ملتا ہے۔ بہ ظاہر یہ لگتا ہے کہ ابھی کاٹ کر رکھ دے گی، مگر وہ صرف دیکھنے کی حد تک تلوار

---

[1] ترجمہ و تشریح۔ کل ایک شیخِ طریقت چراغ لے کر شہر کے گرد گھوم رہا تھا (اور یہ کہہ رہا تھا) کہ میں شہر میں بسنے والے چوپاؤں اور درندوں سے سخت تنگ آگیا ہُوں! مجھے کسی انسان کی تلاش ہے۔ گویا عارفِ رومیؒ کے نزدیک شہروں کی رونقیں اور آبادیاں، لوگوں کے ہجوم، چہل پہل اور تعداد کی کثرت پر موقوف نہیں بلکہ معدودے چند باکمال انسانوں کے وجُودِ مسعود سے عبارت ہیں۔ مولانا رومؒ کے مذکورہ بالا شعرِ لطیف کی معنوی رفعتوں کا جواب تو مشکل ہے تاہم کسی اُستاد کا یہ شعر بھی خالی از لطف نہیں ؎

یک نعرۂ مستانہ ز جائے نہ شنیدم　ویراں شود آں شہر کہ دیوانہ ندارد

ترجمہ۔ کہیں سے کسی کے نعرۂ مستانہ کی صدا میرے کانوں میں نہیں گونجی، جس (ضرورت سے زیادہ ہوشیار) شہر میں کوئی ایک آدھ دیوانہ بھی آباد نہ ہو، خدا کرے کہ وہ شہر برباد ہو جائے۔

ہوتی ہے؛ اگرچہ اُس کا نسب آب (پانی) سے ملتا ہے، لیکن اُس آب سے نہیں ملتا جو آبِ تیغ کہلاتا ہے۔ فارسی میں آب کئی معنوں میں آتا ہے، آب کے ایک معنی تو پانی کے ہیں اور دوسرے معنی اُس دھار یا چمک کے، جو تلوار کی کاٹ کا پتا دیتی ہے اور جسے آبِ تیغ کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح لکڑی کی تلوار اپنا سلسلۂ نسب آب (پانی) سے ملانے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ لوگ اُس کی ظاہری شباہت اور مماثلت سے اُسے حقیقی تلوار سمجھ لیں تو یہ اُس کی نادانی ہے، وہ اِس لئے کہ حقیقت شناس اور نکتہ رس نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ اُس کی ظاہری شکل تو تلوار ایسی ہے اور اُس کا نسب بھی آب سے ملتا ہے، مگر یہ ہے تو بہرصورت مصنوعی تلوار۔ اُس میں کوئی ذاتی جوہر نہیں اور پھر اُس کا سلسلۂ نسب مطلق آب سے ملتا ہے، آبِ شمشیر یا آبِ تیغ سے اُس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اِس تمثیلی مصرعِ ثانی سے جو بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی، وہ یہ ہے کہ نسب انسان کو اگر کچھ دے سکتا ہے تو صرف انسانی شکل و شباہت۔ یہ ضروری نہیں کہ جو اپنی ہیئتِ کذائی عُلماء و فُضلاء سے ملانے کی کوشش کرتا ہو، وہ درحقیقت علّامہ بھی ہو۔ شکل و شباہت بھی اُسی کو فائدہ دے سکتی ہے جس میں کچھ جوہرِ ذاتی بھی ہو، ورنہ اُس کی مثال لکڑی کی تلوار جیسی ہے، جو ڈرائنگ رُوم کی زینت تو بن سکتی ہے، مگر مکھی کا پر تک کاٹ نہیں سکتی۔ گویا صورت کے ساتھ سیرت کا ہونا اور پھر مُشَبَّہ اور مُشَبَّہ بِہٖ کے درمیان وجہِ شبہ کا ہونا لازمی امر ہے۔

## ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ

کبھی کبھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ آیتِ مودّت میں الفاظ (فی القربیٰ) سے مُراد آلِ عبا یعنی سیّدہ فاطمہؓ، حسنینؓ اور جناب علی علیہم السلام نہیں ہو سکتے، اِس لئے کہ یہ آیت مکّیہ ہے اور مکہ میں حسنینؓ پاک علیہما الرّضوان کی ولادت ہی نہیں ہوئی تھی اور روایاتِ نزُول بالمدینہ ضعیف ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا نزُول اگرچہ مکہ ہی میں ہو، مگر آلِ عبا میں قرابتِ مُصطفوی کے معنی بابلغ الوجوہ پائے جاتے ہیں، لہٰذا اِن حضرات کا آیۂ مودّت کا مصداق و مُراد ہونا بطریقِ اَولیٰ ہوگا، بہ نسبت اُن اقارب کے، جو مکہ میں نزُولِ آیت کے وقت موجود تھے۔

مجدّدِ ملّت حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ اِس اعتراض کے جواب میں ایک اور

آیتِ قرآنیہ پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ اَقُوْلُ اور یہ ضروری امر نہیں کہ نزولِ آیت کے وقت محکوم علیہ کے کُل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اُس وقت کے موجود افراد پر وہ حکم محصُور ہو۔ مثلاً بنی اسرائیل کے متعلق بہ عہدِ موسوی توریت میں پیشگوئی مُندرج تھی کہ تم دو دفعہ ارتکاب جُرم و معاصی کروگے اور سزا پاؤگے۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ اِس آیت میں یہودِ مدینہ بنُو قُریظہ اور بنُو نُضیر سے خطاب ہے، جو نزُولِ توراۃ کے صدیوں بعد مدینہ منورہ میں موجود ہوئے اور اُن کے لئے حکمِ باری تعالیٰ ہوا وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا، یعنی اگر تم فساد کی طرف عَود اور رجوع کروگے تو ہم بھی سزا اور عذاب دیں گے اور چونکہ اُنہوں نے فساد کی طرف عَود کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نہ مانا، لہٰذا من جانب اللہ سزا دیئے گئے۔ بنُو قُریظہ قتل کیے گئے اور بنُو نُضیر پر جزیہ عائد کیا گیا اور وہ وطن سے نکالے گئے۔ اِسی طرح اہلِ قُربیٰ میں حسنین پاک علیہما الرضوان داخل ہیں، جب کہ وہ اُس وقت پیدا نہ ہوئے تھے اور اہلِ کِساءؓ کے بارے میں بلحاظِ قرابتِ کاملہ جو احادیثِ نبوی اور نقلِ متواتر سے ثابت ہے، یہ کہنا کہ آیتِ مودّت اِنہی کی شان میں نازل ہوئی، صحیح ٹھہرا اور آثارِ ذیل بالکلیہ درست۔[2]

حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تحقیقِ انیق پڑھ کر معلوم ہوا کہ جس طرح سُورۂ بنی اسرائیل کی محوّلہ بالا آیت میں یہودِ مدینہ بنُو قُریظہ اور بنُو نُضیر سے خطاب ہے، حالانکہ توراۃ جنابِ موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوئی اور اُس وقت مذکورہ قبائل کا دُنیا میں وجود ہی نہ تھا اور کئی صدیوں بعد یہ قبائل مدینہ منورہ میں وارد ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تقدیر کا فیصلہ اُن کے موجود ہونے سے کئی سو سال پہلے توراۃ میں کر دیا۔ جیسا کہ آیتِ محوّلہ میں اِس کی صراحت کی گئی، بالکل اِسی طرح اگرچہ آیۂ مودّت کے نزُول کے وقت حضرات حسنینؓ اِس دُنیا میں تشریف نہیں لاتے تھے، مگر وہ اِس آیت کے حکم میں بطریقِ اَولیٰ داخل ہیں، کیونکہ سیّدہ

---

[1] القرآن ۱۷: ۴-۵

[2] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، از حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ، ص ۶۱، مطبوعہ لاہور

زہرا سلام اللہ علیہا اور حسنینؓ سے زیادہ اہلِ قربیٰ اور کون ہو سکتے ہیں۔ اگر ان چار نفوسِ مقدسہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قربیٰ میں شمار نہ کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ حضرات تو حضور علیہ السلام کے قریبیوں میں سے نہیں تو کیا انہیں دُور والوں میں شمار کیا جائے؟ یہ عجیب وغریب منطق ہے کہ بیٹی، نواسے اور چچا زاد (داماد) تو اہلِ قربیٰ میں سے نہیں، البتہ دُور کے رشتہ دار اہلِ قربیٰ ہو سکتے ہیں۔ شاید ایسا کہنے والوں کے نزدیک قربیٰ بمعنیٰ اقرب (زیادہ نزدیک یا نزدیکی) کے نہ ہوگا، بلکہ دُور اور بعید کے معنوں میں ہوگا۔ ایسا تفقہ فی القرآن رکھنے والوں سے کیا بعید کہ وہ لفظِ بعید کو نزدیک کے معنوں میں استعمال کرتے ہوں اور قریب کو دُور کے معنوں میں۔ گویا اُن کو ع مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے۔ واقعی یہ اعتراض عام طور پر کیا جاتا ہے کہ جب حسنینؓ نزولِ آیہ مودت کے وقت پیدا ہی نہ ہوئے تھے تو اُنہیں اس حکم میں کیونکر شامل کیا جا سکتا ہے، مگر مجددِ گولڑویؒ کی محققانہ نگاہ نے اِس کا ثبوت ایک اور آیتِ کریمہ سے فراہم کر دیا۔ جو منصف مزاج اور علمی بصیرت رکھنے والے انسان کے لئے بلاشبہ ایک حیرت انگیز استناد کا درجہ رکھتا ہے۔

رشتے اور عقیدت سے ہٹ کر بھی جب کبھی اُن کے ایسے بصیرت افروز دلائل نظر سے گزرتے ہیں تو میرے دل و دماغ پر عالمِ وجد وکیف طاری ہو جاتا ہے اور ذہن بے اختیار یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ آپ واقعتاً مولا علیؓ اور غوثِ جلیؒ کے حقیقی جانشین اور آل تھے۔ بے شک اُن کا درجِ ذیل شعر مبنی بر حقیقت ہے۔

تا یافتہ ام خبرے از بابِ عُلومِ دل
دلدادہ بہ مہرِ آں شہ حیدرِ کرارم

ترجمہ۔ جب سے مجھ پر عُلومِ دل کے دروازے کھُلے تو میں جنابِ حیدرِ کرار کا شیدا ہو گیا، کیونکہ یہ سب اُنہی کا فیضان ہے۔ پنجابی کے ایک مقطع میں اِسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

؎ مہر ہے ساری علیؓ دی شک نہ رہ گیا اِک ذرا

بہرحال آپؒ نے یہ ثابت فرما دیا کہ صرف یہی نہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں، بلکہ ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ علمی تحقیق اور حقیقی علم اِسے کہتے ہیں جو حضرت اعلیٰ گولڑویؒ جیسے اکابرِ اُمت کو عطا کیا گیا۔ آج کل کے ٹامک ٹوئیاں مارنے والے بعض دانشور جو بزعمِ خود مفسرِ قرآن اور محدث کہلاتے ہیں، جب کہ عربی زبان کے ابجد سے بھی

کورے ہیں، وہ بے چارے ایسے عُلمائے ربّانی (جنہیں علمِ لدُنّی سے بھی نوازا گیا ہوتا ہے) کا کیا مقابلہ کریں گے۔

کفو کے بارے میں ہم حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے موقف کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اگر کوئی آیت ایسی ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ ولی اور لڑکی دونو رضامند ہی کیوں نہ ہوں تو حضرتؒ ضرور وہ آیت بطورِ دلیل پیش فرماتے۔ وہ حکم جو قرآن مجید کی کسی آیت سے عبارۃ النص[1]، دلالۃ النص[2]، اشارۃ النص[3] یا اقتضاء النص[4] کے طور پر بھی ثابت نہ ہو، اُس کے لئے خواہ مخواہ کی تاویلات کرنا تفسیر بالرّائے کے مترادف ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ بہرحال متذکرہ بالا تصریحات سے یہ بات طے ہو گئی کہ قرآنِ مجید میں اہلِ بیتِ کرام کا جو مقام بیان کیا گیا اور اللہ و رسول کے نزدیک جو اُن کا مرتبہ ہے، اُس میں دُنیا کا کوئی فرد شریک نہیں اور یہ اُن پر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے:
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ[5]

# ازواج و بنات کی خصوصی شان

## (تعمیم بعد التخصیص)

جیسا کہ مذکور ہوا کہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ[6] کی آیتِ کریمہ میں ازواج اور دُخترانِ طاہرات کا ذِکر نساء المؤمنین (مومنہ خواتین) سے پہلے کیا گیا، حالانکہ پردے کا حکم مسلمانوں کی عورتوں، ازواجِ مُطہّرات اور صاحبزادیوں سب کو

---

[1] عبارۃ النص: نص کے الفاظ سے استدلال کیا جائے اور وہ الفاظ اُس مقصد کے لئے بولے گئے ہوں۔
[2] دلالۃ النص: نص کے معنیٰ سے استدلال کیا جائے اور وہ معنیٰ بہ اعتبارِ لُغت سمجھے جائیں۔
[3] اشارۃ النص: نص کے الفاظ سے استدلال کیا جائے، مگر وہ الفاظ اُس مقصد کے لئے نہ بولے گئے ہوں۔
[4] اقتضاء النص: وہ مفہوم کہ عقلاً یا شرعاً نص کی صحت اُس پر موقوف ہو۔
[5] القرآن ۳: ۲۶
[6] القرآن ۳۳: ۵۹

یکساں طور پر شامل ہے۔ اصطلاح میں اسے تعمیم بعد التخصیص کہا جاتا ہے، یعنی کسی بات کو مخصوص کرنے کے بعد عمومی حکم دینا اور عمومی حکم دینے کے بعد کسی بات کے مخصوص کرنے کو تخصیص بعد التعمیم کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے یہاں دو آیات بطورِ مثال پیش کی جاتی ہیں:۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ[1] (ترجمہ) جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے ان کافروں کا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ[2]۔ (ترجمہ) اُترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اس میں مذکورہ بالا ہر دو آیات میں جبرائیل و میکائیل اور ذکرِ ملائکہ کے بعد روح کے خصوصی ذکر سے مراد اُن کی فضیلت کا اظہار ہے، ورنہ ملائکہ میں جبرائیل و میکائیل شامل ہی تھے! اسی طرح ملائکہ کے بعد الرّوح کا ذکر دیگر ملائکہ سے اس کا امتیاز و اختصاص ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ یعنی عام ملائکہ اور اُن کے مراتب میں جو غیر معمولی فرق و امتیاز ہے، اُسے واضح کرنے کے لئے جبرائیل و میکائیل اور الرّوح کا بعد میں بطورِ خاص ذکر کیا گیا۔ یہ تھی تخصیص بعد التعمیم کی مثال۔ اب تعمیم بعد التخصیص کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ[3] (ترجمہ) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی، جیساکہ نوح اور اُس کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف وحی کی۔ اس آیت میں حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر سے پہلے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی طرف وحی بھیجنے کو خصوصیت سے بیان کیا گیا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ امتیاز و اختصاص پر دلالت کرتا ہے، ورنہ نبی ہوتا تو سب کو شامل ہے۔

دوسری آیت:۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ[4] (ترجمہ) کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو نازل کیا گیا

[1] القرآن ۲ : ۹۸
[2] القرآن ۹۷ : ۴
[3] القرآن ۴ : ۱۶۳
[4] القرآن ۲ : ۱۳۶

ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ اِس آیتِ مُبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کا ذکر جنابِ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء علیہم السّلام سے پہلے کیا جانا، جنابِ ابراہیمؑ اور اُن کی ذُرّیت کے اختصاص و امتیاز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے؛ ورنہ منصبِ نبوّت پر تو سب ہی فائز ہیں۔ گویا آیتِ مذکورہ میں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی ذُرّیت کا جنابِ موسیٰؑ و عیسیٰؑ سے پہلے ذکر کرنا اُن کی شانِ اختصاص پر دلالت کرتا ہے اور پھر جنابِ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا نام لے کر اُن کو اُن انبیاء علیہم السّلام سے ممتاز و منفرد کر دیتا ہے جن کا نام نہیں لیا گیا اور وَمَآ أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ کی عمُومیت کے ذکر پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ اِسے اصطلاح میں تعمیم بَعدَ التخصیص کہا جاتا ہے، جس طرح آیتِ مذکورہ بالا میں خداوندِ عالم نے جنابِ ابراہیمؑ اور اُن کی ذُرّیت کے ذکر کو جنابِ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام سے مُقدّم کیا، تاکہ اُن کی خصُوصیت و امتیاز کا پہلو نمایاں رہ سکے؛ بالکل اِسی طرح يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ کی آیتِ مُبارکہ میں نساء المؤمنین کے حکمِ تعمیمی سے پہلے ازواج اور دُخترانِ پاک نہاد کا ذکر اُن کی تخصیص اور اُن کے عُلُوِّ مرتبت پر دلالت کرتا ہے، حالانکہ اگر یُوں کہہ دیا جاتا۔ قُلْ لِّنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ تو بھی تخصیص بَعدَ التعمیم کے تحت اُن کی معنویت جُوں کی تُوں ثابت اور برقرار رہتی، جیسا کہ جبرائیل و میکائیل والی آیت میں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مُطہرات اور دُخترانِ پاک نہاد کے لئے یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ اُن کا ذکر نساء المؤمنین کے بعد ہو، بلکہ اُن کے اظہارِ فضیلت اور اُن کی شانِ امتیاز و اختصاص کو مزید اُجاگر کرنے کے لئے اُن کے ذکرِ خیر کو مُقدّم فرمایا۔ جو لوگ قرآنِ حکیم کی فصاحت و بلاغت اور علم المعانی والبیان کا درک رکھتے ہیں، وہی اِن حقائق و اسرار سے کماحقہٗ محظوظ ہو سکتے ہیں۔

آیۂ تطہیر کی تفصیلِ مذکورہ میں ایک نکتہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین، سیّدہ زہرا اور جنابِ علی رضوان اللہ علیہم کو بھی اِس تطہیر میں پھر شامل کیا۔ اگرچہ اہلِ بیت کے الفاظ نے تمام افرادِ خانہ کو،

جن میں حسنینؓ، سیدہ زہراؓ بتولؓ اور سیدنا علیؓ اور دیگر صاحبزادیاں بھی تھیں، شامل تطہیر کر لیا تھا، مگر اس میں مزید اختصاص پیدا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کو دوبارہ آیہ تطہیر میں شامل فرمایا۔

چنانچہ مجدد ملت حضرت اعلیٰ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ اس واقعہ کو یوں نقل فرماتے ہیں:۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ بَیْتِهَا عَلٰی مَنَامَةٍ عَلَیْهِ کِسَاءٌ خَیْبَرِیٌّ فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ بِبُرْمَةٍ فِیْهَا خَزِیْرَةٌ فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم اُدْعِیْ زَوْجَكِ وَابْنَیْكِ حَسَنًا وَحُسَیْنًا فَدَعَتْهُمْ فَبَیْنَمَا هُمْ یَأْکُلُوْنَ اِذْ نَزَلَتْ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا[1] فَاَخَذَ النَّبِیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم بِفَضْلِهٖ فَغَشَّاهُمْ وَاِیَّاهَا ثُمَّ اَخْرَجَ یَدَهٗ مِنَ الْکِسَاءِ وَاَلْوٰی بِهَا اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ (وَفِیْ رِوَایَةٍ وَخَاصَّتِیْ) فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا قَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَاَدْخَلْتُ رَاْسِیْ فِی السِّتْرِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَاَنَا مَعَکُمْ فَقَالَ اِنَّكِ عَلٰی خَیْرٍ مَرَّتَیْنِ[2] (مسند احمد وغیرہ) حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر بستر پر آرام فرما تھے اور ایک خیبری[3] چادر اُوپر ڈالی ہوئی تھی، اِس حال میں سیدہ فاطمہؓ ایک برتن لائیں، جس میں طعام تھا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا

---

[1] القرآن ۳۳: ۳۳

[2] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، ص ۵۵، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۹ء

[3] واضح ہو کہ تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ کے ص ۵۵ پر نقل کردہ حدیثِ مُبارک میں سہوِ کتابت سے حِبَرِیٌّ کے بجائے خَیْبَرِیٌّ، اِذْ کے بجائے اِذَا اور عَلٰی کے بجائے اِلٰی لکھا گیا ہے۔ لفظ حِبَرَۃ کی تحقیق کے سلسلے میں صاحبِ منجد لکھتے ہیں، حِبَرَۃ ضَرْبٌ مِنْ بُرُوْدِ الْیَمَنِ یعنی حِبَرَۃ یمنی چادروں میں سے ایک قسم کی چادر کا نام ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو المنجد فی اللغۃ و الاعلام (عربی) مؤلفہ الاب لوئس معلوف الیسوعی لبنانی (م ۱۹۴۶ء) ص ۱۱۲، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت، سنِ طباعت ۱۹۸۸ء) مصنف

کہ اپنے خاوند اور دونو بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو بھی بلاؤ! جب یہ حضرات کھانا تناول فرما رہے تھے تو آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا کچھ حصّہ اُن کے اُوپر ڈال کر اُنہیں اِس میں ڈھانپ لیا، پھر چادر سے اپنا دستِ پاک نکال کر آسمان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! یہ میرے خاص اہلِ بیت ہیں، اِن سے رجس اور ناپاکی زائل فرما اور اِنہیں خُوب پاک فرما دے۔ آپ نے تین بار اِس طرح فرمایا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں: مَیں نے اپنا سر چادر کے اندر کر کے عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ! مَیں بھی آپ کے ساتھ ہُوں؟ آپ نے جواباً دو مرتبہ فرمایا: تُو بھلائی اور خیر پر ہے۔

## اہلِ کِساء کی جُداگانہ تطہیر

مذکورہ بالا حدیثِ پاک سے آلِ کِساء یعنی سیّدہ زہرا بتول، حسن، حسین اور سیّدنا علی علیہم السّلام کے لئے جُداگانہ تطہیر معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ آیۂ تطہیر کے نزُول کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنہی حضرات کو چادر کے اندر داخل فرمانا، تین مرتبہ دُعا مانگنا اور فرمانا: فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا، بلا شُبہ ایک نرالی تطہیر ہے۔ اِس طَهِّرْهُمْ کے یہ معنیٰ نہیں کہ اہلِ کِساء علیہم السّلام کے لئے جُداگانہ احکامِ شرعیہ بھیج، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اِن کو طہارتِ کاملہ سے مُشرّف فرما۔ اِس حدیثِ پاک میں جُملہ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَخَاصَّتِيْ قابلِ غور ہے۔ اِن چار مُبارک ہستیوں کی خصُوصیت لفظِ خاصّتی سے تو ظاہر ہے ہی، مگر اِس کے علاوہ لفظِ هٰؤُلَاءِ سے جو خصُوصیت اور امتیازی وصفِ اہلِ بیت مقصُود ہے، اُسے اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ تطہیر کے نزول کے بعد اِن چار نفُوسِ مُطہرہ کو جس وجہ سے بھی داخلِ رداء کے طہارت فرمایا، اِس کی حقیقی علّت تو ہمارے ادراک سے بالاتر ہے، البتہ اِتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کے ایسا کرنے سے ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا، وہ یہ کہ جو لوگ آیۂ تطہیر میں صرف ازواجِ مطہرات ہی کو شامل سمجھتے ہیں اور دوسرے افرادِ خانہ کو نہیں، اُن کے اِس وہم کے رفع کے لئے شاید ایسا کیا ہو اور اُمّ المومنین حضرت سلمہؓ نے جب چادر میں داخل ہونا چاہا تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ تُو بھلائی پر ہے۔ مقصد یہ تھا کہ تُو تو آیۂ تطہیر میں (بہ نسبتِ زوجیّت) داخل ہے ہی۔

اُمّت کے بعض کج اندیش افراد سیدنا علی، حسن، حسین اور سیدہ زہرا علیہم السّلام کے لئے مختلف حجّتیں پیش کرتے ہیں کہ یہ افراد کیوں کر شامل ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے آپ نے خصُوصاً دوسری مرتبہ اپنی چادر مُبارک میں ڈھانپ کر اُنہیں آیۂ تطہیر میں داخل فرمادیا؛ گویا صورتِ مذکورہ کے مطابق آلِ عبا کو آیۂ تطہیر کا مصداق بننے کے دو مواقع نصیب ہوئے، ایک وہ جس میں حضور علیہ السّلام نے اُن پر چادر ڈال کر بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی کہ اے الٰہ العالمین! میرے خاص اہلِ بیت یہ افراد ہیں، گویا علی، زہرا، حسن اور حسین علیہم السّلام کی تطہیر قرآنِ مجید سے بھی ثابت ہو گئی اور حدیثِ پاک سے بھی۔ تاکہ جو لوگ خود کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، وہ قرآنِ مجید کی رُو سے اُن کی طہارت کو تسلیم کریں اور جو غیر مُقلد افراد اہلِ حدیث ہونے کے مُدّعی ہیں، وہ حدیث کی رُو سے مزید طمانیت حاصل کر سکیں۔

آیۂ تطہیر کی طرح آیتِ مَوَدّت بھی اہلِ بیت کی خصُوصیات اور اُن کی شان کو واضح کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ[1] (ترجمہ) فرمادیجئے (یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ مَیں تم سے اِس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا، دوستیِ اہلِ قرابت کے سوا اور جو کوئی نیکی کرے گا، ہم اُس کے لئے اِس میں ثواب بڑھائیں گے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا قدردان ہے۔

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی، جب بعض مشرکین نے ایک اجتماع میں کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے عمل (تبلیغِ دین) کے لئے اجر و معاوضہ چاہتا ہے۔ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوبؐ! کہہ دیجئے کہ تم سے اپنے کام کے لئے کچھ اجر نہیں چاہتا، جیساکہ انبیائے سابقہ علیہم السّلام نے بھی نہ چاہا؛ البتّہ یہ چاہتا ہُوں کہ قرابتِ مابین کو جو مجھے تمہارے ہر بطن کے ساتھ ہے، ملحوظ رکھ کر مجھ سے پیار رکھو اور ایذا نہ دو، کیونکہ شرع، عادت اور مروّت کا مقتضیٰ یہی ہے اور پھر صلۂ رحمی پر تم بھی تو فخر کرتے ہو۔

---

[1] القرآن ۴۲ : ۲۳

# مُوَدّتِ اہلِ بیت کا وُجُوب

اِس سلسلے میں قُطب دوراں حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کے الفاظ ملاحظہ ہوں :- جاننا چاہیئے کہ اِس آیتِ کریمہ کے دو محل ہیں، ایک تو وہ جو اُوپر مذکور ہوا۔ اِس تقدیر پر اِلَّا الْمَوَدَّةَ میں مَوَدَّةَ سے مُراد مَوَدَّتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوگی اور کلمۂ فِی سببیّت کے لئے یا لام کے معنیٰ میں ہوگا، یعنی آپ کی محبت بوجہِ قرابت مطلوب ہے۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ مَوَدَّةَ سے مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کی دوستی ہو، اِس صورت میں کلمۂ فِی ظرفیت کے لئے اور ظرف مُستقر اَلْمَوَدَّةَ سے حال ہوگا اور آیت منجملہ اُن آیات کے ہوگی، جن میں فضائلِ اہلِ بیت، سیدہ فاطمہ، علی، حسن، حسین علیہم السلام خصُوصاً اور اہلِ قرابتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمُوماً، بشرطیکہ وہ مومنین سے ہوں، بیان کئے گئے ہیں۔ تفسیر رُوح البیان وغیرہ میں ہے کہ اِس آیت کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مَن قرابتُکَ ھٰؤلاءِ الَّذِین وجبت علینا مودتھم۔ یعنی آپ کے اہلِ قرابت اور رشتہ داروں میں وہ کون لوگ ہیں، جن کی دوستی ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا، علیؓ، فاطمہؓ اور اُن کی اولاد۔[1]

محمود عباسی اور اُن کے ہم مسلک تو یہاں تک کہتے ہیں کہ واقعۂ کربلا ایک فرضی کہانی ہے اور شہادتِ حسینؓ شہادت ہی نہیں، بلکہ ایک حادثاتی قتل ہے (نعوذ باللہ) حسینؓ ہوسِ اقتدار کے نشے میں یزید سے ٹکرلے بیٹھے، چونکہ خارجیوں کے قول کے مطابق یزید پلید امیر المومنین تھا، اِس لئے مجرم بغاوت میں نواسۂ رسول اور جگر بندِ علیؓ و بتولؓ کو چھوٹوں بڑوں سمیت موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

مسلمانو! خدا کے لئے اِس ازلی بدبخت گروہ کے باطل اور گمراہ کن افکار سے متاثر نہ ہونا ورنہ تم بھی کل تاجدارِ مدینہ کے سامنے جاتے ہوئے گھبراؤ گے، نہ جی بھر کر آپ کے چہرۂ محشر افروز کی زیارت کر سکو گے اور نہ اُس مازاغ البصر والی آنکھ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکو گے۔ یہ مغضوب و نامراد گروہ پاکستان بھر میں اپنا گندہ لٹریچر پھیلا رہا ہے، اِس لئے ڈٹ کر اِن کی

---

[1] دیکھئے تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ، از حضرت اعلیٰ گولڑویؒ، ص ۹۵، مطبوعہ لاہور

مخالفت کرو اور ان سے ترکِ تعلق کرو۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صحابی کو جو مقام دیا ہے، اُسے اُسی نظر سے دیکھو اور اہلِ بیت سے ٹوٹ کر محبت کرو؛ اس لئے کہ سیدنا علیؓ، سیدہ زہرا بتولؓ اور حسینؓ وحسنؓ مجتبیٰ اور ان کی اولاد کی محبت ہی سرمایۂ آخرت ہے۔ اس بارے میں بے شمار مستند احادیث بطورِ ثبوت پیش کی جاسکتی ہیں، چونکہ یہ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، لہٰذا یہاں چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

## فضیلتِ اہلِ بیت احادیث کے آئینے میں

اہلِ بیتِ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی فضیلت تو قرآنِ پاک سے ثابت ہو چکی ہے۔ اب آیئے احادیث کی طرف۔ اگر فضیلتِ اہلِ بیت کے بارے میں تمام احادیث کا تفصیلاً ذکر کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا بمصداق مُشتے نمونہ از خروارے، چند احادیث کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

۱۔ نَقَلَ الْقُرطبي عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قولهٖ تعالیٰ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ قَالَ رَضَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم اَن لَا يَدْخُلَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ النَّارَ[1] (ترجمہ) قرطبیؒ نے ابنِ عباس سے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے کوئی فرد جہنم میں داخل نہ ہو۔

۲۔ وَاَخْرَجَ الحاكم وَصَحَّحَهٗ اَنَّهٗ صلى الله عليه وسلم قَالَ: وَعَدَنِي رَبِّي فِي اَهْلِ بَيْتِي مَنْ اَقَرَّ مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيْدِ وَلِي بِالْبَلَاغِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ[2] (ترجمہ) حاکم نے یہ روایت کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہلِ بیت کے معاملہ میں مجھ سے یہ وعدہ فرمایا کہ ان میں سے جس نے خدا کی توحید اور میرے بارے میں تبلیغ و نبوت کا اقرار کیا، اُسے عذاب نہیں دے گا۔

۳۔ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ ابُوبکرؓ: اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم

---

[1] دیکھئے نور الابصار (عربی) ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر

[2] دیکھئے الصواعق المحرقہ (عربی) ص ۱۱۴، مطبوعہ مصر

فِیۡ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ[1] (رواہ البخاری) (ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ اہلِ بیت کے معاملہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدِّ نظر رکھو۔

۴۔ عَنۡ اَبِیۡ ذَرٍّ وَسَمِعۡتُہٗ یَقُوۡلُ: اِجۡعَلُوۡا اَھۡلَ بَیۡتِیۡ مِنۡکُمۡ مَکَانَ الرَّأۡسِ مِنَ الۡجَسَدِ وَمَکَانَ الۡعَیۡنَیۡنِ مِنَ الرَّأۡسِ وَلَا تَھۡتَدِیۡ الرَّأۡسُ اِلَّا بِالۡعَیۡنَیۡنِ[2]

(ترجمہ) حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ تم میرے اہلِ بیت کو اپنے نزدیک وہی حیثیت دو، جو جسم میں سر کو اور سر میں دو آنکھوں کو ہوتی ہے اور سر ہدایت نہیں پاتا، مگر دو آنکھوں سے۔

(تشریح) مطلب یہ کہ سر اگرچہ جسم کا ایک حصّہ ہے، مگر قدرت نے اُسے جسم کا ایک حصّہ ہوتے ہوئے بھی جن خصوصیات اور جس شانِ امتیاز سے نوازا، وہ جسم کے کسی دوسرے حصّے کو حاصل نہیں۔ مثلاً سر کا وادیٔ جسم میں بہ اعتبارِ بلندی نُقطۂ عروج پر ہونا، اِس کا ایسے خزانوں کا محافظ ہونا، جنہیں حِسِ مُشترک، خیال، وہم، قوّتِ مُتصرّفہ، مُتخیّلہ، مُفکرہ اور حافظہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور دماغ جو اِن تمام قُویٰ کا جنرل ہیڈ کوارٹر ہے اور جس پر ساری حیاتِ انسانی کا دار و مدار ہے، سر ہی میں محفوظ ہے۔ گویا اِن تمام خصوصیات کا سہرا سر کے سر ہی ہوتا ہے۔ وُجودِ انسانی میں سر کی مُسلّمہ اہمیت کے باوجود اُسے بھی رہنمائی کے لئے آنکھوں کا محتاج بنایا گیا، اِس طرح بہ اعتبارِ افادیت آنکھوں کا مرتبہ سر سے اُونچا ہے، کیونکہ انسان کی دو آنکھیں سر سمیت پورے جسم کے لئے سامانِ رہنمائی مُہیّا کرتی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو انسان کا جسم کسی وقت بھی حادثات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ حدیثِ مذکورہ بالا میں عینین کا لفظ استعمال ہوا۔ یعنی دو آنکھیں۔ اِس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک آنکھ سے مُراد جنابِ حسنؓ اور دوسری سے مُراد جنابِ حُسینؓ ہیں۔ اِس مفہوم کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ اپنے جسم اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو صحیح خطوط پر گامزن کرے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ حسنینِ کریمین کی محبت اور شیفتگی کے چراغ اپنی آنکھوں

---

[1] دیکھئے بخاری شریف، جلدِ اوّل، باب قرابتِ رسول اللہ، ص ۵۲۰، مطبع محمدی بمبئی، سنِ طباعت ۱۲۸۰ھ

[2] دیکھئے اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار، از علامہ الشیخ محمد الصبان مصری، ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر

کی قندیل میں روشن کرے۔ خاقانیٔ ہند اُستاد ابراہیم ذوقؔ دہلویؒ نے کیا خُوب فرمایا ہے؎

سِبطینِ نبیؐ، یعنی حَسنؓ اور حُسینؓ  زہراؓ و علیؓ دونوں کے وہ نُورُ العین
عینک ہے تماشائے دوعالم کے لئے  اے ذوقؔ لگا آنکھوں سے اِن کے نَعلَین

مزید یہ امر بھی مُستفاد ہوتا ہے کہ اگر جسم اور سر کے لئے دو آنکھیں رہنمائی اور پیشوائی کا فریضہ انجام نہ دیں تو جسمِ انسانی کے لئے منزلِ مقصود تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اور اگر گرتے پڑتے رسائی حاصل بھی ہو جائے تو اُس میں اِتنا دَم خَم باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ کچھ لمحے آسُودگیٔ منزل کے مزے لے سکے یا حُقُوق و آدابِ منزل کے مقتضیات سے بہ تمام و کمال عُہدہ برآ ہو سکے۔ اگر ظاہری رسائی کے لئے آنکھوں کے مادّی وسیلہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے، تو کیا اُس عالَم تک رسائی کے لئے، جسے مابعد الطّبیعیّات یا دُنیائے رُوحانیّت و وجدان کے نام سے موسُوم کیا جاتا ہے، کسی ایسے مُربّی، اُستاد یا شیخِ کامل کی ضرورت نہیں، جو آنکھوں کی صُورت منزل نا آشناؤں کو آشنائے منزل کر دے۔ بقولِ خواجہ حافظ شیرازیؒ؎

ہیچ کسے بخویشتن رہ نبرد بہ سُوئے اُو
بلکہ بپائے اُو رود ہر کہ رود بہ کُوئے اُو

(ترجمہ) کوئی شخص ازخود کُوچۂ یار تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ جو شخص اُس کُوچے تک رسائی حاصل کرے گا، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی راہبر کا اِتّباع کرے۔

۵۔ اَخرجَ الطّبرانی والدّارقطنی مرفُوعًا اَوّلُ مَنْ اَشفَعُ لَهٗ مِن اُمّتِی اَھلُ بَیتِی ثُمَّ الاَقرَبُ فَالاَقرَبُ مِنْ قُریشٍ ثُمَّ الانصارُ ثُمَّ مَنْ اٰمَنَ بِی وَاتَّبَعَنِی مِنَ الیَمَنِ ثُمَّ سَائِرُ العربِ ثُمَّ الاعاجِمُ وَمَنْ اَشفَعُ لَهٗ اَوّلاً اَفضَلُ۔[1] (ترجمہ) یہ حدیث طبرانی اور دارقطنی نے مرفوعاً نقل کی ہے، جس میں رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میں اپنی اُمّت میں سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا، پھر قریب کے رشتوں کی، پھر قریش کے قریبی رشتوں

---

[1] دیکھئے الصّواعق المحرقہ (عربی) ص ۱۱۴، مطبوعہ مصر، ایضاً اسعاف الرّاغبین بر حاشیہ نُور الابصار، ص ۱۰۴، مطبوعہ مصر

کی، پھر انصار کی، پھر اُس شخص کی جو مجھ پر ایمان لایا اور میرا اتباع کیا یمن میں سے، پھر سارے عرب کی، پھر عجمیوں کی اور سب سے پہلے جن کی شفاعت کروں گا، یعنی اہلِ بیت، وہ اِن سب سے افضل ہیں۔

۶۔ وَاَخْرَجَ ابنُ سعدٍ والملّا فی سیرتہٖ اَنَّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِسْتَوْصُوْا بِاَھْلِ بَیْتِیْ خَیْرًا فَاِنِّیْ اُخَاصِمُکُمْ عَنْھُمْ غَدًا وَمَنْ اَکُنْ خَصْمَہٗ خَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنْ خَصَمَہُ اللّٰہُ اَدْخَلَہُ النَّارَ[1] (ترجمہ) ابنِ سعد اور ملّا نے اپنی کتاب میں روایت کی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیت سے بھلائی کرنے میں میری وصیت مانو، اگر تم نے اُن سے بھلائی نہ کی تو کل قیامت کے دن مَیں اپنے اہلِ بیت کے معاملے میں تم سے جھگڑوں گا اور مَیں جس سے خصومت کروں گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے خصومت کرے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ خصومت کرے گا، وہ اُسے جہنّم میں جھونکے گا۔

## اِیذائے رسول، اِیذائے خدا ہے

۷۔ شیخ الاسلام حضرت شہابُ الدین ابُو الفضل المعروف بابنِ حجر عسقلانی شافعی مصریؒ (م ۸۵۲ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں ایک روایت نقل کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:۔

عن سعیدِ المقبری وابنِ المُنکدرِ عن ابی ھریرۃ وعن عمارِ ابنِ یاسرٍ قالوا قَدِمَت دُرَّۃُ بنتُ ابی لھبٍ المدینۃَ مھاجرۃً ونزلت فی دارِ رافعِ بنِ المعلّی فقال لھا نِسوۃٌ من بنی زُریقٍ انتِ ابنۃُ ابی لھبٍ الّذی یقولُ اللہُ لہٗ (تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ) فما تغنی عنکِ ھِجرتُکِ فَاَتَتْ دُرَّۃُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فذکرت ذٰلک لہٗ فقال اِجلسی ثمّ صلّٰی بالنّاس الظھرَ وجلسَ علی المنبرِ ساعۃً ثمّ قال: ایھا النّاسُ! مالی اُوذٰی فی اَھلی فواللہِ اِنَّ شفاعتی لتنالُ قرابتی حتّٰی اَنَّ صدآءَ و

---

[1] دیکھئے نور الابصار (عربی) ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر

حَکَمًا وَّ سَلْهَبًا اِلَیْنَا لَهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ، دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ تُؤْذِیْنِیْ فِیْ نَسَبِیْ وَ ذَوِیْ رَحِمِیْ اَلَا وَ مَنْ اٰذٰی نَسَبِیْ وَ ذَوِیْ رَحِمِیْ فَقَدْ اٰذٰنِیْ وَ مَنْ اٰذٰنِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ۔[۱] (ترجمہ) سعید مقبری اور ابن منکدر حضرات نے ابُوہریرہ اور عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ابُولہب کی بیٹی دُرّہ[۲] نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور رافع بن مُعلّی کے گھر قیام پذیر ہوئیں۔ بنوزُرَیق کی عورتوں نے اُن سے کہا: تو اُسی ابُولہب کی بیٹی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ (ابُولہب کے دونو ہاتھ ٹُوٹ گئے) فرمایا ہے۔ تیری ہجرت تیرے لئے سُودمند نہیں۔ پس دُرّہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئیں اور سارا معاملہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جا، پھر آپ نے لوگوں کو نمازِ ظہر پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ بعد ازاں فرمایا: کیا بات ہے، مجھے میرے اقارب کے بارے میں ایذا پہنچائی جارہی ہے۔ پس (یاد رکھو) اللہ کی قسم میری شفاعت میرے اہلِ قرابت کو ضرور پہنچے گی، یہاں تک کہ دُور کے قبائل مثل صَدا، حَکَم اور سَلْهَب (کی اولاد) بھی روزِ قیامت اِس سے ضرور بہرہ ور ہوگی۔ (دوسری روایت کا ترجمہ) اُن اقوام کا کیا حال ہوگا، جو میرے نسب اور میرے قریب ترین رشتہ داروں کے معاملے میں مجھے ایذا پہنچاتے ہیں۔ خبردار! جس نے میرے اہلِ نسب اور میرے قریب ترین اعزّہ کو ایذا پہنچائی، یقیناً اُس نے مجھے ایذا پہنچائی، جس نے مجھے ایذا پہنچائی، اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی۔ (انتہیٰ)

---

[۱] دیکھئے الاصابہ فی تمییز الصحابہ (عربی) جلد ۴، ص ۲۹۷-۲۹۸، مطبوعہ مطبع السعادة مصر، سنِ طباعت ۱۳۲۸ھ

[۲] امام ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ابولہب کی بیٹی کے نام کی تحقیق میں دو روایتیں لکھی ہیں، ایک روایت کے مطابق اُس کا نام دُرّہ بنتِ ابی لہب اور دوسری روایت کے مطابق سُبَیْعَہ بنتِ ابی لہب ہے۔ امام عسقلانیؒ تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ لَهَا اِسْمَانِ اَوْ اَحَدُهُمَا لَقَبٌ اَوْ تَعَدَّدَتِ الْقِصَّةُ لِامْرَأَتَیْنِ (ترجمہ) احتمال ہے کہ اُس کے دو نام ہوں یا اُن میں سے ایک لقب ہو یا پھر یہ قصّہ دو عورتوں کی طرف منسوب ہو (ملاحظہ ہو الاصابہ ایضاً)

محوّلہ بالا ہر دو روایات سے معلوم ہوا کہ جو ذاتِ گرامی اپنے اُس چچا (جس کا کفر حتمی اور جس کی مذمت میں پوری سورۂ لَہَب اُتری) کی مومنہ بیٹی کے حق میں کسی قسم کے ہتک آمیز یا طنزیہ فقرے کو اپنی ذات کی ایذا قرار دیتی ہو، اُس ذاتِ والا تبار کی حقیقی صاحبزادی، جسے آپ نے فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي[1] (فاطمہؓ میرے دل کا ٹکڑا ہے) کے الفاظ سے یاد فرمایا ہو۔ جو کلمہ گو تحریر یا تقریر میں اُس کے متعلق اپنے دل میں بُغض و عناد رکھے یا اُس کی اولاد کو بُرا بھلا کہے تو خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ایسا کرنے سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریقِ اَولیٰ ایذا پہنچے گی یا نہیں؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اَبُو لَہَب کی بیٹی کو طعنہ و تشنیع سے اذیت پہنچانا خود اپنی ذات کو اذیت پہنچانے کے برابر قرار دیا، جب کہ اَبُو لَہَب نصِ قرآنی سے ثابت شدہ اور مُسلّم کافر ہے تو وُہ لوگ جو براہِ راست رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پاروں اور اہلِ بیت کے حق میں اپنی زبانِ فحش دراز کرتے اور اُن کی شان میں ناجائز اور گستاخ کلمات نکالتے ہیں، کیا اُن کے اِس فعلِ قبیح سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ اور اذیت نہیں ہوتی ہوگی؟ اگر براہِ راست اہلِ بیت کی عزت و تکریم اور اُن کے ادب کی توفیق نہیں تو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے ہی کم از کم اُن کا احترام کرنا چاہیے۔ اہلِ بیت کو جو شان اللہ تعالیٰ نے دی ہے، وہ کسی کے ادب اور تعریف کی محتاج نہیں، اُن کے لئے تو یہی عزت کافی ہے کہ وہ سیدُالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ مقدس کے چشم و چراغ ہیں۔ معلوم نہیں، معاندینِ اہل بیت اپنی قبروں کو عذابِ الٰہی کے انگاروں سے کیوں بھرتے ہیں۔ قارئین! اِس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں حسنینؓ کریمین اور سیدہ زہرا بتولؓ کی تعریف اور خصوصیت کے الفاظ ملتے ہیں۔

۸۔ وَاَخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي مِنْ بَعْدِي[2]۔ (ترجمہ) حاکم نے ابُوہریرہؓ سے روایت کی رسالتمآب

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب مناقبِ اہلِ بیت، ص ۵۶۸، مطبع الاسلامی لاہور، سنِ طباعت ۱۳۲۶ھ

[2] دیکھئے الصواعق المحرقۃ (عربی) از علامہ شہاب الدین ابن حجر الہیتمی المکی، ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے، جو میرے بعد میرے اہل سے اچھا سلوک کرے۔ یعنی میرے اہل بیت سے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

۹۔ عن ابنِ عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَحِبُّوا اللّٰہَ لِما یَغذُوکُم بِہٖ مِن نعمۃٍ وَاَحِبُّونِی لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوا اَھْلَ بَیتِی لِحُبِّی[۱]

(ترجمہ) حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعمتوں سے رزق دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیتؓ کے ساتھ محبت رکھو۔

۱۰۔ عن سعد بن ابی وقاصؓ قال لمّا نزلت ھٰذہِ الآیۃ نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ کُمْ دعا رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم علیًّا و فاطمۃَ وحسنًا وحُسَینًا فقالَ اللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیتِی[۲] (رواہ مسلم) ترجمہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے، جب آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی، سیدہ فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین علیہم السلام کو بلایا اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا، الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

۱۱۔ عن ابی سعیدٍ قالَ قالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الحَسَنُ و الحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الجَنَّۃِ[۳]۔ (ترجمہ) حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ (رواہ الترمذی)

۱۲۔ عن اسامۃَ ابنِ زیدٍ قالَ طَرَقْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتَ لَیلَۃٍ فِی بَعْضِ الحَاجَۃِ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَھُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰی شَیْءٍ لَا اَدْرِی مَا ھُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِی قُلْتُ مَا ھٰذَا الَّذِی اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَیْہِ فَکَشَفَہٗ فَاِذَا الحَسَنُ وَالحُسَینُ عَلٰی وَرِکَیْہِ فَقَالَ

---

[۱] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہل بیت، ص ۵۶۷، مطبوعہ القیومی کانپور (بھارت)

[۲] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہل بیت، ص ۵۶۷ - ۵۶۸، مطبوعہ کانپور

[۳] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، ص ۵۷۰، مطبوعہ کانپور

هٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رات کو کسی کام کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور علیہ السلام تشریف لائے، اِس حالت میں کہ آپ کوئی چیز اُٹھائے ہوئے تھے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا چیز تھی، جب میں کام سے فارغ ہوا تو عرض کیا۔ حضور کیا چیز اُٹھائے ہوئے ہیں؟ آپ نے اوڑھنے والی چادر ہٹائی تو دونو پہلوؤں میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اُٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: یہ میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! مَیں اِن سے محبّت رکھتا ہُوں۔ تُو بھی اِن سے محبّت فرما اور جو اِن سے محبّت رکھے، اُس سے بھی محبّت فرما۔

۱۳۔ اَخْرَجَ اَبُویَعلیٰ عَنْ سَلمۃَ ابنِ الاکوعِ انَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ النُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھلِ السَّمَآءِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ۔

ترجمہ۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستارے آسمان والوں کے لئے علامتِ امان ہیں اور میرے اہلِ بیت میری اُمّت کے لئے باعثِ امان و سلامتی ہیں۔

۱۴۔ عن جمیع بن عمیر قال دَخلتُ مَعَ عَمَّتِی علی عائشۃ فسألتُ اَیُّ النَّاسِ کانَ اَحَبَّ اِلٰی رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالَتْ فَاطِمَۃُ۔ فَقِیْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُھَا۔ (ترجمہ) جمیع بن عمیر کہتے ہیں کہ مَیں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا: لوگوں میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کون پسند تھا؟ اُنہوں نے فرمایا: فاطمہؓ۔ پھر کہا گیا: مَردوں میں سے کون؟ تو اُنہوں نے فرمایا: اُن کے خاوند یعنی حضرت علیؓ۔

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف ، ص ۵۷۰ ، مطبوعہ کانپور
[2] دیکھئے الصواعق المحرقہ ، ص ۱۱۴ ، مطبوعہ مصر
[3] دیکھئے مشکوٰۃ شریف ، باب مناقب اہلِ بیت ، ص ۵۶۹ ۔ ۵۷۰ ، مطبوعہ کانپور

۱۵۔ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم جَعَلَ اللّٰہُ قَبْرَہٗ مَزَارَ مَلٰئِکَۃِ الرَّحْمَۃِ۔[1] (ترجمہ) جس شخص کی موت آلِ محمد کی محبّت پر ہوگی، اللہ تعالےٰ اُس کی قبر کو فرشتوں کے لئے زیارت گاہ بنائے گا۔

۱۶۔ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ اٰیِسٌ مِّنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔[2] (ترجمہ) خبردار! جس کی موت آلِ محمد کی دشمنی پر ہوئی تو وہ قیامت کے دن اِس حالت میں آئے گا کہ اُس کی دو آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید ہے۔

۱۷۔ حُرِّمَتِ الْجَنَّۃُ عَلٰی مَنْ ظَلَمَ اَھْلَ بَیْتِیْ وَاٰذٰنِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ۔[3] (ترجمہ) جس نے میرے اہلِ بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو تکلیف پہنچا کر مجھے تکلیف پہنچائی، اُس پر جنّت حرام کر دی گئی۔

۱۸۔ اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ[4] خبردار! جس کی موت آلِ محمد کی محبت پر ہوئی، وہ طریقہ سُنّت وجماعت پر مرے گا۔

۱۹۔ اَخْرَجَ احمدُ والحاکمُ عَنِ المِسْوَرِ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فاطمۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ یُغْضِبُنِیْ مَا یُغْضِبُھَا وَیَبْسُطُنِیْ مَا یَبْسُطُھَا وَاَنَّ الْاَنْسَابَ تَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ غَیْرَ نَسَبِیْ وَسَبَبِیْ وَصِھْرِیْ۔[5]
ترجمہ۔ احمد اور حاکم نے حضرت مسورؓ سے اِس حدیث کو نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا: فاطمہؓ میرے جگر کا گوشہ ہے، جو اُسے غضبناک کرتا ہے، مجھے بھی طیش میں لاتا ہے، جس بات سے اُسے فرحت ملتی ہے، اُس سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور بے شک قیامت کے روز تمام کے انساب، سوائے میرے نسب، میرے

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح البیان، جلد ۳، ص ۵۴۳، مطبوعہ بُولاق مصر، سنِ طباعت ۱۲۷۴ھ
[2] دیکھئے ایضاً
[3] دیکھئے ایضاً
[4] دیکھئے ایضاً
[5] دیکھئے الصّواعق المحرقہ (عربی) ص ۱۱۵، مطبوعہ مصر

اقارب اور میرے سُسرال کے، منقطع ہو جائیں گے۔

۲۰۔ اخرجَ ابنُ ماجۃَ عَنِ العبّاسؓ ابنِ عبدِالمطلب اَنَّ رسُولَ اللہِ صلی اللہُ علیہ وسلم قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ اِذَا جَلَسَ اِلَیْھِمْ اَحَدٌ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ قَطَعُوْا حَدِیْثَھُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَدْخُلُ قَلْبَ امْرِءٍ الایمانُ حَتّٰی یُحِبَّھُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِیْ۔ (ترجمہ) ابنِ ماجہ نے حضرتِ عبّاس بن عبد المطلب سے نقل کیا ہے کہ بے شک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن اقوام کا کیا حال ہوگا، جب اُن کے پاس میرے اہلِ بیت میں سے کوئی فرد آکر بیٹھے تو وہ اپنی بات کاٹ[2] دیتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کسی دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ وہ لوجہِ اللہ میرے اہلِ بیت اور میرے اہلِ قرابت سے محبّت نہ کرے۔

## اہلِ بیت اور عقیدۂ اہلُ السُّنّۃِ والجماعۃ

افسوس ہے کہ اہلُ السُّنّت والجماعت کے عقائد شیعوں اور خارجیوں سے مُتاثّر ہونے لگ گئے۔ بعض لوگ جو خُود کو اہلِ سُنّت کہتے ہیں، اُنہوں نے شیعہ عقائد کی مخالفت میں اِس قدر غُلُو کیا کہ خارجیوں کی طرح گستاخ اور دریدہ دہن بن گئے اور بعض اہلِ سُنّت نے خارجیوں کے عقائد کی مخالفت میں اِتنا غُلُو کیا کہ وہ شیعوں کی طرح بے ادب ہو گئے۔ چونکہ خوارج گستاخانِ اہلِ بیت ہیں اور روافض گستاخانِ اصحابؓ، اِس لئے اِس کتاب میں دونوں کے عقائدِ فاسدہ اور مزعوماتِ باطلہ کی شدّت سے تردید کی گئی، یعنی اہلُ السُّنّت والجماعت کو خوارج اور روافض دونوں کے عقائد سے بچنا چاہیے اور اہلِ بیت و اصحابؓ کے ساتھ متوازن محبّت و نیاز کا اظہار کرنا چاہیے۔ وہ اِس طرح کہ ایک کی تعریف دوسرے کی تحقیر و تذلیل کا موجب نہ بننے پائے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] دیکھئے الصّواعق المحرقہ، ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر

[2] مطلب یہ ہے کہ ان (اہلِ بیت) حضرات کو غیر سمجھ کر بات ختم کر دیتے ہیں، تاکہ ان کی باتیں اُن (اہلِ بیت) سے پوشیدہ رہیں۔

نزدیک جس صحابی کی جو حیثیت اور مقام مُستند روایات سے ثابت ہے، اُس کے مطابق ہی اُس کی عزّت کرنی چاہیئے، یہی حال اہلِ بیت کا ہے۔ میرزا عبدالقادر بیدلؒ نے درجِ ذیل رُباعی میں اپنے عقائد کا اظہار بڑے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے ؎

باآلِ نبیؐ بندگیم ایمانی ست — با اصحابش ہماں نیازِ جانی ست
لیکن بزبانِ ہندیاں می گویم — ایں حرف، کہ دُشمنِ علیؓ مروانی ست

ترجمہ۔ اولادِ نبی کی غلامی میرے ایمان کا جُزو ہے، اِسی طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ میری نیازمندی حقیقی اور جانی ہے، مگر یہ بات میں اہلِ ہند کی زبان میں کہہ رہا ہُوں کہ علیؓ کا دُشمن صرف مروانی ہی ہو سکتا ہے، یعنی جو بنُو اُمیّہ کا طرفدار ہوگا یا اُن کے گُن گاتا ہوگا۔

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اولادِ رسول کی غلامی ایمان کا جُزوِ لاینفک ہے، اُسی طرح آپ کے صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم سے دل وجان کی نیازمندی ہونی چاہیئے اور جس کے قول وعمل سے اولادِ نبیؐ اور جنابِ علیؓ کی دُشمنی اور بُغض کی بُو آتی ہو تو ضرور اُس کے رگ وپے میں یا تو مروانی خُون رواں دواں ہوگا یا پھر اُس کے عقائد میں مروانیت کے عناصرِ عناد وتعصب موج زن ہوں گے ؎

بیدل ستم است رفضیانِ خُودسر — دارند زما توقعِ فحش ونظر
حاشا کہ شود بہ فحش وبہتانے چند — فرزندِ علیؓ، دُشمنِ بُوبکرؓ وعمرؓ

ترجمہ۔ بیدل یہ تو بڑے ستم کی بات کہ خُود سر اور دیوانے رافضی ہم سے فحش کلامی اور ناپاکی نظر کی توقع رکھتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ چند لوگوں کی فحش گوئی اور الزام تراشی کے بدلے علیؓ کا کوئی بیٹا ابُوبکرؓ وعُمرؓ کا دُشمن بن جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص شیعوں کی طرح اصحابِ ثلاثہؓ کے حق میں فحش کلامی سے کام لے اور اُمّہاتُ المؤمنین کی شان میں گستاخیاں کرے، اُسے وہ سچّا محبِّ اہلِ بیت کہتے ہیں اور اُسی کو سیّد بھی سمجھتے ہیں اور جو ایسا کرنے کو علامتِ کفر ونفاق سمجھے، اُس کے لئے نہ تو وہ مومن کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور نہ اُسے آلِ فاطمہؓ وعلیؓ کا سچّا شیدائی خیال کرتے ہیں، مگر بیدلؒ اِس کے برعکس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ فرزندِ علیؓ اور ذرّیتِ بتولؓ و رسولؐ میں سے ہونے کے مُدّعی ہیں اور اپنے نام کے ساتھ بڑی بے باکی سے سیّد کا لفظ

علامتِ نسب کے طور پر لکھ دیا کرتے ہیں، وہ یاد رکھیں کہ ابُوبکرؓ و عُمرؓ و عثمانؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا دُشمن خود کو ذُرّیتِ رسول کہلانے، اپنے نام کے ساتھ سیّد کا لفظ لکھنے اور فرزندیٔ علیؓ و بتولؓ کا دعویٰ کرنے کا قطعاً مجاز نہیں، اِس لئے کہ اصل ذُرّیتِ رسول اور حقیقی اولادِ علیؓ و بتولؓ کی علامت ہی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اصحابِ ثلاثہؓ اور اُمّہاتُ المؤمنین سے انتہائی عقیدت و نیازمندی سے پیش آئیں گے، اُن کے دُشمنوں اور گستاخوں کو اپنا دوست نہیں سمجھیں گے اور اُن کے دوستوں کو کبھی دُشمن نہیں جانیں گے، کیونکہ دُنیا میں دُشمنی اور دوستی اِن حالتوں سے باہر نہیں ہوتی۔ بابُ العُلوم حضرت مولا علیؓ کا ارشاد ہے:
اَصْدِقَاءُكَ ثَلٰثَةٌ وَ اَعْدَاءُكَ ثَلٰثَةٌ۔ فَاَصْدِقَاءُكَ صَدِيْقُكَ وَصَدِيْقُ صَدِيْقِكَ وَعَدُوُّ عَدُوِّكَ وَاَعْدَاءُكَ عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ صَدِيْقِكَ وَصَدِيْقُ عَدُوِّكَ۔[1] (ترجمہ) تیرے دوست بھی تین ہیں اور دُشمن بھی تین۔ پس تیرے دوست یہ ہیں۔ تیرا دوست، تیرے دوست کا دوست اور تیرے دُشمن کا دُشمن۔ تیرے دُشمن بھی تین ہیں۔ تیرا دُشمن، تیرے دوست کا دُشمن اور تیرے دُشمن کا دوست۔ (انتہیٰ)

اِس فارمولے کو سامنے رکھ کر اپنے گریبانوں میں ذرا جھانک لیں کہ کون کس کو دوست اور کسے دُشمن رکھتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، اُن کے نواسوں اور دیگر اہلِ بیت نے اصحابِ ثلاثہؓ اور ازواجِ مُطہرات کی ہمیشہ عزت و تکریم فرمائی، اُن کی تعریف کی اور کسی مُستند روایت سے اُن کی مخالفت ثابت نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ماں پر پُوت، پِتا پر گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اور اصلی اولاد میں سے ہوگا اور سیّد کہلائے گا، چاہے وہ گیلانی سیّد ہو، یا زیدی و طباطبائی۔ مذکورہ بالا ذواتِ مُقدسہ کا کبھی دُشمن نہیں ہو سکتا اور جو اُن سے دُشمنی یا اُن کی توہین کرے گا، وہ اصلی سیّد نہیں، بلکہ جعلی اور برساتی سیّد ہوگا۔

چونکہ شیعہ، سیادت کے لئے جو معیار مُقرّر کرتے ہیں، وہ معیار اصحابِ ثلاثہؓ اور ازواجِ مُطہراتؓ کے سبّ و شتم کا معیار ہے؛ اِس لئے ہماری طرف سے بھی سیادت کا پیش کردہ معیار سامنے رکھیئے۔ اگر آپ کا معیار بقول آپ کے درست ہے تو پھر ہمارا مذکورہ

---

[1] دیکھئے نہج البلاغہ (عربی) مجموعہ خُطباتِ علیؓ ابنِ ابی طالب، جلد ۴، ص ۸۱

معیار کیوں نادرست ہونے لگا؟ کیا آپ کے معیار کی تائید میں کوئی قرآنی آیت اتری ہے؟ آپ کا معیار نہ صرف یہ کہ خود ساختہ ہے، بلکہ خلافِ عقل و نقل بھی ہے، جب کہ ہمارا پیش کردہ معیار نہ خلافِ عقل ہے اور نہ خلافِ نقل۔

بعض شیعہ ہمارے علاقے میں ایک اٹکل پچو قسم کی مثال دے کر اپنے ہم نواؤں سے تائید حاصل کرتے اور انہیں خوش کرتے ہیں کہ کاٹھ دی کُنی نہیں تے سید سُنی نہیں۔ یعنی جس طرح لکڑی کی ہانڈی نہیں ہو سکتی، اسی طرح کوئی سُنی العقیدہ سید نہیں ہو سکتا۔

## اصلی سیّدوں کی ٹوپی ــــ ایک واقعہ

میرے گاؤں (گولڑہ) کے قریب میرے بزرگوں سے اہلِ تشیع نے مناظرہ کیا اور مذکورہ بالا دلیل پیش کی، حالانکہ یہ بھی کوئی دلیل ہے، مگر جاہل لوگ تھے، اپنی عقل و دانش کے مطابق ہی بات کرنا تھی۔ اس پر حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہٗ کے پردادا حضرت پیر روشن دین گیلانیؒ نے فرمایا کہ اگر کاٹھ کی کُنی نہیں ہو سکتی تو کاٹھ کا دِیا بھی نہیں ہو سکتا؛ اگر تمہارے نزدیک کاٹھ کی کُنی اور سید سُنی نہیں ہو سکتا تو ہمارے نزدیک کاٹھ کا دِیا نہیں اور سید کبھی شیعہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ہمارے بزرگ ساڈھورا ضلع انبالہ سے آکر نئے نئے گولڑہ آباد ہوئے تھے، اِس لئے مُدّعیانِ سیادت، شیعہ لوگ جو مضافات میں اب بھی ہیں، آپ سے آپ کی سیادت کا ثبوت اور شجرۂ نسب طلب کرتے تھے، اِس پر آپ نے فرمایا کہ مَیں اپنی ٹوپی زمین پر رکھ رہا ہُوں، آپ میں سے جو صحیح النسب سید اور اولادِ فاطمہؓ ہے، اُٹھے اور اِس ٹوپی کو زمین سے اُٹھالے۔ چنانچہ ایک بھاری بھرکم فرضی شاہ صاحب اُٹھے کہ یہ تو معمولی سی بات ہے، مگر جب ٹوپی کو ہاتھ سے پکڑ کر اُٹھانا چاہا تو پُورا زور لگانے کے باوجُود ٹوپی کو نہ اُٹھا سکے۔ اِس پر ہمارے بزرگ نے فرمایا: شاہ جی! یہ اصلی بنُو فاطمہؓ یعنی سیّدوں کی ٹوپی ہے، جو چودہ (۱۴) طبق پر بھاری ہے، یہ آپ سے نہیں اُٹھنے کی۔ وہ بے چارے زور لگا کر پسینہ پسینہ ہو گئے۔ آخر اُن میں سے کسی نے نیازمندانہ التجا کی کہ ٹوپی کو زمین سے اُٹھنے کا حکم دیں، ورنہ مضافات کے دیہات میں جو لوگ ہمیں سید مانتے ہیں، بدظن ہو کر ہماری سیادت سے انکار کر دیں گے؛ اب ہماری لاج رکھ لیجیے، چنانچہ آپؒ نے حَسَنی شرافت کو بروئے کار لاتے ہوتے ٹوپی اُٹھا لینے کا حکم دیا اور

شاہ صاحب نے اُسے اُٹھالیا۔ یہ واقعہ مہرِ منیر میں موجود ہے[1]، اس کی تصدیق حضرت پیر سید مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی فرمائی اور اس کے علاوہ ہمارے علاقے کے باشعور عوام میں یہ واقعہ نسل در نسل اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔

چونکہ ہمارے بڑوں میں سید ہونے کے علاوہ اصحاب ثلاثہؓ اور ازواج مطہرات کا بے حد احترام تھا، اس لئے اللہ تعالےٰ نے جعلی اور بدعقیدہ سادات کے سامنے نہ صرف یہ کہ اُنہیں سُرخ رُو فرمایا، بلکہ سیادت کا معیار بھی مُتعین فرما دیا۔ حضرت بیدلؒ فرماتے ہیں ؎

بیدلؔ عبث است از سخن پروردن　　بر شیعہ و خارجی شکست آوردن
حق چوں لبِ ایں طائفہ ہرزہ نہ بست　　معقولاتت چہ سحر خواہد کردن

ترجمہ۔ بیدلؒ باتیں کرنے سے شیعہ اور خارجی کو شکست دینا مشکل کام ہے، اس لئے کہ جب قادرِ مطلق نے اِن دونوں گروہوں کے مُنہ کو بے ہُودہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں سے بند نہیں کیا تو تیری یہ تمام معقول اور سچی باتیں اِن قسیُّ القلوب پر کیا جادو پھُونک دیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونو گروہ اپنے عقائدِ باطلہ اور فاسدہ میں اتنے آگے جاچکے ہیں اور اِن کی یاوہ گوئیاں اس نقطۂ عُروج پر پہنچ چکی ہیں کہ اب اِن کو قرآن و حدیث یا معقول ذرائع سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں رہا، ہاں اللہ تعالیٰ خُود ہدایت دینا چاہے تو اُس کے لئے دُشوار نہیں ؎

خدا ہی اب سنبھالے تو سنبھالے
وہ ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں　　(راقم الحروف)

## جنابِ عبدُاللہِ المحضؒ کا عجیب جواب

مشہُور نسّاب میر عبدالرحمٰن بن سیف الدین نے اپنی معروف اور مُستند تصنیف مخازنُ النسب[2] میں حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پوتے حضرت عبداللہ المحض (م ۱۴۵ھ) کے متعلق یہ واقعہ نقل فرمایا ہے: کسی نے آپؓ سے دریافت کیا کہ تم لوگ (یعنی اولادِ رسول) کس بنا پر تمام لوگوں سے افضل اور محترم ہو۔ آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے تو کبھی اپنی

---

[1] دیکھئے مہرِ منیر، باب اوّل، طبع سوم، ص ۱۳، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۶ء
[2] اس کا قلمی مخطوطہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے

افضلیّت کا دعویٰ اور اعلان نہیں کیا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ہر شخص یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ ہم میں سے ہوتا اور ہم نے یہ خواہش کبھی نہیں کہ کاش ہم فلاں خاندان یا قبیلے میں پیدا ہوتے۔ آپؓ کا مقصد یہ تھا کہ ساری کائنات میں شرافتِ نسب کی انتہا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور اِس پُوری دُنیا میں کوئی انسان، چاہے وہ کچھ بھی ہو، حسب ونسب میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا اور یہ بشری تقاضا ہے کہ ہر انسان کسی اعلیٰ ترین نسب سے منسوب ہونا چاہتا ہے۔ ہمیں (یعنی اولادِ رسول سادات کو) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذُریّت کے شرف سے نوازدیا، اِس لئے ہمارے دل میں کبھی یہ خواہش اور آرزو پیدا نہیں ہو سکتی کہ کاش ہم فلاں قبیلے میں پیدا ہوتے، البتہ تم لوگوں میں اِس خواہش کے پیدا ہونے کا امکان ضرور ہے کہ کاش ہم بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوتے۔ اور خواہش اُسی چیز کی ہوتی ہے، جسے انسان بہتر و افضل جانتا ہو۔ اِس لحاظ سے تم خود ہی اولادِ رسول کو افضل و مُکرّم سمجھتے ہو؛ اگر ایسا نہ سمجھتے تو تمہارے دل میں عترتِ رسول میں پیدا ہونے کی خواہش کیوں ہوتی ؎

در آرزوئے رُتبتِ مایند دیگراں
مارا بہ رُتبتِ دگراں نیست آرزو

ترجمہ۔ ہمارے رُتبے کی آرزو دوسروں کو ہو سکتی ہے، مگر ہمیں کسی دوسرے کے رُتبے کی خواہش اور آرزو نہیں۔

## لقبِ مَحض کی حقیقت

صاحب بہجۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کا لقب مَحض اِس لئے ہے کہ محضُ الشَّیء خالصُ الشَّیء کے معنی میں آتا ہے اور آپ والدین کی جانب سے تا انتہائے نسب (حضرت علیؓ تک) موالی سے خالص ہیں، یعنی آپ کی والدہ ماجدہ اور والدِ ماجد آزاد کردہ غلام نہیں تھے اور آپ کا لقب مُجل (بضمِ المیم و فتح الجیم) بہ صیغۂ مفعول صاحب اجلال تھے۔[1]

---

[1] تلخیص از بہجۃ الاسرار (عربی) ص ۸۹، مطبوعہ مصر

علامہ شبلنجی شافعی مصریؒ نے اِس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت عبد اللہ المحض رضؓ کی نسبی تحقیق یُوں فرمائی ہے:۔ وَتَزَوَّجَ فاطمۃُ بنتُ حُسینٍؓ ابنَ عمِّھا حَسَنَ المُثَنّٰی ابنَ الحَسَنِ السِّبطِ عَمِّھَا فَوَلَدَتْ لَہٗ عبدَ اللہ وَیُلَقَّبُ بالمحضِ وانّما یُسمّٰی المحضَ لمکانہٖ مِنَ الحُسَنَیْنِ وکانَ یَشبَہُ رسولَ اللہ وکانَ شَیخَ بَنِیْ ھاشِمٍ۔ قِیلَ لِمَ صِرتُمْ افضلَ النّاسِ؟ فَقَالَ لاَنَّ النّاسَ کُلَّھُمْ یَتَمَنّونَ اَن یَکُوْنُوا مِنّا ولَا نَتَمَنّٰی اَن نکونَ مِن اَحَدٍ۔[1] (ترجمہ) اور جناب حُسینؓ کی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح اُن کے چچا جناب حسنؓ کے صاحبزادے حسنِ مثنّٰی سے ہوا، پس اُن کے ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عبد اللہ اور لقب محض تھا اور اُنہیں محض اِس لئے کہا جاتا ہے کہ حُسینؓ اُن کے نانا اور حسنؓ اُن کے دادا تھے اور وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ اُنہیں شیخ بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ اُن سے (یعنی عبد اللہ المحضؓ سے) کسی نے پوچھا کہ آپ کن وُجُوہ کی بنا پر افضلُ النّاس (لوگوں سے افضل) ہیں۔ تو اُنہوں نے جواباً فرمایا کہ سب لوگ ہم میں سے ہونے کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں، مگر ہم کسی دوسرے نسب میں سے ہونے کی تمنا نہیں کرتے۔

محمود احمد عبّاسی اور اُن کے ہم مسلک چونکہ لفظِ سیّد کو نسب کے طور پر استعمال کرنے کے حق میں نہیں، اِس لئے اُن سے التماس ہے کہ وہ اپنے نام کے پیچھے عبّاسی کی جگہ آدمی کا لفظ لکھا کریں، کیونکہ اُن سمیت پُوری نوعِ انسانی جناب آدم علیہ السّلام کی اولاد ہے اور یہ امرِ مُسلّم ہے کہ جو نسب باپ کا ہوتا ہے، وہی اولاد کا ہونا چاہیئے۔ جناب آدمؑ تو عبّاسی، ہاشمی، سیّد، قریشی، چوہدری، ملک، خان، راجہ، چغتائی، لوہار، ترکھان وغیرہ نہ تھے، اور نہ ہی اُنہوں نے مُرَوّجہ قوموں کے ناموں میں سے کوئی نام استعمال کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ باپ کی تو ابھی تک قوم ہی طے نہیں پائی اور سعادت مند اولاد نے خُود کو عبّاسی، ہاشمی اور قریشی وغیرہ لکھنا شروع کر دیا۔ ہمارا احقر مشورہ ہے کہ جو حضرات لفظِ نسب سے گھبراتے ہیں، اُنہیں چاہیئے کہ اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ مُجرّد آدمی لکھ دیا کریں، کیونکہ آدم کا نسب صرف آدمیّت ہے، اِس لئے ہر انسان کا نسب آدمیّت ہی قرار پانا چاہیئے۔ اگرچہ بقولِ غالب

[1] دیکھئے نُور الابصار فی مناقبِ آلِ النّبیّ المختار (عربی) از علامہ شبلنجی مصریؒ، ص ۱۶۸، مطبوعہ مصر

ع آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا۔ اسی طرح اسلام نے عامۃُ النّاس کے لئے ملّتِ واحدہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ آدمی ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ آدمی کہلانا اور بات ہے، آدمی بننا اور بات اور آدمی ہونا کچھ اور ہی بات ہے۔

جو لوگ لفظِ سیّد کو علامتِ نسب کے طور پر استعمال کرنے کے حق میں نہیں، جس طرح محمود عبّاسی صاحب نے اپنی کتاب تحقیقِ سیّد و سادات میں گُل افشانی فرمائی ہے، اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم اُن سے کہتے کہ آپ بے شک کسی کے نام کے ساتھ قریشی، ہاشمی وغیرہ کے الفاظ استعمال نہ کریں، بلکہ منوّر حسین قریشی کو منوّر حسین آدمی، حسن محمود ہاشمی کو حسن محمود آدمی، شرافت علی فاروقی کو شرافت علی آدمی، اور اِسی طرح آپ اپنے نام نامی کے ساتھ عبّاسی کی جگہ محمود احمد آدمی لکھا کریں اور اگر حکیم فیض عالم[1] صدیقی آج زندہ ہوتے تو ہم اُنہیں بھی اُن کے نام کے ساتھ صدیقی کی جگہ حکیم فیض عالم آدمی لکھنے اور بولنے کا مشورہ دیتے۔ ایسا کرنے سے لفظِ آدمی کی تشہیر بھی ہوگی اور آدمیت کا دُنیا بھر میں بول بالا بھی ہوگا، مگر میری اِس رائے سے شاید ہی کوئی شخص اتّفاق کرے۔ خاص طور پر بعض حضرات پُوری نوعِ انسانی کی ہمدردی، چارہ جوئی، خیرخواہی اور مُساوات کے عَلَم بردار نظر آتے ہیں، لیکن تجربہ اور مُشاہدہ کہتا ہے کہ اِن میں سے اکثر گُرگ زادے بہ اعتبارِ ذات و صفات چنگیز اور ہلاکو سے کسی پہلو کم نہیں۔ قرآنی تعلیمات کے بعد جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدّس نظام اور اُمّتِ مُسلمہ کی جلیل القدر علمی و رُوحانی شخصیات کے افکار و اعمال سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی غمگسار نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔ اگر ہر آدمی اپنے نام کے ساتھ اپنی قوم

---

[1] یہ حضرت بھی خارجی گروپ کے سرکردہ اور محمود عبّاسی کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے، اِن کی تصانیف بھی اہلِ بیت کے ساتھ بُغض سے مملُو ہیں، اگر موصوف حقیقی اور صحیح النسب صدیقی ہوتے تو اہلِ بیتِ رسول کے حق میں ایسی دریدہ دہنی سے کام نہ لیتے، کیونکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے قلبِ اطہر میں رسول اور آلِ رسول کا جو احترام تھا، کُتُبِ سیرت اُن کے تذکرے سے بھری پڑی ہیں۔ اِسی طرح سیّدنا عمرؓ اور سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اہلِ بیتِ عظام سے جو مراعات اور ترجیحی سُلوک روا رکھتے تھے، اُس کا ذکرِ سیرت کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خارجیوں اور شیعوں کو یہ سب کچھ پڑھنے اور اُن پر اعتماد و یقین کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

اور قبیلہ کے شناختی لفظ کے بجائے صرف آدمی لکھا چلا جائے تو جہاں کہیں تین چار ہم نام اکٹھے ہوتے، شناخت ہی جاتی رہی۔ اگر ایک منوّر حسین ہاشمی، دوسرا منوّر حسین قریشی اور تیسرا منوّر حسین عباسی ہوگا تو کیا شناخت میں دشواری پیش نہ آئے گی؟ اور اگر تینوں میں سے ہر کوئی منوّر حسین آدمی کہلائے گا تو ہجوم عاشقاں میں اپنی انفرادیت کھو بیٹھے گا۔ اسی اُلجھن اور دُشواری کو دُور کرنے کی خاطر انسانی برادری کو شعوب و قبائل میں تقسیم فرمایا گیا اور اسی شناخت کے لئے دوسرے الفاظ کی طرح لفظِ سیّد کو بھی اولادِ رسول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا، تاکہ اس کو سُن کر یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ یہ صاحب جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔

## امام شافعیؒ اور محبّتِ آلِ رسول

جو کم علم لوگ آل سے اُمّت کے اچھے بُرے تمام افراد مُراد لیتے ہیں، وہ اس حدیثِ پاک کے کیا معنی کریں گے: مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا[1] (ترجمہ) جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مَرا، وہ شہید ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہاں آلِ محمدؐ سے مُراد صرف خانوادۂ رسالت پناہ کے صالح افراد اور اُمّت کے متقی لوگ ہیں۔ ورنہ معنی غلط ہو جائیں گے۔ اولادِ رسول پر آلِ محمدؐ کی ترکیب کا استعمال آج سے نہیں، بلکہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) اور دیگر ائمۂ فقہ کے عہد سے ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ کا یہ عربی شعر ذرّیتِ رسول کی مدح میں خاصا مشہور ہے ؎

إِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ رَافِضٌ

ترجمہ۔ اگر آلِ محمدؐ (اولادِ رسول) سے محبّت کرنا رفض (شیعیت) ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ اس شعر میں امام شافعیؒ نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ اولادِ رسول کی محبّت پر شیعہ برادری کی اجارہ داری نہیں، بلکہ ہر کلمہ گو کا ایمان اُسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے، جب اُس کے دل میں اہلِ بیت کی محبّت و عقیدت کا جذبہ موجزن ہو۔

---

[1] دیکھئے تفسیر رُوح البیان، از علامہ اسماعیل حقی آفندی مصریؒ، جلد ۳، ص ۵۲۴، مطبوعہ مصر

شیعہ بھی اُن سے دعویٰ محبت کرتے ہیں اور اہل السُّنّۃ بھی۔ فرق یہ ہے کہ حسینی سُنّی اُن سے اُن کے شایانِ شان محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، اِس لئے کہ قرآن و سُنّت اور اتباعِ شریعتِ مُطہرہ کا اطلاق ہر مسلمان کے معتقدات، اُس کے افکار و اعمال اور اُس کی حیات کے ہر شُعبے پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔ قرآن و سُنّت سے جس طرزِ فکر اور اندازِ عقیدت و محبت کی اجازت نہ ہو، وہ کارِ عبث ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو قرآن و سُنّت کے اتباع کی مزید توفیقِ ارزانی فرمائے۔ آمین۔

## حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ اور احترامِ اہلِ بیتؑ

حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ (م ۱۰۱ھ) اگرچہ بنو اُمیّہ سے تھے، مگر اپنی صفات کے اعتبار سے جُداگانہ حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت عُثمانِ غنیؓ (م ۳۵ھ) کے بعد اگر کسی نے اہلِ بیت کی حُرمت و ناموس کا پاس رکھا تو وہ حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، اُن کے دورِ حکومت کو خلافتِ راشدہ کے زرّیں دَور میں شامل کیا جاتا ہے۔ ایک حکمران اور صاحبِ حکومت کے لئے اِس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز و افتخار ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن مجتبیٰ (م ۵۰ھ) کے صاحبزادے جنابِ عبد اللہ سے روایت ہے: قَالَ اَتَیْتُ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ فِیْ حَاجَةٍ لِّیْ فَقَالَ لِیْ اِذَا کَانَتْ لَكَ حَاجَةٌ فَاَرْسِلْ اَوِ اکْتُبْ بِهَا فَاِنِّیْ اَسْتَحْیِیْ مِنَ اللهِ اَنْ یَّرَاكَ عَلٰی بَابِیْ۔[1] (ترجمہ) سیدنا امام حسنؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک ذاتی کام کے سلسلے میں (خلیفۂ وقت) حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ کے پاس گیا، تو وہ فرمانے لگے کہ اگر مجھ تک آپ کا کوئی کام ہو تو کسی کے ہاتھ پیغام یا پھر نوازش نامہ ارسال فرما دیا کریں، اِس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے سخت شرم آتی ہے کہ وہ آپ کو میرے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھے۔ (انتہیٰ)

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ جیسی شخصیات ہی رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادۂ پاک کا احترام و اکرام ملحوظ رکھ سکتی ہیں، ورنہ وہ بدنصیب انسان جنابِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترتِ پاک کو بہ نگاہِ تکریم کب دیکھ سکتے ہیں؟

---

[1] دیکھئے اسعاف الرّاغبین برحاشیۂ نُور الابصار (عربی) ص ۱۱۴ مطبوعہ مصر

جن کا ذہنی اور قلبی رابطہ ہی اُس ذاتِ اقدس و مقدّس سے نہ ہو۔

قدر کیا اُن کو چھلکتے ہوئے پیمانوں کی
بھیک بھی جن کو مُیسّر نہیں میخانوں کی (نُوح ناروی)

# احترامِ اہلِ بیت اور محمّد بن عبدالوہاب نجدی

محمّد بن عبدالوہاب نجدی (م ۱۷۹۲ء) جسے فرقہ وہابیہ کا پیشوائے اعظم تسلیم کیا جاتا ہے اہلِ بیت اور اربابِ فضل کے احترام کا معترف ہے، وہ اُن کی تکریم اور دست بوسی کے جواز کا قائل ہے، درج ذیل سُطوُر اُس کے معتقدات پر دال ہیں۔ یہ سُطوُر جہاں اِس نازک موضوع پر محمّد بن عبدالوہاب کے قولِ فیصل کی ترجمان ہیں، وہاں اُس کے مُتبعین اور شیدائیوں کے لئے بھی ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ محمّد بن عبدالوہاب کے احوال و آثار پر مبنی ایک کتاب اِس وقت ہمارے سامنے ہے، جو احمد عبد الغفور عطّار کی تالیف ہے اور الشیخ محمّد صادق خلیل نے اِسے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ تالیف ہذا کا ایک عنوان، اہلِ علم کے ہاتھ چُومنے، سبز لباس پہننے کے بارے میں ہے۔ اِس عنوان کے تحت مُؤلف نے لکھا ہے:۔

"بعض عُلماء نے اُن (محمّد بن عبدالوہاب نجدی) کی توجّہ اِس مسئلہ کی طرف بھی مبذول کرائی کہ احساء کا رئیس امتیازی حیثیت جتاتے ہوئے سبز رنگ کا لباس پہنتا ہے اور لوگ اُس کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہیں، لیکن وہ لوگوں کو اِس سے منع نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام نے اُنہیں سمجھایا کہ اہلِ فضل و شرف کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے، تاہم ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے عبداللہ بن عبّاسؓ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا کہ ہمیں اہلِ بیت کے متعلق یہی حکم دیا گیا ہے؛ لہٰذا جس مسئلہ میں آپ کو واقفیت نہ ہو، اُس کا انکار کرنا درست نہیں اور اِسی طرح اہلِ بیت کی امتیازی حیثیت کے نشان کے طور پر اُن کے لئے سبز لباس مخصوص گردانا قدیم روایت چلی آرہی ہے، اِس لئے کہ قدیم زمانہ سے لوگوں کو معلوم ہے کہ اہلِ بیت کا یہ مخصوص لباس ہے اور یہ لباس دیکھ کر لوگ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور اُن پر ظلم کرنے سے باز رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے کچھ

حقوق متعین فرما دیتے ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اہلِ بیت کے حقوق کا خیال نہ رکھے[1]

## اہلِ بیت سے خوارج کا بُغض

خارجیوں کا تو یہ حال ہے کہ سیّد الانام علیہ السّلام کی صاحبزادی سیّدۃ عالم حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور نواسوں جناب حسنؓ و حسینؓ پر بھی لفظِ سیّد کے اطلاق کو نادرست قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک لقب ہے یا کسی کو مخاطب کرنے کے لئے ایک احترامی لفظ ہے اور اِدھر اہلِ تشیّع کا یہ عالم کہ ائمہ اہلِ بیت کو انبیاء علیہم السّلام سے اُونچا تصوّر کرتے ہوئے اُنہیں کوئی مافوق البشر ہستی سمجھتے ہیں۔ مَیں نے شیعہ لٹریچر اور خارجیوں کے مُعتقدات و مذہب کا بہ غور مطالعہ کیا تو دونوں میں یہ فرق محسوس ہوا کہ خارجیوں نے اہلِ بیت سے اظہارِ دُشمنی کرکے درحقیقت اُن کی دوستی کی، وہ اِس طرح کہ اُن کے سب و شتم اور طرح طرح کے الزامات عائد کرنے سے عند اللہ اہلِ بیت کا مقام اور بھی اُونچا ہوتا گیا اور وہ اِس طرح خدا کے قریب تر ہوتے گئے، گویا خوارج کی دشمنی اہلِ بیت کے حق میں قُربِ خداوندی کا مُوجب بنی اور شیعہ نے اہلِ بیت سے عشق و مودّت میں غُلو کرکے دراصل اُن سے دشمنی کی، وہ اِس طرح کہ اُن کی ذواتِ مُقدّسہ سے ایسے ایسے مُحیّر العقول واقعات منسوب کرنے کے ساتھ محبّت و عقیدت میں اِس قدر آگے نکل گئے کہ اُنہیں انبیاء علیہم السّلام سے بھی اُونچا قرار دے دیا؛ اِس طرح ائمہ اہلِ بیت کے لئے حضرتِ عیسٰی علیہ السّلام کی سی دُشواری پیدا ہو جانے کے امکانات سر اُٹھانے لگے، جیسا کہ بمطابقِ آیتِ ذیل قیامت کے روز خداوندِ عالم جنابِ عیسٰیؑ سے مخاطب ہوکر فرمائیں گے کہ کیا تُو نے اِن عیسائیوں سے کہا تھا کہ مَیں خُدا کا بیٹا ہُوں؟: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ[2]

[1] دیکھئے کتاب "شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب"، مترجمہ اُردو از الشیخ محمد صادق خلیل، طبع سوم، ص ۱۴۹-۱۵۰، مطبوعہ ریاض (سعودی عرب) سنِ طباعت ۱۹۷۹ء

[2] القرآن ۵ : ۱۱۶

(ترجمہ) اور جب پُوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰؑ بن مریم! کیا تُو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا، اللہ کے سوا، وہ عرض کریں گے: پاک ہے تُو ہر شریک سے، کیا مجال تھی میری کہ مَیں کہوں ایسی بات جس کا نہیں مجھے کوئی حق (انتہیٰ) اللہ تعالیٰ کو تو یہ معلوم ہے کہ عیسیٰؑ معصوم اور بے قصُور ہیں، مگر اِتمامِ حُجّت کے لئے یہ سوال کیا جائے گا تو حضرتِ عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو اِن عیسائیوں کے ہاتھوں اُس وقت جو کوفت ہوگی، اُس کے ذمّہ دار اگر مُحبّانِ عیسیٰؑ نہیں تو پھر کون ہوں گے؟

قرآنی حُدُود اور اُسوۂ رسولِ مقبُول کی قائم کردہ قیُود میں رہتے ہُوئے کسی کی تعظیم و توقیر اور کسی سے مُحبّت کرنا ہی ایک سچّے مُسلمان کی علامت ہوتی ہے، اِسی لئے حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ مجھے اِتنا مت بڑھاؤ، جتنا نصاریٰ (عیسائیوں) نے جناب عیسیٰؑ کو بڑھا کر خُدا کا بیٹا بنا دیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ پاک کے بعد کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ مذکور ہوا میرا اپنا تعلق ایک خانقاہ سے ہے۔ بزرگانِ دین اور اولیائے اُمت سے ہماری محبت وعقیدت کی بناء پر غیر مُقلّد، وہابی، دیوبندی، شیعہ اور دیگر مسالک کے لوگ نہ جانے ہمیں کیا کچھ کہتے رہتے ہیں، مُشرک اور بدعتی کے الفاظ نے تو کئی مرتبہ سمع خراشی کی ہے۔ اب تو اپنے بارے میں یہ الفاظ سُن کر یک گونہ مَسرت سی ہوتی ہے۔ بقولِ شاعر؎

یُوں پُکارے ہیں مجھے کُوچۂ جاناں والے
اِدھر آبے، ابے او چاک گریباں والے

بہرحال مَیں تو اِن القاب کے جواب میں مُعترضین حضرات کو مُوحّد مُسلمان اور ایک سچّا انسان ہی کہا کرتا ہُوں، اِس کی دو وجُوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

---

لہ حدیثِ پاک کے الفاظ یہ ہیں: عن عُمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (ترجمہ) حضرت عُمرؓ سے روایت ہے، حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ میری تعریف میں اِس طرح مبالغہ نہ کرو، جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کے متعلق کیا، یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہُوں، پس مجھے اُس کا بندہ اور رسول کہو۔
(ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، باب المفاخرۃ والعصبیۃ، ص ۴۱۷، مطبوعہ لاہور)

کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے کسی کو کافر و مشرک کہا اور وہ حقیقت میں ایسا نہیں تو یہ کُفر و شرک، کہنے والے پر لَوٹ کر جاتا ہے، یعنی وہ خُود کافر اور مُشرک ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ گو کہ شاعرانہ ہے، مگر بات ٹھکانے کی ہے۔ پہلے درج ذیل قطعہ پڑھ لیجئے ؎

نظامِ بے نظام ار کافرم خواند — چراغِ کِذب را نہ بُود فروغے
مُسلماں خوانمش، زیرا کہ نہ بُود — دروغے را جوابے جُز دروغے

یہ کسی غیر معروف فارسی شاعر کا قطعہ ہے کہ نظام نامی کسی شخص نے ایک شاعر کو کسی کے سامنے کافر کہہ دیا، یہ خبر شاعر تک پہنچی تو اُس نے مسطوُرہ بالا قطعہ سب میں پڑھ دیا، چنانچہ مُوحِد صاحب وہیں ٹھنڈے پڑ گئے۔

فارسی زبان سے ناآشنا قارئین کے لئے اِس کی تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے کافر کہنے والا نظام صرف نام کا نظام ہے، حقیقت میں تو وہ بے نظام ہے، کیونکہ اُس کا دماغی نظام درست نہیں رہا اور پھر یہ کہ اُس نے مجھے جو کہا، سراسر جھُوٹ ہے اور جھُوٹ کا چراغ دیر تک نہیں جلا کرتا، جس نے مجھے کافر کہا، میں اِس کے جواب میں اُسے مُوحِد اور مُسلمان کہتا ہُوں اور یہ صرف اِس لئے کہ جھُوٹ کا جواب جھُوٹ ہی سے دیا جاتا ہے۔

## صحّتِ حدیث کے متعلق خارجیوں کا دوہرا معیار

اگر خوارج کا یہ رویّہ اور اندازِ فکر بُغض وعناد پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے کہ اُن تمام احادیث کو تو وہ احادیثِ موضوعہ میں شُمار کرتے ہیں، جو اہلِ بیت کی تعریف و توصیف میں آئی ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی سب احادیث اہلِ تشیُّع کی خود ساختہ ہیں۔ مگر بنُو اُمیّہ کے بارے میں اُنہیں کوئی حدیث مل جائے تو وہ اُسے حدیثِ صحیح قرار دیتے ہیں اور پھر اُسے بطورِ حوالہ اپنی تقاریر اور عبارات میں بڑے شدّ و مدّ سے بیان بھی کرتے ہیں۔ کیا علمی دیانت اِسی کو کہتے ہیں؟ یاد رہے کہ اہلِ بیت کی شان میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ اہلُ السُّنّۃ والجماعۃ کی معتبر و مُستند کُتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بُخاری، مسلم، ابنِ ماجہ، نسائی، ابو داؤد، ترمذی کے علاوہ مسندِ ابو یعلیٰ، بیہقی، مستدرک، دار قطنی، مسندِ احمد بن حنبلؒ، جامع صغیر از امام سیوطیؒ، مؤطائے امام مالکؒ وغیرہ۔ محوّلہ بالا کُتُبِ حدیث

شیعہ کی نہیں، بلکہ اہلُ السُّنۃ والجماعۃ کی ہیں۔ بعض کم علم جو صحاحِ ستّہ ہی کو مُستند مانتے اور دوسری کُتُبِ حدیث کو غیر مُستند کہتے ہیں، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ تمام کُتُبِ حدیث معتبر ہیں، یہ اور بات کہ صحاحِ ستّہ کو شہرت و قبُولیت زیادہ ملی اور اِس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتابیں درسی نصابات میں شامل رہیں، مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اِن کے علاوہ دوسری تمام کُتُبِ حدیث غیر معتبر ہیں۔ اگر خارجی کہیں کہ مسطُورہ کُتُبِ حدیث کے مؤلفین نے جو احادیث اہلِ بیت کے بارے میں نقل کی ہیں، وہ ضعیف ہیں یا اُن کے راوی شیعہ ہیں تو گزارش ہے کہ مذکورہ بالا کُتُبِ حدیث میں اگر کوئی حدیث بنُو اُمیہ کی تعریف میں ہو یا ایسی کوئی حدیث پائی جائے، جو اُن (خوارج) کی مرضی کے مطابق ہو یا اُن کے کسی موقف کی تائید کرتی ہو تو کیا ہم اُسے ضعیف یا خارجیوں کی خود ساختہ حدیث سمجھنے کا حق نہیں رکھتے؟ اگر اہلِ بیتِ عظام کی تعریف اور فضائل میں وارد شُدہ احادیث شیعہ یا سُنّیوں کی خود ساختہ یا ضعیف ہو سکتی ہیں تو بنُو اُمیہ اور خاص طور پر وہ حدیث جس میں یزید کو سپہ سالار ثابت کیا کہ یہ لشکر مغفور ہوگا، کیا اگر اِس قبیل کی احادیث کو ہم خارجیوں کی خود ساختہ اور حیزِ اعتبار سے ساقط سمجھیں تو ہم کافر ہو جائیں گے اور وہ کافر نہیں ہوں گے؟ اب اگر کوئی کم عقل اور کور چشم کسی کے ساتھ فی سبیل اللہ قسم کے بُغض و عناد کی ٹھان ہی لے اور اُس کے انکار و نفرت کا بیڑہ اُٹھا ہی لے تو اُسے کوئی آیتِ قرآنی اور حدیثِ نبوی مطمئن نہیں کر سکتی؛ اُسے تو باری تعالٰے ہی اپنی بے آواز لاٹھی سے قائل کر سکتا ہے، یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آیتِ مُبارکہ: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ[1] ہمارے مذکورہ موقف کی مؤید ہے۔

## خوارج کا خُبثِ باطن

دُشمنانِ اہلِ بیت یعنی خارجی، جو اپنے خُبثِ باطن کا اظہار کرتے ہُوئے ایسے نفوسِ قُدسیہ کی نہ صرف توہین کرتے ہیں، بلکہ اُن کو اپنے سبّ و شتم کا نشانہ بنا کر جلالِ خداوندی اور غیرتِ رسول کو للکارتے ہیں۔ بہ سلسلۂ غیرت میرزا بیدلؒ کا درجِ ذیل شعر اُنہیں دعوتِ غور و فکر دیتا ہے۔

---

[1] القرآن ۷ : ۱۸۶

غیرتِ روشن ضمیراں لمعۂ تیغِ بلاست ‏ ‏ ‏ ‏ موج می گردد نمودار از شکستِ آب ہا[1]

بہر حال کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر اِن (خوارج) میں عشقِ مصطفٰے اور ناموسِ ختم الانبیاء کی کچھ رَمَق بھی ہوتی تو اہلِ بیت کا نہ سہی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا لحاظ تو کرتے۔ یہ بات لکھ رکھیئے کہ اہلِ بیت ہی وہ گھرانہ ہے، جس کے حق میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی اور اِس آیۂ مبارکہ کی مصداق سب سے پہلے ازواجِ مطہرات ہیں اور پھر اُن کے بطنِ اقدس سے جلوہ افروز ہونے والی تمام ذُرّیت ہے، گویا اِس بشارت اور اعلانِ تطہیر کا اطلاق قیامت تک آنے والی (جعلی نہیں) صحیح النسب اولاد پر ہوگا۔ بحمداللہ ہم اِس موضوع پر اِسی کتاب میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں، تفصیلِ مزید کے لئے تفاسیرِ معتبرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر کسی نامُراد کو اہلِ بیت سے عقیدت و محبت نہیں تو نہ سہی، مگر کم از کم اُسے یاوہ گوئی، بدتمیزی اور تضحیک سے تو اجتناب کرنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ مُنکرین اور حاسدین بُغض و عناد کے سبب مرتبۂ انسانیت سے بھی گر جاتے ہیں۔ گستاخانِ صحابہؓ و اہلِ بیت کو شاید معلوم نہیں کہ وہ حقیقت میں صحابہؓ اور اہلِ بیت کی نہیں، بلکہ اُس مہرِ عالم تاب کی بے ادبی کا ارتکاب کر رہے ہیں، جس کے گرد صحابہؓ اور اہلِ بیت سیاروں کے مانند گردش کرتے ہیں۔

---

[1] ترجمہ۔ روشن ضمیر لوگوں کی غیرت مندی تیغِ آفات کی چمک ہے، پانی کے دھارے جب ایک دوسرے پر پڑیں تو موج کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روشن ضمیر لوگ پہلے تو عوام کے عائد کردہ الزامات اور طعن و تشنیع برداشت کرتے رہتے ہیں، بالآخر جب کبھی اُن کی غیرت جوش مارتی ہے تو پھر کوئی شخص اُن کے جلال و غضب کی تاب نہیں لا سکتا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ایاکَ وغضبَ الحلیمِ (تحمل مزاج انسان کے غضب سے بچ) اِسی عظیم حقیقت کا ترجمان ہے۔ حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ کا یہ شعر مُراعاۃُ النظیر کا شاہکار ہے۔ پانی کے دھاروں کا پے بہ پے گرنا خلق کی پیہم ایذا رسانی اور دل شکنی سے مماثلت رکھتا ہے کہ آخر کار پانی کی یہ ضربات بہ شکلِ موج ضرور رُونما ہوتی ہیں۔ حقائقِ عالم کے اِس ایک جزو کو بیان کرنے کے بعد شاعر نے اپنے مضمون کا استدلال فاتحانہ شان کے ساتھ منظوم کیا ہے، اِس کے علاوہ شعر میں تلوار کی چمک، کاٹ اور ہیئتِ موج کے تلازمات کی کامل جلوہ گری بھی دکھائی دے رہی ہے۔

# بابِ ہفتم

# ہمارا مسلک

میں یہ کہہ رہا تھا کہ لوگوں کی دشنام طرازیاں اور طرح طرح کی باتیں ہم خانقاہ نشین سنتے رہتے ہیں، مگر بخدا ہم نے اپنے بزرگوں کو اس سے فزوں تر کوئی مقام نہیں دیا، جس کا جواز قرآن و سنت میں موجود ہے اور جو اسلام کی قائم کردہ حدود و قیود میں رہ کر دیا جا سکتا ہے۔ انبیاء تو انبیاء ہیں ہم خود کو اصحابِ رسول کا بھی غلام ہی تصوّر کرتے ہیں اور اکثر اولیائے کرام نے اپنے کلام میں اس کا اظہار و اعلان بھی فرمایا ہے۔ ہم نے کسی ولی اور کسی صحابی کو معصوم نہیں مانا۔ اس لئے یہ بات متفق علیہ ہے کہ صرف اور صرف انبیاء علیہم السّلام ہی معصوم ہوتے ہیں؛ البتہ اہلِ بیتِ اطہارؓ، صحابۂ کرامؓ اور دیگر صلحائے اُمت کو محفوظ کہا جا سکتا ہے۔ معصوم اور محفوظ کا معنوی فرق اربابِ علم پر بخوبی روشن ہے۔ میں اُن مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں جو ابھی تک سُنّی العقیدہ نہیں کہ وہ فوراً سُنّی مسلک اختیار کریں، کیونکہ سُنّی درحقیقت سُنّی العقیدہ ہی نہیں سَنیُّ العقیدہ (روشن عقیدہ) بھی ہیں۔ احترامِ اہلِ بیت بھی کرتے ہیں اور عزتِ صحابہؓ بھی۔ اہلِ بیت کرام سے نفرت خارجیت ہے اور صحابہؓ سے دشمنی شیعیت ہے۔ حُبِّ اہلِ بیتؓ، تکریمِ صحابہؓ اور حُرمتِ اولیاء اللہ سُنّیت ہے۔ آپ نے مذکورہ جملوں پر غور فرمایا کہ خوارج نے صحابہؓ کو لے لیا اور اہلِ بیت کو چھوڑ دیا۔ شیعہ نے اہلِ بیت کو تسلیم کر لیا، مگر صحابہؓ کو تسلیم نہیں کیا۔ غیر مقلدین اور وہابیوں نے زیادہ تر صحابہ کو لیا اور اہلِ بیت کو اکثر چھوڑ دیا اور اُن کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ کی توہین و تحقیر کا اہتمام بھی کیا، مگر سُنّی العقیدہ چشتی نظامی، قادری، سُہروردی اور نقشبندیوں نے ان سب نفوسِ قدسیہ کے قدم چومے اور ان کا احترام ملحوظ رکھا۔ گویا سُنّیوں میں احترامِ ولایت و امامت بھی ہے، احترامِ صحابۂ رسولؐ اور حُبِّ آلِ علیؓ و بتولؓ بھی ہے، اس لئے اے برادرانِ ملت! سُنّیت کو اپنائیے کہ یہی طریقہ منقول و معقول بھی ہے اور بارگاہِ حق میں مقبول بھی ہے۔

یہاں شیعہ مسلک کے معتقدات کی تفصیل میں جانے اور اُن پر سیر حاصل تبصرے کی گنجائش نہیں تاہم اُن کے عقائد کا اجمالاً ذکر آگے آئے گا جنہیں پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ اُن کے اکثر عقائد قرآن و سُنّت اور عقل و نقل کے سراسر منافی ہیں۔ چونکہ زیرِ بحث موضوع نام و نسب ہے

اِس لیے اِسی کے متعلق ایک شیعہ عالم کی دیانتِ علمی اور ایک تاریخی حقیقت کو مسخ کرنے کی سعیٔ ناکام کا بطورِ مثال ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ قارئین اندازہ کریں کہ اِس فرقہ کے عُلماء و مُصنفین علمِ دین کے علاوہ تاریخی حقائق و شواہد کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے شیعہ عالم نجم الحسن کراروی صاحب کی تصنیف چودہ ستارے نظر سے گزری صفحہ نمبر۲ پر پیش لفظ کے اختتام پر یہ شعر لکھا پایا تو یقین جانئے ایک بار تو میرا وجود کانپ کے رہ گیا ؎

ہوتے نہ گر ازل میں چودہ ستارے ہادی
مٹی خراب ہوتی آدمؑ سے رہنما کی

نعوذ باللہ من ذٰلک۔ کیا کراروی صاحب کے نزدیک چودہ ستاروں کی تابانی و تابناکی کا انحصار حضرت آدم علیہ السلام کو اِن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے ہی پر تھا۔ نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ حضرتِ آدمؑ پیغمبرِ خدا ہیں۔ سب سے پہلے نبی ہیں، صفی اللہ ہیں، جدّ الانبیاء ہیں اور ساری نوعِ انسانی کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے آدمؑ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا[1]، جب کہ کراروی صاحب خدا کے مصنوعِ خاص کی مٹی خراب کرنے پر تُلے ہوتے ہیں (العیاذ باللہ) گویا اُن کے نزدیک ائمۂ اہلِ بیت ہی نے آدم علیہ السلام کو ہدایت دی، جب کہ وہ خود زمانی اعتبار سے اَن گنت برس بعد پیدا ہوئے۔ ارشادِ باری ہے اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ[2] کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لئے، کے مطابق کیا آدمؑ کو ہدایت دینے کے لئے خود اللہ ربُّ العزت کافی نہ تھا کہ چودہ ستاروں کو زحمتِ ہدایت اُٹھانا پڑی۔ اگر اسے ازلی ہدایت ہی فرض کر لیا جائے تو پھر بھی چاہیئے یہ تھا کہ چودہ ستارے ازل میں آدمؑ کے بجائے دیگر گم کردہ راہ مخلوق کو ہدایت فرماتے، جو مستحقِ ہدایت بھی تھی۔ کیا اِس کے لئے صرف جناب آدم علیہ السلام ہی رہ گئے تھے؟

ابو العباس تقی الدین المعروف شیخ ابن تیمیہؒ اِس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الرّافضی البرهان العاشر قولهٗ تعالٰی فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

---

[1] القرآن ۳۹ : ۳۶
[2] القرآن ۲ : ۳۷

روی ابن المغازی الشافعی باسنادہ عن ابن عباس قال سُئل النبی عن الکلمات التی تلقاھا آدمؑ من ربہٖ فتاب علیہ قال سألہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیؓ وفاطمۃ والحسنؓ والحسینؓ ان یتوب علیہ فتاب علیہ وھٰذہ فضیلۃ لم یلحقہ احدٌ من الصحابۃ۔

ترجمہ۔ رافضی دسویں دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے "پھر سیکھ لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اُس کی توبہ قبول کی۔ مذکورہ حدیث کو ابن المغازی نے اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے اُن کلمات کے بارے میں سوال کیا گیا جن کی بدولت جناب آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ فاطمہؓ حسنؓ اور حسینؓ علیہم السلام کے حق کو وسیلہ بنا کر سوال کیا تھا۔ گویا وہ کلمات پنج تن پاک کے اسماء تھے۔ پس اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ اور یہ ایسی فضیلت ہے، جسے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی نہ پا سکا۔

شیخ ابن تیمیہؒ روافض کے اس استدلال اور حدیث کی صحت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَالجَوَابُ اِنَّ ھٰذا الحدیث کذبٌ موضوعٌ باتفاقِ اھلِ العلم وذکرہٗ ابو الفرج بن الجوزی فی الموضوعات[1]۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ علم کے اتفاق کے اعتبار سے یہ حدیث جھوٹی اور فرضی ہے۔ ابوالفرج بن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (انتہٰی)

آیتِ محولہ کے سلسلے میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ[3] کی آیت میں وہ کلمات کونسے ہیں جن کے پڑھنے سے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ

قال لہ جبریل یا ادم تکلم بھولاء الکلمات فان اللہ تعالیٰ غافر ذنبک وقابل توبتک قال فماھن قال قل اللھم انی اسألک بحق محمد واٰل محمد

---

[1] دیکھئے منہاج السنۃ از ابن تیمیہ جلد ۴، ص ۲۶ مطبوعہ مصر سنِ طباعت ۱۳۶۲ھ
[2] ایضاً ص ۲۶
[3] القرآن ۲ : ۳۷

سبحانك اللّٰهُمّ وبحمدك عملت سُوٓءً وظلمت نفسي انّه لايغفرالذّنوب الا انت وارحمني وانت خيرالرّاحمين سبحانك وبحمدك لا اله الاانت عملت سُوٓءً وظلمت نفسي فتُب عليّ انّك انت التّواب الرّحيم۔ سبحانك وبحمدك لا اله الاّ انت عملت سُوٓءً وظلمتُ نفسي فاغفرلي وانت خيرالغافرين۔ فـهٰؤلاء الكلمات يا علي[1]۔

ترجمہ۔ جبریلؑ نے کہا کہ اے آدمؑ! تو اِن کلمات کے ساتھ عرض کر۔ پس اللہ تعالیٰ تیری خطا کو معاف کرنے والا اور تیری توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔ آدم نے کہا وہ کلمات کیا ہیں۔ جبریلؑ نے کہا۔ کہہ! اے اللہ! میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ میں نے غلطی کی اور اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ پس میری توبہ قبول کر کہ تُو توّابُ الرحیم ہے اور مجھے بخش دے کہ تو خیر الغافرین ہے۔ اَے علیؓ! وہ کلمات یہ تھے۔

ابنِ عربیؒ کی محوّلہ بالا عبارت میں وارد ہونے والے آلِ محمدؐ کے الفاظ سے مُراد صرف اہلِ بیت نہیں، بلکہ یہ لفظ اُمّت کے صالحین کو بھی شامل ہے۔ اِس کی تصریح اِسی کتاب میں زیرِ عنوان آل اور اہل کی تحقیق پڑھی جاسکتی ہے۔

بہر حال حضرت ابنِ عربیؒ کی محوّلہ بالا عبارت میں بھی کلمات سے مُراد علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ نہیں! اگرچہ آلِ محمدؐ کے وسیع معنوں میں یہ حضرات بدرجۂ اَولیٰ داخل ہیں۔

غالباً کرّاروی صاحب نے اِسی موضوع حدیث کو سامنے رکھ کر جنابِ آدمؑ کی ہدایت کا سامان فراہم کیا اور پھر اِس حدیثِ موضوع میں بھی صرف پنجتن پاک کے اسماء کا ذکر ہے جب کہ کرّاروی صاحب نے چودہ ستاروں کی سفارش کو جنابِ آدمؑ کی قبولیتِ توبہ کا سبب قرار دیا۔ ایک تو انہوں نے موضوع حدیث کو سند بنایا؛ پھر اِس پر بھی اکتفا نہ کیا، بلکہ اور نو (۹) افراد کو بھی شامل کرلیا۔ اِسی طرح کسی رافضی نے اِسی مضمون کو شعری قالب میں ڈھال کر پیش کر دیا۔ شاعری فی نفسہٖ بُری چیز نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ حقائق کے قریب تر رہے؛ جب اُس میں دُور از کار تعلّی اور غلو کے عناصر شامل ہونے لگیں تو پھر وُہ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيمُوْنَ[2] کا مصداق بن کر رہ جاتی ہے اور نظامی گنجوی نے اپنے صاحبلے

[1] دیکھئے فتوحاتِ مکیہ، جلد چہارم، ص ۵۰۹، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، سنِ طباعت ۱۲۷۶ھ

[2] القرآن ۲۶: ۲۲۵

کو ایسی ہی شاعری سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

در شعر مپیچ و در فنِ او چوں اکذب اوست احسنِ او

یعنی شاعری میں نہ پڑنا اِس لئے کہ اِس میں جس قدر جھوٹ سے کام لیا جائے، اُسی قدر یہ حسین معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر دینی موضوعات میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ عقلی دلائل اور منطقی استدلالات کے میدان میں تعلّی، شاعری کے لئے زیور کا کام دیتی ہے۔ اِسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً کہ بعض اشعار حکمت کا خزینہ ہوتے ہیں۔ اِس کی تفصیل شاعری کے ضمن میں کسی اور مقام پر بیان کی جائے گی۔

چلئے بپاسِ خاطر کراروی صاحب وقتی طور پر ہم یہ بات مان لیتے ہیں، مگر پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر خدا نے ائمۂ اہلِ بیت کو ازل ہی میں اِس قدر وسیع اختیارات اور تصرفات دے رکھے تھے، تو جب ابلیس نے جنابِ آدمؑ و حواؑ کے ذہن میں شجرِ ممنوعہ کے قریب جانے اور دانۂ گندم کھانے کے لئے وسوسہ ڈالا اور بہکایا تو اُس وقت یہ سارے حضرات کہاں تھے؟ کیونکہ حضرتِ آدمؑ کو ہدایت کی ضرورت تو اُسی وقت تھی۔ ازل تو بہت پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت تو ابھی اجساد کی تخلیق ہی نہیں ہوئی تھی، صرف ارواح تھیں۔ جنّت کی تخلیق تو بعد کا زمانہ ہے۔ اور جب جنّت ہی میں یہ حضرات ہدایت نہ دے سکے تو ورائے تخلیق یعنی ازل میں کیونکر ہدایت دے سکتے تھے جو اِس سے کہیں پہلے کا دَور ہے اور یہ بھی کہ ازل میں جب صرف ارواح ہی تھیں تو اُس وقت جنابِ آدمؑ سے ایسی کون سی خطا سرزد ہوئی، جس کی ہدایت ائمۂ معصومین نے فرمائی۔ میرے علم میں تو کم از کم کوئی ایسی خطا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کراروی صاحب کے علم میں جنابِ آدمؑ کی کوئی رُوحانی خطا ہو جس کا اُنہیں باطنی طور پر علم حاصل ہو۔ موصوف تو فرما رہے ہیں کہ چودہ ستاروں نے اگر آدمؑ کی رہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو اُس کی مٹی خراب ہو کر رہ جاتی، جب کہ جوشؔ صاحب درج ذیل رُباعی میں کراروی صاحب کے اُس شعر کی تردید اِن الفاظ میں کرتے ہیں ؎

خود کو گم کردہ راہ کر کے چھوڑا حوّا کو بھی تباہ کر کے چھوڑا

کیا کیا نہ کئے خدا نے جنّت میں جتن آدمؑ نے مگر گناہ کر کے چھوڑا

یہ رُباعی جوشؔ صاحب کی ہے، جو کٹّر شیعہ تھے، مگر ہو سکتا ہے کہ جوشؔ صاحب کو اُس بات کا علم نہ ہو، جو کراروی صاحب نے کی ہے۔ اِس رُباعی کے مفہوم سے مجھے اختلاف ہے، مگر

---

لے دیکھئے مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب فی البیانِ والشعر، ص ۴۰۹، مطبوعہ کانپور

سب جانتے ہیں کہ جوش صاحب کس اندازِ فکر کے آدمی تھے۔ یہاں یہ رُباعی صرف اِس لئے نقل کی گئی ہے کہ کرّاروی صاحب نے تو صرف آدمؑ کی مٹی خراب ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا جب کہ جوش صاحب جوش میں اُن سے بھی دو قدم آگے نکل گئے اور جنابِ آدمؑ کی شان میں یوں گستاخی کردی۔ یہاں مجھے حضرتِ اکبر الٰہ آبادی کا یہ قطعہ یاد آرہا ہے ؎

مشرق میں ہے ذوقِ رُوحانی مغرب میں ہے میلِ جسمانی
کہا منصور نے خدا ہُوں مَیں ڈارون بولا بوزنا ہُوں مَیں
ہنس کے کہنے لگے مِرے اِک دوست فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست

جب میں نے چودہ ستاروں والا شعر پڑھا تو جی چاہا کہ یہ کتاب آگے نہ پڑھوں، کیونکہ جب ابتدا ہی میں جنابِ آدمؑ پر ہاتھ صاف کیا گیا ہے تو اوروں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ بقولِ راقم الحروف ؎

ایک ہیں اُن کو اپنے بیگانے جو مِلا اُس پہ ہاتھ صاف کیا

لیکن ذہن نے کہا پریشان مت ہو۔ ذرا ساری کتاب کو پڑھ تو لے گویا ؎

اِبتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

## کرّاروی صاحب کی ایک عظیم علمی بددیانتی

اِسی کتاب میں کرّاروی صاحب نے سیدنا امام حسنؓ کے حالات و آثار کے ضمن میں ایک اور حقیقت کو افسانوی رنگ دینے کی کوشش کی ہے اور انکشافِ عظیم یہ فرمایا ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے متعلق غلط مشہور ہے کہ وہ حسنی سید ہیں۔ سند میں احمد بن علی بن الحسین بن علی بن مہنا کی کتاب عمدۃ الطالب مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۱۲ کا حوالہ دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "خود شیخ عبدالقادر نے اپنی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی اُن کے بیٹوں نے کیا' البتہ اِس کی ایجاد اُن کے پوتے قاضی ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن عبدالقادر نے فرمائی ہے' لیکن اپنے دعوے کے ثبوت میں وہ دلیل لانے سے قاصر رہے' یہی وجہ ہے کہ کسی اہلِ نسب نے آپ کا دعوے تسلیم نہیں کیا۔"[1]

---

[1] دیکھئے چودہ ستارے، از نجم الحسن کرّاروی، ص ۲۰۳، مطبوعہ لاہور

پہلی بات تو یہ ہے کہ کراروی صاحب نے جس کتاب کو سند میں پیش کیا یعنی عمدۃ الطالب اُس کا مصنف خود اِنہی کا ہم مسلک یعنی شیعہ ہے اور شیعہ حضور غوث پاک قدس سرہٗ کو سیّد کیسے کہہ یا لکھ سکتا ہے۔ میں اپنے اِس دعویٰ کے ثبوت میں جو دلیل پیش کرنے والا ہوں، قارئینِ کرام اُسے بہ نگاہِ انصاف ملاحظہ فرمائیں اور شیعہ حضرات کی دیانتِ علمی کی داد دیں۔

کراروی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ پر مزید لکھتے ہیں کہ امام شبلنجی کا ارشاد ہے کہ آپ کی ولادت ۴۷۱ھ اور وفات ۵۶۱ھ ہجری میں ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ بات بحوالۂ نور الابصار واقتباسُ الانوار تحریر فرمائی۔ اِسی طرح صفحہ ۲۰۲ پر امام حسنؓ کی ازواج و اولاد کے تذکرے میں نور الابصار کا حوالہ لکھا ہے گویا امام شبلنجی ان کے نزدیک نہایت مُستند اور مُعتبر شخصیت کے حامل ہیں، جبھی تو اپنی کتاب میں جابجا اُن کے حوالے دیتے ہیں، مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ نور الابصار کے حوالوں کو صرف حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کی ولادت وفات کے سن، مدفن اور آپ کی تصانیف کے نام گنوانے تک ہی محدود رکھا ہے۔ کراروی صاحب کی نظر امام شبلنجی کی نور الابصار کے صفحہ ۲۱۲ پر تو پڑ گئی، مگر شاید اُنہوں نے اِسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۱۱ کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اِس کی ابتدا ہی میں جناب غوث پاک قدس سرہٗ کا شجرۂ نسب اِن الفاظ میں موجود ہے۔

هو عبدالقادر بن ابی صالح موسٰی بن عبداللہ بن یحیی الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسٰی بن عبداللہ بن موسی الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنّٰی بن الحسن بن علی ابن ابی طالبؓ۔[1]

انصاف کا مقام ہے کہ امام حسنؓ کی ازواج و اولاد اور دیگر تاریخی حقائق اور شواہد کے ثبوت میں تو کراروی صاحب نور الابصار کو مُعتبر و مُستند سمجھ کر حوالہ جات پیش کرتے جا رہے ہیں مگر حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ کے سلسلے میں صرف آپ کے سنِ ولادت وغیرہ کے بتانے تک محدود رکھتے ہیں۔ اگر اُن کا سینہ بغض و عناد سے پاک ہوتا تو وہ یہ بھی ضرور لکھ دیتے کہ اِسی نور الابصار کے صفحہ ۲۱۱ پر حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا امام حسنؓ کی اولاد سے ہونا ثابت ہے، مگر یہ حقیقت بیان کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاتے۔

قارئین! آپ نے کراروی صاحب کی شاطرانہ چال اور کھلی علمی بددیانتی ملاحظہ فرمائی کہ انہوں نے عمدۃ الطالب کا حوالہ دے کر یہ بات تو بڑے وثوق سے لکھ دی کہ عمدۃ الطالب کے

---

[1] دیکھئے نور الابصار فی مناقب آلِ النبی المختار، از امام شبلنجی، ص ۲۱۱، مطبوعہ مصر

مُصنّف امام الانساب نے فلاں صفحہ پر یہ لکھا ہے کہ عبد القادر جیلانی سیّد نہیں تھے اور اُن کا سلسلۂ نسب امام حسن رضؓ سے نہیں ملتا ۔

اِک ایک کی تاک میں لگا رہتا ہے ۔ خُون ایک کا اِک کے ہاتھ سے بہتا ہے
انسان کی خُبثِ باطنی کے آگے ۔ شیطان بھی لاحولَ و لا کہتا ہے

چونکہ عمدۃُ الطّالب کے مصنّف بھی شیعہ تھے، اس لئے اُنہوں نے اپنی ذاتی رائے کو اپنی کتاب میں لکھ دیا اور کرّاروی صاحب نے اُسے حرفِ آخر قرار دیتے ہوئے اُس کا حوالہ دے دیا، مگر امام شبلنجی مصنّفِ نُورُ الابصار چونکہ شیعہ نہیں ہیں، اِس لئے اپنی تصنیف میں حضور غوثِ پاک قدس سرّہٗ کے دیگر فضائل و کمالات کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے ابتدا ہی میں آپ کے سلسلۂ نسب کو من و عن تحریر کر دیا کہ غوثِ پاکؓ صرف امامِ حسنؓ ہی کے خانوادے سے ہونے کے باعث سیّد نہیں، بلکہ نجیبُ الطّرفین سیّد ہیں۔ اب میں کرّاروی صاحب کے بارے میں کیا رائے قائم کروں؟ کیا یہ کہوں کہ نُور الابصار کا صفحہ ۲۱۱ اُن کی نظر سے نہیں گزرا یا اُنہیں اُس کے مطالعہ کا وقت نہیں مل سکا یا یہ کہ جب اُنہوں نے حضرت غوثِ پاکؓ کا سلسلہ جنابِ امامِ حسنؓ سے ملتا دیکھا تو اُنہیں دل کا دورہ پڑ گیا اور بے ہوش ہو گئے، ہوش آنے پر دوبارہ صفحہ ۲۱۱ کے مطالعہ کی اُن میں سکت ہی نہیں رہی۔

امام شبلنجیؒ شیعہ نہیں، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ موصوف نے دِل کھول کر اصحابِ ثلاثہؓ کی تعریف کی ہے اور شرح و بسط سے اُن کے حالات درج کئے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے حضرت غوثِ پاکؓ کے علاوہ دوسرے تین اقطابِ وقت (جن میں حضرت سیّد احمد الرّفاعی، احمد البدوی اور ابراہیم الدّسُوقی رحمہم اللہ شامل ہیں) کے حالات، مناقب، کمالات و کرامات بھی لکھی ہیں۔ اگر کچھ دیر کو امام شبلنجیؒ شیعہ ہی مان لئے جائیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کے شیعہ تھے کہ اُنہوں نے حضرت عبد القادر جیلانیؓ کو نہ صرف جنابِ امامِ حسنؓ کی اولاد سے ثابت کیا اور اُن کا سارا شجرۂ نسب اپنی کتاب میں تحریر کر دیا، بلکہ اُن کی کرامات اور دیگر علمی مناقب و فضائل کا بھی شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا، مگر پتا نہیں چلتا کہ کرّاروی صاحب کس قسم کے شیعہ ہیں کہ اپنے بھائی امام شبلنجیؒ کو جو باعتبارِ زمانہ اور باعتبارِ علم و فضل کرّاروی صاحب پر ہر عنوان فوقیت رکھتے ہیں، جُھٹلا رہے ہیں ــــــ قارئین اب خود فیصلہ کریں کہ اِسے علم و تاریخ کے ساتھ بد دیانتی کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔

# یک نہ شُد دو شُد

پیچھے ہم شیعہ عالم نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم کی ایک عظیم تاریخی خیانت کا ذکر کر رہے تھے جس میں اُنہوں نے علامہ شبلنجی رح کی مشہور تصنیف نُور الابصار کے حوالہ سے حضرت غوثِ پاک رض کے مولد و مدفن کا تذکرہ کیا، مگر اُس سے پہلے صفحہ پر نہ تو آپ کے سلسلۂ نسب کو جناب حسن رض اور پھر جناب علی رض تک منتہی ہونے کو قابلِ اعتماد سمجھا اور نہ ہی اُس کا حوالہ دیا۔ اِسی طرح کی تاریخی خیانت ایک اور پاکستانی دانشور امیر حمزہ شنواری نے اپنی تصنیف وجود و شہود میں کی، جو اُنہوں نے حضرت مجدّد الفِ ثانی رح کے نظریاتِ شہود کے خلاف لکھی۔ وہ حضرت شہابُ الدّین سُہروردی رح کی مشہور تصنیف عوارفُ المعارف کے حوالہ سے یہ بات لکھ گئے کہ آپ نے فرمایا کہ قدمي هٰذه کہنے والا کوئی اور مجذوب تھا جس کا نام عبد القادر تھا۔ حضرت شیخ عبد القادر اِس قول کے قائل نہیں۔ چنانچہ شنواری صاحب کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں ”ہمارے زمانے میں ایک صُوفی عبد القادر کہتا ہے کہ میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے، یہ باتیں سُکر سے تعلق رکھتی ہیں اور ایسی دیوانوں کی باتیں قابلِ عفو ہیں“[1]۔

اِس کے علاوہ شنواری صاحب نے قصیدۂ غوثیہ اور غُنیۃُ الطالبین کی آپ کی طرف صحتِ انتساب کو بھی غلط قرار دیا، مگر افسوس یہ کہ وہ اپنے کسی دعویٰ کو دلیل اور حوالہ سے ثابت نہ کر سکے۔ صرف اُن کا کسی شے سے انکار کر دینا تو حجت نہیں ہو سکتا، اگر موصوف اپنے پیش کردہ موقف کو معتبر کُتُب اور تاریخی حوالہ جات سے ثابت کرتے، تو کوئی بات بھی ہوتی۔ خیر اتنی جان جوکھوں میں پڑنا شنواری صاحب جیسے سہل انگار انسان کے بس کی بات نہیں تھا۔ اُنہوں نے وہی کچھ کیا، جس کی اُن سے توقع کی جا سکتی تھی۔ بہرحال شنواری صاحب یا نجم الحسن صاحب کے انکار و اقرار سے غوثِ پاک رض جیسے عظیم المرتبہ انسان کی شان میں تو سرِ مُو فرق نہیں آ سکتا، یہاں اِن اُمُور کا ذکر کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین ذرا اِن دانشورانِ عصر اور محققانِ وقت کی دیانت داری اور علمیت کا اندازہ لگائیں۔ چنانچہ جب شنواری صاحب سے ملاقات ہوئی اور عوارفُ المعارف کا عربی نسخہ میں نے نکال کر سامنے رکھا اور گزارش کی کہ ذرا عربی عبارت پڑھ کر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کا یہ اُردو جملہ ہمارے زمانے میں ایک صُوفی عبد القادر کہتا ہے الخ عوارف کی کس سطر کا ترجمہ ہے تو یہ سُن کر اُنہیں پسینے چھوٹ گئے۔ کہنے لگے مجھے عربی نہیں آتی۔ میں نے تو عوارف کے

---

[1] دیکھئے وجود و شہود از امیر حمزہ شنواری ص ۲۴۳ مطبوعہ حمیدیہ پریس پشاور، سنِ طباعت مارچ ۱۹۷۴ء

ایک اُردو ترجمہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ اندازہ لگایئے کہ اپنی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ حضرت عربی کی عبارت تک نہیں پڑھ سکتے، ترجمہ و مفہوم کا بیان تو درکنار، مگر حضرت مجدد صاحب جیسی ہستی کے نظریات کا ردّ لکھ رہے ہیں۔ آپ عوارفُ المعارف کا کوئی بھی عربی نسخہ اُٹھا کر دیکھ لیجیے آپ کو (ہمارے زمانے میں ایک صُوفی عبد القادر کہتا ہے) کے الفاظ ہرگز نہیں ملیں گے۔ حضرت شہاب الدین قدس سرہٗ جو خود حضرت غوثِ پاکؓ کی آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے تھے، اگر بالفرض آپ ہی کا ذکر فرماتے، جب بھی ایک صُوفی عبد القادر کہتا ہے کا عامیانہ لہجہ ہرگز استعمال نہ فرماتے، کیونکہ اِسی عوارف[1] میں کئی اور مقامات پر حضرت سہروردیؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کی بعض کرامات و فضائل کا ذکر نہایت بلند الفاظ میں فرمایا جہاں عموماً شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ آپ نے جس وقت اولیاء کے بعض اقوال کو نقل کیا تو اِس سے پہلے لقد نُقِل عن جمیعٍ مِّنَ الکبارِ[2] کے الفاظ فرمائے۔ اِس کے بعد مختلف اولیاء کے اقوال نقل کیے اور کسی کا نام تحریر نہیں فرمایا۔ مِن الکبار کے مذکورہ جملے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت سہروردیؒ انہیں اکابر مشائخ سے شمار کر رہے ہیں، جب کہ شنواری صاحب قبلہ ایسے لوگوں کے لئے مجذوب اور مجاذیب کے ہلکے الفاظ تحریر فرما رہے ہیں۔ عوارفُ المعارف کے چند عربی نسخے اور دو چار تراجم جو میری نظر سے گزرے اُن میں سے کسی میں بھی ہمارے زمانے میں ایک صُوفی عبد القادر کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ عوارفُ المعارف کے کسی بھی نسخے میں یہ الفاظ موجود نہیں۔ اور پھر رشید احمد ارشد صاحب نے اپنے ترجمے کے ابتدائی اوراق میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے حضرت غوثِ پاکؓ سے اکتسابِ فیض کا ذکر بھی فرمایا ہے۔[3]

---

[1] عوارف میں کئی مقامات پر حضرت غوثِ پاکؓ کے کمالات و فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔ بہجۃُ الابرار کے نام سے آپ کے فضائل پر ایک کتاب بھی حضرت شیخ سہروردیؒ کی طرف منسوب ہے جس کا تذکرہ ذیلِ کشف الظنون میں موجود ہے، نیز شیخ عبد الحق دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے نقل کیا ہے۔ کان الشیخ عبد القادر سلطان الطریق المتصرف فی الوجود علی التحقیق فکانت له الید المبسوطة من الله فی التصریف والفعل الخارق الدائم۔ ترجمہ حضرت شیخ عبد القادرؓ طریقت کے بادشاہ تھے اور علی التحقیق وجود میں صاحبِ تصرف تھے، تصرفِ اُمور اور خوارقِ عادات میں من جانبِ اللہ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار (فارسی) از شیخ عبد الحق دہلویؒ ص ۱۱، طبع نوریہ رضویہ سکھر

[2] دیکھیے عوارفُ المعارف (عربی) از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، الجزء الاول، ص ۱۷۷، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۲۹۲ھ

[3] ملاحظہ ہو عوارفُ المعارف اُردو ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشد ایم اے لیکچرر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی، ص ۱۱، مطبوعہ مصطفیٰ پرنٹنگ پریس لاہور

# غُنیۃُ الطّالبین کے بارے میں شنواری صاحب کے موقف کی تردید

ہم قصیدہ غوثیہ کے متعلق نامور محققین کے تمام جوابات اور اس کی صحتِ انتساب پر اُن کے عقلی و نقلی دلائل تفصیلاً پیش کر چکے ہیں، جن کا علمی مقام مسلّم ہے اور شنواری صاحب سے کہیں بلند و بالا ہے، شنواری صاحب چونکہ اپنے نام کے ساتھ چشتی، نظامی بھی لکھتے ہیں۔ شاید ان نسبتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ لکھ گئے ہیں "ہمارے سلسلۂ نظامیہ کے تمام بزرگ اِس پر متفق ہیں کہ غُنیۃُ الطّالبین حضرت غوثِ پاکؒ نے نہیں لکھا۔[1]" ہم شنواری صاحب کے لفظِ تمام کی وسعت کو توڑتے ہوئے یہ ثابت کریں گے کہ ایک عظیم چشتی نظامی بزرگ (جسے شاید شنواری صاحب تسلیم نہ کرتے ہوں، مگر ہم تو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں) نے یہ لکھا ہے کہ غُنیۃُ الطّالبین حضرت غوثِ پاکؓ ہی کی تصنیفِ لطیف ہے۔ مشہور محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی اِس سلسلے میں لکھتے ہیں "رسالہ مُرجیہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مشہور کتاب غُنیۃُ الطّالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے حنفیہ[2] کو فرقہ مُرجیہ میں شمار کیا ہے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ آنحضرتؒ کا کلام نہیں، بلکہ مُلحقات سے ہے۔ حضرت شاہ فخر الدینؒ نے اِس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے۔[3]" جناب خلیق احمد نظامی کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاں دہلوی چشتی نظامیؒ نے یہ ثابت کیا کہ غُنیۃُ الطّالبین حضرت غوثِ

---

[1] دیکھئے وجود و شہود، از امیر حمزہ شنواری، ص ۴۳۵

[2] بہجۃ الاسرار کے حاشیہ پر فتوح الغیب کے آخر میں قصیدۃ الباز الاشہب کے تحت آنجنابؓ کی عبارت یوں درج ہے۔ ھدیۃ المحب قد اصبحت واضحۃً جلیۃ فیالھا من قوافٍ بھیۃ وعقیدۃ سَنیۃ علی اصول مذاھب الحنفیۃ والشافعیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ عصمنی اللہ تعالٰی وایاکم من الذین فرقوا فمرقوا کما یمرق السھم من الرمیۃ وجعلنی وایاکم من الذین لھم غرف من فوقھا غرف مبنیۃ۔ ترجمہ محبت کا ہدیہ واضح اور منکشف ہو گیا پس اس کے لئے کیسے ذی شان قافیے اور روشن عقیدے ہیں جو حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کے اصول مذاہب کے مطابق ہیں۔ اللہ مجھے اور تمہیں اُن لوگوں سے بچائے جنہوں نے فرقہ بازی کی پس ایسے نکلے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور مجھے اور تمہیں اُن لوگوں سے بنائے جن کے لئے (بہشت میں) بالاخانوں پر بالاخانے بنائے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتوح الغیب برحاشیہ بہجۃ الاسرار، ص ۱۸۱، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۳۰ھ

[3] دیکھئے تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۷۰۸، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی

پاکؒ ہی کی تصنیف ہے۔ شاید شنواری صاحب کو حضرت مولانا فخرِ جہاںؒ کے علمی و رُوحانی مرتبہ و ثقاہت سے انکار ہو مگر کوئی اور چشتی نظامی یا کوئی اور صاحب علم اُن کی تحقیق پر انگشتِ تنقید رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا حضرت مولانا فخرِ جہاںؒ نے رسالہ مُرجیہ لکھ کر جہاں یہ ثابت کیا کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوثِ پاکؒ ہی کی تصنیف ہے، وہاں یہ بھی فرمایا کہ فرقۂ مُرجیہ نے رحمتِ الٰہی کے غلبہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور مضمونِ غضب کو فراموش کر دیا ہے اور حنفیہ فی الجملہ رحمت کو غلبہ دیتے ہیں، اس مناسبت سے اُنھوں (غوثِ پاکؒ) نے حنفیہ کا ذکر فرقۂ مُرجیہ میں کیا ہے، لیکن حنفیہ اس قدر رحمت کو غلبہ نہیں دیتے، جیسا کہ دوسرے فرقۂ مُرجیہ دیتے ہیں، اس سبب سے زائغ عن الحق (حق سے ہٹے ہوتے) نہیں ہیں[1]"

بہرحال شنواری صاحب نے چونکہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے تمام مشائخ نے اِس بات سے انکار کیا ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوثِ پاکؒ کی تصنیف ہے۔ لہٰذا ہم نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے ایک معتدر شیخ حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاںؒ کے حوالے سے، جو حضرت قبلہ نور محمد مہاروی جیسے عظیم صوفی کے شیخِ طریقت ہیں، یہ ثابت کر دیا ہے کہ اُن کی تحقیق انیق کے مطابق غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاکؒ ہی کی تصنیف ہے۔ اب شنواری صاحب کو چاہیئے کہ وہ مشائخ چشتیہ نظامیہ میں سے کسی ایسی شخصیت کی تحریر کا حوالہ دے دیں جس میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوثِ پاکؒ کی تصنیف نہیں ہے۔ صرف قلم اٹھا کر لکھ دینا تو کوئی بات نہیں تحقیق سے لکھنے اور صرف کتاب لکھ دینے میں بڑا فرق ہے۔

## تصنیف وتالیف کو وقیع ومعتبر بنانے کی شرائط

### اہلِ علم کے نزدیک کسی تصنیف وتالیف کو معتبر اور وقیع بنانے کے لئے مُستند حوالہ جات کی ضرورت ہے

---

[1] حضرت غوثِ پاکؒ نے جن حنفیہ کو مُرجیہ میں شمار کیا ہے حاشا وکلا حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرات صاحبینؒ، یا جمیع اہلِ مسلک کو قطعاً مراد نہیں لیا، بلکہ صرف یہ فرمایا (اما الحنفیہ وھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ) ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے چند غیر مشہور اصحاب مُراد ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین، ص ۱۷۱، مطبوعہ نولکشور

حضور غوث پاکؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ فرماتے ہوئے تارکِ صلوٰۃ کے احکام میں تحریر فرماتے ہیں (قال الامام ابوحنیفۃؒ) دیکھئے غنیۃ الطالبین، ص ۲۶۸، مطبوعہ نولکشور

نیز ایک اور مقام پر امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین پر ردّ و انکار سے منع فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین، ص ۱۱۱، مطبوعہ نولکشور

[2] دیکھئے تاریخ مشائخ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۴۸۰، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی

بے حد ضروری امر ہے۔ اگر کوئی مصنّف خود کسی مسئلہ یا موضوع پر صرف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہُوئے لکھتا ہے تو تحریر میں ایسی باتیں ضرور ہونی چاہئیں، جنہیں کم از کم عقلِ سلیم تسلیم کرے۔ معقول انداز میں اپنے مافی الضمیر اور نظریات کو بیان کرنے کا حق بلاشبہ مصنّف رکھتا ہے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مُستند حوالہ کے تحت اپنے موقف کو پھیلا کر بیان کرے اور اپنے نظریات کی توثیقِ مزید کے لئے کوئی آیتِ قرآنی، کوئی حدیث، کوئی تاریخی سند یا بزرگانِ دین اور اکابرِ ملّت کے منظوم و منثور کلام سے حوالہ جات پیش کرے اور اگر یہ نہ کر سکے اِس لئے کہ یہ سخت مشکل کام ہے تو پھر کم از کم ایسی باتیں لکھے جو عام زندگی سے متعلق ہوں اور دستورِ عام میں اُن کو تسلیم کرنے سے انکار نہ کیا جاتا ہو۔ گویا مُصنّف کے بیانات کو عقل مانتی اور سمجھتی جائے، کوئی ذہن اگر کسی معقول بات کے سمجھنے یا اُسے تسلیم کرنے سے قاصر ہو تو اِسے ذہن کا قصور سمجھنا چاہیئے! جب کسی بات کو معقول انسانوں کی ایک بڑی جماعت تسلیم کر لے یا اُسے صحیح کہہ دے تو دو چار کم فہموں کا اختلاف کسی تصنیف و تالیف کے مرتبہ و مقام پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بہرحال جن اُمُور کا تعلق تحقیق سے ہو اُن کے لئے معتبر مآخذ و مراجع اور حوالہ جات کا مہیّا کرنا شرائطِ تصنیف سے ہے۔ چونکہ غنیۃ الطالبین کا تعلق بھی تاریخی تحقیق سے ہے، اِس لئے شنواری صاحب کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے موقف کو کم از کم ایک آدھ حوالہ ہی سے ثابت کرنے کی سعی فرماتے اور مُستند ہے میرا فرمایا ہُوا! سے گریز کرتے۔ بہرحال ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اُوست

---

# بابِ ہشتم

# شیعہ اور یہود کے عقائد و اعمال میں مماثلت

حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ شیعہ کے عقائد و اعمال کا یہودیوں کے عقائد و اعمال سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ فَقَدْ شُبِّهَتْ مَذَاهِبُ الرَّوَافِضِ بِالْيَهُودِيَّةِ قَالَ الشَّعْبِيُّ: مَحَبَّةُ الرَّوَافِضِ مَحَبَّةُ الْيَهُودِ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَا تَصْلُحُ الْاِمَامَةُ اِلَّا لِرَجُلٍ مِّنْ اٰلِ دَاوٗدَ، وَقَالَتِ الرَّافِضَةُ لَا تَصْلُحُ الْاِمَامَةُ اِلَّا لِرَجُلٍ مِّنْ وُّلْدِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ، وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَا جِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَخْرُجَ الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ وَيَنْزِلَ عِيْسٰى بِسَبَبٍ مِّنَ السَّمَآءِ، وَقَالَتِ الرَّافِضَةُ لَا جِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَخْرُجَ الْمَهْدِیُّ وَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ، وَتُؤَخِّرُ الْيَهُودُ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ، وَكَذٰلِكَ الرَّوَافِضُ يُؤَخِّرُوْنَهَا، وَالْيَهُودُ تَزُوْلُ عَنِ الْقِبْلَةِ شَيْئًا وَكَذٰلِكَ الرَّافِضَةُ، وَالْيَهُودُ تَنُوْدُ فِی الصَّلٰوةِ وَكَذٰلِكَ الرَّافِضَةُ، وَالْيَهُودُ تَسْدِلُ اَثْوَابَهَا فِی الصَّلٰوةِ وَكَذٰلِكَ الرَّوَافِضُ، وَالْيَهُودُ تَسْتَحِلُّ دَمَ كُلِّ مُسْلِمٍ وَكَذٰلِكَ الرَّوَافِضُ، وَالْيَهُودُ لَا تَرٰى عَلَى النِّسَاءِ عِدَّةً وَكَذٰلِكَ الرَّافِضَةُ، وَالْيَهُودُ لَا تَرٰى فِی الطَّلَاقِ الثَّلٰثِ شَيْئًا وَكَذٰلِكَ الرَّافِضَةُ، وَالْيَهُودُ حَرَّفَتِ التَّوْرٰةَ وَكَذٰلِكَ الرَّافِضَةُ حَرَّفُوا الْقُرْاٰنَ لِاَنَّهُمْ قَالُوا الْقُرْاٰنُ غُيِّرَ وَبُدِّلَ وَخُوْلِفَ بَيْنَ نَظْمِهٖ وَتَرْتِيْبِهٖ وَاُحِيْلَ عَمَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ وَقُرِئَ عَلٰى وُجُوْهٍ غَيْرِ ثَابِتَةٍ عَنِ الرَّسُوْلِ وَاِنَّهٗ قَدْ نُقِصَ مِنْهُ وَزِيْدَ فِيْهِ وَالْيَهُودُ يُبْغِضُوْنَ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَكَذٰلِكَ صِنْفٌ مِّنَ الرَّوَافِضِ يَقُوْلُوْنَ غَلَطَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْوَحْیِ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّمَا بُعِثَ اِلٰى عَلِیٍّ[1]۔ كَذَبُوْا تَبًّا لَّهُمْ اِلٰى اٰخِرِ الدَّهْرِ۔

ترجمہ: شیعوں کا مذہب یہودیوں کے مذہب سے مشابہت رکھتا ہے۔ شعبی نے فرمایا کہ

---

[1] دیکھیے غنیۃ الطالبین، ص ۱۶۰، مطبوعہ نولکشور لاہور، سن طباعت جولائی ۱۹۸۲ء

فرقہ رافضیہ کی محبت یہودیوں کی محبت کی طرح ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ آلِ داؤد کے سوا کوئی انسان لائقِ امامت نہیں اور شیعہ اولادِ علیؓ کے سوا کسی کی امامت نہیں مانتے یہودی کہتے ہیں: جب تک کانے دجّال کا خروج نہ ہو اور کسی سبب (یعنی ذریعہ) سے جنابِ عیسٰی علیہ السّلام آسمان سے نہ اُتریں، تب تک جہاد جائز نہیں اور رافضی کہتے ہیں: جب تک مہدیٔ آخر الزّمان تشریف نہ لائیں اور سروشِ غیبی گواہی نہ دے کہ یہ مہدیٔ آخر الزّمان ہیں، تب تک راہِ خدا میں جہاد کرنا روا نہیں۔ یہودی مغرب کی نماز کو بتاخیر ادا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ستارے آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں، اِسی طرح شیعہ نمازِ مغرب میں دیر کرتے ہیں۔ یہودی، قبلہ سے ترچھے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، رافضی بھی اِسی طرح کرتے ہیں۔ یہودی نماز میں اِدھر اُدھر ہلتے جُلتے ہیں اور شیعہ بھی اِسی طرح کرتے ہیں۔ یہودی، نماز میں اپنے کپڑوں کو لٹکاتے ہیں اور شیعہ کا عمل بھی یہی ہے۔ یہودی ہر مسلمان کے خُون کو حلال جانتے ہیں، شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہودی عورت کے حق میں عدت کا انتظار نہیں کرتے، روافض کا دستور بھی یہی ہے۔ یہودی تین طلاقوں میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، شیعوں کا اندازِ فکر بھی یہی ہے۔ یہود نے توریت میں تحریف کی ہے اور شیعوں نے قرآنِ مجید میں تغیّر و تبدّل کیا، اِس لئے کہ بقول اُن کے پہلے ہی سے قرآنِ مجید میں تغیّر و تبدّل راہ پا چکا اور اِس کی نظم و ترتیب کو اُلٹ دیا گیا ہے، اِس کی تنزیلی ترتیب باقی نہیں رہی اور اب اِس طرح پڑھا جاتا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس طرح کا پڑھنا ثابت نہیں اور قرآنِ کریم میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ یہودی حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے دشمنی رکھتے اور کہتے ہیں کہ وہ فرشتوں میں ہمارا دشمن ہے، اِسی طرح شیعوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جبرئیلؑ نے وحی لانے میں غلطی کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی، حالانکہ وہ وحی جناب علی کرّم اللہ وجہہٗ کو پہنچانی تھی، شیعہ جھوٹ بکتے ہیں، خدا اور عالم تا قیامت اُنہیں غارت کرے۔ (انتھٰی)

غُنیۃ الطّالبین کی مندرجہ بالا عبارات سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ سے خوارج و روافض کے اسباب بُغض و عناد کیا ہو سکتے ہیں، اگر شیعہ و خوارج کو غُنیۃ الطّالبین کی صحتِ انتساب میں شک اور تردّد ہو کہ یہ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی تصنیف نہیں تو پھر اُنہوں نے یہ مسئلہ خود ہی طے کر دیا، اِس صورت میں اُنہیں چاہیئے کہ

وہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ سے بُغض و عناد کو ترک کر دیں اور اُن کے حق میں یاوہ گوئی کرنے کے بجائے اُن سے اظہارِ محبت و عقیدت اور اُن کی تعریف و توصیف کیا کریں، کیونکہ جب بقول اُن کے یہ کلام حضرت شیخ کا ہے ہی نہیں تو پھر عناد و مخاصمت چہ معنی دارد؟ اور اگر وہ اِس روشِ بُغض و عناد پر قائم رہتے ہیں تو یہ بھی اُنہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اِس کے بھی قائل ہیں کہ غُنیۃُ الطّالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہی کی تصنیف ہے، جو اُن کے دل و دماغ میں ایک پھانس بن کر چبھی ہوئی ہے اور یہ کہ اُنہوں نے خاص طور پر خوارج و روافض کے عقائدِ باطلہ کی ڈٹ کر مُسکت تردید کی ہے، آخر کوئی وجہِ خصُومت تو ہونی چاہیئے؛ یا پھر وہ یہ کہیں کہ ہمیں اُن سے خواہ مخواہ کا بَیر ہے، یہ تو کوئی معقول بات نہ ہوئی۔ اگر حضرت شیخ رضی اللہ عنہ سے دشمنی کا سبب یہ نہیں کہ آپ نے اپنی تصنیف میں شیعہ و خوارج کے فاسد نظریات اور باطل عقائد کی بھرپور مذمت اور تردید کی ہے تو پھر شیعہ و خوارج خود ہی بتادیں کہ اُن سے اُن کی دشمنی کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں، کیونکہ جس طرح کسی سے دوستی رکھنے کے اسباب ہوتے ہیں، اُسی طرح اُس سے بُغض و عناد کا برتاؤ کرنے کی بھی کچھ وُجُوہات ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی تصنیف غُنیۃُ الطّالبین سے جو اقتباسات ہم نے یہاں نقل کئے ہیں، اُنہیں قرآن و سُنّت کی روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ وہ درست ہیں یا غلط۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان ہے، وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ سوچے کہ اگر حضرت شیخ کی جگہ وہ ہوتا تو کیا اِن عقائدِ باطلہ کی تائید کرتا یا تردید؟ لہٰذا ہم اہلُ السُّنّت والجماعت آج بھی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے اتباع میں خارجیوں اور رافضیوں کے تمام باطل عقائد کی بھرپُور تردید اور صریح مخالفت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

## کیا تقیّہ مُنافقت نہیں؟

اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی جو تعریف حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے کی ہے، وہ شاید ہی کسی کے حصّے میں آئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ اور خوارج کبھی اہلُ السُّنّت والجماعت سے اتفاق و اتحاد کرنے کے حق میں نہیں، بلکہ اُن کو اپنے عقیدے کے مطابق دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے اور صرف خود پر لفظِ مومن کے اطلاق کو درست تصوّر کرتے ہیں۔ آج کل بعض

خود غرض، شیعہ سنّی کے اتّفاق و اتّحاد کا علَم اُٹھاتے ہوئے ہیں، کانفرنسیں اور جلسے کرتے ہیں اور ہمارے اکثر سُنّی اُن مجالس میں شرکت کو امامِ حسینؓ کے نام کی وجہ سے باعثِ برکت و رحمت سمجھتے ہیں۔ اُن پر واضح ہو کہ شیعہ اور خارجی ہرگز سُنّیوں کے بھائی نہیں بن سکتے اور سُنّیوں کے خلاف اُن کے دلوں میں جو زہر بھرا ہوا ہے، اُسے وہ کبھی نکال نہیں سکتے۔ حضرت امام حسینؓ کے نام پر شیعہ سادہ لوح سُنّیوں کو اپنی مجالس میں دعوتِ شرکت دیتے ہیں اور سُنّی ہیں کہ سر کے بل چل کر جاتے ہیں؛ اگر سُنّیوں کی طرح شیعہ بھی صاف دل ہوتے تو جواباً سُنّیوں کی مجالسِ ذکر و فکر میں ضرور شرکت کرتے؛ عقیدتاً نہ سہی رسماً ہی سہی، مگر آپ نے کبھی دیکھا کہ کوئی شیعہ صدیقِ اکبرؓ کانفرنس، فاروقِ اعظمؓ کانفرنس یا ذوالنورینؓ کانفرنس میں شریک ہوا ہو۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی چھٹی شریف، یا حضرت غوثِ پاکؓ کی گیارھویں شریف میں شرکت کی ہو اور اگر کبھی کسی مجبوری کی بنا پر ایسی مجالس میں پھنس بھی جائیں تو تقیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں، کیونکہ تقیہ اُن کے ہاں عبادتِ کبریٰ ہے؛ اگرچہ اِس کے معنی کچھ اور ہی ہیں۔ منافقت بھی تو تقیہ ہے، گویا دل میں کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ اور کیا جائے۔ فرمائیے! اگر منافقت اِس کو نہیں کہتے تو پھر منافقت کی تعریف کیا ہوگی؟ مطلب یہ کہ اہلِ سُنّت کو حتی الامکان اِن سے دور رہنا چاہیئے۔ بقولِ سیّد اکبر الٰہ آبادیؒ ؎

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے مُنہ موڑیئے
گرم پانی ڈالیئے، یا چارپائی چھوڑیئے

اگر یہ ہمیں کافر جانتے ہیں تو پھر ہم اِنہیں کیوں مسلمان گردانیں۔ بقولِ حضرت امیر مینائیؒ

جو تجھے بھول گئے تجھ کو بھی لازم ہے امیر
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

جو نامُراد ذہن صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، ذوالنورینؓ اور اُمّہات المومنینؓ کی ذواتِ مُقدسہ کے حق میں آج تک پاک نہ ہو سکے، وہ سُنّی المسلک اولیاء اللہ کے حق میں جن میں داتا علی ہجویریؒ، خواجہ غریب نواز اجمیریؒ اور غوثِ اعظم پیرِ پیراں حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؓ جیسے جلیل القدر اکابرِ اُمّت شامل ہیں، کس طرح اپنی ذہنیت کو پاک اور اپنے ضمیر کو صاف کر سکتے ہیں، کیونکہ موخر الذکر حضرات کا مقام مقدم الذکر صحابہؓ و اُمّہاتؓ

سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتا۔

## کچھ شیعہ عقائد کے متعلق

اگرچہ شیعہ عقائد اب کوئی ایسی ڈھکی چھپی چیز نہیں، جس سے اہلِ علم باخبر نہ ہوں، تاہم یہاں اُمتِ مسلمہ کے اُن افراد کے لئے شیعہ کے بعض عقائد کا اجمالی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے؛ جو ابھی تک اپنی سادہ لوحی یا کم علمی کے سبب نابلد ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۹۳ھ) نے اُن کے عقائدِ باطلہ کے ردّ میں تحفۂ اثنا عشریہ تصنیف فرمائی۔ شاہ صاحبؒ کی علمی ثقاہت دنیائے علم و فضل میں مُسلّم ہے، اگرچہ شاہ صاحبؒ کی مذکورہ کتاب سے بھی اقتباسات دیئے جا سکتے تھے، مگر پھر شیعہ کہہ اُٹھتے: چونکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سُنّی تھے، لہٰذا اُنھوں نے ہم پر بلا وجہ کیچڑ اُچھالی؛ اِس طرح وہ ہمارے پیش کردہ حوالوں اور عبارتوں سے برأت کا اظہار کر دیتے، اِس لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ شیعہ عقائد اُن کی اپنی کتابوں سے لے کر بغیر کسی تجزیہ و تبصرہ کے اہلِ اسلام کے سامنے رکھ دیئے جائیں۔ آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریروں سے بھی چند حوالے پیش کئے جائیں گے، تاکہ عوام اِنہیں پڑھ کر کم از کم یہ اندازہ تو لگائیں کہ کیا ایک مسلمان کے عقائد یہی ہونا چاہئیں؟ ہم نے بارہا ذکر کیا ہے کہ ہم کسی کلمہ گو اور ختمِ نبوت پر ایمان رکھنے والے کو کافر و مُشرک کہنے کے حق میں نہیں، خواہ وہ وہابی ہو، شیعہ ہو یا کوئی اور۔ ہم شیعہ مذہب اور اُن کے اکابر علماء و مجتہدین کی عبارات نقل کئے دیتے ہیں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اِس کے ساتھ یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ ہم ہر شیعہ کو اِن عقائد کا قائل اُس وقت سمجھیں گے، جب وہ اپنی زبان سے اقرار کرے گا کہ ہاں مجھے محولہ عبارات و عقائد سے اتفاق اور اِن پر ایمان ہے۔ یہ اِس لئے کہ ہو سکتا ہے آج کل کے بعض باشعور اور معقول شیعہ اپنے اکابر کے اِن خلافِ عقل و نقل عقائد سے متفق نہ ہوں، لہٰذا ہم ایسے خوش نصیب شیعہ کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کے حق میں بھی نہیں، بلکہ ایسے باشعور افراد کو اِن عقائدِ فاسدہ سے بری الذمہ سمجھتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ پہلے وہ اپنی زبان سے اِن عقائد کے اقرار یا انکار کا اعلان کریں، قارئین خود فیصلہ دیں کہ کیا کسی مسلمان کے ایسے عقائد ہو سکتے ہیں؟

# موجودہ قرآن کے بارے میں شیعہ عقائد

قرآنِ مجید کی حقانیت دنیائے اسلام میں ایک متفق علیہا اور مسلّمہ حقیقت ہے، کوئی کلمہ گو اس کے ایک لفظ پر بھی شک نہیں کرسکتا، اگر کرے گا تو کافر ہوگا۔ اسلام کا دار و مدار ہی قرآنِ مجید پر ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک ایسا معجزہ ہے، جسے کفّار نے بھی تسلیم کیا اور جس کی صداقت اظہر من الشمس ہے، مگر افسوس ہے کہ شیعہ مذہب کے اکابر اس کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، وہ اُن کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :۔

عن جابرٍ قال سمعتُ اَبَا جعفر علیہ السّلام یقولُ ما ادّعٰی اَحَدٌ مِّنَ النّاسِ اَنَّہٗ جَمَعَ القرآنَ کُلَّہٗ کما اُنزلَ اِلّا کذّابٌ وما جَمَعَہٗ و حَفِظَہٗ کما نزّلہُ اللہ تعالیٰ اِلّا علیُّ ابنُ ابی طالبٍ والائمۃُ مِن بعدِہٖ علیہ السّلام۔[1] (ترجمہ) جابر سے روایت ہے، اُس نے کہا کہ میں نے امام باقرؓ سے سُنا، لوگوں میں سے کوئی دعوٰی نہیں کرسکتا کہ اُس نے سارا قرآن اُس طرح جمع کیا ہو، جیسا کہ وہ اُترا تھا، جو کوئی ایسا دعوٰی کرے، وہ کذّاب ہوگا۔ نزول کے مطابق اُس کو نہ تو کسی نے جمع کیا اور نہ کسی نے یاد کیا، مگر علیؓ ابنِ ابی طالب نے اور اُن کے بعد آنے والے ائمہ نے۔

مزید لکھتے ہیں :۔

قرأ رَجُلٌ علی ابی عبدِ اللہ علیہ السّلام و اَنَا اَستمِعُ حُرُوفًا مِن القرآن لیسَ علی ما یقرؤُھَا النّاسُ فقال ابو عبدِ اللہ علیہ السّلام، کُفَّ عن ھٰذا القرآنِ اِقرأ کما یقرأُ النّاسُ حتّٰی یقومَ القائمُ فاذا قام القائمُ قرأ کتابَ اللہ عزّوجلّ علٰی حَدِّہٖ و اخرج المُصحفَ الّذی کَتَبَہٗ علیٌّ علیہ السّلام۔[2] (ترجمہ) ایک شخص نے حضرت امام جعفرؓ کے ہاں قرآن پڑھا اور میں ایسے

---

[1] دیکھئے اُصولِ کافی، کتاب الحجۃ، جلد اوّل، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ (تہران)

[2] دیکھئے اُصولِ کافی، جلد دوم، ص ۶۳۳، مطبوعہ تہران

حروف سنتا رہا، جو لوگوں کے قرآن پڑھنے کے مطابق نہ تھے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: اِس طرح نہ پڑھ! اُسی طرح پڑھ! جس طرح لوگ پڑھتے چلے آ رہے ہیں، یہاں تک کہ امامِ مہدیؑ کا ظہور ہو، جب آپ آئیں گے تو اُس وقت اصل قرآن پڑھیں گے اور وہ قرآن لائیں گے، جو حضرت علیؓ نے لکھا تھا (انتہیٰ)

چھٹی صدی ہجری کے مشہور شیعہ عالم ابو منصور احمد الطبرسی رقم طراز ہیں:۔ وَلَوْ شَرَحْتُ لَكَ كُلَّمَا[1] اُسْقِطَ وَحُرِّفَ وَبُدِّلَ مِمَّا يَجْرِي هٰذَا الْمَجْرٰى لَطَالَ وَظَهَرَ مَا تَحْظُرُ التَّقِيَّةُ اِظْهَارَهُ مِنْ مَنَاقِبِ الْاَوْلِيَاءِ وَمَثَالِبِ الْاَعْدَاءِ[2]

(ترجمہ) اور اگر مَیں تمہارے سامنے (یہ بات) کھول دُوں کہ کیا کچھ قرآن سے نکالا اور بدلا گیا اور اِس میں تحریف کی گئی، تو بات لمبی ہو جائے گی اور وہ چیز ظاہر ہو جائے گی کہ تقیہ جس کے اظہار سے روکتا ہے، یعنی اولیاء کے مناقب اور اعداء کے عیوب سے۔

پھر گیارھویں صدی کے ایک شیعہ محقق مُلّا محسن کاشانی، علّامہ طبرسی کی مذکورہ عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ المستفاد من جميعِ هٰذِهِ الاخبارِ وغيرِها من الرِّواياتِ من طريقِ اهلِ البيتِ عليهم السَّلام اَنَّ القرانَ الَّذِي بينَ اَظهُرِنا لَيسَ بتمامِهِ كما اُنزِلَ على محمّدٍ صلى الله عليه وسلم وآله، بَل منه ما هُوَ خِلافُ ما اَنزَلَ اللهُ ومنهُ ما هُوَ مُغَيَّرٌ ومُحَرَّفٌ واِنَّهُ قد حُذِفَ عنه اشياءُ كثيرةٌ منها اسمُ عليٍّ عليه السَّلام في كثيرٍ مِّن المواضعِ ومنها لفظةُ آلِ محمّدٍ صلى الله عليهم غيرَ مرّةٍ، ومنها اسماءُ المنافقينَ في مواضعها، ومنها غيرُ ذٰلك واِنَّه ليس

---

[1] لفظِ کلّما، ما حرفیہ مصدریہ پر داخل ہونے کی صورت میں موصُولاً (یعنی ملا کر کُلَّمَا) لکھا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کُلَّمَا استعمال کیا گیا ہے، جب کہ ما موصولہ یا موصوفہ پر داخل ہونے کی صورت میں اسے مفصُولاً (یعنی الگ الگ کُلَّ مَا) لکھا جاتا ہے، جیسا کہ آیتِ مبارکہ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ میں ہے (القرآن ۱۴: ۳۴) شیعہ عالم طبرسی کی مذکورہ عبارت میں چونکہ ما حرفیہ مصدریہ نہیں ہے؛ اِس لئے رسم الخط کے لحاظ سے اسے مفصُولاً (یعنی کُلَّ ما) لکھا جانا چاہیے تھا۔ (مصنّف)

[2] دیکھئے الاحتجاج للطبرسی، جلد اوّل، ص ۲۵۴، الطبعہ سعید مشہد المقدسہ (ایران)

ایضاً علی الترتیب المرضی عند اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ و آلہ و بہ قال علی بن ابراھیم۔[1] (ترجمہ) اِن سب احادیث اور اہلِ بیت کی دیگر روایات سے یہی ثابت ہے کہ یہ قرآن جو اِس وقت ہمارے سامنے ہے، پُورا نہیں۔ جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا تھا، بلکہ اِس میں ایسی باتیں ہیں، جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے خلاف ہیں، ایسی بھی ہیں، جن میں تبدیلی کی گئی ہے اور وہ تحریف شدہ ہیں اور ان میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں۔ اُنہی میں سے حضرت علیؓ کا نام بھی تھا، جو بہت سے مقامات پر تھا اور اُنہی میں آلِ محمدؐ کے الفاظ بھی تھے، جو کئی جگہ تھے اور اُنہی میں کئی مقامات پر منافقین کے نام بھی تھے! اِس کے علاوہ اور بھی کئی باتیں تھیں اور یہ بات بھی ہے کہ موجودہ قرآن اُس ترتیب پر نہیں، جو اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں پسندیدہ ہو اور یہی بات (مشہور مفسّر) علی بن ابراہیم نے کہی ہے۔

## رسالت کے متعلق شیعہ عقائد

یوں تو ہر مسلک کے مفسّر نے آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کی ہے، مگر ایک شیعہ مفسّر کی یہ انوکھی تفسیر قابلِ دید ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ[2] (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ کسی حقیر چیز کی مثال بیان فرمانے سے نہیں رُکتا، مچھر ہو یا اُس سے اُوپر۔ مچھر اور بڑے جانور سے کون کون مُراد ہیں، اِسے شیعہ مذہب کے ثقہ مفسّر علی بن ابراہیم القمی (م، ۱۲۱ھ) سے سُنیئے:۔ فالبعوضة امیرالمؤمنین ومافوقھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3] (ترجمہ) مچھر سے مُراد حضرت علیؓ اور بڑے سے مُراد ...... ہیں (استغفر اللہ ثم استغفر اللہ) اور سُنیئے! شیخ طوسی اور نعمانی آٹھویں امام حضرت رضاؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ وہ بروئے آفتاب برہنہ ظاہر ہوں گے اور مُنادی اعلان کرے گا کہ امیرالمؤمنین

---

[1] دیکھئے تفسیر الصافی، جلد اوّل، ص ۳۲، مطبوعہ ایران

[2] القرآن ۲: ۲۶

[3] دیکھئے تفسیر قمی، جلد اوّل، ص ۳۵، مطبوعہ مؤسسہ دار الکتاب للطباعۃ والنشر، قم (ایران)

دوبارہ آگئے ہیں۔ اِس برہنہ مہدی کا سب سے پہلا مُرید کون ہوگا؟ اِسے مُلّا باقر مجلسی سے سُنیئے:۔ اوّل کسے کہ بہ اُو بیعت کُند محمدؐ باشد[1]۔ (ترجمہ) سب سے پہلے اُس (ننگے) مہدی کی جو بیعت کریں گے، وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے (استغفر اللہ)

شیعہ مذہب میں تقیہ کی طرح مُتعہ کو بھی ایک خاص درجہ حاصل ہے، چنانچہ اِس کی اہمیت بتاتے ہوئے شیعہ کے معتبر عالم مُلّا فتح اللہ کاشانی حضور علیہ السّلام کی طرف منسوب کر کے لکھتے ہیں:۔ مَن تَمَتَّعَ مَرَّةً كَانَ دَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الحسين عليه السّلام، ومَن تمتّع مرّتينِ فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الحسن عليه السّلام، ومَن تمتّع ثلثَ مَرّاتٍ كانَ دَرَجَتُهُ كَدَرجةِ علی ابن ابی طالب علیہ السّلام، ومَن تمتّع اربعَ مرّاتٍ فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَتِي[2]۔ (ترجمہ) جس نے ایک بار مُتعہ کیا، اُسے جناب حُسینؓ کا درجہ مل گیا۔ جس نے دو دفعہ مُتعہ کیا، اُسے جناب حسنؓ کا درجہ مل گیا۔ جس نے تین دفعہ متعہ کیا، اُس نے جناب علیؓ کا درجہ پالیا اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا، اُس کا درجہ میرے برابر ہوگا۔ (نعوذ باللہ)

بعض سادہ لوح یہ خیال کرتے ہیں کہ امام خمینی دوسروں کی طرح متشدّد اور غلوپسند نہیں، مگر اُن کی کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ وہ ایسے عقائدِ باطلہ کی تردید و تکذیب کے بجائے اُن کی توثیق و تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ از ضروریاتِ مذہبِ ماست کہ کسے بمقاماتِ معنوی ائمہ (ع) نمی رسد، حتّٰی ملکِ مُقرّب و نبیِّ مُرسل[3]۔ (ترجمہ) یہ چیز ہمارے شیعہ مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے اماموں کا وہ درجہ ہے، جسے کوئی مقرب فرشتہ اور نبیِّ مُرسَل بھی نہیں پاسکتا۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

## سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے متعلق شیعہ عقائد

شیعہ مذہب کے ایک محقق لکھتے ہیں:۔ چوں قائم ماظاہر شود، عائشہ را زندہ کُند تا

---

[1] دیکھئے حق الیقین، جلد دوم، ص ۳۴۷، مطبوعہ انتشاراتِ علمیہ اسلامیہ، بازار شیرازی جنب نوروز خان

[2] دیکھئے تفسیر منہج الصادقین، جلد دوم، ص ۴۹۳، طبع انتشارات علمیہ اسلامیہ الخ

[3] دیکھئے ولایتِ فقیہ (فارسی) ص ۵۸، مکتبہ انتشاراتِ آزادی قم سہ راہ موزہ

برأوحد بزند و انتقام فاطمہ ازو بکشد۔[1] (ترجمہ) جب ہمارے امام مہدی ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ اُس پر حد لگائیں اور اُس سے فاطمہ کا بدلہ لیں (استغفراللہ) یہی مُلّا باقر مجلسی حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔ در بیانِ احوالِ شقاوت مآلِ عائشہ و حفصہ۔[2] (ترجمہ) سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے بُرے انجام کے حالات کے بیان میں (معاذ اللہ) مُلّا باقر مجلسی نے حضرت صدیقِ اکبرؓ، حضرت فاروقِ اعظمؓ، اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں لکھا ہے :۔ پس آں دو ملعون و دو ملعونہ بایک دگر اتفاق کردند کہ آنجناب (صلی اللہ علیہ وسلم) را بہ زہر شہید کنند۔[3] (ترجمہ) پس اُن دو ملعون مَردوں اور دو ملعون عورتوں نے رسالت مآب علیہ السلام کو زہر دینے پر اتفاق کیا (نعوذ باللہ) محمد باقر مجلسی کا مرتبہ امام خمینی کی نظر میں کیا ہے، اُنہی کے الفاظ میں سُنئیے :۔ کتاب ہائے فارسی را کہ مرحوم مجلسی برائے مردمِ پارسی زبان نوشتہ بخوانید! تا خود را مبتلا بیک ہچو رسوائے بے خردانہ نکنید۔[4] (ترجمہ) مجلسی مرحوم نے وہ فارسی کتابیں جو ایرانی لوگوں کے لئے لکھی ہیں، اُنہیں پڑھتے رہو تاکہ اپنے آپ کو کسی اور ایسی بے وقوفی میں مبتلا نہ کرو۔

## اصحابِ رسولؐ کے متعلق شیعہ عقائد

دُنیائے اِسلام میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سر آنکھوں پر جگہ دی جاتی ہے؛ اُن کے اِس غیر معمولی احترام و تکریم کا سبب وہ شرفِ معیت و قربت ہے، جو اُنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھا۔ گویا اُن کا احترام درحقیقت سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کی تعظیم ہے، مگر شیعہ مذہب کی مُستند کتابوں

---

[1] دیکھئے حق الیقین، ص ۳۴۷، مطبوعہ انتشاراتِ علیہ بازار شیرازی جنب نوروخان

[2] دیکھئے حیات القلوب، جلدِ دوم، ص ۶۰۸، مطبوعہ سازمانِ چاپ و انتشاراتِ جاوداں

[3] دیکھئے حیات القلوب، جلدِ دوم، ص ۶۱۰، مطبوعہ انتشاراتِ جاوداں

[4] دیکھئے کشف الاسرار، ص ۱۲۱، مطبوعہ انتشاراتِ مصطفوی

میں اُن ذواتِ جلیلہ کے لئے جو ایمان سوز الفاظ ملتے ہیں، اُنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے اور ایک مسلمان کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھتی ہے۔ چنانچہ شیعہ کے مستند ترین اور درجۂ اوّل کے محدث مُلا محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ) حضرت امام باقرؒ کے حوالے سے صحابہؓ کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ کَانَ النَّاسُ اَھلَ رِدَّۃٍ بعدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ آلہٖ اِلَّا ثَلٰثَۃٌ فَقُلْتُ وَمَنِ الثَّلٰثَۃُ؟ فقال: المقداد بن الاسود، وابو ذر غفاری، وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ علیہم[1] (ترجمہ) رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مقداد بن الاسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی کے سوا سب لوگ (یعنی صحابہؓ) مُرتد ہوگئے (العیاذ باللہ)

پھر لکھتے ہیں:۔ وَاَنَّ الشَّیْخَیْنِ فارقا الدنیا ولم یتوبا ولم یتذکرا ما صنعا بامیر المؤمنین علیہ السلام فعلیھما لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین[2] (ترجمہ) ابو بکرؓ و عمرؓ توبہ کئے بغیر دُنیا سے چلے گئے اور اُنہوں نے جو کچھ حضرت علیؓ سے کیا اُسے کبھی یاد تک نہ کیا، سو اُن پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت (استغفر اللہ)

## چند شیعوں سے ایک لطیف علمی مکالمہ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، معاشرۂ انسانی میں کسی پر میل جول کا دروازہ بند کر دینا اخلاقی اقدار کے منافی ہے۔ ہر مسلک اور ہر قسم کے ذہنوں سے واسطہ پڑتا ہے، چونکہ اِس وقت شیعہ مذہب زیرِ بحث ہے، تو آپ بھی یہ لطیفہ سُنتے چلیے۔ بحمد اللہ مبداءِ فیض نے مجھے کچھ نہ کچھ منطقیانہ اور مناظرانہ ذہن عطا کیا ہے، بات سے بات پیدا کرنے کی ایک عادت سی ہے، بعض اوقات تو انتہائی نازک اور قابلِ احترام مواقع پر بھی قابو پانے کی کوشش کے باوجود کوئی فقرہ نکل ہی جاتا ہے۔ بہرحال ہوا یوں کہ ایک مرتبہ

---

[1] دیکھئے الروضۃ من الکافی، از الکلینی رازی، جلد ۸، ص ۲۴۵، مطبوعہ تہران

[2] دیکھئے الروضۃ من الکافی، جلد ۸، ص ۲۴۶، مطبوعہ تہران

دو تین شیعہ جو اہلِ بیت کی تعریف کے سبب میری بڑی عزت کرتے اور ہاتھ چُومتے تھے، آ گئے۔ دورانِ گفتگو اُن میں سے ایک صاحب جو بڑے تعلیم یافتہ، تاریخ و ادب کے عالم اور تیز ذہن کے مالک تھے، باتوں باتوں میں مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ پیر صاحب! میرے ذہن میں مدت سے ایک سوال انگڑائیاں لے رہا ہے۔ بڑے بڑے سُنی دوستوں اور علماء سے پُوچھا، مگر آج تک کوئی مُسکت اور شافی جواب نہیں ملا۔ آپ علمی خانوادے کے فرد ہیں، ہو سکتا ہے میرے سوال کا آپ کے پاس کوئی جوابِ شافی ہو۔ مَیں ذرا فکر مند سا ہوا کہ اب یہ صاحب اصحابِ ثلاثہ یا اِسی قسم کے کسی نزاعی مسئلہ کو چھیڑنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ بہرحال مَیں نے کہا کہ جناب! ارشاد فرمایئے! کہنے لگے کہ اکثر سُنی ہی شیعہ کی مجالس میں آتے جاتے اور پھر شیعہ مذہب اختیار کر کے شیعہ بن جاتے ہیں۔ آپ کو کوئی شیعہ، سُنیوں کی مجالس میں جاتا ہوا نظر نہیں آئے گا اور نہ سُنی بنتے ہوئے دکھائی دے گا۔ مَیں سمجھ گیا کہ وہ دراصل اِس سوال سے شیعہ مذہب کی صداقت و حقانیت کو اُجاگر کرنا چاہتے ہیں کہ اِس مذہب کی صداقتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاتا، نتیجۃً دوسرے مسالک کے افراد بلا تامل اِسے قبول کر کے شیعہ بن جاتے ہیں، اِس کے برعکس سُنیوں کا ایسا مذہب ہے، جسے کوئی دوسرا فرقہ بالعموم اور شیعہ مسلک بالخصوص کبھی قبول نہیں کرتا۔ اُن کے اِس سوال نے میرے ذہن پر تازیانے کا کام کیا اور فی البدیہہ ایسا جواب پیش کیا کہ وہیں ٹھنڈے ہو گئے اور توبہ توبہ کرتے ہوئے چلتے بنے۔ مَیں نے کہا: آپ کا اِس سوال سے یہی مُدعا ہے نا کہ اگر شیعہ مذہب جھُوٹا ہے تو سُنی کیوں شیعہ بنتے ہیں۔ کہنے لگے ہاں۔ مَیں نے کہا کہ ہمیشہ انسان ہی شیطان بنتا ہے، شیطان کبھی انسان نہیں بن سکتا! یعنی یہ تو سب کہتے ہیں کہ دیکھو دیکھو فلاں انسان شیطان بن گیا، مگر آج تک کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ دیکھو آج شیطان انسان بن گیا! لہٰذا کوئی سُنی اگر بدقسمتی سے کبھی شیعہ بن جائے، تو یہی سمجھئے کہ ایک انسان تھا، جو اَب شیطان بن گیا اور اگر کوئی شیعہ یا کسی اور مسلک کا آدمی سُنی نہیں بنتا تو یہی سمجھئے کہ کیا کبھی شیطان بھی انسان بنا؟ خیر یہ جواب سُنتے ہوئے وہ لوگ تو رُخصت ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ملاقات ہوئی تو مجھے شرم سی محسوس ہوئی کہ کہیں میرے جواب سے اُن کی دل آزاری نہ ہوئی ہو، مگر صاحب ایسے حوصلہ مند شیعہ بہت کم دیکھنے میں آتے؛

وہ اُسی طرح مجھے آ کر ملے اور کہنے لگے کہ یار تمہارا یہ خوبصورت جواب سُن کر سُنّی بن جانے کو جی چاہتا ہے۔ مَیں نے کہا: ؎ در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست، بِسم اللہ آ جائیے! انسان بن جائیے۔ خیر ہنسی مزاح کا سلسلہ جاری رہا۔ کہنے لگے: تمہاری ذہانت اور طباعی کو دیکھتے ہیں تو ماتھا چومنے کو جی چاہتا ہے، مگر جب یہ دیکھتے ہیں کہ تم نے محاوراتی آڑ لے کر ہمیں شیطان بنا دیا تو بات کرنے کو بھی جی نہیں کرتا۔ مَیں نے کہا، جناب دیکھا! اپنی باری کتنی تکلیف ہوتی ہے؛ آپ کی کتابوں میں جب سیدہ عائشہؓ، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، اور عثمانِ غنیؓ جیسی ذواتِ مقدسہ کے لئے شیطان سے بھی بدتر الفاظ استعمال کئے گئے اور پھر آپ لوگ اپنی نجی محفلوں میں جی کھول کر تبرّا بازی کرتے ہیں اور ہم انسانیت نواز لوگ پھر بھی آپ سے سلسلۂ مراسم نہیں توڑتے۔ جب آپ صحابہؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں کے لئے ہزار بار شیطان اور فاسق و فاجر کے الفاظ بول سکتے ہیں تو زندگی میں اُن کے کسی ایک باضمیر اور نمک حلال غلام نے اگر صرف ایک بار آپ کو شیطان کہہ دیا تو کون سی قیامت آگئی ہے۔

مانا کہ وہ نازک ہیں وہ نازوں کے پلے ہیں
ہم کیوں نہ جلائیں اُنہیں، ہم بھی تو جلے ہیں (اُستاد نوح ناروی)

اگر اُمّہات المومنینؓ اور اصحابِ ثلاثہؓ کے لئے آپ کے دل میں کسی قسم کے احترام کی گنجائش نہیں تو ہم جو اُن سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں، ہمارے سامنے کم از کم اُن کی شان میں سخت و سُست الفاظ اپنے دہن سے نہ نکالا کریں؛ جس طرح آپ اپنے بارے میں صرف ایک بار یہ لفظ سُن کر بھڑک اُٹھے، اُسی طرح اگر صحابۂ کرام کے متعلق آپ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کریں گے تو ہمارا بھڑک اُٹھنا کون سا محالِ عادی ہے۔ یقین جانئے میرے اِن دردمندانہ الفاظ نے اُن پر اِس قدر اثر کیا کہ وہ آبدیدہ سے ہو کر میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم اگر ہم واقعی اپنے ماں باپ کے ہیں تو آئندہ اصحابِ ثلاثہؓ اور اُمّہات المومنینؓ کے حق میں کبھی نازیبا الفاظ استعمال نہیں کریں گے۔ مزید کہنے لگے کہ تم ہمارے اچھے دوست ہو اور ہم صرف تمہاری علم دوستی اور شاعری کے سبب تمہارا احترام کرتے ہیں۔ کیا تم ہمیں اہلِ بیت کی محبت سے تو نہیں روکو گے؟ مَیں نے کہا: ارے حضرت! حُبِّ اہلِ بیت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا، اِس پر تو میرا ایمان ہے۔

اور یہی اپنا سرمایۂ دو جہان ہے۔ بقولِ راقم الحروف ؎

خواہ میری یہ فراست ہے کہ نادانی ہے
حُبِّ اولادِ نبیؐ، شرطِ مسلمانی ہے

مگر یاد رکھیے کہ وہی محبّتِ اہلِ بیتؓ خُدا و رسول کے نزدیک مقبول قرار پائے گی، جس میں صحابہؓ، اُمّہاتُ المؤمنینؓ اور اللہ تعالےٰ کے دیگر مقبول بندوں کی تنقیصِ شان کا پہلو نہ نکلتا ہو، اِس لئے کہ نہ تو کوئی ایسی نصِّ قرآنی موجود ہے اور نہ کوئی ایسی حدیثِ صحیح، جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ رسولِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبّت و عقیدت رکھو اور باقی اُمّتِ مسلمہ کے تمام اکابر کے متعلق جو منہ میں آئے، بکتے جاؤ۔ لہٰذا ایک سچے مُسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ قرآن و سُنّت کی تعلیمات اور اِن کی حدود و قیود کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائے رکھے اور اِن کی روشنی میں اکابرِ اُمّت کے مراتب و درجات کے مطابق اُن سے عقیدت و محبّت رکھے، جن میں صحابہؓ، اہلِ بیتؓ، اُمّہاتُ المؤمنینؓ، ائمہ، عُلماء و اولیاء سب شامل ہیں، اِن سب سے بڑھ کر اُس ذات سے محبّت کرے، جو اِن سب کی خالق و مالک ہے اور کائنات کا کوئی موجود ذات و صفات میں اُس کا شریک و سہیم نہیں بقولِ راقم الحروف[1]

؎ صنّاعِ گُل و لالہ و نقّاشِ چمن زار　　خلّاقِ مہ و مہر، فروزندۂ انوار
صُورت گرِ ایجاد و نگارندۂ آفاق　　گردش دہِ ایّام و طرازندۂ اعصار
برتر ز ہمہ جلوہ نُما در ہمہ عالم　　در پردۂ تکوین و زِ ہر ذرّہ نمودار
خود صاحبِ ادراک و بروں از حدِ ادراک　　آں کز ہمہ مستُور و بہ عیبِ ہمہ ستّار
از تابِ جمالش ہمہ زیبائیِ گلشن　　رعنائیِ گُل، موجِ صبا، خندۂ ازہار
دُردِ تہِ جام است زبحرِ نمِ جُودش　　دریا و غدیر و شمر و قُلزم و انہار
بر کشتِ جہانست سحابِ کرمِ اُو　　گُل ریز و سمن پاش و دُر افشان و گہربار
تا ذُروۂ حمدش نرسد فکرِ سخنور　　اوجِ صفتش پَر شکنِ طائرِ گفتار
بینند نصیرؔ اہلِ نظر جلوۂ حُسنش
گاہے بہ سرِ منبر و گاہے بہ سرِ دار

---

[1] فارسی اشعار پر مشتمل یہ طویل حمد راقم الحروف کے مجموعۂ نعت "دیں ہمہ اوست" میں طبع ہو چکی ہے۔

مسطورہ بالا فہرستِ اکابر سے ہماری محبت و عقیدت کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ سب اُس ذاتِ وحدہٗ لا شریک کی محبت میں پروانہ وار جلتے رہے اور ہم ان سب کا احترام اسی بنا پر کرتے ہیں کہ یہ زُمرۂ اخیار ذاتِ باری تعالیٰ کا سچا عبادت گزار اور اُس کی شمعِ ذات کا پروانۂ جاں گداز تھا۔

حضرات شیخینؓ یعنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت سیدنا عُمر فاروقؓ کے متعلق مشہور شیعہ عالم مُلّا باقر مجلسی کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:۔ فرعون و ہامان یعنی ابوبکر و عمرؓ۔ جناب عمرؓ کے لئے لکھتے ہیں:۔ و آنچہ در کُتبِ مبسوطہ از دنائتِ نسب و حسبِ عمرؓ، و ولد الزّنا بُودنِ اُو مذکور است، ایں رسالہ گنجائشِ ذکرِ آں ہا ندارد[۲] (ترجمہ) اور بڑی کتابوں میں حضرت عمرؓ کے حسب و نسب کی کمینگی اور اُن کے ولد الزّنا (حرامی) ہونے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اِس رسالہ میں اُس کے ذکر کی گنجائش نہیں (معاذ اللہ)

اب ملاحظہ فرمایئے کہ مُلّا باقر مجلسی صاحب نے حضرات شیخینؓ کو کافر کہنے کے لئے کس خوبی سے حضرت امام زین العابدینؓ کا سہارا لیا اور یہ تیر اُن کے کاندھے پر رکھ کر چلایا۔ لکھتے ہیں:۔ مرا خبر دہ از حالِ ابوبکر و عمر، حضرت فرمود: ہر دو کافر بودند۔[۳] (ترجمہ) سائل نے پُوچھا، مجھے ابوبکرؓ اور عُمرؓ کے حال سے آگاہ فرمائیں؟ اِس پر حضرت زین العابدینؓ نے فرمایا کہ وہ دونوں کافر تھے (نعوذ باللہ)

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

## اہلِ بیتؓ کے متعلق شیعہ عقائد

مُلّا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت علیؓ کا اِن صفات سے ذکر کیا ہے، اُن کی عبارت ہے:۔ مانندِ جنیں در رحم پردہ نشین شدہ ای، ومثلِ خائناں در خانہ گریختہ ای، و بعد ازاں کہ شجاعانِ دہر را بخاکِ ہلاک افگندی، مغلوبِ

---

[۱] دیکھئے حق الیقین، ص ۳۴۲
[۲] دیکھئے حق الیقین، ص ۲۵۹
[۳] ملاحظہ حق الیقین، از مُلّا باقر مجلسی، ص ۵۲۲

ایں نامرداں گردیدہ ای[1] (ترجمہ) رحم میں پڑے ناپختہ بچّے کی طرح تم پردہ نشیں ہوتے بیٹھے ہو اور خیانت کرنے والوں کی طرح گھر بھاگ آتے ہو اور دُنیا کے بہادروں کو خاکِ ہلاکت پر گرانے کے بعد خود اِن نامَردوں سے مغلوب ہو گئے ہو (انتہیٰ) واہ واہ مجلسی صاحب قبلہ! کیا روایت لکھی ہے؛ آپ نے تو اہلِ بیت کی تعریف کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے سُنا تھا کہ سیدنا علیؓ کی جسمانی ساخت کے متعلق صرف خارجی ہی بھونکتے ہیں۔ وہ تو ہیں ہی، مگر یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ یہ عقائد خارجیوں ہی کے نہیں، بلکہ داخلیوں کے بھی ہیں۔ چنانچہ ایسی ہی روایت خود ایک محبِ اہلِ بیت نقل کر رہے ہیں۔ ہماری دانست کے مطابق ایسی تمام روایات موضوع ہیں۔ اِس مذہب کے عالم کو اگر سیّدنا علیؓ سے کچھ بھی عقیدت ہوتی تو وہ ایسی رکیک روایت ہرگز نقل نہ کرتا۔ باقر مجلسی صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں؛ عبارت کا سیاق یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے عورتوں سے سُن کر حضرت علیؓ کے حُلیہ کی شکایت اِس طرح کی تھی:۔ اُو مَردیست شکم بزرگ و دست ہائے بلند دارد و بند ہائے اُستوانش کندہ است و پیشِ سرش مُو ندارد و چشم ہائے بزرگ دارد، پیوستہ دندانہایش بخندہ کشادہ است و مالے ندارد[2] (ترجمہ) یہ بڑے پیٹ والا آدمی ہے؛ اِس کے ہاتھ اُونچے ہیں، اِس کی ہڈیوں کے بند دھنسے ہوئے، سر کے اگلے بال اُڑے ہوتے اور آنکھیں بڑی بڑی ہیں، اِس کے دانت ہمیشہ کھُلے رہتے ہیں اور کچھ بھی مال اِس کے پاس نہیں ہے۔ (انتہیٰ)

شیعہ جو خُود کو محبّ علیؓ و اہلِ بیت کہتے ہیں، اُنہوں نے اپنی کتابوں میں تو اُن کی یہ تعریف کی، جس کا ابھی اُوپر ہم نے حوالہ دیا۔ شیعہ کے نزدیک سُنّی حضرات کیا ہیں! اِس کا ذکر آگے آئے گا؛ سرِدست یہاں ہم ایک جلیل القدر سُنّی اور عظیم المرتبہ ولی حضرت شاہ نیاز بریلوی چشتی نظامیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کی ایک خوبصورت فارسی منقبت نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے، جو اُنہوں نے حضرت علیؓ کی شان میں کہی تھی۔ اب موازنہ کر لیں کہ شیعہ نے جنابِ علیؓ کی تعریف و محبت کا حق ادا کیا، یا ایک سُنّی چشتی، نظامی پیر نے۔ فرماتے ہیں ؎

---

[1] دیکھئے حق الیقین، ص ۲۰۲، مطبوعہ ایران

[2] دیکھئے جلاء العیون، در احوالِ سیدۂ نساء، ص ۱۴۴، مطبوعہ انتشاراتِ علمیہ

زہے عزّ و جلالے بُوترابے، فخرِ انسانے　　علیُ المرتضیٰ، مشکل کُشائے، شیرِ یزدانے
امیرِ کشورِ فقرے، شہِ اقلیمِ عرفانے　　خداگوئے، خدابینے، خدادانے، خداشانے
انیسِ محفلِ اُنسے، جلیسِ مجلسِ قُدسے　　سرُورِ جانِ خاصانے، نشاطِ رُوحِ پاکانے
زہے ظُلمت کُشائے مشعلِ تاریکیٔ عالم　　سراپا جلوۂ نُورِ تمامے، ماہِ تابانے
براہِ حق مُہٰانیٔ ناقہ ہائے کاروانش را　　نباشد بے بدائے اُو کسے دیگر ہُدیٰ خوانے
پیمبر بر سرِ منبر نشست و خواند مولائیش　　کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق، بُرہانے

نیازؔ اندر قیامت بے سر و ساماں نخواہی شُد
کہ از حُبّ و تولائے علیؓ داری تُو سامانے

## اہل السُنّۃ والجماعت کے متعلّق عقائدِ شیعہ

اب ذرا اتّحاد پسند اور عَلَم بردارانِ اُخوّت سُنّی حضرات اپنے کلیجے تھام کے بیٹھیں کہ اُن کی باری ہے، کیونکہ وہ شیعہ سُنّی بھائی بھائی کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے اور اپنی محافل میں شیعہ کو اظہارِ اخوّت کے لئے اہتماماً دعوت دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ سُنّیوں کے حق میں شیعہ کا اندازِ فکر مُثبت ہو جائے؛ ہمیں اِس سے یقیناً بڑی خوشی ہوگی، مگر اب تو ؎

ہو چلی ختم انتظار میں عُمر
کوئی آتا نظر نہیں آتا　　(امجد حیدر آبادیؒ)

فی الحال اُن کا سُنّیوں کے حق میں فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ شیعوں کے سب سے بڑے محدّث محمد بن یعقوب الکلینی حضرت امام باقرؓ کے نام سے یہ عقیدہ لکھتے ہیں:۔ اَنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ اَوْلَادُ بَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتَنَا۔[1] (ترجمہ) ہمارے شیعہ کے سوا سب کے سب لوگ حرام زادے ہیں۔ (استغفر اللہ) مزید کرم فرمائی ملاحظہ ہو:۔ وقتیکہ قائم علیہ السّلام ظاہر می شود، پیش از کفّار ابتداء بہ سُنّیاں خواہد کرد با عُلمائے ایشاں، و ایشاں را خواہد کشت، و در مجمع البیان نیز مضمونِ ایں حدیث از آنحضرت روایت کردہ است[2]۔ (ترجمہ) جب امام

---

[1] دیکھئے الروضۃ الکافی، جلد ۸، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ (تہران)
[2] دیکھئے حق الیقین، جلد ۲، ص ۵۲۷

مہدی ظاہر ہوں گے تو دوسرے کافروں سے پہلے سُنّیوں کے عُلماء سے ابتداء کریں گے اور اُنہیں قتل کریں گے، تفسیر مجمع البیان میں بھی حدیث کا یہ مضمون آنحضرت سے مروی ہے۔

مشہور شیعہ عالم مُلّا محمّد باقر مجلسی حضرت زین العابدینؒ کے نام سے اہلِ سُنّت کو اِن الفاظ میں کافر لکھ گئے :۔ مراخبر دہ از حالِ ابوبکر و عُمر؟ حضرت فرمود : ہر دو کافر بودند و ہر کہ ایشاں را دوست دارد کافر است[1]۔ (ترجمہ) سائل نے حضرت زین العابدینؒ سے دریافت کیا کہ مجھے صدّیقِ اکبرؓ اور جنابِ عُمرؓ کے حال سے آگاہ کریں تو آپ نے جواباً فرمایا کہ وہ دونو کافر تھے اور جو کوئی اُنہیں (ابوبکرؓ و عُمرؓ کو) دوست رکھے، وہ بھی کافر ہے۔

ایک اور گُل افشانی ملاحظہ ہو، جس میں اہلِ سُنّت کو ناصبی قرار دینے کا یہ پہلو حضرت امام علی النقی کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں :۔ سوال کردند کہ آیا محتاج ہستیم در دانستنِ ناصبی بر زیادہ ازیں کہ ابوبکر و عُمر را تقدیم کند بر امیرالمؤمنین علیہ السّلام و اعتقاد بر امامتِ آنہا داشتہ باشد۔ حضرت در جواب نوشت : ہر کہ ایں اعتقاد داشتہ باشد اُو ناصبی است[2]۔ (ترجمہ) سوال کیا گیا کہ ناصبی کے بارے میں اِس کے سوا کہ وہ ابوبکرؓ و عُمرؓ کو حضرت علیؓ پر مقدّم سمجھتا ہے اور اُن کی امامت کا قائل ہے، کچھ اور جاننا بھی ضروری ہے؟ حضرت نے فرمایا: جو کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہو، وہ ناصبی ہے۔ یہی مُلّا باقر مجلسی جو پہلے ناصبی کی یہ تعریف کر آتے ہیں، مزید لکھتے ہیں: آں بدتر است از ولدِ زنا، بدرستیکہ حق تعالےٰ خلقے بدتر از سگ نیافریدہ است و ناصبی نزدِ خدا خوار تر است از سگ[3]۔ (ترجمہ) ناصبی (جو حضرت ابوبکرؓ و عُمرؓ کو مقدّم سمجھتا ہو) ولد الزّنا سے بھی بدتر ہے، یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کُتّے سے بدتر کسی چیز کو نہیں بنایا، لیکن ناصبی خدا کے نزدیک کُتّے سے بھی زیادہ خوار و بدتر ہے۔

## امامِ انقلاب علّامہ خمینی کے نظریات وخیالات

جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام خمینی تشدّد پسند نہیں، بلکہ وہ اخوّتِ اسلامی

---

[1] دیکھئے حق الیقین، جلد ۲، ص ۵۲۲

[2] دیکھئے حق الیقین، جلد ۲، ص ۵۲۱

[3] دیکھئے حق الیقین، جلد ۲، ص ۵۱۶

کے قلم برداروں میں سے ہیں اور بعض کو تو یہ کہتے سُنا گیا کہ علامہ خمینی صاحب نے شیعہ برادری کو سُنّیوں کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے، مگر یہ سینہ گزٹ قسم کی بات لگتی ہے، اِس لیے کہ ہم نے گزشتہ سُطُور میں خمینی صاحب کے ایک دو نظریوں کا ذکر کر دیا ہے، اطمینانِ قلب کے لیے اُن کے چند مزید نظریات ملاحظہ فرمائیے :-

علامہ خمینی حضرت ابُوبکر اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں :- آں ہائیکہ سالہا در طمعِ ریاست خود را بدینِ پیغمبر چسپانیدہ بودند و دستہ بندی ہا می کردند، ممکن نبود بگفتۂ قرآن از کارِ خود دست بردارند۔ باہر حیلہ بود کارِ خود را انجام می دادند۔[1] (ترجمہ) وہ لوگ جو کئی سالوں سے اپنی حکومت و اقتدار کے طمع میں خود کو پیغمبر کے دین سے چپکائے بیٹھے تھے اور اُنہوں نے گروہ بندی کر رکھی تھی، ناممکن تھا کہ قرآن کے فرمودات کے سبب اپنے کام سے باز آجائیں، جس طرح بھی ہو سکے؛ اُنہیں اپنے کاموں کو سرانجام دینا تھا۔

مزید لکھتے ہیں :- آں ہائیکہ جُز برائے دُنیا و ریاست با اسلام و قرآن سروکار نداشتند و قرآن را وسیلۂ اجرائے نیّاتِ فاسدۂ خود کردہ بُودند۔[2] (ترجمہ) وہ لوگ جو دُنیا اور حکومت کے سوا اسلام اور قرآن سے کچھ سروکار نہیں رکھتے تھے اور قرآن کو اپنی بُری نیتوں کے چلانے کی آڑ اور وسیلہ بنائے بیٹھے تھے۔ اِسی طرح امام خمینی صاحب قبلہ نے کشفُ الاسرار کے آخر میں ایک عُنوان قائم کیا ہے؛ مخالفت ہائے ابوبکر بانصِ قرآن[3]، اِسی طرح ایک اور عُنوان؛ مخالفتِ عُمر با قرآنِ خدا[4]، قائم کیا۔ اہلِ سُنّت کے جوابات کی تردید میں جو عنوان قائم کرتے ہیں؛ وہ یہ ہے؛ یک نظر بہ گفتارِ یاوہ گویاں[5]۔ (ترجمہ) یاوہ گوئی کرنے والوں کی باتوں پر ایک نظر۔ گویا خمینی صاحب کے نزدیک سُنّی یاوہ گو اور بیہودہ گفتار ٹھہرے۔

آخر میں حضرت ذوالنُّورین سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے متعلق خمینی صاحب

---

[1] دیکھئے کشفُ الاسرار از علامہ خمینی، ص ۱۱۴

[2] دیکھئے کشفُ الاسرار، ص ۱۱۴

[3] دیکھئے کشفُ الاسرار، ص ۱۱۴

[4] دیکھئے کشفُ الاسرار، ص ۱۱۷

[5] دیکھئے کشفُ الاسرار، ص ۱۲۰

کا نظریہ مُلاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں :- ما خدائے را پرستش می کنیم و می شناسیم کہ کارہائش بر اساسِ خرد پائیدار و بخلافِ گفتہ ہائے عقل ہیچ کارے نہ کند، نہ آں خدائے کہ بنائے مُرتفع از خدا پرستی وعدالت و دینداری بنا کند و خود را بہ خرابیٔ آں بکوشد و یزید و معاویہ و عثمان و ازیں قبیل چپاولچی ہائے دیگر را بمردم امارت دہد۔(ترجمہ) ہم اُسی خدا کی پرستش کرتے اور اُسی کو جانتے ہیں، جس کے کام پختہ عقل پر مبنی ہوں اور عقل کے فیصلے کے خلاف کچھ نہ کرے، نہ ایسے خدا کو جو خدا پرستی، انصاف اور دینداری کی ایک اُونچی عمارت بنوائے اور پھر خود ہی اُسے برباد کرنے کی کوشش کرے اور یزید، معاویہ وعثمان اور اِن جیسے بدقماشوں کو لوگوں کی سرداری دے دے۔

آپ نے دیکھا کہ خمینی صاحب کا توسنِ بے لگام یزید و معاویہ کے ساتھ کس طرح حضرتِ عثمانؓ کو بھی روندتا نکل گیا، یہاں تک کہ آپ کو بھی بدقماش کہہ گئے۔ اُنہیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اُدھر وہ شیعہ سُنّی بھائی بھائی کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور اِدھر مسلمانوں کی ایک جماعتِ کثیر (سُنّیوں) کے اکابر پر سب وشتم کے دروازے بھی کھول رہے ہیں، جن باضمیر مسلمانوں کے دل میں اُمہاتُ المومنین، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور دیگر اکابرِ اُمّت کی ذرہ بھر بھی عزّت ہے، اُنہیں اِتنا کچھ پڑھ لینے کے بعد تو بیدار ہونا چاہیئے اور اگر اب بھی بیداری کا امکان نہیں تو پھر بے ضمیر اور ناپاک زندگی مبارک ہو۔ بقولِ اقبالؔ ؎

رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف		(ضربِ کلیم)

شیعہ کی محوّلہ بالاعبارات نقل کرنے کے دوران مجھے سلطانُ العارفین حضرت ابُوسعید ابُوالخیر قدس سرّہٗ کی ایک رُباعی یاد آگئی۔ فرماتے ہیں ؎

یا گردنِ روزگار را زنجیرے		یا سرکشیٔ زمانہ را تدبیرے
ایں زاغ وشاں بسے پرید ند بلند		سنگے، چوبے، گزے، خدنگے، تیرے

ترجمہ۔ آفاق کی گردن میں زنجیر ڈال کر اِسے مسخر کرلے، یا زمانے کی سرکشی کا کوئی علاج کر، کیونکہ یہ زاغ فطرت (بستی کوّے، ملعون حدود سے بڑھ کر پرواز کر رہے ہیں، اِن پر کسی پتھر، لکڑی، چھڑی یا تیر سے ضرب کاری لگاتے ہوئے اِنہیں آدابِ حدود سکھا۔

---

لہ دیکھئے کشف الاسرار، ص ۱۰۷

جیسا کہ ہم شیعہ عقائد کی ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ ہمارے پاس شیعہ عقائدِ باطلہ کے متعلق اور بہت سے حوالہ جات ہیں، مگر ہم نے خوفِ طوالت سے اُن کو ترک کر دیا اور کسی سُنّی مصنّف کی کتاب سے عبارات نقل نہیں کیں، بلکہ شیعہ کی اپنی کتابوں سے عبارات لکھیں۔ اب ہم مشہور اور مُستند محدّث و عالم حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ سے، جو اصل فارسی میں ہے، شیعہ کے چند بُنیادی عقائد کی تلخیص اُردو میں لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جسے تحفۂ اثنا عشریہ[1] دیکھنے کا شوق ہو، وُہ اُس کا اصل نسخۂ فارسی دیکھ سکتا ہے اور استانبول کا چھپا ہوا اُس کا عربی ترجمہ بھی ملاحظہ کر سکتا ہے۔ ہم نے اکثر[2] عقائدِ شیعہ اُن کی کتابوں سے مع ترجمہ نقل کر دیئے ہیں، اب شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی کاوش بھی مُلاحظہ ہو:۔

## شیعہ کے عقائدِ باطلہ کا اجمالی خاکہ

۱۔ شیعہ کے نزدیک موجودہ قرآن صحیح نہیں، بلکہ صحابہؓ نے اِس میں تغیّر و تبدّل کیا۔

۲۔ شیعہ کے فرقۂ غرابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جبرئیلؑ نے وحی لانے میں غلطی کھائی، پہنچانا علیؓ کو تھی، مگر حضور علیہ السلام کو پہنچا دی۔

۳۔ خُلفائے ثلاثہ (ابُوبکرؓ، عُمرؓ، عثمانؓ) چونکہ مومن نہ تھے، لہٰذا وہ خلافت کے لائق بھی نہیں تھے۔

۴۔ جس کے دل میں علیؓ کی محبت ہو، چاہے وہ یہودی، نصرانی یا مُشرک ہو، جنّت میں داخل ہوگا اور جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ محبت رکھے، چاہے وہ نیک، پاکباز ہو اور اُس کے دل میں اہلِ بیتؓ کی محبت ہو، جہنّم میں جائے گا۔

۵۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ اور حضرت سیّدنا عمرؓ پر لعنت کرنے سے بسم اللہ کا ثواب ملتا ہے اور جو طعام اِن حضرات پر ستّر (۷۰) مرتبہ لعنت کرنے کے بعد کھایا جائے، اُس میں زیادہ برکت پڑتی ہے۔

---

[1] راقم الحروف کے پاس اِس کا ایک عربی نسخہ ہے، جو فارسی سے عربی میں ترجمہ شدہ ہے اور استانبول کا چھپا ہوا ہے۔

[2] شیعہ کُتب کے حوالوں کا شوق ہو تو مندرجہ تمام کُتب راقم الحروف کے پاس موجُود ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و مرسلین کو سیدنا علیؓ کی ولایت کی تصدیق کے لئے بھیجا اور اگر جناب علیؓ نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔
۷۔ حضرت علیؓ پر وحی نازل ہوتی تھی۔
۸۔ انبیاء علیہم السلام بہتان لگا سکتے اور جھوٹ بول سکتے ہیں۔
۹۔ جنابِ علیؓ کے ماننے والوں سے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اور اُن کی بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جائیں گی۔
۱۰۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کی خوشی میں اللہ تعالیٰ نے تین دن تک کراماً کاتبین کو لوگوں کے گناہ لکھنے سے روک دیا تھا۔
۱۱۔ سُنّیوں کے پیچھے بطورِ تقیہ سُنّی بن کر نماز پڑھ لینا، کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھ لینے کے برابر ہے[1]۔

## شیعہ کا بناوٹی قرآن

آخر میں ایک نئی اور چونکا دینے والی چیز پیش کی جاتی ہے۔ شیعہ مذہب میں ہمارے موجودہ قرآن کے مقابلے میں آیات بھی بنائی گئی ہیں، ذرا اِن مصنوعی آیات میں استعمال ہونے والی عربی کی شانِ فصاحت و بلاغت تو ملاحظہ فرمائیے :۔

### سُورۃ الولایۃ سبع ایاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یاایھاالذین اٰمنوا اٰمنوا بالنبیّ وبالولیّ الذین بعثنٰھما یھدیانکم الیٰ صراطٍ مستقیم۔ نبیٌّ و ولیٌّ بعضھما من بعضٍ وانا العلیم الخبیر۔ اِنَّ الذین یوفون بعھد اللہ لھم جنّٰت النعیم۔ والذین اذا تُلیت علیھم اٰیاتنا کانوا باٰیاتنا مکذّبین اِنّ لھم فی جھنّم مقاماً عظیماً اذا نودی لھم یوم القیامۃ این الظالمون المکذّبون للمرسلین ما خلفھم المرسلین الّا بالحقّ وماکان اللہ لیظھرھم

---

[1] ملخص از تحفہ اثنا عشریہ (عربی) مطبوعہ استانبول (ترکی) سن طباعت ۱۲۹۹ھ

اِلٰی اَجَلٍ قَرِیبٍ وَّ سَبِّح بِحَمدِ رَبِّکَ وَعلیٌّ مِّنَ الشَّاھِدِینَ[1]۔

عربی زبان کا ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے صرف اتنا عرض کروں گا کہ جس بھی شیعہ عالم نے مسطورہ بالا آیات تخلیق فرمائی ہیں اور عربی زبان کی جو ریڑھ ماری ہے، اس سے کہیں زیادہ اچھی اور فصیح وبلیغ عربی عبارات تو وہ لوگ بھی لکھ سکتے ہیں، جنہیں عربی ادب پر قدرے دستگاہ حاصل ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیعہ مذہب مطابقِ عقل ہے یا خلافِ عقل؟ اِس کے عقائد تسلیم کرنے کی عقلِ سلیم اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ ہمارے عقیدے کے مطابق جنابِ جبریل علیہ السّلام نے قرآنِ مجید رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کیا اور قرآنِ حکیم مکمل طور پر محفوظ اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اور خود ذاتِ باری تعالیٰ ابدالآباد تک اِس کی محافظ ہے، نیز اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] کی آیۂ مبارکہ اِس حقیقت پر شاہد ہے۔

## نذرانۂ عقیدت بحضورِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم از راقم الحروف

(۱)

| | |
|---|---|
| مخدومِ صحابۂ نبیؐ بالتحقیق | انکار کنندہ اش لئیم وزندیق |
| بنتش چو گہر بسلکِ ازواجِ رسول | بنگر بنگر بہ شانِ صدّیقِ عتیق |

ترجمہ: حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاتفاق حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے مخدوم ہیں، آپ کا منکر بخیل، حاسد اور بے دین ہے؛ آپ کی صاحبزادی سیدہ عائشہؓ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی لڑی میں موتی کی طرح پروئی ہوئی ہیں۔ اے منکرِ شانِ صدیقؓ! ذرا صدیقِ اکبرؓ کی شان تو دیکھ۔

(۲)

| | |
|---|---|
| تائیدِ خدا گواہِ شانِ عمرؓ است | انوارِ نبیؐ در دل وجانِ عمرؓ است |
| ابلیس چو شیطان گریزند از من | زاں دم کہ سرم بر آستانِ عمرؓ است |

---

[1] دیکھئے تحفۂ اثنا عشریہ (عربی) ص ۱۱۱، مطبوعہ ترکی

[2] القرآن ۱۵: ۹

ترجمہ۔ دینی و دُنیوی اُمُور میں اللہ تعالیٰ کی تائید سیدنا عمرؓ فارُوق کی شان کی گواہ ہے، آپ کا قلبِ مبارک اور رُوحِ مقدسہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات کی مظہر ہیں، جب سے میرا سر حضرت عمرؓ کے آستانۂ پاک پر خم ہے، شیطان فطرت لوگ مجھ سے دُور بھاگتے ہیں۔

(۳)

بیخود شدم از مئے ولائے عثمانؓ — مثلِ آبا ستم فدائے عثمانؓ
اربابِ حیا رسند بر رمزِ نصیرؔ — آبِ رُخِ دین است حیائے عثمانؓ

ترجمہ۔ مَیں سیدنا عثمانِ غنیؓ کی شرابِ محبت سے سرشار ہو گیا، مَیں اپنے آبا و اجداد کی طرح جنابِ عثمانؓ کی ذاتِ جلیلہ پر قربان ہُوں: نصیرؔ کی اِس رمز کو شرم و حیا والے پا سکتے ہیں کہ جنابِ عثمانِ غنیؓ کی حیا دینِ محمدی کے چہرے کا غازہ اور بھرم ہے۔

(۴)

در مُصحفِ حق آیتِ دین است علیؓ — بر چرخِ عطا مہرِ مُبین است علیؓ
گوید چہ نصیرؔ از عُلُوِّ قدرش — در بزمِ ولا صدر نشین است علیؓ

ترجمہ۔ جنابِ حیدرِ کرّار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دینی آیت کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ آسمانِ کرم کے درخشندہ آفتاب ہیں۔ نصیرؔ آپ کی قدر و منزلت کی بلندیوں کو کیا بیان کرے (البتہ یہ سچ ہے کہ) محبتِ رسول کی محفل کے صدر نشین حضرت علیؓ ہیں۔

## تاریخی اَسناد و شواہد یا سینہ گزٹ

قارئینِ کرام! اِس کتاب کے آخر میں دی جانے والی فہرستِ کُتُب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لینے کے بعد آپ خود ہی انصاف کریں کہ ایسے ایسے جلیل القدر علماء مشائخ کی علمی فضیلت و دیانت پر کسی صائب الرائے اور سلیم العقل کو شک ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر مخالفین کے نزدیک ایسے اکابرِ اُمّت کی تحقیق بھی درجۂ سند کی حامل نہیں تو پھر اُنھیں یہ بتانا ہوگا کہ اُن کے نزدیک قرآن و حدیث اور علومِ شرعیہ کی تفہیم کا معیار کیا ہے، اپنے موقف کو ثابت کرنے، منوانے اور اپنی علمی و ادبی کاوشوں کو مستند اور ناقابلِ تردید بنانے کا ذریعہ کیا ہے، نیز ایسے نابغۂ روزگار افراد کی علمی مساعیٔ جمیلہ کو ناقابلِ اعتماد سمجھنے کی صُورت میں اپنی

تصانیف اور رشحاتِ قلم کو اُن کے حوالوں سے معتبر بنانے کا کیا جواز ہے؟ اگر آپ اُنہیں محدث و مفسر نہیں مانتے، جو آپ سے کہیں زیادہ عہدِ رسالت پناہؐ سے قُرب رکھتے ہیں اور آپ سے زیادہ علمی بصیرت اور تحقیقی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ پھر اُن کے اتنے عظیم اور گراں قدر علمی سرمائے کو کیسے نظرانداز کیا جا سکتا ہے اور اُس کے برعکس آپ کی چند غیر محققانہ اور غیر معتبر سُطُور کو کیسے حرفِ آخر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر عہد کا مؤرّخ اور وقائع نگار اپنے سے پہلے کی مرتّب کردہ مستند تواریخ ہی کا حوالہ دیتا ہے، کیونکہ اُس کے پاس عہدِ ماضی کے حالات و واقعات سے آگاہی کا واحد ذریعہ یہی ہوتا ہے۔ وحی کا سلسلہ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا، لہٰذا اب قیامت تک جو کچھ بھی لکھا جائے گا، عہدِ رفتہ کی تاریخ اور اُس کے مستند مصنفین ہی کے حوالے سے ضبطِ تحریر میں لایا جائے گا، ورنہ سینہ گزٹ والا معاملہ ہوگا۔

نجم الحسن کراروی صاحب (م ۱۹۸۲ء) نے دو کتابوں کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ کو غیر سیّد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، شاید اِس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اگر اربابِ علم اُن کی اِس ادھی حرکت سے متاثر نہ ہو سکے تو کم از کم چند جاہل قسم کے لوگ تو مرعوب ہو ہی جائیں گے، مگر ہم نے کراروی صاحب کی طرح دو غیر معروف کتابوں کے حوالوں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اِس سلسلے میں دو سو گیارہ (۲۱۱) کُتُبِ مُعتبرہ کی مکمل فہرست دی ہے، جنہیں وقت کے نامور محدّثین، علماء اور جلیل القدر مشائخ نے تصنیف کیا اور جن کی ثقاہت ہر مکتبۂ فکر میں مُسلّم ہے۔ اب جو شخص یہ کہے کہ کراروی صاحب کی تین کتابیں جن میں رسالۂ صفوی بھی شامل ہے، ہماری محوّلہ سینکڑوں کتابوں سے اپنے موقف کو ثابت کرنے میں زیادہ اہمیت اور وزن رکھتی ہیں تو یہ سراسر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہوگی۔ یہ فکر تو نجم الحسن کراروی صاحب کے کسی ہم مشرب و ہم مسلک ہی کا ہو سکتا ہے بات جب تھی کہ اپنے استدلال کو علمی شواہد اور تاریخی اَسناد سے ثابت کیا جاتا۔ اپنے موقف کی توثیقِ مزید کے لئے اگر کوئی حوالہ یا سند میسّر نہ آئے تو زیرِ بحث موضوع پر کم از کم ایسے دلائل عقلی ہی پیش کئے جائیں، جنہیں عقلِ سلیم تسلیم کرنے سے انکار نہ کرے۔ اگر قارئین نے دامنِ انصاف نہ چھوڑا تو انشاء اللہ اِس کتاب کے مندرجات کو کم از کم خلافِ عقل نہیں پائیں گے۔

راقم الحروف نے حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نسب کے سلسلے میں جن بے شمار معتبر کتابوں کے نام لکھے ہیں، اُن میں سے بیشتر عربی اور فارسی زبان میں ہیں، جو حضرات یہ زبانیں نہیں جانتے، وہ کسی غیر شیعہ[1] عالم سے ترجمہ کے ساتھ پڑھ لیں۔ ویسے ان میں سے بعض کتابوں کے اُردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ؎

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

بہرحال اب یہ مسئلہ بے شمار مستند ترین تاریخی شواہد مذکورہ کی روشنی میں ایک مُسَلَّمہ حقیقت بن کر ثابت ہو چکا ہے کہ محبوبِ سُبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانیؓ نہ صرف یہ کہ حسبی نسبی سید تھے، بلکہ نجیبُ الطّرفین[2] سید تھے اور پھر یہ کہ کرّاروی صاحب نے اپنی

---

[1] غیر شیعہ کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ ترجمے میں کسی جگہ ڈنڈی نہ ماری جائے۔ (مُصنّف)

[2] اِس اصطلاح کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے، جس کے ماں باپ (دونو) کا سلسلۂ نسب سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی وساطتِ مُبارکہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہو، یعنی دونو سید ہوں۔ جو شخص صرف باپ کی جانب سے سید ہو اور اُس کی ماں غیر سیّدہ ہو؛ وہ سید تو ہوگا، مگر نجیبُ الطّرفین سید کی نسبت اُسے نسبی فضیلت میں کم شمار کیا جائے گا اور اُس پر اصطلاحِ مذکور کا اطلاق درست نہیں ہوگا۔ چونکہ حضرت غوثِ پاکؓ نجیبُ الطّرفین سید تھے، لہٰذا نسبی فضیلت کے اعتبار سے بھی آپ کا مرتبہ و مقام اُن ساداتِ بنی فاطمہ سے بلند و برتر ہے، جو نجیبُ الطّرفین سید نہیں۔ حضرت غوثِ پاکؓ کی اِسی دوطرفہ نسبی نجابت کا تذکرہ کسی صاحب دل نے درجِ ذیل اشعار میں یوں کیا ہے ؎

گویم زکمالِ تو چہ غوثُ الثّقلینا — محبوبِ خدا، ابنِ حسنؓ، آلِ حُسینا

ما عاجز و حیران بماندیم بہ گرداب — لاَ مخلص إلاّ بِكَ بِاللهِ لَدَيْنَا

تشنہ چو ماہی ہمہ در دشت فتادیم — اے ابرِ عطا! بار تو بشتاب الینا

سر در قدمت جملہ نہادند و بگفتند — تَاللهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللهُ عَلَيْنَا (القرآن)

اِسی طرح حاضری کے وقت ایک اور صاحب نظر مزار پُر انوار پر تجلیاتِ جمالِ نبویہ اور لمعاتِ جلالِ الٰہیّہ کی برسات دیکھ کر بے ساختہ یوں لب کشا ہوتا ہے کہ ؎

ایں بارگہِ حضرت غوثُ الثّقلین است — نعتِ جگرِ حیدرؓ و نسلِ حسنینؓ است

مادرش حسینی نسب است و پدرِ او — اولادِ حسنؓ یعنی کریمُ الطّرفین است

تصنیف چودہ ستارے میں جو لکھا ہے کہ عبد القادر جیلانی نے اپنی حیاتِ ظاہرہ میں اپنے نسب کا اظہار اپنی کسی تحریر و تقریر میں نہیں کیا، یہ اُن کے پوتے کی اختراع ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی سیادت اور شرفِ نسب کا اعلان و اظہار تو آج کل کے سادات کا طریقہ ہے، بلکہ اِس کل جُگ کے دَور میں یہ عالم ہو گیا ہے کہ صحیح النسب سادات ورطۂ حیرت میں گُم ہیں کہ کس رفتار سے لوگ جوق در جوق حلقۂ سیادت میں خود کو داخل اور شامل کرتے جا رہے ہیں۔ تاریخ میں اکثر کے شجروں تک کا ثبوت موجود نہیں، مگر اپنے نام کے ساتھ لفظِ سید ضرور لکھتے ہیں، ایسے لوگوں کی دیدہ دلیری دیکھ کر داغ کا یہ مصرع یاد آ جاتا ہے ؎

اللہ تیری شان کے قربان جایئے

بہرحال جو لوگ ایسا کرتے ہیں، اُن کی نیت کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، راقم الحروف کے نزدیک اگر یہ لوگ سید نہیں تو پھر اُنہیں اپنی محترم ماؤں کی چادرِ عصمت چاک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص مدعیٔ سیادت ہو، مگر اُس کے اقوال و اعمال کے علاوہ اُس کی شکل و صورت، لباس، نشست و برخاست اور بول چال میں حضور سید الانام علیہ السلام کے اخلاقِ عالیہ کی خوشبو نہ پائی جاتی ہو۔ پھر دَورِ حاضر کے بعض مصنوعی سادات کی طرح صوم و صلوٰۃ اور اتباعِ شریعت کی تکلیف سے بھی آزاد ہو اور علم و فضل کے اعتبار سے بھی پیدل ہو، ہاں زبان پر فقط مولا علی اور مولا حسین کے نعرے ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ ایسے ننگِ اسلاف اور بدنام کنندۂ نکو نامے چند انسان کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلانے اور اِس شرفِ نسبت کے اظہار سے شرم آنی چاہیے، اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والوں یا آپ سے اظہارِ نیاز و محبت کرنے والوں کی چند ایک خصوصیات بھی بیان فرمائی ہیں۔ لہٰذا ؎

قدم راہِ محبت میں نہ رکھ میرؔ
کہ سر جاتا ہے گامِ اوّلیں میں (میر تقی میر)

## غوثِ پاک سے شیعہ دشمنی اور آپ کی سیادت سے انکار کے اسباب

اِسلامی تعلیمات کے مطابق کسی سے دوستی یا دشمنی اگر الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے تحت ہو، تو عبادت کا درجہ [illegible] ہے۔ اِس سلسلے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشادِ گرامی ہے:۔ اِنَّ احبَّ الاعمالِ الی اللہ تعالیٰ الحُبُّ فی اللہِ والبُغضُ فی اللہِ[1]
(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک الحُبُّ فی اللہ والبُغضُ فی اللہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن وسُنّت کا صحیح متبع ہو اور اپنی زندگی اللہ اور اُس کے رسول کی تعلیمات کے عین مطابق بسر کرتا ہو، تو اُس سے صرف اِس لئے دوستی کی جائے یا اُسے صرف اِس لئے محبوب سمجھا جائے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہے اور اگر کسی سے بُغض وعناد رکھا جائے تو صرف اِس لئے کہ وہ قرآنی تعلیمات اور اُسوۂ رسولِ انام علیہ السّلام کے خلاف زندگی بسر کرتا ہے یا اُس کے عقائد اُن کے منافی ہیں۔ ایسے شخص سے اگر اظہارِ عناد کیا جائے تو یہ البُغضُ فی اللہ کے تحت ہوگا۔ اور ایسا کرنا حضور علیہ السّلام کے ارشاد کے مطابق ہوگا۔ جس نے کسی سے دوستی یا دشمنی دنیوی مقاصد کے حصُول یا عدمِ حصُول کی بنا پر کی تو اُسے اجر سے محروم رکھا جائے گا کہ یہ اُس کا ذاتی مسئلہ ہے، یہ حُبّ وبُغض خدا ورسول کے لئے نہیں۔

مسطورہ بالا حدیث شریف کے تحت اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی حیاتِ طیّبہ کا کوئی پہلو ایسا ہے، جو قرآن وسُنّت کے خلاف ہو۔ ہم نے جن کُتُب کی طویل فہرست دی ہے اور جن کے مُصنّفین اپنے عہد کے جلیلُ القدر اکابر اہلِ علم وفن تھے، اُن کی سیرت نگاری سے حضور غوثِ پاکؒ کی حیاتِ طیّبہ اور آپ کے طرزِ عمل کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف غُنیۃ الطالبین میں مختلف فرقوں کے نہ صرف یہ کہ نام گنوائے، بلکہ اُن کے عقائدِ باطلہ کا تفصیلی ذکر بھی فرمایا ہے؛ اِس کے ساتھ خارجیوں اور شیعوں کے باطل نظریات کو بھی بطورِ خاص مُسترد کیا ہے۔ اگر شیعہ کے عقائد قرآن وسُنّت کے مطابق ہیں اور غوثِ پاکؒ نے اُن کی مخالفت کی، جب تو آپؒ سے اُن کے عناد کے جواز کا پہلو نکل سکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ شیعہ اپنی کُتُب میں بیان کردہ عقائدِ باطلہ کو قرآن وسُنّت کے مطابق سمجھتے ہیں، حالانکہ اُن کی مُعتبر کتابوں میں قرآنِ مجید کو تحریف وتغییر شدہ کہا گیا ہے[2]۔ بلکہ اُن کا کہنا ہے کہ اصل قرآن تو امام مُنتظر

[1] مُسندِ امام احمد وسُنن ابو داؤد بحوالہ مشکوٰۃ شریف، جلدِ ثانی، باب الحُبّ فی اللہ والبُغض فی اللہ، ص ۴۲۷، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] تحریفِ قرآن اور دیگر باطل عقائد کی تردید کے سلسلے میں ملاحظہ ہو رسالہ ردُّ الرّفضہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

جنابِ مہدی لے کر آئیں گے اور موجودہ قرآن تحریف شُدہ ہے۔ ثابت ہوا کہ شیعہ کا موجودہ قرآن پر ایمان و اعتقاد نہیں اور چونکہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اکابر اہلِ ایمان کی طرح جنابِ غوثِ پاکؓ بھی موجودہ قرآن اور مروجہ سُنّتِ رسولؐ کی حقانیت کے علَم بردار ہیں۔ اِس لئے جس گروہ کے عقائد ان کے منافی ہوں گے، وہ اُن کی تکذیب و تردید کریں گے۔ اب مقامِ انصاف ہے کہ ایسے شخص سے دوستی کرنی چاہیئے یا بُغض و عناد۔ خارجیوں اور شیعوں کے عقائدِ باطلہ اور مزعوماتِ فاسدہ کا تفصیلی ذِکر اُن کی اپنی کتابوں میں موجود ہے، جن کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، مگر افسوس کہ جب آنکھوں پر تعصب کی دبیز پٹی بندھی ہوئی ہو تو قرآن و سُنّت کو بھی کچھ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، جن کا یہ حال ہو کہ اُن کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وقعت نہیں تو کسی اور سے اُن کے سلوک کا اندازہ خود بخود لگایا جا سکتا ہے۔

بالفرض اگر کسی سے دشمنی بھی ہو تو کوئی دانا اور انصاف پسند اپنے دشمن کے حقائقِ احوال اور اُس کی عظمتِ ذات و صفات کا انکار نہیں کرتا۔ اختلاف کا یہ مطلب تو نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ اپنے دشمن کے نسب، ذاتی صلاحیتوں اور اُس کے علم و فضل تک کی تکذیب و تردید کرنے لگ جائیں، ایسا عمل کم ظرف ہی کر سکتے ہیں۔ خارجیوں کی ادائے دشمنی دیدنی ہے، وہ دریدہ دہن تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حسنینِ کریمینؓ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صُلبی اولاد نہیں، بلکہ آپؐ کے نواسے ہیں اور نواسہ حقیقی اولاد کے حکم میں داخل نہیں ہوتا، لہٰذا اُن پر اِبنیتِ رسول کا اطلاق نادرست ہے۔ گویا وہ اپنے اِس استدلال سے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنینِ کریمینؓ کی نسبتِ نسبی کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جنابِ حسنؓ سے یہی سوال ایک خارجی نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہماری ابنیت نصِ قطعی سے ثابت ہے، آیتِ مباہلہ تلاوت فرما کر کہا کہ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَکُمْ میں غور کرو کہ اُس وقت اولاد میں سے حضور علیہ السّلام کے ساتھ کون تھا؟ اُس نے کہا، آپ دونوں۔ آپ نے فرمایا

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مصنفہ حضرت فاضل بریلویؒ مطبوعہ مکتبہ ضیاءُ السُّنّۃ ملتان، مزید تفصیل کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی مشہور تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ قابلِ مطالعہ ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ہم آپ کے حقیقی بیٹے نہیں تو پھر یہاں ابن کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ اِس سے آپ کا مُدّعا یہ تھا کہ جب خداوندِ عالم نے ہمیں ابنیتِ رسولِ مجتبیٰ میں داخل فرمایا ہے تو کوئی خارجی طاقت ہمیں اِس دائرۂ شرف و اجتبار سے کیونکر خارج کر سکتی۔ کیا خارجیوں کی اِس ہرزہ سرائی کو قابلِ اعتنار سمجھا جائے یا اِسے اُن کی حماقت و جہالت اور اُن کے بُغض وعناد پر محمول کیا جائے؟ خوارج جس طرح کا سلوک اہلِ بیت کے ساتھ کرتے ہیں، وہی سلوک شیعہ حضرتِ غوثِ پاکؓ سے روا رکھتے ہیں، یعنی اُن کی تنقیص کے ساتھ اُنہیں دائرۂ سیادت سے بھی خارج ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے ہیں، غوثِ پاکؓ کا حسنی حسینی ہونا ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور حقیقت کو لاکھ افسانوی رُوپ دیا جائے، مگر وہ پھر بھی حقیقت بن کر ہی سامنے آتی ہے۔

## غُنیۃُ الطّالبین کی تفصیلی بحث

آیئے اب ہم آپ کو یہ بتانے کی کوشش کریں کہ آخر شیعہ کو حضرت غوثِ پاکؓ سے اِتنا غیر معمولی عناد کیوں ہے اور آپ کی سیادت سے اُن کے انکار کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ دراصل حضرت محبوبِ سُبحانیؓ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف غُنیۃُ الطّالبین میں مختلف فرقوں کے اسامی اور عقائد پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے خاص طور پر خارجیوں اور شیعوں کی وہ خبر لی ہے کہ اُنہیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ قرآن و سُنّت کے سُنہری اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے بالخصوص شیعوں کے عقائدِ باطلہ کی اِس شدّومد سے تردید فرمائی اور وہ ضربِ حیدری لگائی کہ بقولِ امیر مینائیؒ ؎ درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانہ دل کا ــ سا حال ہو گیا۔ اب یہ کم بخت چیخیں چلائیں نہیں تو اور کریں بھی کیا؟ مگر یاد رہے کہ ایسے مذموم العقائد گروہوں کے ہفوات اور ہرزہ سرائیاں سیّدہ فاطمہ زہراؓ کے لاڈلے، حسینؓ و علیؓ کے جگر پارے، حسنؓ مجتبیٰ کے دُلارے اور سارے ولیوں کی آنکھ کے تارے، شیخُ المشارقِ والمغارب، شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی، محبوبِ سُبحانی حضرت الشیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدّس سرّہ السّامی کی غوثیتِ کبریٰ پر ذرہ بھر بھی اثرانداز نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ خود عزت و شہرت دے، کوئی اُس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ ؎ پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا۔ یہ نامُراد جس قدر اُن کی شان و شوکت کی تنقیص پر کمر باندھتے

ہیں۔ قادرِ مطلق اُسی قدر اکناف و اطرافِ عالم میں اُن کی عزّت و شہرت، سیادت و ولایت اور مقبولیت کے ڈنکے بجوا کر شیعوں، خارجیوں اور دیگر منکرین کی کمر توڑ دیتا ہے۔ کسی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

کئی بھونکتے مرگئے اُن کے دشمن
بتاؤ یہاں دال کس کی گلی ہے

یہاں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں، اِس لئے غُنیۃ الطالبین سے چند اقتباسات نقل کرنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اِس سے قبل کہ حضرت شیخؒ کی تحریر کو پیش کیا جائے۔ ایک سچے مسلمان اور اِسلام کی صحیح لگن رکھنے والے ذہنوں کی خدمت میں یہ التماس ضرور کروں گا کہ ایک مرتبہ غُنیۃ الطالبین کا مطالعہ ضرور کریں۔ اگرچہ کتاب عربی میں ہے، مگر اِس کے تراجم اُردو میں چھپ چکے ہیں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ قارئین یہ دیکھیں کہ حضرت غوثِ پاکؒ نے خارجیوں اور شیعوں کے جو باطل عقائد اپنی اِس تصنیفِ لطیف میں بیان کئے ہیں، کیا وہ اِن دو گروہوں کی اپنی کتابوں میں موجود نہیں یا پھر یہ کہ اُن کے عقائد اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ مجید کی تعلیمات اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کے قطعاً منافی نہیں؟ جب کوئی صاحبِ علم، سلیم الطبع، مُنصف مزاج، جویائے حق اِس کتابِ مُستطاب کا مطالعہ بدقت و امعانِ نظر کرے گا تو قدرتی طور پر اُسی نتیجے پر پہنچے گا، جس پر راقم الحروف پہنچا ہے۔

اگر شیعہ واقعی مجھے اِس لئے چاہتے ہیں کہ مَیں مدّاحِ اہلِ بیتؓ ہُوں اور وہ اپنے اِس دعویٰ میں سچے ہیں تو پھر وہ کبھی مجھ سے اظہارِ نفرت نہیں کریں گے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُنہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مَیں اصحابِ ثلاثہؓ کے علاوہ صحابہ کرامؓ، اُمہات المؤمنینؓ، ائمہ فقہ و اہلِ بیتؓ اور دیگر اولیاء اللہ کا نیازمند ہُوں۔ فیضِ نسبت کے مطالعہ سے، جو میرے مناقب کا مجموعہ ہے اور منصّۂ شہُود پر آچکا ہے، میرے اِس دعویٰ کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

جو لوگ میرے مسلک اور عقیدہ کی اِس وضاحت کے بعد بھی مجھے شیعہ سمجھتے ہیں، مَیں اُنہیں خارجی سمجھتا ہُوں، اِس لئے کہ خارجی ہی ایک ایسا فرقہ ہے، جو اہلِ بیتؓ کی تعریف سُننا پسند نہیں کرتا، بلکہ یہ توصیف اُس پر سخت شاق ہے، جس طرح اصحاب

ثلاثہؓ اور سیّد عبدالقادر جیلانی کے نام سے شیعہ الرجک ہیں، اِسی طرح نامُراد خارجیوں کا ٹولہ اہلِ بیت کا ذکرِ خیر سُننا گوارا نہیں کرتا! مَیں چونکہ اہلِ بیت سے قرابتِ نسبی کے علاوہ نسبتِ عقیدت بھی رکھتا ہُوں، اِس لئے اُن کی مدح و ثنا مرتے دم تک کرتا رہُوں گا۔ ع کہ نصیبِ دگرانست نصاب زر و سیم

میرے جدِّ امجد حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا اور جو شخص اہلِ بیت کے ذکر اور تعریف سے جلتا ہو، وہ ضرور محمود عباسی اور حکیم فیض عالم صدیقی کی طرح خارجی گروہ کا نمائندہ ہوگا اور خارجیوں کے سامنے مَیں اِس لئے بھی ذکرِ حسینؓ اور فضائلِ اہلِ بیت بیان کرنا ضروری سمجھتا ہُوں کہ وہ مروانی النّسل اور اُمیّہ نواز رسولؐ و بتولؓ کی اولاد کے دشمن ہیں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے دشمن کو جلانا راقم الحروف کے نزدیک عبادت سے کم نہیں ؎

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دُوں تو داغ نام نہیں (داغ)

لہٰذا سادہ لوح سُنّیوں سے میری مخلصانہ اِلتجا ہے کہ اگر وہ خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی اولیائے اُمّت سے سچّی عقیدت رکھتے ہیں تو خارجیوں اور شیعوں سے تعلقات کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیں اور غیر ضروری تعاون اور میل جول سے اجتناب کریں، محض انسانی رشتے کے پیشِ نظر اخلاقی مظاہرہ ممنوع نہیں، اِس لئے کہ انسانوں سے انسانیت اور اخلاق کا برتاؤ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مُقدّسہ کا زرّیں باب ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہر مسلک کے لوگ ووٹ تک میں اپنے مسلک کا لحاظ رکھتے ہیں تو سُنّیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ تمام دُنیوی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر صرف تحفّظِ مسلک کی خاطر اپنے ہم مسلک سُنّیوں ہی کو ووٹ دیا کریں، کیونکہ وہ یہ ووٹ کسی آدمی کو نہیں، مسلک کو دے رہے ہیں۔ اگر شیعہ اہلِ سُنّت کی مجالس اور اُن کے اَعراس میں شمولیت نہ کریں یا اُن میں شمولیت کو مستحسن نہ سمجھیں تو سُنّیوں پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اُن کی مجالس میں شمولیت سے اجتناب کریں، اِس لئے کہ مذہبی غیرت و حمیّت بھی تو آخر کوئی چیز ہوتی ہے۔ بےغیر زندگی سے تو غیرت کی موت اچھی ہے۔ اِسی طرح اگر وہ آپ کے ہاں کھانے پینے سے

نفرت کریں یا آپ کے طعام کو نجس تصوّر کریں تو اُن کے کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال آپ کے لئے بھی لمحۂ فکریہ کا حامل ہونا چاہیئے ۔

اَے طائرِ لاہُوتی! اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (اقبالؒ)

مرثیہ نویسی اور ذکرِ حسینؓ کی نسبت سے شیعہ برادری میرا بہت احترام کرتی ہے، مجھے معلوم ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر میرے حق میں اُس کی رائے نہ صرف بدل جائے گی، بلکہ میرے ساتھ وہ سلوک کرے گی اور مجھے اُس نظر سے دیکھے گی، جس نظر سے اصحابِ ثلاثہؓ کو دیکھتی ہے، مگر بحمد اللہ مجھے ایسی سستی شہرت و عزت کی قطعاً کوئی خواہش نہیں کیونکہ بقولِ فاضل بریلویؒ ع میں گدا ہُوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں۔ اگر میں فضائلِ اہلِ بیت اور ذکرِ امام حسینؓ نظم و نثر میں بیان کرتا ہُوں تو یہ اُن سے محض میری ذاتی عقیدت کا نتیجہ ہے، شیعہ کو خوش کرنے کا حربہ ہرگز نہیں۔

حضرت غوثِ پاکؓ خوارج کے متعلق لکھتے ہیں:- وَ اَمّا الخوارجُ فَلَھُمْ اسامٍ و القابٌ سُمُّوا الخوارجَ لخروجھم علیٰ علیؓ ابنِ ابی طالب۔ (ترجمہ) اور خوارج کے بہت سے نام اور القاب ہیں، اُنہیں خارجی اِس لئے کہتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت علیؓ کو امام تسلیم نہیں کیا، بلکہ آپ کے خلاف خروج کیا۔ روافض کی طرح خوارج کے بھی کئی نام اور فرقے ہیں مثلاً حکمیہ، حروریہ، مارقہ، ازارقہ، حازمیہ، میمونیہ وغیرہم۔ اِن کے عقائد کے متعلق مزید لکھتے ہیں:- وقد وَصَفَھُمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَنَّھُمْ یَمْرُقُون مِنَ الدِّینِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ فیہ فَھُمُ الَّذِیْنَ مَرَقُوْا مِنَ الدِّینِ والاسلامِ وفارَقُوا المِلَّۃَ وشَرَدُوا عنھا و عن الجماعۃِ وضلُّوا عن سواءِ الھُدٰی والسَّبیلِ وخرجوا عن السُّلطان وسَلُّوا السَّیفَ علی الاَئمّۃِ واستَحَلُّوا دِمآءَھُم واموالَھُم وکفروا مَن خالَفَھُم و یَشْتِمُوْنَ اصحاب رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصھارہٗ ویَتَبَرَّؤُنَ منھم ویَرْمُوْنَھُمْ بالکفرِ والعظائمِ ویَرَونَ خلافَھُم ولا یُؤمنُوْن بعذاب القبرِ و لا الحوضِ ولا الشَّفاعۃِ ولا یُخْرِجُوْنَ احدًا مِّنَ النّار ویقولُوْنَ من کَذَبَ کِذْبَۃً اواتٰی صغیرۃً اوکبیرۃً مِّنَ الذُّنُوب فمات من غیرِ توبۃٍ فَھُوَ کافرٌ فی النّار

مُخلّدٌ ولا یرون الجماعۃَ اِلّا خلفَ امامھم ویرون تاخیرَ الصَّلوٰۃِ عن وقتھا والصومَ قبلَ رؤیۃِ الھلالِ والفطرَ مثلَ ذٰلک والنّظرَ والنکاحَ بغیرِ ولیٍّ ویرون المُتعۃَ والدّرھمَ بالدّرھمینِ یداً بیدٍ حلالاً ولا یرون الصّلوٰۃَ فی الخِفافِ ولا المسحَ علیھا ولا طاعۃَ السّلطانِ ولا خلافۃَ قریشٍ۔[1]

ترجمہ۔ اور اُن کا نام مارقہ اِس لیے ہوا کہ وہ دین سے باہر آتے اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے بارے میں فرمایا کہ وہ دین سے اِس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر تیزی کے سبب نشانے سے پار نکل جاتا ہے اور پھر دین میں نہیں آئیں گے۔ پس یہ وہی لوگ ہیں، جو دین سے نکلے، اسلام سے جدا ہوئے، ملّت کو چھوڑا اور ملّتِ اسلام سے بھاگ گئے؛ راہِ راست کو ترک کیا؛ سُلطانِ وقت سے مُنحرف ہوئے؛ ائمۂ مطہرین پر تلوار اُٹھائی؛ اُن کے خون اور مال کو حلال جانا؛ جو لوگ اُن کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اُنہیں کافر کہا۔ اصحابِ رسول سے بیزار، اُن کو گالیاں دیتے، اُن کو کفر اور کبیرہ گناہوں سے منسوب کرتے ہیں اور اُن کی مخالفت کو اچھا سمجھتے ہیں۔ عذابِ قبر، حوضِ کوثر اور شفاعت پر ایمان نہیں رکھتے اور کہتے ہیں: کوئی شخص دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا اور اپنے امام کے سوا جماعت کی نماز کو روا نہیں سمجھتے؛ نماز کے اوقات میں تاخیر کو جائز سمجھتے ہیں؛ چاند دیکھنے سے پہلے روزہ رکھنے اور افطار کرنے کو جائز سمجھتے ہیں؛ عورت کو دیکھنا اور ولی کے بغیر نکاح کو جائز کہتے ہیں، مُتعہ کرنا بھی حلال سمجھتے ہیں، ایک درہم کی دو درہموں کے ساتھ دست بدستی بیع کو حلال سمجھتے ہیں، موزوں کے ساتھ نماز کو جائز نہیں سمجھتے اور موزوں پر مسح کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، نہ بادشاہِ وقت کی فرمانبرداری کو جائز سمجھتے ہیں اور نہ خلافتِ قریش کو۔ (انتہٰی)

خارجیوں کے مذکورہ بالا عقائد میں سے اکثر عقائد شیعوں سے ملتے جُلتے ہیں، آئیے اب یہ دیکھیں کہ حضرت شیخؒ شیعہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں:۔ واَمّا الشّیعۃ فلھم اسامیٍ منھا الشّیعۃُ والرّافضۃ ومنھم الغالیۃ ومنھم الطّیّارۃ وانّما قیل لھا الشّیعۃ لانّھا تشیّعت علیًّا رضی اللہ عنہ وفضّلوہُ علٰی سائرِ الصّحابۃِ وقیل لھا الرّافضۃ

---

[1] دیکھئے غُنیۃُ الطّالبین، ص ۱۵۹ ـ ۱۶۰، مطبوعہ نولکشور لاہور

لِرفضهم اكثرَ الصّحابةِ وامامةَ ابي بكرٍ وّعُمَر رضى الله عنهما و قيل سُمُّوا الرّوافض لرفضهم زيدَ ابنَ علىٍّ لمّا تولّى ابا بكرٍ وّعُمَر رضى الله عنهما وقال بامامتهما وقال زيدٌ رَفَضُونى فسُمُّوا رافضةً۔ (ترجمہ) اِس فرقے کے کئی نام ہیں، بعض اِن میں سے شیعہ اور رافضی ہیں اور بعض غالیہ وطیّارہ سے موسوم ہیں؛ ان کو شیعہ اِس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی پیروی کرتے اور اُن کو سارے خلفاء وصحابہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اِن کا نام رافضہ اِس لئے پڑا کہ وہ اکثر صحابہؓ کو چھوڑ گئے اور حضرات شیخین (یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور اُنہیں روافض اِس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت زیدؓ بن علیؓ کو ترک کرتے ہیں، جب کہ حضرتِ زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مستحقِ خلافت سمجھا اور حکم لگایا کہ وہ خلیفہ ہیں، اور حضرتِ زیدؓ نے فرمایا کہ مجھ کو لوگوں نے ترک کیا، پس اُن ترک کرنے والوں کا نام رافضہ رکھا گیا۔

وامّا الرّافضة فهُم ثلثُ اصنافٍ الغالية، والزّيديّة، والرّافضة۔ امّا الغالية فيتفرّقُ منها اثنى عشرة فرقةً۔ منها البيانيّة، والطّيّارة، والمنصوريّة، والغيريّة، والخطابيّة، والمُعمريّة، والبزيعيّة، والمفضليّة، والمتناسخة، والشّريعيّة، والسّبائيّة، والمفوّضة (ترجمہ) اور فرقہ رافضہ کی تین اقسام ہیں: غالیہ، زیدیہ اور رافضہ۔ غالیہ کی بارہ (۱۲) اقسام ہیں: بیانیہ وغیرہ الخ

مسطورہ بالا فرقوں میں سے ہر ایک فرقے کی کئی اور شاخیں نکلتی ہیں۔ مثلاً: جارودیہ، سلیمانیہ، تبریہ، نعیمیہ، یعقوبیہ، اِسی طرح قطعیہ، کیسانیہ، کربیہ، مغیریہ، محمدیہ، حسینیہ، نادسیہ، اسماعیلیہ قرامطیہ، مبارکیہ، شمیطیہ، عماریہ، ممطوریہ، موسویہ اور امامیہ وغیرہ۔ مرکزی عقائد میں سارے شیعہ ایک ہیں، البتہ جزئیات میں اختلاف ہے، چنانچہ اِس سلسلے میں حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں۔

والذى اتّفقتْ عليه طوائف الرّافضة وفرقها اثبات الامامة عقلاً

---

[1] ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین، ص ۱۶۳

وانّ الامامۃ نصٌ وانّ الائمۃ معصومون من الآفات من الغلط والسّهو والخطاء وانّ الامام یعلم کلّ شیئٍ مّا کان ومایکون من امر الدنیا والدّین حتّی عدد الحصٰی وقطر الامطار وورق الاشجار وانّ الائمۃ تظهر علٰی ایدیهم المعجزات کالانبیاء علیهم السّلام وقال الاکثرون منهم من حارب علیًّا فهو کافرٌ باللہ عزّوجلّ۔ وامّا الّذی انفردت فیه عن کلّ فرقۃٍ فمنهم الغالیۃ وقد ادّعت انّ علیًّا افضل من الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیهم اجمعین۔ وادّعت انّه لیس بمدفونٍ فی التّراب کبقیّۃ الصّحابۃ رضی اللہ عنهم بل هو فی السّحاب یقاتل اعدائه تعالٰی من فوق السّحاب۔ وانّ جبرئیل غلط فی نزول الوحی علیه وادّعت ایضًا انّ علیًّا کان الٰهًا لعنهم اللہ وملٰئکته وسائر خلقه الی یوم الدّین وقلع اٰثارهم وابادَ خضراهم ولاجعل منهم فی الارض دیّارًا انّهم بالغوا فی غلوّهم ومردوا علی الکفر وترکوا الاسلام وفارقوا الایمان وجحدوا الاله والرّسل والتّنزیل فنعوذ باللہ ممّن ذهب الٰی هٰذہ المقالۃ[1]۔

ترجمہ۔ اور شیعوں کے تمام فرقے اِس بات پر متفق ہیں کہ امامت عقلاً ثابت ہے اور یہ کہ اِس کا ثبوت نصِّ قطعی سے ہے نیز یہ کہ ائمہ جملہ آفات ، اغلاط ، بھول چوک اور خطا و نسیان سے پاک ہیں اور امام ، دین و دُنیا کی ہر ہونے والی اور گزری ہوئی باتوں کا علم رکھتے ہیں ، حتّٰی کہ کنکریوں ، بارش کے قطروں اور درختوں کے پتّوں کے اعداد کا بھی علم رکھتے ہیں اور ائمہ کے ہاتھ پر انبیاء علیہم السّلام کی طرح معجزات رُونما ہوتے ہیں اور اُن میں سے اکثر نے کہا کہ جس نے جناب علیؓ سے لڑائی کی تو گویا اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ ارتکاب کفر کیا۔ بہرحال اِن میں جو فرقہ باعتبارِ عقائد بالکل منفرد نظر آتا ہے ، وہ فرقۂ غالیہ کہلاتا ہے ، اُس کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب علیؓ تمام انبیاء علیہم السّلام سے نعوذ باللہ افضل و مُکرّم ہیں اور یہ دعوٰی بھی کرتے ہیں کہ جنابِ علیؓ دوسرے صحابہؓ کی طرح مٹّی میں مدفون نہیں ، بلکہ وہ بادلوں میں رہتے ہیں اور وہاں

---

[1] دیکھیے غنیۃ الطالبین ، ص ۱۶۴ تا ۱۶۵

سے اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال کرتے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کیا کہ جناب علیؓ نبی ہیں اور جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کر دی اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ جناب علیؓ خدا ہیں (تا قیامت خدا، اُس کے فرشتوں اور ساری مخلوق کی اُن پر لعنت ہو) خدا اُن کے نام و نشان کو مٹا ڈالے اور اُن کی آبادیوں کو برباد کرے اور اُن میں سے زمین پر کسی کو باقی نہ رکھے اِس لئے کہ اُنہوں نے غلوّ میں انتہا کر دی اور کفر پر سرکشی کی، اسلام کو چھوڑا، ایمان سے الگ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ، رسولوں اور قرآن کا انکار کیا، پس ایسے لوگوں کی باتوں سے خُدا کی پناہ۔ (انتہیٰ)

راقم الحروف نے اِس سلسلے میں بہت غور و خوض کیا کہ شیعہ مذہب کے لوگ حضرت سیّد عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی سیادت سے آخر کیوں اِنکار کرتے ہیں اور جابجا اپنی تحریروں اور تقریروں میں کیوں اُن کو دائرۂ سیادت سے خارج کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ بڑی مدّت کے بعد ایک بات جو سمجھ میں آئی، یہ تھی کہ حضرت غوثِ پاکؓ نے مسلسل تہتّر (۷۳) برس تک سرزمینِ بغداد کو اپنے وجودِ مسعود سے مشرّف فرمایا اور اِس دَوران درس و افتاء کا بھرپور سلسلہ جاری رکھا۔ آپ بر سرِ منبر اصحابِ ثلاثہؓ کی دینی خدمات اور اُن کے مناقب و فضائل بیان فرماتے رہے، چونکہ اُس دَور میں خاص طور پر فرقۂ شیعہ کا بہت زور تھا اور آپ حیاتِ طیّبہ کے آخری لمحات تک اُن کے عقائدِ باطلہ کا رد فرماتے رہے[1] اور قرآن و سنّت کی پیروی کو بڑی شدّ و مدّ سے ہر معاملے میں اہمیّت و فوقیت دی۔ شیعہ حضرات صرف اِن وُجوہ کی بنا پر اُن سے اظہارِ بُغض و عناد کرتے ہیں اور اُنہیں دائرۂ سیادت سے خارج کرنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے رہتے ہیں، شاید اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ خارجیوں کا فرقہ بھی موجود ہے، جو جناب سیّدہ فاطمہؓ و حسنینؓ و زینبؓ وغیرہم پر بھی لفظِ سیّد کے اطلاق کو نادرست کہتا ہے، جیسا کہ تفصیلاً مسطور ہو چکا۔ کیا ہم اُن کی یہ بات تسلیم کر لیں؟

جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نواسوں کو دائرۂ سیادت سے خارج

[1] اِس موضوع پر آنجنابؓ کی کتاب ردّ الرافضہ اُس دَور کی معروف کتاب ہے اور اِس کا تذکرہ علامہ یونس ابراہیم السامرائی نے اپنے مقالہ میں کیا ہے۔ (مصنّف)

سمجھنے والے ذہن بھی ہو سکتے ہیں تو کوئی طائفہ اگر سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو سیادت کے دائرہ سے خارج سمجھنے والا بھی ہو تو یہ امر چنداں تعجب انگیز نہیں، کیونکہ سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مقام، سبطینؓ کے مقام و شرف سے تو بہرحال کم ہے۔ شیعہ کو چاہیئے کہ وہ پہلے خارجیوں سے پنجتن کے سلسلے میں نمٹ لیں، اُن کو مطمئن کرنے یا خود مطمئن ہونے کے بعد پہلے اپنے نسب کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں کہ وہ خود کیا ہیں، پھر غوثِ پاکؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں کے بارے میں کچھ کہنے کے مجاز ہو سکتے ہیں؟ اپنے نسب تک کی خبر نہیں اور بمصداق باپ آلو، دادا پیاز اور بیٹا شہنواز، دوسروں کے نسب کا ذوقِ تجسس تو کوئی دانشمندانہ بات نہیں۔

نجم الحسن کراروی صاحب نے حضرت سید الشیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو غیر سید ثابت کرنے کے لئے جن دو چار انتہائی کمزور حوالوں کا سہارا لیا ہے،[1] وہ یہ ہیں۔ عمدۃ الطالب مصنفہ احمد بن علی، شجرۃ الاولیاء مصنفہ احمد بن محمد الحسینی، ماہنامہ صوفی جو منڈی بہاؤالدین (گجرات) سے شائع ہوتا تھا۔ گویا اُنہیں اِن دو تین غیر ثقہ حوالوں کے علاوہ کوئی مستند حوالہ نہ مل سکا۔ عمدۃ الطالب اور شجرۃ الاولیاء کے بعد کسی اور حوالے کی تلاش میں رہے، مگر افسوس کہ تلاشِ بسیار کے بعد اُنہوں نے کسی مستند کتاب کے بجائے ایک ماہنامہ صوفی ہی کو غنیمت سمجھا یہ تو ع گندم اگر بہم نرسد بُھس غنیمت است، والا ماجرا ہے۔ بہرحال اُنہوں نے جو کچھ کیا اپنی بساطِ علمی کے مطابق ہی کیا ع توفیق باندازۂ ہمّت ہے ازل سے، مگر یاد رہے کہ ایسی جلیل القدر ذوات کی سیرت نگاری کے لئے دُنیائے علم و فضل کی مستند ہستیوں سے استناد ضروری ہوا کرتا ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی مثال آپ نے صرف دو تین غیر ثقہ حوالوں سے حضرت غوثِ پاکؓ کو غیر سید ثابت کرنے کی سعئ لاحاصل فرمائی۔ آیئے ہم آپ کو کتابوں کی دُنیا کی سیر کراتے ہیں[2] اور یہ بتاتے ہیں کہ حضرت غوثِ اعظمؓ کا مقام اِن مشاہیرِ اُمت اور اکابرِ ملت کی نظروں میں کیا ہے اور شاید شیعہ مکتبِ فکر کے علاوہ جملہ مکاتبِ فکر، جن میں غیر مقلد،

---

[1] دیکھئے چودہ ستارے، ص ۲۰۲-۲۰۴، مطبوعہ لاہور

[2] حوالہ کتب کی فہرست بطورِ ضمیمہ (کتابیات) کتاب کے آخر میں ص ۹۶۹ سے ۹۸۴ تک ملاحظہ ہو۔

دیوبندی، وہابی، نجدی وغیرہم شامل ہیں، اُن کی عظمتوں کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اِنہی کے حوالوں سے اپنے موقف کو ثابت کیا کرتے ہیں اور میرے خیال میں کراروی صاحب کی کتاب چودہ ستارے میں بھی ان میں سے کئی حضرات کی کُتُب کے حوالے موجود ہوں گے۔ فہرستِ کُتُب میں اِس امر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ اُس کتاب کا نام بھی لکھا جائے، جس میں مصنف نے حضرت غوثِ پاکؓ کے حسنی حُسینی سیّد ہونے کا نہ یہ کہ محض ذکر ہی کیا، بلکہ آپ کے حالات و مناقب بھی تفصیل سے لکھے۔ اِس کے علاوہ مُصنّف کا نام مع سنِ وفات اور یہ کہ مُصنّف اُس کتاب کے علاوہ دوسرے علوم و فنون میں کیسی کیسی مُہتمّ بالشان تصانیف کا خالق ہے اور اُس کی دوسری تصنیفات کو دنیائے تاریخ و ادب میں بالعموم اور دنیائے اسلام میں بالخصوص کیا رُتبہ و مقام حاصل ہے، ہم نے یہ سب کچھ فہرستِ کُتُب میں تحریر کیا ہے۔ حضرت غوثِ پاکؓ کے متعلق شیخ ابنِ تیمیہؒ کی رائے بھی اِسی کتاب میں ملاحظہ فرمالیں، جنہیں وہابی اور دیوبندی اپنا امام مانتے ہیں؛

---

# بابِ نہم

# حدیثِ قسطنطنیہ اور مغفورٌ لھم کی وضاحت

یُوں تو ہر دَور میں اہلِ شر نے شر کا ساتھ دیا اور اہلِ خیر نے خیر کا، مگر حیرت ہے کہ ہمارے پاکستان میں بعض شر پسند اور شر پرست شرارت کے نقطۂ کمال کو پہنچے ہوتے ہیں۔ یزید جیسے نام نہاد مُسلمان، بدکار اور فاسق و فاجر کے فضائل و کمالات پر کتابیں اور پمفلٹ شائع کر رہے ہیں اور اس کے قصائد لکھے جا رہے ہیں اور یزید کو مرحوم و مغفور ثابت کرنے کے لئے حدیثِ قسطنطنیہ بڑی شدّ و مد سے پیش کی جا رہی ہے۔ ایسے حیلغانِ شر کی تقریروں اور تحریروں سے ہرگز متاثر نہیں ہونا چاہیئے، اِس لئے کہ صرف روایات کو نقل کر دینا اور بات ہے اور علمی تحقیق کا مقام اور ہے۔

آیئے ذرا ہم حدیثِ قسطنطنیہ اور مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ پر علماءِ سَلَف کی تحقیق کو دیکھیں اور اِس مسئلہ کا جائزہ قرآن و حدیث اور تاریخی روایات کے تناظر میں لیں۔ جیسا کہ مذکور ہُوا آج کل کے بعض یزیدی، قسطنطنیہ والی حدیث کو بڑی شدّ و مد سے پیش کرتے ہیں اور مغفورٌ لَّھُمْ سے یزید کی مغفرت پر استدلال کرتے ہیں۔ اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اِس حدیث کے عُموم سے یزید خارج ہے اور عام کی تخصیص کوئی نئی بات نہیں۔ ایک ضابطہ ہے: مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ کوئی ایسا عام نہیں، جس سے بعض چیزیں مخصوص و مستثنٰی نہ ہوں۔ سب سے پہلے اِس کی مثال قرآنِ مجید کی اِس آیت سے دی جاتی ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى[1]۔ لوگو ہم نے تمہیں نَر اور مادہ سے پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ یہاں لفظِ النّاس ساری نوعِ انسانی کو شامل ہے۔ اِس عُموم کی وسعت کے ضمن میں حضرتِ آدم و حضرتِ حوّا علیہما السّلام نہیں آتے اور وُہ کسی اِستثنائی خُصوص کے حامل ہیں، اِس لئے کہ اِن دونوں کا نہ کوئی باپ تھا نہ ماں۔ اگرچہ اَيُّهَا النَّاسُ کا عُموم جنابِ آدم و حوّا کو شامل ہونا چاہیئے تھا، اِس لئے کہ وہ بھی اِنسان تھے، مگر وُہ اِس عُموم سے بالاتر شان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

دوسری آیت اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ[2]۔ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم

---

[1] القرآن، ۴۹ : ۱۳

[2] القرآن، ۳۶ : ۷۷

نے اُسے نطفہ سے پیدا کیا۔ اِس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام اِنسان نطفے سے پیدا کیے گئے، مگر اِس عمومی حکم سے جنابِ آدم و حوّا اور حضرتِ عیسیٰ علیہم السلام مخصوص ہیں، کیونکہ یہ تینوں حضرات نطفے سے پیدا نہیں کیے گئے۔ اِن حضرات کی تخصیص پر اور دلائل قائم ہیں۔ قرآن مجید کی یہ دو مثالیں مختصراً پیش کی گئیں
اب حدیثِ پاک ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا وُہ جنّتی ہے، اِس عمومی حکم سے مُنافق، مُرتد اور مُنکرِ الفرائض مخصوص ہیں، بالکل اِسی طرح مدینۂ قیصر والی حدیث سے یزید مخصوص ہے اور اِس کے عموم میں داخل نہیں، کیونکہ حدیث صرف یہی تو نہیں بلکہ یہ بھی تو حدیث ہے کہ من اذاھما فقد اذانی۔ جس نے حسنینؓ کریمین کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ پھر قرآنِ مجید نے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے متعلق یہ فیصلہ دیا اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ[1]۔ یقیناً جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت بھیجی۔ یزید سے بڑھ کر کس نے اہلِ بیتؓ کو ایذا دی۔ حدیث اور آیتِ مذکورہ کی باہمی تطبیق کے بعد یزید پلید تو لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور یار لوگ اُسے مرحوم و مغفور اور امیر المؤمنین ثابت کرنے میں ہلکان ہوتے جا رہے ہیں۔
اِس کے علاوہ یہ حدیث اُمَّتِیْ مَرْحُوْمَةٌ تو کیا اُمّتِ اجابت کے علاوہ اُمّتِ دعوت والے افراد اِس سے مخصوص نہیں ہوں گے؟ اِسی طرح یہ حدیث کہ مَنْ اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَةِ ظُلْمًا اَخَافَهُ اللّٰهُ وَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[2]۔ جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا دھمکایا اللہ اُسے ڈرائے گا اور اُس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ یہ حدیث بھی حدیثِ قسطنطینیہ کے عموم کی مخصص ہے۔ کیا واقعۂ حرّہ میں اہلِ مدینہ پر حملہ، حرمِ نبویؐ کی بے حُرمتی، مسجدِ نبویؐ کو بطور اصطبل استعمال کرنا، اذان اور صلوٰۃ کا کئی دن تک نہ ہونا، اہالیانِ مدینہ کی بے عزّتی و بے حُرمتی اور ناگفتہ بہ واقعات سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا اہلِ بیتؓ رسولؐ کی ایذا رسانی، بے حُرمتی اور توہین و تذلیل سے یزید کو مبّرا کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

---

[1] القرآن ۳۳: ۵۷

[2] یہ حدیث علامہ ابن حجر الہیتمی المکیؒ نے نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو الصواعق المحرقہ، ص ۲۲۱، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۰۷ھ۔ علاوہ ازیں مشہور محقق و عالمِ دین حضرت علامہ عبد العزیز پر ہاروی نے بھی اسے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف نبراس میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نبراس شرح شرح العقائد، ص ۵۵۳، مطبوعہ شاہ عبد الحق اکیڈمی بندیال، ضلع سرگودھا

## علامہ تفتازانیؒ کی رائے

شرح عقائد میں علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں وَالحقُّ اَنَّ رِضَا یَزِیْدَ بقتل الحسینؓ واستبشارہٗ بذٰلکَ واھانۃ اھل بیت النبیّ ممّا تواتر معناہ وان کان تفاصیلہٗ احادًا۔[1]
(ترجمہ) حق یہ ہے کہ یزید قتل حسینؓ پر راضی تھا۔ پس اس کا اِس پر خوش ہونا اور اہل بیتؓ کی توہین ایسے اُمور ہیں جو معنًا متواتر ہیں، اگرچہ ان کی تفاصیل اخبارِ آحاد سے معلوم ہوتی ہیں۔ علامہ تفتازانیؒ کی یہی عبارت بعینہٖ شارح بخاری امام قسطلانیؒ نقل کرتے ہیں (ملاحظہ ہو قسطلانی شرح بخاری ص ۱۲۴۔ ۱۲۵) حدیثِ قسطنطنیہ سے مطلب نے جب یزید کی مغفرت اور فضیلت پر استدلال کیا تو علامہ بدر الدین عینیؒ شارح بخاری نے لکھا، قُلتُ وای منقبۃٍ کانت لیزید وحالہٗ مشہورۃ[2] (ترجمہ) میں کہتا ہوں کہ بھلا اِس میں یزید کی کون سی منقبت ہے حالانکہ اُس کے کرتوت مشہور ہیں۔

علامہ ابن کثیر واقعہ حرہ اور توہین و ایذائے اہل بیتؓ پر یزید کی مذمت میں لکھتے ہیں۔

وقد اخطأ یزید خطأً فاحشًا فی قولہٖ بمسلم بن عُقبۃ ان یبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وھٰذا خطاءٌ کبیرٌ فاحشٌ مع ما انضمّ الی ذٰلکَ مِن قتل خلقٍ مِن الصحابۃ وابنائھم وقد تقدّم انّہ قتل الحسینَ واصحابہ علیٰ یدَیْ عُبیداللّٰہ بن زیادٍ وقد وقع فی ھٰذہِ الایام الثلاثۃ مِن المفاسدِ العظیمۃ فی المدینۃِ النبویّۃ ما لایُحدّ ولایوصف ممّا لا یعلمہ الّا اللّٰہ عزّوجلّ۔[3]

(ترجمہ) یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ تین دن مدینہ منورہ کو مباح الدم والقتل قرار دے سخت غلطی کی اور پھر صحابہ کرامؓ، اُن کی اولاد کا قتل اور دوسرے مفاسدِ عظیمہ جن کا بیان ممکن نہیں۔ اسی طرح عُبیداللہ بن زیاد کے ذریعہ امام حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کا قتل زبردست خطا اور کھُلی غلطی ہے۔

---

[1] دیکھئے شرح عقائد نسفی، ص ۱۱۳ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند (بھارت)
[2] دیکھئے عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد ۶، ص ۶۲۹
[3] دیکھئے البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۲۲

یزید کا فسق و فجور متفق علیہ ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں: وبعد اتفاقھم علی فسقہ اختلفوا فی جواز لعنہ بخصوص اسمہ فاجازہ قوم منھم ابن الجوزی ونقلہ عن احمد وغیرہ[1]۔ (ترجمہ) یزید کے فسق و فجور پر اتفاق کے بعد اُس پر نام لے کر لعنت بھیجنے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعتِ علماء اِس بات کو جائز قرار دیتی ہے چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ بھی اُن میں سے ہیں اور اُنہوں نے یہ بات امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سے نقل کی ہے۔

## ابنِ کثیرؒ کا قول

مستند مؤرخ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: واستدل بھذا الحدیث وامثالہ من ذھب الی الترخیص فی لعنۃ یزید بن معاویۃ وھو روایۃ عن احمد بن حنبل اختارھا الخلال وابوبکر عبد العزیز والقاضی ابو یعلیٰ وابنہ القاضی ابوالحسین[2]۔ (ترجمہ) اِس اور اِس جیسی احادیث سے یزید پر لعنت کے مجوزین نے استدلال کیا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل سے یہی روایت ہے اور اِسی کو خلال، ابوبکر عبد العزیز، قاضی ابویعلیٰ اور اُن کے بیٹے ابوالحسین نے پسند کیا ہے۔

شرح فقہ اکبر میں محقق ابنِ ہمام کا یہ قول منقول ہے۔ قال ابن ھمام واختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما روی عنہ ما یدل علی کفرہ من تحلیل الخمر ومن تفوھہ بعد قتل الحسینؓ واصحابہ انی جازیتھم بما فعلوا باشیاخ قریش وصنادیدھم فی بدر وامثال ذٰلک ولعلہ وجہ ما قال الامام احمد بتکفیرہ لما ثبت عندہ نقل تقریرہ[3]۔

(ترجمہ) ابن ہمام کہتے ہیں کہ یزید کے کفر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اُسے کافر کہا ہے، کیونکہ اُس نے شراب کو حلال سمجھا اور شہادتِ حسینؓ کے بعد کہا کہ میں نے بدر کے مقتول کفار سرداروں کا بدلہ لیا ہے۔ غالباً اُس کے اِن الفاظ کی نقلِ صحیح کی بنا پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے

---

[1] دیکھیے الصواعق المحرقہ، از علامہ ابن حجر مکی، ص ۱۳۵، مطبوعہ میمنیہ مصر، سن طباعت ۱۳۰۶ھ

[2] دیکھیے البدایہ والنہایہ از علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جلد ۸، ص ۲۲۳

[3] دیکھیے شرح فقہ اکبر، ص ۸۸

اُس کے کفر کا فتویٰ دیا۔

شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے وبعضهم اطلق اللعن علیه منهم ابن الجوزیؒ المحدث وصنف کتاباً سماه الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید ومنهم الامام احمد بن حنبل ومنهم القاضی ابو یعلیٰ۔ ترجمہ۔ بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے۔ اُن میں سے محدث ابن جوزیؒ ہیں جنہوں نے اِس سلسلے میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید۔ نیز حضرت امام احمدؒ اور قاضی ابو یعلیٰؒ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں کیا الھراسی فقیہ شافعی سے نقل کیا ہے کہ یزید شکار اور شراب کا رسیا تھا، چنانچہ چند شعر بھی نقل کئے ہیں جن میں یزید نے اپنے دوستوں کو شراب نوشی کی لذتوں کے حصول میں جلدی کی ترغیب دی۔[2]

حافظ ابن کثیر یزید کی عادات قبیحہ کے بارے میں لکھتے ہیں وکان فیه ایضاً اقبالٌ علی الشھوات وترک بعض الصلوٰۃ فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات۔[3]

(ترجمہ) یزید پر نفسانی خواہشات کا میلان غالب تھا بعض اوقات نمازیں چھوڑ دینا اور اکثر اوقات بے وقت پڑھنا اُس سے ثابت ہے۔

## روایتِ حضرت ابو ہریرہؓ

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت جس میں امارۃ الصبیان (لونڈوں کی حکومت) سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے اور ابو ہریرہؓ دُعا کرتے تھے کہ اُس وقت سے پہلے مجھے موت آجائے۔ اِس کا مصداقِ اوّل بھی شارحین حدیث کے نزدیک یزید ہے چنانچہ اِس حدیث کے ماتحت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے یہی لکھا ہے۔[4]

---

[1] دیکھئے نبراس

[2] ملخص حیاۃ الحیوان از علامہ دمیریؒ، جلد ۲، ص ۱۹۵-۱۹۶

[3] البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۳۰

[4] دیکھئے فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۸ وعمدۃ القاری جلد ۱۱، ص ۳۴۲

مَغفورٌ لّھُم والی حدیث کا مطلب چودہ سو سال گزرنے کے بعد تبدیل نہیں ہوسکتا۔ شارحینِ حدیث جن کے قلوب مفہومِ حدیث کے امین تھے اور جنہوں نے حدیث کی خدمت و اشاعت میں اپنی پوری زندگیاں گزار دیں، وُہ اِس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ حدیث کا مفہوم و مطلب بیان کریں۔ آئیے ذرا اِس حدیث کو محدثین کی تشریح و توضیح کی روشنی میں زیرِ بحث لائیں۔ امام قسطلانیؒ اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اور مہلب کے استدلال پر ضربِ کاری لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

استدل بھا المھلّب علیٰ ثبوت خلافۃ یزید وانّہ من اھل الجنۃ لدخولہ فی عُمُوم قولہٖ مغفورٌ لّھم واُجیب بان ھٰذا جارٍ علیٰ طریق الحمیّۃ لبنی اُمیّۃ ولا یلزم من دُخُولہٖ فی ذٰلک العموم ان لا یخرج بدلیلٍ خاصٍ اذلا خلاف ان قولہ علیہ السّلام مغفورٌ لّھم مشروطٌ بکونہٖ من اھلِ المغفرۃ حتّٰی لوارتدّ واحدٌ ممّن غزاھا بعد ذٰلک لو یدخل فی ذٰلک العموم اتفاقًا قالہ ابن المنیر[1]

(ترجمہ) مہلب نے اِس حدیث سے یزید کی خلافت اور اُس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے مگر اُس نے یہ بات محض بنی اُمیّہ کی حمایت کے جذبے میں کہی ہے۔ حدیث کے عموم میں داخل ہونے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وُہ کسی خاص دلیل سے نہ نکل سکے۔ اِس لئے کہ یہ بات واضح ہے کہ یہ بشارتِ مغفرت اُن لوگوں کے حق میں ہے جو اہلِ مغفرت ہوں اگر اُس لشکر میں سے کوئی مُرتد ہوجاتے تو وہ یقیناً اِس عموم میں داخل نہ ہوگا۔ ابنِ مُنیر نے اِسی طرح کہا ہے۔"

علامہ بدرالدین عینیؒ شارحِ بخاری لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ جس غزوہ قسطنطنیہ میں اکابر صحابۂ کرامؓ نے حصّہ لیا تھا، یزید اُس کا سپہ سالار ہرگز نہ تھا بلکہ اُس کے سپہ سالار سُفیان بن عوف تھے۔ علاّمہ عینیؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

قلت الاظھران ھٰؤلاء السادات من الصحابۃ کانوامع سفیان ولو یکونوامع یزید بن معاویۃ لانّہ لو یکن اھلاً بان یکون ھٰؤلاء السادات فی خدمتہٖ[2]

ترجمہ۔ قول صحیح یہ ہے کہ اکابر صحابہؓ نے جس غزوۂ قسطنطنیہ میں حصّہ لیا یزید اُس کا سپہ سالار نہیں تھا

---

[1] دیکھئے قسطلانی شرح بخاری، جلد ۵، ص ۱۲۴

[2] دیکھئے عُمدۃ القاری شرح بخاری از علاّمہ بدرالدین عینیؒ، جلد ۶، ص ۴۲۹

بلکہ اِس کے سپہ سالار سُفیان بن عوف تھے۔ اِس لئے کہ یزید اِس بات کا اہل ہی نہ تھا کہ اکابر صحابہؓ اُس کے ماتحت ہوں۔

پھر اِس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ یزید اِس بشارت میں داخل نہیں علامہ عینیؒ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

لا یلزم من دخولہ فی ذٰلک العموم ان لا یخرج بدلیلٍ خاصٍ اذ لا یختلف اہل العلم ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفورٌ لھم مشروط بان یکونوا من اہل المغفرۃ حتّٰی لو ارتدّ واحدٌ ممّن غزاھا بعد ذٰلک لم یدخل فی ذٰلک العموم فدلّ علٰی انّ المراد مغفورٌ لمن وُجِدَ شرطُ المغفرۃِ فیہ منھمؐ۔

ترجمہ۔ حدیث کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل کی بنا پر عموم سے نکل سکے۔ اِس لئے کہ اہلِ علم کا اِس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السّلام کا یہ ارشاد اُن کے لئے ہے جو مغفرت کے اہل ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی بعد میں مُرتد ہو جائے تو وُہ اِس عموم میں داخل نہ ہوگا پس معلوم ہوُا کہ یہ بشارت اُن لوگوں کے لئے ہے جن میں اہلِ مغفرت ہونے کی شرط پائی جائے۔

مشہور مؤرخ ابنِ اثیرؔ نے اپنی تاریخ الکامل میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے یزید کو سُفیان کی سرپرستی میں اِس غزوہ میں جانے کا حکم دیا مگر وُہ حیلے بہانے بنا کر رُک گیا۔ لوگوں کو اِسی لشکر میں بھُوک اور بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔ جب یزید کو معلوم ہوُا تو خوش ہوُا اور چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ لشکر پر مصیبت ٹوٹی! میں تو تکیہ لگائے اپنی بیوی اُمِّ کلثوم بنتِ عبداللہ بن عامر کے پاس بیٹھا ہُوں۔ جب امیر معاویہؓ نے یہ اشعار سُنے تو اُنہوں نے قسم کھائی کہ اب وُہ یزید کو ضرور اِس جہاد میں بھیجیں گے تاکہ اُسے بھی وُہ تکلیف پہنچے جو دوسروں کو پہنچ رہی ہے۔ اِس روایت نے یزید کے مدّاحین کے بے بنیاد پراپیگنڈے کی قلعی کھول کر رکھ دی اور اُس کی سپہ سالاری کا سارا بھانڈا پھوڑ دیا اور جہاد میں شرکت بھی بہ طورِ تعزیر و سزا ثابت کر دی۔ جو شخص غزوہ کے شرکاء کی مصیبت پر مسرور و شاداں ہو اور جس کو سزا کے طور پر جبراً بھیجا جائے کیا وہ اِس بات کا مستحق ہے کہ اُسے فاتحِ قسطنطنیہ کہا جائےؔ۔ العیاذ باللہ۔

---

ؐ دیکھئے عمدۃ القاری شرح بخاری از علامہ بدر الدین عینی، جلد ۶، ص ۹۲۹
ؔ دیکھئے تاریخ ابنِ اثیر جلد دوم، ص ۱۹۸

# لعنِ یزید پر حضرت اعلیٰ گولڑوی ؒ کا مسلک

اُمت کی مذکورہ جلیل القدر علمی شخصیات کے علاوہ مجدّدِ ملت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ بھی لعنِ یزید کے جواز کے قائل تھے، جو آپ کے درج ذیل خط سے واضح ہے۔

حامدًا و مصلیًا و مبسملاً

"بعدِ سلام آنکہ آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ)[1] اور نیز فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ[2] اور نیز متفق علیہ حدیث (فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ)[3] میرا ٹکڑا (یُؤْذِیْنِیْ مَآ اٰذَاھَا) اور نیز حدیث (مَنْ احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی)[4] اور نیز حدیث حسینٌ مِنّی وانا من حسینٍ احبّ اللّٰہ من اَحَبَّ حُسَیْنًا[5] اور نیز حدیث ان ابنی ھٰذا یعنی الحسین یُقتَل با رضٍ مّن ارضِ العراقِ یقال لھا کربلا فمن شَھِدَ ذٰلکَ منکم فلینصرہٗ[6]) سب آیات و احادیثِ صحیحہ یزید شقی اور اُس کے تابعان کے مستحقِ لعنت ہونے پر شاہد ہیں۔ کوئی اہلِ ایمان اِس گروہِ اشقیاء کی غیر ملعونیت کا قائل نہیں۔ جن لوگوں نے لعنِ یزید سے منع کیا ہے یزید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا، بلکہ اِس خیال سے کہ بجائے اِس کے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّحَسَنٍ وَّحُسَیْنٍ وَّ فَاطِمَۃَ پڑھنا بہتر ہے۔ شیطان کو اگر کوئی رات دن لعن کرے بجائے اِس کے تلاوت، ذکر اور دُرود پڑھنا مُفید ہے۔

آیۂ استخلاف (وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الیٰ آخرہا) کا آخری جملہ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ

---

[1] (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے اُنہیں دُنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ القرآن ۳۳:۵۷

[2] (ترجمہ) تو کیا تم اِس بات کے قریب ہو کہ اگر تم حکومت حاصل کر لو تو زمین میں فساد ہی پھیلاؤ اور اپنی قطع رحمی کرو۔ القرآن ۴۷: ۲۲-۲۳

[3] (ترجمہ) فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے تکلیف دیتی ہے۔

[4] (ترجمہ) جس نے حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی جس نے اُن سے دُشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دُشمنی کی۔

[5] (ترجمہ) حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں جو حسینؓ کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔

[6] (ترجمہ) میرا بیٹا حسینؓ زمینِ عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا جو شخص اُس موقع کو پائے اُس کی مدد کرے۔

ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ) اور نیز یزید شقی کا بعد شہادتِ سیدُ الشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں آکر یہ کہنا کہ آج ہم نے آلِ محمد سے روزِ بدر کا انتقام اور بدلہ لے لیا۔ کما قال ؎

لیس من جندب ان لو تنتقم　　من بنی احمد ما کان قد فعل

یزید کے کفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض یزید کے مستحقِ لعن ہونے میں بتصریح ثقات کوئی شک نہیں اگرچہ بے سود امر ہے، مگر اہلِ ایمان بمقتضائے (الحبُّ فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان) ان گروہِ اشقیاء پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہ ہم بوجہ اعتقادِ حقیتِ خلافتِ خلفائے اربعہ علیہم الرضوان و محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام روافض یا خوارج (شیعوں یا خارجیوں) سے علیحدہ ہیں۔ والحمد للہ اوّلاً و اٰخراً والصلوٰۃ والسلام منہ باطناً علیہ وظاھراً وآلہٖ وصحبہٖ[1]

حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی مذکورہ بالا تحریر کا خلاصہ یہ نکلا کہ یزید کے مستحقِ لعنت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جن اکابر نے یزید کے سلسلے میں سکوت اختیار کیا۔ یہ اِس لئے نہیں تھا کہ وُہ یزید کو مستحقِ لعنت نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اُس کے بارے میں اُن کا موقف یہ تھا کہ یزید پر لعنت بھیجنا کوئی باعثِ اجر و ثواب کام نہیں، لہٰذا اُس بدبخت کو کوسنے کے بجائے درُود شریف پڑھ لینا بہتر ہے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آلِ محمد پر درود بھیجنا بلاشبہ حصولِ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

علماء و محدثینِ سلف کی مذکورہ بالا تحقیقِ انیق کے بعد اُن لوگوں پر حیرت ہے، جو یزید پلید کے حق میں رطبُ اللّسان رہتے اور اُس کی تعریف و توصیف میں قصائد تک کہتے ہیں۔ ایک شاعر ہونے کے ناطے سے بہ سلسلۂ یزید میری کیفیتِ قلبی تو حضرت امیر مینائیؒ کے درج ذیل شعرِ برمحل کی آئینہ دار ہے ؎

مجھ کو عجب بحر کے حسینؓ شہید کا　　کرتا ہے تنگ قافیہ تک بھی یزید کا

## بنو اُمیّہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث

بنو اُمیّہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث نقل کر رہا ہوں۔ یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ

---

[1] دیکھئے امیر معاویہ، مؤلفہ علامہ فیض احمد فیضی، باب ۱۹، ص ۴۶۳-۴۶۴، طبع پنجم، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۷ء

نہیں، خالص سُنّی ہیں، مگر آپ کہیں گے کہ سُنّی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں۔ اگر اہلِ بیتؓ سے محبت اور عقیدت شیعیت ہے تو سُنّی ضرور شیعہ ہیں، مگر بفضلہٖ تعالیٰ خارجی نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

۱۔ اهل بيتي سيلقون بعدي من امّتي قتلاً وتشديداً وان اشدّ قومنا لنا بُغضاً بنواُمية و بنومخزوم[1] (رواه حاكم)

ترجمہ۔ میرے اہلِ بیتؓ کو میرے بعد قتل اور سخت تشدّد کا سامنا کرنا پڑے گا اور بے شک ہماری قوم سے بنواُمیّہ اور بنومخزوم ہمارے ساتھ بُغض میں سخت ہیں۔

۲۔ اخرج ابویعلٰی عن عُبيدة مرفوعاً لايزال امر امّتي قائماً بالقسط حتّٰی يكون اوّل من يثلمهٗ رجلٌ من بنواُمية يُقال لهٗ يزيد[2]۔

ترجمہ۔ میری اُمّت کا نظام عدل و انصاف پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ بنواُمیّہ کا ایک شخص پہلے پہل اِس میں رخنہ ڈالے گا جس کا نام یزید ہوگا۔

۳۔ داخرج الرّویانی مرفوعاً اوّل من يبدّل سُنّتي رجلٌ من بني اُمية يُقال لهٗ يزيد[3]

ترجمہ۔ سب سے پہلے جو شخص میری سُنّت کو تبدیل کرنے کی جسارت کرے گا وہ بنی اُمیّہ سے ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

## یزید کے بارے میں امام احمدؒ بن حنبل کا فتویٰ

اب یزید کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل قدّس سرّہٗ کا فتویٰ بھی ملاحظہ کیجئے۔ وقد قال الامام احمد بكفره[4] (ترجمہ) اور امام احمدؒ بن حنبل نے یزید کی تکفیر کی ہے۔ علامہ محمد الصّبان حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ انّه كان يقول لوكنتُ ممن قاتل الحسينؓ ثم اُدخِلتُ الجنّةَ لاستحييتُ ان انظرَ الٰى وجهِ المصطفٰى[5]۔ (ترجمہ) آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر

---

[1] دیکھئے اسعاف الرّاغبین برحاشیہ نورالابصار، مصنفہ علّامہ الشیخ محمد الصّبان، ص ۱۷۵، مطبوعہ مصر

[2] ایضاً ص ۱۷۷

[3] ایضاً ص ۱۷۷

[4] شرح فقہِ اکبر از امام ابنِ ہمام بحوالہ (شہیدِ کربلا اور یزید) مصنفہ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، ص ۱۰۴، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، ایضاً اسعاف الرّاغبین، ص ۱۷۷، مطبوعہ مصر

[5] دیکھئے اسعاف الرّاغبین (عربی) برحاشیہ نورالابصار، ص ۱۷۸، مطبوعہ مصر

میں حسینؓ کے قاتلوں میں سے ہوتا اور پھر مجھے جنت میں داخل کیا جاتا تو یقیناً مجھے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھنے میں حیا آتی۔ مقصد یہ کہ چہرۂ مصطفیٰ کی زیارت وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں آپ کی اولادِ پاک کی محبت و عقیدت ہو۔ حیرت ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں قتلِ حسینؓ کے مرتکبین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُرمۂ مازاغ والی آنکھ سے آنکھ کیسے ملا سکیں گے اور پھر اُمیدِ شفاعت کس بنا پر رکھیں گے۔ ؎

اَتَرْجُوْا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

ترجمہ۔ وہ قوم جس نے حسینؓ کو کربلا میں شہید کیا، کیا وہ قیامت کے دن اُس کے نانا سے اُمیدِ شفاعت رکھتی ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ قاتلانِ حسینؓ جب سرِ اقدس لے کر دمشق جا رہے تھے تو پہلی منزل پر شراب نوشی کی محفل منعقد کی۔ اُس وقت عالمِ غیب سے ایک آہنی قلم نمودار ہوا جس نے خون سے یہ مذکورہ بالا شعر رقم کیا۔[1]

کل میدانِ محشر میں قاتلانِ حسینؓ کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمیدِ شفاعت رکھنا واقعی بڑے تعجب کی بات ہے! میرزا عبدالقادر بیدل نے درج ذیل رُباعی میں اِس انتہائی بدبخت دمشقی گروہ کے چہرۂ اعتقادات سے اِس طرح پردہ ہٹایا ہے ؎

خلقے از فطرتِ ضلالت تمہید بر مُرشدِ[2] خمر و بنگ بستہ است اُمید
چوں زُمرۂ خارجی کہ در روزِ جزا دارد چشمِ شفاعت از رُوحِ یزید

ترجمہ۔ بہت سے لوگوں نے اپنی گمراہی پر مبنی فطرت کی وجہ سے شراب اور بھنگ کے رسیا مُرشد سے اُمیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، جس طرح اُمیہ نواز گروہ قیامت کے دن شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] دیکھئے سِرُّالشہادتین، مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، ص ۱۳۱، مطبوعہ مکانشی رام لاہور

[2] اِس سے مُراد یزید ابنِ معاویہ ہے جس کا فسق و فجور بے شمار تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے مگر خارجی ذہنوں کا ذوقِ عقیدت لائقِ ہزار نفرین ہے کہ وہ غلام علی، غلام حسن اور غلام حسین کے بجائے اپنے بچوں کی گردنوں میں بنو اُمیہ کا طوقِ غلامی ڈالتے ہوئے غلام یزید وغیرہ نام تجویز کرتے ہیں۔ ہم مبارک باد دینے کے ساتھ یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اولیائی اولاد کو یزید کی ذات و صفات کا سچا امین اور وارث بنائے یا پھر اُنہیں راہِ ہدایت دکھا دے تاکہ کل وہ عذاب جہنم سے محفوظ رہ سکیں۔

کے بجائے یزید پلید کی رُوح سے اُمیدِ شفاعت رکھتا ہے۔ یعنی خارجی ٹولہ اُمیدِ شفاعت بھی اپنے محبوب قائد یزید ہی سے رکھتا ہے۔ ہماری بھی یہ دعا ہے کہ احکم الحاکمین نہ صرف یہ کہ حشر میں خارجیوں کا حشر اُن کے محبوب لیڈر کے ساتھ کرے بلکہ اُن کا حشر بھی وہی کرے جو اُن کے قائدینِ فاسقین کا ہوگا

اِن گروہوں کی انتہاپسندی سے جو تباہ کُن نتائج نکلے حضرتِ بیدلؒ نے اُن کا ذکر بھی بڑی دردمندی اور دل سوزی سے کیا ہے ۔

آخر اقبالِ دیں بہ اِدبار اُفتاد — صُلحِ اقرار ہا بہ انکار اُفتاد
جمعیّتِ سُنّت وجماعت کم شُد — با رفضی و خارجی سروکار اُفتاد

ترجمہ۔ آخر کار دین کی بلند بختی، بدبختی میں بدل گئی ہے اور اقرارِ حق سے پیدا ہونے والی صُلح، انکار پر منتج ہوئی ہے۔ اہلِ سُنّت وجماعت کے اتحاد میں کمی رُونما ہوئی افسوس ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کو شیعوں اور خارجیوں سے نمٹنا پڑا۔

## جنابِ معاویہؓ کے حق میں واردشُدہ احادیث پر محدّثین کا تبصرہ

چونکہ خارجی فضائلِ اہلِ بیت کی احادیث موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اِس لیے مطلب ہے کہ جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں، اُن احادیث کے متعلق محدّثین کی رائے بھی پیش کردی جائے۔ چنانچہ علّامہ ابن حجر عسقلانیؒ شارحِ بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :—

عن اسحٰق بن راھویہ انّہ قال لم یصح فی فضائلِ معاویۃ شیئٌ۔ واخرج ابن الجوزی ایضًا من طریق عبد اللّٰہ بن احمد بن حنبل سالتُ ابی ماتقول فی علی و معاویۃ فأطرق ثمّ قال اعلم انّ علیًّا کان کثیر الاعداء ففتّش اعداؤہ لہٗ عیبًا فلم یجدوا فعمدوا الی رجلٍ قد حاربہٗ فأطروہُ کیادًا منھم لعلیٍّ فاشار بھٰذا الی ما اختلقوہ لمعاویۃ من الفضائل ممّا لا اصلَ لہٗ وقد ورد فی فضائلِ معاویۃ احادیث کثیرۃٌ لکن لیس فیھا ما یصحّ من طریقِ الاسناد وبذٰلک جزم اسحٰق بن راھویہ والنّسائی وغیرھما۔[1]

ترجمہ :۔ اسحٰق بن راہویہ سے مروی ہے اُنھوں نے کہا کہ معاویہؓ بن ابی سفیان کے فضائل کی کوئی روایت

---

[1] دیکھئے فتح الباری شرح بخاری مرتبہ علامہ ابن حجر عسقلانی باب ذکر معاویہؓ جلد ۷، ص ۱۰۴، مطبوعہ مطبع الخیریہ مصر، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور ابن جوزی نے عبداللہ بن احمد کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبلؒ) سے پوچھا کہ آپ جناب علیؓ اور معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو آپ نے سر جھکا لیا اور پھر کہا کہ یہ بات یاد رکھ کہ حضرت علیؓ کے دشمن بہت تھے، جنہوں نے آپ کی عیب چینی کرنا چاہی، لیکن کچھ نہ پایا۔ پھر انہوں نے ایک ایسے شخص کا سہارا لیا جس نے علیؓ کے ساتھ جنگ کی۔ (پس اُس کی تعریف میں غلو سے کام لیا جس سے اُن کا مقصد علیؓ کے بارے میں فریب دینا تھا۔ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوگوں نے جناب امیر معاویہؓ کے لئے اپنی طرف سے فضائل و مناقب کی جو روایات گھڑلی تھیں، اُن کی کوئی اصل نہیں اور فضائل معاویہؓ میں بہت سی احادیث مروی ہیں، لیکن اُن میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو، اور اسحٰق بن راہویہ (اُستادِ امام بخاریؒ) نسائی وغیرہما نے بھی اسی بات کو پختہ ثابت کیا ہے، چنانچہ اسی روایت کو امام جلال الدینؒ سیوطیؒ نے بھی نقل کیا۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے اشارے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جناب امیر معاویہؓ کے سلسلے میں اُمیہ نوازوں نے احادیثِ فضائل اس لئے گھڑی تھیں تاکہ لوگ جناب علیؓ سے بدظن ہو جائیں کہ علیؓ ایسے عظیم انسان سے برسرِپیکار ہیں جس کے متعلق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی احادیث مروی ہیں۔ جب اُمیہ پرستوں نے احادیث گھڑنے کی اتنی زحمت صرف اس لئے اُٹھائی کہ وہ اس سے جناب امیر معاویہؓ کی فضیلت و اہمیت ثابت کرسکیں تو پھر اُنہیں اس بات پر بھی غور کر لینا چاہیئے تھا کہ جناب علی المرتضیٰؓ وہ ذات گرامی ہیں جن کے متعلق بے شمار احادیثِ صحیحہ موجود ہیں۔

چنانچہ اُن احادیث میں سے چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:-

امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کی۔

۱۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انتَ مِنّی بمنزلۃِ ھارونَ من موسٰی الّا انّہ لا نبیّ بعدیؐ۔

ترجمہ: عشرہ مبشرہ میں مندرج صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ

---

۱؎ دیکھئے تاریخ الخلفاء (عربی) از علامہ جلال الدین سیوطیؒ، ص ۱۲۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

۲؎ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۳

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا تجھے (قُرب و محبّت خاص میں) وہ مقام حاصل ہے جو ہارون علیہ السلام کو مُوسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ تھا۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ایک اور روایت جسے امام احمد بن حنبلؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ عن زید بن ارقم انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال مَن کُنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہٗ۔[1]

ترجمہ۔ جس کا میں مولیٰ (یعنی محبوب) ہُوں علیؓ بھی اُس کے مولیٰ ہیں۔

حضرت علیؓ کی اِس فضیلت کو سُن کر خلیفۂ ثانی عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:۔

۳۔ ھنیئًا لک یا ابن ابی طالب اصبحتَ و امسیتَ مولیٰ کُلِّ مؤمنٍ و مؤمنۃٍ۔[2]

ترجمہ۔ اے علیؓ بن ابی طالب تمہیں مبارک ہو کہ تم ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ قرار پاتے ہو۔

خیبر کے محاصرہ کے دوران جب فتح و نصرتِ غالبہ نہ ہوتی تھی، حالانکہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے دن حضرت عمرؓ نے لشکر کی قیادت کی تھی تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

۴۔ لاعطینّ الرّایۃَ غدًا رجلًا یفتحُ اللہُ علٰی یدَیہِ یُحِبُّ اللہَ وَرسُولَہٗ وَ یُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُولُہٗ فلمّا اَصبحَ النّاسُ غَدَوا علٰی رَسُولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّھُم یَرجُونَ اَن یُعطاھا فقال اَینَ علی بن ابی طالب فقالوا ھو یارسول اللہ یشتکی عینیہ فارسلوا الیہ فاُتِیَ بہٖ فبصقَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عینیہ فبرأ کأن لم یکن بہ وجعٌ فاعطاہ الرّایۃَ۔[3]

ترجمہ۔ کل میں اُس جلیل القدر مرد کو جھنڈا عطا کروں گا جو اللہ اور رسول سے محبّت رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اُس سے محبّت رکھتے ہیں۔ صبح سارے صحابۂ کرامؓ حضورؐ کی خدمت میں اِس سعادت کی اُمید پر حاضر ہوئے تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کے متعلق پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ اُنہیں آشوبِ چشم ہے۔ پھر حضرت علیؓ کو بلایا گیا حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھ پر لگایا، تو اُنہیں یُوں معلوم ہُوا کہ کبھی درد تھا ہی نہیں۔ پھر آپؐ نے اُنہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ چنانچہ خیبر آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہُوا۔

---

[1] مسندِ احمد و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۳-۵۶۴، مطبوعہ کانپور

[2] مسندِ احمد بحوالہ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۵، مطبوعہ کانپور

[3] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۵، طبع قیومی کانپور

یہ حدیث بطورِ خاص توجہ طلب ہے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے بحوالہ مسلم نقل کیا ہے۔ اُس کے الفاظ ہیں :-

۵- عن زِرِّ بنِ حُبیشٍ قال قال علیٌّ وَالَّذِی فَلَقَ الحَبَّۃَ وبراءَ النَّسَمَۃَ اِنَّہٗ لَعَہدَ النَّبِیُّ الاُمِّیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیَّ اَنْ لَایُحِبَّنِی الّامؤمنٌ ولایُبغِضَنِی الّامنافقٌ[1]

زِرّ بنِ حُبیش سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانے کو چیرا اور ذی رُوح کو پیدا کیا کہ نبیِ اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے عہد فرمایا کہ مجھ سے محبّت نہیں کرے گا مگر مؤمن اور بُغض نہیں رکھے گا مگر مُنافق۔

دَورِ حاضر کے خارجی ذہنوں کو بالخصوص مذکورہ بالا حدیثِ پاک سامنے رکھتے ہوئے اپنے گریبانوں میں جھانک لینا چاہیئے اور حضرت علیؓ کے بارے میں اپنے منفی نقطۂ نظر اور اندازِ فکر پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کیونکہ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس ارشاد میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ حُبِّ علیؓ علامتِ ایمان ہے اور بُغضِ علیؓ علامتِ منافقت ہے، مگر اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ کسی بھی شے سے محبّت و رغبت قرآن و سنّت کی حُدود و قیود میں رہتے ہوئے ہی نافع ہو سکتی ہے ورنہ عند اللہ اُس کی نہ کوئی وقعت ہوگی اور نہ اجر ملے گا۔

ہمارا کام ہے اچھی بُری ہر بات سمجھانا
یہ اُن کا اپنا ذمّہ ہے نہ سمجھیں وہ اگر پھر بھی (راقم الحروف)

شیخ ابنِ تیمیہؒ اگرچہ شیعوں کے شدید مخالف ہیں۔ اور اُن کے عقائدِ باطلہ کی تردید میں ایک ضخیم کتاب منہاجُ السُّنّہ کے نام سے تصنیف کی، جسے آفاقی شہرت و مقبولیّت حاصل ہوئی۔ اِس منہاجُ السُّنّہ میں ابنِ تیمیہؒ جناب معاویہؓ کے فضائل اور اُن کے اجتہاد کے سلسلے میں مروی احادیث کا ذکر اِن الفاظ میں کرتے ہیں :-

ثم مع معاویۃ طائفۃٌ کثیرۃٌ من المروانیۃ وغیرھم کالذین قاتلوا معہٗ واتباعھم بعدھم یقولون انّہٗ کان فی قتالہ علی الحق مجتھدًا مصیبًا وانّ علیًّا ومن معہٗ کانوا ظالمین او مجتھدین مخطئین وقد صُنّفت لھم فی ذلک مصنّفاتٌ

[1] مشکوٰۃ شریف، باب مناقبِ علیؓ، ص ۵۶۴، مطبوعہ کانپور۔

مثل کتاب المروانیۃ صنفہٗ الجاحظ وطائفۃٌ وضعوا المعاویۃ فضائل ورووا احادیث عن النبیؐ فی ذٰلک کُلّ کذب ولھم فی ذٰلک حُججٌ طویلۃٌ لیس ھٰذا موضعھا ولکن ھٰؤلاء عند اھل السُّنّۃ مخطئون فی ذٰلک وان کان خطأ الرّافضۃ اعظم من خطئھم[1]

ترجمہ۔ ہاں معاویہ کے ساتھ مروانیہ وغیرہم کا ایک بڑا گروہ ہے، وہ لوگ جنہوں نے اُن کے ساتھ مل کر لڑائی کی۔ یا اُن کے بعد جو اُن کے متبعین ہوتے وہ کہتے ہیں کہ وہ (معاویہؓ) علی المرتضیٰؓ کے ساتھ لڑائی کے معاملہ میں حق پر تھے۔ اور معاویہؓ مجتہد مصیب تھے اور علیؓ المرتضیٰ اور اُن کے ساتھی ظالم تھے یا خطائے اجتہادی میں مبتلا تھے۔ اور اِس سلسلہ میں (معاویہؓ) کے لئے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جیسے کتابُ المروانیۃ جس کے مُصنّف جاحظ ہیں اور ایک گروہ نے تو معاویہؓ کے فضائل میں من گھڑت روایات اور احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیں، لیکن وہ سب کی سب جھُوٹ ہیں اور اِس سلسلہ میں اُن کے لمبے چوڑے دلائل ہیں، یہاں جن کے ذکر کا موقع نہیں، لیکن یہ لوگ اِس بارے میں اہلِ سُنّت کے نزدیک خطا پر ہیں، اگرچہ روافض (شیعہ) کی خطا اُن کی خطا سے بڑھ کر ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ، امام جلال الدین سیوطیؒ کی نقل، امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اور شیخ ابن تیمیہؒ کے اِس مُحقّقانہ تبصرے کے بعد اِس موضوع پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں، تاہم خوارج اور اُمیّہ پرستوں سے اِتنی گزارش ضرور کی جاتی ہے کہ وہ جن احادیث کو فضائلِ جنابِ معاویہؓ میں بطورِ سند و دلیل پیش کرتے ہیں، ائمّہ جرح و تعدیل کے نزدیک بلحاظِ سند اُن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ شیخ ابنِ تیمیہؒ نے شیعہ سے شدید مخالفت کے باوجود حق بات کہہ دی۔ اور حق یہ ہے کہ اہلِ حق کا حق بھی یہی ہے کہ مخالفت کے باوجود حقائق کو تسلیم کریں۔ شیعہ سے اُن کی مخالفت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ ابن تیمیہؒ جہاں خوارج اور بنو اُمیّہ کے اُس منظّم گروہ کا ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے جنابِ امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب میں احادیث وضع کیں، وہاں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ شیعہ کی خطا اُن سے بڑی خطا ہے۔ ایسے انسان کا فضائلِ جنابِ معاویہؓ کے سلسلے میں مروی احادیث کے لئے کُلُّ کِذْبٌ (وہ سب روایات جھُوٹی ہیں) کہنا خصوصی اہمیت

---

[1] دیکھئے منہاج السنۃ (عربی) از شیخ ابن تیمیہؒ، الجزء الثانی، ص ۲۰۷، مطبوعہ مطبع الکبریٰ الامیریہ مصر، سن طباعت ۱۳۲۱ھ

رکھتا ہے حالانکہ شیعہ کو نیچا دکھانے کے لئے وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فضائل اہلِ بیت میں مروی احادیث صحیح ہیں تو جناب معاویہؓ کے حق میں مروی احادیث بھی پایۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

## دَورِ بنو اُمیّہ کی بدعات

بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہؓ کے دَورِ امارت میں شروع ہو گیا تھا، مگر اُن کے اَخلاف نے تو انتہا کر دی۔ یہاں اِس تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔ مختصراً ایک بدعت ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں۔ والسُّنّۃ ترک الاذان والاقامۃ فی العیدین الا ماأحدث معاویۃ علی ماذکرہ ابن عبد البر فی اصح الاقاویل عنہ۔ (ترجمہ) عیدین میں اذان اور اقامت نہ کہنا سنّت ہے مگر جناب معاویہؓ نے نمازِ عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروا دی۔ چونکہ ایسے تاریخی حقائق و شواہد کو زیرِ بحث لانا ہمارا موضوع نہیں، ورنہ بے شمار ایسے تاریخی حقائق حوالہ جات کے ساتھ پیش کئے جا سکتے ہیں، جن کے مطالعہ سے انسان ضرور چونک اُٹھتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا اور قرآن و سُنّت میں اِس کا ثبوت کہاں پر موجود ہے؟

بہر حال وہ جملہ اُمور اور بدعات جو تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، اُنہیں بلا ضرورت سامنے لانا قرینِ انصاف و دانش مندی نہیں اور اِن سب کے باوجود جناب معاویہؓ کو دائرۂ صحابیت سے خارج کرنا یا دُور اَز کار تاویلات اور فضول تشریحات سے کافر و مشرک ثابت کرنا نہ صرف گناہِ عظیم ہے بلکہ میرے خیال کے مطابق توہینِ صحابیتِ رسولِ کریم بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، از خود موجبِ کفر و الحاد ہے۔ ربُّ العزّت ہمیں اہلِ بیت اور صحابۂ کرامؓ دونوں سے عقیدت و محبت رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جس صحابی کا جو مرتبہ و مقام تھا ہمیں اُس کی اُتنی ہی عزّت و تکریم کرنے کی اہلیت و توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہی اسلام ہے یہی اتباع ہے اور اِسی کا نام ایمان ہے۔

---

لے فتوحاتِ مکیہ از ابن عربیؒ جلد اوّل ص ۵۲۰ مطبوعہ مصر سن طباعت ۱۲۶۹ھ

## لعنتِ یزید پر ایک لطیفہ

عارفِ نامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ) کے دَور میں بھی یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامی کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں بہ روایتِ تذکرۂ کرمی، خزینۃ الاصفیاء، لطائف الطوائف اور مولانا فخرالدین علی کاشفی کے حوالے سے رقمطراز ہیں ـــــــ در زمانِ میرزا بابر فقیہے دانشمند سمرقندی مولانا مزید نام بہ ہرات آمدہ بُود۔ روزے ایشاں درمجلسِ میرزا بودند و مولانا مزید نیز حاضر بُود۔ میرزا ازو پُرسید کہ در لعنِ یزید چہ مے گوئی؟ گفت: روا نیست، زیراکہ از اہلِ قبلہ بُود۔ میرزا رُوئے بہ ایشاں کرد وگفت: مولانا مزید خود ایں می گوید شما چہ می گوئید؟ گفتند ما می گوئیم صد لعنت بر یزید و صد دیگر بر مزید۔[1]

ترجمہ۔ میرزا بابر کے زمانے میں سمرقند کے ایک مزید نامی دانش مند فقیہ ہرات آئے۔ مولانا جامی اور مولانا مزید دونوں میرزا بابر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرزا نے لعنِ یزید کے بارے میں مزید سے سوال کیا تو اُنھوں نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیونکہ وُہ اہلِ قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ میرزا نے یہی سوال مولانا جامی سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے آپ اِس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ اِس پر مولانا جامی فرمانے لگے کہ ہم کہتے ہیں ـــــــ سَو لعنت یزید پر ہو اور سَو بر مزید ـــــــ اِس کے دو معنی نکلتے ہیں، یعنی سَو لعنت یزید پر ہو اور سَو بر مزید، مقصد یہ کہ سَو لعنتیں اِس پر زائد۔ اور دُوسرے معنی یہ کہ سَو لعنتیں تو یزید پر ہوں اور سَو مزید پر۔ یعنی جو شخص یزید کو مستحقِ لعنت نہ سمجھتا ہو اُس پر بھی لعنت۔ اِس طرح حضرت جامی نے لفظِ مزید سے زائد کا مفہوم نکال لیا اور مولانا مزید جو لعنِ یزید کے مخالف تھے اُن کا نام لے کر اُن پر بھی چار حرف بھیج دیئے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں اُن لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت و فطانت کا بیّن ثبوت ہیں۔

## حضرت بایزید بُسطامیؒ کی حاضر جوابی

اِس جلیل القدر ولی کے تذکرہ میں کہیں یہ روایت بھی میری نظر سے گزری ہے مگر افسوس کہ کتاب کا نام ذہن میں نہیں رہا ـــــــ کسی نے حضرت بایزید بُسطامیؒ سے دریافت کیا کہ تو

---

[1] دیکھئے مقدمۂ دیوانِ کامل جامی (فارسی) بخشِ نہم، ص ۱۶۲، مطبوعہ چاپ خانۂ پیروز (ایران)

بایزیدی؟ سائل کا مطلب یہ تھا کہ کیا آپ ہی بایزید ہیں؟ لیکن اس جُملے میں "با" کے لفظ میں معیت کا اشتباہ بھی موجود تھا کہ کیا تو یزید کے ساتھ ہے؟ آپ نے برجستہ فرمایا من باحُسینم، بلکہ میں تو حسینؓ کے ساتھ ہُوں۔ حالانکہ حضرتِ بُسطامیؒ کو سائل کا مطلب بخوبی معلوم تھا کہ اُس کا مطلب معیتِ یزید نہیں، مگر آپ نے اِس معیت کو بھی گوارا نہیں فرمایا اور فوراً باحُسینم فرمادیا۔ جو لوگ یزید کے عُلوِ مرتبت کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نام اِتنا ہی بُرا ہوتا تو بایزیدؒ جیسے عارف کا نام کیوں ہوتا۔ اُنہیں ایسا کہنے میں شرم کرنی چاہیئے اور حضرت بایزیدؒ کے اِس دندان شکن جواب کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ اِسی طرح ایک فارسی شاعر نے اپنے ایک قطعہ میں لفظِ یزید و بایزیدؒ کو یُوں استعمال کیا ہے ؎

عاملاں در زمانِ معزولی ہمہ شبلیؒ و بایزیدؒ شوند
باز چُوں بر سرِ عمل آیند ہمہ چُوں شمر و چُوں یزید شوند

ترجمہ۔ حُکامِ وقت زمانۂ معزولی میں تو شرافت و عبادت کے اعتبار سے سب شبلیؒ و بایزیدؒ نظر آتے ہیں، مگر جب اُنہیں (بصُورتِ بحالی) کرسیٔ اقتدار دوبارہ مل جاتی ہے تو شمر و یزید بن کر سامنے آجاتے ہیں۔

## ایک تباہ کُن کج اندیشی کا ازالہ

دورِ حاضر کے بعض محققین، جو قرآن و حدیث اور علومِ اسلامیہ میں مہارت و فقاہت کا زُعم وادّعا رکھتے ہیں، بنو اُمیّہ کی غلط کاریوں سے نفرت کے نتیجے میں اِس قدر تشدّد پر اُتر آتے ہیں کہ جناب امیر معاویہؓ کو صحابیت تو صحابیت، دائرۂ اسلام سے بھی خارج کہتے اور لکھتے ہیں۔ ہم نے بھی اِس کتاب میں بنو اُمیّہ کے متعلق کچھ تاریخی حقائق و شواہد پیش کر کے صورتِ حال کا تجزیہ کیا، مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم ایک مسلمان اور پھر صحابیٔ رسول کو کافر بھی کہتے یا سمجھتے ہیں نعوذ باللہ مِن ذٰلِکَ آج کل کے بعض مُفتیانِ دین کسی کو کافر کہنے میں جس عجلت سے کام لیتے ہیں اُس کا ثبوت اُمّتِ مرحومہ کے مُفتیانِ سابق کے ہاں بمشکل ملتا ہے۔ وہابی حضرات ہی کو لے لیجئے بات بات پر شرک و کفر کے فتوے صادر کئے جارہے ہیں۔ جس نے میلاد منائی اُس نے بھی شرک کیا، جس نے نعت کہی یا پڑھی اُس نے بھی شرک کیا۔ یُوں کیا تو بھی مُشرک اور یُوں کیا تو بھی مُشرک ہے۔ آخر کفر و شرک کو اِن لوگوں نے کیا مذاق بنا رکھا ہے، یہ بدعت ہے،

یہ شرک ہے اور وہ کفر ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ اِن مُفتیوں نے غریب مسلمانوں سے اُن کی حیاتِ مُستعار کے چند ایام آرام سے گزارنے کا حق بھی چھین لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نئی نسل اسلام سے دُور اور برگشتہ ہوتی جارہی ہے۔ اِسلام میں اس قدر تنگی نہیں، جتنی یہ گروہ پیدا کر رہا ہے۔ فتویٰ بازی کی شاہراہ پر کافر و مُشرک سے پہلے اِن کے نزدیک کوئی اسٹاپ ہی نہیں، ایک مسلمان گنہ گار بھی تو ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کو سخت ناپسند فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ[۱] (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا (اس جُرمِ عظیم کو) کہ شریک ٹھہرایا جائے اُس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اِس کے سوا جتنے جرائم ہوں، جس کے لئے چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر تو شرک کو صریحاً ظُلم عظیم فرمایا گیا ارشاد ہوا: وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ[۲] ٥ (ترجمہ) اور یاد کرو جب لقمٰن نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا کہ اے میرے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑا ظُلم ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ خداوندِ عالم نے کفر و شرک کرنے والوں کے لئے کس قدر سخت اور تلخ نتائج کی نشان دہی فرمائی گویا اُس کے نزدیک ہر بڑے سے بڑا گناہ تو قابلِ معافی ہو سکتا ہے مگر شرک ایسا ظُلمِ عظیم ہے کہ اِس کے مُرتکب کے لئے بخشش کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ آج کل کس بے رُوی سے اِن الفاظ کو مسلمانوں کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے اور ذرا سی بھول چوک پر بھی کفر و شرک کے فتوے لگا دیئے جاتے ہیں۔

مُفتیانِ والاتبار کی اِنھی ناعاقبت اندیشیوں کا نتیجہ ہے کہ نئی نسل اِسلام سے برگشتہ ہو کر دوسرے نظاموں (ازموں) کا رُخ اِختیار کر رہی ہے اور اُن کے ذوقِ ایمان کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ جب حوصلہ افزائی کرنے والا اور کلمۂ تحسین کہنے والا ہی کوئی نہ ہو تو انسان اچھا کام بھی بددلی سے کرتا ہے۔ اگر فتووں کی رفتار یہی رہی تو وہ دن دُور نہیں جب عوام میں یہ جانکاہ تیر کھانے کے لئے کوئی فردِ واحد مل سکے۔ پھر مفتیانِ ذی جاہ مجبوراً ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگ

---

[۱] القرآن ۴: ۱۱۶

[۲] القرآن ۳۱: ۱۳

جائیں گے، اس لئے کہ جنہیں بلا تامل و بے دریغ فتوای داغ دینے کی لت پڑی ہو وہ نہ تو اپنی عادت ترک کر سکتے ہیں اور نہ چھوٹے بڑے کی تمیز اور فرقِ مراتب ہی کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ سچ ہے کہ ؎

ع　ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

خیر باہمی تکفیر کا سلسلہ تو آج کل پورے شباب پر ہے۔ ایک مکتبۂ فکر کے علماء دوسرے مکتبۂ فکر کے حق میں کفر و شرک کے الفاظ استعمال کرنے سے قطعاً گریز نہیں کرتے۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی ہو، میرے نزدیک اس کا بنیادی سبب کم علمی، عناد، تعصب، حسد اور اسلام کے مجموعی مزاج سے مطلق ناواقفیت ہے۔ باہمی تکفیر کا یہ سلسلہ خدا جانے کب بند ہوگا؟ مگر خدا کے لئے جن لوگوں کو قرآن نے اَلَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ[1] کے الفاظ سے یاد کیا ہے اُن سے تو یہ سلوک روا نہیں رکھنا چاہیئے۔ جزئیات و فروعات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ بہ نظرِ غائر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محدثین اور علمائے سلف نے تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مقدس کے بعد کے تمام ادوار کا تجزیہ کیا ہے اور ہر شخص کے کردار و مقام کو سامنے رکھ کر اس کی حیثیت کا تعین بھی فرما دیا ہے، مگر خواہ مخواہ ایسی باتوں کو اچھالنا اور گزشتہ دور کی شخصیات پر سبّ و شتم کرنا بھی تو قرینِ دانشمندی نہیں۔ اگر قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ہم بنو امیّہ اور بنو عباس کے دورِ حکمرانی اور اُن کے اُمراء کی سیرت و کردار کا تجزیہ کریں تو بڑے ہی ناقابلِ تردید اور تلخ حقائق سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی شواہد کے پیشِ نظر امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے یزید کے کفر کا فتوای صادر فرمایا تھا مگر یہ فتوای آج کل کے مفتیوں کا فتوای نہیں، جس میں دلائل کم اور جذبات زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر کہیں بنو امیّہ کی تعریف و توصیف میں غلو سے کام لیا جا رہا ہو اور حقائق کا حلیہ بگاڑا جا رہا ہو تو ع اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت ـــــ کہہ کر روک دینا چاہیئے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس دور کے تلخ تاریخی حقائق کو سامنے رکھ دینا چاہیئے۔ خوارج کی اُمیّہ نوازی اور یزید پرستی حضرت اعلیٰ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ (م ۱۹۳۷ء) کے علم میں تھی۔ اسی لئے آپ نے جنابِ حسنؓ کے بعد کے ادوار پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ جنابِ حسنؓ کے بعد جب جنابِ امیر معاویہؓ نے زمامِ اقتدار سنبھالی تو اُن کے طرزِ حکومت و امارت میں خلافتِ راشدہ کے انداز پیدا نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت کی صورت ہی صورت باقی رہ گئی یعنی کمال معنی مفقود ہوگیا۔ یہ کوئی معمولی تبصرہ نہیں۔ آپ نے

---

[1] القرآن ۵۹: ۱۰

ساری تاریخِ بنو اُمیہ کو سمیٹ کر ایک فقرے میں بیان کر دیا۔ ہم نے اس تبصرہ کا حوالہ اوراقِ سابقہ میں بھی دیا ہے، مگر ایسے آدمی کو کافر و مشرک ثابت کرنا، جسے رسولِ خدا نے کافر نہ فرمایا ہو اور نہ کوئی ایسی روایت ہی ملتی ہو، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہؓ کو یہ کہہ کر کہ تم کافر ہو، نکال دیا ہو۔ کسی تاریخی اور شرعی ثبوت کے بغیر اُنہیں مستوجبِ کفر سمجھنا میرے نزدیک صحابیت ہی کی ہتک نہیں، بلکہ توہینِ رسالت بھی ہے۔

اس تمہید کے بعد آیئے ہم آپ کو اُن دلائل سے آگاہ کریں، جن کی بنا پر ہمارے بعض دانشور جناب امیر معاویہؓ کو کافر ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ وہ جناب امیر معاویہؓ کے کفر میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ○[1]

ترجمہ۔ فرما دیجئے کہ فتح کے دن کفر کرنے والوں کو اُن کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ اُنہیں مہلت دی جائے گی۔ آپ ان سے اعراض فرمالیں اور انتظار فرمائیں وُہ بھی انتظار میں ہیں۔

## یوم الفتح کا تفصیلی جائزہ

جھگڑا لفظِ یوم الفتح میں ہے متشددین کا کہنا ہے کہ یوم الفتح سے مُراد فتحِ مکّہ ہے، چونکہ جناب معاویہؓ اور اُن کے اہلِ خاندان اُسی روز مشرف بہ اسلام ہوتے تھے، اس لئے اِس آیت میں اُنہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے، جو فتحِ مکّہ کے روز مسلمان ہوئے۔ گویا اُن کے نزدیک یہ آیت جنابِ معاویہؓ کے علاوہ اُس دن مشرف بہ اسلام ہونے والے تمام افراد کے کفر کو ثابت کرتی ہے۔ مگر علامہ عسقلانی کے مطابق امیر معاویہؓ فتحِ مکّہ سے پہلے ایمان لائے۔ وہ لکھتے ہیں: اَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَاَسْلَمَ اَبَوَاهُ بَعْدَهٗ[2] یعنی وہ فتحِ مکّہ سے قبل ایمان لائے اور اُن کے والدین اُن کے بعد۔ گویا اِس روایت کے مطابق بھی امیر معاویہؓ یوم الفتح کی زد سے بچ نکلے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ مکرمہ کو اس لئے فتح کیا

---

[1] القرآن ۳۲ : ۲۹، ۳۰

[2] دیکھئے فتح الباری شرح صحیح بخاری، مصنفہ حافظ ابی الفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی، جلد ۷، ص ۸۱، مطبع خیریہ مصر، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

تھا کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کے اسلام کو قبول نہیں کیا جائے گا؟ کافر تو پہلے تھے ہی۔ ظاہر ہے کہ اتنی جِدّ و جُہد اُنہیں مسلمان بنانے ہی کے لیے تو کی گئی تھی اور پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک فاتح اور کرۂ ارض پر قبضہ کرنے والے دُنیوی بادشاہ تو نہ تھے، بلکہ آپ تو خاتم المرسلین اور محسنِ انسانیت بھی تھے۔ پیغمبر کا سب سے بڑا منصب و فریضہ، تبلیغِ توحید و رسالت ہوا کرتا ہے نہ کہ محض مُلک گیری۔ آپ کو افرادی قوّت اور دیگر وسائل اِس لئے دیئے گئے تاکہ خطۂ ارضی کے زیادہ سے زیادہ حصّے کے لوگوں کو توحید و رسالت کی طرف بلائیں گویا آپ کا مقصد تبلیغِ توحید و رسالت تھا نہ کہ محض جہانگیری و جہانبانی۔ جب آپ کو اللہ تعالےٰ نے مکّہ مکرمہ پر فتح عطا فرمائی تو آپ نے صرف شہر کو زیرِ قبضہ لانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اِس فتح اور جِدّ و جُہد کا مقصد بھی بیان فرما دیا کہ تُو اَللہ کو وحدہٗ لاشریک مانو اور مجھے اُس کا آخری رسول تسلیم کرو۔ فتحِ مکّہ اور دیگر تمام غزوات کا اوّلین مقصد دعوتِ توحید و رسالت تھا۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ جب اہلِ مکّہ مسلمان ہوتے، خواہ بقولِ مخالفین ڈر کر ہوتے، مجبوری سے ہوتے، جیسے بھی ہوتے، مسلمان ہی ہوتے کافر تو نہ رہے۔ اللہ کا رسول تو اُنہیں مشرّف بہ اِسلام کر رہا ہے اور یہ بھی اعلان فرما رہا ہے کہ من دخل دارِ ابی سُفیان فھُوَ اٰمِنٌ[1] یعنی جو ابو سفیان (والدِ معاویہؓ) کے گھر داخل ہو گیا اُسے بھی امان ہے۔ اگر ابو سفیانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافر جانتے تو اُن کے گھر داخل ہونے والوں کو بشارتِ امن کیوں دیتے؟ جنابِ ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہونے کو بشارتِ امن قرار دینا اِس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ایمان قبول فرما لیا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کافر کے گھر میں دخول کو کس طرح بشارتِ امن قرار دے سکتے تھے؟ دوسری بات یہ کہ اگر حضرت علیؓ جنابِ معاویہؓ کو کافر سمجھتے تو معاہدۂ تحکیم کیوں ہوتا۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب حضرتِ عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے بعد خلافت کا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا تو جنابِ علیؓ اور جنابِ معاویہؓ کی طرف سے ایک ایک آدمی بطورِ ثالث مقرر کیا گیا۔ چنانچہ حضرتِ علیؓ نے جنابِ موسیٰ اشعریؓ کو اور جنابِ معاویہؓ نے جنابِ عمرو بن العاصؓ کو ثالث مانا۔ اِسے معاہدۂ تحکیم کہتے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کفرِ معاویہؓ کے قائل ہوتے تو ایک کافر کے ساتھ تحکیم پر کیسے رضامند ہو سکتے تھے۔ آپ تو یہی فرماتے رہے۔ اخواننا بغوا علینا[2]

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب جامع المناقب، ص ۵۷۶، مطبوعہ القیومی پریس کانپور

[2] دیکھئے تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۵۹۱، مطبوعہ لاہور

ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی۔ آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[1] تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں کے ماتحت تو صرف مسلمان افراد ہی کو بھائی کہا جاسکتا ہے کافر کو نہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرتِ علیؓ کی نظر میں جنابِ معاویؓہ مسلمان تھے اور آپ کو اُن کے ایمان پر قطعاً کوئی شبہ نہ تھا ورنہ اِس کا کہیں نہ کہیں اظہار ضرور فرماتے۔ ہاں شیعہ حضرات نے کوئی روایت گھڑلی ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہم نے تو آج تک تاریخ کے حوالے سے کوئی ایسا جملہ نہ پڑھا نہ سُنا جس میں حضرت علیؓ جنابِ معاویؓہ کے کفر کے قائل نظر آتے ہوں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر یوم الفتح والی آیت سے فتح مکّہ کے دن مسلمان ہونے والے افراد جن میں جنابِ معاویؓہ بھی ہیں، مُراد ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرما دیتے کہ تمہارا ایمان مقبول نہیں، اِس لئے کہ یومُ الفتح کی آیت کے مصداق تم ہی لوگ ہو۔ ایسی کوئی روایت کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزری اور نہ ہم نے آج تک کسی بڑے سے بڑے عالمِ دین سے ایسی کسی روایت یا حدیث کے بارے میں سُنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے مفسرِ قرآن تھے، جن پر قرآن نازل ہوا، اُنہوں نے تو اِس آیت کا مصداق جنابِ معاویؓہ اور دیگر مُشرّف بہ اسلام ہونے والوں کو نہیں بنایا۔ اگر آج چودہ سو سال بعد کسی کو الہام ہوگیا ہو تو ہم اِس کو تسلیم کرنے کے مکلّف نہیں، وُہ جانے اور اُس کی قبر جانے۔

## لفظِ فتح کی لُغوی تحقیق اور مُفسّرین کی تشریحات

یہاں تک تو تاریخی تجزیہ تھا۔ اب ہم اِس آیت پر مفسّرین کی تشریحات اور لفظِ فتح کی لُغوی تحقیقات کا ذکر کرتے ہیں اور یہ خالصتاً علمی بحث ہے جس سے عوام کی نسبت عُلماء زیادہ محظوظ ہوں گے۔

واضح ہو کہ لُغت کی مُستند کتاب صراح وغیرہ میں فتح کے معانی کُشائش و نُصرت، چشمہ وغیرہ کے رواں پانی اور کھولنا کے آتے ہیں۔ لفظِ الفتح کا استعمال قرآن مجید میں کُل آٹھ مقامات پر اور فتحًا کا چار مقامات پر ہوا ہے۔ اِن مقامات میں سے سُورۃ السجدہ آیت نمبر ۲۸ اور ۲۹ میں الفتح دو بار آیا ہے[2]

---

[1] القرآن ۴۹ : ۱۰

[2] دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مؤلفہ محمد فواد عبدالباقی، ص ۵۱۰-۵۱۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

امام المعقولات حضرت امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وَقَوْلُهٗ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ[1] ای لا یقبل ایمانہم فی تلک الحالة لان الایمان المقبول ھو الذی یکون فی دار الدنیا ولا ینظرون ای لا یمھلون بالاعادة الی الدنیا لیؤمنوا فیقبل ایمانھم[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ فرما دیجیے جنہوں نے کفر کیا فتح کے دن اُن کو اُن کا ایمان نفع نہیں دے گا اور نہ اُنہیں مہلت دی جائے گی، یعنی ایسی حالت میں اُن کا ایمان قابلِ قبول نہ ہوگا اس لئے کہ مقبول ایمان وہ ہے جس کا تعلق دنیا سے ہوگا اور مہلت نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ اُنہیں دنیا میں جانے کی مہلت نہ دی جائے گی تاکہ وہ دوبارہ ایمان لائیں اور پھر اُن کے ایمان کو قبول کیا جائے۔ گویا امام رازیؒ کے نزدیک بھی یومِ فتح سے مُراد یومِ قیامت ہے نہ کہ فتحِ مکّہ اور اگر فتح سے مُراد یومِ بدر یا فتحِ مکّہ بھی ہو جیسا کہ بعض مفسّرین نے لکھا ہے تو اس سے بھی وُہ لوگ مُراد ہوں گے جو بحالتِ کفر قتل ہو گئے۔ اب قیامت کے دن اُن بحالتِ کفر مرنے والوں کا ایمان لانا اُن کو نفع نہیں دے گا اور نہ ہی اُن کو دوبارہ ایمان لانے کے لئے دنیا میں بھیجا جائے گا تاکہ وُہ ایمان لائیں اور اُن کے ایمان کو قبول کیا جائے۔

صاحبِ رُوح المعانی آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اخرج الفریابی وابن ابی شیبة و ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد قال یوم الفتح یوم القیامة[3]

ترجمہ۔ فریابی، ابنِ ابی شیبہ، ابنِ جریر، ابن المنذر اور ابنِ ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی کہ یومُ الفتح سے مُراد یومِ القیامۃ ہے۔

علامہ الشیخ اسماعیل حقی افندی اپنی مشہور تفسیر میں یومُ الفتح سے یومِ قیامت ہی مُراد لیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَيَوْمُ الْفَتْحِ يَوْمُ إِزَالَةِ الشُّبْهَةِ بِاقَامَةِ القِيَامَة۔ (ترجمہ) یومِ فتح سے مُراد شک و شُبہ کے ازالے کا دن ہے جب قیامت بپا ہوگی۔[4]

---

[1] القرآن ۳۲ : ۲۹

[2] دیکھئے تفسیرِ کبیر از امام فخر الدین رازیؒ، جلد ۶، ص ۵۷۶، مطبوعہ بیروت۔ سنِ طباعت ۱۹۷۸ء

[3] دیکھئے رُوح المعانی مؤلفہ علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی، الجزء الحادی والعشرون، ص ۱۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

[4] تفسیر رُوح البیان مؤلفہ علامہ الشیخ اسماعیل حقی افندی الجزء الثالث ص ۶۵، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۲۸۴ھ

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں والمراد بالفتح القضاء والفصل لقوله فافتح بيني وبينهم فتحًا[1] - فتح سے مُراد فیصلے اور فصل کا دن ہے جس طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری ہے کہ ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرما۔

جیساکہ پہلے مذکور ہوا، بلاشبہ بعض مفسّرین نے یومُ الفتح سے مُراد یومِ بدر یا فتحِ مکّہ بھی لیا، مگر وہ بھی اِس سے مقتولین کفّار مُراد لیتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسّر مولٰنا سیّد حسین الواعظ الکاشفی ہرویؒ (م ۹۱۰ھ) اپنی فارسی تفسیر میں اِس آیت کے تحت لکھتے ہیں قُل بگو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح در روزِ فتح بدر یا فتحِ مکّہ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا سود نخواہد داشت آناں را کہ نگردیدند اِيْمَانُهُمْ گرویدنِ ایشاں۔ مُراد مقتولانِ روزِ فتح اند کہ در حالِ قتل ایمان ایشاں را فائدہ ندارد زیراکہ ایمانِ بأس بود وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ ونیستند ایشاں کہ مہلت دادہ شوند در آخرت و عذابِ ایشاں در توقف اُفتد۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ پس رُوئے بگرداں بطریقِ اہانت از ایشاں تا مدّتِ معلوم یعنی تا نزولِ آیتُ السّیف وَانْتَظِرْ و منتظر باش نصرتِ الٰہی را اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ بدرستیکہ ایشاں نیز منتظر اند[2]۔

**ترجمہ**۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ کفر کرنے والوں کے لئے فتحِ بدر یا فتحِ مکّہ کے دن ایمان لانا سُودمند نہ ہوگا۔ اِس سے مُراد روزِ فتح کے مقتولین ہیں کہ جو قتل ہونے کی حالت میں ایمان لائے تھے اُنہیں اُن کا ایمان فائدہ نہیں دے گا کیونکہ وہ ایمان خوفِ قتل کی وجہ سے تھا الخ

جو لوگ فتح سے مُراد فتحِ مکّہ یا فتحِ بدر لیتے ہیں اور با ایمان زندوں کے عدمِ نفعِ ایمان کا استدلال کرتے ہیں اُن پر واضح ہونا چاہیئے کہ جن مفسّرین نے فتح سے فتحِ بدر یا فتحِ مکّہ مُراد لیا، وُہ بھی اُس روز کے مقتولین کے عدمِ نفعِ ایمان کے قائل ہیں، جیساکہ مذکور ہوا۔ تفاسیر کے علاوہ تمام اُردو تراجم میں بھی مترجمین نے اِسی موقف کو اختیار کیا، کیونکہ یہی قرینِ صحت ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو تراجم کے علاوہ پنجابی میں بھی یہی ترجمہ ملتا ہے۔ ایک جیّد عالمِ دین

---

[1] دیکھئے تفسیر ابنِ کثیر مؤلفہ حافظ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل المعروف ابن کثیر الدمشقیؒ جلد ۳، ص ۴۹، مطبوعہ بیروت

[2] دیکھئے تفسیرِ حسینی (فارسی) مؤلفہ مولانا سیّد حسین واعظ کاشفی ہرویؒ، ص ۶۶۸، مطبوعہ فتح الکریم بمبئی، سنِ طباعت ۱۳۰۳ھ

اور مفسّرِ قرآن مولانا ہدایت اللہ[1] صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے پنجابی ترجمے میں اِس آیت کا ترجمہ اِن الفاظ میں کیا ہے ــــــ "تُوں آکھ دن فیصلے دے نفع نہ دے گا نہ منن والیاں نوں مننا اوہناں دا تے نہ اوہناں نوں ڈِھل ملے گی۔"[2]

یہاں تک تو سُنّی مفسّرین اور مترجمین کا ذِکر کیا گیا۔ چونکہ یوم فتح سے مُراد فتحِ مکّہ کا دن لینا زیادہ تر انہی ذہنوں کا کام ہے جن میں عناصرِ شیعیت بدرجۂ اتم موجود ہیں، اِس لئے ایسے ہی لوگ جنابِ معاویہؓ کو دائرۂ اسلام سے خارج ثابت کرنے کے بعد اُن پر دروازۂ سب و شتم کھولنے کے جواز کی تلاش میں رہتے ہیں، کیونکہ جب تک وُہ صحابی رہیں تو اُن کو کھُلے بندوں گالیاں دینا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اللہ اللہ فی اصحابی اور آپ کے دوسرے ارشادات کی سراسر نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ اِس لئے ایسے ذہن جنابِ معاویہؓ کو دائرۂ صحابیت ہی سے نکالنے کے لئے اُن کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ تقدّسِ صحابیت کی دیوار گر جائے اور خرافات کی راہ ہموار ہو سکے، مگر یہ اُن کی کج فہمی، کم علمی اور محض تعصّب ہے۔ اُنہیں دائرۂ صحابیت سے کسی طرح بھی خارج کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ ہم یہاں ایک مشہور شیعہ عالم اور مفسّرِ قرآن علی الحائری لاہوری کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا موصوف نے بھی یہ انوکھی اور خلافِ واقعہ تفسیر مُراد نہیں لی، بلکہ لکھا کہ اِس جگہ یوم الفتح سے مُراد یومِ ظہورِ امام مہدی علیہ السّلام ہے۔[3] اگرچہ یہ معنیٰ بھی تمام اہلِ سُنّت مفسّرین کے خلاف ہونے کے علاوہ ویسے بھی قرینِ قیاس نہیں، کیونکہ ظہورِ امام مہدی علیہ السّلام تو اسلام کے سنہری دَور کا آغاز ہوگا جیسا کہ خلافتِ راشدہ کا دَور گزرا ہے۔ پھر یہ کیسے

---

[1] مولانا ہدایت اللہ علیہ الرحمۃ پسرور ضلع سیالکوٹ کے قریبی گاؤں نوشہرہ ککّے زئیاں کے رہنے والے تھے۔ آباء و اجداد کا پیشہ زراعت تھا، مگر انہوں نے خاندانی روایت سے بغاوت کرکے علم حاصل کیا۔ سیّد نذیر محدّث دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ تحصیلِ علم کے بعد مدّت العمر راولپنڈی میں رہے۔ ۱۹۱۱ء میں کسی کام سے سیالکوٹ گئے اور وہیں چند روزہ علالت کے بعد انتقال کیا۔ حضرت اعلیٰ سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرّہٗ سے گہرے مراسم رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف جہاد میں اُن کے شریکِ کار رہے۔ ۲۵ برس کی محنتِ شاقّہ کے بعد قرآن مجید کا ٹھیٹ پنجابی ترجمہ مکمّل کیا۔ مُلک کے معروف ادیب عزیز ملک صاحب انہی کے پوتے ہیں۔ (مصنّف)

[2] دیکھئے قرآن مجید (پنجابی) مترجم مولانا ہدایت اللہ مرحوم، ص ۲۱۸، ناشرین پنجابی ادبی لیگ، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۶۸ء

[3] دیکھئے ترجمہ قرآن و تفسیر لوامع التنزیل مؤلفہ احمد علی الحائری لاہوری، ص ۲۲۵، مطبوعہ کشمیری بازار لاہور

ہو سکتا ہے کہ ظہورِ امام مہدی کے ساتھ ایمان و اسلام کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ سُنّی مفسّرین کے علاوہ شیعہ مفسّر کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ فتحِ مکّہ کے دن ایمان لانے والوں کے لئے ایمان سُود مند نہ ہوگا۔ اِس لئے کہ اُس دن ہزاروں لوگ ایمان لائے اور بعد میں کافی مدّت زندہ رہ کر اسلام کی خدمات بھی بجا لاتے رہے، اُن میں بنو اُمیّہ کے افراد بھی تھے۔

مذکورہ مُستند تفاسیر، ابنِ کثیرؒ، تفسیرِ کبیر امام رازیؒ، تفسیرِ رُوح البیان وغیرہا میں اِن دونو آیات میں الفتح اور یومُ الفتح کی جو تشریح مسطور ہے، اِن سب کی تفصیل مشہور تفسیر رُوح المعانی مؤلفہ عُمدۃُ المحققین مفتیِ بغداد علّامہ ابوالفضل شہاب الدین السیّد محمود الوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ افادہ کے لئے ترجمہ درج ذیل ہے:۔

وَيَقُوْلُوْنَ کفّار جھٹلاتے اور تمسخر کے طور پر کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ مسلمانو ہمارے تمہارے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کب ہوگا؟ گویا اِس کا تعلق اُس آیت سے ہے، جو اِسی سُورہ میں کچھ پہلے ہے اور وُہ یہ ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ[1] ۝ بے شک تیرا رب ہی اُن کے درمیان روزِ قیامت فیصلہ فرمائے گا، جس میں اختلاف کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفّار کہتے تھے: اے مسلمانو! ہم پر تمہیں کب نُصرت حاصل ہوگی؟ جب کہ ابنِ جریرؒ اور ابنِ حاتمؒ نے حضرتِ قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان نے فرمایا کہ ایک دن مقرّر ہے۔ عنقریب ہم اُس دن راحت پائیں گے اور انتقام لیں گے، جس پر مُشرکین نے کہا کہ یہ فتح کب ہوگی؟ تب آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ آخری جُملہ ہے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ یعنی مشرکین کہتے ہیں اگر تم سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے یا بقولِ بعض یہ کہتے ہیں کہ مسلمانو! وُہ دن کب ہوگا، جب تمہیں ہم پر نُصرت حاصل ہوگی۔ تب ارشاد ہوا قُلْ اے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحقیقِ حق اور مخالفین کو چُپ کرانے کے لئے فرما دیجئے يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ[2] ۝ فریابی، ابنِ ابی شیبہ، ابنِ جریر، ابنِ منذر، ابنِ ابی حاتم نے اور اِن سب نے حضرتِ مجاہدؒ سے

---

[1] القرآن ۳۲ : ۲۵

[2] القرآن ۳۲ : ۲۹

روایت کی کہ یَوْمَ الْفَتْحِ سے مُراد یومِ قیامت ہے اور یوم، حسبِ تحقیق صاحبِ بحر لَا یَنْفَعُ کی وجہ سے منصوب ہے اور کافروں سے مُراد وہ کافر ہیں، جو استہزاء کرتے تھے۔ اِس صُورت میں ضمیر کو چھوڑ کر اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا فرمانے میں یہ نکتہ ہے کہ اُن کے کُفر کے بارے میں تحریر پختہ ہو جائے اور حکم کی عِلّت معلوم ہو جائے یا عام کافر مُراد ہیں۔ اِس صورت میں استہزا کرنے والوں کا حکم خود بُرہانی طریقہ پر معلوم ہو گیا کہ جب مُطلق کفر کرنے والے لوگوں کو یومِ قیامت' ایمان سُودمند نہ ہوگا تو استہزا کرنے والوں کو بدرجۂ اتم ایمان مفید نہ ہوگا اور ارشادِ الٰہی وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ؀ سے نفی کا اِستمرار مقصود ہے، کہ قیامت کے دن کفّار کو ایمان لانا کبھی فائدہ نہ دے گا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ جُملہ لَا یَنْفَعُ پر عطف ہے، اور اِس میں بھی وہی قید معتبر ہے، جو وہاں معتبر ہے یعنی قیامت کا دن جس میں کافروں کو ایمان لانا مُفید نہ ہوگا اور نہ اُنہیں ایمان لانے کی مُہلت دی جائے گی۔ منطقی اصطلاح میں اِن ہر دو جملوں میں دوامِ سلب ہے کہ یومُ الفتح میں ایمان لانے والوں کو کبھی ایمان مُفید نہ ہوگا اور نہ کبھی مُہلت ملے گی اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یومِ قیامت ہی مُراد ہو سکتا ہے۔

اور مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ کے سوال سے چونکہ استہزاء اور تکذیب مطلوب تھی، اِس لیے حکیمانہ طور پر یومُ الفتح کا تعیّن کرنے کی جگہ اِس جواب پر اِکتفا کیا گیا کہ اُس دن کے تعیّن سے تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا اور نہ مُہلت مانگنے پر ڈھیل دی جائے گی۔ پھر خواہ مخواہ کیوں جلدی کرتے ہو؟ اور یومُ الفتح سے یومِ قیامت مُراد لینا اِس قول پر بالکل ظاہر ہے کہ فتح سے مُراد جھگڑے کے فیصلے کا دن ہے اور اگر یومِ فتح سے نصرت اور غلبہ کا دن مُراد ہو تو پھر حضرتِ مجاہدؒ کی ایک روایت پر یومِ فتحِ مکّہ اور حضرتِ حسن بصریؒ اور مجاہدؒ کی دیگر روایت پر یومِ بدر بھی لیا جا سکتا ہے، مگر اِس پر یہ قوی اعتراض ہوگا کہ بدر اور فتحِ مکّہ کے دن جو لوگ ایمان لائے، اُن سے ایمان قبول کیا گیا اور یہ جواب کہ اِس صورت میں فقط وہی کافر مُراد ہوں گے، جو کُفر کی حالت میں مارے گئے گویا نہ وُہ ایمان لائے اور نہ اُن کا ایمان قبول ہوا۔ یعنی ایسے لوگوں کا نہ ایمان لانا ثابت اور نہ مقبول ہونا ثابت۔ ایک لحاظ سے قرآن کے ظاہری اُسلوب اور واقعہ کے بھی خلاف ہے، اِس لئے کہ معرکۂ بدر ۲ ہجری میں ہوا جب کہ یہ سُورۃ مکّی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اِسی طرح اِس سے فتحِ مکّہ مُراد لینا بھی بعید ہے بلکہ ابعد ہے، کیونکہ فتحِ مکّہ کے دن قلیل نفوس کُفر کی حالت میں مرے (بعد ازاں کفّار مشرف بہ اسلام ہوئے) اِن آیات کے بعد آیت ۳۰ میں ارشاد ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ؀ [1]

---

[1] القرآن ۳۲ : ۳۰

جس کی تشریح میں مفسر مذکور فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں جن استہزا کرنے والوں کا ذکر ہے اُن سے اعراض کیجیے اور انتظار کیجیے؛ بے شک وُہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت جو مکی ہے، آیتِ سیف یعنی جہاد کی مدنی آیت سے منسوخ ہے، لیکن اس روایت کے خلاف یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ اعراض سے مُراد بحث و مناظرہ نہ کرنے کا حکم ہو، کیونکہ جب اُن لوگوں کی قسمت میں ایمان مقدر نہیں تو بحث بے سُود ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعراض ایک مخصوص وقت تک ہو لہٰذا نسخ متعین نہیں ہوتی۔ بہرحال انتظار کیجیے تاکہ آپ کو نصرتِ الٰہی نصیب ہو اور وُہ مخالفین ہلاک ہوں اور وُہ بھی تم پر غلبہ کے منتظر ہیں اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے، جیسے دُوسرے مقام پر فرمایا۔ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝[1] تم انتظار کرو بے شک تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں کہ کس وقت ہمیں نصرت ہوتی ہے اور تم ہلاک ہوتے ہو اور یہ معنیٰ بھی زیادہ واضح ہیں کہ وُہ کفار اپنی ہلاکت کے منتظر ہیں، جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ[2]۔ (ترجمہ) کیا وُہ لوگ اِس بات کے منتظر ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں اُن کے پاس آجائے۔

اور یہ قول بھی اِس معنیٰ کے قریب ہے کہ آپ انتظار کریں تاکہ ہمارا عذاب اُن پر نازل ہو۔ گویا وُہ بھی اِس کے منتظر ہیں، اگرچہ اِس کا شعور نہیں رکھتے، کیونکہ اُن کی عذاب کے بارے میں جلدی اور کفر پر پختگی کا مقتضیٰ یہی ہے۔ ایک قرأت میں مُنْتَظَرُوْنَ ۝ اسمِ مفعول ظا کے زبر سے ہے، یعنی وُہ اِسی کے مستحق ہیں کہ اُن کی ہلاکت کا انتظار کیا جائے یا ملائکہ اُن کی ہلاکت کے منتظر ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اُن کے لیے ابدی ہلاکت و تباہی مقدر ہو چکی ہے۔

صاحبِ رُوح المعانی اور دیگر مذکورہ تفاسیر کی تشریحات سے واضح ہو گیا کہ آیاتِ مذکورہ سے یہ مطلب کسی مُفسّر نے نہیں لیا کہ یومُ الفتح سے فقط فتحِ مکّہ مُراد ہے اور فتحِ مکّہ کے دن ایمان لانے والے زندہ افراد کو اُن کا ایمان لانا سُود مند نہیں۔ (انتہیٰ)

## اجتہادی خطا کی حقیقت

اِس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علیؓ المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اِس پر اجماع

---

[1] القرآن ۹ : ۵۲

[2] القرآن ۲ : ۲۱۰

اُمّت ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویّہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ اُن کے اِس رویّے کو محض خطائے اِجتہادی قرار دے کر، مُوجبِ اجر و ثواب سمجھنا محلِ نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جِدّ و جُہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دُنیوی اور مُلکی اُمُور میں ایسی اجتہادی خطا کو جو مُوجبِ فتنہ بنے، باعثِ اجر و ثواب قرار دینا قرینِ دانشمندی و انصاف نہیں۔ ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جنابِ امیر معاویہؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اُن کے اِس طرزِ عمل کو اِجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اِس نقطۂ نظر کی تائید میں اہلُ السُّنّۃ والجماعۃ کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :—

مشہور عاشقِ رسُول اور عارف حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرّہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں؎

جمعے از بیعتش اِبا کردند　　وندراں سرکشی خطا کردند[1]

ترجمہ۔ ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس (جماعت) نے سرکشی میں خطا کی۔

اپنی اِسی تصنیف میں مولانا جامیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ　　در خلافت صحابیِ دیگر

حق در آنجا بدست حیدر بُود　　جنگ با اُو خطائے مُنکر بُود[2]

ترجمہ۔ اور وُہ دُوسرا صحابی جو بہ سلسلۂ خلافت حضرتِ علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہؓ) اُس وقت حق علی المرتضیٰؓ کی طرف تھا اور اُن سے جنگ کرنا خطائے مُنکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔

مقتدر فقیہ اور مصنّفِ بہارِ شریعت علّامہ مفتی امجد علی صاحب قادری رضویؒ فرماتے ہیں :—

"مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم ہے، خطائے عنادی۔ یہ مجتہد کی شان نہیں۔ اور خطائے اجتہادی، یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اِس سے اُس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو، جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سُورۂ فاتحہ پڑھنا۔ دوسری خطائے مُنکَر۔ یہ وُہ خطائے اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اُس کی خطا باعثِ فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سیّدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم سے خلاف اِسی قسم کا تھا۔"[3]

[1] دیکھئے سلسلۃ الذّہب (فارسی) از مولانا جامی، برحاشیہ نفحاتُ الاُنس، ص ۱۰۵، مطبوعہ نول کشور

[2] ایضاً ص ۱۷۳

[3] دیکھئے بہارِ شریعت از مفتی امجد علی رضوی، جلد اوّل ص ۷۵ مطبوعہ لاہور۔ واضح ہو کہ بہارِ شریعت کی جلد اوّل [illegible]

اِسی طرح عہدِ قریب کے مایۂ ناز عالمِ دین مُفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔
"ایک وقت دو خلیفہ نہیں ہو سکتے، اگر ہوں تو پہلا خلیفہ ہوگا دُوسرا باغی۔ چنانچہ خلافتِ حیدری میں امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ برحق تھے اور حضرتِ معاویہؓ باغی۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اُن کے حق میں خلافت سے دست برداری فرمائی تب وہ سُلطانِ برحق ہوئے۔"[1]

خلافت اور امارت و سُلطانی میں جو فرق ہے، وہ اربابِ بصیرت پر روشن ہے۔ اِس سلسلے میں مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم جن سے ہمیں کئی مسائل میں اختلاف ہے اور پھر وہ ہمارے مسلک کے بھی نہیں، بلکہ عام طور پر اُنہیں وہابی المسلک کہا جاتا ہے مگر بحیثیتِ مجموعی ان کی بعض دینی خدمات کو نظر انداز کرنا محض فرقہ پرستی ہوگی اگرچہ یہ سچ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم بنیادی طور پر دیوبندی یا وہابی تھے، اِس مسئلہ پر اُن کا نقطۂ نظر اُن کے الفاظ میں نذرِ قارئین ہے :۔

"لیکن جو اِنصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی رُوداد پڑھے گا، وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا۔ بلاشُبہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں، اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو اُن کی کسی غلطی کی وجہ سے اُن کی ساری دینی خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور اُن کے مرتبے کو بھُول کر گالیاں دینے پر اُتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں کہ اُن میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اُس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر اُن کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد قرار دیئے جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں۔ اجتہاد کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ امرِ حق معلوم کرنے کے لئے آدمی انتہائی حدِ وسع تک کوشش کرے۔ اگر اس کوشش میں نادانستہ غلطی بھی ہو جائے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجر کی مستحق ہے لیکن جان بُوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اِس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط دونوں ہی یکساں احتراز کے لائق ہیں۔ کوئی کام محض شرفِ صحابیت کی وجہ سے مُشرف نہیں ہو جاتا، بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اِس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے، اِس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیتِ مجموعی مطعون

[1] ملاحظہ ہو مرآت شرح مشکوٰۃ (اُردو) از مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی مجلد ۵، ص ۲۲۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

نہ کرنے لگے۔"[1]

مولانا مرحوم کے اِس تبصرہ کا آخری جملہ بحیثیتِ مجموعی مطعون نہ کرے ـــــ قابلِ توجہ ہے۔

## خواجہ حسن نظامیؒ کی شگفتہ بیانی

اِسی رنگ کا ایک اور علمی لطیفہ ملاحظہ ہو، جس کا ذکر حکیم فیض عالم صدیقی نے اپنی کتاب میں کیا۔ خواجہ حسن نظامیؒ مرحوم، جو حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے خواہر زادوں اور مجاورین میں سے تھے اور برِ صغیر کی معروف علمی اور ادبی شخصیت ہونے کے ساتھ حضرتِ اعلیٰ سید پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ سے بیعت تھے۔[2] حکیم صاحب اُن کے بارے میں لکھتے ہیں "اُن کے متعلق غالباً مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا اِس قسم کا ایک شعر ہے۔

سیّد بھی ہیں فقیر بھی ہیں اور ملنگ بھی
اور خواجہ جانتے ہیں صحافت کا ڈھنگ بھی

حسن نظامی بریلویوں کے بہت بڑے پیر ہوتے ہیں۔ اُن کی مشہور تصنیف فاطمی دعوتِ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حنفیت کے ساتھ اُسی قدر تعلق تھا جس قدر پیری کا ڈھونگ رچانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ آپ شیعیت اور حنفیت کا معجونِ مرکب تھے اور آپ نے پوری طرح باطنیوں کی تکنیک سے کام لے کر کوچہ گردی سے ترقی کرتے کرتے بہت بڑے پیر کا رُوپ دھار لیا اور لاکھوں میں کھیلتے ہوئے راہیِ مُلکِ عدم ہوئے۔ نُورِ ایمان میں لکھا ہے کہ کسی نے خواجہ حسن نظامیؒ سے پوچھا کہ معاویہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو اُس نے جواب دیا، وُہ تو یزید کے بھی باپ تھے۔ اِس فقرہ سے جو بُغضِ باطن ٹپکتا ہے، اُسے اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔"[3] حکیم صاحب نے یہ روایت نُورِ ایمان مصنفہ خان بہادر خیرات احمد صفحہ ۱۲۱ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

حکیم صاحب کو دراصل خواجہ حسن نظامیؒ کے اِس پہلو دار فقرے نے کاٹ کھایا، اِس لئے وُہ خواجہ صاحبؒ کی پیری فقیری اور اُن کی ذاتیات کے تبصرہ پر اُتر آئے، حالانکہ خواجہ صاحب مرحوم کے

---

[1] دیکھئے "خلافت و ملوکیت" از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم، ص ۱۴۳، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اگست ۱۹۶۷ء
[2] دیکھئے "مہرِ منیر"، مؤلفہ مولانا فیض احمد فیض، باب پنجم، ص ۲۹۲، طبع سوم، مطبوعہ لاہور
[3] دیکھئے "اختلافِ اُمّت کا المیہ" از حکیم فیض عالم صدیقی، ص ۲۲۱، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان۔

اِس فقرہ پر اگر غور کیا جائے تو اِس میں ایک شاعرانہ بات پائی جاتی ہے جو اُن کی ذہانت و فطانت کی غمازی کرتی ہے۔ اِس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ جناب امیر معاویہؓ یزید کے باپ تھے حکیم فیض عالم اور اُن کے ہم خیال تو یزید کو ایک با خُدا اور متقی انسان ثابت کرتے ہیں، اگر خارجیوں کے نزدیک یزید واقعی ایک پاکباز انسان تھا تو خواجہ حسن نظامیؒ کے اِس فقرے سے جل کر راکھ کیوں ہو گئے، خواجہ صاحبؒ نے یہی تو کہا تھا کہ جناب امیر معاویہؓ تو یزید کے بھی باپ ہیں یعنی حکیم صاحب کے نظریے کے مطابق تو یہ نسبت جناب امیر معاویہؓ کے لئے باعث افتخار ہے کہ وُہ ایسے پاک نہاد ولی عہد کے والد ہونے کے شرف سے مشرف ہیں۔ اگر کوئی یہ پُوچھے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو یہ کہا جائے کہ بھائی اُن کے بارے میں کیا پُوچھتے ہو؟ وُہ تو حسنؓ وحسینؓ کے بھی باپ تھے تو اِس میں ہمارے لئے کوئی وجہ رنجش نہیں، مگر حکیم صاحب نے یہ روایت لکھنے کے بعد خواجہ حسن نظامیؒ کے لئے خاصا دُرشت جملہ استعمال کیا کہ "اِس فقرے سے جو بُغض باطن ٹپکتا ہے اُسے کوئی اہل نظر ہی سمجھ سکتا ہے"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خود خارجیوں کے نزدیک بھی یزید بدکردار اور بدسیرت انسان ہے اور لفظ یزید کو وہ بھی ذہنی طور پر اچھے معنوں میں نہیں سمجھتے، ورنہ وہ خواجہ صاحبؒ کے اِس فقرے کا نوٹس نہ لیتے، بلکہ اپنی جگہ مطمئن رہتے۔ اگر خواجہ صاحبؒ نے شاعرانہ انداز میں ایک پہلودار بات کہہ دی تو اِس پر اِس قدر ماتم کرنے کی کیا ضرورت ہے؛ مگر یہ بھی سچ ہے ؎

جس کا جو ہوتا ہے رکھتا ہے اُسی سے نسبت

بنو اُمیہ خارجیوں کے بزرگ جو ٹھہرے؛ اُن کو اُن کا غم نہ ہو تو اور کسے ہو۔

## حضرت علیؓ کی شہادت

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ بظاہر حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کرنے والا ابنِ ملجم ملعُون تھا۔ کیا یہ صرف اُس کا ذاتی فعل تھا یا اِس کے پسِ پردہ کسی گروہ کی سازش کارفرما تھی؟ ہر فرقہ تاریخی حقائق کو اپنے عقائد کے مطابق توڑ موڑ کر پیش کرتا ہے، حالانکہ عقائد کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ عقائد اور چیز ہیں اور تاریخی حقائق دوسری چیز۔ لہٰذا ہم اِس موضوع پر کسی قسم کی رائے زنی نہیں کرنا چاہتے کہ اِس وقت یہ ہمارا موضوع بحث ہی نہیں۔ ہاں چند کُتب تاریخ کی نشان دہی ضرور کر دیتے ہیں تاکہ شائقین تاریخی شواہد و حقائق کا خود مطالعہ کر سکیں[1]۔

---

[1] تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۸۳

(باقی صفحہ آئندہ پر)

# جنابِ حسنؑ کو زہر کس نے دیا؟

مشہور خارجی محمود احمد عباسی اپنی رُسوائے زمانہ تصنیف خلافتِ معاویہ ویزید طبع چہارم کے صفحہ ۱۴۲ پر تحریر کرتے ہیں "۴۹ھ میں حضرت حسنؑ نے وفات پائی۔ آپ تپدق کے مُہلک مرض میں فوت ہوئے نہ کہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہے۔"

عباسی صاحب اکثر کہا کرتے تھے اور غالباً درج ذیل مفہوم یا الفاظ اُن کی کسی تحریر میں بھی موجود ہیں کہ جنابِ حسینؑ کو ایک خلیفۂ وقت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے جرم میں موت کے گھاٹ اُتار اگیا اور یہ کہ حسینؑ مراق کے مریض تھے۔ اُن کے سر پر مُلک گیری اور تخت و تاج کا بھوت سوار تھا۔ ضدی آدمی تھے وغیرہ وغیرہ۔[۱]

یہ ساری باتیں اُنھوں نے محض تعصب و عناد کی بناء پر لکھی ہیں اور نہ جانے اور کیا کیا ہرزہ سرائی کرتے رہے ہیں۔ اگر مستند تواریخ سے یہ ثابت ہوتا کہ واقعی جنابِ حسینؑ ایسے ہی تھے تو ہر مُنصف مزاج کو یہ سب کچھ تسلیم کرنا پڑتا، مگر یہ سب اُن کی من گھڑت داستانیں اور خارجیوں کی کُتُب سے مُستعار زہریلے مواد کی پچکاریاں ہیں، جنھیں کوئی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ رہا یہ مسئلہ کہ جنابِ حسنؑ کو زہر کس نے دیا تو یہ تاریخی اعتبار سے ایک واضح بات ہے کہ اُنھیں جُعدہ نے زہر دیا، مگر اب سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کیا یہ جُعدہ کا ذاتی فعل تھا اور پھر جُعدہ کو جنابِ حسنؑ سے ایسا کیا اختلاف یا دُشمنی تھی جس کی بناء پر اُس نے یہ حرکت کی یا اِس زہر خورانی کے پیچھے کسی اور کا ہاتھ تھا اگر تھا تو کس کا؟ عام طور پر ہمارے واعظین منبر پر جو کچھ بیان کرتے ہیں، بعض اوقات اُن میں اور تاریخی حقائق و شواہد میں خاصا

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

تاریخ علامہ ابی الفدا، جلد اوّل، ص ۸۰

تاریخ ابن کثیر شامی، جلد ۷، ص ۳۲۶

مسعودی کی مروج الذہب کا مطالعہ بھی ضروری ہے

نور الابصار، ص ۹۳-۹۴

اسعاف الراغبین، ص ۱۵۶

۱۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

تضاد پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق تاریخ کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ عقائد کا تعلق احکامِ شرعیہ، قرآن و سُنّت اور دیگر اسلامی تعلیمات سے ہے، تاریخ سے نہیں۔ تاریخ تو ایک واقعہ کے ثبوت و تصدیق کا نام ہے؛ اِس سے عقائد کا کیا واسطہ؟

بہرحال ہم اپنی طرف سے اِس موضوع پر کچھ نہیں کہتے۔ درج ذیل مُستند تاریخی دستاویزات کا مطالعہ کر لیا جائے۔ حقیقت خود بخود مُنکشف ہو جائے گی۔ ملاحظہ کیجئے:-

۱۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸، ص ۴۳
۲۔ تاریخ طبری (فارسی) جلد ۴، ص ۲۰۲
۳۔ ابنِ عساکر، جلد ۴، ص ۲۳۶
۴۔ سِرّ الشّہادتین از شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، ص ۴
۵۔ تاریخ ابنِ اثیر، جلد ۳، ص ۲۲۸
۶۔ تاریخ خمیس، جلد ۲، ص ۲۹۲ مطبوعہ مصر
۷۔ شواہدُ النبوۃ، از مولینا جامیؒ، ص ۷۳،
۸۔ الاصابہ فی تمیزِ الصحابہ، جلد ۱، ص ۳۷۵
۹۔ حیٰوۃُ الحیوان، جلد ۱، ص ۵۴
۱۰۔ مُروجُ الذہب علامہ مسعودی، جلد ۲، ص ۳۰۳
۱۱۔ تحف العقول، ص ۲۹۱
۱۲۔ الاستیعاب، جلد ۱، ص ۳۷۴

ہماری کتاب کا یہ موضوع نہیں، اِس لئے اِن اُمور پر یہاں سیر حاصل بحث نہیں کر سکتے۔ چُونکہ محمود عبّاسی اور اُن کے ہم نوا اپنی تحریر و تقریر میں بعض اکابر بنو اُمیّہ کو جنابِ علیؑ کا ہم مرتبہ، بلکہ اُن سے بھی اُونچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اِس لئے اگر قدرت کو منظور ہوا تو ہم قرآن و حدیث اور کُتبِ تاریخ کے ناقابلِ تردید حوالوں کی روشنی میں جنابِ علیؑ کی اُس حیثیت کا تعین کریں گے جو اللہ اور رسولؐ کے نزدیک ہے اور جن کو جنابِ علیؑ کا ہم مرتبہ ثابت کرنے کی سعیِ ناکام کی جاتی ہے، قرآن و احادیث اور تاریخی ذخیرہ کے مُستند حوالوں کی روشنی میں اُن پر بھی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ قرآن و حدیث کی رُو سے اُن کا صحیح مقام کیا متصوّر ہوتا ہے۔

## مَیں کورانہ تقلید کا قائل نہیں

مَیں یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ میرا مسلک کیا ہے اور مجھے خارجیوں اور شیعوں کے عقائد سے کس قدر نفرت ہے۔ اِس کے باوجود حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ اب آپ چودہ سو سال بعد نئی تحقیق کر کے کیا گُل کھلائیں گے؛ آخر اکابرِ اُمّت کو بھی تو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ اُنہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو جواباً عرض ہے کہ ہم اکابرِ اُمّت کو صرف اِس لئے بہ نگاہِ احترام دیکھتے ہیں کہ اُنہوں نے قرآن و حدیث کی خدمت کی۔ اُن کے معارف و حقائق سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دیا۔ اگر قرآن و حدیث اور اسلامی نسبت کو اکابرِ اُمّت سے ہٹا دیا جائے تو اُن کی حیثیت تو عام انسان کی سی رہ جاتی ہے اور یہ بھی کوئی دعوٰی نہیں کر سکتا اور نہ کسی نے آج تک کیا ہے کہ قرآن و حدیث کو اگر کماحقہٗ کسی نے سمجھا ہے تو وہ میری ہی ذات ہے، بلکہ ہر دَور میں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہر انسان نے قرآن و حدیث کو سمجھنے کی سعی کی ہے۔ اللہ تعالٰی نے ہر فرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اِس کی کتاب کو خود سمجھنے کی کوشش کرے۔ اِسی طرح احادیث اور تاریخِ اسلام کا خود مطالعہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر آدمی اپنی مسجد کے پیش امام سے ہر بات پوچھتا رہے اور جو وہ اپنے ذاتی نقطۂ نظر کے مطابق کہہ دے، اُسے حرفِ آخر تسلیم کر کے اُسی کو عقیدہ بنا لے۔ میرا ذہن اِس اندازِ تقلید کا حامی نہیں۔ اللہ تعالٰی نے جب عقل و شعور کے ساتھ کچھ نہ کچھ علم بھی عطا فرمایا ہے تو قرآن میں خود تدبّر کرنا ضروری سمجھتا ہُوں، جیسا کہ کئی آیات میں اِس کا صریح حکم موجود ہے۔ ہاں ہمیں مفسّرینِ سلف اور محدّثینِ گزشتہ کی خدمات اور اُن کی علمیت کا ضرور اعتراف ہے۔ ہم اُن اربابِ علم کی تشریحات کا ضرور مطالعہ کریں گے، مگر اِس کے ساتھ متنِ قرآن کو خود بھی دیکھیں گے۔ کسی مُفسّر اور مُحدّث سے کسی مسئلے پر بربنائے دلائل اختلاف رکھنا کوئی کفر تو نہیں، جیسا کہ آج کل کے بعض تنگ نظر اور قدامت پرست عُلماء ایسا کرنے پر بُری طرح بِدک اُٹھتے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں وہ ہم ہی جیسے انسان تھے۔ کوئی مافوق البشر قسم کی مخلوق تو نہ تھے۔ انسان کی نیّت اگر درست ہو اور وہ طلبِ حق کے لئے کسی سے اختلاف اور مناظرہ بھی کرے تو ثواب سے خالی نہ ہوگا۔

## حضرت امامِ اعظمؒ اور قبولِ تحقیقِ تلامذہ

امام ابوحنیفہؒ کی ذات علُوم دینیہ کا وہ سرچشمۂ عظیم ہے جس سے ایک دنیا سیراب ہوتی ہے اور

آپ کی علمی عظمت و رفعت کا اعتراف اپنے تو اپنے، دشمنوں نے بھی کیا ہے، مگر جب امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ جو اُن کے تلامذہ میں سے تھے، کسی مسئلہ پر اختلاف کرتے اور امام ابوحنیفہؒ اُن کے دلائل کو اپنے دلائل سے قوی تر محسوس کرتے تو نہ صرف اپنے تلامذہ کی تحقیق کو تسلیم کر لیتے بلکہ اُس پر فتویٰ بھی صادر فرماتے۔ بڑے انسانوں کی عظمتوں کے یہی آثار ہوتے ہیں۔ آج کل کے بعض علمائے دین کی طرح نہیں، جو دوسرے کی بات کو صرف اِس لئے حقیر جان کر رد کر دیتے ہیں کہ وُہ کم عمر ہے یا شاگردوں کی جگہ ہے یا اُس کی علمی بساط ہی کیا ہے۔ دین کے واحد اجارہ دار تو صرف ہم ہیں۔ یہ میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ علمی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ تعصب کا نتیجہ ہے۔ اگر میری کوشش انشاء اللہ یہی رہے گی کہ مَیں نے جو کچھ لکھا ہے یا لکھوں گا وہ کسی مخصوص مسلک کی اثر پذیری کے تحت نہ ہو بلکہ خالی الذہن ہو کر تمام حقائق کو نگاہ میں رکھ کر نتائج کو سپردِ قلم کیا جائے۔ آپ کے لئے ضروری نہیں کہ میرے خیالات کو آپ بہرصورت قبول و تسلیم ہی کریں اور پھر جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں وہ اندھوں بہروں کی طرح میں تسلیم کر لُوں۔ میرے دلائل اور میرے تجزیہ کو بغور پڑھیئے۔ اگر بات مبنی بر حقائق اور دل لگتی ہو تو مان لیجئے ورنہ چھوڑ دیجئے خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ۔ میرے موقف کی تائید میں اگر میرے دلائل قوی پاکر بھی آپ ہٹ دھرمی سے کام لیں تو یہ غیر معقولیت علمی تنگ نظری اور تعصب محض کہلائے گا۔

محمود عباسی چونکہ بعض اکابر بنو اُمیّہ کو امیر المومنین، سیدنا، رضی اللہ عنہ وغیرہ کے الفاظ کا حقیقی مُستحق سمجھتے ہیں اور ہمارے دَور کے بعض کم علم واعظین بھی محض اظہارِ مسلک کے جوش میں ایسے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ بنو اُمیّہ سے عباسی صاحب کا کوئی خونی یا رُوحانی ناتہ تو کسی قدر سمجھ میں آتا ہے مگر خطیبِ شہر کا بنو اُمیّہ سے کیا رشتہ یا خونی رابطہ ہے؟ یہ عقدہ آج تک حل نہیں ہو سکا۔

بہرحال بنو اُمیّہ کی نوجوان نسل نے اولادِ رسول کے ساتھ جو جو سلوک روا رکھے اور جس طرح اُن کی پگڑیاں اُچھالیں یہ اُن کا قصور نہیں بلکہ ؏

اِس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

اِس عظیم مسئلہ کو ایک عام سی مثال سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، جس سے روزمرہ زندگی میں ہر صاحبِ خانہ کو سابقہ پڑتا ہے اور یہ ایسا مجرب نسخہ ہے کہ جسے ہر آدمی بآسانی اپنے گھر میں آزما سکتا ہے۔

نوزائیدہ بچے کے متعلق حدیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

فابواہ یہودانہ او یمجسانہ او ینصرانہ[1]۔ ہر بچّہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا کیا جاتا ہے پس اُس کے والدین اُسے یہودی، مجوسی یا نصرانی بناتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بچّے کا سینہ سادہ آئینے کی طرح صاف و شفاف ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے جو تصویر پیش کی جاتی ہے، وہ اُسے قبول کرتا ہے۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ بچّے کی پہلی درس گاہ یا تربیت گاہ اُس کا اپنا گھر ہوتا ہے؛ گھر کے بزرگ افراد سے سُنی ہوئی باتیں آہستہ آہستہ غیر محسوس طریق سے ایک عقیدہ کی صورت اختیار کرتی جاتی ہیں گی۔ اگر گھر کے افراد ہر روز اپنے کسی رشتہ دار یا کسی دوست عزیز کو بچّوں کے سامنے بُرا بھلا کہتے، اُس کی بُرائیاں گنواتے اور اُس سے بُغض و نفرت کا اظہار کرتے ہیں تو وُہ بچّہ باہر نکل کر اُس آدمی کو اُنہی معنی خیز نگاہوں سے دیکھے گا جن سے اُس کے والدین دیکھتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو کم عمر بچّہ اپنے خاندان یا گھر کے کسی بڑے کی بے عزّتی کرتا ہے یا اُس سے بدتمیزی کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اُس بچّے کا اِس میں کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ اُس کے والدین اور دیگر افرادِ خانہ کی اُس بد باطنی اور بُغض و عناد کا عکس ہے، جو بچّے پر پڑا ہوا ہے۔ جب ایک کم سن کو اُٹھتے بیٹھتے کسی کے خلاف بھڑکایا جاتا رہے تو ممکن نہیں کہ وُہ اِس کا اثر قبول نہ کرے۔ ایسی صورت میں تو بڑے پختہ ذہن بھی بھڑک اُٹھتے ہیں۔ بچّہ تو آخر بچّہ ہے۔ اگر گھر والے کسی قرابت دار کی عزّت و توقیر کی تلقین کریں اور عدمِ احترام پر سزا کا یقین دلائیں تو بچّہ کسی نوع کی بدتمیزی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ بچّوں کے طور طریق تو گھر والوں کی تربیت و تعلیمات کے مطابق مرتّب ہوتے ہیں۔ بچّوں کے برتاؤ، طرزِ عمل اور رویّہ کو دیکھ کر گھر والوں کے تعلّق کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے دل میں جذباتِ نفرت ہیں یا محبّت اور یہ کہ بچّوں کے والدین کے دل میں کسی کا کیا مقام ہے؟ یہ مجرّب اور آسان ترین نسخہ ہے۔

## بنواُمیّہ کی جواں نسل کے بُغض کا سبب

چونکہ مذکورہ بالا باتوں کا تعلّق ہماری روزمرّہ زندگی سے ہے، اِس لئے لمبے چوڑے فلسفوں کے چکّر میں پڑنے کے بجائے اِنہی کو کافی سمجھا گیا۔ اب آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ اگر بعض اکابر بنو اُمیّہ کے دل میں جناب علیؓ اور جناب حسینؓ کی عزّت و توقیر ہوتی تو اُن کی ناخلف اولاد کبھی عترتِ رسول سے وہ ناروا سلوک نہ کرتی، جو تا قیامت تاریخ کی پیشانی پر بدنما داغ کی صورت رہے گا۔ جب اُن نوعمر بچّوں کے

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، باب الایمان بالقدر، ص ۲۱، مطبوعہ مجتبائی کانپور

سامنے اُن کے والدین اہلِ بیت سے اظہارِ بغض و عناد کرتے اور اُن کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے تو اُن کے بچّے ایسا کیوں نہ کرتے۔ اہلِ بیت سے بنو اُمیّہ کی جواں نسل کا بغض و عناد، اُن کی گالی گلوچ اور ہتک آمیز لب و لہجہ اِس حقیقت کا بیّن اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ اُن بچّوں کو گھر میں یہی تعلیم دی جاتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ جوان ہو کر بنو اُمیّہ کے شہزادوں نے آلِ رسول سے بغض و عناد رکھنے، اُن سے برسرِ پیکار ہونے اور ہر طرح اُن کی توہین و دلآزاری میں کمال حاصل کر لیا۔ اُستادِ سخن حضرتِ سعدی شیرازیؒ نے گلستاں میں اِسی حقیقت کی نشان دہی کی ہے ؎

اگر زباغِ رعیّت مَلِک خُورد سیبے　　برآورند غلامانِ اُو درخت از بیخ
بہ نیم بیضہ کہ سُلطاں ستم روا دارد　　زنند لشکریانش ہزار مُرغ بہ سیخ

اگر بادشاہ رعیّت کے باغ سے ایک سیب مُفت کھائے تو اُس کے نوکر چاکر سُنّتِ شاہ کی تقلید کو مزید چار چاند لگاتے ہوئے سیب تو سیب اُس کے درخت کو بھی جڑ سے اکھاڑ ڈالیں گے۔
اگر بادشاہ آدھے انڈے کے برابر ظلم کو جائز سمجھے تو اُس کے نتیجے میں لشکری ہزار پرندے لُوٹ کر کے نذرِ شکم کرنے کو کیونکر ناجائز تصوّر کریں گے۔

یہی حال بنو اُمیّہ کے اکابر اور اُن کی جوان نسل کا تھا۔ اگر بزرگوں نے بنو ہاشم کو ایک گالی دی تو بدتمیز بچّوں نے دس گالیاں دیں۔ اب غور فرمائیے کہ اِس کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے شاید بقولِ راقم الحروف ؎

زمانہ اِس لئے دیوانگی پہ مائل ہے　　کہ رُوحِ قیس کو ملتا رہے ثوابِ جنُوں

اِس تفصیل سے میرا مقصود کسی عالمِ دین کی تحقیق اور اُس کے ذاتی مسلک کی تردید نہیں، بلکہ ہم سب کا فرض ہے کہ علمائے خیر کی عزّت و تکریم کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء ہی کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے۔ گویا علم ہی انبیاء کی وراثت ہے اور ظاہر ہے کہ جو انبیاء کی وراثت کا مالک ہو، خواہ اُس کے پاس پھُوٹی کوڑی بھی نہ ہو وُہ حدیثِ مذکور کی رُو سے اُس اعزاز کا مستحق ہے، جس کا مقابلہ دُنیوی وراثتیں کبھی نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ فضیلتِ علم میں حضرت علیؓ کا یہ قطعہ مشہور ہے ؎

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا　　لَنَا عِلْمٌ وَّلِلْجُهَّالِ مَالُ
لِاَنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ　　وَاَنَّ الْعِلْمَ لَيْسَ لَهٗ زَوَالُ

ترجمہ۔ ہم قدرت کی اِس تقسیم پر بہت خوش ہیں کہ جاہلوں کو صرف دولتِ دُنیوی سے اور ہمیں علم سے نوازا اِس لئے کہ مال کسی وقت بھی ختم ہونے والی چیز ہے مگر دولتِ علم کو اندیشۂ فنا نہیں۔

میرے دل میں علمائے خیر کی کتنی عزّت ہے، اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے لگا لیجئے کہ ایک مرتبہ

ایک پیرزادہ صاحب سے اتفاقِ ملاقات ہوا۔ دورانِ گفتگو وہ علماء کی توہین کرنے لگ گئے کہ دیکھئے صاحب یہ سب کچھ اِن مولویوں کا کیا دھرا ہے۔ آئے دن لڑائیاں، تصادم، بیان بازیاں اور تفرقہ پردازی۔ مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا کہ آپ کا یہ مشاہدہ کسی حد تک تو درست ہے، جس سے مَیں اتفاق کرتا ہوں مگر آپ اِسے بطورِ کلیہ بیان نہ فرمائیں؛ اِس لئے کہ اِن میں اچھے لوگ بھی ہیں۔ وہ بولے: نہیں صاحب، دین تو اولیاء اللہ اور ہمارے بزرگوں نے پھیلایا ہے۔ مَیں نے کہا یہ بات بھی بڑی حد تک درست ہے، مگر آپ یہ فرمائیں کہ آپ جنہیں اولیاء اللہ اور اپنا مقتدی یا بزرگ کہتے ہیں، وہ سب عالم تھے یا جاہل۔ کہنے لگے استغفر اللہ اُنہیں جاہل کون کہہ سکتا ہے؟ وُہ تو اپنے اپنے عہد کے علاّمہ ہو گزرے ہیں۔ مَیں نے کہا پھر علم اُن میں بھی تھا اور اِن میں بھی ہے۔ دونوں ایک ہی چیز کے وارث تھے تو پھر یہ فرقِ مراتب کیسا؟ بولے تم ہی بتاؤ۔ مَیں نے کہا مختصر الفاظ میں فرق یہ ہے کہ آپ کے بزرگ الفاظ سے معانی تک پہنچ کر کیفیات کا مشاہدہ کرتے تھے اور علماءِ ظواہر صرف لفظوں سے کھیلنا جانتے تھے۔ چلئے اِن کی حیثیت وُہ نہ سہی، مگر دین کے الفاظ تو جانتے ہیں۔ دَورِ حاضر میں تو کیا علماء کیا مشائخ اور کیا اُن کی اولاد اکثر و بیشتر اپنی حقیقی وراثت (علم) خواہ وُہ الفاظ کی حد تک سہی، محروم نظر آتے ہیں، مگر اِن میں اب بھی بعض افراد ایسے ہیں جو دنیوی وراثت سے محروم سہی، مگر حقیقی وراثت کے مالک ضرور ہیں۔ کہنے لگے، تم مشائخ کے خلاف بول رہے ہو۔ مَیں نے کہا: ہرگز نہیں مَیں نے سب کو تو ایسا نہیں کہا۔ اکثریت کی بات کی ہے اور میرا یہ مشاہدہ اگر غلط نہیں تو آپ بہ نگاہِ تحقیق و غور خود دیکھیں گے کہ آج کل کے علماء، علماء زادے، مشائخ اور مشائخ زادے دینی علوم و اُمور میں مہارت رکھنے کے بجائے دُنیاداری اور دُنیوی اُمور میں کسی سے پیچھے نہیں، جب کہ اُنہی کے اسلاف و اکابر دُنیوی اُمور کے عالم کم اور دینی علوم کے عالم زیادہ تھے۔ یہ فرق آپ بھی تو محسوس کریں۔ مزید مَیں نے پوچھا کہ آپ اپنی تعلیم کے بارے ہی میں فرمائیے۔ کہنے لگے بی۔ اے ہوں۔ مَیں نے پوچھا دینی تعلیم؟ فرمایا: گزارے کی حد تک۔ مَیں نے کہا: آپ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو فرما رہے تھے کہ دین ہمارے بزرگوں نے پھیلایا اور بزورِ علم و عمل پھیلایا تو آپ اُن کے علوم کے وارث کیوں نہ بنے، جب کہ آپ اُن کی دُنیوی جائداد کے وارث کہلاتے ہیں۔ اِس پر وُہ شرمندہ سے ہو گئے کہ واقعی اب مجھے احساس ہوا کہ مَیں نے اپنے اجداد کے علوم کو حاصل کیوں نہیں کیا اور مَیں حقیقی طور پر تو اُن کا وارث بھی بن سکتا تھا کہ اُن کے علوم کو سیکھتا تو پھر لامحالہ دین کی خدمت کرتا۔ مَیں نے کہا کہ اب جب ہم نے خود ہی انگریزی وغیرہ کو عربی فارسی پر مقدّم سمجھ لیا، حالانکہ جو کچھ اِن زبانوں میں ہے، ایسا بیش بہا سرمایہ شاید ہی کسی دُوسری

زبان کے ادب میں موجود ہو، مگر ہم ہیں کہ خود کو ترقی یافتہ (ایڈوانس) کہلانے کی خاطر وہ طریقہ چھوڑ گئے ہیں۔ اب ہم مُلّا سے کیا کہہ سکتے ہیں۔ وہ الفاظ کی حد تک سہی ہم سے تو پھر بھی اچھے ہیں۔ اگرچہ اب علماً کی اولاد بھی اپنے بزرگوں کے عُلوم کو خیرباد کہہ گئی ہے۔ کسی نے تجارت شروع کی، دُکان کھول لی، تاجر بن بیٹھا اور کوئی میدانِ سیاست میں اُتر آیا۔ اب جب کسی پیرزادے یا عالم زادے کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلاں عالمِ دین یا شیخ کے بیٹے یا پوتے ہیں تو اُن کی علمی کم مائگی، اُن کے معمولات و مشاغل، رنگ ڈھنگ اور ذہنی رُجحانات کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، مگر پھر ہاتھ اس لئے ملا لیتے ہیں کہ چلئے آخر ع

کعبہ سے اِن بُتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

اِس مکالمے کے بعد وہ میرے خیالات سے متفق ہو گئے اور عمومی طور پر سارے عُلمائے دین پر پھبتیاں کسنے سے اجتناب کرنے لگے۔ یہاں اِس مکالمہ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اچھے علماء سے میری مُراد نیک اور صالح لوگ ہیں۔ ایسے لوگ تو ہماری اسلامی تہذیب کی شان ہیں۔ ہمیں اُن کی عزت کرنا چاہیئے؛ یہ تو عُلمائے خیر ٹھہرے۔ اِن کے مقابلے میں ایک ایسا گروہ بھی ہے، جو انہی کی طرح عالم ہے، مگر اُن کا شمار عُلمائے سُوء میں ہوتا ہے۔ اُن سے اجتناب بہت ضروری ہے، اس لئے کہ وہ صرف الفاظ ہی سے نہیں کھیلتے، بلکہ اگر کچھ عرصہ مُلاقات رہے تو ملاقاتیوں کے ایمان سے بھی کھیل جاتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب دَور ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سکوں نواز سے جو لمحہ دُور تر ہوتا چلا جاتا ہے، وہ اپنے جلو میں اضطراب و ہیجان لا رہا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق ہمارا زمانہ دَورِ فتن میں داخل ہو چکا ہے، اِس لئے کہ اُس کی جو علامات احادیث میں بیان ہوئیں، ہم آئے دن اُن کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

## حُسینی سُنّی، یزیدی سُنّی

دُنیائے عقائد میں نبرد آزمائی کا کام الگ جاری ہے۔ سب کے عقائد افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اگر کچھ توازن ملتا ہے تو اہل السنّۃ والجماعت میں، مگر اب تو وہ بھی دو حصّوں میں مُنقسم ہو گئے۔ ایک حُسینی سُنّی، دوسرے یزیدی سُنّی۔ حسینی سُنّی تو اہلِ بیت کی مدح و محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں، جبکہ یزیدی سُنّی بنو اُمیّہ کے اکابر و اصاغر کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ وہ الفاظ و القاب، جو ایک تقدّس کے پیشِ نظر اپنا محل استعمال چاہتے ہیں اُنہیں بڑی بے دردی سے خانوادہ بنو اُمیّہ پر چسپاں کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں محمود احمد عباسی کی تصنیف خلافتِ معاویہ و یزید اور حکیم فیض عالم صدیقی کی اختلافِ اُمت کا المیہ دیدنی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ سیدنا، امیرالمومنین اور رضی اللہ عنہ کے القاب کو کیسے کیسے لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اگر ایسے کردار کے لوگ اِن القاب کے مستحق ہیں تو پھر حضرت صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی، علیؓ المرتضٰی اور اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کچھ اور ہی القاب و الفاظ وضع کئے جانے چاہئیں یا پھر یہ الفاظ بنو اُمیّہ کے بجائے اگر ہم جیسے گنہ گاروں کے لئے بھی بولے جائیں تو بھی شاید غلط نہ ہوگا۔ آج کل کے اُمیّہ نواز یزیدی سُنّیوں سے بچنا بھی ضروری ہے، کیونکہ وُہ بھی خود کو سُنّی کہلواتے ہیں اور پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ پہلے سُنتے تھے کہ تقیّہ کرنا مذہبِ شیعہ میں عبادت ہے، مگر اب یزیدی سُنّیوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ سُنّیوں میں بھی ایک ایسا گروہ ہے، جو کھل کر اہلِ بیت کو گالیاں نہیں دے سکتا، چنانچہ اُس نے یہ سب کچھ کرنے کے لئے لبادہ سُنّیت اوڑھ لیا ہے تاکہ وُہ بقولِ شاعر ؎

پس ازیں بہر سر رہ من دعرضِ بے نوائی
کہ دُعا کنم بجانت بہ بہانۂ گدائی[1]

اس آڑ میں بنو اُمیّہ کی تعریف بھی کر سکے اور اہلِ بیت کی مذمت بھی اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ کو دوست بھی رکھے۔ ایسے ظاہر پسند سُنّی علماء سے بچیئے! یہ لوگ مارِ آستیں بن کر اپنے اپنے مشن کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہیں۔ لوگوں کے عقائد میں آہستہ آہستہ زہر گھولتے رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقہ سے لوگوں کو اہلِ بیتِ کرام سے دُور کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی اکثریت اہلِ بیت پر جان چھڑکتی ہے تو اُنہوں نے ایسے مقامات کو منتخب کیا، جو عوام کا مرجع ہیں۔ خواہ وہ مسجدیں ہوں، دینی مدارس ہوں یا خانقاہیں۔

خارجی تو خیر اہلِ بیت کے کھلے دشمن ہیں اور اُن کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ یہ حدیث پڑھ کر وہی کام کرتے لگ جائیں گے جس کا اس حدیث

---

[1] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے بعد میں ہر جگہ اپنی بے نوائی کا اظہار کیا کروں گا تاکہ میں گداگری کے اس رُوپ میں آکر تجھے جی بھر کے دعائیں دے سکوں، لوگ میرے ظاہر کو دیکھ کر مجھے ایک گداگر سمجھیں اور کہیں کہ بے چارہ اپنے کسی محسن کو اس کا نام لے لے کر دعائیں دے رہا ہے۔ گویا شاعر کے نزدیک راہِ عشق میں رنگِ گدائی اختیار کرنا رقیب حضرات سے جان چھڑانے کا ایک لطیف حربہ بھی ہے۔

میں ذکر ہے مگر ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ عن ابنِ ابی اوفیٰ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْخَوَارِجُ ھُمْ کِلَابُ النَّارِ[1]

ترجمہ۔ خارجی جہنم کے کتے ہیں۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، بلکہ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنہیں یہ وعید سُنائی گئی ہے، کیونکہ یہی گروہ بنو اُمیہ کے عیاشوں پر سیدنا امیرالمومنین اور رضی اللہ عنہ کے القاب و الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اِس عمل کا صلہ اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اِس وعید کی صورت ہی میں مل چکا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ جہنم کے کتے ہیں اور کتوں کا کام ہوتا ہے عَف عَف کرنا۔ چاہے کوئی آدمی سامنے ہو یا نہ ہو، یہ اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کئے رکھتے ہیں۔ وُہ کُتا سمجھ دار سمجھا جاتا ہے، جو کچھ دیکھ کر بھونکے، مگر بغیر دیکھے وقت بے وقت بھونکنا باؤلے کُتوں کی عادت ہوتی ہے بلکہ اندھا کُتا تو ہوا پر بھی بھونکتا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ہوا کی لہروں پر کس کے نام خطابات ارسال کر رہا ہے۔ ہم اِس حدیث کی رُو سے خوارج کی اِس اُمیہ نوازی اور القاب بخشی کو سگ عَوعَو کند ہی سمجھ سکتے ہیں اور اگر وُہ جواباً ہمیں سگ کہہ دیں تو اِتنا ضرور یاد رکھیں کہ وُہ سگِ جہنم ہیں اور ہم سگانِ آستانۂ قاسمِ جنت ہیں اور ہمارے لئے اِس سے بڑا اعزاز کوئی نہیں۔ یہ ہم ہی نہیں جامیؒ بھی کہتے ہیں ؎

سگیست جامی و جایش ہمیشہ خاکِ درت
نہ آں سگے کہ بہر آستانہ باشد

ابھی ہم نے مُسندِ احمد کے حوالے سے بہ سلسلۂ خوارج جو حدیث نقل کی، ہمیں اِس کے متعلق معلوم ہے کہ بعض عُلماء مُسندِ احمد کے سلسلے میں یہاں تک کہہ دیں گے کہ اِس کا مقام صحاحِ ستّہ کے برابر نہیں، حالانکہ امام احمدؒ بن حنبل اِس اُمت کے اُن نامور مجتہدین میں سے ہیں، جن کے مُقلدین میں حضرت غوثِ اعظمؒ جیسی شہرۂ آفاق شخصیات ملتی ہیں اور جن کی فقہ آج تک عالمِ اسلام میں زندہ ہے۔ امام شافعیؒ اُن کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔ بغداد سے جاتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہُوں، اِس حالت میں کہ وہاں امام احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر نہ کوئی مُتقی ہے نہ فقیہ۔ امام احمدؒ کو امام شافعیؒ سے مؤطا کا سماع بھی حاصل ہے۔ بعض روایات کے مطابق اُن کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوا کرتی، جن میں پانچ پانچ سَو صرف لکھنے والے ہوتے۔ آغازِ جوانی سے تا آخرِ حیات

---

[1] دیکھئے مُسندِ احمد، جلد ۴، ص ۳۵۵، مطبوعہ مصر

جمع روایات میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ زندگی کے اختتام کا وقت قریب ہوّا تو یہ مسّودہ اپنے عزیزوں کو سُنایا اور فرمایا کہ میں نے اسے سات لاکھ سے زائد احادیث میں سے جمع و انتخاب کیا ہے۔ پس رسول اللہ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اِس کتاب کی طرف رجوع کرو۔ امام صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ جس میں بڑے بڑے ائمۂ حدیث داخل ہیں۔ مُسند کی اِن خصوصیات پر تو سب کو اتفاق ہے کہ حدیث کا اِتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں۔ اِس میں تقریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں۔ غالباً کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی اصل اِس مُسند میں نہ ہو اور یہ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے۔ اِس میں تقریباً سات سو صحابہ کی روایات ہیں، روایات کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے اور عبداللہ کی زوائد کا شمار کر کے تعداد چالیسؔ ہزار بتائی گئی ہے۔[1]

## کسی حدیث کے ردّ و قبول کا انحصار

بہرحال یہ الگ بحث ہے اور کسی مناسب مقام پر اِس کا تفصیلی جائزہ لیں گے کہ کُتُبِ حدیث کا تعینِ مراتب کن اُصولوں کے تحت کیا گیا یا کیا جانا چاہیئے۔ مجھے اُس وقت بڑی حیرت ہوتی ہے جب کسی کے مذاق کے خلاف کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو الفاظ و مفہوم کی تاویل میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں یا پھر روایت ہی کو ضعیف قرار دے دیا جاتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوّا کہ جامعینِ حدیث کا علم و فضل مشکوک ہے ———— ہاں ایسی حدیث کہ ائمۂ جرح و تعدیل کی نظر میں اُس کا ایک راوی مُستند نہیں تو اُسے بطورِ ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ فلاں راوی کے متعلق مُحدّثین نے فلاں کتاب کے فلاں صفحے پر تحریر کیا ہے کہ وہ غیر مُستند یا کاذب تھا۔ ایسی روایات چند ہی ہو سکتی ہیں۔ اب سارے مجموعۂ حدیث کی ثقاہت سے مُطلقاً انکار کر دینا اور اُس کے جامع کی ساری کاوشوں پر پانی پھیر دینا کہاں کی عقلمندی ہے اور پھر مزے کی بات یہ کہ اگر اپنے مؤقف کی مزید تائید کے لئے اُسی مجموعۂ حدیث سے کوئی روایت مل جائے، جسے اور کسی مُحدّث نے اپنی تالیف میں روایت نہ کیا ہو تو اُسے ہی بطورِ سند و حوالہ پیش کر دیا جاتا ہے یعنی ایک طرف تو اُسی کتاب کی تکذیب کی جاتی ہے اور دُوسری طرف توثیق۔ سُبحانَ اللہ! کیا

---

[1] مُلخّص از "مُحدّثینِ عظام اور اُن کے علمی کارنامے" تالیف مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، ص ۱۲۲-۱۲۴ مطبوعہ مجلسِ نشریاتِ اسلام کراچی

دیانتِ علمی ہے اور کیا معیارِ علم ہے۔

منکرِ مے بُودن و ہمرنگِ مستاں زیستن

مَیں نے اہلِ سُنّت وجماعت کے بعض علماء سے، جو خود کو دنیائے سُنّت کا لافانی، لاثانی اور نورانی منارۂ علم وفضل تصوّر کرتے ہیں، بارہا یہ بھی سُنا: صحاحِ ستّہ کے بارے میں جو مشہور ہے کہ یہی کُتبِ حدیث معتبر ہیں، باقی نہیں تو یہ قصورِ فہم ہے۔ حدیث کی اور بھی بہت سی کتابیں ایسی ہیں، جن میں احادیثِ صحیحہ درج ہیں اور انہیں بھی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ صحاحِ ستّہ اِس لئے زیادہ مشہور ومعروف ہوئیں کہ وہ کئی سو برس نصابِ درس میں شامل رہیں اور آج تک ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسندِ احمد، مُستدرک، بیہقی، دارقطنی، جامع صغیر صحاحِ ستّہ کے مقابلے میں کم زیرِ مطالعہ رہی ہیں اور پھر اُن میں سے اکثر کی فراہمی بھی بڑی تگ ودو اور مالی استطاعت کی متقاضی ہے۔ کیا ہم اُن کے قلتِ استعمال کو عدمِ صحت وثقاہت کا معیار بنالیں۔ آخر صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی مُسندِ احمد، مُستدرک اور دارقطنی وغیرہ کی روایات کو لیا ہے۔ معتبر تفاسیر اور کُتبِ سیرت میں بھی اُن کے حوالے بہ کثرت ملتے ہیں، اگر یہ سب کُتبِ حدیث درجۂ اعتبار سے ساقط ہوتیں تو پھر ان کے حوالوں کو اتنی اہمیت کیوں دی جاتی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے، جو عصرِ حاضر کے عُلماء سے جواب کا طالب ہے۔

کُتبِ احادیث کے متعلق بعض عُلماء کی مذکورہ آراء کو بیان کرنے کے بعد یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ محدّثین کے ساتھ یہ برتاؤ کر سکتے ہیں، وہ مؤرّخین کو خاک مقام دیں گے، مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ ایسے لوگوں کا تاریخ کے ساتھ بھی وہی سُلوک ہے جو محدّثین کے ساتھ تھا ظاہر ہے اگر وہ اپنی طرف سے سَلَف کے متعلق کوئی رائے قائم کریں گے تو ہرگز نہیں مانی جائے گی، جب تک وہ کسی تاریخی کتاب کا حوالہ نہیں دیں گے، کیونکہ تاریخ ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو حال کو ماضی سے آگاہ کرتی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ وحی ختم ہے، لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فلاں گزشتہ واقعہ کے متعلق یہ الہام ہوا اور اگر الہام ہوا بھی تو اُس کا تعلق صاحبِ الہام سے ہوگا۔ محققین کے نزدیک یا غیر مُسلم دُنیا کے لئے ایسے اضغاث واحلام کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اِس لئے وہ لوگ جو بظاہر یہ کہہ دیتے ہیں کہ تاریخ غلط بھی ہوسکتی ہے، اُن کی بات کسی حد تک مان لی جاسکتی ہے۔ جب اُن کے نزدیک حدیث بھی موضوع یا ضعیف ہوسکتی ہے تو تاریخ کیونکر مُستند ٹھہرے گی، مگر تاریخ اور حدیث میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ضعیف احادیث کو ائمۂ جرح وتعدیل نے الگ چھانٹ کر رکھ دیا ہے، مگر وہ وقائع جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مُبارک کے بعد ظہور پذیر ہوئے، اُن کی صحت وعدمِ صحت کے متعلق کوئی ایک معیار ضرور مقرر کرنا پڑے گا

وہ یُوں کہ کسی مُؤرّخ کے بعد کا مُؤرّخ یہ لکھے کہ فلاں شخص نے جو واقعہ اپنی فلاں کتاب میں تحریر کیا ہے وہ اِن وُجُوہ کی بناء پر غلط ہے اور وہ اِس کا پُورا ثبوت بھی دے، جس طرح فنِّ حدیث میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی مُؤرّخ اپنے ماسبق مُؤرّخ کی تکذیب بھی نہیں کرتا تو پھر اُس واقعہ کو کیوں تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر آپ تاریخ کو اِتنا ہی غیر مُستند مان لیں تو پھر آپ لوگوں کو حکیم فیض عالم صاحب کا ہم خیال بھی ہونا پڑے گا۔ اب ظاہر ہے کہ واقعۂ کربلا، جنگِ جمل و صفّین اور اُن کے بعد ظہور پانے والے واقعات کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ اگر آپ کو تاریخ پر یقین نہیں تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ بھی عبّاسی صاحب کی طرح واقعۂ کربلا سے انکار کرتے ہیں اور شمر اور عمرو بن سعد نے اہلِ بیت سے جو سُلوک کیا، اُن حقائق کا آپ صرف اِس لئے انکار کر دیں گے کہ اُن کا ذِکر قرآن و حدیث میں نہیں۔ امریکہ، لندن اور دوسرے ممالک کا ذکر بھی نہ تو قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ تو کیا ہم اِن ممالک کے وجود ہی سے انکار کر دیں۔ اگر تاریخ نہ ہوتی تو غیر مُسلم اور مُستشرقین محقق، اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق وہ آراء نہ رکھتے، جو آج آپ کو اُن کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ظاہر ہے وُہ غیر مُسلم ہیں اور قرآن و حدیث پر اُن کا ایمان ہی نہیں۔ اگر وہ قرآن و حدیث کو وہ رُتبہ دیتے، جو اُن کا حق تھا تو وہ مسلمان کیوں نہ کہلاتے۔ معلوم ہوا کہ اگر اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کیا تو اُن حوالوں سے نہیں، جن سے ایک مسلمان کرتا ہے، بلکہ اُنہوں نے ایسے ذرائع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی حقّانیت کی تصدیق کی جو صرف نفسِ واقعہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اِس کی مثال بالکل وہ واقعہ ہے، جس میں کسی نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم اپنے بھتیجے کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو تو اُس نے کہا کہ اُنہوں نے کبھی جُھوٹ نہیں بولا اور وُہ خائن بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی چیز کو تسلیم کرنے کا صرف ایک ہی معیار نہیں۔ اب دیکھئے کہ ایک کافرِ مُطلق بھی حضور کے متعلق وُہی کچھ کہہ رہا ہے، جو ایک مُسلمان کہتا ہے۔ اِن حقائق و شواہد کو لے کر مُستشرقین محققین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بغور دیکھا اور کوشش کی کہ کوئی ایسا کمزور پہلو نکل آئے، جس کو سامنے رکھ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عیب کی نشان دہی کر سکیں، مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ گویا اُنہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مُبارکہ کا مطالعہ نہیں کیا، بلکہ اِس کے علاوہ دیگر ذرائع بھی استعمال کئے۔ اگر وہ اسلامی تاریخ کو معیارِ نقد و جرح بناتے تو وہ کسی وقت بھی یہ کہہ سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ اسلام اُن کی اپنی کتابوں کے حوالے سے سچّا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے عیب تھے اور یہ

محض عقیدہ بھی تو ہو سکتا ہے، مگر جب اُنہوں نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا تو یہ سب کچھ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی نبی تھے اور بے عیب تھے اور اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

## نفی کی نفی اثبات ہے

اِس کے علاوہ دُنیا بھر کے واقعات کو معلوم کرنے کا اہم ذریعہ تاریخ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ کُتبِ تاریخ کی ثقاہت کے انکار میں بھی وُہی عوامل کارفرما ہیں، جو حدیث کے سلسلے میں تھے۔ جو بات بچپن ہی سے کانوں میں ڈال دی جائے کہ فلاں فلاں موضوعات میں تمہیں یہ عقیدہ رکھنا ہوگا، تو ایسے تنگ نظر انسان تاریخ کو خاک اہمیّت دیں گے۔ ہاں اگر اُن کے اپنے مطلب کے موافق کوئی بات تاریخ کی کتابوں میں بھی مل جائے تو اپنی تصانیف کو ایسی کُتبِ تاریخ کے حوالوں سے بھر دیتے ہیں تاکہ اپنے موقف کو ثابت کر سکیں۔ گویا ابنِ خلکان، ابن قتیبہ مسعودی اور طبری وغیرہم موافقِ عقیدہ کوئی روایت نقل کر دیں تو یہ سب ثقہ ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو نہ صرف وہی غیر معتبر، بلکہ اُن کی دیگر کُتب بھی غیر معتبر قرار پاتی ہیں۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا کسی صاحبِ علم وفضل انسان کا حدیث اور تاریخ پر کھنے کا یہ معیار درست تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کو تو یہ چاہیئے کہ آنکھیں بند کر کے حدیث و تاریخ کے حوالوں کے بغیر از خود لکھتے جایا کریں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کریں کہ ہم یہ لکھ رہے ہیں، اِس لئے اِس کا تسلیم کرنا اُمّتِ مُسلمہ پر فرضِ عین ہے، ثبوت طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمیں حوالہ جات کی کوئی احتیاج نہیں، اِس لئے کہ ہمارا کہہ دینا ہی بجائے خود ایک سَند ہے۔ جو شخص ایسے فاترالعقل لوگوں کی بات کو سند کا درجہ دے یا اُن کے علم پر اعتماد کرے وہ خود بھی پرلے درجے کا جاہل اور عقلِ سلیم سے محروم ہے۔ اگر منکرینِ تاریخ ایسا نہیں کرتے، بلکہ تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اُن کی بات میں وزن اور موقف کی مزید توثیق ہو تو معلوم ہوا کہ وہ در پردہ تاریخ کو غیر معمولی اہمیّت دیتے ہیں، مگر بعض اوقات ایسے افراد فطرت سے مجبور ہو کر واہی تباہی کہہ دیتے ہیں، ورنہ اُنہیں معلوم ہے کہ اگر وہ تاریخ کا سراسر انکار کر دیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ گزشتہ چودہ سو سال میں نہ تو کوئی واقعہ پیش آیا اور نہ ہی کسی انسانی تہذیب کا وجود تھا۔ ایسے ہی ایک محقق، جنہیں اپنے دینی و تاریخی سرمایۂ علمی پر بڑا ناز تھا، ہمارے ہاں تشریف لائے۔

اُس زمانے میں میرے جدِ امجد حضرت قبلہ سید غلام محی الدین (المعروف بابوجیؒ) قدس سرہٗ بقیدِ حیات تھے۔ آپ نے اُن کی بڑی عزت و تکریم کی اور مجھے اُن کے ساتھ رہنے کو فرمایا۔ چنانچہ اُنہیں درگاہ کے اہم مقامات مسجد، لنگر خانہ، سماع خانہ وغیرہ دکھائے۔ پھر حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی لائبریری دکھانے لے گیا، جسے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہاں ڈیڑھ دو گھنٹے صرف ہو گئے۔ اِس میں شک نہیں کہ وُہ بڑے عالم اور ذہین انسان تھے، مگر دورانِ گفتگو اپنی تحقیقات کے ضمن میں بعض ایسی باتیں کہہ گئے، جو قابلِ تسلیم نہ تھیں مثلاً یہ کہ میری تحقیق کے مطابق واقعہ کربلا ہوا ہی نہیں۔ یہ فرضی داستانیں ہیں جن کے خالق شیعہ ہیں۔ خیر میں سمجھ گیا کہ یہ حضرت بھی محمود احمد عباسی کے پیروکار ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ ہماری تازہ ترین ریسرچ سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ اجمیر شریف میں جو مرجع خاص و عام مزار حضرت خواجہ خواجگاں سید معین الدین چشتی قدس سرہٗ کا بتایا جاتا ہے وُہ بھی محض فرضی ہے۔ اِس نام کی کسی شخصیت کے وجود کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا، یہ فرضی نام ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ سُن کر کچھ دیر کے لئے میں مبہوت اور آئینۂ حیرت بن کر اُنہیں دیکھتا رہ گیا ؎

اُس کا مُنہ دیکھ رہا ہُوں سو وہی دیکھوں ہُوں
نقش کا سا ہے سماں میری بھی حیرانی کا
(میر)

آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا جناب یہ تو فرمایئے کہ آپ کی تحقیقاتِ جدیدہ کے مآخذ کیا ہیں اور یہ حقائق کن معتبر کُتب کی زینت ہیں۔ بڑے اصرار کے باوجود کوئی تاریخی حوالہ بیان نہ کر سکے۔ کوئی ثبوت ہوتا تو بتاتے۔ آپ نے دیکھا کہ واقعہ کربلا اور دیگر اُمور کا علم اُنہیں تاریخ ہی نے دیا ورنہ وہ تو کربلا کے نام سے بھی آگاہ نہ ہوتے اور نہ خواجہ غریب نوازؒ کے اسم گرامی سے۔ وہ اپنی تحقیقِ خام کے مطابق کربلا اور حضرت غریب نواز اجمیری قدس سرہٗ کے وجود سے انکار کر رہے تھے اور انکار اُسی چیز کا ہوتا ہے، جس کا ذہن یا خارج میں وجود ہو یعنی ہم نہیں کا لفظ اُسی وقت بول سکتے ہیں جب پہلے ہے یا تھا کا وجود ہو۔ وجود کی نفی ہوتی ہے، نفی کی نفی تو نہیں ہو سکتی، بلکہ نفی کی نفی تو اثباتِ وجود ہوتا ہے۔ گویا موصوف کو کربلا اور غریب نواز اجمیری قدس سرہٗ کے وجود کا ذکر تاریخ ہی سے ملا اور اُن کے اِس علم کا واحد ذریعہ تاریخ ہی ہے۔ پھر ثابت شدہ حقائق کا وہ انکار بھی کر رہے ہیں تو اُن کو چاہیئے تھا کہ وہ اُتنی ہی تاریخی کتابیں کسی شے کے عدمِ وجود کے ثبوت میں پیش کرتے، جتنی اُس کے اثبات پر موجود ہیں۔ گویا ایک طرف

تاریخی حقائق کا انکار کر رہے ہیں اور دُوسری طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تاریخی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعات فرضی ہیں یعنی حقائق کا فرضی ہونا بھی تاریخ ہی سے ثابت کر رہے ہیں تو اُن کی نظر میں تاریخ کی ضرور اہمیت ہوگی جبھی تو تاریخ کا سہارا لیا گویا تاریخ کے انکار میں درپردہ اُس کا اقرار بھی کر رہے ہیں۔

## انبیاء کے شاعر نہ ہونے کی حکمت

اِسی قسم کا واقعہ ایک اور مقام پر پیش آیا۔ ایک دانش ور سے قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات کے پس منظر میں شاعری پر بحث چھڑ گئی۔ آخر جب اُن پر معقول دلائل کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں تو اُنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کا یہ شعر سنا دیا کہ اگر شاعری کوئی فعلِ مستحسن ہوتا تو وہ یُوں نہ کہتے ۔

ولولا الشعرُ بالعلماءِ یُزْرِی
لکنتُ الیومَ اَشعرَ مِنْ لبیدٖ

کہ اگر شعر گوئی عُلما کے لئے مُوجبِ عیب نہ ہوتی تو میں آج لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا۔ میں نے کہا کہ آپ یہ شعر پیش کر کے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے شعر گوئی کو عُلماء کے شایانِ شان قرار نہیں دیا اور یہ کہ شعر گوئی ایک امرِ قبیح ہے۔ بولے ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ نکتہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ امام شافعیؒ یہ بات نثر میں بھی تو کہہ سکتے تھے۔ آخر شعر میں کیوں کہی؟ اگر اُن کے نزدیک شعر کی کوئی اہمیت نہ تھی تو اُس کا سہارا کیوں لیا۔ بات نثر میں کیوں نہ کہہ دی؟ اِس سے تو شعر گوئی کی اہمیت کا ثبوت ملتا ہے اور پھر جب یہ شعر امام شافعیؒ نے کہا تو اُنہوں نے اپنے ہی قائم کردہ اصول (کہ شاعری عُلماء کے شایانِ شان نہیں) کے خلاف کیا۔ گویا یہ شعر کہتے ہوئے اُنہوں نے اپنے ہی مرتبۂ علمی کو نظر انداز کر دیا۔ وہ نثر میں یہ فرما دیتے کہ اگرچہ میں شعر کہہ سکتا ہوں مگر میں اِس لئے نہیں کہتا کہ یہ کام عُلمائے دین کی شانِ علم کے منافی ہے، لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اُنہوں نے بے شمار اشعار کہے۔ بلکہ اُن کے نام سے ایک عربی دیوان بھی منسوب ہے۔ میرا تجزیہ سُن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اِس کے علاوہ میں نے کہا اگر آپ شعر کے عدمِ جواز میں یہ آیت پیش کریں کہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ[1] اور نہیں

---

[1] القرآن ۳۶ : ۶۹

سکھایا ہم نے اپنے نبیؐ کو شعر اور نہ یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ اِس آیت میں اُن لوگوں کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید کی گئی ہے، جو قرآنِ کریم کو محض شاعر کا کلام سمجھتے تھے اور پھر یہ کہ قرآنِ مجید کی رُو سے شعر گوئی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں۔ وہ بھی اِس لئے کہ اُس زمانے کے شعراء و بلغاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود پر قیاس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کی نفی فرما دی کہ شاعری میرے محبوبؐ کے مرتبہ کے منافی ہے، کیونکہ اِس میں مبالغہ آرائی اور اکثر غلط بیانی ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ شاعری اگر کسی کے شایانِ شان نہیں ہوسکتی تو قرآن کی رُو سے وہ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور یہ صفت آپ کے لئے مختص ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ خاص میں کوئی اُمتی کیونکر خود کو شریک کرسکتا ہے، بلکہ میرے خیال میں تو ایک غیر نبی کو شعر کہنا چاہئیں تاکہ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں شریک نہ ہوسکے؛ کمالِ ادب تو اِسی کا نام ہے۔ بہرحال یہ الگ موضوع ہے، اِس کے متعلق کسی اور مقام پر تفصیلی تبصرہ ہوگا۔

اِس بحث کے ذکر سے میرا مقصود یہ تھا کہ جس طرح وہ محقق صاحب، تاریخ کو تاریخ ہی کے حوالوں سے جھٹلا کر تاریخ کی صداقت کو ثابت کر رہے تھے۔ اگر یہ شعر واقعی حضرت امام شافعیؒ کا ہے تو اِس میں بھی وہ اُس کے انکار میں اُسی کی اہمیت کا اقرار کر رہے ہیں گویا ؎

نہیں کہہ کر نگاہیں جھک گئی ہیں
ترے انکار میں اقرار بھی ہے (راقم الحروف)

## عہدِ امارت پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا تبصرہ

تذکرہ بنواُمیّہ کی کارستانیوں کا ہو رہا تھا اور ہم کہاں سے کہاں نکل گئے۔ کچھ پہلے ہم نے اہلِ سُنّت کے دو گروہوں یعنی حسینی سُنّی اور یزیدی سُنّی کا ذکر کیا تھا۔ مؤخر الذکر طبقہ بھی، چونکہ خود کو سُنّی ہی کہتا ہے اور عوام کو اپنا معتقد بنانے اور صرف اُن کے ذہن کو اپنے ہاتھ میں لینے کی خاطر حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے فضائل بہ جبر و اکراہ بیان کرتا ہے اور خود کو خارجی بھی نہیں کہتا۔ طبقہ ثانیہ کے شُنیوں کی خدمت میں، جو اہلِ بیت سے بے دِلی کے ساتھ عقیدت و نیازمندی کا دم بھرتے ہیں اور بنواُمیّہ کی مدحت بھی کرتے ہیں صرف ایک شعر ہی پیش کروں گا۔

وُہ تو ہیں کُھلے دشمن اُن کا خیر سے کیا ذکر
دوستی مگر حضرت آپؑ کی قیامت ہے

(نواب واجد علی خاں اشک رامپوری مرحوم)

ایک مشہور و ممتاز علمی و رُوحانی شخصیت کا تبصرہ، جس کی علمی عظمتوں اور رُوحانی رفعتوں کا اعتراف مخالفین بھی کرتے ہیں اور جسے مفکرِ پاکستان علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، موضوعِ ہذا کا مؤید ہے؛ میری مُراد حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ سے ہے۔ آپ جناب حسنؑ کی دست برداریِ خلافت سے لے کر حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے عہدِ مقدس تک کے درمیانی عہدِ امارت کے بارے میں فرماتے ہیں ـــــــــ بازصُورت باقی و معنیٰ بروجہِ اتم مفقود چنانچہ در زمانۂ امیر معاویۃؓ و حدیثِ هُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ ہمیں معنیٰ دارد باز تدریجاً تدریجاً خلافتِ جابرہ یا دعوت بر ابوابِ جہنم کما جاء فی الحدیث پیدا گشت۔ باز انقلابِ زمانہ حسبِ مشیّتِ ایزدی رنگِ تشبیہ بخلافتِ راشدہ بہ ظہور آمد چنانچہ در خلافتِ عمرؓ بن عبد العزیزؒ[3]

ترجمہ۔ خُلفائے اربعہ اور مختصر عہدِ خلافتِ حسنیؑ کے بعد خلافت کی صُورت ہی باقی رہ گئی اور کمالِ معنیٰ ختم ہوگیا جیسا کہ جنابِ امیر معاویۃؓ کا دورِ حکومت، چنانچہ حدیث شریف میں هُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ (یعنی صلح بر کدورت) کے جو الفاظ وارد ہیں، اُن کا یہی مفہوم ہے۔ پھر رفتہ رفتہ سلسلۂ خلافت بالکل جبری حکومت اور دعوت الی جہنم تک پہنچ گیا، لیکن مشیّتِ ایزدی کے مطابق پھر ایک ایسا انقلاب رُونما ہوا، جس میں خلافتِ راشدہ کی مُشابہت دوبارہ آگئی۔ یہ مُبارک دَور حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کی خلافت کا تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ جنابِ حسنؑ کے بعد صُورت رہ گئی اور کمالِ معنیٰ ختم ہوگیا۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے الفاظ کی جامعیت دیدنی ہے خصُوصاً معنیٰ بروجہِ اتم مفقود کا جُملہ۔ ساتھ ہی آپ نے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ جنابِ حسنؑ کے ترکِ خلافت کے بعد خلافتِ راشدہ کی معنوی مشابہت کسی اُموی امیر کے دَور میں نہیں پائی گئی، البتہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے دَور کو

---

[1] مُراد خارجی ٹولہ ہے
[2] مُراد یزیدی سُنّی ہیں
[3] تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوٰی مہریہ از سید پیر مہر علی شاہؒ، ص ۱۲۲، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۷۷ء

خلافتِ راشدہ میں شمار کرتے ہیں۔ اگر جناب معاویہؓ کے دورِ امارت میں بھی خلافتِ راشدہ کی معنویت پائی جاتی تو اُن کے دَور کو بھی بطریقِ اَولیٰ خلافتِ راشدہ میں شامل کیا جاتا، کیونکہ وہ تو صحابی بھی ہیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ صحابی تو نہیں، مگر اُن کے دَور کو خلافتِ راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ اگر ایک صحابی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ[1] کے عہدِ خلافت کی جھلکیاں اپنے دَورِ اقتدار میں پیدا نہ کر سکے، تو اُسے خلافتِ راشدہ کے مرتبہ و مقام کے زُمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور ایک غیر صحابی (حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیزؒ) جو خود بھی اُموی ہیں، مگر اُن کا دَور، خلافتِ راشدہ کی مکمل تصویر تھا۔ اِس لئے وہ غیر صحابی ہونے کے باوجود اِس کے اہل ہیں کہ اُن کے دَورِ اقتدار کو نہ صرف یہ کہ دورِ امارت نہ کہا جائے، بلکہ اُسے عہدِ خلافتِ راشدہ کے زرّیں دَور میں شامل سمجھا جائے۔ خلفائے راشدین کے متعلق یہ حدیث موجود ہے فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ[2] کہ اے صحابہؓ اور اُمتِ مسلمہ! تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سُنّت کی پیروی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی کے مطابق اُس کی سُنّت کا اِتباع ضروری ہوگا، جس کے دَورِ اقتدار میں خلفائے راشدین کی معنویت پائی جائے۔ اور جس کے دَورِ اقتدار میں خلافتِ راشدہ کا رنگ ڈھنگ نہ ہو، اُس کی سُنّت کا اتباع نہ کیا جائے گا اور پھر یہ کہ یہ حکم دَورِ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک ہی محدود نہیں، بلکہ اِس کے مخاطبینِ اوّل صحابہؓ اور پھر قیامت تک آنے والی اُمتِ مسلمہ ہے۔ اِس تفصیلی جائزے سے ایک مُنصف مزاج اور ذی عقل انسان بنو اُمیّہ کی دینی حیثیت اور مقام کا خود اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر اب بھی کوئی شک و شبہ ذہن کے کسی گوشے میں جاگزیں ہو، جب کہ ہم نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا تو ایسی صورت میں اُن افراد کے لئے ہم بارگاہِ ایزدی میں یہی دُعا کر سکتے ہیں ؎

بایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگِ ناگاہے

---

[1] القرآن ۹: ۱۰۰

[2] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان فی الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ، ص ۳۰، مطبوعہ القیّومی کانپور

# بابِ دہم

# تاریخ سرمایۂ آگہی ہے

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ قرآن و حدیث میں وارد شدہ احکام و تصریحات کو وہی تسلیم کرتے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں، جو قرآن و حدیث پر ایمان رکھتے ہوں اور جنہیں عُرفِ عام میں مُسلمان کہا جاتا ہو، مگر غیر مُسلم محققین صرف تاریخ کو سند مانتے ہیں۔ اگر قرآن و حدیث اور وحی و رسالت پر اُن کا ایمان ہوتا تو اُنہیں غیر مُسلم کیوں کہا جاتا؟ ہمارے لئے سب سے مُقدّم کتاب اللہ اور پھر سُنّت و احادیثِ نبوی، پھر اجماعِ اُمّت اور قیاسِ مجتہدین، اِس کے بعد تاریخِ اسلام ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ دعوٰی حرف بحرف سچّا ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں، جس کا ذکر کتابِ مُبین میں نہ ہو اور پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے واقعات کی جو نشان دہی فرمائی بحمداللہ اِس پر ہمارا ایمان ہے، مگر اِس کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص کتابِ مُبین کے اِس دعوٰی کے پیشِ نظر کائنات کی ہر شے کا ذکر قرآنِ مجید میں ڈھونڈنے بیٹھ جائے، جس میں خود اُس کے اپنے حالات بھی شامل ہوں تو میرے خیال میں اُسے مایوسی ہوگی۔ ہاں وہ لوگ اِس سے مُستثنٰی ہیں، جنہیں خصوصی عُلوم سے نواز گیا ہو۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مُبارک کے بعد جو واقعات اُمّت میں رُونما ہوئے، ظاہر ہے اُن کا علم تاریخ کے حوالے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے؛ کیونکہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ وحی تو منقطع ہوگیا، اب ماضی کے حالات سے آگاہی کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ تاریخ ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں مسئلے میں مجھے یہ الہام ہوا یا مجھ پر یہ امر مُنکشف ہوا تو اِس انکشاف کا تعلق اُس کی اپنی ذات تک محدود رہے گا۔ اُمّتِ مُسلمہ یا کسی غیر مُسلم محقق کے لئے وہ قابلِ قبول اور لائقِ تقلید نہیں ہوگا۔ ہمیں یہاں کسی بھی فرد کی توہین یا دل آزاری مقصود نہیں، بلکہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ کسی نے کہا یا کیا، اُس کو سامنے لایا جائے، کیونکہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی راقم الحروف نے اپنی ایک رباعی میں اِس حقیقت کو یُوں بیان کیا ہے ؎

چھپتا نہیں دُنیا میں کوئی زشت نہ خُوب — پیشانی پہ مکتوب ہیں اسرارِ قُلوب
ہے صاف ضمیری کا نشاں حق گوئی — آئینہ چھپاتا نہیں چہرے کے عُیُوب

چونکہ یہ متنازعہ مسئلہ ہے۔ اہلِ سُنّت اُسی مُورّخ کو سند مانتے ہیں، جو شیعہ یا خارجی نہ ہو اور یہی شیعہ و خوارج کا حال ہے، مگر مجھے اِن کے طرزِ عمل پر اُس وقت حیرت ہوتی ہے، جب کوئی انگریز مُورّخ کسی اسلامی قدر کا ذکر کرے تو یہ سب کے سب لپک کر اُسے لے لیتے ہیں اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ دیکھئے یہ وہ حقیقت ہے، جسے ایک مُستشرق محقق نے بھی تسلیم کیا ہے۔ جب سُنّی عُلماء کو شیعوں اور خارجیوں کی کتابوں میں ایسا مواد ملتا ہے جو اُن کی مرضی کا ہو تو سطر تک گن کر حوالہ دیتے ہیں اور جب شیعوں اور خارجیوں کو سُنّی مُورّخین کی کتابوں میں اپنے موقف کی تائید میں کوئی فقرہ یا جُملہ ہاتھ لگ جائے تو اُسے فوراً حوالے کے طور پر نقل کر لیتے ہیں۔ آخر یہ تضادِ فکر و عمل کیوں ہے اور تاریخ کے ساتھ یہ برتاؤ کیونکر روا ہے؟ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ حقائق کو تاریخ نہیں چھپا سکتی تاریخ تو نام ہی حقائق کے جمع کرنے کا ہے، اگر تاریخ میں حقائق نہ ہوں تو پھر تاریخ تاریخ نہ رہے، بلکہ افسانہ بن کر رہ جائے۔

سیرتِ صحابہؓ بھی تاریخ کا ایک حصّہ ہے، احکامِ دین کی طرح وہ کوئی منصُوص چیز نہیں؛ صرف قرآنِ کریم ایک ایسی کتاب ہے، جس کی صحت میں کسی کو شک و ریب کی گنجائش نہیں۔ البتہ منکرینِ حدیث، خاص طور پر غلام احمد پرویز جسے اِس قافلے کا سالار کہا جاتا ہے اور جس کے پیشرو مولوی عبداللہ چکڑالوی تھے، اِس سلسلے میں تشکیک کا شکار ہیں۔ مَیں نے پرویز صاحب کی تقریباً تمام تصانیف کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے بہت سے اُمور میں اُن سے اختلاف ہے، خاص طور پر اُن کی تصنیف تصوّف کی حقیقت ——— میں عجیب و غریب قسم کا انداز پایا جاتا ہے۔ دُنیائے تصوّف کی افراط و تفریط سے مجھے انکار بھی نہیں، مگر اِسے محسوس یا معلوم کئے بغیر اِس کی تکذیب علم نہیں، نادانی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جسے پرویز صاحب محسوس کریں، دُنیا میں وہی شے موجود ہو، یہ اپنے اپنے ذوق اور ظرف کی بات ہوتی ہے۔ بقولِ حضرت مولانا جامیؔ قدس سرہ السامی سے

صفتِ بادۂ عشقش زمنِ مست مپرس — ذوقِ ایں مے نہ شناسی بخُدا تا نہ چشی

ترجمہ۔ مجھ سے اُس کی شرابِ عشق کی تعریف نہ پوچھ، اِس لئے کہ جب تک تُو خود اُس

شراب کو نہ چکھے گا، اُس وقت تک اُس کے ذوق و سرور کا اندازہ نہ کر سکے گا۔
پرویز صاحب نے جب شرابِ عشق پی ہی نہیں تو انہیں اِس کے نشے اور سرور کے انکار کا حق کس نے دیا؟

## انکارِ حدیث اور پرویز

بہرحال پرویز صاحب نے انکارِ حدیث[1] کے الزام کو رفع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اُسی حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں، جو قرآنِ مجید کی نص کے برعکس ہو۔ اگر واقعی اُن کا موقف یہی تھا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے اُن کا منکرِ حدیث ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اِس امر پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سب سے بلند مقام قرآنِ مجید کا ہے، اگر کوئی حدیث ایسی آجائے، جو قرآن کی نصِ صریح سے معارض ہو تو اُسے کوئی ذی علم مسلمان تسلیم نہیں کرے گا، اِس لئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی کچھ فرمائیں گے، جو قرآنِ کریم کے عین مطابق ہوگا۔ اب اگر کوئی ایسی حدیث آپ سے منسوب کی جائے، جو قرآنِ مجید سے معارض ہو تو ہم نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ جلیلہ کے متعلق تو لب کشائی نہیں کر سکتے، بلکہ یہی کہیں گے کہ یہ حدیث عدمِ صحت کی بنا پر قابلِ عمل نہیں، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآنِ حکیم کے خلاف کچھ کہہ ہی نہیں سکتے، بلکہ آپ کا ہر ارشادِ گرامی قرآنِ مجید کی تفسیر و تشریح ہوتا ہے۔
حکیم فیض عالم صدیقی نے جو مسلکاً خارجی بھی ہیں اور اہلِ حدیث بھی کہلاتے ہیں، بمصداقِ اجتماعِ ضدّین اپنی تصنیف "اختلافِ اُمت کا المیہ" میں پرویز صاحب کی اچھی خاصی رگڑ لگائی ہے، اُنہوں نے نہ تو حضرت علامہ اقبالؒ کو چھوڑا اور نہ مولوی غلام اللہ خان کو، پھر نہ ہی کسی بزرگ شخصیت پر کیچڑ اُچھالنے اور اُس کے تمسخر سے گریز کیا بہرحال حکیم صاحب اب دُنیا میں نہیں، ورنہ میں اُن سے کہتا کہ میرے علم کے مطابق غلام احمد پرویز

---

[1] اِس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب "راہ و رسمِ منزل ہا" دیکھی جا سکتی ہے، جس میں تصوّف کے موضوع پر سیر حاصل بحث کرنے کے ساتھ ساتھ انکارِ حدیث کے نظریے کو دلائل سے غلط ثابت کیا گیا ہے نیز حدیث اور سنّتِ نبویہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی اہمیت کا استناد قرآنی آیات سے ہے۔

آپ سے کہیں زیادہ عربی پر عبور رکھتے تھے اور آپ سے کہیں زیادہ عالم تھے۔ اِس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ حدیث کو بھی قرآن مجید کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے کہ یہ واقعتاً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مُبارک ہے یا کوئی موضوع حدیث ہے۔ تاریخ کی حیثیت تو بعد میں متعین ہوتی ہے۔ مجھے اِس کا بھی اندازہ ہے کہ تاریخ رطب و یابس سے بھری پڑی ہے، مگر وہ حقائق جن کو مختلفُ المسلک افراد بھی تسلیم کر کے اپنی تصانیف میں تحریر کریں تو اُس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ گزرا ضرور ہے، خواہ متنِ تاریخ میں الفاظ کی کمی بیشی موجود ہو۔ اگر آپ تاریخ کے صحیح تسلیم کرنے کا کوئی معیار مقرر نہیں کرتے تو پھر حالاتِ ماضی کا نام تک بھی نہ لیا کریں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس دَور میں کیا ہوا، کس نے کیا کیا؟ یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا کریں اور اندھے ہو کر بیٹھ جائیں۔

## ماضی، سرمایۂ حال

ہر قوم کی ایک تاریخ ہوتی ہے، اقوامِ عالم نے جب اپنی اپنی تاریخ کو محفوظ رکھا ہے تو کیا ہم تسلیم کر لیں کہ مُسلمان قوم کے ماضی کا ثبوت، جسے تاریخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، سرے سے ہے ہی نہیں یا پھر سب غیر معتبر ہے۔ یہ کہاں کی دانائی ہوگی؟ اِس طرح ماضی سے ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے گا اور یاد رہے کہ اگر حال، ماضی سے کٹ جائے تو وہ اُس کشتی کی طرح ہوگا جو وسیع و عریض سمندر میں تعینِ سمت اور ناخدا کی رہنمائی سے محروم اِدھر اُدھر اپنا سر پٹختی ہوئی نذرِ امواج ہو جائے۔ اِس لئے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہمارے حال کا سرمایہ ماضی ہی ہے اور ہمیں اُس کی روشنی میں مستقبل کی طرف سفر کرنا ہے۔ اگر ذرا تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ہمیں ایسے تلخ حقائق سے دوچار ہونا پڑے گا کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، ہمارے عُلماء ہیں کہ یا تو علمِ تاریخ سے بالکل ہی نابلد ہیں یا پھر دانستہ طور پر کسی معقول عُذر کے بغیر اُن حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، مانی نہیں جاتی۔ بقولِ اکبر الٰہ آبادی مرحوم ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

لوگوں کی اُمیہ نوازی کا اندازہ اِس سے لگا لیجئے کہ ہمارے بعض عُلمائے کرام، جو خود کو دُنیائے اہلِ سُنّت کا اعزاز تصور کرتے ہیں، اُن کو اگر اُمرائے بنو اُمیہ کی کسی کارگزاری کا حوالہ تاریخ کی مستند کتابوں کے علاوہ کُتُبِ احادیث سے بھی دیا جائے تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ مُسندِ احمد بن حنبلؒ کا درجہ عُلمائے حدیث نے صحاحِ ستّہ کے برابر تسلیم نہیں کیا، گویا حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے (جن کی تقلید حضرت پیرانِ پیر سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ جیسے اکابر اولیاء نے کی ہو اور خود کو حنبلی کہلاتے ہوں) کسی تحقیق اور جرح و تعدیل کے بغیر تمام ضعیف روایات یا موضوعات کو اکٹھا کر کے آٹھ یا دس جلدوں پر مشتمل اپنی طرف سے ایک مستند مجموعۂ احادیث بنامِ مُسندِ احمد تیار کیا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ جب اپنی مرضی کی روایت نہ ہو تو مُسندِ احمد بھی مرتبۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے اور جب بنو اُمیہ کی طرح اپنی پسند کے موضوعات کا سُراغ اِسی مُسند میں مل جائے تو منبرِ رسول پر بیٹھ کر بڑے اعتماد اور فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ دیکھئے میرے اِس دعویٰ کی تائید مُسندِ احمد کی یہ حدیث کر رہی ہے اِس صورت میں امام بن حنبلؒ کے چند علمی فضائل بھی بیان کر دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جن عُلماء کی نظر میں مُسندِ احمد اور اُس کے جامع کا یہ مقام ہو، وہ تاریخ کے سرمایہ کو کیا حیثیت دیتے ہوں گے۔ اگر آپ مشکوٰۃ شریف کو دیکھیں جو تمام دینی مدارس میں آج بھی پڑھائی جاتی ہے، تو حیرت کی انتہا نہ رہے گی کہ آپ کو اِس میں سینکڑوں سے بھی زیادہ احادیث ایسی ملیں گی، جن کے آگے صاحبِ مشکوٰۃ رواہ احمد لکھتے ہیں، یعنی اِس کی روایت امام احمد نے کی ہے۔ اگر صاحبِ مشکوٰۃ کے نزدیک حضرت امام احمد کی مُسند کا مقام اِتنا ہی غیر مُستند ہوتا، جسے حیزِ اعتبار سے ساقط کہا جائے تو وہ رواہ احمد کیوں لکھتے اور پھر کیا امام احمدؒ کا مقام صحاحِ ستّہ کے مُرتّبین سے کچھ کم تھا؟ اگر بخاری اور مسلم کو صحیحین کہا جاتا ہے تو کیا اِس کا مطلب یہ لیا جائے کہ باقی چار ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اور ابوداؤد غیر صحیح ہیں، حالانکہ وہ بھی اُنہی کی طرح نصابِ درس میں آج تک شامل ہیں۔ اگر اپنے مطلب کی روایت ہو تو مُستدرک، ابو یعلیٰ، جامع صغیر، دارمی اور دارقطنی جیسی غیر نصابی کُتُب کو بھی صحاحِ ستّہ کی طرح سنداً پیش کیا جاتا ہے اور پھر غور طلب بات یہ ہے کہ صحاحِ ستّہ میں جو حدیث شامل کر لی گئی کیا وُہی قوی ہے اور جو اِس کے علاوہ ہے وہ سب رطب و یابس؟ کیا اربابِ جرح و تعدیل نے صحیحین کی بعض

روایات کو ضعیف قرار نہیں دیا اور جنہیں منکرِ حدیث کہا جاتا ہے وہ اِنہی کتابوں سے جنہیں صحاحِ ستہ کہتے ہیں، ایسی روایات نکال کر سامنے لاتے ہیں کہ اگر اُن کو قرآنِ مجید کی نص کے مقابل لایا جائے تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اِس کی مثالیں غلام احمد پرویز کے یہاں بہ کثرت ملتی ہیں۔ تاہم اُن کتابوں کا مطالعہ بھی کوئی گناہ نہیں، یہ تو احکامات کا مسئلہ ہے، یعنی الفاظِ قرآن سے کچھ اور مستفاد ہوتا ہے اور الفاظِ حدیث سے کچھ اور۔ ظاہر ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآنِ مجید کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے۔ پھر یہی کہا جائے گا کہ یہ احادیث یا تو محتاجِ تطبیق ہیں یا محدثین کے معیارِ صحت پر پوری نہیں اُترتیں۔

## واقعاتی احادیث کا معیار

اگر حدیث میں کسی واقعہ کا ذکر ملتا ہو، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی یا ازواجِ مطہرات یا کفارِ قریش سے متعلق ہو تو اُس حدیث کی صحت کا معیار قرآنِ مجید نہیں ہوگا، اِس لئے کہ ایسی حدیث کے مضمون کا تعلق احکامات اور مسائل سے نہیں، بلکہ ایسے واقعہ سے ہے، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مقدس میں رُونما ہوا یا آپ کے صحابہؓ یا تابعینؒ کے دور میں وُقوع پذیر ہوا۔ اگر ایسی واقعاتی احادیث کا معیار بھی قرآنِ مجید ہی کو بنا لیا جائے تو پھر اُن آیاتِ مبارکہ کی نشاندہی بھی کرنا پڑے گی، جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے واقعات اور انسانی کردار کے واضح اشارے موجود ہوں۔ قرآنِ مجید میں تفسیر بالرّائے کی اُن تصریحات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں، جو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہوں تو کیا ایسی احادیث کو صرف یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ اُنہیں صحاحِ ستہ نے نقل نہیں کیا، جو واقعہ کسی صحابی سے منسوب ہو، اُس کا ذکر تو حدیث ہی میں ملے گا، کیونکہ تدوینِ حدیث کا دور صحابہؓ کے بعد کا ہے، اگرچہ وہ احادیث، جن کا تعلق احکاماتِ اسلامیہ سے ہے، عہدِ صحابہؓ ہی میں اپنی اپنی جگہ محفوظ کر لی گئی تھیں۔ آج ہمارے سامنے احادیث کا جو بیش بہا خزانہ بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو یعلیٰ، مستدرک، مسندِ احمد، جامع صغیر، دارقطنی، موطا امام مالکؒ اور مشکوٰۃ کی صورت

میں موجود ہے، صحابہؓ کے دَور میں فنِ حدیث کی شکل میں موجود نہیں تھا؛ یہ تو اُن کے بعد ایک فن کی شکل اختیار کر گیا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا کسی عمل کی آئینہ دار ہو۔ ایسی حدیث، جس میں کسی صحابی کے کسی ذاتی کردار یا واقعہ کا ذکر ہو، اُسے حدیث کا مرتبہ کیوں دیا جائے؟ ایک حدیث جسے عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں؛ جس کی اقتدا کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تابعینؒ کے لئے تو صحابہؓ ہی ایک ایسی مستند جماعت ہو سکتی تھی، جس کا ہر عمل اور ہر قول قرآن و سُنّتِ نبویّہ کا صحیح آئینہ دار ہو۔ اگر اُن صحابہ میں سے کسی ایک یا دو کا اُمورِ دُنیا یا اُمورِ شرع میں کوئی ایسا فعل یا عمل دیکھا جائے یا ایک صحابی خود کسی دوسرے صحابی کے کسی ایسے قول و فعل کی نشاندہی کرے، جو عامۃُ النّاس کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہو تو کیا راویٔ حدیث اُس صحابی سے وہ روایت صرف اِس لئے نہیں لے گا یا اُسے نہیں لینی چاہیئے کہ وہ صحابیٔ رسول کی شان کے منافی ہے، اُس وقت وہ صحابی جو اپنے جیسے ایک صحابی کے متعلق کچھ بتا رہا ہو، اُس کی نظر اور آج کے مُسلمان کی نظر میں بھی زمین و آسمان کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہ اِس لئے کہ جس صحابیؓ نے جمالِ مصطفےٰ کی براہِ راست زیارت کی ہو اور آپ کی زبانِ حق ترجمان سے خود ارشادات سُنے ہوں، اُس کی تمام تر عقیدتوں کا مرجع صرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں۔

## مُحدّثین، اُمّتِ مُسلمہ کے عظیم محسن ہیں

ہم جس احترام کی نظر سے آج صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھتے ہیں، صحابہؓ اِس سے بڑھ کر ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے تھے، پھر جن کے متعلق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات موجود ہیں۔ جیسے صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمانِ غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، حسنینِ کریمینؓ، عشرہ مبشرہؓ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان وغیرہم اُن کے لئے خود صحابہؓ کے دل میں وہی احترام تھا، جس کا حکم خود اُنھوں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ عام صحابۂ کرام کا تعامل مبنی بر

اخوت تھا اور اِس کے پس منظر میں کسی قسم کی خود غرضی کارفرما نہ تھی، اِس بنا پر وُہ جب کسی میں اپنے خیال کے مطابق کم تر اخلاصِ عمل کا ملاحظہ کرتے تو ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتے ۔ اِس کے پیشِ نظر وہ اپنے بھائی صحابی کے قول و فعل کی روایت کرتے تو یہ ذہن میں رکھتے کہ ایسا قول و فعل عہدِ رسالت میں نہیں ہوا۔ مقامِ افسوس ہے کہ آپ کے وصالِ مبارک کے بعد ارتداد اور انکارِ زکوٰۃ جیسے دیگر فتنوں نے سر اُٹھایا، اگر ایسے واقعات حدیث میں نہ آتے تو عہدِ صحابہؓ کی تاریخ کو کیسے مُرتب کیا جاتا ؟

مجھے بھی معلوم ہے کہ حیاتِ صحابہؓ پر مُستقل تصانیف موجود ہیں اور سیرتِ صحابہؓ خود ایک مُستقل شعبہ ہے، مگر آپ یہ بتائیں کہ وہ روایات کس نے کہاں سے لیں؟ یہ کیوں کر درست ہوگا کہ اگر ایسی ہی روایات کو جامعینِ حدیث میں سے کوئی مُحدّث اپنی تصنیف میں شامل کرلے تو وہ غیر مُستند قرار پائیں اور جو مواد کُتُبِ احادیث کے علاوہ دوسری کتابوں میں موجُود ہے، جنھیں بہر حال کُتُبِ حدیث کا مرتبہ نہیں دیا جاتا، بلکہ تاریخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، وہ مُستند ٹھہرے یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ مُسندِ احمد وغیرھم کا درجہ تاریخ سے کم ہے۔ پھر جب ہم تاریخ کی کُتُب کے حوالے دینا چاہیں تو کہا جاتا ہے کہ تاریخ بہر حال غلط بھی تو ہو سکتی ہے، یعنی جب احادیث سے حوالہ دیا جائے تو تاریخ کی طرف لپکتے ہیں اور تاریخ سے خلافِ طبع کوئی حقیقت سامنے آجائے تو احادیث کی جانب دوڑتے ہیں، اگر احادیث میں کوئی واقعہ ایسا ملے، جو منافیِ طبع ہو تو کہا جاتا ہے کہ بہر حال اِس مجموعۂ احادیث کا مرتبہ فلاں فلاں مجموعۂ احادیث کے برابر نہیں۔ اب جس مجموعۂ حدیث کی عدمِ صحت کا اعلان ہو رہا ہے، اُسی میں سے وہ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں، جو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے موافقت رکھتی ہوں، گویا مِنْ وَجْہٍ ایک مجموعۂ حدیث کی تکذیب بھی ہو رہی ہے اور مِنْ وَجْہٍ تائید بھی۔ بقولِ مولانا حسرت موہانیؒ ؎

جنُوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنُوں
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

مگر بحمد اللہ اپنا یہ ایمان ہے کہ مُحدّثین نے جو خدمات بہ سلسلۂ جمعِ حدیث سرانجام دیں، اُن کے مؤلّفین کے مرتبۂ زُہد و تقویٰ اور درجۂ علم و فضل کے پیشِ نظر تمام کُتُب

حدیث معتبر ہیں۔ اگر اِن کتابوں میں موضوعات یا ضعیف روایات بھی ہوں تو علمائے جرح و تعدیل نے اُن کی نشاندہی کر دی ہے، علمائے کرام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک بات جو اُن کے ذہن کو لگتی ہو، اُس کے سبب ایک مستند اور مُسلّم شخصیت کے شہرۂ آفاق مجموعۂ حدیث کو یکسر مرتبۂ اعتبار سے ساقط قرار دے دیں؛ ایسے لوگ تاریخ سے کیا سلوک کریں گے، جن کا مجموعۂ احادیث کے متعلق یہ طریق کار ہو۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ۲۳ برس کو جن کا تعلق ابلاغِ اسلام سے ہے، بخاری اور مسلم یا صرف صحاحِ ستّہ میں محدود کر دیا جاتے اور یہ مان لیا جائے کہ ۲۳ سال میں آپ نے جو کچھ فرمایا وہ اِنہی چھ (۶) کتابوں میں ہے اور بس، یہ محض غلط اندیشی ہوگی۔ ایسی عظیم المرتبت ذاتِ گرامی کی سیرتِ مقدّسہ اور اُس کے ہر قول و فعل کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے اگر ساری کائنات کو اوراق کی صورت دے دی جائے اور اُن پر لکھا جائے تو پھر بھی آپ کے فضائل و کمالات کا احاطہ و احصار ناممکن ہے۔ خدا جانے اِتنی کتبِ احادیث کے ہوتے ہوئے بھی سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے کتنے مقدس لمحے اور تابناک پہلو روایت نہ ہو سکے ہوں گے، جو ہمارا سرمایۂ حیات اور ضمانتِ نجات تھے۔ آپ لوگ تو اِن چند کتابوں کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ شاید رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہو گیا، لیکن آج کل کے وسائل کو سامنے رکھ کر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتابیں بھی ناکافی ہیں، مگر اُس دَور کے محدود وسائل کو دیکھ کر ہم اُن نفوسِ قدسیہ پر لاکھوں سلام بھیجتے ہیں، جنہوں نے اپنی طاقت اور وسائل سے کہیں بڑھ کر انتہائی عرق ریزی اور کمالِ دیانت و امانت سے آپ کی حیاتِ طیبہ اور صحابۂ کرام کی زندگیاں اپنی اِن بے مثال تصانیف میں محفوظ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام محدثین کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے آمین۔ محدثینِ عظام، راقم الحروف کے درج ذیل فارسی قطعہ کے مصداقِ اتم ہیں ؎

سراپا غرقِ دریائے شہود اند ازاں، آرائشِ بزمِ وجود اند
بنہ بر خاکِ پاکِ شاں جبینے کہ دانایانِ رمزِ ہست و بود اند

لہ (ترجمہ) مقبولانِ خدا مشاہدات کے دریا میں سراپا ڈوبے ہوتے ہیں، اِسی باعث وہ محفلِ کائنات کا سنگار ہیں، اُن کی خاکِ پاک پر جبیں سائی کر کہ وہ حال اور ماضی کے رمز شناس ہیں۔

# اجتماعِ ضدّین

نسبی غرور و تفاخر کے سلسلے میں ایک ایسی جلیل القدر ہستی کا شعر پیش کر رہا ہوں جو جامعِ منقول و معقول، ولیِ کامل و اکمل ہونے کے ساتھ ایک قابلِ رشک عاشقِ رسول بھی ہے۔ میری مُراد عارفِ نامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی سے ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بندۂ عشق شُدی ترکِ نسب گو جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

شعر کا مفہوم یہ ہے۔ اے جامی! جب تو نگارِ عشق کا غلام بن چکا ہے تو نسب کا نام نہ لے، اِس لئے کہ عشق کی راہ میں فلاں ابنِ فلاں کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا جامیؒ در اصل یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ نام و نسب کا تعلق عالمِ ہوش و حواس سے ہے، جب کہ دُنیائے عشق اِن جھمیلوں سے آزاد اور ورا ہے۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص راہِ عشق میں قدم رکھتا ہے، اُس کی نسبی عظمتیں مسلوب ہو جاتی ہیں۔ جس کا جو نسب ہے، وہ تو بہرحال برقرار رہے گا۔ مگر جو انسان خُود کو منزلِ عشق کا مسافر بھی بنالے اور یہ بھی چاہے کہ اُس کے نام ونسب پر حرف نہ آئے تو یہ امر خیال است و محال است و جنوں کے مصداق ہوگا۔ جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا کہ عاشق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عاشق بن کر اپنے نام و نسب سے دست کش ہو جائے بلکہ یہ کہ وہ احساسِ نسب یا کبرِ نسب کو خیر باد کہہ دے، کیونکہ عشق ایک مستقل شعبہ ہے، جس میں ہر وقت اندیشۂ طعن و تشنیع اور خدشۂ ملامت موجود ہے، جب کہ کبرِ نفس کا احساس کسی قسم کی کوئی خفت و ملامت برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا عشق اور کبرِ نسب یا احساسِ خُودی دو ضدّیں ہیں اور مناطقہ کا یہ مُسلّم اصول ہے کہ اجتماعِ ضدّین محال ہے۔ انسان راہِ عشق اختیار کرلے یا اپنے نام و نسب کی رُسوم و قیود کا لحاظ رکھے۔

بقولِ علامہ اقبالؒ ؎

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ — یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ
یا حیرتِ فارابی، یا تاب و تبِ رُومیؒ — یا فکرِ حکیمانہ، یا جذبِ کلیمانہ

یا عقل کی رُوباہی، یا عشقِ یدُاللّٰہی
یا حیلۂ افرنگی، یا حملۂ ترکانہ (بالِ جبریل)

خلّاقُ المعانی حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ اپنے ایک شعر میں اِس کی مزید وضاحت یوں فرماتے ہیں ؎

پادشاہی بہ جُنوں جمع نہ گردد بیدلؔ
تاج گیرند اگر آبلۂ پا بخشند

(اَے بیدل! بادشاہی اور جُنُوں یکجا نہیں ہو سکتے۔ قضا و قدر اگر پاؤں کا چھالا دیتے ہیں تو سر سے تاج چھین لیتے ہیں۔ بیدلؒ کنایہ چاہتے ہیں کہ مجنُونِ عشق کی دُنیا الگ ہے اور طنطنۂ بادشاہت الگ۔ جس طرح تاج، بادشاہِ وقت کے لئے باعثِ زینت اور علامتِ شہنشاہی ہوتا ہے، اِسی طرح پاؤں کا آبلہ (چھالا) کسی بادیہ پیما عاشقِ زار کا سنگھار اور اُس کے پاؤں کے لئے تاجِ شاہی کا مقام رکھتا ہے۔ چونکہ تاج سر پر کُلاہ کا کام دیتا ہے اور آبلۂ پا کی ظاہری صورت بھی کُلاہ جیسی ہوتی ہے، اِس لئے تاجِ شاہی کو آبلۂ پا سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی اگر بادشاہ تاج اپنے سر پر رکھتا ہے تو ایک عاشقِ صحرا نورد اُسی طرح کی کُلاہ کو اپنے تلووں میں جگہ دیتا ہے۔ اِس تشبیہ سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ جس طرح کوئی شہنشاہ، تاج کو اپنے سر پر بڑے فخر سے جگہ دیتا ہے، ایک آبلہ پا اُسی طرح کے کئی تاج اپنے پاؤں میں سجائے رکھتا ہے، جنہیں اُس نے کُوئے یار سے اُٹھنے والی گردِ خرام یا گردِ عُشّاق کی ضرورتِ ترشّح کے لئے وقف کر رکھا ہوتا ہے۔

اگر تاج شاہانِ وقت کے سروں پر مُوجبِ شوکت و سطوت ہے تو عُشّاق کے پاؤں سے نمودار ہونے والا چھالا اُن کے کفِ پا کے لئے تاج سے کم نہیں۔ اگر کسی عاشق کا پاؤں زیورِ آبلہ سے محروم ہے تو اُس کی مثال ایک شاہِ بے تاج کی سی ہے۔ تاج و تخت کے ذکر سے میرزا بیدل قدس سرّہٗ کی ایک اور رُباعی یاد آ گئی۔ اِس مردِ درویش کی شانِ استغناء دیدنی ہے، یہ وہ مصنوعی اور ریاکارانہ استغناء نہیں، جس کا مظاہرہ اکثر وہی افراد کرتے ہیں، جو درحقیقت احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں، بلکہ یہ وہ شانِ استغناء ہے، جو مقبولانِ خدا کو خصوصی طور پر عطا کی جاتی ہے۔

اُس کے اثرات وقتی اور زوال پذیر نہیں، بلکہ دائمی اور لافانی ہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ شاعر نے یہ رُباعی اُس زمانے میں کہی، جب شخصی حکومت تھی، جمہوریت نام کو بھی نہ تھی اور پھر یہی نہیں کہ شاہجہان اور اورنگ زیب عالم گیر کے عہدِ حکومت میں کہی، بلکہ دارُالسلطنت دہلی میں بیٹھ کر کہی۔ فرماتے ہیں ۔

اَے مغروراں! کہ مستِ تخت وکلہَ اید — بادرویشاں چرا حقارت نگہ اید
در ما و شُما جُز ایں چہ پست وچہ بلند — ما خاک شہ ایم اگر شما بادشہ اید (بیدلؔ)

ترجمہ۔اے مغرور انسانو! تم اپنے تاج وتخت کے نشے میں مست اور بہکے ہوئے ہو۔ درویش منش اور فقیر طبع لوگوں کو حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہو؟ ہمارے اور تمہارے درمیان اِس اعتباری پست وبلند (اُونچ نیچ) کے سوا کیا فرق ہے کہ ہم خاک شہ (مٹی کے شہ) اور تم بادشہ (ہوا کے شہ) ہو۔یعنی تم میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ ہم خاک کے شاہ ہیں، ہماری حکومت مٹی پر ہے یا مٹی پر بیٹھے ہیں اور تمہاری حکومت باد یعنی ہوا پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں تمہاری حکومت ہوائی ہے، آج یہاں کل وہاں، کبھی صبا کی طرح نرم اور کبھی طوفان کی طرح تیز۔

اِس رُباعی میں بادشاہ کی مناسبتِ لفظی کے تحت خاک شہ کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ ہمارے یہاں بادشہ بائے عربی کے ساتھ مُستعمل ہے، جب کہ اہلِ زبان بائے فارسی یعنی پادشہ لکھتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ پاد اور شہ کا مُرکّب ہے۔ پاد تخت کے معنیٰ میں آتا ہے، چونکہ پاد اصل میں پات تھا۔تائے فوقانی کو دال کے ساتھ بدل دیا گیا اور پات کا لفظ پاسبانی اور پائیدن، ٹھہرنے اور قرار پانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے[1]۔ بہرحال اب پادشہ کم اور بادشاہ زیادہ مُستعمل ہے۔

مجھے اِس رُباعی سے ایک اور نکتہ بھی مِلا، وہ یہ کہ اِس میں تاج والوں کو باد (ہوا) کا نام دیا گیا اور درویشوں کو خاک (مٹی) کا۔ خاک کا تعلق چونکہ زمین سے ہوتا ہے، اِس لئے وہ خاموشی کے ساتھ آغوشِ زمین میں پڑی رہتی ہے، زلفِ یار کی برہمی بتاتی ہے کہ فطرت نے صبا کے مزاج میں جو شوخیاں بھردی ہیں، وہ اُنہیں بڑھتے

---

[1] دیکھئے غیاث اللغات (فارسی) ازمولانا غیاث الدین، ص ۹۷، مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ

کار لائے بغیر نہیں رہ سکتی، صحرا میں چل نکلے تو بے چاری مٹی کی خانہ ویرانی کا باعث بنتی ہے اور اگر کہیں موسم بہار میں سیرِ گل اور تماشائے بُلبُل پر تُل جائے تو بقولِ مولانا اصغر گونڈوی ؒ ؎

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے لالہ و گل کو
مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

کہا یہ جا رہا تھا کہ جب کبھی دستِ صبا خاک کو جُنبش دیتا ہے تو وہ پستی سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں کو چھُونے لگتی ہے۔ بیدل ؒ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہوا چل کر پہلے خاک کے قدم چُومتی ہے اور پھر اُسے اپنے سر پر بٹھا کر بلندیاں بخشتی ہے، اسی طرح شاہوں کو چاہیئے کہ وہ درویش سیرت، عاجز و مسکین خاک نشینوں کی نہ صرف عزت کریں، بلکہ اُن کو اپنے سر و چشم پر جگہ دیں اور اُن سے اُلجھنے کی غلطی نہ کریں، اس لئے کہ جب کبھی ہوا مٹی سے ٹکر لیتی ہے تو مٹی نہ صرف یہ کہ اُس کی آنکھوں میں پڑ کر اُسے اندھا کر دیتی ہے، بلکہ اُس کے صاف و شفاف اور لطیف و نازک وُجُود کا حُلیہ بھی بگاڑ کر رکھ دیتی ہے اور اُس کی لطافتِ فطری کو کثافت میں بدل دیا کرتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر ہر متنفس (سانس لینے والا) اُس گرد آلود ہوا کو اپنی سانس کے لئے استعمال سے کتراتا اور گھبراتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر قدرت نے کسی کو مقامِ باد عطا فرمایا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ آدابِ خاک کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھے، اس لئے بھی کہ آخر کار اُسے بھی اسی خاک کی آغوش میں سونا ہے۔ بقولِ راقم الحروف ؎

در فرصتِ چند روزہ بے باک شدیم ہم در تگ و پوئے زیست چالاک شدیم
آخر برسیدیم بویرانۂ گور از خاک بدر آمدہ در خاک شدیم

اگرچہ پانی، ہوا، آگ اور مٹی باعتبارِ تخلیق ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں، مگر ان چاروں میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا درجہ و مقام ہے، جس سے انکار ممکن نہیں۔ علامہ اقبال ؒ نے فرمایا تھا ؎

---

لہ (ترجمہ) ہم اس حیاتِ چند روزہ کی فرصت میں بے باک ہو گئے اور زندگی کی تگ و تاز میں چابکدست نظر آئے؛ بالآخر ہم قبر کے ویرانے تک پہنچ گئے؛ خاک سے نکلے اور پیوندِ خاک ہو کے رہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اِس شعر کو اگرچہ آج کل کسی اور نظریے کو اُجاگر کرنے کے لئے لکھا پڑھا جاتا ہے، مگر میرے نزدیک اِس شعر میں علامہؒ نے صرف اہمیتِ عمل کو ثابت اور اُجاگر کرنے پر زور دیا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انسان صرف اپنے نسب یا اپنے اسلاف کی نسبت پر اکتفا اور قناعت کر کے عملِ پیہم سے دست کش ہو جائے، بلکہ اُسے کسی وقت بھی عملی زندگی سے فرار اختیار نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ حیات عملِ پیہم اور جستجوئے مُسلسل ہی کا نام ہے، ورنہ علامہ مرحوم یہ بھی جانتے تھے کہ از رُوئے نصِ قرآنی یہ امر مُحقّق ہے کہ آدمؑ کی تخلیق کھنکتی (بجتی) ہوئی مٹی اور جنّات کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے اور اِسی طرح ابلیسؑ کو بھی آگ سے بنایا گیا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خالقِ ارض و سماوات ہر چیز کو جو ایک الگ نام، ایک الگ شناخت اور ایک مخصوص انتساب بخشتا ہے، انسان کو اِن عطائی انتسابات اور اسمار کو بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ خاص طور پر وہ افراد، جو کسی وجہ سے اپنا نسب بدلنے کی کوئی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اُنہیں ایسا کرتے ہوئے شرم محسوس ہونی چاہیئے، اِس لئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نام ونسب بدلنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ اِس وقت اُن احادیث کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، لہٰذا ثبوتِ موقف کے لئے دو احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ عن سعد بن ابی وقاص و ابی بکرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] چنانچہ ارشادِ باری ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (ترجمہ) اُس نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا، جیسے ٹھیکری اور جنّات کو آگ کی لَو سے (القرآن ۵۵: ۱۴، ۱۵)

[۲] چنانچہ ابلیس نے کہا، قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (ترجمہ) ابلیس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں اور اِس کا سبب یہ ہے کہ مجھے تُو نے آگ سے بنایا، جب کہ آدم کو مٹی سے (القرآن ۷: ۱۲)

علیہ وسلم مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غیرِ ابیہِ وَھُوَ یَعْلَمُ فَالجنّۃُ علیہِ حرامٌ[1]
(متفقٌ علیہ)

ترجمہ۔ حضرت سعد ابنِ وقاصؓ اور ابوبکرہؓ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دانستہ اپنا نسب بدل ڈالے اُس پر جنّت حرام ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاترغبوا عن اٰبائکم فمَنْ رَغِبَ عَن ابیہ فَقَدْ کَفَرَ[2] (مُتّفق علیہ)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ دادا سے اپنا نسب تبدیل نہ کرو، جو اپنے باپ دادا کے نسب سے اِعراض کرے یعنی مُنہ پھیرے گا تو اُس نے کافروں والا کام کیا یا کُفرانِ نعمت کیا۔

آخر میں تبدیلیٔ نسب کے ماہرین کی خدمت میں یہ التماس ضرور کروں گا کہ ایک شریفُ النفس انسان سے تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بقائمیٔ ہوش وحواس کسی دوسرے صحیحُ النسب فرد کا نسب صرف اپنے ذاتی بُغض وعناد کی بنا پر بدلنے کی سعیٔ نامشکور میں لگ جائے یا پھر اپنا نسب بدل کر کسی اور نسب کی طرف رُجوع کرلے۔ ایسی اوچھی اور گھٹیا حرکت، یعنی تبدیلیٔ نسب کا ثبوت البتہ غالب کے اِس شعر میں ضرور ملتا ہے، جو حضرتِ بیدلؒ کے ایک فارسی شعر کا مفہومِ مُستعار رکھتا ہے۔

غالب کہتے ہیں ؎

ضعف سے گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہوا
باوَر آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

یعنی ضعف کا یہ عالم ہے کہ رونے کی طاقت نہیں رہی، جس کے نتیجے میں آنسوؤں کا پانی ٹھنڈی سانسوں میں تبدیل ہوگیا۔ پانی کا ہوا ہونا آج تک سُنتے آئے تھے، مگر اِس کا یقین اب ہوا کہ واقعتاً پانی میاں بھی اپنا نسب ترک فرماکر ہوا کا نسب اختیار کرلینے کے طریقے، حیلے اور گُر جانتے ہیں؛ جس طرح آج کل عوام وخواص

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ شریف، بابُ اللعان، ص ۲۸۷، مطبوعہ کانپور (بھارت)
[2] دیکھئے ایضاً

خود کو ہاشمی، قریشی اور سیّد کہلوانے اور لکھنے کے لئے ہلکان ہوتے جا رہے ہیں، افسوس کہ شاید اُنہیں معلوم نہیں ؎

ہے نام کے ساتھ ساتھ بدنامی بھی ہے کام کے ہمرکاب، ناکامی بھی
عرفان کا دعویٰ ہے، جہالت کی دلیل اظہار میں پختگی کے ہے، خامی بھی

(سیّد امجد حیدر آبادیؒ)

---

# بابِ یازدہم

# حضرت غوثِ اعظمؓ کا سوانحی خاکہ

قارئینِ کرام! راقم الحروف نے مقدمۂ کتاب میں اِس تصنیف کے محرکات اور اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ حضور غوثِ پاک قدس سرہ کے اتصالِ نسبی کو جن خصوصی وجوہ کی بنا پر اختلافی مسئلہ بنانے کی منظم سازش کی گئی ہے، اُن موجبات کو بے نقاب کرنا، حضور سے میری قرابتِ نسبی کا تقاضا ہے؛ اِس لئے اِس فریضہ کی ادائگی کے پیشِ نظر اس کتاب میں اتصالِ نسبی کی صحت، اہمیت و احترامِ نسب، لفظِ اہل و آل کا فرق، اہلِ بیت کا اطلاق و مصداق، کُفو کی فقہی حیثیت، لفظِ سیّد کی تحقیق، شیعہ اور خوارج کے نظریات اور غوثِ پاکؓ سے اِن کی خصومت اور بُغض و عناد کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے گی۔

چنانچہ کتاب کے بیشتر حصے میں اِنہی موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے؛ اِس کے ساتھ ساتھ دَورِ حاضر کی مادہ پرست عقلِ عیار کی اعتقادی اُلجھنوں اور نظریاتی شکوک و شبہات کے متعدد مسائل بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

بہرحال مجھے دامنِ قادریّت سے وابستہ اربابِ عقیدت اور حلقہ بگوشانِ بارگاہِ غوثیّت کے والہانہ اور پاکیزہ جذبات کا پورا احساس تھا کہ وہ کتاب کے علمی و تحقیقی مباحث کے ساتھ ساتھ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے متعلق جاننے کے لئے بیتابی سے منتظر ہوں گے، اِس لئے اِس طرف توجہ کرنا بھی ناگزیر سمجھا گیا۔ ظاہر ہے کہ جس ذاتِ والا تبار کی رُوحانی عظمت کے سامنے زمانے کے اربابِ علم و عرفان اور اصحابِ زُہد و اتقا کی گردنیں خم ہیں، اُس کے احوال و آثار کا چند صفحات میں حصر و احاطہ ناممکن ہے، چنانچہ اربابِ محبت کی اِس تشنگی کو بجھانے کے لئے اِس کتاب کے آخر میں معتبر و مستند کُتُب کی ایک طویل فہرست بطورِ ضمیمہ شامل کی گئی ہے، جس کا مطالعہ بلاکشانِ محبت اور سوختگانِ ہجر و فراق کے لئے سامانِ آسودگی فراہم کرے گا؛ لہٰذا مشتاقانِ جمال کے لئے آئندہ چند سطور میں تبرکاً و تیمناً صرف آپ کے سوانحی خاکہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

## بشاراتِ ولادت

آپ کی ولادتِ باسعادت کی بشارت بے شمار مشائخِ وقت نے دی، جن میں حضرت

شیخ خلیل بلخیؒ، حضرت شیخ منصور بطائحیؒ، حضرت شیخ ابوعبداللہ مُسلمیؒ، حضرت شیخ ابوبکر حرازؒ، حضرت شیخ ابوبکر بن ہوار بطائحیؒ۔ سیدالطائفہ حضرت جُنید بغدادیؒ، حضرت شیخ عقیلؒ اور حضرت شیخ ابواحمد عبداللہؒ جیسے مشائخ کبار شامل ہیں۔ طفولیت ہی میں آپ کی پیشانی سے آثارِ تقدس و بزرگی اور علاماتِ اتقاء و پرہیزگاری نمایاں اور انوارِ معرفت و ولایت تاباں تھے، جو اِس امر کی بھرپور شہادت دے رہے تھے کہ یہ ہلال عنقریب اُفقِ ولایت پر بدرِ مُنیر بن کر چمکے گا۔ بقولِ شیخ سعدی شیرازیؒ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی ❊ می تافت ستارۂ بلندی

## ولادتِ باسعادت

حضرت غوثِ اعظم، پیرانِ پیر، پیرِ دستگیر، محبوبِ سُبحانی، شاہبازِ لامکانی، حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس سرہٗ یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ بوقتِ شب جلوہ فرمائے عالمِ امکان ہوئے۔ روایات میں ہے کہ اُس رات علاقۂ گیلان میں گیارہ سو (۱۱۰۰) بچے پیدا ہوئے، جو سب کے سب وقت کے کامل ولی بنے۔ یہ آپ کی ولادتِ باسعادت کے فیضان کا پہلا چھینٹا تھا، پھر گیلان سے اُٹھنے والی علم و معرفت کی اِس گھٹا نے چار دانگ عالم کو اِس طرح سیراب کیا کہ تا قیامت اِس کے گل بداماں گلشن، خزاں ناآشنا رہیں گے۔ دورانِ شیرخوارگی ماہِ رمضان میں دن کے وقت کھانا پینا ترک رکھنا بھی ایک مسلّمہ روایت ہے۔

## گیلان کا محلِّ وقوع

آپ کے گیلانی ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں، البتہ اُس موضع و قصبہ میں قدرے اختلاف ہے، جہاں آپ متولّد ہوئے۔ علامہ شطنوفیؒ نے اِس کا نام نیف یا نائف لکھا ہے، جو بحیرۂ اسود کے جنوب میں واقع ہے، مگر امام یعقوب حمویؒ نے بشتیر لکھا ہے؛ ہو سکتا ہے دونو نام ایک ہی مقام کے ہوں۔ گیلان جسے دیلم بھی کہا جاتا ہے، ایران کے شمال مغربی صُوبے کا حصہ ہے؛ اِس کے جُنوب میں برز کا پہاڑی سلسلہ ہے، جو اِس کو آذر بائیجان اور عراقِ عجم سے جُدا کرتا ہے اِس کے جنوب میں ماژندران کا مشرقی

[1] بشتیر، علاقہ جیلان میں ایک موضع کا نام! آپ کے مقامِ ولادت کے متعلق صاحب معجم البلدان کی تحقیق بھی یہی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: یُنسب الیہ الشیخ الزاھد الصالح عبدالقادر بن ابی صالح الحنبلی البشتیری (ملاحظہ ہو معجم البلدان (عربی)، جلد اوّل، ص ۴۲۶، مطبوعہ بیروت، سنِ طباعت ۱۹۷۹ء)

حصہ ہے۔ گیلان[1] کو معرب کرکے جیلان بنادیا گیا، ورنہ محلِ وقوع کے لحاظ سے دونو ایک ہی مقام کے نام ہیں۔ یاد رہے کہ بشتیر تہران کے شمال مغرب میں تقریباً چھ سو (۶۰۰) کلومیٹر پر واقع ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو صوبہ گیلان کے دو شہروں شفت اور فومن کے مضافات میں ہے اور اس کا مرکزی شہر رشت ہے[2]۔

# خاندانی حالات

آپ کے نانا حضرت سید عبداللہ صومعیؒ، جیلان کے مشائخ کبار اور رؤسا میں سے ہونے کے ساتھ مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ آپ کے والدِ گرامی کا اسم سید ابوصالح موسےٰ اور والدۂ ماجدہ کا نام نامی فاطمہ، کنیت امُّ الخیر اور لقب اَمۃُ الجبار تھا۔

والدِ گرامی کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسنؓ مجتبیٰ اور والدۂ محترمہ کی جانب سے حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے؛ اِس طرح حضور نہ صرف سید، بلکہ نجیب الطرفین سید ٹھہرے۔ چونکہ بچپن ہی میں آپ کے سر سے سایۂ پدری اُٹھ گیا تھا، اِس لئے پہلے آپ اپنے گرامی قدر نانا کے زیرِ کفالت و تربیت رہے اور پھر اپنی والدۂ ماجدہؒ کے زیرِ سرپرستی پروان چڑھے، دورِ طفولیت کی بہت سی کرامات اوراقِ تاریخ کی زینت ہیں۔

# ورودِ بغداد

آپ کی والدہ ماجدہؒ نے آپ کو کم و بیش اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں حصولِ علم کی خاطر

[1] ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد اسی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ جیلانی یا گیلانی لکھتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ جو شخص اپنے نام کے ساتھ گیلانی لکھتا یا خود کو گیلانی کہلواتا ہے، وہ حضرت غوثِ پاکؒ کی اولاد میں سے بھی ہو۔ اس لئے کہ ہندوستان کے ضلع پٹنہ میں گیلانی ایک بستی کا نام بھی ہے، جن حضرات کا براہِ راست تعلق اس بستی سے ہے یا اُن کے آباء و اجداد کی نسبتِ سکونت اِس سے رہی ہو، وہ بھی خود کو گیلانی کہلواتے ہیں۔ مثلاً مشہور عالمِ دین مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حسنی سید ہونے کے ساتھ حضرت غوثِ پاکؒ کی اولاد بھی تھے، یہ درست نہیں اِس لئے مطلق گیلانی کا لفظ سُن یا پڑھ کر تحقیق سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ گیلانی ہندوستان میں ایک بستی کا نام بھی ہے (ملاحظہ ہو مقالاتِ احسانی، مصنفہ مناظر احسن گیلانی، ص ۷، مطبوعہ طفیل آرٹ پرنٹرز)

[2] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مرآۃ البلدان ناصری، از محمد حسن خان مراغہ ای، مطبوعہ تہران

بغداد بھیجا، جو اُس وقت مدینۃُ العلُوم ہونے کے ساتھ اُس دَور کے مشائخ کبار اور عالمِ اسلام کے علمائے عظام کا مرکز تھا اور جہاں شب و روز تشنگانِ علم و معرفت کا ہجوم رہتا تھا۔ یہ زمانہ خلیفہ ابوالعبّاس مُستظہر باللہ کا تھا، چنانچہ اِسی سفر میں آپ کی حق گوئی سے قزاقوں کے تائب ہونے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ عجیب اتّفاق ہے کہ آپ کے وُرودِ بغداد کے سال ہی حُجّۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے رختِ سفر باندھا تھا۔ بغداد کی خوش نصیبی کا کیا کہنا کہ جب ایک مفکرِ اسلام نے اُسے خیرباد کہا تو دوسری نابغۂ روزگار شخصیت نے اُسے اپنے وُرودِ مسعُود سے مُشرّف فرمایا۔

بغداد پہنچ کر آپ نے اُس عہد کے نامور اور اکابر علماء و مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے اساتذۂ کرام کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت ابوالوفا علی بن عقیل الحنبلیؒ
۲۔ حضرت ابوالخطاب محفوظ الکلوذانی الحنبلیؒ
۳۔ حضرت ابوالحسن محمّد بن القاضی ابُویعلیٰ محمّد بن الحسین بن محمّد بن الفراء الحنبلیؒ
۴۔ حضرت ابوسعید المبارک بن علی المخرمی الحنبلیؒ

(اُستادِ ادب)

۵۔ حضرت ابوزکریا یحییٰ بن علیّ التبریزیؒ

(اساتذۂ حدیث)

۶۔ حضرت ابوغالب محمّد بن الحسن الباقلانیؒ
۷۔ حضرت ابوسعید محمّد بن عبدالکریم بن خشیشاؒ
۸۔ حضرت ابوالغنائم محمّد بن محمّد بن علی بن میمون الفرسیؒ
۹۔ حضرت ابوبکر احمد بن المظفرؒ
۱۰۔ حضرت ابوجعفر بن احمد بن الحسین القاری سراجؒ
۱۱۔ حضرت ابوالقاسم علی بن احمد بن بنان الکرخیؒ
۱۲۔ حضرت ابوطالب عبدالقادر بن محمّد بن یوسفؒ
۱۳۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن احمدؒ
۱۴۔ حضرت ابونصر محمّد

۱۵۔ حضرت ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن المبارکؒ
۱۶۔ حضرت عبدالعزیز محمد بن المختارؒ
۱۷۔ حضرت ابوغالب احمدؒ
۱۸۔ حضرت ابوعبداللہ یحییٰؒ (جو علی البنا کی اولاد سے ہیں)
۱۹۔ حضرت ابوالحسن بن المبارک بن الطیورؒ
۲۰۔ حضرت ابومنصور عبدالرحمٰن القزازؒ
۲۱۔ حضرت ابوالبرکات طلحۃ العاقولیؒ وغیرہم

آپؓ نے نو (۹) سال تک علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل میں سرتوڑ محنت کی۔ اِس کے بعد منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے بہ سلسلۂ ریاضاتِ کاملہ و مجاہداتِ شاقہ پچیس (۲۵) سال کا طویل عرصہ دشت پیمائی اور صحرانوردی میں صرف کیا اور حیاتِ طیبہ کے آخری چالیس سال خلقِ خدا کے رُشد و ہدایت اور اصلاحِ احوال میں گزارے۔

## تقرر بحیثیتِ شیخ الجامعہ اور سلسلۂ وعظ کا آغاز

تکمیلِ درسیات کے بعد آپ کو جامعۂ مبارک المخزمی کا شیخ الجامعہ (پرنسپل) مقرر کیا گیا، جہاں آپؓ نے درس و تدریس اور اِفتاء کے ساتھ سلسلۂ وعظ و تبلیغ شروع کیا۔

روایات کے مطابق آپ جمعہ کی صبح کو اپنے جامعہ میں وعظ فرماتے، منگل کی شام خانقاہ میں اور اتوار کے دن عُلماء و فقہاء کے مجمع میں وعظ ہوتا۔ جب سامعین کی تعداد میں اضافہ شروع ہوا تو جامعہ سے ملحقہ عمارات و رباط کو مدرسہ میں شامل کر کے توسیع کی گئی، لیکن انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اِن کوزوں میں کیسے بند ہوتا! چنانچہ سامعین کی تعداد کے غیر معمولی اضافہ نے متبادل جگہ منتقل ہونا ضروری کر دیا، بالآخر آپ کو شہر کی آبادی سے باہر نکلنا پڑا اور ایک وسیع و عریض میدان اِس اجتماع کے لئے منتخب کیا گیا۔ اکثر مؤرخین نے سامعین کی تعداد ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے متجاوز بتائی ہے، جن میں اکابر مشائخ عراق، علمائے کرام، مُفتیانِ عظام کے علاوہ ملائکہ، جنّات اور رجال الغیب بکثرت موجود ہوتے تھے۔ دُور دراز سے آنے والے، سواریوں پر میدان کے ارد گرد فصیل کی طرح دکھائی دیتے اور آپ کے مواعظِ حسنہ تحریر کرنے کے لئے چار سَو (۴۰۰) کاتب بیک وقت مجلس میں موجود

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ۹۳۲، ۹۳۳، مطبوعہ لاہور

ہوتے حضرت کی مجلسِ وعظ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آنجنابؓ کی آواز دُور و نزدیک یکساں پہنچتی، گرمی کے موسم میں بادل چھائے رہتے، کبھی دورانِ وعظ آندھی یا بارش سے واسطہ نہ پڑتا، پورے مجمع پر سکون و اطمینان کی کیفیت طاری رہتی، آپ کے بعض خلفائے کرام دُور دراز علاقوں میں مجالس کا اہتمام کرتے اور کرامت کے طور پر وہاں بھی آپ کا وعظ سُنائی دیتا۔ (ملخص از بہجۃ الاسرار و دیگر کُتب سیرت مثلِ قلائدالجواہر)

## تاثیرِ وعظ

تاثیرِ کلام کا یہ عالم تھا کہ کوئی مجلسِ وعظ ایسی نہ ہوتی، جس سے ذوق و شوق، تصرّف و ہیبت اور عظمت و جلال کے باعث کئی جنازے نہ اُٹھتے اور سامعین کی کثیر تعداد کئی کئی دن تک مدہوش نہ رہتی۔ دورانِ وعظ خشیت الٰہی سے گریہ زاری اور آہ و فغاں کا ایک محشر بپا رہتا، ہزاروں گریباں چاک ہوتے اور سینکڑوں نیم بسمل مجلس سے تڑپتے اُٹھائے جاتے۔

## عہدِ غوثیّت میں معاشرہ کی حالت

حضورؓ جس زمانہ میں جلوہ فرمائے عالمِ امکاں ہوئے، وہ مسلمانوں کے لئے انتہائی صبر آزما دور تھا۔ بغداد میں خلافتِ عباسیہ پر اُموی خلافت کا پورا پورا رنگ چڑھ گیا تھا، اِس لئے اِس کی ساکھ ختم ہو چکی تھی۔ دُنیاداری کی رُوح اپنی پوری کدُورتوں سمیت انسانی زندگی میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ الحاد و زندقہ کا شور تھا۔ علم و یقین پر فلسفہ حاوی تھا۔ موروثی اور شخصی سلطنت کا نظام دستورِ وقت تھا۔ بیت المال، حکمرانوں کی عیش سامانیوں پر بے دریغ لُٹایا جارہا تھا۔ عیش و عشرت کی گرم بازاریاں اور اِس کی خرابیاں اپنے پورے مُہلک اثرات کے ساتھ موجود تھیں۔ مُعتزلہ اور مُبتدعین کے فتنے عروج پر تھے۔ آپ ابھی بچپن کی منزل سے بھی نہیں گزرے تھے کہ باطنیوں کے مشہور و معروف سردار اور اتحادِ اسلامی کے سب سے بڑے دشمن حسن بن صباح نے قلعۂ حضر موت پر قبضہ کر لیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا، جب جاہل اور خود ساختہ صُوفیاء شریعت و طریقت کو الگ کرنے میں مُنہمک تھے۔ اسلام کے سادہ و بلند اخلاقی درس، مذاہبِ باطلہ کے مسموم نظریات کے انبار تلے دب کر سسکیاں لے رہے تھے اور کوئی پُرسانِ حال نہیں تھا۔ آپؓ نے جب ہوش

سنبھالا تو عالمِ اسلام کو رُو بہ زوال پایا۔ اُندلس میں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی ہوئی تھی۔ طارق ابنِ زیاد کے مفتوحہ علاقے، عیسائیوں کے قبضے میں جارہے تھے۔ آپ کے وُرودِ بغداد کے کچھ ہی مدت بعد صلیبی جنگ شروع ہوگئی تھی، جس میں انطاکیہ اور حمص پر فرنگیوں نے قبضہ کر کے مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر ڈالا تھا اور القدس پر قبضے کے بعد مسلمانوں کے خُون سے ہولی کھیلی جارہی تھی۔ ۴۹۷ھ میں اُنہوں نے عکّہ پر قبضہ کرلیا اور ۵۰۳ھ میں طرابلس بھی عیسائیوں کے زیرِ نگیں آگیا تھا۔

مختصر یہ کہ پانچویں صدی کے اِس عہد تک عالمِ اسلام پوری طرح سیاسی و فکری انتشار اور اعتقادی ضُعف و اضمحلال کی زد میں آچکا تھا۔ ساری اُمّتِ مُسلمہ پر تشکیک و الحاد اور بے راہ روی کے منحوس سائے منڈلا رہے تھے۔ ایسے میں جہاں حضرت امام غزالیؒ کے افکار سے تشکیک کے فتنے کا سدِ باب ہوا وہاں تعلیماتِ غوثیہ نے بے یقینی اور بے عملی کے مُہلک امراض کا مداوا کیا۔ آپؒ نے توحید کو دلوں میں راسخ کیا اور فرمایا کہ شرک صرف بُت پرستی کا نام نہیں، بلکہ اپنے نفس کی پیروی اور غیر اللّٰہ کی طلب سب شرک میں شامل ہیں۔

توحید و رسالت کو قول و فعل اور علم و عمل سے عام کر کے حضرت غوثِ اعظمؓ نے تصوف کی تطہیر و تربیت پر توجہ فرمائی۔ آپ کی ولادت سے قبل عالمِ اسلام میں باطنی تحریک اور منصُور حلّاج کی صدائے اناالحق سے تصوّف، شریعت سے جُداگانہ اسرار و رموز کا ملغوبہ بن گیا تھا، جس میں نوفلاطونی خیالات اور فلسفیانہ مُوشگافیوں نے جڑ پکڑلی تھی۔ آپؒ نے تصوّف کو شریعت کے تابع کیا اور اِس کے آداب کو عام فہم زبان میں بیان کر کے اِس کے دروازے عام آدمی پر کھول دیئے۔ آپ اجماعِ اُمّت کے داعی تھے اور دین کی ترویج و توسیع اور فلاح و اصلاح میں بلا امتیازِ خاص و عام ہر مسلمان کی شرکت لازمی تصوّر کرتے تھے۔

اِس طرح حضور غوثِ پاکؓ نے اصلاح و تجدید اور احیائے دین کا وہ عظیم اور لازوال کارنامہ سرانجام دیا کہ محی الدّین کے زندۂ جاوید لقب سے سرفراز ہوئے۔ حضُور کے عہدِ سعید میں وہ وقت بھی آیا کہ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہونا شروع ہوگئی اور نُورالدّین زنگیؒ نے فرنگیوں کو شکستِ فاش دی۔ اہلِ ایمان کے حوصلے بڑھے اور القدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ دینِ حق کا بول بالا اور چاروں طرف اُجالا ہوا۔

# حُکّامِ وقت کے ساتھ سُلوک

آپؒ نے اپنے مواعظ میں اِس ساری صورتِ حال کا جائزہ لینا شروع کیا اور معاشرہ کے ہر طبقہ میں موجود خرابیوں کی نشان دہی فرماتے ہوئے اُمّتِ مُسلمہ کے ناقہ بے زمام کو پھر سُوئے حرم لانا شروع کیا۔ اعلائے کلمۃ الحق میں آپ کی ذاتِ جلیلہ کسی مصلحت کوشی کی روادار نہیں تھی، اُمراء و حُکّامِ وقت کے لئے امر بالمعروف کے سلسلے میں حضرتِ شیخؒ کے ہاں کسی رعایت کی گنجائش نہ تھی۔ مشہور خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے ابوالوفا یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو منصبِ قضا تفویض کیا، حالانکہ یہ شخص ابن المزاحم الظّالم کے لقب سے مشہور تھا، اِس موقع پر حضورؒ نے خلیفۂ وقت کے اِس تقرر کی بر سرِ منبر مذمّت کی اور دورانِ وعظ اِسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دیا ہے، جو اظلم الظّالمین ہے۔ کل قیامت کے دن اُس ربُّ العالمین کو کیا جواب دوگے، جو ارحمُ الرّاحمین ہے"، خلیفہ تک یہ بات پہنچی تو کانپ اُٹھا اور قاضیِ مذکور کو فی الفور معزُول کر دیا۔[1]

اِسی طرح حضور اُن سرکاری و درباری علماء و مشائخ کے کردار پر بھی پُرزور تنقید فرماتے، جنھوں نے نشۂ امارت میں بدمست سلاطین اور حُکّام کی مصاحبت اختیار کر لی تھی اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تاویلات کے سہارے لے کر ہاں میں ہاں ملانا اپنا شعار بنا لیا تھا۔

# خلیفۂ وقت کے نام خط

حضورؒ اگر خلیفۂ وقت کو مکتوب ارسال فرماتے تو سیاقِ عبارت اِس طرح ہوتا:۔ "یہ مکتوب عبدالقادر کی جانب سے ہے، جو تم کو فلاں فلاں باتوں کا حکم دیتا ہے، اِس کا حُکم تم پر نافذ اور اس کی اطاعت تم پر لازم ہے، اِس لئے کہ وہ مقتدا ہے اور تم پر اُس کی حُجّت قائم ہے۔ جب یہ مکتُوب خلیفہ کو پہنچتا تو وہ اِس کو چُومتا، آنکھوں سے لگاتا اور کہتا کہ بے شک

---

[1] دیکھئے تاریخِ دعوت وعزیمت، از مولانا ابوالحسن ندوی، جلد اوّل، ص ۲۷۸، مطبوعہ کراچی۔

[2] دیکھئے اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، طبعِ اوّل، جلد ۱۲، ص ۹۳۳، مطبوعہ لاہور

حضرت نے درست فرمایا۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ غلغلہ چالیس برس بغداد کی فضاؤں میں جس عُلُوِّ مرتبت، تمکنت و وقار، اعتماد و عزم اور زور و دبدبہ کے ساتھ گونجتا رہا، اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں موجود نہیں۔ آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں یہود و نصاریٰ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، جب کہ دریائے معصیت میں غرق لاکھوں مسلمان تائب ہو کر رحمتِ حق کے مستحق ٹھہرے۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے ربُّ العزّت سے اس بات کی ضمانت لے لی ہے کہ تا قیامت میرے سلسلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بغیر توبہ کے نہیں مرے گا۔ آپ کا ارشاد ہے: یَدِی علیٰ مُرِیدِی کالسَّماءِ علیٰ الارضِ[2]۔ یعنی میرا ہاتھ مُریدوں پر اس طرح ہے، جیسے آسمان، زمین پر حاوی ہے۔

## حُلیۂ مُبارک اور سیرتِ پاک

آپ نحیفُ البدن، میانہ قد، کُشادہ سینہ، گنجان رِیش، گندمی رنگ، پیوستہ ابرُو، بلند آواز، پاک سیرت، نورانی صورت کے مالک ہونے کے ساتھ عالی مرتبہ، علم و عمل میں کامل، صاحبِ عزّت و شہرت اور خاموش طبع انسان تھے۔ دمِ گفتار آپ کے کلام کی تیزی بیان کی سحر انگیزی، سیلِ خطابت کے بہاؤ، بچے تُلے جُملوں میں لفظ و معنیٰ کے رچاؤ اور صوتی دبدبہ سے سامع کے دل پر آپ کے رُعب و جلال کی دھاک بیٹھ جاتی تھی۔ بڑے سے بڑے سخت دِل پر نگاہِ جمال پڑتی تو وہ خضوع و خشوع اور عاجزی و انکسار کا مُرقع بن جاتا؛ جامع مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق ہاتھ اُٹھا کر درگاہِ قاضیُ الحاجات میں دُعا کرتی۔

آپ کی ذاتِ اقدس اخلاقِ حَسَنہ اور اوصافِ حمیدہ کا مجموعہ تھی، عُلوم و معارف کے اِس بحرِ ناپید اکنار کی خاموشیوں پر کائنات مُہر بہ لب ہو جاتی اور اس کے تموّج پر موجودات کا

---

[1] قلائد الجواہر، ترجمہ مولانا زبیر افضل عثمانی، ص ۷۹، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔ اے جناح روڈ کراچی ء۔

[2] آپ کے محوّلہ بالا ارشادِ گرامی کا ترجمۂ منظوم از مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی ؒ ۔

بھجت اس سر کی ہے جو بہجۃُ الاسرار میں ہے    کہ فلک وار مُریدوں پہ ہے سایہ تیرا

(حدائقِ بخشش)

دل لرزاں۔ آپؒ حد درجہ رقیقُ القلب، مُنکسر المزاج، کریمُ النفس اور فیّاض تھے۔ غُرباء و طُلباء اور مساکین پر اِس قدر شفقت فرماتے کہ ہر نیاز مند یہی سمجھتا کہ حضُور اُس سے زیادہ کسی پر مہربان نہیں۔ غُرباء کے ساتھ انتہائی تواضع سے پیش آتے، اُن کی گزارشات پوری توجہ سے سماعت فرماتے اور دلجوئی کرتے؛ مصائب و شدائد پر خوش دلی سے صابر رہنا آپ کا شیوہ تھا۔ عظمت وجلال کے اِس کوہِ گراں کی شرم وحیا پر معصُومانِ جہاں کی حیاکیشیاں قربان، ایک طرف تو عجز و انکسار کا یہ عالم کہ اپنے خانگی اُمور کی انجام دہی خود فرماتے تھے اور دوسری طرف رُعب و دبدبہ کی یہ شان کہ اُمراء وخلفاء لرز لرز جاتے۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ "ایک مرتبہ نمازِ جمعہ کے موقع پر حضرتِ شیخؒ کو چھینک آگئی تو تمام لوگوں نے اتنی زور سے یَرحمكَ اللهُ کہا کہ جامع مسجد گونج اُٹھی، اُس وقت خلیفہ مُستنجد باللہ بھی مسجد میں موجود تھا، جب اُس نے گھبرا کر گونج کا سبب پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ حضرتِ شیخؒ کو چھینک آئی ہے اور حاضرین نے اُس کے جواب میں یَرحمكَ اللهُ کہا ہے، یہ سُن کر خلیفہ پر ہیبت طاری ہوگئی۔"[1]

## لباسِ مُبارک

حضُور کے لباس کے لئے دُور دراز ممالک سے نفیس کپڑا تیار ہو کر آتا، جس سے آپ عُمدہ کا لباس بنوا کر زیبِ تن فرماتے اور روزانہ بدلتے، پہلا لباس فُقَراء ومساکین میں خیرات کر دیتے، روزانہ لباس تبدیل فرمانے کی حکمت غُربا پروری تھی، تبدیلی تو محض ایک بہانہ تھا۔ عفونت سے طبعِ پاکیزہ کو سخت نفرت تھی، عبادت کے وقت خوشبو استعمال فرماتے۔

## کراماتِ غوثیہ

حضرت غوثِ پاکؒ کی کثرتِ کرامات پر تمام مؤرّخین کا اتفاق ہے، حتّٰی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام عزّالدین بن عبدالسلام جیسے متشدّد حضرات بھی اِس حقیقت کے معترف ہیں کہ حضُور کی کرامات حدِّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں[2]۔ مشہور تذکرہ نگار مفتی غلام سرور

[1] ملاحظہ ہو قلائدُ الجواہر، ترجمہ مولانا زبیر افضل عُثمانی، ص ۶۶، مطبوعہ کراچی
[2] ملاحظہ ہو تاریخِ دعوت وعزیمت، از مولانا سید ابُوالحسن ندوی، حصّہ اوّل، ص ۲۵۸، مطبوعہ مجلسِ نشریاتِ اسلام کراچی

لاہوری نے اِس روایت کو اِس طرح بیان کیا ہے :۔ باید دانست کہ خوارقِ عادات و کرامات کہ از آں سیدِ کائنات بہ وُقوع آمدہ اند، از ہیچ کدام ولی اللہ سرزد نہ گشتہ کہ در بہجۃ الاسرار و تحفۂ قادریہ، انیس القادریہ و مناقبِ غوثیہ وغیرہ مُفصّل و مُشرّح مذکور اند۔[1]
(ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ ولیِ کائنات، حضور غوثِ پاکؓ سے جس قدر کرامات ظاہر ہوئیں، وُہ کسی دُوسرے ولی اللہ سے صادر نہیں ہُوئیں، چنانچہ اِن کی تفصیل بہجۃ الاسرار، تحفۂ قادریہ، انیس القادریہ اور مناقبِ غوثیہ جیسے تذکروں میں موجود ہے۔

یہ امرِ واقع ہے کہ حضرت غوثِ پاکؓ کی کرامات کی تفصیلات سے تذکرے بھرے پڑے ہیں، مگر بقولِ مولانا سید ابوالحسن ندوی "اِن میں سب سے بڑی کرامت مُردہ دلوں کی مسیحائی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی۔ آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک بادِ بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی اور عالمِ اسلام میں ایمان و رُوحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی[2]" چنانچہ دفعِ امراضِ عامّہ، مفلوج و مجذوم اور مادر زاد نابینا کی صحت، کھجور کے خشک درختوں کا سرسبز و مثمر ہو جانا، طغیانی اور بارش کا تھم جانا، بے موسمی ثمرات کی موجودگی، مُغیبات پر اطلاع، حالاتِ مخفیہ کا اظہار، سلبِ علم، زرِ نقد کا خون ہو جانا، طیّ الارض، عذابِ قبر سے نجات، چور کا ولی ہو جانا، خبرِ موت، دُور دراز فاصلوں سے مدد کرنا، مخلوق کے ظاہر و باطن میں تصرف، جنّات پر حکم رانی، عالمِ ملکوت کے بواطن کی خبر، عالمِ جبرُوت کے حقائق کا کشف، عالمِ لاہُوت کے سربستہ رازوں کا علم، لوگوں کے نظریات کا بدلنا وغیرہ جیسی بے شمار اور مستند کرامات سے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

## اعلانِ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ[3]

حضور غوثِ پاکؓ کی کراماتِ جلیلہ کی فہرست میں یہ اعلان ایک عظیم الشّان معرکہ تسلیم

---

[1] دیکھئے خزینۃ الاصفیاء (فارسی)، از مفتی غلام سرور لاہوریؒ، ص ۹۳، سنِ طباعت ۱۲۸۴ھ
[2] دیکھئے تاریخِ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی، حصّہ اوّل، ص ۲۵۰، مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی
[3] (ترجمہ) میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

کیا جاتا ہے۔ مستند روایات میں ہے کہ جس مجلسِ وعظ میں آپؒ نے یہ اعلان فرمایا، اُس میں عراق کے قریباً تمام مقتدر مشائخ اور علماء موجود تھے، جنہوں نے اِس اعلان پر اپنی گردنیں خم کیں اور جب یہ آواز اکنافِ عالم میں پھیل گئی تو کائنات میں موجود تمام اولیاء اللہ نے اپنی اپنی گردنیں جُھکا دیں، بعض تذکروں میں تو عرب و عجم کے ایسے مشائخ کی فہرست بھی موجود ہے۔ ایک روایت کے مُطابق حرمین شریفین، عراق، شام، یمن، حبشہ، کوہِ قاف، سراندیپ اور دُنیا کے دیگر مختلف مقامات پر حضور غوثیت مآب کے اِس ارشادِ گرامی پر ۳۱۳ عظیم المرتبہ اور جلیل القدر مشائخ نے اپنی گردنیں جُھکائیں اور تمام اولیائے کرام، ابدال اور رجال الغیب نے تہنیت پیش کی، اِس لئے کہ آپ کا یہ ارشاد بہ امرِ الٰہی تھا اور متعدد مشائخ کبار اِس اعلان کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔

## تالیفات و تصنیفات

تعجب ہوتا ہے کہ درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، اِفتاء، خانقاہی تربیت اور اصلاح و تجدید کی اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ حضرتِ شیخؒ تصنیف و تالیف کی صبر آزما مشقتوں سے بھی گزرے، چنانچہ احیاءِ دین کی گراں قدر مساعی کے ضمن میں بیش قیمت اور وقیع تالیفات یادگار چھوڑیں۔ تذکروں میں مندرجہ ذیل تالیفات کے حوالے ملتے ہیں۔ دائرہ معارفؔ نے اِن کی تفصیل اِس طرح دی ہے :-

۱۔ غنیۃُ الطالبین
۲۔ الفتح الرّبانی والفیض الرحمانی
۳۔ الفیوضاتُ الربّانیہ فی الاورادِ القادریہ
۴۔ فتوحُ الغیب
۵۔ بشائرُ الخیرات
۶۔ تحفۃُ المتقین وسبیلُ العارفین
۷۔ حزبُ الرّجاء والانتہاء

---

ؔ دیکھیے اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ طبعِ اوّل، جلد ۱۲، ص ۹۳۱-۹۳۷، مطبوعہ زیرِ اہتمام پنجاب یونیورسٹی لاہور

۸۔ الرّسالۃ الغوثیہ
۹۔ الکبریتُ الاحمر فی الصّلوٰۃ علی النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم
۱۰۔ مراتبُ الوجود
۱۱۔ یواقیتُ الحِکَم
۱۲۔ معراجُ لطیفِ المعانی
۱۳۔ جِلاءُ الخاطر فی الباطن والظّاہر
۱۴۔ سرّ الاسرار ومظہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار
۱۵۔ آدابُ السّلوک والتّوصّل الیٰ منازلِ ملکِ الملوک

## حضرت غوثِ اعظمؓ کے عظیم اقوال

جیسا کہ اربابِ علم جانتے ہیں کہ غوث الثقلین، محبوبِ سُبحانی شیخ سید عبد القادر جیلانی کی حیاتِ طیبہ کا آخری دَور خصوصی طور پر خلقِ خدا کی رُشد و ہدایت کے لئے وقف رہا؛ اِسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے غلغلہ سے چالیس (۴۰) برس تک بغداد کی فضائیں گونجتی رہیں اور مخلوقِ خدا نے آپ کے مواعظِ حَسَنہ اور ارشادات و اقوال کے بیش بہا موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں؛ اگر اِن سب کو یکجا کیا جائے تو یہ ایک الگ کتاب بن سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں تبرّکاً صرف چند اقوالِ مُبارکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے؛ ربّ العزّت بارگاہِ غوثیت کے وابستگان کو اِن پر عمل پیرا ہو کر مُریدِ صادق کہلانے کی توفیق اور سعادت ارزانی فرمائے۔ آمین

آپؓ فرماتے ہیں:۔

۱۔ عِظْ نَفْسَكَ اَوَّلًا ثُمَّ عِظْ نَفْسَ غَیْرِكَ۔
(ترجمہ) پہلے اپنے آپ کو نصیحت کرو، پھر دُوسروں کو۔

۲۔ اَنْتَ اَعْمٰی کَیْفَ تَقُوْدُ غَیْرَكَ اِنَّمَا یَقُوْدُ النَّاسَ الْبَصِیْرُ۔
(ترجمہ) تم اندھے ہو کر دُوسروں کی رہنمائی کس طرح کر سکتے ہو، کیونکہ لوگوں کی رہنمائی تو صاحبِ بصیرت ہی کر سکتا ہے۔

۳۔ ذَھَابُ دِیْنِکُمْ بِاَرْبَعَۃِ اَشْیَاءَ
الاوّل: اِنَّکُمْ لَا تَعْمَلُوْنَ بِمَا تَعْلَمُوْنَ۔

الثّانی : اِنّکُمْ تَعْمَلُوْنَ بِمَا لَاتَعْلَمُوْنَ۔
الثّالث : اِنّکُمْ لَاتَتَعَلَّمُوْنَ مَالَاتَعْلَمُوْنَ۔
الرّابع : اِنّکُمْ تَمْنَعُوْنَ النَّاسَ مِنْ تَعَلُّمِ مَالَاتَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ۔ چار باتیں تمہارے دین کو برباد کردیں گی۔
پہلی : یہ کہ جس چیز کا تمہیں علم ہے، اُس پر عمل نہیں کرتے۔
دُوسری : یہ کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں، اُس پر عمل کرتے ہو۔
تیسری : یہ کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں، اُس کا علم حاصل نہیں کرتے۔
چوتھی : یہ کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں۔ دُوسروں کو اُس کا علم حاصل کرنے سے روکتے ہو۔

۴۔ نَمْ تحتَ میزابِ القَدَرِ متوسّدًا بالصّبرِ متقلّدًا بالمُوافقةِ عابدًا بانتظارِ الفرجِ فَاِذَا کُنْتَ هٰکذا صُبَّ عَلَیْكَ المقدّرُ مِن فضلهٖ و مِنّتِهٖ مَالَا تُحسِنُ تَطلُبُهٗ و تَمَنّاهُ۔

ترجمہ۔ صبر کا تکیہ لگا کر، تقدیر کی موافقت کا ہار گلے میں ڈال کر کُشادگی کے انتظار میں عبادت کرتے ہوئے میزابِ تقدیر کے نیچے آرام سے سوجا، جب تو اِس طرح ہوگیا تو اُس کے فضل و احسان سے مقدّر تجھ پر اِس طرح پلٹ دیا جائے گا، جس کی تُو طلب اور تمنا بھی نہ کرسکتا ہوگا۔

۵۔ مِن کُنُوزِ البِرِّ کتمانُ السِّرِّ و المصائبِ والامراضِ والصّدقةِ۔

ترجمہ۔ اسرار و رُموز، مصائب و امراض اور صدقے کو چھپانا، بھلائی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۶۔ تَصَدَّقْ بِیَمِیْنِكَ وَاجْتَهِدْ اَنْ لَّاتَعْلَمَ شِمَالُكَ۔

ترجمہ۔ اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتے وقت کوشش یہ کرو کہ تمہارے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

۷۔ خَالِطُوا العُلَمَاءَ بِحُسْنِ الادبِ وَ تَرْكِ الاعتراضِ عَلیهِمْ وَطَلَبِ الفائدةِ مِنْهُمْ لِیَنَالَکُمْ مِنْ عُلُوْمِهِمْ وَ تَعُوْدَ عَلیکُمْ بَرَکَاتُهُمْ۔

ترجمہ۔ عُلَما کی خدمت میں حُسنِ ادب، ترکِ اعتراض اور حصُولِ فائدہ کے لئے حاضری دو تاکہ اُن کے عُلوم و برکات سے تمہیں فائدہ پہنچے۔

۸۔ مَنْ عَرَفَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ غَابَتِ الدُّنْیَا وَالاٰخِرَةُ وَمَاسِوَی الحَقِّ

عزوجلّ عن قلبہ۔

ترجمہ۔جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تو دُنیا و آخرت اور ماسوی اللہ اُس کے دل سے غائب ہو گئے۔

۹۔ فرّغ قلبکَ ھو بیتُ الحقِ لاتدعْ فیہِ غیرہٗ۔

ترجمہ۔تیرا دل جو کہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، غیر کو اس سے نکال دے۔

۱۰۔ اِذا اَردْتَ الفلاحَ فخالِفْ نفْسکَ فِی مُوافقۃِ رَبّکَ۔

ترجمہ۔اگر تو حقیقی کامیابی چاہتا ہے تو اپنے رب کی اطاعت میں نفس کی مخالفت کر۔

۱۱۔ مَا اَجْھلَ مَنْ نَسِیَ المُسبّبَ وَ اشْتغَلَ بِالسّببِ، نَسِیَ البَاقِیَ وَفرِحَ بِالفَانِی

ترجمہ۔جو مُسبّب کو بھلا کر سبب سے مشغول ہو گیا، وہ کس قدر جاہل ہے کہ باقی کو بھول کر فانی سے خوش ہو گیا۔

۱۲۔ حقیقۃُ الفقْرِ اَنْ لَاتفْتقِرَ اِلیٰ مَنْ ھُوَ مثْلُکَ وَحقیقۃُ الغِنیٰ اَنْ تَسْتغْنِیَ عمّنْ ھُوَ مثْلُکَ۔

ترجمہ۔فقر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے جیسے (انسان) کا محتاج نہ بنے اور غنا کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے جیسے (انسان) سے مُستغنی ہو جائے۔

۱۳۔ اُتْرُکْ غَدًا اِلیٰ جنْبِ اَمْسِ لعَلَّ غدًا یَاْتِیْ وَ اَنْتَ مَیّتٌ۔

ترجمہ۔آنے والے کل کو گزشتہ کل کے پہلو میں رکھ، شاید آنے والا کل آئے اور تو زندہ نہ ہو (مطلب یہ ہے کہ فرصت کو غنیمت جان کر مستقبل کا فکر آج ہی کرنا چاہیئے)

۱۴۔ یَاغَنِیُّ لَاتَشْتغِلْ بِغِناکَ عَنْہُ لعَلَّ غَدًا یَاْتِیْ وَاَنْتَ فَقِیْرٌ۔

ترجمہ۔اے مالدار! اپنی دولت کی بنا پر آنے والے کل سے مُنہ نہ پھیر، ہو سکتا ہے کہ کل آئے اور تو محتاج ہو۔

۱۵۔ اَکْثرُ مَا یحْمِلُکَ عَلَی العَجلَۃِ، الحرصُ علیٰ جمْعِ الدُّنیا۔

ترجمہ۔زیادہ تر جو چیز تمہیں عجلت (جلدی) پر برانگیختہ کرتی ہے، وہ دنیا جمع کرنے کی حرص ہے۔

۱۶۔ اِنْ اَردْتَ اَن تکُوْنَ مُتّقِیًا، مُتوکِّلاً، دَاثِقاً فعَلیْکَ بِالصّبْرِ فَاِنّہٗ اَساسُ لِکُلِّ خَیْرٍ۔

ترجمہ۔اگر تم متقی، متوکل اور صاحب یقین بننا چاہتے ہو تو صبر پر کاربند رہو، کیونکہ صبر ہر بھلائی

کی بُنیاد ہے۔

۱۷۔ ذِکْرُ الْبَذْرِ وَالْحَرْثِ وَقْتَ حَصَادِ النَّاسِ لَا یَنْفَعُ۔

ترجمہ۔ جب لوگ فصل کاٹ رہے ہوں تو اُس وقت بیج اور کھیتی کی باتیں سُودمند نہیں ہوتیں (یعنی نتائج و ثمرات اور فیوض و برکات کے ظہور کے وقت اعمالِ صالحہ کی کوشش اور اُن کے عدمِ حصُول پر حسرت بے سُود ہے۔ بمصداق اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

۱۸۔ صُحبتُكَ لِلْاَشْرَارِ تُوقِعُكَ فِی سُوءِ الظَّنِّ بِالْاَخْیَارِ۔

ترجمہ۔ بُروں کی صُحبت تمہیں نیکوں کے ساتھ بدگمانی میں مُبتلا کر دے گی۔

۱۹۔ لَا تَغْتَرَّ بِعَمَلٍ فَاِنَّ الاعمالَ بِخَوَاتِیْمِهَا۔

ترجمہ۔ عمل پر غرُور نہ کر، کیونکہ اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔

۲۰۔ اِحْذَرْ مِنْ بَحْرِ الدُّنْیَا فَقَدْ غَرِقَ فِیْهِ خَلْقٌ كَثِیْرٌ

ترجمہ۔ دُنیا کے سمندر سے بچ کہ اس میں بہت لوگ غرق ہو گئے۔

۲۱۔ اِذَا تَكَلَّمْتَ فَتَكَلَّمْ بِنِیَّةٍ صَالِحَةٍ وَاِذَا سَكَتَّ فَاسْكُتْ بِنِیَّةٍ صَالِحَةٍ، كُلُّ مَنْ لَمْ یُقَوِّمِ النِّیَّةَ قَبْلَ الْعَمَلِ فَلَا عَمَلَ لَهٗ۔

ترجمہ۔ گفتگو اور خاموشی، دونوں سے پہلے حُسنِ نیّت کو مدِّ نظر رکھ، جو شخص عمل سے پہلے نیّت دُرست نہیں کرتا، اُس کے عمل کی کوئی وقعت نہیں۔

۲۲۔ اَلْفَقِیْرُ هُوَ الَّذِیْ لَا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

ترجمہ۔ فقیر وہ ہے، جس کے استغنا کا سبب ذاتِ باری تعالےٰ کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو (یعنی مال و دولت، اقتدار کی وجہ سے مُستغنی نہ ہو، بلکہ اُس کی استغنا کا واحد سبب ذاتِ باری سے اُس کا رابطۂ قلبی ہو)

## بعض ارشادات کا صرف اُردو ترجمہ

۲۳۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اُس کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ اپنی تمام ضروریات اللہ

---

[1] ماخوذ از الدُّرَرُ السَّنِیَّۃ فِی مَوَاعِظِ الجِیلانِیَّۃ، مصنفہ السید محمد سیف الدین الجیلانی، مطبوعہ استانبول (ترکی) سنِ طباعت ۱۳۰۲ھ

کے حوالے کرو، اُسی سے سب کچھ مانگو اور اُسی پر بھروسہ کرو۔ توحید پر مضبوطی سے قائم رہو، کیونکہ اِس پر سب کا اتفاق ہے۔

۲۴۔ بندہ جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، تو پہلے خود اُس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب ناکام ہوتا ہے، تو مخلوق سے مدد طلب کرتا ہے۔ جب ہر طرف سے نااُمید ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رُجُوع کرتا ہے؛ اُس وقت اُسے یقین ہوجاتا ہے کہ خیر و شر، نفع و ضرر اور موت و حیات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۵۔ بہادر وہ شخص ہے جس نے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک کر ڈالا اور توحید کی تلوار لے کر دل کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، تاکہ مخلوق میں سے کوئی بھی دل میں داخل نہ ہو۔

۲۶۔ دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اِس میں غیر کو ہرگز نہ آنے دو۔ دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو اور مخلوق کو کارساز سمجھنا چھوڑ دو۔

۲۷۔ جو شخص معیتِ الٰہی کا طالب ہو، اُسے چاہیئے کہ صدق کو شعار بنائے۔

۲۸۔ (کم ازکم) چالیس دن اپنے رب کے ساتھ اخلاص پر کاربند رہو، تو تمہارے دل سے تمہاری زبان پر حکمت و معرفت کے چشمے جاری ہوں گے۔

۲۹۔ جس نے صدق و اخلاص و تقویٰ کو اختیار کیا، وہ ماسوی اللہ سے منقطع ہو گیا۔

۳۰۔ ہر وُہ حقیقت، جسے شریعت رد کردے، باطل ہے۔

۳۱۔ جو شخص علم کے بغیر عبادت میں مشغول ہوا، اُس کی اصلاح پر فساد غالب ہوگا۔

۳۲۔ جو شخص علم پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے وہ عُلُوم عطا کرتا ہے، جو اُسے پہلے حاصل نہیں ہوتے۔

۳۳۔ صادق وہ ہے، جو اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے جو اقوال، افعال اور احوال میں صداقت کو پیشِ نظر رکھے۔

۳۴۔ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تم وہاں سچ بولو، جہاں تمہیں جھوٹ کے بغیر نجات نظر نہ آتی ہو۔

۳۵۔ کسی کے ساتھ محبت و عداوت رکھنے کے لئے کتاب و سُنّت سے اُس کے اعمال کی موافقت و مخالفت کو مدِّنظر رکھو۔

۳۶۔ اگر مال و دولت کے ہوتے ہوتے تم اطاعتِ الٰہی میں مصروف ہوگئے تو مال تمہارا خادم ہوگا اور تم دُنیا و آخرت میں محترم ہوگے۔

۳۷۔ جو شخص دُنیا و آخرت کی سلامتی چاہے، وہ صبر و رضا سے کام لے اور تکالیف کی شکایت مخلوق کے سامنے نہ کرے۔

۳۸۔ جان و دل سے مُنعمِ حقیقی کی نعمتوں کا اعتراف، شُکر کی حقیقت ہے۔

۳۹۔ فقیرِ صابر، غنیِ شاکر سے افضل ہے اور فقیرِ شاکر دونوں سے افضل ہے۔

۴۰۔ دُنیاداروں کے ساتھ تعزّز (بے نیازی و خودداری) سے پیش آؤ، جب کہ درویشوں کے ساتھ عجز و انکسار سے۔

۴۱۔ حرام روزی سے دل مُردہ ہو جاتا ہے، جب کہ رزقِ حلال سے دل کو زندگی ملتی ہے۔

۴۲۔ دُنیا کو دست و جیب میں رکھنا اور نیک نیّتی سے اِس کی فراہمی جائز، مگر اِسے دل میں جگہ دینا جائز نہیں۔[1]

## آنجنابؓ کی وصیّت

۴۳۔ اُوصیكَ بتقوى اللهِ وطاعتِه ولزُومِ ظاهرِ الشرعِ وسلامةِ الصّدرِ وسخاءِ النّفسِ وبشاشةِ الوجْهِ وبذْلِ النّدى وكفّ الأذى وحملِ الأذى والفقرِ وحفظِ حُرُماتِ المشائخِ والعِشرةِ معَ الاخوانِ والنّصيحةِ للاصاغرِ والاكابرِ وتركِ الخُصُومةِ والارفاقِ وملازمةِ الايثارِ ومجانبةِ الادخارِ وتركِ صُحبةِ مَنْ ليسَ مِنْ طبقتِهم والمعاونةِ فى امرِ الدّينِ والدّنيا۔ اُوصِيكَ انْ تَصْحبَ الاغنياءَ بالتّعزُّزِ والفقراءَ بالتّذلّلِ۔[2]

ترجمہ۔ مَیں تمہیں خوفِ خُدا، اُس کی اطاعت، ظاہرِ شرع کی پابندی، صفائیِ قلب، سخاوتِ نفس، کُشادہ رُوئی (خندہ پیشانی، خوش اخلاقی) فضل و کرم، ایذا رسانی کے ترک، اذیت کی برداشت، تحمّلِ فقر (بھوک)، آدابِ مشائخ کی حفاظت، بھائیوں سے حُسنِ سلوک، چھوٹوں اور بڑوں کی خیر خواہی، ترکِ خصُومت، اختیارِ نرمی، ایثار پر کاربند رہنے

---

[1] ترجمہ آپؓ کے مسطورہ بالا اقوالِ مُبارکہ فتوح الغیب اور الفتح الربّانی سے ماخوذ ہیں، جنہیں علامہ یونس ابراہیم السامرائی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور دیگر تذکرہ نگاروں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ (مصنّف)

[2] ماخوذ از الدُّرَرُ السّنیّۃ فی مواعظ الجیلانیۃ

ذخیرہ اندوزی سے اجتناب، صالحین کے علاوہ سے ترکِ ہم نشینی، دین و دُنیا کے اُمُور میں باہمی تعاون کی وصیت کرتا ہُوں۔ مَیں تمہیں یہ بھی وصیت کرتا ہُوں کہ دولت مندوں کے ساتھ خُودداری اور وقار و استغناء سے پیش آؤ، جب کہ فقراء کے ساتھ تواضع اختیار کرو۔

---

# وصالِ پُرملال

آسمانِ فقر و ولایت کا یہ مہرِ درخشاں اور سپہرِ عُلوم و معارف کا یہ نیرِ تاباں، اکانویں (۹۱) برس کی طویل مدت تک اپنی خیرہ کُن ضیا پاشیوں، بے حدّ و بے حساب فیض رسانیوں اور حیرت انگیز جلوہ سامانیوں کے بعد ۱۱۔ ربیع الثانی ۵۶۱ھ شبِ شنبہ بعد از نمازِ عشاء آب و گِل کے صُوری اُفق میں غروب ہو کر سابقہ تجلّیاتی شان اور تصرّفاتی آن کے ساتھ عالمِ اَبَد کے معنوی مطلع پر ضیا بار ہوا۔ ؎

زسازِ عافیتِ خاک می رسد آواز
کہ ساکنانِ ادب گاہِ نیستی، ہستند[1] (بیدلؒ)

آپؓ نے اپنے اِس مقام کی طرف خود بھی اِس طرح اشارہ فرمایا ہے ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

علامہ محمد بن یحییٰ تادفی حنبلیؒ لکھتے ہیں: رات ہی کو بابُ الأزج کے مدرسہ میں تدفین ہوئی اور علامہ ابنِ جوزیؒ، رات کو تدفین کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے کوچے، سڑکیں، بازار اور مکانات بھر گئے تھے، جس کی وجہ سے تدفین دن کو ممکن نہیں تھی، اِسی قسم کے احوال ابنِ اثیرؒ اور ابنِ کثیرؒ نے بھی اپنی تواریخ میں نقل کئے ہیں[2]:

## عُرسِ غوثیہ

عالمِ اسلام کا شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہو، جہاں تمام سلاسل سے تعلق رکھنے والے اُس

---

[1] ترجمہ: خاکی آرام گاہ کے سانس سے یہ آواز (پیہم) آرہی ہے کہ عالمِ نیست کی اِس ادب گاہ کے رہنے والے زندہ ہیں ہرچند کہ اُن کا آفتابِ حیات بہ ظاہر غروب ہو چکا ہے، مگر بہ باطن وہ مطلعِ بقا پر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ یہ صرف شاعرانہ نکتہ طرازی ہی نہیں بلکہ کائنات کی مسلّمہ حقیقت ہے کہ آفتاب کا ایک اُفق پر غروب، دوسرے اُفق پر اُس کے طلوع کی دلیل ہے، یہ تمام اہل اللہ کی خصوصی شان کا مظہر ہے کہ عالمِ فنا سے رُوپوش ہونے کے بعد بھی وہ بقائے دوام کے عالم میں ظہور پذیر ہیں۔

[2] دیکھئے قلائدُ الجواہر (مصنفہ علامہ محمد یحییٰ تادفیؒ) ص ۶۷، مطبوعہ کراچی

شاہبازِ لامکانی اور سلطانِ اقلیمِ روحانی کا یومِ وصال، ہر سال کمالِ عقیدت و محبت اور تزک و احتشام سے نہ مناتے ہوں۔ ایصالِ ثواب کی محفلیں برپا ہوتی ہیں۔ نیازمندانِ شیخ غرباء و مساکین میں کھانے تقسیم کرتے ہیں، خانقاہوں میں جشن کا سماں ہوتا ہے؛ جہاں علمائے کرام احوال و آثار اور مناقبِ غوثیہ کے بیان کے ذریعے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، وہاں اربابِ محبت مجالسِ سماع منعقد کرکے ہجر و فراق کے سوختہ سامانوں کے لئے رُوحانی آسودگی کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور یہی تقریبِ سعید عُرفِ عام میں گیارھویں شریف یا عُرسِ غوثیہ کہلاتی ہے۔

## حضرت غوثِ پاکؓ کے مشہورِ زمانہ القاب

جہانِ حُسن و محبت اور ارادت و عقیدت کی نیرنگیاں عجیب اور اِس کی رسمیں بلا شُبہ جغرافیائی سرحدوں کی قیود سے آزاد ہوتی ہیں۔ محبوب کی ہر ادا اور اُس کے ہر شیوہ و انداز کی مناسبت سے مُحب اُسے ایک نئے نام سے پُکار کر تسکینِ قلب کا سامان فراہم کرتا ہے۔ تصرّفاتِ غوثیہ کی بنا پر دُنیا کے مُختلف حصّوں میں ارادت مندانِ غوثِ پاکؓ، آپ کو نہ معلوم کن کن ناموں سے یاد کرتے ہوں گے، جیسا کہ اکابر کے ہدیۂ عقیدت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز چشتی نظامی بریلویؒ (م ۱۲۵۰ھ) کہہ اُٹھے کہ ؎

شاہبازِ لامکانی، مظہرِ ربِّ قدیر
حضرتِ محبُوبِ سُبحانی، شہِ پیرانِ پیر

(وہ مُسلّمہ اور مشہورِ زمانہ القاب، جو صرف آپ ہی کی ذات سے مخصوص ہیں)

غوثِ اعظم ○ غوثِ پاک ○ پیرانِ پیر
پیرِ دستگیر ○ محبُوبِ سُبحانی ○ شاہِ جیلاں
غوثِ صمدانی ○ میراں محیُ الدین ○ غوث الثقلین
گیارھویں والے پیر ○ سرکارِ بغداد ○ شہنشاہِ بغداد

# حضرت غوثِ پاکؓ کا شجرۂ نسب

قارئین کرام! گزشتہ صفحات میں حضور غوثِ پاکؓ کی سیادت کو مشکوک بنانے کے ضمن میں مُعاندین کی شر انگیزیوں، فتنہ پردازیوں اور علمی بد دیانتیوں کا اجمالی ذکر گزرا ہے بمصداق ع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم، حاسدین کی کن کن شقاوتوں کا رونا رویا جائے۔ نجم الحسن کرّاروی اپنی تالیف چودہ ستارے میں حضور کی سیادت کے انکار اور اُنہیں فاروقی ثابت کرنے میں ایک رسالے صوفی کا کمزور سہارا لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسالہ صوفی جو بسرپرستیٔ خواجہ حسن نظامی منڈی بہاء الدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا تھا، اس میں ۳۲ء جلد ۳، ص ۷ پر لکھا ہے: "سوم پیرِ طریقت حضرت خواجہ محی الدین عبد القادر جیلانی ہیں، ولایت آپ کی قدم بہ قدم حضرتِ عیسیٰؑ کے ہے، سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق تک پہنچتا ہے"۔[1] یقیناً رسالہ صُوفی کے مضمون نگار کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ نسب والد کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ والدہ کی جانب سے۔ اِس لئے کہ حضور غوثِ پاکؓ کا سلسلہ والدہ محترمہ کی طرف سے نہ صرف حضرت فاروقِ اعظمؓ سے ملتا ہے، بلکہ باقی دو خلفائے راشدینؓ تک بھی پہنچتا ہے، جس کا تفصیلی ذکر ابھی ہم کریں گے۔ اگر اُن کے نزدیک سیادت سے انکار کا سبب یہی ہو سکتا ہے تو پھر ایک بڑی مشکل یہ پیش آئے گی کہ حضرت امام جعفرؓ کی سیادت بھی محلِ نظر ہو جائے گی، اِس لئے کہ وہ بھی حضرت صدیقِ اکبرؓ کی پڑپوتی اُمِ فروہ کے صاحبزادے ہیں، جس کا اقرار خود کرّاروی صاحب نے اپنی اِسی تالیف کے ص ۳۴۵ پر کیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں کرّاروی صاحب اُنہیں سیادت سے نکالنے کی جسارت کر سکیں گے؟ اُن کی غلط فہمی کا سبب یہی ہے کہ والدہ ماجدہ کی جانب سے آپ کا تعلق خلفائے ثلاثہ سے بنتا ہے۔

ہم نے آپ کے صحیح النسب سیّد ہونے اور آپ کے دیگر فضائل و کمالات کے سلسلے میں دو سو گیارہ (۲۱۱) معتبر کتابوں کی فہرست بطورِ ضمیمہ شاملِ کتاب کر دی ہے، جب کہ کرّاروی صاحب نے اپنے موقف کے ثبوت میں صرف دو (۲) کتابوں کا سہارا لیا ہے، جن میں ایک رسالہ صوفی بھی شامل ہے، اگرچہ کسی امر کے ثبوت کے لئے کتابیات کی اِتنی بڑی

---

[1] دیکھئے چودہ ستارے، از نجم الحسن کرّاروی، ص ۲۰۴، مطبوعہ لاہور

تعداد بہت کافی ہے، تاہم اگر مزید جستجو اور تحقیق سے کام لیا جائے اور مشہور بین الاقوامی کُتب خانوں کی چھان بین کی جائے تو ہمارے خیال میں حضور غوثِ پاکؓ کے احوال و آثار اور فضائل و مناقب پر مختلف زبانوں میں کتابوں کی فہرست ہزاروں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

بہرحال آپ کا مُستند شجرۂ نسب یہاں درج کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین، بدخواہوں کی فریب کاریوں سے آگاہ ہو سکیں۔ علامہ رشید رضا نے لکھا ہے کہ انساب اور تاریخ کے متاخرین عُلماء میں سے تقریباً ستر (۷۰) مصنّفین نے حضرت عبدالقادر جیلانیؓ کو حسنی الاصل سادات میں شمار کیا ہے اور اُن کے درج ذیل شجرۂ نسب کی تصدیق کی ہے:۔ ابُو محمد عبدالقادر محی الدین بن ابی صالح موسٰی جنگی دوست بن عبداللہ (المکنّٰی بابی عبداللہ ایضاً) بن یحیٰی الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسٰی بن عبداللہ بن موسٰی الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنّٰی بن الحسن السبط بن الامام علیؓ۔ النجوم الزاہرہ، ج ۵، ص ۳۷۱ پر ابن تغری بردی نے بھی بعینہٖ یہی شجرہ درج کیا ہے، والدہ کی طرف سے اُن کے حُسینی الاصل ہونے کی تصریح داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء کے صفحہ ۴۳ پر کی ہے[1]

# غوثِ پاکؓ کا اتّصالِ نسب

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ کے نسب کے سلسلے میں جامع السامرائیؒ کے مشہور امام و خطیب علامہ یونس الشیخ ابراہیم السامرائی مُستند کُتبِ سیرت و تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔ اسمه ولقبه هو السيّد السّند القطب الاوحد وشيخ الاسلام زعيم العلماء وسلطان الاولياء قطب بغداد والباز الاشهب سيّدی ابو صالح محی الدين عبدالقادر الكيلانی الحسنی اباً والحسينی اُمّاً والحنبلی مذهباً رضی الله عنه وارضاه[2]

## ۱۔ نَسَبُهٗ مِنْ جِهَةِ اَبِيْهِ

هو عبدالقادر بن ابی صالح موسٰی بن عبدالله بن يحيٰی الزّاهد بن محمّد بن

---

[1] ملاحظہ ہو اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ۹۲۸، مطبوعہ زیرِ اہتمام پنجاب یونیورسٹی لاہور

[2] دیکھئے الشیخ عبدالقادر الکیلانی حیاته وآثاره، از علامہ سامرائی، ص ۱، مطبوعہ مطبعۃ الامّہ (بغداد)

داؤد بن موسٰی بن عبداللہ بن موسی الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنّٰی بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ترجمہ) والدِ ماجد کی طرف سے آپ کا نسب :۔ وہ یہ ہے :۔ عبدالقادر بن ابو صالح موسٰی بن عبداللہ بن یحیٰی الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسٰی بن عبداللہ بن موسی الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنّٰی بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## ۲۔ نَسَبُهٗ مِنْ جِهَةِ اُمِّهٖ

والدتہ الکریمۃ ھی اُمّ الخیر اَمَۃ الجبار فاطمۃ بنت السیّد عبداللہ الصومعی الزاھد بن الامام ابی جمال الدین السیّد محمد بن الامام السیّد محمود بن الامام ابی العطاء عبداللہ بن الامام کمال الدین عیسٰی بن الامام السیّد ابی علاء الدین محمد الجواد بن علی الرضا بن الامام موسی الکاظم بن الامام جعفر الصادق بن محمد الباقر بن الامام علی زین العابدین بن الامام الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم۔

(ترجمہ) والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا نسب :۔ آپ کی والدہ ماجدہ اور وہ اُمُّ الخیر اَمَۃُ الجبار فاطمہ بنت السیّد عبداللہ الصومعی الزاہد بن ابی جمال الدین السیّد محمد بن الامام السیّد محمود بن الامام ابی العطاء۔ بن عبداللہ بن امام کمال الدین عیسٰی بن امام السیّد ابی علاء الدین محمد الجواد بن علی الرضا بن امام موسٰی کاظم بن امام جعفر الصادق بن محمد الباقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔

## ۳۔ اِتّصال نَسَبِهٖ بِسَیّدِنَا اَبِی بَکْرِنِ الصِّدِّیقؓ

ویتّصل نسب السیّد عبدالقادر بسیّدنا ابی بکر الصّدّیق وذٰلك ان والدۃ والد الشیخ عبدالقادر اسمھا اُمّ سلمۃ کریمۃ بنت الامام محمد بن الامام طلحہ بن الامام عبداللہ بن الامام عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصّدّیق رضی اللہ عنہ۔ (ترجمہ) آپ کا نسب حضرت صدیقِ اکبرؓ سے یوں ملتا ہے کہ آپ کے والدِ ماجد کی والدہ جن کا اسمِ گرامی اُمِّ سلمہ ہے، وہ امام محمد بن امام طلحہ بن امام عبداللہ بن امام عبدالرحمٰن بن

ابی بکر الصدیق کی صاحبزادی ہیں۔

## ۴۔ اِتّصالُ نَسَبِہٖ بِسَیّدِنا عُثمان ابنِ عفّانؓ

ویتّصلُ نسب الشّیخ عبدالقادر بسیّدنا امیرالمؤمنین عثمان ابن عفّانؓ وذٰلک انّ عبداللہ المحض جدّ التاسع للشّیخ عبدالقادر لُقِّبَ بالمحض لانّ لفظ محض یطلق علی الخالص من کلّ شیٔ و سیّدنا عبداللہ خالص من الموالی من جہۃِ الاُمِّ والاب فَلُقِّبَ بہٖ لانّ اباہ سیّدنا الحسن المثنّٰی بن سیّدنا الحسن بن علی بن ابی طالب واُمّہ فاطمۃ بعد وفاۃ ابیہ تزوّجہا السیّد عبداللہ المطرّف بن عمر بن سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہؓ۔

*ترجمہ۔ حضرت عثمان غنیؓ سے آپ کا نسب یوں ملتا ہے: حضرت عبداللہ المحض جو حضرت غوثِ پاکؓ کی نویں پشت میں جد ہیں، آپ محض کے لقب سے مشہور ہیں، کیونکہ محض کا لفظ خالص چیز پر بولا جاتا ہے اور عبداللہ بھی ماں باپ دونوں کی طرف سے خالص ہیں؛ اس لئے کہ آپ کے والدِ ماجد حسن مثنّٰی بن سیّدنا حسن بن سیّدنا علی بن ابی طالب ہیں اور آپ (عبداللہ المحض) کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت فاطمہ بنت حسینؓ، یہ دونوں حضرات غلامی اور کسی کے آزاد کرنے کی نسبت سے خالص ہیں، جو موالی کے معنی ہیں، اور یہی حضرت فاطمہ سیّدنا عبداللہ المحض کے والد یعنی حضرتِ حسن مثنّٰی کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ کے نکاح میں آئیں، جو سیّدنا عثمانؓ کے پوتے ہیں۔*

## ۵۔ اِتّصالُ نَسَبِہٖ بِسَیّدِنا عُمَر بن الخطّابؓ

ویتّصل نسب الشّیخ عبدالقادر بسیّدنا امیرالمؤمنین عمر بن الخطّابؓ

---

[۱] دیکھئے الشّیخ عبدالقادر الکیلانی حیاتہ و آثارہ: از علّامہ یونس الشیخ ابراہیم السامرائی، ص ۲۔ مطبوعہ مطبعۃ الامّۃ بغداد

[۲] صاحبِ بہجۃ الاسرار نے عبداللہ کے ساتھ مُطرّف کا لقب بھی لکھا ہے، جس کے معنی صاحبِ حُسن وجمال کے ہیں (ملاحظہ ہو بہجۃ الاسرار (عربی)، ص ۸۹، مطبوعہ مصر)

وذٰلك انّ عبدالله المطرّف المتقدّم ذكرهٗ والدتهٗ الكريمة اسمها حفصة كريمة بنت عبدالله بن سيّدنا عمر بن الخطّاب فعلٰى هٰذا يكون نسبُ سيّدنا عبدالقادر الكيلانى لهٗ اتّصالٌ بسيّدنا الصّدّيق و بسيّدنا الفاروق و بسيّدنا ذى النّورين و بسيّدنا الحسن و بسيّدنا الحسين رضى الله عنهم۔

ترجمہ۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ سے آپ کا نسب یوں ملتا ہے: عبداللہ جن کا ذکر اُوپر گزرا، اُن کی والدہ جن کا نام سیّدہ حفصہؓ ہے، وہ حضرت عبداللہ کی بیٹی ہیں اور جنابِ عبداللہ حضرت فارُوقِ اعظمؓ کے حقیقی صاحبزادے ہیں؛ پس مسطورہ طریقوں سے حضرت غوثِ پاکؒ کا نسب جناب صدّیقِ اکبرؓ، جناب فارُوقِ اعظمؓ اور جنابِ عثمانِ غنیؓ سے بھی ملتا ہے۔

## ایک تاریخی حقیقت

جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا، چونکہ حضرت امام حسینؓ کی حقیقی بہن سیّدہ اُمِّ کلثومؓ، حضرت فارُوقِ اعظمؓ کے نکاح میں آئیں، اِس لیے بعض لوگوں نے اِس رشتے کی بنا پر حضرت عُمر فارُوقؓ کی اولاد کو بھی سیّد کہنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک صاحب نے حضرت شیخ فریدالدّین مسعود گنج شکر قدّس سرّہٗ کو جو صحیح النّسب فارُوقی ہیں، سیّد ثابت کرنے کی سعی ناکام کی اور اِس کا نام بھی سیادتِ فریدی رکھا۔ اگر اُن کے دلائل کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر سیّدہ زینبؓ کی اولاد کیوں سیّد نہیں کہلا سکتی؟ عُلمائے سَلَف کا اِس امر پر اتّفاق ہے کہ سیّدہ زینبؓ اور سیّدہ اُمِّ کلثومؓ کی اولاد کا نسب عام قاعدے کے مطابق باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے۔ اِسی طرح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن دو صاحبزادیوں کی اولاد کا نسب بھی، جو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانِ غنیؓ کے نکاح میں آئیں، حضرت عثمانِ غنیؓ ہی سے چلتا ہے نہ کہ ماؤں کی طرف سے۔ یہ خصوصیت سیّدہ فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا کے لیے ہے کہ آپ کی اولاد کا نسب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] اِس کی تفصیلی بحث اِس کتاب میں تاریخی شواہد کے ساتھ بعنوان ابدِ زمانی سے رشتۂ نسبی منقطع نہیں ہوجاتا، گزر چکی ہے۔

چلتا ہے نہ کہ حضرت علیؓ سے۔

## شیخ محمد الصبّان کی روایت

مشہور مصری محقق علامہ شیخ محمد الصبانؒ[1]، حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کے الرِّسالۃُ الزَّینبیّۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:- لکن ذکروا من خصائصہٖ صلّی اللہ علیہ وسلّم انّہٗ یُنسب الیہ اولادُ بنتہٖ فاطمۃ ولم یذکروا مثلَ ذٰلک فی اولاد بنت بنتہٖ لجری الامر فیھم علی قاعدۃ الشّرع فی انّ الولدَ یتبع اباہ فی النّسب لا اُمّہٗ ولھذا اجری السّلفُ والخلفُ علی انّ ابنَ الشّریفۃِ لا یکون شریفًا اذ لم یکن ابوہ شریفًا فاولاد فاطمۃَ یُنسَبُوْنَ الیہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم واولاد الحسن والحسین یُنسَبُوْنَ الیھما والیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم واولاد اُختیھما زینب واُمّ کلثوم یُنسَبُوْنَ الی اَبَوَیہم عبدِ اللہ بن جعفر وعُمر بن الخطّاب لا الی الاُمِّ ولا الی ابیھما صلّی اللہ علیہ وسلّم لانّھم اولادُ بنتِ بنتہٖ لا اولادُ بنتہٖ والدّلیلُ علی تلک الخُصُوصیّۃِ المذکورۃِ ما قدّمناہ سابقًا من قولہٖ صلّی اللہ علیہ وسلّم لکُلِّ بنی اُمٍّ عَصَبَۃٌ الّا وُلْدَ فاطمۃَ فَاَنَا ولیّھُم وعَصَبَتُھُم وانّما خصَّ صلّی اللہ علیہ وسلّم اولاد فاطمۃَ دُوْنَ غیرِھا من بقیّۃِ بناتہٖ لِاَفضلیّتِہا ولِاَنّھُنَّ لم یُعَقِّبْنَ ذَکَرًا، ای ذا عَقَبٍ حتّٰی یکونَ کالحسنِؓ والحسینؓ فی ذٰلک[2]۔

ترجمہ:- لیکن اُنہوں (علماء) نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ذکر کیا ہے کہ آپ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمہؓ کی اولاد آپؐ ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور حضرت فاطمہؓ کی بیٹی کی اولاد کے لئے اِس قسم کا ذکر نہیں کیا، پس سیّدہ فاطمہؓ کے نواسوں

---

[1] آپ مصر کے نامور محقق اور اپنے عہد کے ممتاز ترین عالم دین تھے آپ کا پورا نام محمد بن علی المصری الحنفی، کنیت ابوالعرفان اور الصبان کے لقب سے مشہور تھے، آپ نے سن ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی (دیکھئے ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، مؤلفہ اسماعیل پاشا البغدادی، جلد ثانی، ص ۳۴۹، مطبوعہ بیروت، سن طباعت ۱۹۵۵ء)

[2] دیکھئے اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار، ص ۱۸۸، مطبوعہ مصر، سن طباعت ۱۳۰۶ھ

اور نواسیوں وغیرہم پر شریعتِ مطہرہ کا یہی عمومی قاعدہ لاگو ہوگا، جس میں اولاد بلحاظِ نسب صرف اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے۔ ماں کے نہیں اور اسی لئے سلف وخلف کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ ایک سید زادی کی اولاد اُس وقت تک سید نہیں کہلا سکتی، جب تک اُس کا باپ سید نہ ہو، پس سیدہ فاطمہؓ کی اولاد کی نسبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے اور حسنین علیہما السلام کی اولاد کو حسنینؓ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور حسنین کریمینؓ کی بہنوں، سیدہ زینبؓ اور سیدہ اُمِ کلثومؓ کی اولاد کو اپنے باپ عبداللہ بن جعفر اور عمر بن خطابؓ کی طرف منسوب کیا جائے گا، نہ کہ اپنی ماؤں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، جو حضرت فاطمہؓ کے توسط سے زینبؓ اور اُمِ کلثوم کے والدِ گرامی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اولاد رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی (یعنی نواسی) کی ہے نہ کہ آپ کی اپنی بیٹی کی اور اس خصوصیت پر دلیل وُہ ہے، جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا اور وہ آپؐ کی یہ حدیث ہے کہ: ہر ماں کی اولاد کا ایک جدی ولی ہوتا ہے، مگر فاطمہؓ کی اولاد اس عمومی حکم سے مستثنٰی ہے؛ میں ان کا عصبی (جدی) ولی ہوں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ کی افضلیت کے سبب آپ کی اولاد کو خصوصیت بخشی؛ نیز اس لئے کہ دوسری صاحبزادیوں (زینبؓ، رقیہؓ، اُمِ کلثومؓ) نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تاکہ وہ حسنؓ اور حسینؓ کی طرح اس فضیلت میں شامل ہو سکتی۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے مذکورہ بالا تفصیلی تبصرے سے یہ بات کھُل کر سامنے آگئی کہ سید صرف وہی کہلا سکتے ہیں، جو حضرت فاطمہؓ یا حسنینؓ کی صلبی اولاد سے ہوں، سیدہ فاطمہؓ کی دو صاحبزادیاں اگرچہ ذُریتِ رسول میں شامل ہیں، تاہم جو خصوصیت از رُوئے حدیث سیدہ فاطمہؓ کو حاصل ہے، اُس میں اُن کا کوئی سہیم و شریک نہیں، لہٰذا حضرتِ زینبؓ اور حضرتِ اُمِ کلثومؓ کی اولاد بجائے ماں کے اپنے اپنے باپ کی طرف منسوب کی جاتی گی؛ پس جو نسب باپ کا ہوگا، وہی اولاد کا ہوگا، جیسا کہ عام شرعی قاعدہ ہے پس حضرت فاروقِ اعظمؓ کی وہ اولاد، جو سیدہ اُمِ کلثومؓ کے بطن سے پیدا ہوئی، وہ فاروقی یا قریشی تو کہلا سکتی ہے، مگر سید نہیں۔

## حضرت گنج شکرؒ کی سیادت کا معاملہ

چونکہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (م ۶۶۴ھ) بروایاتِ صحیحہ حضرت فاروقِ اعظمؓ

کی اولاد سے ہیں، اس لئے آپؒ بھی فاروقی یا قریشی ہی کہلائیں گے، سید نہیں۔ اس طرح سیادتِ فریدی کے مصنف کی ساری کوشش و کاوش اکارت گئی، کیونکہ سیادتِ فریدی کے مصنف یا کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ علم الانساب کے اساسی اصولوں کو بدل دے۔ ہاں اگر کسی حدیثِ پاک میں یہ ارشاد ہوتا کہ اُمِ کلثومؓ اور زینبؓ کی اولاد کا جدّی ولی بھی میں ہوں، جیساکہ سیدہ عالمؓ اور حسنینؓ کے لئے ارشاد ہوا تو اہلِ ایمان حدیثِ نبوی کے تحت کسی فاروقی النسل یا قریشی النسب کو بھی سید کہہ سکتے تھے، مگر ایسا نہ ہوا۔

ہم اس کتاب میں مستند حوالوں کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی ایک صاحبزادی حضرت علی احمد صابر کلیریؒ اور دوسری حضرت مولانا سید بدر الدین اسحٰق دہلویؒ کے عقد میں دی، یہ دونو حضرات صحیح النسب سید تھے۔ غیر سید مشائخ سلف نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا اتنا لحاظ رکھا ہے کہ بہت کم کسی سیّدہ سے اُن کے نکاح کا ثبوت ملتا ہے، مگر بیٹیاں نکاح میں دیں، جیساکہ حضرت بابا فرید قدس سرّہٗ نے کیا۔

مولانا محمد زکریا صاحب اپنی تصنیف تاریخِ مشائخِ چشت میں حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ (م ۶۹۰ھ) کے نسب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ "نسباً حسنی سید ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: خواجہ علاء الدین بن شاہ عبدالرحیم عبدالسلام بن شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ"۔[1] گویا آپؒ حسنی سید ہونے کے ساتھ حضرت پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ کے پڑپوتے بھی ہیں؛ بہ الفاظِ دیگر حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ گیلانی سید تھے۔

بہرحال ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اِس کتاب (نام و نسب) کے آخر میں دی جانے والی طویل فہرستِ کتُب میں سے حضرت غوثِ پاکؒ کے نسب سے متعلق عبارات مع ترجمہ نقل کی جائیں تو یہ کتاب کئی ہزار صفحات پر پھیل جاتی، اِس لئے صرف کتابوں کے نام گِنوا دیئے گئے تاکہ عارضۂ تشکیک میں مبتلا اور ذوقِ تحقیق رکھنے والے خود ان کا مطالعہ کرلیں۔ یہاں آخر میں علامہ سامرائیؒ جیسے محقق کی کتاب میں سے صرف چند سطُور کی نقل پر اکتفا کیا گیا ہے اور اُن کی نقل کی ایک وجہِ خاص یہ تھی کہ جو لوگ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کو امیرالمومنین حضرت

---

[1] دیکھئے تاریخِ مشائخِ چشت (اردو) مؤلفہ مولانا محمد زکریا، ص ۱۸۰، مطبوعہ نشریاتِ اسلام کراچی، سِنِ طباعت ۱۳۹۶ھ

سیدنا عمر فاروقؓ کی اولاد سے بتاتے ہیں، یہ بات اُن کے علم میں باعثِ اضافہ قرار پا سکے کہ آپؓ کا نسب باپ کی جانب سے حضرت فاروقِ اعظمؓ سے نہیں ملتا، بلکہ عبداللہ المُطَرَّف کی والدہ ماجدہ کی طرف سے ملتا ہے، جو حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں۔ جو لوگ حضرت غوثِ پاکؓ کے نسب کو حضرت فاروقِ اعظمؓ تک محدود سمجھتے ہیں، اُن کو یہ بتانا مقصود ہے کہ مختلف واسطوں سے آپ کا رشتہ اصحابِ ثلاثہؓ[1] سے بھی ملتا ہے اور یہ کوئی تعجب افزا امر نہیں۔ آخر حضرت امام جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) کی والدہ ماجدہ اُمِّ فروہ بھی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی پڑپوتی تھیں[2]۔ اِس رشتے سے امام جعفر صادقؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے بھی ہوتے ہیں؛ یہی صورتِ حال یہاں بھی ہے۔ چونکہ نسب باپ کی جانب سے چلتا ہے، لہٰذا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ، حضرت امام حسنؓ کے صحیح النسب فرزند ہیں۔ اِس کتاب میں ہمارے پیش کردہ ناقابلِ تردید حقائق و شواہد کے بعد بھی اگر کوئی دریدہ دہن حاسدِ جاہل محض اپنی خُوئے بُغض و عناد اور دُوں فطرتی کی بنا پر آپ کے نجیب الطرفین سید ہونے میں کسی قسم کی حرف زنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ حضرت غوثِ پاکؓ کی ذاتِ جلیلہ تو درجِ ذیل شعر کی مصداق ہے ؎

کرا رسد کہ کُند عیب چہرۂ پاکت
کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگِ گُل چکد، پاکی[3] (حافظ شیرازیؒ)

قارئینِ کرام! اب تو آپ کو یقیناً کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ شیعہ کو حضرت غوثِ پاکؓ کے نام سے کیوں چڑ اور بیر ہے، جس ذاتِ گرامی میں اصحابِ ثلاثہؓ کی نسبتیں بھی خوش قسمتی سے اکٹھی ہو گئی ہوں، بھلا اُس سے یہ گروہ کیسے محبت کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ خود اصحابِ ثلاثہؓ کے بارے میں جو زہر اُگلتا ہے، اُس سے کون واقف نہیں؟ لیکن یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت غوثِ پاکؓ سے شیعہ کی وجہِ خصومت اور آپؓ کو سید نہ تسلیم کرنے کا سبب

---

[1] اصحابِ ثلاثہ سے راقم الحروف کی مُراد حضرت صدیقِ اکبرؓ، حضرت فاروقِ اعظمؓ اور حضرت عثمانِ غنیؓ ہیں۔

[2] دیکھیے خزینۃ الاصفیاء (فارسی) از مفتی غلام سرور لاہوریؒ، ص ۲۷، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۲۸۴ھ

[3] ترجمہ: کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ تیرے چہرۂ پاک پر عیب لگانے کی (ناپاک) جرأت کرے، کیونکہ تیری مثال تو اُس پاک قطرۂ شبنم کی سی ہے، جو پھول کی (معصوم) پتی پر گرتا ہے۔

اگر یہی ہے کہ آپؓ میں اصحابِ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبتیں بھی ہیں؛ تو پھر انہیں بتانا ہوگا کہ وہ حضرت امام جعفر صادق کو سید کیوں تسلیم کرتے ہیں اور آپؓ سے دشمنی کیوں نہیں کرتے؟ آخر آپ (امام موصوفؓ) کی والدہ ماجدہ بھی تو حضرت صدیقِ اکبرؓ کی حقیقی پڑپوتی ہیں، اگر شیعہ کے نزدیک خالص سید ہونے کا یہی معیار ہے کہ سید کی والدہ بھی سید زادی ہونی چاہیئے؛ تو حضرت امام جعفر صادقؓ کے متعلق اُن کی کیا رائے ہوگی؟ اگر حضرت امام جعفر صادق، حضرت صدیقِ اکبرؓ کی طرف نسبی انتساب کے باوجود عالی نسب سید اور لائقِ تعظیم و تکریم ہو سکتے ہیں، تو حضرت غوثِ پاکؓ ہی کی ذات سے یہ خصوصی خصومت چہ معنی دارد؟

حضرت امام جعفر صادقؓ کی والدہ ماجدہ کا نسب یہ ہے:- وأُمّهُ أُمُّ فَرْوَةَ بنت القاسم بن محمّد بن ابی بکرِ الصّدّیق فکان یقول ولدنی الصدّیق مرّتَینِ ذکرہُ المناوی فی الطبقات[1]۔

ترجمہ۔ آپ کی والدہ اُمِّ فَرْوَہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے تھے: مجھے صدیقِ اکبرؓ نے دو بار جنا (انتہیٰ) یعنی ایک اس لحاظ سے کہ آپ کی والدہ (اُمِّ فَرْوَہ) حضرت صدیقِ اکبرؓ کی پڑپوتی ہیں اور دُوسرے اِس وجہ سے کہ امام جعفرِ صادقؓ کے نانا جناب قاسمؓ، حضرت صدیقِ اکبرؓ کے پوتے تھے۔

بارگاہِ غوثیت میں کسی عارف نے اِن الفاظ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے ؎

این بارگہِ حضرتِ غوث الثقلین است　　نقدِ کرمِ حیدرؓ و نسلِ حَسَنَینؓ است
مادرش حُسینی نسب است و پدرِ اُو　　زَ اولادِ حَسَنؓ، یعنی کریمُ الابَوین است[2]

ایک مرتبہ دورانِ سفر ایک کٹر قسم کے مولائی شیعہ سے ملاقات کا اتفاق ہوگیا۔ کہنے لگے: آپ کا کلام بحضورِ امامؓ، ملکی جرائد، ریڈیو اور پھر کئی مرتبہ ٹی وی پر دیکھنے اور سُننے کا

---

[1] دیکھئے نورُ الابصار (عربی)، از علامہ شبلنجی مصری شافعیؒ، ص ۱۳۱، مطبوعہ مصر

[2] ترجمہ۔ اے مخاطب! یہ محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بارگاہِ عالیہ ہے۔ آپؒ، سیدنا علی المرتضیٰ کے طُلبِ اطہر کا سرمایہ اور جناب حسنؓ و حسینؓ کی نسلِ پاک سے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ، جناب امام حسینؓ کے نسب سے اور آپ کے والدِ گرامی، سیدنا امام حسنِ مجتبےٰؓ کی اولاد و اجداد سے ہیں، گویا اِن دو مذکورہ عالی نسبتوں کے لحاظ سے حضرت غوثِ پاکؓ کریم الابوین یعنی نجیب الطرفین سید ٹھہرے۔

موقع ملا ۔ امامِ حسینؓ سے آپ کی عقیدت قابلِ رشک ہے ۔ مَیں نے کہا: قبلہ! اِس گھرانے سے عقیدت و محبّت تو ہر کلمہ گو کا اخلاقی فریضہ ہے؛ ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تو محبّت کرے، مگر آپ کی اولاد سے بُغض رکھے ۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو کیا حضور علیہ السلام اُس سے خوش ہوں گے؟ ہرگز نہیں ۔ اِس لئے کہ دُنیا کا عام دستور ہے کہ اگر کسی کی اولاد کو تکلیف پہنچائی جائے ۔ یا اُس کی بے عزّتی کی جائے تو کوئی باپ اپنی اولاد کے حق میں ایسا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا؛ کیونکہ وہ اُس کے جگر پاروں کے دُشمن ہیں ۔ یہ بات کیسے تسلیم کر لی جائے کہ بنوُ اُمیہ نے جو سُلوک کربلا میں اور عبّاسی خُلفاء نے اپنے عہدِ سلطنت میں اہلِ بیتِ رسول سے روا رکھا، اُس سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچی ہوگی؟ آپ کے بیٹے سے اگر کوئی خُدا واسطے کا بَیر رکھے اور اُسے اذیت پہنچائے تو خدا لگتی کہیے کہ اُس کے لئے آپ کے جذبات کیا ہوں گے؟ ثابت ہوا کہ جو لوگ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت اور عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر آپؐ کی اولاد کے خلاف اپنے دل میں بُغض و عناد رکھتے اور اُن سے محبّت نہیں کرتے، ایسے بدبخت اپنے دعویٰ میں یکسر کاذب ہیں ۔ مَیں نے مزید کہا کہ یہی حال خلفاءِ ثلاثہؓ کا ہے، اِن کی توہین اور ان کے حق میں یاوہ گوئی کرنے والوں کو بھی سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دوست نہیں رکھ سکتے ۔

## سیّد کہلانے کا مُستحق کون؟

وہ صاحب کہنے لگے: یہ تو بجا ہے کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، مگر جو معرکہ جناب حسینؓ نے میدانِ کربلا میں سر کیا، اِس لحاظ سے تو حضرتِ حسینؓ ہی سیّد کہلانے کے زیادہ مُستحق ہیں ۔ مَیں نے کہا: یہ درست نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بطنِ سیّدہ زہرؓا سے جو اولاد پیدا ہوئی، وہ سیّد کہلائے گی؛ مگر وہ اپنی بات پر مُصر رہے ۔ مَیں اُن کی اِس بے تُکی ہٹ دھرمی کے پس منظر کو بھانپ گیا تھا ۔ وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ اولادِ حسنؓ، سیّد کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتی، چونکہ تمہارے (یعنی میرے) جدِّ اعلیٰ حضرت غوثِ پاکؓ حَسَنیُّ النّسب ہیں، اِس لئے وہ سیّد نہیں ۔ آپ نے دیکھا کہ صرف جناب غوثِ پاکؓ کو غیر سیّد ثابت کرنے کے لئے موصوف نے حضرت امام حسنؓ ہی کو دائرۂ سیادت سے خارج کر دیا، گویا نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔ مَیں نے کہا: بھائی! آپ تو بڑے

دریدہ دہن انسان ہیں، مَیں تو سیّدۂ عالم زہرا بتول سلام اللہ علیہا کے شہزادوں کے بارے میں کوئی توہین آمیز جملہ کہنے یا سوچنے کی بھی جسارت نہیں کر سکتا، بلکہ دونو کو سید مانتا ہُوں اور اِس پر سارے سَلَف و خَلَف کا ایمان ہے۔ مگر یہاں آپ کو صرف خاموش کرنے کے لئے ایک مختصر سا سوال کرتا ہُوں، جو بالکل معقول ہے۔ وہ یہ کہ مشہور حدیثِ نبوی اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ[1] (ترجمہ) حسنؓ اور حسینؓ دونو جوانانِ جنت کے سردار ہیں، مگر ایک اور حدیثِ پاک میں جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا، اِس طرح ارشاد ہے: اَنَّ اِبْنِی هٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[2] (رواہ البخاری) ترجمہ۔ میرا یہ بیٹا (حسنؓ) سید ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ اِس کے ہاتھوں مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صُلح کرا دے گا۔ (انتہٰی)

اب اِن ہردو احادیث پر غور کیجئے کہ پہلی حدیث میں تو دونو بھائیوں کا ذکر ہوا، جب کہ مؤخرالذکر حدیث میں صرف امام حسنؓ ہی کو اِبْنِی هٰذَا سَیِّدٌ کا شرف عطا ہوا۔ عربی دان جانتے ہیں کہ اسمِ اشارہ هٰذَا قریب، محسوس اور مُبصَر کے لئے ہوتا ہے، گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے هٰذَا کا لفظ استعمال فرما کر جنابِ حسنؓ کو مختص فرما دیا اور جنابِ حسینؓ کا نام نہیں لیا۔ چنانچہ اِس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ حسنؓ ہی سید ہیں، کیوں کہ پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دونو جوانانِ جنت کے سردار ہیں، ظاہر ہے کہ جنت کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے، جب امام حسینؓ وہاں جائیں گے تو اِس حدیث کی رُو سے صرف جوانانِ جنت کے سردار کہلا سکیں گے، مگر دوسری حدیث کا تعلق دُنیا سے ہے کہ میرا یہ بیٹا حسنؓ سید ہے۔ یہ ارشاد حضور علیہ السلام نے اِس دُنیا کے حوالے سے فرمایا، کیونکہ صُلح مابین حسنؓ و معاویہؓ دُنیا میں ہوئی تھی نہ کہ آخرت میں اور افزائشِ نسل کا تعلق بھی دُنیا سے ہے نہ کہ آخرت سے۔ اِس حدیث کے تجزیے کی رُو سے تو صرف جنابِ حسنؓ اور اُن کی اولاد ہی سید کہلا سکتی ہے۔ امام حسینؓ کی اولاد جنت میں جا کر ہی سید کہلائے گی، کیونکہ اُن کی سیادت کو جنت کے لئے مخصوص کر دیا گیا، ابھی تو ہم دُنیا میں سانس لے رہے ہیں۔ چونکہ وہ

---

[1] مشکوٰۃ شریف، کتاب مناقب اہلِ بیت، ص ۵۷۰، مطبوعہ کانپور

[2] مشکوٰۃ شریف، کتاب مناقب اہلِ بیت، ص ۵۶۹، مطبوعہ کانپور

حُسینی نسب اور پھر مولائی سید تھے۔ اس لئے میرے پیش کردہ دلائل سُن کر کچھ گھبرائے اور چکرا سے گئے۔ مَیں نے کہا: قبلہ شاہ صاحب! آپ اپنے نام کے ساتھ جو لفظِ سیّد لکھتے ہیں، آئندہ نہ لکھیے گا، کیوں کہ آپ کی سیادت کا اُخروی دَور ابھی شروع ہی نہیں ہوا؛ آپ انشاء اللہ جنّت میں داخل ہونے کے بعد سیّد کہلا سکیں گے، کیونکہ آپ کے جدِّ اعلیٰ جناب حسینؓ کا دَورِ سیادت تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محوّلہ بالا حدیثِ مُبارک کے مطابق جنّت کے ساتھ مخصوص ہو چُکا ہے۔ اس لئے کوئی حُسینی نسب خود کو اس دُنیا میں سیّد نہیں کہلا سکتا اور حدیثِ محوّلہ بالا ابنی ھٰذا سَیِّدٌ کی رُو سے حضرت امام حسنؓ کی اولاد ہی سیّد کہلوا سکتی ہے۔

الحمد للہ کہ وہ مولائی سیّد صاحب سمجھ گئے اور اُنہوں نے میرے اِن دلائل کے بعد اِس (شیعیّت کے) عقیدہ سے توبہ کر لی۔ کہنے لگے: میری آنکھ آج کھُلی ہے، ورنہ مَیں امیر معاویہؓ کے ساتھ امام حسنؓ کے صُلح کرنے کی وجہ سے اُن کے متعلق اِنہی خیالاتِ فاسدہ کا قائل تھا۔ پھر وہ میرے بڑے دوست بن گئے۔ علمی ذوق اور معقول ذہن رکھنے کی وجہ سے راقم الحروف اُنہیں راہِ راست پر لے آیا، نتیجۃً اُمہاتُ المؤمنین، خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ حفصہؓ اور اصحابِ ثلاثہؓ کے حق میں اُن کے عقائد پاکیزہ ہوگئے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ کے نسب کے بارے میں بھی اُن کے شکوک و شبہات رفع ہوگئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سوال کرنے والا دینیات اور تاریخ کی کچھ نہ کچھ سُوجھ بُوجھ رکھنے کے ساتھ اگر قدرے معقول اور مُنصف مزاج بھی ہو، تو علمی دلائل اور تاریخی حقائق کے تسلیم کرنے میں متردّد نہیں ہوتا، مگر جب سائل کا ذہن منفی طرزِ فکر ہی پر ڈٹے رہنے کی ٹھان کر آیا ہو تو ایسے احمقوں اور تعلیم یافتہ جاہلوں کے سامنے علمی اور تاریخی دلائل و شواہد پیش کرنا تضییعِ اوقات ہے، کیونکہ بحث و مناظرہ کے بھی کچھ آداب ہیں۔

مجھے اِس بات کا پُورا احساس ہے کہ نام و نسب کے ابتدائی چند اوراق میں یہ موضوع انسانی عظمت و مساوات اور اِس کے متعلقات سے آغاز پزیر ہوا، بعد میں پھیلتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ تاریخ کی پُرپیچ و پُرخار وادیوں میں پہنچ گیا، مگر یہ سب کچھ اِس لئے ہوا کہ ہمارے اسلاف کے مُعتقدات زیرِ بحث لائے گئے۔ افسوس ہے کہ اُمورِ مذکورہ نے اُمّتِ مُسلمہ کو گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ بقولِ راقم الحروف ؎

افرادِ ملّت اند بے رَبطِ وِفاق　　　پے بُردہ رہِ کدُورت و بُغض و نِفاق
تنویرِ یقیں زفرقہ بندی گُم شُد　　　دادند عُروسِ ننگ را ہر سہ طلاق[1]

یہاں تاریخی حقائق اور قرآن و حدیث کے شواہد، اختلافی مسائل کے تناظر میں اِس لئے رکھے گئے اور اُن کا تجزیہ کرنے کی کوشش اِس لئے کی گئی، تاکہ اربابِ علم و دانش کو متنازعہ مسائل کی حقیقی نوعیت تک رسائی حاصل کرنے میں سہولت ہو اور ملّتِ اسلامیہ مزید ذہنی انتشار، باہمی آویزش اور فرقہ واریت سے بچ سکے اور یہ کہ مذکورہ اُمُور کو تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بچشمِ خود ملاحظہ کر سکے کہ کن کن گروہوں نے کس کس گروہ کے اکابر کی شان میں ناسزا الفاظ لکھے، بُرا بھلا کہا اور کس نے اُن کے نسب تک کو مسخ کرنے کی ناپاک جسارتیں کیں؟ فرقہ واریت کی فضا کس گروہ کے خُبثِ باطن کا نتیجہ ہے اور تاریخی حقائق

---

[1] ترجمہ۔ اُمّتِ مُسلمہ کے افراد باہمی نفرت و نااتّفاقی کے باعث بُغض و کدورت اور منافقت کی راہ پر چل نکلے، فرقہ پرستی اور گروہ بندی کے سبب (اِن کے قلوب سے) یقینِ محکم کا نُور جاتا رہا۔ بہ الفاظِ دیگر ایسے انتشار پسند اور فرقہ پرستوں نے شرم و حیا کی دُلہن کو ایک ہی بار تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اِسی موضوع پر راقم الحروف کی ایک اور فارسی رُباعی توجہ طلب ہے، جو مجموعۂ رُباعیات آغوشِ حیرت میں موجود ہے۔ وہ رُباعی یہ ہے ؎

زیں مذہبیانِ خُود سر و تفرقہ خُو　　　آثارِ مُرَوّت و دلِ صاف مجُو
گر عُمرِ قلم بہ کارِ دیں گردد صرف　　　زائل نہ شود سیاہی از باطنِ اُو

ترجمہ۔ اِن مغرُور اور تفرقہ ڈالنے والے مذہبی اجارہ داروں سے مُرَوّت و اُخُوّت کے آثار اور دلِ صاف کی توقّع نہ رکھو، اگر قلم کی ساری عُمر دینی اُمُور کے معارف و حقائق رقم کرتے ہُوئے گُزر جائے، تب بھی اُس کے باطن میں جو سیاہی موجود ہے، وہ اُس سے زائل نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ جو خُود غرض لوگ مذہب کو بامِ مقاصد تک رسائی کے لئے زینے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ایسے خُود پسند، تفرقہ پرداز اور مغرُور مذہبیوں سے انسانی مُرَوّت، اسلامی اُخُوّت اور صفائی باطن کی اُمید کرنا حماقت ہے۔ جس طرح قلم کا باطن قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور دیگر اسلامی خدمات میں عُمر گزار دینے کے بعد بھی کالے کا کالا ہی رہتا ہے، اِسی طرح کچھ ایسے نام نہاد مدّعیانِ مذہب بھی پائے جاتے ہیں، جو بظاہر ہر وقت دین و ملّت کی خدمت میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں اور اُن کے قدم چُوم لینے کو جی چاہتا ہے، مگر افسوس کہ فتورِ نیّت اور خرابیٔ عزائم کی بنا پر قلم کے اندر کی طرح اُن کا باطن بھی اندھیروں کی فراوانی کے سبب ظُلمت آباد رہتا ہے۔

کے چہروں کو مسخ کرنے میں کون سا فرقہ مہارت رکھتا ہے ۔

اب حشر میں کیا مُنہ کھولیں ہم، کیا بات کریں، کیا بولیں ہم،
کس کی ہے وفا، کس کی ہے جفا، یہ فیصلہ خود قاتل کردے (راقم الحروف)

## لفظِ شیخ کی تحقیق

امام راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) لفظِ شیخ کی تحقیق کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔ وقد يُعَبَّرُ به في ما بيننا عمّن يكثرُ علمهُ لما كان من شان الشيخ ان يكثر تجاربه ومعارفه[1]۔ (ترجمہ) ہمارے عُرف میں لفظِ شیخ سے اُس شخص کو تعبیر کیا جاتا ہے، جس کا علم بہت وسیع ہو۔ اِس لئے کہ شیخ کی شان سے یہ بات ظاہر ہے کہ اُس کے تجارب اور معارف زیادہ ہوتے ہیں۔ صاحبِ مائۃ عامل اِس کے بارے میں فرماتے ہیں: عند عُلماءِ الشّرع الشّيخ من يحيي السُّنّة ويميت البدعة ويكون افعالهٗ و اقوالهٗ حُجّةً للنّاس ولوكان شابًّا[2]۔ (ترجمہ) عُلماءِ شریعت کے نزدیک شیخ اُسے کہتے ہیں؛ جو بدعات کو ختم کرکے سُنّت کو زندہ کرنے کا اہتمام کرے اور اُس کے افعال و اقوال لوگوں کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہوں، چاہے وہ نوجوان ہی کیوں نہ ہو۔

گویا شیخ اُس کو ہی نہیں کہا جاتا، جو بُوڑھا ہو، بلکہ اگر کسی نوجوان میں بھی وُسعتِ علمی اور دیگر محوّلہ بالا لوازم موجود ہوں تو اُس پر بھی لفظِ شیخ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کم علم قسم کے بعض لوگوں سے شیخ کی تعریف کے سلسلے میں یہ سُنا گیا کہ شیخ چونکہ عربی کا لفظ ہے اور عربی میں شیخ اُس شخص کو کہتے ہیں، جس کی عُمر ساٹھ (۶۰) سال سے تجاوز کر گئی ہو، لہٰذا اولیاء اور مشائخ کو اُن کی آخری عُمر میں کہولت کے باعث شیخ کا لقب دیا جاتا ہے، یہ محض جہالت اور روایت و درایت کے خلاف ایک خود ساختہ مفروضہ ہے۔ شیخ کہلانے کی محوّلہ بالا صفات جس میں بھی پائی جائیں، اُس کے لئے عُمر کی کوئی قید نہیں، بلکہ ایک جوان عُمر انسان بھی شیخ کہلا سکتا ہے۔ اہلِ لغت کے نزدیک شیخ ہر اُس شخص کے لئے بولا جا سکتا ہے، جو لوگوں کی نظر میں علم، فضیلت اور مرتبہ و

---

[1] دیکھئے المفردات فی غریب القرآن، مؤلفہ علامہ راغب اصفہانیؒ، کتاب الشّین، ص ۲۷۰، مطبوعہ بیروت (لبنان)
[2] دیکھئے مائۃ عامل منشی مع ترکیب گھوٹوی، ص ۷، مطبوعہ ملتان

درجہ کا مالک ہو۔ یہ لفظ اُستاد اور عالمِ دین کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے[1]۔

## ایک شُبہ کا ازالہ

اکثر لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ خصُوصاً شیعہ مسلک کے لوگ اِس امر پر بڑا زور لگاتے اور اسے عوام النّاس کے علم ناآشنا ذہنوں میں ڈالنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے ہیں کہ غوثُ الثقلین، محبُوبِ سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سیّد نہیں، بلکہ قوم کے شیخ تھے۔ مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ ایسے آبرو باختہ اور دریدہ دہن افراد اپنے اِس موقفِ نادرست پر کوئی ٹھوس اور ناقابلِ تردید ایک ثبُوت بھی آج تک پیش نہیں کر پائے اور نہ ہی کر پائیں گے، کیونکہ یہ حضرت غوثِ پاکؒ کے خلاف اُن کے ذہنی بُغض و عناد سے تشکیل یافتہ محض ایک مفروضہ اور ڈھکوسلا ہے، بس مُنہ آئی کہہ گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اصولِ تحقیق کے مطابق اپنے اِس دعوٰی کے ثبوت میں بہ لحاظِ روایت و درایت کم ازکم ایک ایسی ٹھوس دلیل ہی فراہم کرتے، جس سے کسی معقول اور صاحبِ علم و دانش کو کبھی جرأتِ سرتابی نہ ہو سکتی۔ یاد رہے کہ صرف واہی تباہی بک دینے سے کسی صاحبِ علم اور سلیمُ العقل انسان کو قائل کرنا امرِ محال ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں لفظِ شیخ کی لُغوی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ یہ لفظ لغوی اعتبار سے کن کن معانی میں بولا اور لکھا جاتا ہے، یہ کس زبان کا لفظ ہے، اِس کے لُغوی، اصطلاحی اور عرفی معنی کیا ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ شیخ بیائے مجہُولہ خالص عربی زبان کا لفظ ہے، جو دو مرتبہ بہ صُورتِ واحد اور ایک بار بہ صُورتِ جمع قرآن مجید میں استعمال ہوا۔ یہ لفظ درج ذیل معانی میں مستعمل ہے۔

۱۔ پیر، خواجہ، مُرشد، بزرگ

۲۔ عالم، فاضل، مذہبی علوم میں فائق

۳۔ شاستری، قاضی، مُفتی، مُحدّث، فقیہ، واعظ

۴۔ بُوڑھا، بڑا بُوڑھا، وہ شخص جس کی عُمر پچاس (۵۰) سے اُوپر اور اسّی (۸۰) سے نیچے ہو، بعض نے پچاس برس تک کو شیخ لکھا ہے۔

---

[1] دیکھئے المنجد (عربی اُردو)، ص ۵۵۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

۵۔ خانقاہ کا سردار، سرحلقہ، صُوفی، سرگروہ، پیشوا، سجّادہ نشین
۶۔ مسلمانوں کی چار ذاتوں میں سے پہلی ذات، جس میں سے پیغمبر ہوئے اور اُن سے سادات کا خاندان چلا، سادات کا لقب[1]۔
۷۔ اِس کے علاوہ ایک اور مُستند لُغت میں اِس کے معنیٰ یہ ہیں:۔ شیخ بالفتح بمعنیٰ خواجہ و پیراز شرحِ نصاب[2]۔ یعنی لفظِ شیخ، شین کے زبر کے ساتھ خواجہ اور پیر کے معنوں میں آتا ہے۔

اگر فرہنگِ آصفیہ کے محوّلہ بالا معنوں میں سے نمبر ۶ والے معنیٰ بھی لئے جائیں تو یہ لفظ اُس ذات اور قبیلے سے متعلق ہے، جس میں پیغمبر پیدا ہوئے، یعنی جنابِ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السّلام کا خاندانِ اطہر۔ جس کے آخری چشم و چراغ ہمارے آقا و مولیٰ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر یہ سادات کا لقب بھی ہے۔ گویا یہ لفظ انتہائی ارفع و اعلیٰ خانوادے کے لئے بطور لقب استعمال میں آتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادے سے افضل کوئی خانوادہ نہیں۔ کسی کو یہ شُبہ ہو کہ اگر یہ لفظ عربی کا ہے تو قرآنِ مجید میں بھی شاید اِس معنیٰ میں استعمال ہوا ہو، جس میں عام طور پر ہوتا ہے، تو لیجئے قرآنِ مجید میں اِس کا محلِّ استعمال یُوں ہے۔ اِرشاد ہوا: قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ سکه وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ[3] (ترجمہ) اُن دونوں نے کہا کہ ہم نہیں پلا سکتیں، جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بُوڑھے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا[4] (ترجمہ) حضرتِ سارہؓ نے کہا: وائے حیرانی کیا مَیں بچّہ جنوں گی، حالانکہ مَیں بُوڑھی ہُوں اور یہ میرے میاں ہیں، یہ بھی بُوڑھے ہیں۔

تیسرے مقام پر ارشاد ہوا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

---

[1] دیکھئے فرہنگِ آصفیہ، مؤلّفہ سید احمد دہلویؒ، جلد ثالث، ص ۱۹۷، مطبوعہ لاہور
[2] دیکھئے غیاثُ اللّغات (فارسی)، مؤلّفہ علّامہ محمد غیاثُ الدّینؒ، ص ۲۷۵، مطبوعہ لکھنؤ
[3] القرآن ۲۸ : ۲۳
[4] القرآن ۱۱ : ۷۲

عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا[1] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ وُہ ہے، جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، پھر نکالا تمہیں (شکمِ مادر سے) بچّہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو، پھر (تمہیں زندہ رکھا) تاکہ تم بُوڑھے ہو جاؤ۔

محوّلہ بالا آیاتِ کریمہ میں شیخ، شیخاً اور شیُوخاً کے الفاظ صرف بُوڑھے اور بڑھاپے کے معنوں میں مُستعمل ہُوئے، مگر لغوی معنیٰ سے اِس کے اصطلاحی معانی زیادہ ہیں، جیسا کہ پہلے مذکور ہوَا۔ چونکہ ہمارے ہاں جو آدمی غیر مُسلم سے مُسلمان ہوَا ہو، اُسے بھی شیخ ہی کہتے ہیں، اِس لئے بعض کم علم اور تنگ نظر شیعہ، حضرت غوثِ پاکؒ کو ذات کے شیخ کہہ دیتے ہیں، حالانکہ عربی زبان میں شیخ کا لفظ غیر مُسلم کے مسلمان ہونے اور اُسے اُس کے نسب کے طور پر استعمال کرنے کے معنوں میں قطعاً آیا ہی نہیں، اگر قرآن و حدیث میں کہیں اِن معنوں میں استعمال ہوَا ہو تو اِس کا ثبوت فراہم کرنا چاہیئے۔ واضح ہو کہ عربی زبان کے شیخ اور عُرفی شیخ میں ایک نمایاں فرق ہے اور وہ یہ کہ شیخ بیائے مجہولہ آتا ہے، جب کہ شیخ بر وزنِ میخ کے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب شیخ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ معنیٰ کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے غیر مُسلم کو شیخ بروزنِ میخ کہا جائے، محض من گھڑت بات ہے، جس کا کوئی ثبوت عربی زبان میں نہیں ملتا۔ اِس لفظ کا معاملہ شیر اور شِیر کا سا ہے۔ کتابت میں تجنیسِ خطی ہے، مگر ایک کا اطلاق شیر پر ہے، جو جنگلی درندہ ہے اور دوسرا مشروب ہے، جسے دودھ کہتے ہیں۔ اب جو شخص دُودھ اور جنگلی جانور کو ایک سمجھ لے تو یہ اُس کی حماقت ہوگی، اُس کے کہنے سے درندہ دُودھ بننے سے رہا اور دُودھ جانور نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا جلال الدّین رُومیؒ نے اپنے ایک شعر میں اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شِیر

شعر کا مطلب یہ ہے کہ پاک لوگوں کے کاموں کو تُو اپنے کاموں پر قیاس نہ کر! اگرچہ باعتبارِ اِملا شیر اور شِیر ایک ہی طرح دکھائی دیتے ہیں، مگر اِن دونو میں زمین و آسمان کا فرق

---

[1] القرآن ۴۰ : ۶۷

ہے کہاں جنگلی جانور، شیر اور کہاں پینے کا دُودھ۔!

جیسا کہ پہلے مسطور ہوا کہ اگر لفظِ شیخ کو ساداتِ کرام کے لئے بھی استعمال کیا جائے تو وہ شَیخ شین کے زبر سے ہوگا، شِیخ بروزنِ میخ نہیں بولا جائے گا، اِس لئے کہ شِیخ بروزنِ میخ کا عربی زبان میں وجود ہی نہیں، اِسے اہلِ عجم نے خود ساختہ معنٰی پہنا دیئے، جو اہلِ لُغت کے نزدیک قطعی غلط ہیں، جب کہ شین کے زبر سے شَیخ کی جمع شیُوخ، مَشِیخَۃٌ اور مشائخ آتی ہے۔ یہ محض جاہل عوام کے ڈھکوسلے ہیں، اہلِ علم و دانش اِن خرافات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ ثابت ہوا کہ اگر محدّث، عالم، فقیہ، پیر و مُرشد، سجّادہ، صُوفی، سرگروہِ حلقہ، ولی اللہ یا کسی سیّد کے نام کے ساتھ یہ لفظ استعمال کیا جائے تو وہ شَیخ شین کے زبر سے ہوگا، جو جلالت اور بزرگی کے نقطۂ عرُوج پر پہنچے ہوئے حضرات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے حضرت نظام الدّین محبوبِ الٰہی قدس سرّہٗ کو سُلطانُ المشائخ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس میں مشائخ کا لفظ شَیخ ہی کی جمع تو ہے؛ اگر خود ساختہ عُرفی معنٰی لئے جائیں تو اِس کے معنی ہوں گے کہ غیر مُسلموں میں سے مسلمان ہونے والوں کا سُلطان۔ تو کیا یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تمام پیرانِ چشت نعوذ باللہ پہلے غیر مُسلم تھے؟

اِسی طرح دیگر سلاسلِ طریقت کے اولیائے کبار کے اسمائے گرامی کے ساتھ جب لفظِ شَیخ شین کے زبر کے ساتھ یا مشائخ جو شَیخ کی جمع ہے، استعمال ہوتا ہے تو اِن الفاظ سے محض اُن کی جلالتِ مرتبہ اور انتہائے کمال کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ کہ ایسے القاب اُن کے ناموں کے ساتھ علامتِ نسب کے طور پر بولے یا لکھے جاتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ لفظِ شَیخ عربی زبان کا لفظ ہے اور اِس کو اِنہی معنوں میں استعمال کرنا ہوگا، جن کا استعمال کتبِ لُغت میں اہلِ زبان سے متحقق اور ثابت ہے۔ جس لفظ کے معنٰی اُس زبان کے اپنے لُغت میں موجود نہ ہوں، بلکہ اُس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص معنٰی وضع کر لئے جائیں، یا وہ لفظ کسی غیر لُغوی معنٰی میں مشہور ہو جائے تو بولنے اور لکھنے والوں کو کم از کم اِتنی دانائی کا ثبوت تو دینا چاہیئے کہ اُس لفظ کے لُغوی معنٰی کیا ہیں؛ کس زبان کا لفظ ہے؟ اُس کو کس طبقۂ عالیہ کے لئے بہ طورِ اظہارِ عظمت لقب استعمال کیا جاتا ہے اور اُس کے عُرفی معنٰی کیا ہیں، جو غلط مشہور ہو کر رواج پا چکے ہیں۔

---

# ایک لطیفہ

اِس سلسلے میں مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ بیت المقدّس کا ایک عربی النّسل ہمارے ہاں آیا، اُس کی مادری زبان عربی تھی۔ ایک روز وہ میرے پاس بیٹھا ہوا عربی میں گفتگو کر رہا تھا کہ میرے ایک کرم فرما تشریف لائے۔ بڑے معزّز و محترم انسان تھے، مگر طبیعت میں مزاح کا عنصر زیادہ تھا۔ غالباً اُس عرب سے موصوف کی کچھ بے تکلفی ہو گی۔ چونکہ وہ عربی سے ناواقف تھے، اِس لئے اُنھوں نے کوئی بات اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا: وَاللّٰهِ أَنْتَ حَرَامِيٌّ[1] (خدا کی قسم تُو حرامی ہے) بس یہ سُننا تھا کہ وہ صاحب اُس سے اُلجھ پڑے۔ مَیں نے ہرچند سمجھایا کہ جانے دیجئے حرامی کا یہ لفظ اُن معنوں میں نہیں جو اُردو اور پنجابی میں مشہور ہیں۔ یہ بے چارہ اِس لفظ (حرامی) کو اپنی زبان کے مروّجہ معنوں میں بول رہا ہے۔ کہنے لگے: چھوڑیئے چھوڑیئے آپ بھی اِس کی وکالت کرنے لگے۔ مَیں اِس کو جان سے مار دُوں گا، یہ ہوتا کون ہے مجھے حرامی کہنے والا؟ یقین جانیئے وہ عرب بے چارہ اُن کا غصّہ اور لڑنے مرنے کے تیور دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مجھ سے عربی میں پوچھنے لگا کہ یہ شخص مجھے مارنے پر کیوں تُلا ہوا ہے اور یہ اِس قدر غضب ناک کیوں ہو گیا؟ مَیں نے اُسے سمجھایا کہ آئندہ ہندوستان اور پاکستان میں یہ لفظ کسی کے لئے نہ بولنا، ورنہ مارے جاؤ گے۔ کہنے لگا وہ کیوں؟ مَیں نے کہا کہ ہماری زبان کے مطابق حرامی، وَلَدُ الزِّنا کو کہتے ہیں، جب کہ تمہارے ہاں یہ لفظ چور یا ڈاکو کے معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ سُن کر اُس عرب نے اُن سے معافی مانگی، تب کہیں جاکر اُن کا غصّہ فرو ہوا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی زبان کے الفاظ کسی دوسری زبان میں استعمال کئے

---

[1] موجودہ عربی میں حرامیٌّ چور اور بد دیانت کے معنوں میں بولا جاتا ہے (ملاحظہ ہو فیروز اللُّغات عربی اُردو، ص ۱۵۰، مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔ اِس لفظ کی لغوی تحقیق کے سلسلے میں عربی کے مستند لغت المنجد کے الفاظ یہ ہیں:۔ "الحرامیُّ فاعلُ الحرام ومنه قولُ العامة لِلّصّ حرامیٌّ لانّهٗ یفعل الحرام وهُو اللُّصُوصِیَّةُ" (ترجمہ) حرامی، یعنی حرام کام کرنے والا۔ چور کو عرب اِسی لئے حرامیٌّ کہتے ہیں کہ وہ حرام فعل کرتا ہے اور وہ چوری ہے۔ دیکھئے المنجد فی اللّغۃ والاعلام، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار المشرق بیروت (لبنان)

جاتے ہیں تو اُن میں سے اکثر و بیشتر کو اُن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، جو اُن الفاظ کے اپنے لغت و رواج کے برعکس ہوتے ہیں۔ مثلاً نیک فارسی زبان کا لفظ ہے اور اچھے معنوں میں لکھا اور بولا جاتا ہے، جیسے مردِ نیک اور زنِ نیک، اچھا مرد، اچھی عورت۔ مگر عربوں کے ہاں نَاكَ يَنِيْكُ نَائِكٌ بمعنیٰ جماع استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ النَّيْكُ یا نَيْكٌ کا فاعل نَائِكٌ آتا ہے، یعنی جماع کرنے والا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے نَائِكٌ کا الف گر گیا اور نَيْكٌ بمعنیٰ جماع کنندہ استعمال ہونے لگا، لہٰذا آپ بھی خیال رکھیں، سعودی عرب میں بھول کر کسی کو نیک نہ کہہ بیٹھیں، ورنہ آپ سرکاری مہمان بنا دیئے جائیں گے۔ اِس قسم کی مثالیں ہر زبان سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، لہٰذا اسی وضاحت پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اُمید ہے کہ اِس وضاحت سے قارئین شَخ اور شِخ بروزن مِخ میں جو بنیادی اور لغوی فرق ہے، سمجھ گئے ہوں گے۔ تعجب اِس بات پر ہے کہ بڑے غور و فکر کے باوجود مجھے شِخ کا ہم وزن اور ہم صوت لفظ نہ مل سکا، حالانکہ میں شاعر بھی ہوں اور شعراء قوافی کے ماہر ہوتے ہیں، مگر کوئی ایسا بامعنیٰ لفظ میسّر نہ آسکا، جسے شَخ کے وزن پر سمجھانے کی خاطر پیش کرتا۔ اِس لئے لفظِ شَخ لکھ کر تو شین پر زبر ڈال دیا، مگر جب لفظِ شِخ بروزنِ مِخ لکھا تو اِس کی عجیب کیفیت تھی، نہ تو اِس کے شین پر زبر ڈالا جاسکتا تھا اور نہ اِس کے نیچے زیر۔ گویا یہ لفظ جہلاء کی کھینچا تانی میں نہ تو مذکر رہا، نہ مؤنث۔ بلکہ مخنّث ہو کر رہ گیا۔ اب اِسے کاغذ پر کیسے واضح کیا جاتا، کیونکہ نہ تو اِس کے شین پر زبر آسکتا ہے، نہ زیر۔ اِس لئے آپ کی سہولت کی خاطر اِس کا ایک ہم صوت و ہم وزن لفظ مِخ استعمال کیا ہے، حالانکہ مِخ کے علاوہ ایک لفظ بِخ بھی تھا، جس کے معنیٰ فارسی زبان میں جڑ اور بُنیاد ہیں۔ اب آپ کی مرضی کہ شِخ کا وزن سمجھنے اور اِس کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے لفظِ مِخ پسند کریں یا بِخ!

چونکہ فرہنگِ آصفیہ کی تحقیقِ منقولہ کے مطابق لفظِ شِخ، بروزنِ مِخ شاستری کے

---

ے دیکھئے لسان العرب، جلد ۱۰، ص ۵۰۲، مطبوعہ بیروت، ایضاً القاموس المحیط (عربی)، ص ۱۲۲۴، مطبوعہ بیروت، ایضاً اَشِعّةُ اللَّمعات (فارسی) از شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، جلد ۳، ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبعِ نوریہ رضویہ سکھر (سندھ)

معنوں میں بھی آتا ہے اور شاستری ہندی کا لفظ ہے، اِس کے معنی ہیں، شاستر جاننے والا پنڈت۔ شاید ایسے لوگ جو پہلے نسبی اعتبار سے ہندو رہ چکے ہوں، وہ اِسی نسبت سے شیخ بروزنِ میخ کہلاتے ہوں، مگر پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ اُسی طرح مُسلّمہ ہے کہ اگر شیخ بروزنِ میخ کو پنڈت کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا تو یہ کام ہندوؤں نے کیا کہ ایک عربی زبان کے ایک لفظ کا لب ولہجہ اور معنیٰ بدل کر اِسے اپنے مذہبی پیشوا کے لئے وضع کر لیا۔ ہندوؤں کا ایسا کرنا کوئی سند نہیں۔ اگر کسی عربی یا فارسی لفظ میں صوتی اور معنوی تبدیلی کر دیں، جب کہ وہ لفظ اُن کی اپنی زبان ہندی کا نہ ہو تو وہ لفظ اپنے حقیقی معنیٰ کھو دیتا ہے۔ گویا یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہندو، لفظِ شیخ بروزنِ میخ کو، جو درحقیقت اُن کی زبان کا لفظ نہیں، پنڈت کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں تو عرب اور غیر عرب مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اِس لفظ کو شاستری یا پنڈت ہی کے معنوں میں استعمال کریں۔ ہندوؤں کو یہ لفظ اپنے لئے استعمال کرنے کا حق ہی نہیں، اِس لئے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور اگر ہندی کا ہے تو ہمیں بھی آگاہ کیا جائے، مگر ثبوت کے ساتھ۔

ہندو تو اپنے ناموں کے ساتھ شاہ کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں، حالانکہ اسلامی ادبیات میں اپنے نام کے بعد شاہ کا لفظ وہی استعمال کرتا ہے، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہو۔ کیا سادات کو اب اِس لئے شاہ صاحب یا شاہ جی کہنا چھوڑ دیا جائے کہ یہ لفظ ہندو بھی اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں تو کرتے رہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہندو بُت پرستی کے شاہ ہیں تو اولادِ رسول بُت شکنی ہیں شاہ ہے۔

یہ امر بھی واضح ہو کہ لفظِ شاہ جس شخص کے نام کے ساتھ لکھا ہو، ضروری نہیں کہ وہ سیّد بھی ہو۔ جس طرح وَلیُّ اللّٰہی خانوادے کے لوگ اپنے نام کے ساتھ شاہ کا لفظ لگایا کرتے تھے۔ جیسے شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ وغیرہ۔ حالانکہ یہ حضرات سیّد نہیں تھے۔ اِس لئے مطلق شاہ کا لفظ پڑھ یا سُن کر کسی کو سیّد تسلیم نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اِس کی تحقیق ضروری ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر رواج تھا اور شاید اب بھی ہو کہ غیر سیّد مسلمان بھی اپنے ناموں کے ساتھ شاہ کے لفظ کا اضافہ کر دیتے ہیں اور عوام بے چارے شاہ صاحب کا لفظ سُن یا پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں حضرت حسنی یا حسینی سیّد ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی تھی، جسے آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا تھا۔ علمائے اہلِ سُنّت کے بعض اکابر کے اسمار کے ساتھ بھی الشّاہ کا لفظ لکھا ہوتا

ہے، حالانکہ وہ سیّد نہیں ہوتے، اِس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ تحقیق کر لینے میں کیا حرج ہے۔

لفظِ شیخ کی طرح ہم اِس کتاب کے باب سوم میں لفظِ سیّد کو تفصیلاً زیرِ بحث لا چکے ہیں کہ لُغت اور اصطلاح کے اعتبار سے الفاظ کے معانی کا اختلافِ استعمال ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ لفظِ سیّد کی صورت بھی یہی ہے؛ اِس کے لُغوی معنی سردارِ قوم وغیرہ کے ہیں، مگر بہ اعتبارِ اصطلاح زمانۂ قدیم سے ایک ایسی نسل کی علامت بن چکا ہے، جس کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ جلیلہ سے خونی تعلق ہے۔ مشہور خارجی محمود احمد عبّاسی نے اپنی تصنیف تحقیق سیّد و سادات اور حکیم فیض عالم صدّیقی نے اختلافِ اُمّت کا المیہ میں اپنے اِس موقفِ نادرست کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ لفظِ سیّد کا خانوادۂ رسالت کے لئے علامتِ نسب کے طور پر استعمال کرنا اور اُنہیں سیّد کہنا عرب سے ثابت نہیں، کیونکہ یہ لفظ اہلِ زبان کے ہاں مُطلق مسٹر یا جناب کے معنوں میں مستعمل ہے؛ اِس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اِس لفظ کو اعزازی طور پر غیر مسلم سربراہان مملکت وغیرہم کے لئے استعمال میں لاتے ہوئے کہتے ہیں: قالت سیّدہ مارگریٹ تھیچر MargaretThatcher اور قال سیّد بُش (Bush) یعنی برطانیہ کی وزیرِ اعظم محترمہ مارگریٹ تھیچر نے یہ کہا اور امریکہ کے صدر جناب بُش نے یہ کہا۔ لہٰذا ایسے لفظ کو جو مُطلق اعزازی معنی میں ہر انسان کے نام سے پہلے استعمال کیا جا سکتا ہو، اہلِ زبان کی سند کے بغیر ایک خاندان کے ساتھ بہ طورِ علامتِ نسب استعمال میں لانا قطعاً نادرست ہے۔

مخالفین کے اِن تمام اعتراضات کا جواب ہم باب سوم میں تفصیلاً دے چکے ہیں۔ یہاں ہم اُن کی اِس بچگانہ ضد کو بھی پُورا کئے دیتے ہیں کہ وہ اپنے موقف کے خلاف کوئی لُغوی ثبوت مانگتے ہیں۔ عربی زبان کے مشہور و مُستند لغت المنجد کا مصنّف لفظِ سیّد کی لُغوی تحقیق کے بعد لکھتا ہے: وَعِندَ المسلمینَ مَن کانَ مِنَ السُّلالَۃِ النَّبوِیَّۃِ[1] یعنی مسلمانوں کے نزدیک سیّد اُسے کہا جاتا ہے، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہو۔

محوّلہ بالا عربی عبارت میں وعند المسلمین کے الفاظ کی قید سے یہ نکتۂ لطیف بھی سمجھ میں آتا ہے کہ لفظِ سیّد کا نسلِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرنا

---

[1] دیکھئے المنجد واللغۃ والاعلام، ص ۳۶۱، مطبوعہ بیروت، اسی طباعت ۱۹۸۶ء

مُسلمانوں کا شیوہ ہے نہ کہ دُشمنانِ اسلام کا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ الفاظ کے استعمال میں زبان کے عرف و محاورہ کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، چنانچہ بعض الفاظ لُغوی اعتبار سے اُس مفہوم و معنیٰ کے حامل نہیں پائے جاتے جو عرف و محاورہ میں رائج ہوتے ہیں۔ الفاظ کے ایسے معاملات ہر خطۂ ارض کے تہذیبی انداز اور ثقافتی مزاج پر موقوف ہوتے ہیں۔ ہم اِس کتاب کے بابِ اوّل میں زیرِ بحث موضوع پر سیرحاصل تبصرہ کرتے ہوئے بتا چکے ہیں کہ کسی کے پیشے کو اُس کا نسب قرار دینا اور اُسے صرف پیشے کے سبب بہ نگاہِ تحقیر دیکھنا اِسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، مگر زمانۂ قدیم سے عرف و محاورہ کے مطابق آج تک ہر انسان کے پیشے کو اُس کے نسب کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

بہرحال جو لوگ کسی کمتر یا برتر پیشے سے وابستہ ہوں، اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسبِ حلال کریں۔ پیشہ کس قدر ہی حقیر کیوں نہ ہو، اگر انسان حلال ذرائع سے روزی کماتا ہے تو یہ اُس کے لئے باعثِ اجر و ثواب ہے۔ اِسلام ایسے قناعت شعار اور حلال روزی کمانے والوں کو کبھی نگاہِ حقارت سے دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا وہ لوگ جو معاشرے میں کمتر پیشے کے افراد سمجھے جاتے ہیں، اُنہیں اپنے آباء و اجداد کے پیشے کو صرف اِس لئے ترک نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر اُنہوں نے وہ پیشہ اپنایا تو معاشرہ اُنہیں حقارت سے دیکھے گا۔ جو لوگ ایسا سوچتے ہیں، وہ بلاشبہ احساسِ کمتری کے شکار ہوتے ہیں۔

بعض لوگ موسیقی یا دیگر فنونِ لطیفہ کا ذوق و شعور اور موہُوبی استعداد رکھنے کے باوجود اِن سے اپنے طبعی میلان اور قلبی وابستگی کے اظہار کو مستحسن سمجھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، غالباً اِس لئے کہ وہ ایک عالی خاندان کے فرد ہیں اور ایسے فنون، کمتر لوگوں کا پیشہ ہونے کے سبب علامتِ نسب کے طور پر اُنہی افراد سے مخصوص ہیں۔ لہٰذا ایک عالی خانوادے کا فرد ایسے علوم و فنون کیوں سیکھے، جو اُس کے خاندانی وقار و عظمت کو مجروح کریں۔ ایسی سوچ اُنہی ذہنوں کی پیداوار ہو سکتی ہے، جن کی ولادت کسی عالی خاندان میں حُسنِ اتفاق کا نتیجہ ہو، مگر شومیٔ قسمت کے باعث نہ صرف یہ کہ وہ ذاتی طور پر استعدادِ عالی اور عُلوم و فنون سے تہی دامن ہوں، بلکہ جہالت کے سبب نسبی افتخار و رعونت، عصبیت و تنگ نظری اور کم ظرفی میں مبتلا ہوں۔ قدرت جن کو بندۂ عشق بنا کر بھیجتی ہے، اُنہیں خسروؒ اور جامیؒ کی طرح سستی عزت و شہرت، نسبی برتری اور لوگوں کے طعن و تشنیع کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا

بقولِ عارفِ جامیؒ ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

علامہ اقبالؒ کے نزدیک تو جس طرح محبّت کی رسمیں جغرافیائی حدود سے بالاتر ہوتی ہیں، اِسی طرح شہیدِ محبّت بھی قیودِ مراسم سے آزاد ہوتا ہے ؎

شہیدِ محبّت نہ کافر نہ غازی
محبّت کی رسمیں نہ تُرکی نہ تازی (بالِ جبریل)

بندۂ عشق خلق کی دُشنام طرازیوں اور جگ ہنسائیوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ امیر خسروؒ نے اِسی لئے کہا تھا ؎

خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کُند
آرے آرے می کنم، با خلقِ عالم کار نیست

اگر نسلی امتیازات کے ایسے پُجاریوں اور نام نہاد معترضین کی محوّلہ بالا دُور از کار منطق کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اُنہیں یہ بھی بتانا ہو گا کہ نسب اور عزّت و وقار کے حوالے سے اُن کا فیصلہ امیر خسروؒ اور مولانا جامیؒ جیسے اکابرِ اُمّت کے بارے میں کیا ہو گا۔ کیا یہ سمجھنا چاہئے کہ ملّت کی یہ برگزیدہ شخصیتیں اپنی علمی وجاہتوں، رُوحانی عظمتوں اور رفعتوں سے یکسر بے نیاز ہو کر موسیقی اور شعر جیسے گھٹیا فنون سے شوق رکھنے کے باعث عمر بھر وقت کی متاعِ عزیز کا ضیاع کرتی رہیں؟

ثابت ہوا کہ موسیقی اور اِس طرح کے دوسرے فنون صرف ایک علم اور ایک فن کی حیثیت رکھتے ہیں اور اِن کا کسی مخصوص نسب سے تعلق نہیں، بلکہ مرّوجہ غیر اسلامی طبقاتی تقسیم کے مطابق کم تر یا برتر خاندانوں کے افراد اِنہیں یکساں طور پر حاصل کرنے کے مجاز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابرِ سَلَف دینی علوم میں یدِ طُولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن اور موسیقی جیسے فنون میں بھی مہارتِ تامّہ حاصل کرتے تھے اور یہ امر اُن کے لئے طرّۂ امتیاز و اعزاز ہوتا تھا؛ اِسی باعث اُن کی شخصیت ہمہ گیر و ہمہ جہت کہلاتی تھی، صرف ایک شعبے میں محدُود ہو کر رہ جانے سے تو انسان کی فطری صلاحیتوں کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور وہ امیر خسروؒ کی طرح ہمہ گیر اور جامع الصفات شخصیت کہلانے کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا جن عالی خانوادوں

کے افراد میں ایسے فنون کا شعور اور ذوق پایا جاتا ہے، اُنہیں چاہیئے کہ نسبی کبر اور خاندانی برتری کے خود ساختہ خول سے نکل کر اپنے فطری رجحانات اور ذوق کو رسم و رواج اور طعن و تشنیع کے بھینٹ نہ چڑھائیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر صلاحیتِ فن کو بروئے کار لاکر علم و فن کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنی قلبی تسکین کا سامان بھی مہیا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بندگانِ عشق کا ذہنی وجدان جب انسانیت کے نقطۂ کمال کو چھونے لگتا ہے اور محبوبِ حقیقی کی تجلیاتِ التفات سے اُن کے دیدہ و دل ضیاگیر ہونے لگتے ہیں تو وہ بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں ؎

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم
تُو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر بار می رقصم
بہر طرزے کہ می رقصانیَم اے یار می رقصم
تُو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خُونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خُونخوار می رقصم
بیا جاناں! تماشا کُن کہ در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رُسوائی سرِ بازار می رقصم
خوشا رندی کہ پامالش کُنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من با جُبّہ و دستار می رقصم
منم عثمانِ ہارُونی کہ یارِ شیخ منصورم
ملامت می کُند خلقے و من بر دار می رقصم

اربابِ علم و دانش جانتے ہیں کہ موسیقی دیگر فنون کی طرح نہایت لطیف، نازک اور ایک باقاعدہ علم ہے۔ مبداءِ فیض جن روشن دماغ افراد کو اِس علمِ لطیف کا شعور مرحمت فرماتا ہے اور جن اذہانِ رسا کو سُر تال کا ادراک فطری طور پر ودیعت کیا جاتا ہے، وہ صرف اپنی تسکینِ قلبی اور تکمیلِ ذوق کی خاطر اسے اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر ذوقِ موسیقی رکھنے والے اکابرِ اُمّت کی فہرست بہ طورِ ثبوت پیش کی جائے تو غالباً یہ ایک الگ کتاب بن جائے۔ لہٰذا یہاں صرف دو عظیم شخصیات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو بیک وقت مروّجہ عُلوم و فنُون کے

مُسلّم اُستاد ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیائے رُوحانیت میں بھی بلند تریں مقام کے مالک ہیں۔

پہلی شخصیت طوطیِ ہند حضرت امیر خسرو دہلویؒ کی ہے، جو دیگر عُلوم و فنُون میں بالعموم اور فنِّ شعر و موسیقی میں بالخصوص ایک مُسلّم اُستاد کی حیثیت کے حامل ہیں۔ مختلف راگوں، سازوں اور کئی تالوں کے مُوجد ہونے کا سہرا بھی اُنہی کے سر ہے، جو کم علم لوگ آپؒ کو علمِ موسیقی کی بعض اختراعات کا مُوجد تسلیم کرنے سے انکار کرتے اور بے وزن دلائل پیش کرتے ہیں، وہ سب ہماری نظر میں ہیں اور بحمد اللہ ہم فنِّ موسیقی کا کچھ نہ کچھ شعور اور ذوق رکھنے کے باعث اُن سب کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔

دوسری شخصیت عارفِ نامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی ہے، جنہوں نے سلسلے کے اعتبار سے نقشبندی ہونے کے باوصف موسیقی پر ایک مکمل رسالہ تحریر فرمایا، جس کا نام رسالۂ موسیقی ہے، اِس کا تذکرہ آپ کے فارسی کُلیات کے دیباچے میں موجود ہے[1]۔ ایسے نفوسِ قدسیہ اور عالی اذہان کا موسیقی اور اُس جیسے دیگر فنون میں ماہر ہونا، جن کی علمی و رُوحانی حیثیت عالمِ اسلام میں آفتاب کی طرح روشن ہے، اُن کی جلالتِ شان کو مزید چار چاند لگاتا اور اُنہیں ایک نابغۂ روزگار ہستی کے عظیم لقب کا مستحق قرار دیتا ہے۔ یہ تو ہوا ایسے اکابر کا تذکرہ جو کسی فن کو صرف اپنے ذوق کی تکمیل و تسکین کی خاطر شرفِ قبولیت سے نوازتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں، جن کا دین و مذہب کے حوالے سے کوئی مقام نہیں، علم و فضل اور زُہد و تقوٰی نام کی کوئی چیز اُن میں موجود نہیں؛ اُن کے آباء و اجداد یا خود اُن میں سے کسی نے کوئی دینی و ملی عظیم معرکہ بھی سر نہیں کیا اور موسیقی یا اِس قسم کے دوسرے فنون کو جو اُنہیں ورثے میں ملے ہیں، کسبِ معاش کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں؛ ایسے لوگوں کا معاشرے سے یہ توقع کرنا کہ اُنہیں بھی اُمت کی جلیل القدر ہستیوں کی طرح سر آنکھوں پر بٹھایا جائے اور عزّت دی جائے، احمقانہ سی بات ہے۔

کسی کو ذہنی کوفت دینے یا محض ذلیل کرنے کی خاطر نائی، موچی اور میراثی وغیرہ کہنا انتہائی گھٹیا بات اور چھچھوراپن ہے، لیکن جب ایسے پست ذہن چار پیسوں اور جائیداد کے مالک بن کر کمینگی پر اُتر آئیں یا نمک حرامی کرنے لگیں تو اُن کا دماغ درست کرنے، اِنسانیت

---

[1] دیکھئے کُلیاتِ جامی، ص ۱۲۳، مطبوعہ ایران

سکھلانے اور اُن کی سابقہ اوقات یاد دلانے کی نیّت سے نائی، میراثی وغیرہ کے الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کہہ دینا قرینِ مصلحت ہے۔ اوقات یاد دلانے کے بعد جب اُن کا دماغ اپنی جگہ اور اپنی اصلیت پر عود کر آئے تو پھر اُن کو اُسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر انسانی برادری کا فرد سمجھ کر برابر کی عزّت دینی چاہیئے۔ یعنی ایسے لوگوں کو عزت اُس وقت دینی چاہیئے، جب وہ خود کو اِس کا اہل ثابت کریں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج کل کی نئی نسل کے اکثر افراد صرف اِس لئے اپنے باپ دادا کے پیشے کو خیرباد کہہ گئے ہیں کہ اُنہیں کوئی نائی، موچی یا میراثی کی اولاد نہ کہہ دے۔ اگر وہ اِس بات کی ضمانت دے کر اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُنہیں کسی عالی خاندان کا چشم وچراغ سمجھ کر عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، یا اُنہیں کسی علمی و رُوحانی شخصیت جتنی عزت مل جائے گی تو میرے خیال میں ایسے پیشوں سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کو اپنے بزرگوں کے پیشے فوراً چھوڑ دینے چاہئیں اور اگر مال و دولت، جاہ و اقتدار اور دنیا کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہو جانے کے بعد بھی لوگ اُنہیں نائی اور میراثی کی اولاد ہی سمجھیں تو پھر وہ کیا کریں گے؟

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (اُستاد ذوقؔ)

بہرحال صاحبِ اقتدار اور حاملِ زر و مال ہونے سے انسان کی فطری کمینگی میں سرِمُو کمی نہیں آتی اور وہ اِس طرح معزز نہیں بن سکتا۔ ابو المعانی حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ اِس دعویٰ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

چندانکہ دمد نخل، سرِ ریشہ بخاک است ذِلت نبرد جاہ ز تخمیرِ دنی ہا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ درخت جس قدر بھی بلند ہو جائے، اُس کے رگ و ریشے (جڑیں) اُسی قدر مٹی میں دھنسے ہوئے ہوتے ہیں، ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص فطری طور پر کمینہ واقع ہوا ہے تو جاہ و مال اُس کی فطری کمینگی کو زائل نہیں کر سکتے؛ بالفاظِ دیگر ایسا شخص اقتدار اور جاہ و مال کے باوجود کمینے کا کمینہ ہی رہے گا، کیونکہ مال و دولت کی کثرت اور شوکتِ اقتدار کسی انسان کے لئے فضیلت و عزت کا معیار نہیں بن سکتے۔ اگر کوئی چیز انسان کے لئے معیارِ فضیلت و عزت قرار پا سکتی ہے تو وہ اُس کی ذاتی صلاحیتیں، علم و فضل، زُہد و تقوٰے، صفاتِ عالیہ، اخلاقِ حسنہ اور تواضع و انکسار جیسی دیگر صفات ہی ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ

اولیاء اللہ محوّلہ بالاصفات کے مالک ہونے کے سبب دُنیا کے دوسرے انسانوں سے برتر و ممیز قرار پائے، ورنہ انسانی رشتے اور جنس کی مشارکت کے اعتبار سے وہ بھی دوسروں کی طرح عام انسان ہیں۔ لہٰذا ایسے اکابرِ اُمّت کے علم و عرفان، زُہد و تقویٰ اور دیگر صفاتِ عالیہ کا مقابلہ وہ پست ذہن اور کم کوش افراد کیسے کر سکتے ہیں، جو ایک مسلمان گھر میں پیدا ہو جانے کے سبب بامرِ مجبوری کبھی کبھار کلمۂ طیبہ پڑھ لیتے ہوں، جنہیں دین کے ابجد تک کا علم نہ ہو اور نہ اُس سے کوئی دلچسپی۔ جن کے ہاں وضو، طہارت اور صوم و صلوٰۃ کا تصور بھی نہ ہو اور جن کی آلودۂ ہوس حیات کا ایک ایک لمحہ صرف پیسہ کمانے، عیش کرنے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی فکر میں گزرتا ہو۔

## علّامہ آلوسیؒ اور سیادتِ غوثِ پاکؓ

مُستند ترین مفسّرِ قرآن مفتیٔ بغداد حضرت علّامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ) اپنی شہرۂ آفاق تفسیر رُوح المعانی میں آیۂ تطہیر کے تحت طویل تحقیقی تبصرہ کے دوران لکھتے ہیں:۔

واقول ان السیّد الشیخ عبدالقادر قدّس سرّہٗ وغمرنا برّہٗ قد نال ما نال من القُطبیّۃ بواسطۃ جدّہٖ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام علی اتمّ وجہٍ واکمل حالٍ۔ فقد کان رضی اللہ عنہ من اَجِلَّۃِ اھل البیت حَسَنِیًّا مِن جِھَۃِ الاب حُسَینیًّا مِن جِھَۃِ الاُمِّ۔ لم یُصبہ نقص لَو، اِنْ وعَسٰی ولیتَ ولا ینکر ذٰلک اِلّا زندیقٌ اور افضیٌ ینکر صُحبۃ الصّدّیق رضی اللہ عنہ۔[1]

ترجمہ۔ اور مَیں کہتا ہُوں کہ سید شیخ عبدالقادر قدّس سرّہٗ اللہ تعالیٰ اُن کی بھلائی سے ہماری پردہ پوشی فرمائے، اپنے جدِّ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توسُّط سے قطبیتِ کبریٰ کے مقام پر مِنْ کُلِّ الوُجُوہ اور احوالِ کاملہ کے ساتھ پہنچے، جس قدر پہنچے، آپ کا شمار اہل بیت کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت افراد میں ہوتا ہے۔ آپ والدِ ماجد کی طرف سے حَسَنی اور والدہ ماجدہ کی جانب سے حُسَینی تھے۔ آپ کے نسب کے معاملہ میں لَو، اِن، عسیٰ اور لیتَ

---

[1] دیکھئے رُوح المعانی (عربی) بضمن آیۂ تطہیر، سُورۃُ الاحزاب، آیت ۳۳، جلد ۸، ص ۲۰، مطبوعہ ادارۃُ الطّباعۃ المنیریہ مصر

کی گنجائش نہیں اور آپ کے نسب کا انکار کوئی بے دین اور زندیق انسان ہی کر سکتا ہے، یا پھر (کوئی) رافضی (بدبخت) جو (سیدنا) صدیقِ اکبرؓ کی صحابیت کا منکر ہے (انتہیٰ)

علامہ آلوسیؒ[1] نے حضرت غوثِ پاکؓ کے سلسلۂ نسب اور آپ کے منکرین کے معاملہ میں جو شدید الفاظ استعمال کئے، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نسب کے انکار کا سلسلہ شیعوں کے ہاں عرصۂ دراز سے چل رہا ہے اور یہ انکار اُنہیں نسلاً بعد نسلٍ ورثے میں ملا، جیسا کہ حضرات خُلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی عظمتوں کا انکار اُن کی شناخت اور پہچان بن چکا ہے۔ عبداللہ ابنِ سبا چونکہ اِس مذہب کا بانی ہے اور وہ بدبخت یہودی الاصل تھا، اِس لئے اُس نے اسلام کے ساتھ اپنی دشمنی کا بھرپور مظاہرہ کیا، اُس کے دَور سے آج تک کے شیعہ، اُمّہات المؤمنین اور خُلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے حق میں جن گستاخیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، اِس کا سارا ثواب عبداللہ ابنِ سبا کی رُوح کو پہنچتا ہوگا۔ علامہ آلوسیؒ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کا ذکر اِس لئے کیا کہ شیعہ چونکہ آپ جیسی عظیم ترین ہستی کو بھی نہیں بخشتے تو اگر وہ غوثِ پاکؓ کے نسب یا اُن کے بارے میں کم تر الفاظ استعمال کر دیں تو کیا تعجّب؟ اِس لئے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ سے حضرت غوثِ پاکؓ اور دیگر تمام اولیائے اُمّت کا مرتبہ بہرحال کم ہے، اِس لئے کہ وہ صحابیِ رسول ہیں اور پھر صحابی بھی وہ، جو اکابر میں سب سے پہلے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور سب نے اُنہیں اپنے سے افضل و برتر سمجھا۔

صحابۂ کرام خصوصاً خلفاءِ ثلاثہؓ کے حق میں نازیبا الفاظ لکھنا، بولنا اور اُن پر سبّ وشتم کرنا، جس بدتمیز مذہب کا شعار اور وظیفہ ہو، اُس کے مقلدین کی زبان اولیا اور صلحائے اُمّت پر سبّ وشتم اور اُن کے خلاف زہر اُگلنے سے کب چُوک سکتی ہے؟ اِس کی مثال یُوں سمجھئے کہ جو ملحد اور بے دین ذہن، اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی خیالات پیدا کر سکتا ہو اور جو زبان ربُّ العزّت کے متعلق کم تر الفاظ استعمال کر سکتی ہو، اُس سے انبیاء و ملائکہ اور آسمانی کتابوں کے بارے میں کس احترام و تکریم کی توقّع کی جا سکتی ہے؟ جو بدبخت انسان، انبیاء و ملائکہ اور خالقِ ارض و سماوات کے متعلق اِس قدر گھٹیا سوچ رکھتا اور پست الفاظ استعمال میں لاتا ہو، وہ اُس کی مخلوق کو اگر کچھ کہہ دے تو کوئی بڑی بات نہیں؛ اِس لئے کہ انبیاء و ملائکہ اور اولیاء کا مرتبہ

---

[1] آلوس، لبِ فرات واقع ایک قصبہ کا نام (معجم البلدان)۔

اللہ تعالیٰ کے بعد ہے۔ جو شخص باری تعالیٰ پر تنقید سے نہیں چُوکتا، اُس سے شرم وحیا کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟

## حضرتِ بیدلؒ کی تصریح

اِسی مضمون کو حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ نے یُوں بیان فرمایا ؎

باشاہ ہر آنکہ التجایش باشد | تحقیرِ مقرّباں خطایش باشد
حق را تو چہ تعظیم بجا آوردی | تا نزدِ تو قدرِ اولیایش باشد

ترجمہ۔ جو شخص بادشاہ کا (حقیقی) نیاز مند ہو، اگر وہ اُس کے مُقرّبین کو بہ نگاہِ حقارت دیکھے تو یہ اُس کی خطا ہوگی۔ اے مخاطب! تُو نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے حُقُوق کہاں تک پورے کئے کہ تیرے دل میں اُس کے دوستوں (اولیاء) کی قدر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو انسان ذاتِ باری تعالیٰ کی تعظیم و ادب کا حق ادا نہ کر سکے تو اُس سے اُس کے مقبول بندوں کے حقوقِ تعظیم ادا کرنے یا اُن کی توقیر و عزّت بجا لانے کی توقع بے سُود ہے جس طرح مُقرّبینِ شہ کی تکریم و توقیر دراصل شاہ ہی کی عزّت و توقیر کی نشاندہی کرتی اور غمّاز ہوتی ہے، اِسی طرح انبیاء و اولیاء کی تعظیم و تکریم میں بھی اُسی ذاتِ بزرگ و برتر کی تعظیم مُضمر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شاہ سے محبّت و عقیدت کا مُدّعی ہے تو اُس کے دل میں اُن لوگوں کی بھی کچھ نہ کچھ عزّت ہونی چاہیئے، جن کو شاہ نے مُقرّب بنایا؛ کیوں کہ مُقرّبینِ شہ کی توہین، دراصل شاہ ہی کی توہین ہے۔ لہٰذا مُقرّبین کی عزّت و حُرمت کا پاس رکھنا، شاہ کے ایک سچّے نیاز مند کی حقیقی پہچان ٹھہرے گی، ورنہ وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہوگا۔

یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص ایک صفت کا احترام تو کرے، مگر اُس کے دل میں موصُوف کی کوئی اہمیّت نہ ہو۔ مثلاً ایک آدمی صفتِ علم کو بہ نگاہِ عزّت و احترام دیکھتا ہو، مگر جس شخص (یعنی عالم) میں یہ صفت پائی جاتی ہو، اُس کی عزّت نہ کرے، یا کسی فن سے محبّت کرنے والا اُس انسان سے نفرت کرے، جو اُس فن کا ماہر ہو؛ اُس کے اِس رویّے سے اُس کے کذب اور تصنّع کا بھانڈا پھُوٹ جائے گا۔ اُس کے دل میں علم و فن کی کوئی وقعت ہی نہیں، اِسی لئے تو وہ اُن لوگوں کی عزّت اور احترام میں پس و پیش کرتا ہے، جن کے سینے دولتِ علم و فن سے مالا مال ہیں۔ دوسری وُجُوہ کے علاوہ اِس کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود علم و فن

کی صفت سے یکسر محروم اور کورا ہے، مگر اُس کی محرومی سے صفتِ علم وفن کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ؎

گر نہ بیند بہ روز شپّرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(سعدی شیرازیؒ)

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر چمگادڑ کی (دُشمنِ نُور) آنکھیں مہرِ عالم تاب کی (ہدایت ساماں) تابانیاں دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتیں تو اِس میں مہرِ مُنیر کا کیا قصور۔ مشاہدۂ مہرِ مُنیر سے چمگادڑ کا کترانا اِس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ آفتاب میں ظاہری و معنوی جلوہ آرائیاں اور ہدایت سامانیاں موجود ہی نہیں۔ بقولِ شاعر ؎ خورشید نہ مجرم ارکسے بینا نیست۔ غالب مرحوم نے اِسی مفہوم احترام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل شعر کہا تھا ؎

غالب! ندیم دوست سے آتی ہے بُوئے دوست
مشغولِ حق ہُوں بندگیٔ بُوتُرابؓ میں

بہرحال مُسلّماتِ کائنات اور حقائقِ روزگار کے انکار سے اُن کے وجود کی نفی نہیں کی جا سکتی، ساری دُنیا اگر آگ کو ٹھنڈا کہنے لگ جائے، تو کیا فرق پڑے گا، اُس کی ماہیت اور تاثیر تو نہیں بدل سکتی ؎

اُڑائے دُھول کوئی، چاند پر کب دُھول پڑتی ہے
کوئی کہتا رہے، ذِی علم جاہل ہو نہیں سکتا

(راقم الحروف)

کیا ہم شیعوں کی اِن بیہودہ سرائیوں اور ہرزہ نوائیوں سے متاثر ہو کر اصحابِ رسول اور بزرگانِ دین کا احترام اور اُن کی عظمتوں کا اعتراف چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ چونکہ شیعہ کے نزدیک سیّد ہونے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ اصحابِ کبار پر سب وشتم کرتا ہو، اب جو سیّد اُن کے اِس خُود ساختہ اور غیر اخلاقی معیار پر پُورا نہ اُترے، وہ اُسے اور تو کچھ نہیں کہتے، البتہ دائرۂ سیادت سے خارج کر دیتے ہیں، جیسے انہیں یہ اختیار باری تعالیٰ نے دیا ہو۔ اگر رفیقِ غار وقبر و بدر اور دیگر دو خلفائے کرام کو گالیاں دینا ہی معیارِ سیادت ہے تو ہم ایسی سیادت سے بھی باز آئے۔ شیعہ ہمیں سیّد نہ سمجھیں اور نہ کہیں، ہم تو اُن کی شان کے خلاف کچھ

غلط سوچنا بھی کفر و ارتداد کے مترادف سمجھتے ہیں، جنہیں تم گالیاں بکتے ہو۔ مگر اس کے علاوہ تم کر بھی کیا سکتے ہو، کیونکہ ع از کوزہ ہماں بروں تراود کہ در وست یعنی کوزے سے وہی چیز باہر آتی ہے، جو اُس کے اندر ہو۔

چلئے وہ سادات، جو اصحابِ کبار کو گالیاں نہیں دیتے، بلکہ اُن کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں، وہ تمہارے نزدیک سیّد نہ سہی! مگر یہ تو بتاؤ کہ جو افراد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہوں اور جنہیں سیّد کہا جاتا ہو، کیا اپنے نانا کے محبوب ترین ساتھیوں کو گالیاں ہی دیا کرتے ہیں، یا اُن کا وظیفہ یہی ہونا چاہیئے کہ وُہ اپنے جدِّ امجدؐ کے پاس بیٹھنے والے معتمد اور جانثار مُقرّبین کو نازیبا الفاظ سے یاد کریں۔ کیا سعادت مند اولاد اپنے بزرگوں کے مخلص و نیک سیرت احباب اور متعلقین کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتی ہے اور حلالی اولاد کی علامتِ شناخت یہی ہوتی ہے؟ اگر سیادت اِسی کا نام ہے، تو ہم غیر سیّد ہی بھلے اور ہمارے لئے قیامت کے دن بجائے نسب کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں یا پھر آپ کے غلاموں کے غلاموں میں پکارا جانا ہی اچھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھ رکھیئے کہ آپ لوگ جب اپنی اِس سبتی و شتمی سیادت کا غرور لے کر بارگاہِ حقیقی میں پیش ہوں گے، تو آپ کی سیادت کی بھی ساری قلعی کھُل کر رہ جائے گی۔

ہم حضرت علّامہ آلوسی بغدادیؒ کی تحقیق پر تبصرہ کرتے کرتے کہاں تک نکل گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ علّامہ آلوسیؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کے نسب کے سلسلے میں یہاں تک فرما دیا کہ اِس معاملہ میں کو، اِن، عسیٰ وغیرہ کی قطعاً گنجائش نہیں، یعنی اگر، بشرطیکہ اور تقریباً کے الفاظ یہاں مہمل ہیں، کیوں کہ حضرتؓ کی سیادت ایک مسلّمہ حقیقت ہے، گویا ؎

قال کی گنجائشیں اُن کی تمنا میں نہیں
کفر ہے اس راہ میں کب، کیسے، کیا، کیوں کر، کہاں (راقم الحروف)

## اربابِ ولایت کی وردی ــــ اُن کے تصرّفات

اِس کارزارِ حیات میں جس طرح انسان ہر شعبہ کو ایک مخصوص نام، علامت اور پہچان سے منسوب کرتا ہے، خواہ وہ تخصیص و امتیاز لباس کے اعتبار سے ہو یا کسی خاص نام کے حوالے سے، بہرحال مقصدِ اختصاص یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ اِس آدمی کا

تعلق زندگی کے کس شعبے سے ہے اور یہ کس شعبۂ حیات کی نمائندگی کر رہا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں افراد کو اکثر و بیشتر کسی استفسار کے بغیر اُن کے مخصوص لباس، موجود اصطلاحات اور اُن کی وضع قطع سے پہچان لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر پولیس، بحری، بری اور ہوائی افواج، وُکلاء، عُلماء، اطباء وغیرہ۔

اِسی طرح خالقِ کائنات نے بھی اپنی مختلف الانواع مخلوق کو مخصوص رنگ، لباس اور ناموں سے موسوم فرمایا تاکہ پہچان میں دقّت، دشواری اور دھوکہ نہ ہو۔ قرآنِ مجید اور احادیثِ مُبارکہ میں خاصانِ خدا کی جن علامات و امتیازات کا ذکر ملتا ہے، اُنہیں پڑھ کر ان مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کی شناخت میں کوئی دقّت پیش نہیں آتی۔ اگرچہ یہ موضوع بھی اپنی وقعت اور اہمیّت کے اعتبار سے تفصیل طلب ہے اور بحمد اللہ ہم قرآن و حدیث سے اپنے موقف کے ثبوت میں کئی امثال و نظائر بھی پیش کر سکتے ہیں، لیکن خوفِ طوالت سے صرف اِتنا کہہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ عبادِ صالحین کی علامات اور نشانیوں کا ذکر قرآن و حدیث میں بہ کثرت موجود ہے اور اربابِ علم و ذوق اِن کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ مُتذکرہ شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی طرح اولیاء اللہ اور مقبولانِ خدا کے لئے کسی مخصوص لباس یا وردی کا تعین تو نہیں کیا گیا، مگر اِس طبقے کو دوسری مخلوق سے مُمیّز کرنے کے لئے بعض ایسے الفاظ و اصطلاحات ضرور وضع کر دی گئیں، جن کا اطلاق عامّۃُ النّاس پر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر عباد اللہ الصّالحین، اولیاء اللہ اور اِس قسم کی دوسری تراکیب کا استعمال قرآنِ کریم میں متعدّد مقامات پر موجود ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست اور اُس کے نیک بندے نہیں، اُن پر اِن الفاظ کا اطلاق قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی ہوگا۔

یہ تو درست ہے کہ ایک ہی ذات انسانوں کی خالق و مالک ہے اور سب انسان جن میں انبیاء، صحابہ، شہداء، صالحین، ائمۂ مجتہدین اور اولیاء اللہ شامل ہیں، ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ مگر اِن کے مراتب میں بلا شُبہ غیر معمولی فرق رکھ دیا گیا ہے اور ہر ایک کے لئے ایک مخصوص نام اور متعیّن درجہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح متحقّق ہو جاتا ہے کہ اُس کے نیک بندوں کا اولیاء اللہ اور عبادِ صالحین کے گروہ میں داخل ہو جانا نہ صرف یہ کہ اِن پر مُتذکرہ قرآنی اصطلاحات کے دروازۂ اطلاق کو وا کرتا

ہے، بلکہ نوعِ انسانی کے اُن افراد کے لئے اِن الفاظ کی اجازت نہیں دیتا، جو نیک بندے نہیں۔ مسطورہ بالا اصطلاحاتِ قرآنیہ جو بطورِ مثال ذکر کی گئیں، اولیاء اللہ اور غیر اولیاء کے فرق کو واضح کرتی ہیں۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ محولہ بالا شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی طرح اولیاء اللہ اور مقبولانِ خدا کے لئے کسی مخصوص لباس یا یونیفارم (Uniform) کا تعین تو نہیں کیا گیا، بلکہ لباسِ بشریت سب کا یکساں ہے، لیکن مخلوق کی نوعی وحدت و یکسانیت سے اُن کے مراتب و فضائل اور خواص و تاثیرات کی یکسانیت تو کسی طرح لازم نہیں آتی۔ بقولِ اقبالؒ ؎

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور (بالِ جبریل)

پتھر، کوئلہ، نمک، ہیرا، نیلم اور الماس جنس کے اعتبار سے سب ایک ہی معدنی لباس میں ہیں اور سب پر لفظِ معدنیات کا اطلاق ہی ہوگا، لیکن کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کی اہمیت و حقیقت اور خواص و تاثیرات بھی برابر ہیں؟ لہٰذا صفتِ بشریت کے اشتراک و وحدت کے باوصف سب انسان مراتب و مناصب اور فضائل و کمالات میں یکساں نہیں ہوتے۔ جس طرح سلاطینِ جہاں اپنے دربار کے خواص کو عوام الناس سے ممتاز و منفرد ظاہر کرنے کے لئے اعزازات اور خصوصی خلعت و نشانات عطا کرتے ہیں، اِسی طرح دربارِ صمدیت نے اپنی بارگاہ کے قدسی صفت بندوں کو بھی امتیاز و انفرادیت کی کچھ علامات بخشی جاتی ہیں؛ معیتِ الٰہی کے سبب اُن کے نحیف و نزار مادی اجسام کی شاہانہ تمکنت، ہیبت اور رُعب و دبدبہ، اُن کے نُورانی پیکروں کی بے پناہ جاذبیت و مقناطیسیت، اُن کے سادہ و بے تکلف تکلم کی معجزانہ دل نشینی، اُن کی نگاہوں کی دلنوازیاں، کارسازیاں، کارکشائیاں، مسیحائیاں اور اُن کے حرکات و سکنات کی محیّر العقول تاثیرات کے واقعات سے کُتبِ تاریخ بھری پڑی ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہی خاصیتیں اُن کی شناخت کے لئے یونیفارم کا کام دیتی ہیں۔

مسطورہ بالا مختصر تجزیہ سے یہ امر ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید اور احادیث میں بیان کردہ علاماتِ ولایت و رُوحانیت جب کسی عبدِ صالح میں پائی جائیں یا پھر کوئی جلیل القدر ولی (جو خود اِن علامات کا حامل ہو) رُوحانیت کی علامتوں اور ولایت کی نشانیوں کو بیان کرے

تو صرف وہ علامات ایک انسانِ کامل کی پہچان کا معیار قرار پا سکتی ہیں۔ جن لوگوں نے وادیٔ رُوحانیت میں قدم ہی نہیں رکھا اور جو افراد علمی و عملی اعتبار سے ولایت یا مرتبۂ ولایت کے ابجد سے بھی ناآشنا ہیں، اُن کے خود ساختہ مفروضات کو ایک ولی کی پہچان کا معیار کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ بات نہ تو نقلاً درست ہے اور نہ عقلاً۔

## علاماتِ ولایت، ایک ولی کی نظر میں

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مؤسس حضرت خواجہ بہاءُ الدین نقشبندؒ (م ۷۹۱ھ) نے جو بلاشبہ ولایت اور قُربِ خداوندی کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے، درج ذیل فارسی اشعار میں ولی کی تین علامات بیان فرمائی ہیں۔ گویا حضرتِ نقشبندؒ کی تصریح ذیل کے مطابق جو شخص کم از کم اِن علامات کا حامل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور منصبِ ولایت پر فائز ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

سہ نشاں بود ولی را زنخست داں بہ معنیٰ
کہ چو رُوئے اُو بہ بینی دلِ تُو بدو گراید

ترجمہ۔ حقیقی ولی کی تین نشانیاں ہیں۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ تُو اُس کے چہرے کو دیکھے تو تیرا دل اُس کا گرویدہ ہو جائے (یعنی اُسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو تیرے دل میں انگڑائیاں لینے لگے)

دوم آنکہ در مجالس چو سخن کُنَد بہ معنیٰ
ہمہ را ز ہستیٔ خود بہ حدیث می رُباید

ترجمہ۔ دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ مجلس میں اسرار و حقائق بیان کرے تو اُس کی باتیں سامعین کے دل موہ لیں اور سُنتے رہنے کو جی چاہے۔

سوم آں بود بہ معنیٰ ولیٔ اخصِ عالَم
کہ زہیچ عضو اُو را حرکاتِ بد نیاید

ترجمہ۔ حقیقت میں جہان کے خاص تریں ولی کی تیسری نشانی یہ ہے کہ اُس کے اعضا سے ناشائستہ حرکات سرزد نہ ہوں (گویا اُس کی خلوت و جلوت میں کسی قسم کا تضاد نہ پایا جائے)

---

لہ دیکھئے مقدمہ کلیاتِ جامیؒ از ہاشم رضا بخش نہم، ص ۰۷، مطبوعہ چاپ خانہ پیروز (تہران)

جس شخص کے مزاج میں محوّلہ بالا اوصافِ ولایت سے طبعی اور فطری ہم آہنگی نہ پائی جاتی ہو، بلکہ وہ معاشرے میں صرف اپنے تقدّس و ولایت کا رُعب جمانے اور لوگوں کو پھانسنے کی خاطر ان اوصاف کو عادتِ ثانیہ کے طور پر اپنالے تو یہ صریح دجل و فریب ہوگا، اِس لئے کہ صالحین و ابرار کے اطوار پر عمل پیرا ہونے سے عنداللہ انسان اُسی وقت اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے، جب اُس کے عمل میں خلوص و للّٰہیّت اور نیّت میں پاکیزگی ہو، ریاکارانہ اور عیّارانہ تقلید کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ؎

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے (بالِ جبریل)

ظاہر ہے کہ تقلید کا تعلق عمل سے ہے اور عمل کی رُوح نیّت کی طہارت ہے! غالباً نیّت کی اِسی طہارت، للّٰہیّت اور صدق و اخلاص کو علّامہ اقبال مرحوم نے عشق سے تعبیر کیا اور کہہ دیا کہ ؎

مردِ خُدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام (بالِ جبریل)

اور جب مردِ حق، عبدِ صالح یعنی مردِ مومن عشق کے اِس مرتبۂ بلند پر فائز ہوجاتا ہے تو پھر بقولِ علّامہ مرحُوم ؎

عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں — عشق کے ادنیٰ غلام، صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں — عشق سراپا یقیں اور یقیں فتحِ باب

حضرت خواجہ نقشبندؒ کی بیان فرمودہ علاماتِ ولایت سے بھی ثابت ہوا کہ جس شخص میں کم از کم یہ تین صفات موجود نہیں، لیکن اِس کے باوجود لوگ اُسے ولی سمجھتے ہیں تو اِسے اُن کی محض اندھی عقیدت پر محمول کیا جائے گا۔ ایک ولی کو تو معیارِ ولایت مقرّر کرنے اور اُس کی نشاندہی کا حق حاصل ہے، مگر جو حضرات ولایت و رُوحانیت کے ابجد سے بھی واقف نہیں اگر وہ ولایت کا کوئی معیار مُقرّر کریں یا اپنی اصطلاحِ موضوع کو علامتِ ولایت باور کرانے کی کوشش کریں تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدھے ولی تو وہ خود ہیں، جو ولی نہ ہونے کے باوجُود ولایت کے مدارج اور اُس کی علامات کا تعیّن فرمارہے ہیں۔ آخر اُنہیں یہ حق کس نے دیا؟ ایسے لوگ 'پیراں نمی پرند مُریداں می پرانند' کے صحیح مصداق ہوتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کسی کی ولایت ورُوحانیت کو قرآن و حدیث یا پھر اولیاء اللہ کے مُقرّر کردہ پیمانوں سے

ناپنا چاہیئے، نہ کہ چند جُہلاء کی اندھی عقیدت کے پیمانوں سے۔ جس طرح وُصُول اِلی اللہ کے لئے رُوحانی رہنما اور ہادی سے تمسّک ضروری ہے، اِسی طرح اولیاء اللہ کی شناخت اور اُن کے عرفان کے لئے بھی کسی شیخ کامل سے وابستگی ناگزیر ہے۔ یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ دنیا کے معمولی سے معمولی فن میں مہارت پیدا کرنے کے لئے تو اُستاد کی ضرورت لازمی قرار پائے، لیکن عرفانِ الٰہی اور خاصانِ خدا کی پہچان جیسے مشکل اور نازک ترین کام کے لئے کسی رہبر و رہ نُما کی ضرورت نہ ہو ؎

بہ جُز رہبر نہیں ممکن جہاں میں جب ہُنر کوئی
نہیں معلوم یاروں نے وُصُولِ حق کو کیا سمجھا

## ضرورتِ شیخ

جیساکہ ابھی کچھ پہلے مسطُور ہوا کہ اعمال کی اصل رُوح حُسنِ نیّت ہے اور اگر نیّت ہی میں فتور ہو تو انسان عند اللہ اعمالِ صالحہ کے فیوض و برکات اور اِن کے رُوحانی ثمرات سے محروم قرار پاتا ہے اور اُس کے ایسے اعمال اَلَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ[1] کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ جو لوگ فریب دہی کے لئے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر ہوتے ہیں اور گندم نُما جَو فروش کا کردار ادا کرتے ہیں، اُنہیں ایسا کرنے سے اجتناب چاہیئے، اِس لئے کہ کاغذی پھُولوں سے شامہ نواز، رُوح پرور اور مسحُور کُن مہک کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایسی اخلاقی قباحتوں اور عملی معائب سے بچنے کی خاطر کسی نہ کسی رہبرِ کامل، مُرشدِ صادق اور مُربّیِ حاذق کی تربیت گاہ میں حَسَب (صفاتِ کاملہ اور اخلاقِ عالیہ) کے حُصُول کے لئے زانوئے تلمّذ ضرور تہہ کرنا چاہیئے۔ اِس سلسلے میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ (م ۴۶۴ھ) کے اُستادِ صُحبت حضرت شیخ ابُو سعید ابوالخیرؒ (م ۴۴۰ھ) فرماتے ہیں ؎

---

[1] القرآن ۱۰۷: ۶

[2] مُفتی غلام سرور لاہوری حضرت داتا صاحبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔ "و شیخ علی سوائے ابوالفضل پیر خود با حضرت شیخ ابُوالقاسم گورگانیؒ و ابُوسعید ابُوالخیرؒ و ابُوالقاسم قُشیریؒ و دیگر مشائخ عظام صحبت ہا داشت و فوائد کثیر بر داشت (ترجمہ) اور حضرت شیخ علی ہجویریؒ اور اپنے پیر حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ (رازی) سے فیوض کامل

شب خیز کہ عاشقاں بہ شب راز کُنند   گردِ در و بامِ دوست پرواز کُنند
ہرجا کہ درے بود بہ شب بربندند   اِلّا درِ دوست را کہ شب باز کُنند[1]

حضرت ابُوسعید ابُوالخیر قدس سرّہٗ کا مطلب یہ ہُوا کہ وہ لوگ جو رات کی خلوتوں میں ذکر و فکرِ حبیب میں مشغول رہتے ہیں، اُنہیں ایسا ویسا نہ سمجھیئے، کیوں کہ وہ اُس مُجیب الدّعوات کے دروازۂ فضل وکرم کے رُوبرو بیٹھے بہ زبانِ حال عرض کر رہے ہوتے ہیں ؎

تُو اپنا در نہ کھولے گا مَیں تیرا در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

یہ امرِ واقع ہے کہ اِن شب زندہ داروں کے لئے ہی وہ دروازہ کُھلتا ہے، کیوں کہ یہی لوگ اُس کے منتظرِ کُشاد ہوتے ہیں، اِسی لئے علّامہ اقبالؒ نے شب زندہ داروں کو نجُومِ فلک سے تشبیہ دے کر اُن کی خیر مانگی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر   (بالِ جبریل، ساقی نامہ)

بہرحال رات کا جاگنا اگر بہ نیّتِ عبادت ہو تو عین ثواب ہے اور اگر کسی دینی یا مذہبی خدمت کی خاطر شب بیدار رہا جائے تو اِسے بھی ذکر و فکرِ الٰہی کے زُمرے میں شمار کیا جائے گا، کیوں کہ خدمتِ دین بھی تو سب سے بڑی عبادت ہے۔ تقریر و تحریر سے ہو، یا تدبیرِ اُمُور سے۔

جو لوگ کسی مُربّیِ حاذق اور مُرشدِ کامل کے آگے بہ نیّتِ ادب اور کسبِ فیض کی خاطر جُھکیں گے تو کچھ اُٹھا ہی لیں گے، ورنہ کوئی اور خوش نصیب جُھک کر اُٹھالے جائے گا خلوصِ نیّت سے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے دروازوں پر حاضر ہونے والا کبھی خالی نہیں لوٹتا، لہٰذا ایسے

---

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) کے علاوہ شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ، ابُوسعید ابُوالخیرؒ، ابوالقاسم قُشیریؒ اور دوسرے مشائخِ عظام سے نشست و برخاست رکھتے تھے اور آپ نے اُن سے بہت (رُوحانی) فوائد حاصل کئے۔ (ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء فارسی، ص ۸۸۵ مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۲۸۳ھ)

[1] ترجمہ۔ رات کو بیدار رہ! اِس لئے عُشّاق رات کے وقت ہی اپنے محبوب سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں اور اُن کا طائرِ فکر و نظر رات ہی کو قصرِ محبوب کے در و بام کا طواف کیا کرتا ہے، وہ (عُشّاق) رات کے وقت (خود پر) تمام دروازے بند کر لیتے ہیں، بس ایک ہی دروازے کو کھولتے ہیں، جو محبوبِ حقیقی کا دروازہ ہے۔

اربابِ کمال کی صحبت اختیار کرنے سے ؎

از فقر قلم و معانی یابی گنجینۂ اسرارِ نہانی یابی
گر صحبتِ عارفاں گزینی بہ جہاں لاریب حیاتِ جاودانی یابی (نامعلوم)

جو لوگ عرفائے اُمت کی تعلیمات حاصل کرتے اور اربابِ نظر کی مصاحبت کو اپناتے ہیں، اُن پر حقائقِ کائنات کے ابواب کُھلنے لگتے ہیں اور عوامی ذہن سے اُن کی سطح غیر معمولی طور پر بلند ہو جاتی ہے۔ مثلاً عوام کے نزدیک دُنیا و آخرت کا تصور بڑا محدود ہے، جہاں وہ چند مخصوص اعمال کو توشۂ آخرت سمجھتے ہیں، وہاں زندگی کے دیگر مشاغل کو دُنیاداری سے تعبیر کرتے ہیں؛ لیکن وہ ذہن جو علمی اور فکری اعتبار سے اکابرِ اُمت کی درسگاہِ فکر و نظر کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں، اُن کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں عوامی نقطۂ نظر سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اُسے ہم آخرت کہتے ہیں، جو مشغولِ حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل، اُسے دُنیا سمجھتے ہیں (اکبر الٰہ آبادیؒ)

## شیخ ابن تیمیہؒ کی حضرت غوثِ اعظمؓ سے عقیدت

عام طور پر علامہ ابنِ تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۸ء) کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اُمورِ دین میں سخت گیر تھے، بالخصوص صُوفیائے کرام اور تصوّف کے خلاف تھے۔ یہ بات اِس حد تک تو درست ہے کہ اُنہوں نے اُس تصوّف اور اُن صوفیاء کی تردید کی ہے، جن کے نظریات و عقائد قرآن و سُنت، آثارِ صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کے خلاف ہیں۔ قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہٗ نے شیخ ابن تیمیہؒ کی بعض دینی خدمات کا اعتراف فرمایا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اُن اولیائے کاملین کی مخالفت نہیں کرتے، جو قرآن و سُنت اور شریعتِ مطہرہ کے سختی سے پابند ہیں، بلکہ اُن سے تو وہ اظہارِ عقیدت و نیاز بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شرح کلمات الشیخ عبد القادر الجیلانیؓ (من فتوح الغیب) ایک مستقل رسالہ لکھا، جس میں آنجنابؓ کی علمی و رُوحانی عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یہ رسالہ مکتبۃ المثنّٰی بغداد سے شائع ہو چکا ہے۔ علامہ ابراہیم الدروبی اپنی تصنیف، المختصر فی تاریخ الشیخ عبد القادر الکیلانی میں تضارب الآراء حول کراماتہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ان الامام ابن تیمیۃ یعلن بتصدیقها۔ (ترجمہ) شیخ ابن تیمیہؒ حضرت عبدالقادر جیلانیؓ کی کرامات کی تصدیق کا اعلان کرتے ہیں۔

علامہ السید عباس العزاوی کی کتاب تاریخ العراق بین احتلالین کی جلد چہارم کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں :-

وکان العلامۃ ابن تیمیۃ یرسل من دمشق الشام نذورًا واعانات للحضرۃ الکیلانیۃ لاجل الدرس والتدریس واطعام الطعام وذلك فی اواخر ربیع الاول وکانت تلك القافلۃ تحتوی علی ثلاثین بعیرًا۔ (ترجمہ) اور علامہ ابن تیمیہؒ دمشق (شام) سے درگاہِ جیلانیہ میں نذرانے اور ہدیے درس و تدریس اور (غوثیہ لنگر میں) کھانا کھلانے کے لئے ربیع الاول کی آخری تاریخوں میں بھیجا کرتے تھے اور یہ قافلہ تیس[1] اونٹوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ (انتہی) یہی علامہ ابراہیم الدّروبی اپنی تصنیف، المختصر فی تاریخ سید عبدالقادر الکیلانی میں علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادیؒ کی تصنیف، مساجدِ بغداد کے ص ۳۱ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :- ولقد رأیتُ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ یثنی علیہ فی کتبہ الثناء الاطیب۔ (ترجمہ) میں نے شیخ ابن تیمیہؒ کی تصانیف میں دیکھا کہ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی بڑی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔

آج کل کے نام نہاد موحدین (وہابی) جو ابن تیمیہؒ کو اپنا امام و مقتدیٰ کہتے اور تسلیم کرتے ہیں، اپنے امام کے محوّلہ طرزِ عمل پر ذرا غور کریں کہ وہ حضرت عبدالقادر جیلانیؓ کے لنگر میں عمر بھر نذرانے اور ہدیے بھیجتے رہے ؛ عمر بھر اس لئے کہا گیا کہ روایتِ مسطورہ بالا میں لفظِ کانَ استعمال کیا گیا اور کانَ مضارع پر استمرار کے لئے آتا ہے اور پھر ربیع الاول کے آخر میں ہدایا بھیجنے کا واضح مطلب یہ ہوا کہ شیخ ابن تیمیہؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ جن کا وصال بروایاتِ مشہورہ گیارہ (۱۱) ربیع الثانی ہے) کے یومِ وفات کی مناسبت کو بھی ملحوظ رکھ کر ایسا کرتے تھے، ورنہ نذرانے اور ہدایا تو کسی وقت بھی ارسال کئے جا سکتے تھے نذرا

---

[1] دیکھئے المختصر فی تاریخ شیخ الاسلام سیدنا عبدالقادر الکیلانی واولادہ، مؤلفہ علامہ ابراہیم الدّروبی، ص ۱۶، مطبوعہ افریشیا پرنٹنگ پریس کراچی

[2] دیکھئے المختصر فی تاریخ شیخ الاسلام، از علامہ الدّروبی، ص ۱۴۲، مطبوعہ کراچی

جو کہ ہدیہ ہی ہوتا ہے، شیخ ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک ناجائز نہیں، اگر ناجائز ہوتا تو ایسا علّامۂ متشدد کبھی اِس طرح نہ کرتا، البتہ ضروری ہے کہ جعلی اور مصنوعی پیروں فقیروں کے ساتھ اِس طرح کا سُلوک کرنے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ ایسے لوگ اِسے محض دکانداری بنا لیتے ہیں، اگر شیخ ابنِ تیمیہؒ کا معیار نظر میں رہے تو ترسیلِ ہدایا میں کوئی حرج نہیں۔

مجدّدِ ملت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ اپنی مشہور تصنیف اِعلاءُ کلمتِ اللّٰہ فی بیانِ وما اُھِلَّ بہٖ لغیرِ اللّٰہ میں فتاویٰ عزیزی کے ص ۲۰۸ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

استعانت بہ ارواح دریں اُمّت بسیار بوقوع آمدہ، آنچہ جُہّال وعوام ایں ہا می کنند، ایشاں را در ہر عمل مُستقل دانستہ اند، بلاشبہ شرکِ جلی است و نذرِ اولیاء کہ برائے قضائے حوائج معمول و مرسوم است، اکثرِ فقہاء بہ حقیقتِ آنہا پے نہ بُردہ اند و آں را بر نذرِ خدا قیاس کردہ، حکم بہ ردّت بر آوردہ اند کہ اگر نذر بالاستقلال برائے آں ولی ست، باطل۔ واگر برائے خدا است و ذکرِ ولی برائے بیانِ مصرف است، صحیح است۔ لیکن حقیقتِ ایں نذر آنست کہ اہداءِ ثوابِ طعام و اِنفاق و بذلِ مال بہ رُوحِ میّت کہ امریست مسنون و از رُوئے احادیثِ صحیحہ ثابت است، مثل ماوَرَدَ فی الصّحیحین من حالِ اُمّ سعد وغیرہ۔ ایں نذر مُستلزم می شود، پس حالِ ایں نذر آنست کہ مثلاً اہداءِ ثوابِ ھٰذا القدر الیٰ رُوحِ فلاں وذکرِ ولی برائے تعیینِ عملِ منذُور است، نہ برائے مصرف۔ و مصرفِ ایں نذر نزدِ ایشاں متوسّلانِ آں ولی می باشند، از اقارب و خَدَمہ و ہم طریقان و امثال ذٰلک وہمین است مقصودِ نذر کنندگاں بلا شبہ۔ وحکمہٗ انّہٗ صحیحٌ یجبُ الوفاء بہٖ لانّہٗ قُربۃٌ مُعتبرۃٌ فی الشّرع۔ آرے اگر آں ولی را حلّالِ مُشکلات بالاستقلال یا شفیعِ غالب اعتقاد می کُند، ایں عقیدۃ اُو مُنجر بہ شرک و فساد می گردد، لیکن ایں عقیدہ چیزے دیگر است و نذر چیزے دیگر۔[1]

ترجمہ۔ ارواح سے مدد مانگنا اِس اُمّت میں کثرت سے رائج ہے، جاہل عوام جو اِس قسم کے عمل کرتے ہیں، وہ اُن ارواح کو ہر کام میں مُستقل (تصرّف رکھنے والی) جانتے ہیں، یہ بلاشبہ

---

[1] دیکھئے اِعلاءُ کلمۃِ اللّٰہ فی بیانِ وما اُھِلَّ بہٖ لغیرِ اللّٰہ، از حضرتِ اعلیٰ گولڑوی علیہ الرحمۃ ص ۱۷۸۔ ۱۷۷ مطبوعہ لاہور سنِ طباعت جنوری ۱۹۸۵ء

شرکِ جلی ہے۔ حاجتوں کو پُورا کرنے کے لیئے اولیاء اللہ کی نذر ماننا، جس پر عمل کیا جاتا اور جس کی رسم چل نکلی ہے، اکثر فقہاء اُس کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکے، اُنہوں نے اُسے نذرِ خدا سمجھ کر اُس کے خلاف فیصلہ دیا ہے (اُن کا قول یہ ہے کہ) اگر وہ نذر اُس ولی کو مستقل طور پر متصرّف سمجھتے ہوئے مانی گئی ہے تو باطل ہے؛ اگر وہ نذر خدا کے لیئے ہے اور ولی اللہ کا ذکر اس (نذر) کے مقامِ صَرف (کی حد) تک ہے تو درست ہے۔ لیکن اِس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ مال کے خرچ کرنے، بانٹنے اور طعام کا ثواب کسی میّت کی رُوح کو ہدیتہً (پہنچایا جائے) یہ ایک مسنون امر ہے اور صحیح احادیثِ مُبارکہ کی رُو سے ثابت ہے، جیسا کہ اُمِّ سعدؓ وغیرہ کے حال کا ذکر بخاری و مُسلم میں وارد ہے، ایسی نذر کی ادائگی لازم ہے۔ پس اِس نذر کا معاملہ یہ ہے کہ ایک مُعیّن مقدار کے ثواب کو کسی کی رُوح کی جانب ہدیتہً بھیجا جائے اور ولی کا ذکر جس عمل کی نذر مانی گئی ہے، اُس کے تعیّن کے لیئے ہے، مقامِ صَرف کے لیئے نہیں۔ اُن کے نزدیک اِس نذر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس ولی کے مُتوسّلین، جن میں اُس کے رشتہ دار، خدّام ہم مسلک لوگ اور اِس طرح کے دوسرے انسان شامل ہوں، اُن پر اُس (نذر) کو خرچ کیا جائے، بلا شبہ نذر ماننے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ اِس سلسلے میں حُکم یہ ہے کہ ایسی نذر درست ہے، اُس کا پورا کرنا واجب ہے کیوں کہ (ایسی نذر اور اُس کا پورا کرنا) شریعتِ مُبارکہ میں مُعتبر اور باعثِ قُربِ الٰہی ہے۔ ہاں اگر اُس ولی کو حقیقی طور پر مُشکلات کو حل کرنے والا اور ناقابلِ تردید سفارش کُنندہ سمجھے تو اُس (نذر گزار) کا یہ عقیدہ شرک و فساد کی جانب لے جانے والا ہے۔ لیکن ایسا عقیدہ اور چیز ہے اور (مذکورہ بالا) نذر دوسری چیز (انتہیٰ)

## نذر پر حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کا مزید تبصرہ

اِس کے علاوہ حضرت پیر صاحب قدّس سرّہٗ نے نذر کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں، لکھتے ہیں:- بداں کہ لفظِ نذر را دو معنیٰ است شرعی و عُرفی۔ نذرِ شرعی کہ واجب الادا است؛ واجب گردانیدنِ مومن است طاعتِ مقصود بالذّات غیر واجبہ را بر خُود کہ از جنسِ اُو عبادات در شرعِ شریف مشروع باشد۔ پس نذر بہ قیُودِ مذکورہ نذرِ معصیت و نذر بہ نمازِ ظہر مثلاً و نذر بہ وضو و نذر بہ عیادتِ مرضیٰ واجب الادا نخواہند بود و نذر بہ ہمیں معنیٔ شرعی عبادتست

است بحق سبحانہٗ و تعالیٰ۔

**وعُرفی:** رسانیدن شخص ادنیٰ است چیزے را بخدمتِ اعلیٰ کہ در فارسی تعبیر کردہ شود بہ لفظِ نیاز و ہمین است مُرادِ عوام از لفظِ نذر کہ می گویند بہ شرطِ برآمدِ کار ایں قدر نذرِ حضرت غوثِ اعظم قدس سرہٗ خواہم داد، چہ معنیٰ شرعی اصلاً در ذہنِ اُو شاں حاصل نہ شدہ۔ فکیف یُریدونَ مالیس بحاصلٍ فی أذھانِھِم۔ حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم می فرماید: یعنی ایں نذر آنست کہ ابداءِ ثوابِ طعام و انفاق و بذلِ مال بروحِ میّت کہ امریست مسنون و از رُوئے احادیثِ صحیحہ ثابت است مِثْلَ مَاوَرَدَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ مِنْ حَالِ اُمِّ سعْدٍ وغیرہٗ[1]۔ (ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ لفظِ نذر کے دو معنیٰ ہیں، شرعی اور عُرفی۔

نذرِ شرعی جو واجب الادا ہے، شرعِ شریف میں اِس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نذر گزار کا اپنے اُوپر ایسی عبادت کو واجب کرنا، جو بذاتِ خود مقصود ہو اور منجانب اللہ اُس پر واجب نہ ہو (مثلاً کسی شخص کا یہ نذر ماننا کہ وہ کام ہونے پر دو رکعت نفل پڑھے گا؛ یہ دو نفل اُس نے بذریعۂ نذر خُود پر واجب کیے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دو نفل اُس پر پہلے واجب نہیں تھے) (اِن قُیُود سے حسبِ ذیل اُمُور نذر کی تعریف سے خارج ہو گئے)

۱۔ **نذرِ معصیت:** اِس سے مُراد گناہ کی نذر ماننا ہے، جو ناجائز ہے؛ کیونکہ نذر معصیت کی نہیں، طاعت کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی نذر قیدِ طاعت سے خارج ہے۔

۲۔ **نذرِ نمازِ فرض:** مثال کے طور پر نمازِ ظُہر کی نذر ماننا، نذر گزار اِس نذر کو خود پر واجب نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ منجانب اللہ فرض ہے اور فرائض کی نذر جائز نہیں، اِس لیے کہ اُن میں بندے کی طرف سے وُجوب نہیں پایا جاتا، جب کہ نذر وہ طاعت ہوتی ہے، جسے بندہ خود اپنے اوپر واجب کرے۔

۳۔ **نذرِ وضُو:** یہ نذر بھی دوسری نذروں کی طرح بذاتِ خُود مقصود ہونے سے خارج ہے، کیونکہ وضو بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ اِس سے نماز مقصود ہوتی ہے۔

۴۔ **نذرِ عیادتِ مریض:** مریض کی عیادت شریعتِ مُبارکہ میں سُنّت ہے، واجب نہیں۔ لہٰذا عیادتِ مریض کی نذر ماننا جائز نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نذرِ مذکورہ بالا شرعی مفاہیم

---

[1] دیکھیے اِعلاءُ کلمۃِ اللہ فی بیانِ وما اُھِلَّ بہٖ لغیرِ اللہ، ص ۱۸، مطبوعہ لاہور

کی رُو سے عبادت ہے اور حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

نذرِ عُرفی: اِس سے مُراد نذر کا وہ مفہوم ہے، جو عوام میں مشہور ہے، یعنی کسی عام انسان کا کسی بزرگ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرنا، جس کے لئے فارسی میں لفظِ نیاز بولا جاتا ہے اور عوام جب لفظِ نذر بولتے ہیں تو اُن کی مُراد بھی یہی ہوتی ہے (مثال کے طور پر یہ کہنا) کہ کسی کام کے پُورا ہو جانے پر میں اِس قدر نذر حضرت غوثِ پاک قدس سرّہٗ کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔ (نذر کے بارے میں) شریعت کا نقطۂ نظر سرے سے اُن (نذر گزارش) کے ذہن پر واضح نہیں، تو پھر (نذر پر تنقید کرنے والے) نذر ماننے والوں کے ذہنوں میں جو چیز موجود نہیں، اُس کے وجود کو ثابت کرنے کا ارادہ کیسے کرتے ہیں؟ حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم نے فرمایا ہے: پس اِس نذر کا معاملہ یہ ہے کہ مال خرچ کرنے، بانٹنے اور طعام کا ثواب کسی میت کی رُوح کو ہدیۃً پہنچایا جائے، یہ ایک مسنُون امر ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت اُمِّ سعدؓ وغیرہ کے حال کا ذکر بخاری ومُسلم میں وارد ہے۔ (انتہیٰ)

حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز مُحدّث دہلوی اور حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیقِ مسطُورہ بالا اور اِن حضرات کے اِس مُحققانہ تبصرے سے یہ امر ثابت ہوا کہ مُحوّلہ بالا حدُود و شرائط کے دائرے میں رہتے ہوئے نذر و ہدایا کا ایصالِ ثواب اور اِن کا کسی باخدا کے سامنے پیش کرنا بلا شُبہ جائز ہے۔ اِس کی مزید تائید و تصدیق علّامہ ابنِ تیمیہؒ کے اُس عمل سے ہوتی ہے، جس کا اُوپر تفصیلاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

افسوس اِس بات کا نہیں کہ وہابی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ اِن سب اُمُور کو بدعت، شرک اور حرام کیوں کہتے ہیں، بلکہ افسوس تو اِس بات کا ہے کہ اِن کے اکابر اور وہ خود تو پیری مُریدی بھی کرتے ہیں، نذرانے، ہدیے اور چندے بے دھڑک لیتے ہیں اور اِن کی کتابوں میں اِن کے اکابر کی کرامات کے متعدّد واقعات بھی موجود ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ وہ خود کریں تو نہ بدعت ہے، نہ شرک اور اگر اِن اُمور کی نسبت کسی اور سے ہو تو یہ سب کچھ حرام۔ کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے کبھی اپنے کسی شاگرد یا مُرید سے نذرانہ یا کوئی ہدیہ وُصُول نہیں کیا، یا مساجد کے نام پر چندے وُصُول نہیں کرتے؟ یہ چندے مسجد کے نہیں، دراصل اُن کے خُفیہ نذرانے ہوتے ہیں۔ اگر وہ پیروں فقیروں سے اِتنے ہی آل رفتہ

ہیں تو قوم بھی اُن کے چندوں سے بے حد تنگ ہے اور زبانِ حال سے اکبر الہ آبادیؒ کا یہ شعر پڑھتی ہے ؎

کریما بہ بخشائے بر حالِ بندہ کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

جو لوگ مشائخ کو نذرانے پیش کرتے ہیں، وہ اپنی مرضی اور خواہش سے پیش کرتے ہیں، نہ تو انہیں نذرانہ پیش کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور نہ حقیقی مشائخ اُن کی جیبوں پر نظر جماتے اور نہ اُن کی جُنبشِ دست کا مُطالعہ کیا کرتے ہیں، جو نام نہاد مشائخ ایسا کرتے ہیں، وہ حقیقی مشائخ نہیں، بلکہ مصنوعی، جعلی اور محض دکانداری چلانے والے ہوتے ہیں، ایسے افراد ننگِ شریعت وطریقت ہونے کے باعث حقیقی مشائخ کو بھی بدنام کرتے ہیں؛ ایسے دھوکہ بازوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اکثر علماءِ دیوبند سلاسلِ طریقت میں بیعت لیتے تھے، جس کا ثبوت اُن کی اپنی تصانیف میں موجود ہے، وہ نذرانے وغیرہ لوٹاتے نہیں، بلکہ لے لیتے تھے درال متاخرینِ دیوبند ان معاملات میں زیادہ تشدّد اختیار کر گئے، مگر خود وہی کچھ کرتے ہیں، جس کے سبب مشائخ سلاسل پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ ذہن عجیب مخمصے میں ہے کہ ایسے موحدین کو وہابی نما پیر کہا جائے یا پیر نما وہابی۔ پیروں جیسے کام کرنا اور پھر ان اُمور کا انکار بھی کرنا بقولِ شاعر ؏

مُنکرِ مے بُودن و ہمرنگِ مستاں زیستن

یا پھر بقولِ اکبر الہ آبادیؒ ؎

وہ کرتے ہیں سب چھپ کر، تدبیر اسے کہتے ہیں
ہم دھر لئے جاتے ہیں، تقدیر اسے کہتے ہیں

## سلاسلِ طریقت پر ایک گفتگو

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، ایک نقشبندی عالمِ دین سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو سلاسلِ طریقت اور اولیائے سلاسل پر بات چل نکلی۔ موصوف اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے فرمانے لگے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے دیگر خصائص میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مشائخ کی زندگیاں قرآن و سُنّت کی تعلیمات کے قریب تر ہیں اور اُن کے اقوال و افعال قرآن و سُنّت کے ظاہر تک کے خلاف نہیں، جب کہ دوسرے سلاسل خصوصاً سلسلۂ عالیہ

چشتیہ نظامیہ میں بعض رسوم تو ایسی ہیں، جو خلافِ شریعت ہیں۔ اُن کا اشارہ سماع بالمزامیر اور اعراس کی تقریبات پر ہونے والی رسُوم کی طرف تھا۔ مَیں نے کہا: یہ موضوع تفصیل طلب ہے، اِسے نہ چھیڑیں تو بہتر ہوگا۔ ہاں سماع بالمزامیر کے متعلق صرف اِتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ہمارے نزدیک جو لوگ اِسے وصول الی الحق (حق تک پہنچنے) کا وسیلہ جلیلہ سمجھتے ہیں، یعنی یہ کہ اِس کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں، وہ یقیناً غلطی پر ہیں؛ کیونکہ اِس کے علاوہ بھی ذرائع وصول موجود ہیں۔ لیکن جو لوگ حُدود و قیُود میں رہ کر سُنیں اور مزامیر کے ذوق کے ساتھ اِس کا شعُور بھی رکھتے ہوں اور آداب سماع کو بھی ملحوظ رکھیں، تو شریعتِ مطہرہ میں کوئی ایسا حکم نہیں ملتا، جس کی رُو سے اِسے ناجائز قرار دیا جائے۔

مخالفین جو احادیث اور دلائل مزامیر کے عدمِ جواز پر پیش کرتے ہیں، وہ سب ہماری نظر میں ہیں اور بحمد اللہ ہمارے پاس اُن کا جواب بھی موجود ہے۔ اگر خُدا نے چاہا اور طبیعت نے ساتھ دیا تو ہم اِس موضوع پر بھی سنجیدگی سے قلم اُٹھائیں گے اور کتابی صورت میں مُنکرینِ مزامیر کے تمام اعتراضات کا عقلی و نقلی جواب دیں گے۔ چونکہ اِس وقت مزامیر ہمارا موضوع نہیں، اِس لئے اِن کے متعلق اِتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جوازِ مزامیر پر متقدمین و متاخرین اکابرِ اُمّت کی وقیع تصانیف اور مضامین موجود ہیں۔ مَیں نے سماع بالمزامیر کے سلسلے میں مولانا سے مزید کہا کہ آپ کے سلسلہ کے مؤسّس، حضرت خواجہ بہاءُ الدّین نقشبندؒ (م ۷۹۱ھ) نے "نہ انکار می کنم، نہ ایں کار می کنم" (نہ مَیں یہ کام کرتا ہُوں اور نہ اِس کا انکار کرتا ہُوں) کا تاریخی جُملہ فرما کر مُنکرینِ جواز کے لئے خاصی مشکل پیدا کر دی ہے۔

اِس پر مولانا فرمانے لگے: سلسلۂ عالیہ قادریہ بھی ہمارے سلسلے کی طرح قریبِ سُنّت ہے، مگر حضرت غوثِ پاک قدّس سرّہٗ کے اشعار و اقوال میں بعض ایسے اُمُور پائے جاتے ہیں، جنہیں پڑھ کر مَیں کانپ اُٹھتا ہُوں۔ مثلاً میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے، اگر مُردے پر نظر ڈالوں تو وہ مقدرتِ خداوندی سے زندہ ہو جائے، میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے اور میری شہرت کے ڈنکے ساری دنیا میں بج رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یہ سُن کر تعجب اور افسوس ہوا کہ ایک عالمِ دین، جو طریقت سے بھی ربط کا مُدعی ہے، ایسی باتیں کر رہا ہے۔ مَیں نے اُن سے کہا: یہ سب کچھ مَیں نے اور آپ نے کیوں نہیں کہا؟ آخر ہمیں ایسے دعووں کی جسارت کیوں نہیں ہوتی؟ آپ قصیدۂ غوثیہ پڑھیں، اِس میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے، اُس کی نسبت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ

ربُّ العزّت نے مجھے یُوں یُوں نوازا۔ آپ تو عالم ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ حضرتؓ کے اِس مصرع یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ میں یُصَرِّفُنِیْ کے لفظ میں موجود ضمیرِ واحد غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس و برتر ہی تو ہے اور پھر بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ والی حدیثِ قُدسی بھی تو ہمارے سامنے ہے، جس کے مطابق قُربِ الٰہی حاصل ہو جانے کی صورت میں یہ نُوری نہاد بندۂ خاکی، مولاصفات بن کر افعالِ الٰہیہ کا اِس طرح مظہر بن جاتا ہے کہ پیرِ رُومیؒ ع گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود، کہہ اُٹھتے ہیں اور مُریدِ ہندی، یعنی علّامہ اقبالؒ ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکُشا، کارساز

کہہ کر اُس کے مُحیّر العقول کمالات اور تصرّفاتِ باطنیہ کی طرف یُوں اشارہ کرتے ہیں کہ ؎

دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

اور یہ سب کچھ محبوبِ ربّ العالمین علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کے اتباعِ کامل کا صدقہ ہے، جس کا اظہار حضرت غوثِ پاکؓ نے ؎

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

فرما کر کیا ہے اور یہاں قدم سے مراد اتباعِ محمدیہ ہے۔ آپؓ کے کلام سے کہیں ایسا مفہوم نہیں نکلتا، جو خلافِ ظاہرِ شریعت ہو۔ مَیں نے مزید گزارش کی کہ حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانیؓ وہی شخصیت ہیں، جن کے متعلق حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) نے یہ الفاظ فرما کر آپ کے مقامِ بلند کا اعتراف کرتے ہوئے اظہارِ عقیدت کیا کہ بعض مقامات مجھ پر حل نہیں ہوتے، آخر مَیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی رُوحِ مُطہّرہ کے توسّط سے اُن مقامات پر فائز ہوا، نیز فرمایا، ائمّہ اہلِ بیت کے بعد تقسیمِ ولایت کا منصب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کو دیا گیا، تا قیامت پیدا ہونے والے اولیاء آپ کے وسیلۂ جلیلہ کے بغیر درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتے اور یہ منصب اُنہی کے پاس رہے گا۔ مولانا! آپ اُس ذاتِ گرامی کے متعلق ایسے دُور از کار خدشات کا اظہار کر رہے ہیں، جس کے متعلق حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہٗ نہایت پاکیزہ خیالات اور نیاز مندانہ افکار کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہٗ۔ وچوں نوبت بایں بزرگوار شُد منصب مذکور بہ اُو قدس سرہٗ مُفَوَّض گشت و مابینِ ائمہ مذکورین و حضرتِ شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمی شود و وُصُولِ فیُوض و برکات دریں راہ ہرکہ باشد از نجباء بتوسّطِ اُو مفہوم می شود، چہ ایں مرکز غیرِ اُو را مُیسّر نہ شُدہ۔ ازیں جا است کہ فرمودہ[1] ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

موصوف مخاطب تو میری اِس گفتگو سے مطمئن ہوگئے اور مَیں نے بات ختم کردی۔ لیکن مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے عجیب انکشاف کیا کہ قادیانی جماعت کے ایک سربراہ میرزا ناصر احمد نے بڑی دریدہ دہنی سے حضرتِ مجدّدؒ کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا تھا کہ غیر احمدی، میرزا صاحب کے محض ظلّی اور بروزی نبی ہونے کے دعوٰی پر سیخ پا ہو رہے ہیں اور کفر کے فتوے داغ رہے ہیں، مگر اپنے گریبان میں مُنہ نہیں ڈالتے کہ اِن کے اکابر مشائخ نے کیا کچھ دعوے نہیں کیے؛ اِن کے مجدّد صاحب نے تو اپنے ایک مکتوب میں خود کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا شریکِ دولت کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپؐ کے پاس مال و منال تو تھا نہیں، جس میں کسی نوع کا اشتراک یا حصہ داری ہوتی، بلکہ آپؐ کی دولت تو نبوت و رسالت ہی تھی، جس میں شریک ہونے کا دعوٰی کیا گیا ہے۔ کیا اِتنا بڑا دعوٰی محلِ نظر نہیں؟ مَیں نے کہا: مخالفین اِس قسم کی بے سروپا باتیں اور رکیک حملے کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت مجدّد صاحب قدس سرہٗ کے کسی بیان کو میرزا غلام احمد قادیانی کے دعوٰی نبوت کے معنیٰ پہنانا سراسر معاندانہ الزام و اتہام ہے۔ عُرفائے ربّانی اپنی قلبی کیفیات کی بُوقلمونی کے باوصف اِس قسم کے دعوے ہرگز نہیں کرتے، لہٰذا ہم امامِ ربّانیؒ جیسی علمی و رُوحانی شخصیت سے ایسے بیانات کا تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔

بات یہاں ختم نہ ہوسکی، اُس نے حوالہ دیا کہ دفترِ سوم کا مکتوب نمبر ۸۷ پڑھ لیجیے، جس پر بڑی لے دے بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ جب مَیں نے از راہِ تحقیق محوّلہ مکتوب کا مطالعہ کیا تو حضرت

---

[1] دیکھیے مکتوباتِ امامِ ربّانی حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ، بنامِ نور محمد تہاری، دفترِ دوم، مکتوب نمبر ۱۲۳، ص ۸۵، مطبوعہ سعید ایچ، ایم کمپنی، پاک چوک (کراچی)

غوثِ اعظم جیلانی قدس سرّہٗ کے بعض اقوال پر اظہارِ تعجب کرنے والے نقشبندی معترض صاحب سے رابطہ قائم کیا، تاکہ اُنہیں یہ بتایا جاسکے کہ بقول اُن کے، حضرت غوثِ پاکؒ کے بعض دعووں نے اُنہیں چونکا دیا ہے، طبعِ نازک پر اگر گراں نہ گزرے تو ذرا وہ حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوب نمبر ۸۷ کا بھی بہ غور مطالعہ فرمالیں، جس کے مندرجات نے راقم الحروف کو صرف چونکایا ہی نہیں، بلکہ جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ لہٰذا ہم یہاں قارئین کے علم میں اضافے کے لئے وہ مکتوب بلا تبصرہ نقل کر دینے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## حضرتِ مجددؒ کا محوّلہ مکتوب

(مکتوبِ ہشتاد و ہفتم بنامِ مولانا صالح کولابی، در اسرارِ مُرادی و مُریدیِ حضرتِ ایشان مدّ ظلّہ العالی)

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ: من مُریدِ اللّٰہ ام جلّ وعلیٰ وہم مُرادِ اللّٰہ عزّ شانہٗ۔ ارادتِ من بہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بوسائطِ کثیرہ است۔ در طریق نقشبندیہ بست و یک واسطہ درمیانست و در طریقۂ قادریہ بست و پنج و در طریقہ چشتیہ بست و ہفت و ارادتِ من بہ اللّٰہ تعالیٰ قبولِ وساطت نمی نماید، چنانچہ گزشت۔ پس من ہم مُریدِ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وہم ہم پرّۂ پس روِ اُو، بر خوانِ ایں دولت ہرچند طُفیلی ام، اما ناخواندہ نیامدہ ام و ہرچند تابع ام، اما از اصالت بے بہرہ نیم و ہرچند اُمتم اما شریکِ دولتم، نہ آں شرکتے کہ ازاں دعوئ ہمسری خیزد کہ آں کفر است، بلکہ شرکتِ خادم است با مخدوم، تا نہ طلبیدہ اند، بر سُفرۂ ایں دولت حاضر نہ شدہ ام و تا نہ خواستہ اند، دست بہ ایں دولت دراز نہ کردہ ام۔ ہرچند اُویسی ام، اما مربیِ حاضر و ناظر دارم، ہرچند در طریقۂ نقشبندیہ پیرِ من عبدالباقی ست، اما متکفّلِ تربیتِ مَن اللّٰہ الباقی ست۔ مَن بفضل تربیت یافتہ ام و براہِ اجتباء رفتہ، سلسلۂ من سلسلۂ رحمانی ست کہ از راہِ تنزیہ رفتہ ام و از اسم و صفت جز ذاتِ اقدس تعالیٰ نخواستہ، ایں سُبحانی نہ آں سُبحانی ست کہ بُسطامیؒ بہ آں قائل گشتہ است کہ آں را بہ ایں مناسبے نیست کہ آں از دائرۂ انفُس برآمدہ و ایں ماوراے انفُس و آفاق است و آں تشبیہ است کہ بلباسِ تنزیہ پوشیدہ است و ایں تنزیہ است کہ گردے از تشبیہ بہ دے نہ رسیدہ و آں از سرچشمۂ سُکر جوش زدہ است و ایں از عینِ صحو برآمدہ است۔ ارحم الراحمین درحقِ من اسبابِ تربیت را غیر از معدات نداشتہ است و علّتِ فاعلی در

تربیتِ من غیر از فضلِ خود در انساختہ۔ از کمالِ کرم اہتمام و غیرتے کہ در حقِ من دارد تعالیٰ و تقدّس تجویز نمی فرماید کہ فضلِ دیگرے را در تربیتِ من مدخلتے باشد یا من بہ دیگرے دریں معنی متوجہ گردم۔ مربّاے الٰہی ام جلّ شانہٗ و مُجتباے فضل و کرم نامتناہیِ اُو تعالیٰ ع بر کریماں کار ہا دشوار نیست۔ الحمد للّٰہ ذی الجلال والاکرام والمنّة والصّلوٰة علیٰ رسولہٖ والتحیّة اوّلاً و آخراً۔

## (ترجمۂ مکتوب از مولانا ابوالحسن زید فاروقی نقشبندی)

(مولانا صالح کولابی کے نام، حضرت مجددؒ کی مُرادی و مُریدی کے اسرار میں)

تعریف اللہ کے واسطے اور سلام اُس کے برگزیدہ بندوں پر۔ مَیں اللہ تعالیٰ کا مُرید بھی ہُوں اور مُراد بھی ہُوں۔ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی توسّط و حیلولت کے اللہ سے مُتّصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب مناب (قائم مقام) ہے اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت میں بہت واسطے ہیں۔ طریقۂ نقشبندیہ میں اِکیس (۲۱) واسطے اور طریقۂ قادریہ میں پچّیس (۲۵) اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس (۲۷) لیکن اللہ کی ارادت میں جیسا کہ لکھ چکا ہُوں وساطت کا سوال نہیں۔ بنابریں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہُوں اور آپ کا ہم پِرَہ، پس رَو (پیچھے چلنے والا خادمؔ بھی)، اگرچہ اِس خوانِ نعمت پر طُفیلی ہُوں، تاہم بِن بُلائے نہیں آیا ہُوں، اگرچہ تابع ہُوں، لیکن اِصالت سے محرُوم نہیں ہُوں اور اگرچہ اُمّتی ہُوں، لیکن نعمتؔ میں شریک ہُوں، نہ وہ شرکت جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو، بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو

---

[1] دیکھئے مکتوباتِ امامِ ربّانیؒ جلد دوم، دفترِ سوم، حصۂ ہشتم، ص ۲۶۶ ـ ۲۶۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک کراچی، سنِ طباعت ۱۳۹۲ھ

[2] مؤلفِ حضرت مجدّد اور اُن کے ناقدین، مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نقشبندی (فاضل ازہر) نے لفظِ پِرَہ کا ترجمہ 'پیچھے چلنے والا خادم' کیا ہے، جو محلِ نظر ہے۔ اِس لئے کہ فارسی اور اُردو کے مُستند لُغات غیاث اللّغات، فیروز اللّغات اور نُور اللّغات میں کہیں بھی یہ مفہوم نہیں ملتا۔ فرہنگِ آصفیہ، جلد اوّل، ص ۵۱۹ پر اِس لفظ کے یہ معنیٰ نہیں ہیں، نیز فارسی کے مستند لغت فرہنگِ آنندراج، جلد دوم، مطبوعہ ایران کے ص ۱۰۱۳ پر بھی اِس لفظ کے یہ معنیٰ موجود نہیں ہیں۔

[3] فاضل مترجم نے لفظِ دولت کا ترجمہ نعمت کیا ہے، جب کہ حضرتِ مجددؒ کے فارسی مکتوب میں شریکِ دولتم کے الفاظ ہیں، بہرحال دولت کا لفظ رکھا جائے یا نعمت کا، دونو کا مفہوم ایک ہے۔ (مصنّف)

اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بُلایا نہ گیا، خوانِ نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی، نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ اگرچہ اُویسی ہُوں (رُوحانیوں کا پروردہ و تربیت یافتہ) لیکن حاضر و ناظر مُربّی رکھتا ہُوں، اگرچہ طریقۂ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقیؒ ہیں، لیکن تربیت کا متکفّل اللہ الباقی ہے، اُس کے فضل نے میری تربیت کی ہے اور مَیں راہِ اجتباء پر چلا ہُوں۔ (پسندیدہ راہ پر) میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میں عبدالرّحمٰن ہُوں۔ میرا رب رحمٰن ہے اور مُربّی ارحم الرّاحمین۔ میرا طریقہ سُبحانی ہے، وہ سُبحانی نہیں ہے، جس کے قائل بایزید بُسطامیؒ ہوتے تھے۔ اِن کے قول کو میرے قول سے کوئی ارتباط نہیں، کیونکہ اُن کے قول کا صُدور دائرۂ انفُس سے ہوا ہے (ابھی بُسطامیؒ مقامِ توحید و احوالِ سُکر میں تھے) اور میرے اِس قول کا صُدور دائرۂ انفُس و آفاق سے وراء ہوا ہے، وہ تشبیہ ہے، جو کہ لباسِ تنزیہہ میں ہے اور یہ سراسر تنزیہہ ہے کہ تشبیہ کا کوئی اثر اِس پر نہیں، وہ چشمۂ سُکر و مدہوشی سے اُبلا ہے اور یہ ہوش و آگاہی کے سوت سے نکلا ہے۔ میرے لئے اسبابِ تربیت کو ارحم الرّاحمین نے بہانہ بنایا ہے اور بجُز اُس کے فضل کے کوئی شَے میری تربیت کی علّتِ فاعلی نہیں۔ کمالِ کرم سے جو عنایت اُس کی مجھ پر ہے، وہ نہیں چاہتی کہ اُس کے سوا کسی اور کے فعل کو میری تربیت میں دخل ہو یا میں کسی کی طرف اِس کام کے لئے متوجّہ ہو جاؤں۔ مَیں اپنے مولا کا پروردہ اور اُس کے فضل و کرم نامُتناہی کا برگزیدہ ہُوں۔ تعریف اللہ کے واسطے جو جلال و اکرام اور احسان والا ہے اور اُس کے رسول پر دُرود و نیاز شروع میں بھی اور آخر میں بھی[1]۔"

## برمنگھم سے ایک خط

کچھ عرصہ بعد برمنگھم (لندن) سے اُن صاحب کا ایک خط ملا، جو بلا تبصرہ نذرِ قارئین ہے:۔

بعد از آداب و تسلیمات گزارش ہے کہ قیامِ لندن کے دوران آپ کے ایک مُرید کے ہاں سیّد پیر مہر علی شاہؒ کی کچھ تصانیف دیکھ کر اُن کے مزار پر حاضری کا شوق ہوا، چنانچہ اِس مرتبہ جب پاکستان جانا ہوا تو درگاہ پر حاضری دی اور پھر حُسنِ اتفاق سے آپ کی مجلس میں بیٹھنے

---

[1] دیکھئے مکتوب نمبر ۸، دفتر سوم (مکتوباتِ امام ربّانی) مع ترجمہ (حضرت مجدّدؒ اور اُن کے ناقدین، مؤلفہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی (فاضل ازہر) کے ص ۱۴۹-۱۵۱ سے نقل کیا گیا۔

کا موقع بھی مل گیا۔ آپ نے ایک نقشبندی مولوی صاحب سے دورانِ گفتگو حضرت مجدد سرہندیؒ
کے بارے میں جن نیاز مندانہ جذبات کا اظہار کیا، اُس پر مجھے میرزا ناصر احمد قادیانی کی مشہور تنقید یاد
آگئی، جس کا حوالہ مَیں نے دیا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر خاموش کرا دیا کہ مخالفین اس قسم کے
رکیک حملے کرتے رہتے ہیں۔ میرزا غلام احمد قادیانی اور حضرت سرہندیؒ کے دعووں اور عقائد
میں کسی قسم کی مماثلت ثابت کرنا محض معاندانہ الزام تراشی اور انتہائی گستاخی ہے۔ صاحبزادہ
صاحب! گستاخی معاف۔ مجھے انتہائی دُکھ ہوا کہ اپنے موقف کو ثابت کرنے اور حضرت سرہندیؒ
کے دعووں کی توجیہات پیش کرنے میں آپ نے دُور از کار تاویلات سے کام لیا۔ حالانکہ جس
منصبِ رُشد و ہدایت پر آپ فائز ہیں، اُس کا اوّلین تقاضا ہی حق پسندی و حق گوئی ہے۔
کسی شخصیت سے نیاز مندانہ ذہنی وابستگیوں، محبتوں اور عقیدتوں کو قبولِ حق کی راہ میں حائل
نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ مَیں اگر یہ کہوں کہ مغربی دانشور ایسا نہیں کرتے تو آپ یقیناً مجھ پر مغربیت زدہ
ہونے کا فتویٰ لگائیں گے۔ بہر حال مجدد صاحبؒ کے بعض خیالات پر عُلمائے ہند کے فتوے کتابی
شکل میں موجود ہیں، چنانچہ مجھے ضروری معلوم ہوا کہ مَیں برِصغیر کی ایک عظیم علمی اور رُوحانی
شخصیت شیخ عبدالحق[1] محدث دہلویؒ کے اُس خط کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کراؤں، جسے
مشہور محقق خلیق احمد نظامی (اُستاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنی تصنیف "حیاتِ
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ" میں درج کیا ہے، جس میں شیخ موصوف نے مجدد صاحبؒ کو مخاطب
کر کے کہا تھا کہ آپ کے مکتوبات کے فلاں فلاں خیالات اور دعووں سے تو ہم نے درگزر کر لیا
تھا، یہاں تک کہ نوبت اِس مکتوب تک پہنچی، جو عوام کی وحشت و نفرت کا باعث بن گیا
ہے۔ اِس کے بعد شیخ دہلویؒ نے مجدد صاحبؒ کا محوّلہ خط نقل کر کے ایک ایک فقرے پر
تنقیدی تبصرہ کیا ہے، جو کم و بیش تیس "۳۰" بتّیس "۳۲" صفحات پر مشتمل ہے، چونکہ فارسی زبان میں آپ
کی مہارت کا مجھے علم ہے، اِس لئے ترجمہ کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے شیخ عبدالحقؒ کے خط کے متن
ہی کے چند صفحے نقل کر رہا ہوں۔ شیخ دہلویؒ مجدد صاحبؒ کے عبارات کے تجزیہ کے آخر

---

[1] جن کو حضرت مجددؒ کے شیخِ طریقت حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے لفظِ مخدومی سے مخاطب کر کے اُن کے ایک خط کا ذکر کیا ہے۔ پوری عبارت ملفوظاتِ باقیہ میں دیکھی جا سکتی ہے، جس کا حوالہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تصنیف حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ص نمبر ۱۲۷ پر موجود ہے۔ (نامہ نگار)

یں لکھتے ہیں :-

اینؑ چہ سخناں و ایں چہ کلمات است و ایں چہ سلطنت و سطوات و ایں خطبہ خوانی و ثنا گستری نفس است ۔ اللہ اکبر درویشی، شکستگی و خاکساری و ادب و تواضع کم زدنی نفس است ۔ سالکان ایں راہ و مقبولانِ درگاہ ہمہ ناظر دریں است، نعم ۔ از بعض اقطاب، فخر و مباہات بر اہلِ زمانِ خود بوقوع آمدہ است و از مقام و مرتبۂ خود خبر دادہ اند و گویند کہ آں بہ امرِ پروردگار است، نہ بطریقِ دیگر و نفسانیہ ۔ شاید کہ دریں جائے ازیں قبیل خواہد بود ۔ واللہ اعلم بالصواب اما نسبت باقران و ہمعصران گفتہ، نہ نسبت بحضرتِ سیدِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات اما آنکہ گوید در قرب و وصول، ما در مقامے رسیدہ ایم کہ ہیچ کس را واسطہ نیست و ہیچ یکے را دخلے نیست، نہ رسول و نہ غیرِ وے را و اگر واسطہ بودند، وقتِ سلوک بودند و حالانکہ سلوک تمام شد و قرب درگاہ حاصل گشت و وصول بہ حصول پیوست، ہیچ کس واسطہ نیست، ہمہ منقطع شدہ؛ بلکہ من مربّائے الٰہی ام و مجتبائے اُویم و فعلِ دیگرے را در حقِ من دخلے نیست و بہ دیگرے دریں معنی متوجہ نہ ۔ آں دیگر کدام است ؟ رسولِ خدا ۔ حاشا و کلا، سبحان اللہ ہیچ

---

لہ ترجمہ مکتوب از مصنف :- یہ کس قسم کی باتیں ہیں اور یہ کیسے کلمات ہیں ۔ یہ کیا بادشاہی اور دبدبہ ہے ۔ یہ نفس کی تعریف و توصیف اور خطبہ خوانی ہے ۔ اللہ اکبر! درویشی تو شکستگی، خاکساری، ادب، تواضع اور دم نہ مارنے کا نام ہے ۔ اس راہ کے سالک اور درگاہ کے مقبول تمام اسی چیز پر نظر رکھتے ہیں ۔ ہاں بعض اقطاب سے اپنے بزرگوں پر فخر و مباہات کا اظہار ہوا ہے ۔ انہوں نے اس طرح اپنے مرتبہ و مقام سے خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ پروردگار کے حکم سے ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ اس جگہ بھی ایسا ہو ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔ بہرحال انہوں نے اس قسم کے الفاظ اپنے ہم عصر بزرگوں کے متعلق کہے ہیں نہ کہ حضور سیدِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے لیے ۔

بہرحال جو یہ کہتا ہے کہ ہم قرب و وصول کے اس مقام پر پہنچے ہیں کہ کسی کا کوئی واسطہ اور دخل درمیان نہیں رہا نہ رسول اور نہ غیرِ رسول کا ؛ اگر واسطہ تھے تو سلوک کے وقت تھے ۔ اب جب کہ سلوک تمام ہو گیا اور قربِ درگاہ حاصل ہو گیا اور وصول حصول سے ہم کنار ہو گیا تو کوئی شخص بھی واسطہ نہیں تمام منقطع ہو گئے ۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا تربیت یافتہ ہوں، اسی کا برگزیدہ ہوں ۔ کسی دوسرے کے فعل کو میرے بارے میں دخل نہیں اور اس بارے میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ۔ وہ دوسرا کون ہے ؟ رسولِ خدا

(باقی برصفحہ آئندہ)

کس بارسولِ خدا ایں چنیں در می اُفتد و گستاخی می کند و می گوید من ہمسرِ محمدؐ رسول اللہ ام۔ در وقتے مُرید وَے بُودم۔ الآن بے واسطۂ وَے در قُربے کہ من باخدا دارم، وَے صلی اللہ علیہ وسلم را واسطہ نیست، و از خلوتے کہ من باخدا دارم، وے بیرو نست۔ باید دریافت کہ مضمونِ ایں سخناں چیست و ازیں جا چہ لازم می آید؟ ہیچ شیخے و عارفے بہ ایں طرز سخن گفتہ و دعوٰی کردہ است؟ ہمانا کہ با اولیائے خدا در اُفتادہ بود، بس نہ بُود تا نوبت بہ پیغمبرِ خدا رسید۔ بعد ازاں نمی دانم تا بکجا خواہد کشید۔ و گفتہ اگرچہ اُمتم، اما شریکِ دولتم و در منقبت و فضیلت اگر در تعمق نظر نمایند، ایں معنیٰ مفہوم می گردد کہ در وقتے اُمت تابع بُودم کہ در طریق قُرب متابعت و پس روی می کردم، چُوں مقرب درگاہِ حق شدم، مُرید وَے تعالیٰ گشتم و شریکِ اُو شدم۔ سُبحان اللہ! در راہِ خدا اُمت با پیغمبر شریک می باشد، خصوصاً با محمدؐ کہ مہتر و بہترِ پیغمبرانست و عجب کہ وجودِ شرکت گفتہ نہ شرکتے کہ ازاں دعوٰی ہمسری خیزد کہ کفر است، دیگر شرکت کدام است کہ ازاں ہمسری نہ خیزد و معنیٰ شرکت و ہمسری یکے است، نزدیک بہ ترادُف۔ از تصوّر

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

صلی اللہ علیہ وسلم۔ حاشا وکلّا، سُبحان اللہ کوئی شخص بھلا محبوبِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یُوں اُلجھ سکتا ہے اور گُستاخی کرسکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ مَیں رسول اللہ کا ہمسر ہُوں۔ ایک وقت میں اُن کا مُرید تھا۔ اب اُن کے وسیلے کے بغیر خدا کے ساتھ میں جو قُرب رکھتا ہُوں، حضُور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِس میں واسطہ نہیں اور وہ خلوت جو مَیں خدا سے رکھتا ہُوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے باہر ہیں۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کا مضمون کیا ہے اور اِس جگہ کیا لازم آتا ہے۔ کیا کسی شیخ اور عارف نے اِس قسم کی باتیں کہی ہیں اور ایسا دعوٰی کیا ہے؟ یقیناً اولیاء اللہ کے ساتھ تو وہ اُلجھ چکے تھے۔ کیا یہی کافی نہ تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ پیغمبرِ خدا تک پہنچ گئے۔ اب اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ یہ معاملہ کہاں تک کھینچ کرلے جائے گا۔ اُس نے کہہ ڈالا کہ اگرچہ اُمتی ہُوں، لیکن شریکِ دولت ہُوں۔ اگر ایسی منقبت اور فضیلت میں گہری نظر ڈالی جائے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس وقت مَیں اُمتی تھا، تابع تھا اور قُرب کے راستے میں پیروی اور فرمانبرداری کرتا تھا جب درگاہِ حق کا مُقرب ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کا مُرید بن گیا اور آپ کے ساتھ شریک ہوگیا۔ سُبحان اللہ! کیا اُمت پیغمبر کے ساتھ راہِ خُدا میں شریک ہُوا کرتی ہے؟ خصوصاً جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ تمام پیغمبروں سے مہتر و بہتر ہیں۔ پھر تعجب یہ کہ شرکت کے باوجود یہ کہا کہ یہ وہ شرکت نہیں، جس سے ہمسری کا دعوٰی ہو، کیونکہ وہ تو کفر ہے۔ بھلا اور شرکت کونسی ہُوا کرتی ہے؟

(باقی برصفحہ آئندہ)

ایں معنی و تکلّم بہ ایں کلام مُوئے بر بدنِ اعتقاد و اخلاصِ مسلمانی خیزد و بخدا سوگند، بس عظیم است ایں کلام، و بہ غایت شنیع است۔

محترمی! شیخ دہلویؒ کے طویل تجزیے کے یہ چند حصّے بطورِ نمونہ لکھے ہیں، تاکہ آپ اصل صورتِ حال سے آگاہ ہو سکیں اور اگر پسندِ خاطر ہو تو پُورا تبصرہ بعنوان مکتوب شیخ عبدالحق بنامِ مجدّد الفِ ثانیؒ، ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کا نام مَیں نے عرض کر دیا ہے۔ یہ کتاب مکتبۂ رحمانیہ اُردو بازار لاہور (پاکستان) سے دستیاب ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ خط کسی بغض و عناد اور معاصرانہ چشمک کا نتیجہ نہیں تھا، اِس لئے کہ مکتوب کے خاتمہ پر شیخ دہلویؒ نے خود اِس امر کی وضاحت فرما دی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

ایں کلمات بقصدِ استفسار و اِستکشافِ حال و دفعِ تالمِ عارضِ بال تسکینِ فرقہ صدر نوشتہ شُد۔ قصدِ آں داشت کہ چیزے بنویسد و بہ الزامِ نفس راضی باشد۔ اصل غرض نصیحت و خیر خواہی و کشفِ حال اَست۔ الدِّینُ النَّصِیحَۃُ وایں را ازچند مجلس اِملا نمودہ و ہربار استخارہ بہ جنابِ سعادت از شرِ نفس و تبرّی از حَوَل و قوّت بہ مبالغۂ اکید و تمام نمودہ، می نوشت۔ اُمید کہ معذور باشد و ماجُور گردد۔ ظنِ فقیر بہ شیخ جمیل است، ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبّت و اِتحاد است، کم کسے را خواہد بود۔

مَیں آپ کی مصروفیات میں ڈوبی ہوئی زندگی دیکھ آیا ہُوں، اِس لئے خط کی طوالت پر معذرت خواہ ہُوں۔

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

جس سے ہمسری پیدا نہ ہو۔ اور پھر شرکت و ہمسری کے معنٰی ایک ہیں یعنی تقریباً مترادف ہیں۔ (پھر شیخؒ لکھتے ہیں) اِس معنٰی کے تصوّر اور اِس کلام کے تکلّم سے ایک مسلمان کے اعتقاد و اخلاص کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور خدا کی قسم یہ بڑے الفاظ اور قبیح ہیں۔

# غوثِ اعظمؓ کے ارشادِ گرامی قَدَمِیْ هٰذِهٖ کی تحقیق

حضرت غوثِ اعظم قدّس سرّہٗ کے امتیازی فضائل وکمالات کی طویل فہرست میں آپ کا مشہورِ زمانہ ارشادِ گرامی قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مدینۃ الاسلام بغداد میں بر سرِ منبر مامور من اللہ ہوکر جس مجلس میں آنجنابؓ نے یہ اعلان فرمایا۔ اُس میں روایات کے مطابق اُس دَور کے کم وبیش پچاس سے زیادہ[۱] اکابر اولیائے کرام موجود تھے، جن میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، اُن کے پیرِ طریقت شیخ ابُوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ، شیخ علی ہیتی، شیخ بقا بن بطوؒ، شیخ ابُوسعیدؒ قیلوی، شیخ قضیب البان موصلیؒ اور شیخ ماجد الکُردیؒ شامل تھے۔ حاضرِ مجلس تمام اولیائے کرام نے منبر کے قریب آکر گردنیں جھکائیں اور غوثِ پاکؓ نے اُن کی گردنوں پر اپنا قدمِ مُبارک رکھا۔ اولیائے حاضرین میں سے شیخ علی ہیتیؒ نے سب سے پہلے یہ شرف حاصل کیا اور حاضرِ مجلس اولیائے کرام کے علاوہ اکنافِ عالم کے تمام اولیاء اللہ نے جہاں کہیں بھی وہ تھے، اپنی گردنیں جھکا دیں اور آنجنابؓ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ چنانچہ شیخ ابومدین مغربیؒ نے دیارِ مغرب میں اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیریؒ نے علاقہ خُراسان میں تعمیلِ ارشاد کی۔ اُمتِ مُسلمہ کے جلیل القدر محققین اکابر علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں تصریح فرمائی کہ رُوئے زمین کے حاضر وغائب، ظاہر وباطن، دُور ونزدیک کے تمام اولیائے کرام نے اِس ارشاد کی تعمیل کی۔ البتہ بعض

---

۱۔ بہجۃ الاسرار از علامہ نُورالدین شطنوفی، ص ۷، مطبوعہ مصر

۲۔ بہجۃ الاسرار از علامہ نُورالدین شطنوفی، ص ۱۶، مطبوعہ مصر

۳۔ لطائفِ الغرائب، از حضرت سیدگیسودرازؒ، ایضاً فوز المطالب از مولانا بُرہان الدینؒ

۴۔ مُصنفِ مظہرِ جمالِ مُصطفائی لکھتے ہیں، تفریح الخاطر میں علامہ عبدالقادر بن محی الدین اللربلیؒ نے نکات الاسرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی مجلسِ مُبارک میں ولیوں کی گردنوں پر حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قدم مبارک کا ذکر آیا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ آپؓ کا قدمِ مبارک میری گردن پر ہی نہیں، بلکہ میری آنکھ کی پُتلی پر ہے، اِس لئے کہ میرے پیر خواجہ معین الدین چشتیؒ اُن مشائخ میں سے ہیں جنھوں نے آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھا۔ اگر میں اُس زمانے میں ہوتا تو حقیقی معنے میں آپؓ کا قدمِ مُبارک اپنی گردن پر رکھتا اور فخر سے عرض کرتا کہ آپ کا باقی بر حضور آنحضرتم

روایات کے مطابق اصفہان کے ایک ولی نے انکار کیا تو اُس کی ولایت سلب ہو گئی۔[1]
حضور غوثِ پاک قدّس سرّہٗ کے سیرت نگار حضرات نے جن میں اکابر اولیائے اُمّت کا جمِّ غفیر شامل ہے، اِس واقعہ کو مُستند تسلیم کیا ہے۔ بہت سے اکابر متقدّمین عُلمائے کرام نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی مأمور من اللہ ہو کر یہ اعلان فرمائیں گے

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) قدمِ مبارک میری آنکھ کی پُتلی پر بھی ہے۔

مُصنّف مزید لکھتے ہیں کہ تفریح الخاطر میں اسرار السالکین کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ مکّہ مکرّمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سفر طے کر کے بغداد شریف پہنچے تو اُس وقت سیّد عمرؒ حضور غوثِ پاکؓ کے سجّادہ نشین تھے۔ اُنہوں نے آپ کو بُلانے کے لئے ایک خادم بھیجا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تمہارے شیخ مجھے کیسے جانتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ وہ آپ کو اُس روز سے جانتے ہیں، جب سے آپ ہندوستان سے چلے ہیں تب آپ اُن کے ارشاد کے مطابق تشریف لائے۔ سیّد عمرؒ نے اپنے دستِ مُبارک سے سلسلۂ قادریہ کی خلافت و اجازت عنایت کرتے ہوئے خرقہ پہنایا۔

مخزنِ اسرار میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ سلسلۂ چشتیہ کے بڑے کامل بزرگ ہوئے ہیں آپ کی زیارت کے لئے آپ کے چند مُرید تونسہ شریف جا رہے تھے۔ اِن کے ہمراہ ایک شخص جو سلسلۂ قادریہ سے تعلق رکھتا تھا، روانہ ہوا۔ دورانِ گفتگو حضور غوثِ پاکؓ کے قدمِ مبارک کا ذکر آیا۔ قادری مُرید نے کہا کہ آپ کا قدمِ مبارک اوّلین و آخرین جُملہ اولیائے کرام کی گردنوں پر ہے۔ سلیمان تونسویؒ کے مُریدوں نے کہا، لیکن ہمارے پیر و مُرشد کی گردن پر نہیں ہے، کیونکہ ہمارے پیر اِس زمانے کے غوث ہیں۔ جب تونسہ شریف پہنچے تو قادری مُرید نے سارا واقعہ حضرت سلیمان تونسویؒ کو سُنا دیا۔ آپؒ نے دریافت فرمایا کہ حضرت شیخؓ کا قدمِ مُبارک محض اولیائے کرام کی گردنوں پر ہے یا عام لوگوں کی گردنوں پر بھی ہے؟ قادری مُرید نے کہا کہ صرف اولیائے کرام کی گردنوں پر ہے۔ عوام اِس سے مستثنیٰ ہیں۔

تب شیخ سلیمان تونسویؒ جلال میں آئے اور کہا کہ یہ کم بخت مُرید مجھے ولی اللہ تسلیم نہیں کرتے، ورنہ حضور غوثِ پاکؓ کا قدمِ مبارک میری گردن پر ضرور تسلیم کرتے۔

ملاحظہ ہو مظہرِ جمالِ مُصطفائی، از صُوفی سیّد نصیر الدین ہاشمی قادری رضوی برکاتی، ص ۶۸، ۶۹، ۸۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۸۵ء

[1] بہجۃ الاسرار، ص ۱۱، مطبوعہ مصر

علامہ نور الدین شطنوفیؒ نے جن کے سلسلۂ روایت میں غوثِ پاکؓ کی ذات تک صرف دو واسطے ہیں، اپنی معرکۃ الآرا تصنیف بہجۃ الاسرار میں مختلف اسناد سے اِس واقعہ کو نقل کرتے ہُوئے اولیائے متقدمین کی پیش گوئی اور اولیائے غائبین کی اطاعت کو ثابت کیا ہے۔

## علامہ شطنوفیؒ کا علمی مقام

علامہ شطنوفیؒ[1] وہ جلیل القدر علمی شخصیت ہیں، جن کی جلالتِ شان کو اکابر عُلمائے محققین[2] نے تسلیم کیا اور اُن کی ثقاہت کو معتبر سمجھا۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے اُنہیں الامام الاوحد کے لقب سے یاد کیا[3]۔ اِسی طرح امام شمس الدین ذہبیؒ نے اپنی کتاب طبقات المقرئین میں اُن کی تعریف کی۔ امام محدث محمد بن محمد الجزریؒ مصنفِ حصنِ حصین اُن کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اور بہجۃ الاسرار کی سند و اجازت اُن سے حاصل کی۔ شیخ محقق عبدالحق دہلویؒ نے بہجۃ الاسرار کی تلخیص لکھی، جس کا نام زُبدۃ الآثار رکھا اور اِس میں مصنف کے فضل و کمال کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ سینکڑوں اکابر علمائے اُمت نے اِن کی روایات کو مستند تسلیم کیا اور اپنی تصانیف میں اُنہیں بیان کیا، یہ اُن کی علمی قدر و منزلت کا بیّن ثبوت ہے۔ متاخرین میں سے مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ[4] اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ[5] نے اپنی اپنی تحریروں میں محدثین کے حوالے سے اُن کی توثیق کی ہے۔

## روایت کا تواتر

مستند کتب کے علاوہ بزرگانِ دین، عُلمائے کرام اور عوام النّاس میں اِس واقعہ کی شہرت و روایت درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور تواتر دلائلِ قطعیہ میں سے ہے۔ آنجنابؓ کے اِس ارشاد کے بارے میں اہلِ علم میں سے کسی کا انکار ثابت نہیں، البتہ بعض متاخرین نے اِس ارشاد کو اولیائے

[1] شطنوف: قاہرہ سے دو فرسخ مغرب میں لبِ نیل ایک شہر۔ یہاں سے نیل دو حصّوں میں بٹ جاتا ہے، ایک شاخ مشرق میں تنیس کی طرف چلی جاتی ہے اور دُوسری مغرب میں رشید کی طرف مڑ جاتی ہے۔ (معجم البلدان)

[2] الدولۃ المکیہ از مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

[3] حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ از علامہ جلال الدین سیوطیؒ

[4] الدولۃ المکیہ از مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، ص ۳۲۵

[5] فیض الباری از سید انور شاہ کشمیریؒ، جلد ۱، ص ۶۱، مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ

عصر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الفِ ثانیؒ کی بعض تحریرات سے یہی ثابت ہوتا ہے، اسی طرح سلسلۂ نقشبندیہ کے بعض متوسلین کا بھی یہی خیال ہے۔

## قَدَمِیْ ھٰذِہٖ کا اطلاق

اِس سلسلے میں گزارش ہے کہ حضرت کا یہ ارشاد اپنے اطلاق کے لحاظ سے ہر ولی اللہ کو شامل ہے۔ البتہ حضرات صحابۂ کرامؓ اور ائمۂ اہلِ بیت اِس سے مستثنٰی ہیں اِس لئے کہ عُرف اور محاورے میں اُنہیں ولی اللہ نہیں کہا جاتا حضرت قبلہ عالم گولڑویؒ کی تحقیق کے مطابق اولیائے متقدمین و متاخرین سب اِس میں شامل ہیں۔ اِسی طرح مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ بھی اِس فرمان کی اِسی وسعت کے قائل ہیں اور متقدمین عُلماء و مشائخ نے ماقبل اور مابعد کا استثنا نہیں کیا۔ رہا یہ امر کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے وقت میں سب اولیائے کرام اپنی گردنیں جھکائیں گے تو یہ وسعتِ فرمان کو مُضر نہیں، کیونکہ بقولِ حضرت مجدد صاحب سرہندیؒ قطبیتِ کُبرٰی اور غوثیتِ کُبرٰی کا مرکزی مقام قیامت تک آپ کی ذاتِ گرامی سے مختص ہے اور فیوض و برکات کا حصول تمام اولیائے اُمت کے لئے آنجنابؓ کے ذریعے سے ہے۔ لہٰذا یہ وقت بھی آپ ہی کا ہے اور آپ کے وقت میں یہ ارشاد سب کو شامل ہے آنجنابؓ نے خود بھی اسی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے[1]

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ۔۔۔ اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

(پہلوں کے آفتاب غروب ہوگئے، مگر ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندی کے اُفق پر چمکتا رہے گا)

جب آنجنابؓ کا آفتابِ ولایت پوری آب و تاب سے روشن ہے تو پھر ہر دور ولایت آپ کا ہے، لہٰذا اِس ارشاد کا اطلاق ہر دور کے تمام اولیائے کرام پر ہوتا ہے۔

## بارگاہِ غوثیہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کا اظہارِ عقیدت

ہمیں حضرت مجدد صاحبؒ کے مقامِ عرفان میں شُبہ نہیں اور اِس بات کا یقین ہے کہ وہ حضورؓ کے فرمان کی وسعت کو تسلیم کرتے ہیں ہم اِس دعوٰی کے ثبوت میں حضرت مجدد صاحبؒ کی تحریر سے

---

[1] ملاحظہ ہو مہرِ منیر، از علامہ فیض احمد صاحب فیض، باب اوّل، ص ۱۴۱ تا ۱۴۸، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۰ء

[2] حدائقِ بخشش، مجموعۂ کلام فاضل بریلویؒ، ص ۷، مطبوعہ شبیر برادرز اُردو بازار لاہور، سنِ طباعت ۱۹۸۸ء

اِستدلال کرتے ہیں اور دورِ حاضر کے نقشبندی حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ تحقیق اور وسعتِ نظر سے کام لیتے ہوئے غور فرمائیں۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آخرالامر حضرت مجدد صاحبؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کے مقام کی عظمت اور اِس ارشاد کی وسعت و ہمہ گیری کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ آخری مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرات حسنین کریمینؓ اور ائمہ اہلِ بیت کے قربِ ولایت کے مرکزی مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام اولیاء و اقطاب کو فیض اُن سے حاصل ہوتا رہا پھر لکھتے ہیں: تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبد القادر جیلانی رسید قدس سرہٗ و چوں نوبت بہ ایں بزرگوار رسید منصبِ مذکور بہ اُو قدس سرہٗ مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمی گردد و وصولِ فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء بتوسطِ شریف اُو مفہوم می شود۔ چہ ایں مرکز غیر اُو را میسر نہ شد ازیں جاست کہ فرمودہ ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا      اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَاتَغْرُبُ[1]

ترجمہ: قربِ ولایت کا مرکزی مقام ائمہ اہلِ بیت سے منتقل ہو کر جب حضرت غوث پاکؓ کے حوالے ہوا تو آپ سے یہ مقام مختص ہو گیا، آپ کے اور ائمہ اہلِ بیت کے درمیان کوئی اور شخص اِس مقام پر فائز نہ ہوا پس قربِ ولایت کی راہ میں اقطاب اور نجباء سب کو آپ ہی سے فیض حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلوں کے آفتاب غروب ہو گئے، مگر ہمارا آفتابِ ولایت ہمیشہ بلندی کے اُفق پر چمکتا رہے گا۔

اِس بارے میں حضرت مجددؒ صاحب کی درجِ ذیل تحریر انتہائی واضح ہے اور ثبوتِ موضوع کے لئے کافی و وافی ہے: باید دانست کہ واصلانِ ذات ازیں بزرگواراں کہ بہ افراد ملقب اند نیز اقل قلیل اند و اکابرِ صحابہؓ و ائمہ اثنا عشر از اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہ ایں دولت فائز اند و از اکابر اولیاء اللہ قطب و غوث الثقلین قطب ربانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی است قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بہ ایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شانِ خاص دارند کہ اولیاء دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند ہمیں امتیاز فضلے باعثِ علوِ شانِ ایشاں شدہ است۔ فرمودہ اند قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللّٰهِ۔ اگرچہ دیگراں را ہم فضائل و کرامات بسیار است اما قربِ ایشاں بعلّ آں خصوصیت از ہمہ زیادہ تر است و در عروج و بہ آں کیفیت کسے بہ ایشاں نمی رسد۔ با اصحابؓ و ائمہ اثنا عشرؓ دریں باب

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوباتِ امام ربانیؒ، مکتوب بنام نور محمد تہاریؒ، جلد ثانی، دفتر سوم، ص ۵۸۵، مطبوعہ سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل کراچی، سنِ طباعت ۱۳۹۲ھ

مشارک اند۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔[1]

ترجمہ۔ جاننا چاہیئے کہ واصلانِ ذات میں سے جو بزرگوار افراد کے لقب سے ممتاز ہیں وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اکابر صحابۂ کرام اور اہلِ بیت میں سے بارہ امام اِس دولت سے مشرف ہیں اور غوث الثقلین قطبِ ربانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اِس دولت سے مشرف ہونے میں ممتاز ہیں۔ اور اِس مقام میں وہ خاص شان رکھتے ہیں جو دوسرے اولیائے کرام کو نصیب نہیں۔ آپ کا یہی امتیازِ علوِّ مرتبت کا باعث ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ اگرچہ دوسرے اولیائے کرام کے فضائل وکرامات بہت ہیں، مگر آپ کا قُرب خصوصیت کے ساتھ عروج میں سب سے زیادہ ہے اور اس کیفیت کو کوئی ولی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ صحابہؓ اور ائمہ اثنا عشر کے ساتھ اِس عظیم الشّان فضیلت میں شریک ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی تحریروں کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ وہ حضرت غوثِ پاکؓ کی عظمت اور آپ کے فرمان کی وُسعت کے جان ودل سے قائل ہیں، رہا یہ امر کہ ابتدا میں ایسا کیوں نہ ہُوا تو اِس بارے میں گزارش ہے کہ حضرت غوثِ پاکؓ کے مقام کا ادراک آسان نہیں بہت سے اکابر اولیائے کرام کو بھی دیر سے اِس سعادت کے حصول کا شرف ملا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت غوث پاکؓ سے جو عقیدت ومحبت تھی اور پھر اُس کے صلے میں بارگاہِ غوثیت سے اُن پر جس امتیازی انداز سے بارشِ کرم ہوئی اُس کا اندازہ اِس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جسے ایک نقشبندی عالمِ دین نے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے چھ سات مہینے گزرے تھے کہ بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا۔ اگرچہ یہ دورہ ہر سال ہُوا کرتا تھا لیکن اِس سال زیادہ شدّت کے ساتھ مع بخار لاحق ہُوا جس کی وجہ سے اعزّا کو صحت سے مایوسی ہوئی۔ ایک روز آپ نے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ آج شب میں نے حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ میرے حال پر نہایت مہربانی اور عنایت فرماتے ہیں اور اپنی زبان مبارک کو میرے منہ میں ڈال کر فرماتے ہیں کہ میرے اِس شعرے

---

[1] ملاحظہ ہو مکاشفاتِ غیبیہ از مجدد الفِ ثانی سرہندیؒ، ص ۴۰ مطبوعہ کراچی

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

پہلے بزرگوں کے آفتاب ہائے ولایت غروب ہو گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ ہمیشہ رفعت و علا کے اُفق پر کبھی غروب نہیں ہو گا اور میرے اِس قول میں کہ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ لوگ حیران ہیں، اِس کا حل لکھو (اِس کی برکت سے ہم کو اِس ضعف سے صحت حاصل ہو گی)"۔

## حضرت عبد الرحمٰن طفسونجیؒ کا ایک عجیب واقعہ

اِس ضمن میں قطبِ زماں حضرت عبد الرحمٰن طفسونجیؒ[1] کا مندرجہ ذیل واقعہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ ایک مرتبہ طفسونج میں وعظ فرما رہے تھے تو آپ نے دورانِ وعظ فرمایا کہ میں اولیائے کرام میں اِس طرح ہوں، جس طرح پرندوں میں کُلنگ[2] ہوتا ہے۔ یعنی میری شان بلند ہے جس طرح کُلنگ کی گردن طویل اور بلند ہوتی ہے۔ مجلسِ وعظ میں حضرت غوثِ پاکؓ کے ایک مُرید اَبُو الحسن علی بن احمد الحبّیؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے یہ سُنتے ہی اپنی گدڑی اُتار پھینکی اور شیخ عبد الرحمٰنؒ سے کہا کہ آؤ میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ اِس پر حضرت شیخ عبد الرحمٰنؒ خاموش ہو گئے اور اپنے مُریدین سے فرمایا کہ اِس شخص کا ایک ایک بال عنایتِ الٰہی سے معمور ہے۔ اُنہیں گدڑی پہننے کے لئے کہا گیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔ شیخ عبد الرحمٰنؒ نے پوچھا کہ آپ کے شیخِ طریقت کون ہیں؟ آپ نے جواباً کہا کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ۔ شیخ عبد الرحمٰنؒ نے کہا کہ زمین پر تو اُن کا ذِکر میں نے سُنا ہے مگر چالیس سال سے میں درکاتِ قُدرت کے بلند مقام میں رہتا ہوں، میں نے آج تک اُنہیں وہاں نہیں دیکھا۔ پھر شیخ عبد الرحمٰنؒ نے اپنے چند مُریدوں کو حکم دیا کہ بغداد جا کر شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے میرا سلام کہہ کر یہ عرض کرو کہ میں چالیس سال سے درکاتِ قُدرت کے مقام میں ہوں، مگر میں نے آپ کو وہاں کبھی نہیں دیکھا۔

اِدھر بغداد میں حضرت غوثِ پاکؓ نے اپنے پانچ مُریدوں سے کہا کہ تم طفسونج کی جانب روانہ ہو جاؤ۔ راستے میں تمہیں شیخ عبد الرحمٰنؒ کے چند مُرید ملیں گے۔ اُنہیں واپس لے جانا اور شیخ عبد الرحمٰنؒ

---

ا؎ حضرت مجدد الفِ ثانی، مؤلفہ سید زوار حسین شاہ نقشبندی، ص ۲۲۹، مطبوعہ ادارۂ مجددیہ کراچی

[1] نسباً قریشی اسدی تھے۔ حضرت غوث پاکؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ کے صاحبزادے سے کیا تھا۔ ملاحظہ ہو قلائد الجواہر اور بہجۃ الاسرار۔

[2] کُلنگ فارسی زبان کا لفظ ہے اِس کے معنی کُونج کے بھی ہیں۔ یہ لفظ ایک مٹیالے دراز گردن پرندکے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فیروز اللغات اُردو۔ ص ۹۰۹۔ مطبوعہ فیروز سنز لاہور

کو میرا سلام پہنچا کر یہ کہنا کہ آپ درکاتِ قدرت کے مقام میں ہیں اور جو اِس مقام میں ہو وہ مقام الحضرۃ والے کو نہیں دیکھ سکتا اور جو مقام الحضرۃ میں ہو وہ مقام المخدع والے کو نہیں دیکھ سکتا، اور میں تو مقامِ مخدع میں ہوتا ہُوں۔ پھر آپ مجھے کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ مزید میں آپ کو ایک نشانی بتاتا ہُوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا مقام آپ سے ارفع و بلند ہے۔ آپ کو فلاں رات خلعتِ رضا عطا کی گئی اور بارہ اولیائے کرام کے سامنے خلعتِ ولایت دی گئی۔ یہ سب خلعتیں میرے ہاتھوں ہی سے تو آپ تک پہنچی ہیں۔ جب شیخ کو یہ پیغام پہنچا تو اُنہوں نے فرمایا۔ صدق الشّیخ عبدالقادر سُلطانُ الوقتِ وصاحب التّصریف فیہِ۔ ترجمہ۔ شیخ عبدالقادرؒ نے سچ فرمایا۔ واقعی وہ سُلطانُ الوقت اور اِس میں متصرّف ہیں۔ اگر شیخ عبدالرحمٰن جیسے جلیل القدر معاصر بزرگ کو چالیس سال تک مقامِ غوثیّت کا ادراک نہ ہو سکا تو کیا بعید ہے کہ حضرت مجدّد صاحبؒ کا معاملہ بھی ایسا ہو۔ بہرحال حضرت مجدّد صاحبؒ نے غوثِ پاک قدّس سرّہٗ کے مقام کی جو عظمت بیان فرمائی وہ اِس بات پر شاہد ہے کہ اُنہیں آنجنابؓ کی ذاتِ گرامی سے خاص عقیدت ہے اور وہ حضرتؓ کے ارشاد کی وُسعت کے قائل ہیں۔

## شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ حضرتِ مجدّدؒ کی نظر میں

یہی وجہ ہے کہ مُحقّق علی الاطلاق شیخ عبدالحق دہلویؒ کافی عرصہ تک حضرت مجدّد صاحبؒ سے ناخوش رہے[1] چنانچہ اُن کے رسائل و مکاتیب اِس بات پر شاہد ہیں اور جب حضرت مجدّد صاحبؒ نے اِن حقائق کو تسلیم کیا تو شیخ محقق کا ملال رفع ہو گیا اور باہمی محبت و یگانگت پیدا ہو گئی۔[2] حضرت شیخ عبدالحقؒ بھی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت مجدّد صاحبؒ نے اُنہیں معارف آگاہی مخدوم و مکرّم کے القاب سے یاد کیا اور دیارِ ہند میں اُن کے وجود کو غنیمت سمجھا۔ (ملاحظہ ہوں مکاتیب مجدّدؒ) موجودہ دور کے بعض نقشبندی حضرات، شیخ محقق کے آخری خط کو حضرت مجدّد صاحبؒ کے بارے میں اُن کی آخری رائے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ بھی بالآخر قائل ہو گئے تھے۔ اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ اوّلاً تو حضرت شیخؒ نے حضرت مجدّد صاحبؒ کے خلاف بہت کچھ لکھا[3] اور پھر آخری خط میں اُنہوں نے میاں شیخ احمد سلّمہ اللہ تعالےٰ[4] کے مختصر الفاظ درج کئے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم، ص ۳۲۷ مطبوعہ مجلسِ نشریاتِ اسلام کراچی

[2] حیاتِ شیخ عبدالحق مصنفہ خلیق نظامی، ص ۲۱۷-۲۱۸

[3] ایضاً ص ۳۰۱

[4] اخبار الاخیار (فارسی)، ص ۳۲۹

اور اتنا لکھا کہ اب وہ ملال رفع ہو گیا ہے اور اُن کے بارے میں فقیر کی صفائی غایت درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ حضرت مجدد صاحبؒ کے بارے میں شیخ محققؒ کی آخری رائے ہے اور ہمیں اِس سے اتفاق ہے، مگر حضرت غوث پاکؓ کے بارے میں حضرت مجدد صاحبؒ نے تو پہلے بھی اپنے مکتوبات اور دیگر تصانیف میں عقیدت و ادب کا اظہار کیا اور پھر آخر میں بھی آپ کے مقام کی عظمت و امتیاز کو بڑے خاص انداز میں بیان فرمایا، معلوم نہیں یہ حضرات پھر کیوں اِس تردد میں پڑے ہوئے ہیں اور حضرت غوث پاکؓ کی فضیلت تمام اولیائے کرام پر تسلیم کرنے اور فرمانِ غوثیت کی وُسعت کو ماننے میں تامل اور توقف سے کیوں کام لیتے ہیں؛ حالانکہ دیانت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب حق واضح ہو جائے تو اُس کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر شیخ محققؒ کا ایک مختصر مکتوب اُن کی تمام ملال آلود تحریرات کا ناسخ بن کر حضرت مجدد صاحبؒ کی فضیلت کا مُوجب بن سکتا ہے تو پھر حضرت مجدد صاحبؒ کی اِس قدر واضح تحریرات شانِ غوثیت کی عظمت و فضیلت کی مُوجب کیوں قرار نہیں دی جا سکتیں، جب کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی پہلی نگارشات بھی عقیدت و احترام پر مبنی ہیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام میں رئیس المکاشفین شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کے بارے میں بھی عجیب صورتِ حال ہے کہ ابتداً اُن کے متعلق سخت رویہ اختیار کیا۔ اُن کی تصانیف کے مضامین پر سخت اعتراضات کیئے اور اُن کے عارف اور ولی اللہ ہونے کو بہ نظرِ تعجب دیکھا مگر بعد میں اُن سے اظہارِ عقیدت فرمایا۔ چنانچہ دَورِ حاضر کے مشہور مورخ ابوالحسن علی الندوی اپنی کتاب تاریخِ دعوت و عزیمت، جلدِ چہارم (جو حضرتِ مجددؒ کے حالات پر مشتمل ہے) میں رقم طراز ہیں:۔ اِس طرح حضرت مجددؒ وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین و عارفین اور دقیقہ رس حکماء و غواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے عَلَم بردار و شارح شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ (جن کے علوم و معارف، نکات و اسرار اور کمالاتِ رُوحانی کا انکار مکابرہ ہے) کے علوِ مقام، مقبولیتِ عنداللہ اور اخلاص کا انکار کیئے بغیر، بلکہ بلند الفاظ میں اِس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ کرتے ہیں۔ حضرت مجددؒ مکتوبات میں کئی مقامات پر حضرت شیخ اکبرؒ کے مکاشفات کا ذکر کرتے اور اُن کے حوالے دیتے ہیں۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں: ردکنندۂ شیخ در خطر است۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے متعلق حضرت مجدد کے نظریہ میں جو تبدیلی آئی اور جو عقیدت پیدا ہوئی، وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ بعض ثقہ روایات سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجدد بالآخر وحدۃ الوجود کے قائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) نے اپنی کتاب العبقات

میں اپنے خاندان کے بزرگوں کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے، جسے علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وفی العبقات انّ بطاقۃً وُجِدَت مِن تحت وِسادۃِ حضرت الشیخ المجدّد فوجد فیھا مکتوباً انّ اٰخرما انکشف عَلَیّ ھو انّ وحدۃ الوجود حق۔[۱] (ترجمہ) اور عبقات میں ہے کہ حضرت شیخ مجددؒ کے سرہانے سے (بعد از وفات) ایک رُقعہ برآمد ہوا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ سب سے آخر میں جو بات مجھ پر منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجود حق ہے (انتھیٰ) مجددِ ملت اعلیٰ حضرت گولڑویؒ نے ابتدائی رویّہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: حضرت مجدد کو شغل اوقات نے حضرت شیخ کی کتابوں کے بالاستیعاب مطالعہ کی فرصت نہیں دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی مکتوبِ مدنی میں ایسا ہی فرمایا ہے کہ مجدد صاحبؒ نے تفصیلاً کُتبِ شیخ کا ملاحظہ نہیں فرمایا، ورنہ ایسا نہ فرماتے[۲]۔ بہرحال بزرگانِ دین کا معاملہ حُسنِ نیّت اور اخلاص پر مبنی ہوتا ہے۔ ادراکات اور قلبی واردات مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہیں۔ اُن کے کلام میں اگر بہ ظاہر تضاد یا تناقض پایا جائے تو بھی اُن کی جلالتِ شان کے منافی نہیں۔ اِس لئے علمائے محققین ایسے حالات میں اُن کے مختلف اقوال کی تطبیق اور توجیہ بیان کرتے ہیں، جس سے ظاہر بین لوگوں کے شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں۔

## حضرت غوثِ اعظمؓ سے اکابر مشائخ وعُلمائے نقشبند کی عقیدت

حضرت مجددالفِ ثانیؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کے جو امتیازی فضائل ومناقب بیان فرمائے وہ بارگاہِ غوثیّت کے ساتھ اُن کی عقیدت پر شاہدِ بیّن ہیں اور اِس طرح کیوں نہ ہو حضرت مجددؒ صاحب بھی تو اپنے والدِ گرامی کے ذریعے سلسلۂ قادریہ کے خرقۂ خلافت سے مُشرّف ہیں، چنانچہ آپ کے والدِ ماجد شیخ عبدالاحدؒ حضرت شاہ کمال کیتھلی قادریؒ سے فیضیاب ہیں، پھر بانیٔ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت بہاالدین نقشبندؒ کو بارگاہِ غوثیّت سے جو عقیدت ونیاز ہے حضرت مجدد صاحبؒ یقیناً اُس سے بھی بے خبر نہیں تھے

---

[۱] فیض الباری علیٰ صحیح البخاری از مولانا انور شاہ کشمیریؒ، جلد ۴، ص ۳۸۷، مطبع دارالمامون شارع الازہار، سنِ طباعت ۱۳۵۷ھ

[۲] ملفوظاتِ مہریہ، ملفوظ نمبر ۱۷۷، ص ۱۳۱-۱۳۲، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۶ء

[۳] تاریخ دعوت وعزیمت، جلدِ چہارم، مصنفہ علامہ ابوالحسن ندوی، ص ۳۴۴، مطبوعہ کراچی

شیخ عبداللہ بلخیؒ نے اپنی مشہور کتاب، خوارق الاحباب فی معرفۃ الاقطاب میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کی بارگاہِ غوثیت میں عقیدت کا جامع تذکرہ کیا ہے بحضرت خواجہ نقشبندؒ کا درج ذیل مدحیہ شعر ماضی قریب تک بارگاہِ غوثیت مآب کے داخلی دروازے کی زینت رہا ہے

بادشاہِ ہر دو عالم شیخ عبدالقادرؒ است سرورِ اولادِ آدم شیخ عبدالقادرؒ است

حضرت بہاءالدین نقشبندیؒ اور حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی طرح تمام اکابر علماء و مشائخ نقشبند نے بارگاہِ غوثیت میں بے حد نیاز و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندیؒ نے نفحات الانس میں نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ آنجنابؓ اور آپؓ کے متوسلین کے حالات قلمبند کئے اور آپ کے ارشادِ گرامی قَدَمِی ھٰذِہٖ کا جامع تذکرہ کیا ہے۔شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نقشبندیؒ نے تفہیماتِ الٰہیہ ہمعات الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء اللہ اور انفاسُ العارفین میں، آپ کے والدِ ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم نقشبندیؒ نے انفاسِ رحیمیہ میں اور اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نقشبندیؒ نے اپنے ملفوظات اور دیگر تصانیف میں جس عقیدت و احترام سے حضرت غوثِ پاکؓ کے امتیازی کمالات فضائل کو بیان کیا ہے، وہ اس علمی و رُوحانی خانوادے کا طُرّۂ امتیاز ہے۔اِسی طرح صاحبِ تفسیرِ مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ نے اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر بارگاہِ غوثیت کے امتیازی شرف و کمال کا تذکرہ کرکے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔اکابر مشائخ نقشبند نے تو ہمیشہ بارگاہِ غوثیت میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔اِس لئے موجودہ دور کے بعض نقشبندی حضرات کو اکابر کی روش اپنانا چاہیئے اور بارگاہِ غوثیت کی عظمت و برتری کو جان و دل سے تسلیم کرنا چاہیئے، کیونکہ یہاں کی ادنیٰ سی غلامانہ نسبت بھی قابلِ رشک نعمتِ عُظمٰی ہے۔آخر یُوں ہی تو نہیں کہا گیا ہے

سگِ درگاہِ میراں شو چو خواہی قُربِ ربّانی کہ بر شیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانی[1]

(اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے) چونکہ آنجنابؓ کا یہ ارشاد بہ امرِ الٰہی ہے اِس میں وقت کا تقید، اِس کے اطلاق اور حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے، اگر وقت کے ساتھ تقید مقصود ہوتا تو ضرور بیان کر دیا جاتا یہی وجہ ہے کہ عُلمائے محققین نے اولیائے ظاہر و باطن، حاضر و غائب، خفی و جلی سب مُراد لئے ہیں، پھر حیاتِ برزخی پر تو سب مسالکِ حقّہ متفق ہیں۔اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ جس طرح اُس نے آنِ واحد میں رُوئے زمین کے تمام اولیائے کرام کو یہ ارشاد سُنوا دیا اور اطاعت کروا دی، اسی

---

[1] یہ مشہور شعر حضرت سُلطان باہُوؒ کا ہے (بحوالہ مناقبِ سُلطانی فارسی/اُردو)

طرح متقدمین سے بھی یہی معاملہ فرما دیا ہو۔ نصِ قرآنی شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بامر الٰہی اعلانِ حج فرمایا۔[1] تمام معتبر تفاسیر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا الٰہی! تمام مخلوق تک میری آواز کس طرح پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ اعلان کریں، ابلاغ ہمارا کام ہے چنانچہ مابین السماء والارض سب مخلوق نے یہ اعلان سُنا۔ یہاں تک کہ اصلابِ آباء اور ارحامِ اُمّہات میں اِس اعلان کو سُنا گیا اور خوش نصیب ارواح نے لبّیک کہا[2] جب حضرت غوثِ پاکؓ نے مامور ہو کر یہ اعلان کیا تو متقدمین اور متاخرین کو سُنوانا عنایتِ الٰہی سے کیا بعید ہے۔ اس ارشادِ گرامی کے متقدمین اور متاخرین کو شامل ہونے کی تصریح کے سلسلے میں یہ روایت نہایت مستند اور واضح ہے اور اُن حضرات کے لئے قابلِ غور ہے جو کہتے ہیں کہ مستند کتابوں میں اِس امر کی تصریح نہیں کہ متقدمین اور متاخرین اولیائے کرام اِس فرمان میں داخل ہیں۔ ہم انہیں علامہ شطنوفیؒ اور مولانا جامیؒ جیسے اکابر کے حوالوں سے ثبوت فراہم کرتے ہیں، متعدد مشائخ کے حوالے سے شیخ ابوسعید قیلویؒ[3] معاصر حضرت غوثِ پاکؓ کا ارشاد درج ہے: لما قال الشیخ عبد القادر قَدَمِی ھٰذِہٖ علٰی رقبۃ کُلّ ولی اللہ تجلّی الحق عزّوجلّ علٰی قلبہٖ وجاءتہ خلعۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علٰی ید طائفۃٍ مّن الملائکۃ المقرّبین ولبسھا بمحضرٍ مّن جمیع الاولیاء مَن تقدّم منھم ومن تاخّر الاحیاءُ باجسادھم والاموات بارواحھم وکانت الملائکۃُ ورجال الغیب حافّین بمجلسہٖ واقفین فی الھواءِ صفوفًا حتّی امتلأ الاُفُقُ بھم ولم یبق ولیٌّ فی الارض الاحنٰی عُنُقَہٗ۔[4] ترجمہ: جب شیخ عبد القادرؓ نے یہ اعلان فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر خاص تجلّی فرمائی اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملائکہ مقربین کی ایک جماعت کے ہاتھوں آپ کے پاس خلعتِ خاص آیا، آپ نے اولیائے متقدمین و متاخرین کی موجودگی میں وہ خلعت پہنا، زندہ اولیائے کرام اپنے اجسام کے ساتھ اور جن کا وصال ہو چکا تھا اپنی ارواح کے ساتھ موجود تھے؛ فرشتوں اور رجالِ غیب نے آپ کی مجلس کو گھیر رکھا تھا اور فضا میں صفیں باندھے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اُفق اُن سے بھر گیا اور روئے زمین پر کوئی ایسا ولی نہ رہا جس نے گردن نہ جھکائی ہو۔ اِس روایت

---

[1] القرآن ۲۲: ۲۷

[2] تفسیر کبیر، از امام رازیؒ، جلد ۶، ص ۱۵۶، مطبوعہ بیروت، سنِ طباعت ۱۹۷۸ء

[3] قیلویہ، لبِ نیل مظفر آباد کے قریب مصر میں ایک گاؤں کا نام (معجم البلدان)

[4] بہجۃ الاسرار، ص ۹، مطبوعہ مصر

کو بعینہٖ عارفِ کامل مولانا عبد الرحمٰن جامی نقشبندی نے نقل فرمایا ہے۔[1]

# حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کی تصریحات

اگرچہ حضرت غوثِ پاک کا بہ امرِ الٰہی یہ ارشاد فرمانا ہی اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ سُکر و مستی کا عالم نہ تھا، مگر پھر بھی ہم وضاحت کرتے ہیں کہ آپ نے عالمِ صحو و تمکین میں یہ اعلان فرمایا اور اِس کی مندرجہ ذیل چند وجوہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی نے بیان فرمائی ہیں۔[2]

۱۔ اگر یہ ارشاد بہ امرِ الٰہی واجبُ الاطاعت نہ ہوتا تو اولیائے حاضرین و غائبین گردنیں نہ جھکاتے۔ دریں صورت اِس کا عالمِ صحو میں ہونا ظاہر ہے، ورنہ عالمِ سُکر کے اقوال کی پیروی تو لازم نہیں۔

۲۔ اگر یہ ارشاد عالمِ سُکر میں ہوتا تو آنجناب کبھی نہ کبھی ضرور اِس سے رُجوع فرماتے جیسا کہ بعض عارفین مثل ابو یزید بسطامی سے ثابت ہے کہ وہ سُکر میں سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ فرماتے اور صحو میں توبہ و استغفار فرماتے، مگر حضور غوثِ پاک ہمیشہ اِس پر قائم رہے اور کبھی رُجوع نہ فرمایا۔

۳۔ یہ ارشاد از قبیلِ اتباعِ نبوی تحدیثِ نعمت کے طور پر ہے، چنانچہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے۔ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَآئِیْ وَلَا فَخْرَ۔ آدم اور اُن کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، مگر میں اِس پر فخر نہیں کرتا۔ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ۔ خبردار میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں۔ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔[3] اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے دور میں ہوتے تو انہیں میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

مزید گزارش ہے کہ اگر حضرتِ غوثِ پاک کا یہ ارشادِ گرامی سُکر کے عالم میں ہوتا یا خلافِ شریعت ہوتا تو اُس دَور کے محقق علماء اور مفتیانِ دینِ متین اِس معاملے میں سراسر خاموشی اختیار نہ کرتے۔ اُن میں سے کسی کا از رُوئے شریعت اِس ارشاد کو محلِ طعن نہ بنانا اِس بات کی دلیل ہے کہ پورے شرحِ صدر سے اربابِ شریعت اِس کی حقانیت کے قائل تھے، ورنہ منصور حلاج بھی کہ علماء و مشائخ کا ایک بڑا طبقہ اُن

---

۱۔ نفحاتُ الانس (فارسی) از مولانا جامی، ص ۳۵۲

۲۔ مہرِ منیر، از علامہ فیض احمد، ص ۴۶

۳۔ یہ سب احادیث مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔

کا مداح ہے، اہلِ شریعت کے فتویٰ کی زد سے نہ بچ سکے۔

بعض لوگ تحقیق سے دامن چھڑاتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ اس ارشاد کا مقصد حضور غوثِ پاکؓ کے مقام کا غلبہ اور برتری ہے، گردن پر پاؤں رکھنا مُراد نہیں، مگر یہ سراسر انصاف سے بعید ہے کلام کا مقصد متکلّم سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے یا اُن جلیل القدر اولیائے کرام سے زیادہ کون ادراک کرسکتا ہے، جو علُومِ ظاہری و باطنی کے ماہر تھے، یہ تمام اکابر گردنیں جھکارہے تھے۔ اگر یہ مفہوم نہ ہوتا تو حضور غوثِ پاکؓ اُنہیں اس طرح کرنے سے منع فرمادیتے یا وہ حضرات سرے سے اِس طرح نہ کرتے۔ ہمارے خیال میں اولیائے حاضرین وغائبین کا گردن جُھکانا اور حضرت کا اُن پر قدم رکھنا ایسے حقائق ہیں جو کسی تاویل کے متحمل نہیں۔ توجیہُ القولِ بمالا یرضٰی بہٖ القائل ناپسندیدہ ہے۔[1] اسی طرح ہزاروں اولیائے کرام کے عمل کو غلط فہمی پر محمول کرنا بھی گستاخی کی انتہا ہے۔ روایات کے مطابق سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی نامور شخصیت حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے تو سر جُھکا کر یہاں تک فرمادیا[2] بل علیٰ رأسی وعینی بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر آپ کا قدم ہو۔

بعض لوگ قدم کے گردنوں پر ہونے سے اتباع اور پیروی کے معنیٰ لینے کا تکلف بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے فلانٌ علیٰ قدمِ فلانٍ ای طریقۃِ فلانٍ[3]۔ اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ آپ کا ارشادِ گرامی تو قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ہے۔ اگر وہ مفہوم مُراد ہوتا تو پھر آپ کا ارشاد کُلُّ وَلِیِّ اللّٰہِ عَلٰی قَدَمِیْ[4] ہوتا۔ البتہ اس محاورے کو آپ نے اپنے منظوم قصیدہ میں ایک جگہ باندھا۔ ارشادِ مبارک ہے ؎

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ — عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہے اور میں اُس نبی کے قدم پر ہُوں، جو کمالات کا بدرِ مُنیر ہے

اِسی طرح منظوم کلام میں ایک جگہ اِس ارشادِ گرامی کو یوں بیان فرمایا ؎

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ — وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

میں حسنی نسب ہُوں۔ اور مخدع میرا مقام ہے اور میرے قدم مردانِ خدا کی گردن پر ہیں

---

[1] ترجمہ:۔ قائل کے کلام کی ایسی توجیہ کرنا کہ جس سے خود قائل متفق نہ ہو۔
[2] ملاحظہ ہو لطائف الغرائب اور فرز المطالب
[3] فلاں، فلاں کے قدم یعنی طریقہ پر ہے گویا قدم بمعنی طریقہ بھی آتا ہے۔
[4] تمام اولیاء میرے قدم، یعنی طریقہ پر ہیں۔

# علّامہ آلوسی بغدادیؒ کا نقطۂ نظر

خاتم المفسرین صاحب رُوحُ المعانی علّامہ شہاب الدین آلوسی بغدادیؒ نے الطراز المذہب میں فیصلہ کُن اور نہایت محققانہ انداز میں خلاصہ بحث نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وَالَّذِی یخطر ببال ھٰذا العبد الفقیراَنّ القدم علٰی حقیقتہ کما ھو الظاھر المتبادر من اللفظ ویؤیدہٗ الوصفُ بھٰذِہٖ فانّھا حقیقۃ فی المشار الیہ المشاھد المحسوس واَنّ الشیخ قدس سرّہٗ ماقال ذٰلک الّا علٰی لسانِ الحقیقۃ المحمدیّۃ۔ ترجمہ۔ جو بات عبدِ فقیر کے دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قدم اپنے حقیقی معنٰی پر ہے، جس طرح لفظ کے ظاہر سے فوراً پتا چلتا ہے پھر قدم کے ساتھ ھٰذِہٖ کا کلمہ جس کی وضع ایسے مشارٌ الیہ کے لئے ہے، جو دیکھا جائے اور محسوس ہو، اُس معنٰی کی تائید کرتا ہے اور بے شک شیخ عبد القادر قدس سرّہٗ نے حقیقتِ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے یہ فرمایا ہے۔

ہم نے عُلمائے محققین اور عُرفائے کاملین کے متعدد حوالوں سے اِس مقدس موضوع کو نہایت اعتدال اور احتیاط سے واضح کر دیا ہے اور اِس کے بارے میں موجودہ دَور کے بعض حضرات کے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کر دیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ بزرگانِ سلاسل کے متعلقین حضور غوثِ پاکؓ کے اِس پاکیزہ ارشاد کی حقانیت اور وُسعت کو پورے انشراحِ صدر سے تسلیم کر کے اپنے اکابر مشائخ کی رَوش کو اپنا کر اُن کی ارواحِ طیبہ کے حسبِ منشا عمل پیرا ہوں گے۔

آخر میں ایک بار پھر عرض کیا جاتا ہے کہ حضرت غوثِ پاکؓ کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے اُس دَور میں جس میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا، ہر سلسلے کے اکابر مشائخ کرام حضرت شیخ احمد رفاعی، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سجزی اجمیری، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سُہروردی، حضرت ابوالنجیب عبد القاہر سہروردی، حضرت شیخ ابُومدین مغربی قدست اسرارہم موجود تھے۔ کیا متاخرین اولیائے کرام فضل وکمال میں اُن سے بڑھ کر ہیں، یا ان سے فیض یافتہ ہونے کا انکار کر سکتے ہیں۔ جب آسمانِ ولایت کے ایسے نامور اور درخشندہ ستارے آفتابِ غوثیت کے نور سے مزید مُستنیر ہوتے اور آپ کے قدمِ اقدس کے سامنے جُھک گئے تو پھر اُن کے خلفاء ومریدین بھی تبعاً قدمِ مُبارک

---

[1] الطراز المذہب، از علّامہ آلوسیؒ، ص ۲۰، مطبوعہ مصر، سن طباعت ۱۳۱۳ھ

کی عظمت کے قائل ہوتے۔ اُستادِ فن کا اُستاد بھی اُستاد کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ قابلِ احترام ہوتا ہے۔ اور پیرِ طریقت کا شیخ پیر کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ واجب التعظیم ہوتا ہے؛ اگر بالفرض صرف ظاہری زمانے کے اربابِ ولایت ہی زیرِ قدم ہوں تو بھی متاخرین اولیائے کرام بطریقِ اَولٰے اِس فرمان کی وُسعت میں شامل ہیں۔ آنجنابؒ کے اِس ارشادِ گرامی کے بارے میں اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو اکابر علمار و مشائخ کی مُستند تصانیف، جن کی فہرست ہم نے نقل کر دی ہے، موجود ہیں۔ اُن سے استفادہ کیا جاتے۔ یہاں چند نامور عُرفار کے اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

اولیائے اوّلین و آخریں سرہائے خود
زیرِ پایش می نہند از حکمِ ربُّ العالمیں

(حضرت بہار الدین زکریا ملتانیؒ)

زہاتے پاکِ اُو فخریست دوشِ پاکبازاں را
حیاتِ تازہ بگرفتہ از و دینِ مسلمانی

(حضرت شاہ نیاز احمد چشتی بریلویؒ)

جس کی منبر بنی گردنِ اَولیار
اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

(حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ)

# قصیدۂ غوثیہ کی صحّتِ انتساب کے شواہد

جیسا کہ اہلِ علم و ذوق جانتے ہیں کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانی قدّس سرّہ السامی کے منظوم کلام میں اُن اشعار کو جو قصیدۂ غوثیہ کے نام سے موسوم ہیں، دُنیائے طریقت میں خصوصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اِن عربی اشعار کو قصیدۂ غوثیہ کے علاوہ قصیدۂ خمریّہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ اور اِس کے علاوہ دیگر سلاسل کے ہزاروں مشائخ اور لاکھوں متعلقین اِسے بطورِ وظیفہ پڑھتے چلے آئے ہیں۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ آنجنابؓ کا کلام نہیں، کیونکہ اِس کا کوئی مُستند ثبوت نہیں ملتا۔ اِس میں عربی زبان کے بعض قواعد کو بعض مقامات پر نظر انداز کیا گیا ہے اور مزید برآں یہ کہ اِس میں بعض ایسے دعاوی پائے جاتے ہیں، جو عجز و تواضع کے منافی ہیں اور بعض ایسے اُمُور کی نسبت حضرت غوثِ پاکؓ کی طرف پائی جاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کے لائق ہیں۔ انشاء اللہ ہم اِن اعتراضات کا جواب شافی ذیل کی سُطُور میں اِس اُمید کے ساتھ پیش کریں گے کہ ہماری اِس وضاحت کے بعد گنجائش اعتراض نہ رہنے پائے۔ قصیدۂ غوثیہ کا سب سے بڑا مؤثر اور ناقابلِ تردید ثبوت تو نقلِ متواتر ہے، اِس لئے کہ کسی بات کا نقلِ متواتر کے ذریعے ثابت ہونا اُس کے ثبوتِ صحّت کی دلیلِ قطعی ہوتا ہے۔ قصیدۂ غوثیہ کے بارے میں ہر زمانے میں ہزارہا اکابر علماء و مشائخ اور لاکھوں اہلِ ایمان کی روایت، عمل و تصدیق درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور ہر دور میں اِس کی شہرت، مقبولیت اور نشر و اشاعت اِس کی نقلِ متواتر کی واضح اور بیّن دلیل ہے۔ عُلُوم و فنون کی مُروّجہ کُتُب میں بے شمار کتابیں صحّتِ انتساب کے اِس معیار پر پوری نہیں اُتر سکیں، مگر بہ ایں ہمہ اُنہیں مُستند سمجھا جاتا ہے۔ اتنے زبردست، قطعی، یقینی اور ناقابلِ انکار ثبوت کے بعد کتابوں کا حوالہ یا دوسری کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت[۱] سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرّہٗ (م ۱۹۳۷ء) نے یہی تحقیق فرمائی اور اِس میں اِسی دلیلِ قطعی کو بطورِ حجّت پیش[۲] فرمایا۔ اِس کے باوجود رواجِ عام کے مطابق ہم

---

[۱] ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ۔ ص ۲۶ طبع ثانی۔ مطبوعہ لاہور (۱۹۷۴ء)

[۲] مہرِ منیر مؤلفہ مولانا فیض احمد فیض، بابِ ہشتم، طبع سوم، ص ۲۲۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت (۱۹۷۶ء)

بعض معتبر کُتب اور قصیدۂ غوثیہ کی شُروح کا تذکرہ بطورِ ثبوت کرتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی[1] نقشبندیؒ (م ۱۲۶۱ھ) اپنی مشہور تفسیر تفسیرِ مظہری[2] میں لکھتے ہیں:-

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ مَا قَالَ الشَّيْخُ مُحِيُّ الدِّيْنِ عَبْدُ الْقَادِرِ[3]

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَاِنِّيْ　　عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

مشہور قادری بزرگ حضرت شاہ ابو المعالی قادری لاہوریؒ (م ۱۰۲۴ھ) جنہیں شیخ محقق دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) نے جلیل القدر القاب سے یاد کیا ہے۔ تحفۂ قادریہ[4] میں قصیدۂ غوثیہ کا یہی شعر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "و در اشعارِ شریفِ خویش نیز ایں مضمونِ لطیف را بیان فرمودہ اند"۔ (ترجمہ: آنجنابؓ نے اپنے پاکیزہ اشعار میں یہی مضمونِ لطیف بیان فرمایا ہے۔

حضرت غوثِ پاکؓ کے ایک مشہور منظوم قصیدے کا تذکرہ صاحبِ کشف الظنون نے کیا اور لکھا کہ العزبن عبد السلام المقیلوی البغدادیؒ (م ۶۵۹ھ) نے اس کی تخمیس لکھی اُس قصیدے کا مطلع ہے:-

مَا فِي الْمَنَاهِلِ مَنْهَلٌ مُسْتَعْذَبٌ　　اِلَّا وَلِيْ فِيْهِ الْاَلَذُّ الْاَطْيَبُ[5]

ویسے فتوح الغیب اور بہجۃ الاسرار میں بھی آپ کا منظوم کلام ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) نے بُستان المحدثین میں شیخ احمد زروق المحدث الفاسیؒ (م ۸۹۹ھ) کے حالات میں لکھا ہے:- "و اُو را قصیدہ ایست بر طورِ قصیدۂ جیلانیہ"[6]۔ اور قصیدۂ جیلانیہ کے طرز پر اُن کا ایک قصیدہ ہے۔

---

[1] حضرت قاضی صاحبؒ کے مقام کا اندازہ اِس روایت سے ہوتا ہے جو مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ کی شہرۂ آفاق تصنیف خزینۃ الاصفیا مطبوعہ ۱۲۸۳ھ لاہور کے صفحہ ۶۴۹ پر موجود ہے، مرزا مظہر جانِ جاناں می فرمود کہ اگر اُو سبحانہٗ تعالیٰ بروزِ حشر و نشر از من خواہد پُرسید کہ در درگاہِ ما چہ تحفہ آوردی۔ عرض کنم مولوی ثناء اللہ پانی پتیؒ آوردہ ام۔ (حضرت مظہر جانِ جاناںؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن خدا مجھ سے پُوچھے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو تو عرض کروں گا مولوی ثناء اللہ پانی پتیؒ کو لایا ہوں)

[2] تفسیرِ مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، جلد ۱۰، ص ۲۸۸، مطبوعہ کوئٹہ

[3] ملاحظہ ہو ترجمہ شرح فتوح الغیب از شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بحوالہ حیاتِ شیخ عبد الحق از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۲۱۹، ایضاً اخبار الاخیار، ص ۸، و رسالۃ الاسرار للشیخ الدہلوی بحوالہ الزمزمۃ القمریہ مصنفہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ، ص ۵

[4] بحوالہ الزمزمۃ القمریہ، ص ۵

[5] ملاحظہ ہو کشف الظنون، از حاجی خلیفہ کاتب چلپی، جلد ۲، ص ۱۳۳۹، مطبوعہ دار الحدیثہ بیروت
محولہ بالا شعر کا ترجمہ: عشق کے چشموں میں کوئی شیریں چشمہ نہیں مگر یہ کہ میرے لئے اِس میں لذیذ اور پاکیزہ حصہ نہ ہو۔

[6] بُستان المحدثین (اردو۔ فارسی) از شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، ص ۳۲۱

حضرت سُلطان باہُو قدس سرّہٗ (م ۱۱۰۲ھ) کے سوانح حیات پر مبنی کتاب "مناقبِ سُلطانی" میں بھی قصیدہ غوثیہ شریف کا خاص تذکرہ ہے اور حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہ العزیز کے ملفوظات اور آپ کی مُستند سوانح حیات "مہرِ منیر" میں بھی قصیدہ شریف کا محققانہ تذکرہ موجود ہے۔

## شروحِ قصیدہ غوثیہ

حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۱ھ) نے تو قصیدہ غوثیہ پر کئے جانے والے جملہ اعتراضات کے جواب میں ایک مُستقل رسالہ تحریر فرمایا، جس کا نام "الزّمزمۃُ القُمریّۃ فی الذّب عن الخمریّۃ" ہے۔ رسالہ ہٰذا میں حضرت مولانا نے نہایت محققانہ انداز میں کلام فرمایا۔ اِس میں فاضل بریلوی نے علامہ محمد فاضل کلانوریؒ معاصرِ سیّد احمد حمویؒ صاحبِ غمز العیون کی شرح قصیدہ غوثیہ "رموزِ خمریہ" کا تذکرہ، اور مولانا وکیل احمد سکندرپوریؒ کی اُردو شرح قصیدہ غوثیہ کا بھی ذِکر کیا ہے۔ مولانا عبد المالک کھوڑوی (م ۱۳۶۰ھ) نے قصیدہ غوثیہ کی اُردو شرح "الجواہر المضیۃ شرح القصیدۃ الغوثیۃ" لکھی، جسے نوری بُک ڈپو لاہور نے شائع کیا ہے اس شرح کے الحاقی مقدمے میں محوّلہ بالا شروح کے علاوہ سولہ شرحوں کا حوالہ دیا گیا ہے، جن میں درجِ ذیل شروح بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ شرح قصیدہ خمریہ فارسی از علامہ فضل اللہ بن روز بہان (م ۹۲۷ھ) مخزونہ اکادمی علوم لینن گراڈ (رُوس)

۲۔ بیانُ الاسرار (عربی) از علامہ ابو الفرح محمد فاضل الدین بٹالویؒ (م ۱۱۵۱ھ)

۳۔ شرحِ قصیدہ غوثیہ خمریہ (فارسی) از سیّد شاہ غوث محمد قادری لاہوریؒ (م ۱۱۵۲ھ)

۴۔ شرحِ قصیدہ خمریہ از محمد بن مُلّا پیر محمد شیرازی نوشتہ ۱۲۹۹ھ

۵۔ شرحِ قصیدہ غوثیہ از مولانا خواجہ احمد حسین خان امروہویؒ

۶۔ العصیدۃُ الیوسفیۃ شرحِ قصیدہ غوثیہ مطبوعہ ۱۳۴۲ھ از مولانا محمد اعظم قادری نوشاہیؒ

اِن میں چار ایسی شروح کا ذکر بھی ہے جن کے مصنّفین کا نام اور زمانہ تصنیف معلوم نہیں ہو سکا، تاہم عرصہ دراز کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ فاضل بریلویؒ نے "الزّمزمۃ القمریۃ" میں نہایت اختصار اور جامعیت سے قصیدہ غوثیہ کے ثبوت پر دلائل پیش کئے ہیں، چنانچہ فتح القدیر، شامی اور حاشیہ دُرِّ مختار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کسی کتاب کے متعدد نسخوں کا ہونا اور لوگوں کے ہاتھوں میں عام ہونا اُس کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

# سندِ اتّصال کی شرط

پھر فاضل بریلوی،" امام ابو اسحاق اسفرائینی،" امام جلال الدین سیوطی" اور علامہ احمد حموی" کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ کُتُبِ فقہ کی نسبت اُن کے مصنفین کی طرف ثابت کرنے میں اتصالِ سند شرط نہیں اور بحمد اللہ قصیدہ غوثیہ میں نشر و اشاعت، شہرت و مقبولیت اور معمول بہا ہونا سب کچھ پایا جاتا ہے، بلکہ سلاسلِ طریقت کی اجازت اِس کی سندِ اتّصال کو ثابت کرتی ہے بفضلہٖ تعالیٰ قصیدۂ غوثیہ کے ثبوت کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر عقل و نقل دونوں لحاظ سے مُستند ہے، مگر اِس ضمن میں ہماری ایک گزارش یہ بھی ہے کہ تفسیر و حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر عُلوم و فنون کی اُن کتابوں کے نسخے بہت ہی قلیل ہیں جو شہرت و اشاعت اور اپنے مؤلفین کی طرف انتساب میں معیارِ ثبوت پر پورے اُترتے ہیں بعض کے مُصنفین نے خود ظاہر نہیں کیا کہ یہ ہماری تصنیف ہیں اور بعض کے مُصنفین کا سرے سے پتا ہی نہیں؛ نیز مختلف مکاتبِ فکر کا اُن کُتُب کی طرف رُجُوع نہیں۔ یا اُن کے بعض مضامین ثقات عُلماء کے نزدیک مخدوش ہیں یا اُن کی بعض روایات کو موضوع قرار دیا گیا ہے۔ فرمائیے، ایسی کتابوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی؟ ہمارے خیال میں ان ساری شرائط کی پابندی کے پیشِ نظر مروجہ کُتُبِ علم و فن کی بڑی تعداد غیر معتبر قرار پائے گی اور اُس علم و فن سے تعلق رکھنے والے حضرات اِس بات کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے۔ اِس لئے وہ حضرات جو قصیدہ غوثیہ کو حضرت غوثِ پاک قدس سرّہٗ کا کلام سمجھنے میں مُتردّد ہیں، ذرا غور فرمائیں کہ کہیں اُن کے نقطۂ نظر یا مکتبِ فکر سے متعلق بعض کتابیں غیر معتبر تو نہیں قرار پاتیں؟ ویسے بھی ہزاروں عُلماء و مشائخ اور لاکھوں مسلمانوں کے عمل کو غلط فہمی پر محمول کرنا اور عقلی و نقلی دلائل کو بیک جنبشِ لب نظر انداز کر دینا دین کی خدمت اور معقول طریقِ عمل نہیں، اِس لئے کہ شریعتِ مُطہّرہ کی رُو سے اہلِ ایمان پر حُسنِ ظن کا حکم ہے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں تو یہاں تک ہے کہ مارأ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن[1] جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعاملُ النّاس کو ائمہ مجتہدین نے معتبر سمجھا ہے اور بہت سے اُمُورِ شرعیہ میں اہلِ علم و فضل کے عمل کو حُجّت تسلیم کیا ہے، ہمیں اِس بات پر اصرار نہیں کہ مُعترضین حضرات قصیدہ غوثیہ کو ضرور پڑھیں۔

---

[1] مُسندِ امام احمد، جلد ۵، ص ۲۱۱، مطبوعہ دار المعارف مصر

مگر اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ اُنہیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ قصیدۂ غوثیہ کے ثبوت اور پڑھنے پڑھانے کے بارے میں بحمد اللہ دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں اور اِس دَور میں بھی ایسے اربابِ علم و فن کی کمی نہیں جو زیرِ بحث موضوع پر کافی و وافی مواد رکھتے ہیں۔

## اساتذۂ سخن اور تصرّفاتِ شعری

جہاں تک اِس اعتراض کا تعلق ہے کہ قصیدۂ غوثیہ میں عربی زبان کے بعض قواعد کا خیال نہیں رکھا گیا تو اِس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اساتذۂ سخن نے شعر میں بہت سے تصرّفات کو جائز قرار دیا ہے مثلاً قطع، وصل، تخفیف، تشدید، مد، اِسکان، قصر، تحریک، منصرف، غیر منصرف وغیرہ۔ پھر فُصحائے عرب میں سے بہت سے شعراء کا کلام عربی قواعد کے خلاف بھی نظر آتا ہے۔ اور یہ چیز اُن کی فصاحت و بلاغت کے منافی نہیں سمجھی جاتی۔ قصیدۂ غوثیہ کے شارحین نے آنجنابؓ کے کلام میں جہاں کہیں اِس قسم کا شُبہ پایا، وہاں عربی لغت کے ماہرین اور فُصحائے عرب کے اقوال و اشعار سے شواہد بطورِ سند پیش کئے ہیں۔ دیگر شروح کے علاوہ صرف علامہ عبدالمالک کھوڑویؒ کی اُردو شرح الجواہر المضیئہ کا مطالعہ کرلینے سے اِس قسم کے شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ نے الزمزمۃ القمریہ میں بڑے محققانہ انداز میں اِس قسم کے اعتراضات کے جواباتِ شافی دیئے ہیں۔ آپ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عُلمائے کاملین الفاظ کی نسبت معانی و مفاہیم کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ بسا اوقات معانی کی طرف توجہ اور استغراق اُنہیں الفاظ کے استعمال کے قواعد و ضوابط کا لحاظ نہیں رکھنے دیتا۔ چنانچہ جلیل القدر ائمۂ فن کی کتابوں کے محشّی اور شارحین اِس بات پر تنبیہ کر دیتے ہیں اور اُن کا مقصد ائمۂ اعلام کو خطاوار بنانا نہیں ہوتا، بلکہ طالبانِ علم و تحقیق کو سامانِ ذوق فراہم کرنا ہوتا ہے۔

## افاضلِ اُمّت کی امثال

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ امام مُسلمؒ مقدمۂ مسلم شریف میں ایک مقام پر ھُلُمّ جرًّا لکھتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ شرح میں لکھتے ہیں کہ قاعدے کے لحاظ سے یہاں ھلمّ جرًّا کا محل نہیں، صحاحِ ستّہ میں اٰتّزر کا لفظ وارد ہے۔ تمام محدّثین ادغامِ ہمزہ اور تشدیدِ تا سے ضبط کرتے ہیں۔ حالانکہ قاموس، مجمع بحار الانوار، شرح مشکوٰۃ طیبی اور مُفصّل میں اسے خلافِ قاعدہ کہا گیا ہے۔ لفظِ

کَافَّةً بہ اتفاق علمائے عربیت تعریف اور اضافت سے استعمال کرنا جائز نہیں، مگر زمخشری جیسا ادیب خطبۂ مفصل میں لکھتا ہے: محیطٌ بکافة الابواب۔ لفظ صلاتیہ، شفعویہ اہل عربیت کے قانون کے مطابق صحیح نہیں صلویہ اور شافعیہ ہونے چاہئیں۔ اسی طرح مصطفویہ یا مصطفوی بھی درست نہیں، مگر ایسے الفاظ فتاویٰ قاضی خان، امام سیوطیؒ اور امام زرقانیؒ کی کتابوں میں موجود ہیں اور تو اور امام بخاریؒ ایک جگہ صحیح بخاری میں ایضاً کے بجائے ہم لفظ فارسی بمعنی بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اُن سے آج تک منقول ہوتا چلا آ رہا ہے۔ امام ذہبیؒ میزان میں لکھتے ہیں کہ امام المحدثین وکیع بن الجراحؒ لفظ عائشہ کو عیشہ بولتے تھے۔ امام بخاریؒ کے اُستاد علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں وکیع کے وہ الفاظ نقل کروں جس طرح وہ بولتے تھے تو تمہیں تعجب ہوگا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق مثنوی کے عربی اشعار میں بہت سے ایسے الفاظ استعمال فرمائے، جو عربی قواعد کے خلاف ہیں۔ آخر میں فاضل بریلویؒ لکھتے ہیں کہ جلیل ائمۂ محدثین، فقہائے کرام اور عرفائے کاملین کے کلام میں ایسے اُمور کا پایا جانا اُن کی جلالتِ شان کے ہرگز منافی نہیں۔ اُن حضرات کے علمی مقام اور رُوحانی رفعت سے کون انکار کر سکتا ہے، جن کی تصانیف دینِ متین کا ایک بیش بہا ذخیرہ اور خزانہ ہیں، اور اُن کی دینی مساعیٔ جمیلہ آفتاب کی طرح جگمگا رہی ہیں[1]۔

بہرحال حضرت غوثِ پاکؓ کے کلام میں بعض الفاظ کا عربی زبان کے قاعدے کے مطابق نہ ہونا بھی آپ کی جلالتِ شان اور علوِ مقام کے خلاف نہیں اور نہ ہی اِس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ قصیدۂ غوثیہ کو آپ کا کلام نہ تسلیم کیا جائے۔ وگرنہ ائمۂ محدثین، فقہائے کرام اور علمائے راسخین کی تصانیف کا بھی انکار کرنا پڑے گا، کیونکہ ہم کچھ پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اُن کے کلام میں بعض مقامات پر قانونِ عربیت نظر انداز کیا گیا ہے۔ حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ کی فصاحت و بلاغت کے جواہر پارے دیکھنا ہوں تو فتوح الغیب اور الفتح الربانی کو پڑھیں یا بہجۃ الاسرار میں منقول اقتباسات کا مطالعہ کریں، جہاں فصاحتِ نبوی اور بلاغتِ مرتضوی کے آفتاب و مہتاب پوری آب و تاب سے عکس ریز نظر آتے ہیں۔

## جوابِ اعتراض

قصیدۂ غوثیہ پر یہ اعتراض کہ اُس میں عجز و تواضع کے خلاف بعض اُمور پائے جاتے ہیں، تو اِس

[1] ملخص از الزمزمۃ القمریۃ، مصنفہ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ منظوم مضامین وہی ہیں، جو دوسری مستند کتابوں میں آپ سے منقول ہیں اور محققین اکابر عُلمائے کرام مثلاً شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، علاّمہ شطنوفیؒ، مجدد الفِ ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، صاحبِ رُوح المعانی علاّمہ آلوسی بغدادیؒ اور بہت سے دیگر عُلماء و مشائخ تصریح فرما چکے ہیں کہ آپ نے یہ سب کچھ مامور و ماذون من اللہ ہو کر فرمایا ہے اور تحدیثِ نعمت کے طور پر اِن باتوں کا اظہار فرمایا ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں سیّد المتواضعین رسولِ ربُّ العالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

۱۔ انا قائدُ المرسلینَ ولا فخرَ الا وَ اَنَا حبیبُ اللہِ اَنَا حَامِلُ لوآءِ الحمدِ یومَ القیامۃِ تحتہٗ آدمُ فمَن دُونہٗ وَلَا فخرَ۔[1]

ترجمہ۔ میں رسولوں کا سردار ہُوں، مگر فخر نہیں کرتا۔ خبردار! میں اللہ کا محبوب ہوں۔ قیامت کے دن میں حمد کا جھنڈا اُٹھاؤں گا۔ حضرت آدمؑ اور اُن کے علاوہ تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور مجھے اِس بات پر فخر نہیں۔

۲۔ لو کان مُوسٰی حیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتباعی۔[2] ترجمہ۔ اگر موسٰیؑ حیاتِ ظاہری کے ساتھ ہوتے تو میرے اتباع کے بغیر اُنہیں چارہ نہ ہوتا۔ چونکہ حضور غوثِ پاکؓ اپنے جدِّ امجد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قدم بقدم چلے ہیں اِس لئے تحدیثِ نعمت کے طور پر اِس قسم کے ارشادات فرماتے۔

رئیس المکاشفین محی الدین ابنِ عربیؒ لکھتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک ولی اللہ ایسا ہوتا ہے جو آیتِ وَھُوَ القاھِرُ فوقَ عبادہٖ کا مظہر ہوتا ہے، اِس کے بعد اُس کی مزید علامات بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:۔ لہ الاستطالۃُ علیٰ کُلِّ شَیٍٔ سِوَی اللہ شَہمٌ شجاعٌ مِقدامٌ کبیرُ الدّعوٰی بحقٍ یقولُ حقًّا و یحکم عدلاً کانَ صاحبَ ھٰذَا المقامِ شیخُنا عبدُ القادرِ الجیلی ببغداد کانت لہ الصَّولۃُ والاستطالۃ بحقٍ علی الخَلقِ کان کبیرَ الشّانِ اَخبارُہٗ مشھورۃٌ۔[3] ترجمہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے پر غالب اور متصرّف ہوتا ہے، وہ بہت ذہین، جرأت والا، میدان میں آگے قدم بڑھانے والا، سچے دعوے کرنے والا، اُس کا قول حق ہوتا ہے اور اُس کا حکم عدل

---

[1] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، بابُ فضائلِ المرسلین، ص ۵۱۳، مطبوعہ کانپور

[2] مشکوٰۃ شریف، بابُ الاعتصام بالکتاب والسنّۃ، ص ۳۰، مطبوعہ کانپور

[3] فتوحاتِ مکیہ، از محی الدین ابنِ عربیؒ، جلدِ دوم، باب ۷۳، ص ۱۲، مطبوعہ مصر

پر مبنی ہوتا ہے، بغداد میں ہمارے شیخ عبدالقادر جیلیؒ اس مقام پر فائز تھے، مخلوق پر آپ کو جو غلبہ حاصل تھا وہ مبنی بر حق تھا۔ آپ بڑی شان والے ہیں۔ اور آپ کے متعلق اخبار مشہور ہیں۔ لہٰذا حضرت غوث پاکؓ کے ان ارشادات کو انکسار و تواضع کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ آپ مامور و ماذون من اللہ ہو کر اس قسم کے ارشادات صادر فرماتے تھے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

وَمَا قُلْتُ حَتّٰی قِیْلَ لِیْ قُلْ وَلَا تَخَفْ　　فَاَنْتَ وَلِیٌّ فِیْ مَقَامِ الْوِلَایَتِ[1]

ترجمہ۔ اور میں نہیں کہتا، یہاں تک کہ مجھے کہا جاتا ہے کہ بے خوف ہو کر کہو، کیونکہ تم مقامِ ولایت میں میرے خاص ولی ہو۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے سیرت نگار اکابر علماء و مشائخ سب ہی اپنی تصنیفات میں آپ کے عجز و انکسار اور تواضع و درویشی کے بے شمار حالات و شواہد نقل کرتے ہیں، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آنجنابؓ دوسرے کمالات کی طرح تواضع اور انکسار میں بھی امتیازی اور خصوصی شان کے مالک تھے۔

## جوابِ اعتراض دیگر

قصیدہ غوثیہ کے بارے میں یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض ایسے اُمور کی نسبت آنجنابؓ کی طرف ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں ہیں اور اس اعتراض کو قصیدۂ غوثیہ کے انکار میں خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ قصیدۂ غوثیہ کے اکثر و بیشتر مضامین وہی ہیں جنہیں مستند علماء و مشائخ نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ اگر ان مضامین میں کوئی بات ایسی ہوتی تو علماء و مشائخ کا جم غفیر ضرور اُس کی نشاندہی کرتا اور ارباب شریعت اُس کو ضرور زیر بحث لاتے، بہت سے اکابر کے اقوال مثلاً سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور اَنَا الْحَق وغیرہ کے متعلق اربابِ شریعت کا نقطۂ نظر واضح ہے، حضرت غوث پاکؓ نے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اظہار فرمایا ہے اور اپنے کمالات کو عطیۂ ربانی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا　　فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالٖ

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام اقطاب کا والی بنایا، پس اسی وجہ سے میرا حکم ہر حالت میں نافذ ہے

[1] حاشیہ بہجۃ الاسرار (عربی) مصنفہ علامہ شطنوفی الشافعیؒ، ص ۲۲۳، مطبوعہ مصر

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جب کوئی چیز حکم کے تابع ہو تو اُسے اپنے حکم کے تابع قرار دینا ہرگز ممنوع نہیں قرآن مجید میں ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ[1] ○ (ترجمہ) پس ہم نے ہوا کو اُن کا فرمانبردار بنا دیا۔ جدھر آپ چاہتے آپ کے حسبِ حکم آرام سے چلتی حضرت سلیمانؑ کے امر سے ہوا کا چلنا نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور کوئی بھی اسے شرک کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

## ارشاداتِ غوثیہ میں کوئی بات ممتنع نہیں

آپ کا یہ ارشاد کہ اگر میں اپنا خاص راز آگ پر ڈالوں تو بجھ جائے، سمندر پر ڈالوں تو خشک ہو جائے، پہاڑوں پر ڈالوں تو ریزہ ریزہ ہو جائیں اور اگر مُردے پر ڈالوں تو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جائے۔ ان اُمور میں کونسی بات ایسی ہے، جو ممتنع ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کا گلزار ہونا حضرت موسیٰؑ کے لئے دریا کا خشک ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا بہ اذنِ الٰہی مُردے زندہ کرنا، یہ سب اُمور علی سبیل الاعجاز قرآن مجید سے ثابت ہیں؛ پس بطورِ خرقِ عادت کسی ولی اللہ سے بہ اتباعِ انبیائے کرام علیہم السلام ان کا صُدور ممکن ہے اور اسے کرامت سے تعبیر کیا جائے گا۔ حضرت غوثِ پاکؒ نے سِرِّ الٰہی کے ذریعہ اِن اُمور کے صادر ہونے کا ذکر فرمایا، اور بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ یہ کام قدرتِ خداوندی سے ہوں گے، نیز فرمایا سرِّ قدیم پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا اور میری مُراد پوری فرمائی۔ اِسی طرح بِلَادُ اللّٰهِ کو تحت الحکم کہنے کا مقصد بھی بہ اذنِ الٰہی تصرف ہے۔ آخر قرآن کریم میں بھی تو فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا[2] کہا گیا ہے۔ اِس میں تدبیرِ اُمور اور تصرّف کرنے والے فرشتوں کی قسم اُٹھائی گئی۔ تدبیرِ اُمور اور تصرّف کرنے سے فرشتوں کو خدا کا شریک تو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے تو یہ شان رکھتے ہیں کہ وہ حدیثِ قدسی کے مطابق دستِ قُدرت سے تصرّف کرتے ہیں اور اُن کی زبان منشائے الٰہی کی ترجمان ہوتی ہے۔ پھر یہاں کیا مضائقہ ہے کہ باذنِ اللہ اِن اُمور کے وُقوع پزیر ہونے کی نسبت آپ نے اپنی طرف فرما دی۔ حضرت جبریلِ امین حضرت مریمؑ کو پاکیزہ فرزند عطا کرنے کی نسبت بھی تو اپنی طرف کرتے ہیں، جسے قرآنِ کریم نے لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا[3] ○ (تاکہ میں تمہیں پاکیزہ فرزند بخش دُوں) کے الفاظ میں بیان فرمایا۔ پھر حضرت سلیمانؑ کے مصاحبِ خاص

[1] القرآن ۳۸ : ۳۶

[2] القرآن ۷۹ : ۵

[3] القرآن ۱۹ : ۱۹

(جو غیرِ نبی یعنی ولی تھے) بھی تختِ بلقیس کے لانے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں، جیسے قرآنِ مجید نے اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ[1] کے الفاظِ مبارکہ میں بیان فرمایا کہ میں آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت لے کر آتا ہوں، جن عُرفائے کاملین کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے بنی اسرائیل کی مثل فرمایا ہو، کیا وہ خرقِ عادت کے طور پر کرامت پر قادر نہیں یا عطائے خداوندی سے اُمور کی نسبت اپنی طرف کرنے کے مجاز نہیں؟ مضمون خاصا طویل ہو جائے گا، ورنہ ہم قصیدۂ غوثیہ کے ایک ایک شعر کو قرآن و حدیث کی روشنی میں صداقت کا معیار ثابت کرتے اور بحمد اللہ شارحین نے کیا کمی چھوڑی ہے کہ ہمیں مزید وضاحت کی ضرورت پڑے۔ جسے تفصیل کا شوق ہو، وہ قصیدۂ غوثیہ کی شروح کا مطالعہ کرے[2]۔

ہم نے واضح انداز میں گزارش کی ہے کہ قصیدۂ غوثیہ میں حضرت غوثِ پاکؒ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر بہ اذنِ الٰہی، بہ عطائے خداوندی، خارقِ عادت اُمور کا تذکرہ فرمایا اور اسنادِ مجازی سے اپنی طرف نسبت فرمائی، جو کسی طرح بھی شانِ ولایت کے منافی نہیں اور شرک سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ آخر میں ہم التماس کرتے ہیں کہ کسی بات کا خلافِ شریعت ہونا اور بات ہے اور خلافِ شریعت نظر آنا اور بات ہے۔ اگر مقبولانِ خدا کا کلام سمجھ میں نہ آئے تو اُس کا انکار مناسب نہیں۔ آخر قرآن و حدیث کے بھی تو بہت سے متشابہات ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا، حتی الوسع یہ ہونا چاہیے کہ بزرگانِ دین کے ارشادات کا محل تلاش کیا جائے۔ گویا فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ[3]۝ (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پُوچھ لیا کرو) پر عمل کیا جائے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہ آئے دوسرے بھی اُس کے فہم سے قاصر ہوں۔ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ[4]۝ (ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے)۔

## حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے افاداتِ عالیہ

آخر میں قارئین کے اطمینانِ مزید کے لئے حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حسنی الجیلانی قدس سرہٗ کے چند افادات نقل کئے جاتے ہیں تاکہ موضوع کی وضاحت بدرجۂ احسن ہو جائے۔ آپ سے کسی شخص

---

[1] القرآن ۲۷ : ۴۰

[2] کچھ شروح کی نشان دہی سطورِ بالا میں بھی کر دی گئی ہے۔

[3] القرآن ۲۱ : ۷

[4] القرآن ۱۲ : ۷۶

نے سوال کیا کہ قصیدہ غوثیہ میں[1] ہے وَ افْعَلْ مَا تَشَآ فَالْاِسْمُ عَالٍ (جو مرضی آئے کرو، میرا نام بلند ہے) یہاں تو حضرت غوثِ پاکؒ نے مریدین کو کھلی چھٹی دے دی ہے۔ آپؒ نے فرمایا۔ بخاری شریف میں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر پر جلوہ گر ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو کھلی چھٹی دے دی تھی اور وہ اوامر و نواہی کی پابندی سے قطعاً آزاد ہو گئے تھے؟ حدیث کا یہ مفہوم ہرگز نہیں، بلکہ غایت مافی الباب یہی کہا جائے گا کہ یہ کلمہ بطور اظہارِ خوشنودی کہا گیا اور حقیقی معنیٰ مُراد نہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف لازم آئے گا۔ اِسی طرح حضرت غوثِ پاکؒ کے کلام کا مفہوم بھی یہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے۔ وہ شخص لاجواب ہو کر اُٹھ گیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت غوثِ پاکؒ کا فرمان ہے۔ خُضْنَا بَحْرًا لَّمْ يَقِفْ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِيَآءُ[2] ہم نے اُس سمندر میں غوطے لگائے جس کے ساحل پر انبیائے کرام نہ ٹھہرے اِس سے تو آپ کی انبیاء پر فضیلت لازم آتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا: یہاں بحر سے مُراد شریعتِ محمّدی ہے۔ چونکہ انبیاءِ کرام اپنی اپنی شریعت لے کر آئے اور اُس پر عامل رہے، اِس لئے اُن سے شریعتِ محمّدی کا اتباع نہ ہو سکا۔ حضور غوثِ پاکؒ اتباعِ نبویؐ کی بدولت شریعتِ محمّدی پر عمل سے سرفراز ہوئے۔ اِس لئے یہ ارشاد فرمایا۔ پھر اُس شخص نے کہا کہ قُربِ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ تو شریعتِ محمّدی پر عامل ہوں گے؟ آپؒ نے فرمایا حضرت غوثِ پاکؒ نے لَمْ يَقِفْ فرمایا جو فعل جحد کا صیغہ ہے اور اُس سے ماضی کی نفی مُراد ہوتی ہے نہ کہ مُستقبل کی، لہٰذا حضرت عیسیٰؑ اِس ارشاد سے مُستثنیٰ ٹھہرے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت غوثِ پاکؒ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر حضرت غوثِ پاکؒ سے سوال کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا اِس وظیفے کا کیا حکم ہوگا۔ یَا شَیْخ عبد القادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ[3] آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وسیلہ دے کر سوال کرنا تو قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ اُس نے کہا وہ کس طرح؟ آپؒ

---

[1] مہرِ منیر، باب ۸، ص ۴۲۲، مطبوعہ لاہور

[2] مہرِ منیر، بابِ اوّل، ص ۴۷، مطبوعہ لاہور

[3] مہرِ منیر، باب ۸، ص ۴۲۱، مطبوعہ لاہور

نے فرمایا تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ[1]۔ ترجمہ اُس اللہ سے ڈرو جس کا وسیلہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ یہ جواب سُن کر اُس شخص کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ان چند علمی باتوں کو آخر میں اِس لئے بیان کیا گیا کہ قصیدہ غوثیہ پر اعتراض کرنے والے حضرات کو ذرا اندازہ ہو جائے کہ اِس قسم کے عُلمائے ربّانی اور عُرفائے کاملین بھی قصیدۂ غوثیہ شریف پڑھا کرتے تھے، جن کا وجودِ مسعود حقانیتِ اسلام کے لئے بُرہانِ مُبین تھا۔

---

[1] القرآن ۴ : ۱

# گیارھویں شریف شریعت کے آئینے میں

حضرت غوثِ پاک قدس سرہ العزیز کے امتیازی کمالات میں آپ سے منسوب ایصالِ ثواب کی تقریب گیارھویں شریف کو ایک خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ سینکڑوں سالوں سے اُمّتِ مسلمہ کے جلیل القدر عُلماء و مشائخ اور سلاسلِ طریقت سے وابستہ لاکھوں اہلِ ایمان اِسے اپنا معمول سمجھتے ہیں اور حصُولِ خیر و برکت کے لئے اِس کے انعقاد کو مُستحسن خیال کرتے ہیں۔ اولیائے عظام میں حضرت غوثِ پاکؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کا عُرس ہر مہینے پورے اہتمام کے ساتھ دُنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں منایا جاتا ہے، جب کہ دوسرے بزرگانِ دین کا عُرس سال میں ایک مرتبہ ہوا کرتا ہے۔ عُلماء و مشائخ اور عامّۃ المسلمین کے عمل کے پیشِ نظر گیارھویں شریف کے مُستحسن ہونے پر وہ حدیثِ پاک شاہد ہے جس میں ارشاد ہوا: مارآہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہِ حسنٌ[1]۔ (ترجمہ) جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوتی ہے۔ گیارھویں شریف منانے والے علماء و مشائخ میں سے کوئی بھی اِس کی فرضیت اور وُجُوب کا قائل نہیں اور نہ ہی اِس کا اہتمام نہ کرنے والوں کے خلاف کوئی فتوٰی صادر کیا گیا ہے؛ اتنی بات ضرور ہے کہ اِس تقریبِ سعید کا انعقاد کرنے والوں پر شرک و بدعت کا الزام لگانے والوں سے ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اِس طرح کرنے سے وہ دین کی کیا خدمت سر انجام دے رہے ہیں اور اسلام کا کون سا قلعہ تعمیر کر رہے ہیں۔ ہم نہایت حوصلے اور سنجیدگی سے ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان پر شرک و بدعت کی تیغِ بے نیام چلانے کے بجائے غیر مُسلموں کو دائرۂ اسلام میں لانے کی جدّ و جہد کریں اور ٹھنڈے دل سے غور کریں، شاید ہماری گزارشات پر مُنصفانہ غور کرنے سے اُن کی غلط فہمی دُور ہو جائے۔

## ایصالِ ثواب کی حقیقت

جیسا کہ اربابِ علم و دانش جانتے ہیں، گیارھویں شریف ایصالِ ثواب کی ایک تقریب

---

[1] مُسند امام احمد، جلد ۵، ص ۲۱۱، مطبوعہ دار المعارف مصر۔ سنِ اشاعت ۱۹۵۰ء

ہے اور یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے۔ عباداتِ مالیہ کا ایصالِ ثواب تو بالاتفاق جائز ہے، البتہ عباداتِ بدنیہ کا ایصالِ ثواب اکثر علمائے اُمت کے نزدیک جائز ہے چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایصالِ ثواب کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔
دبخشیدنِ ثوابِ عملِ بدنی کسے را جائز است و اکثر علماء بر اینند و در عباداتِ مالیہ باتفاق جائز است[1]۔ (ترجمہ) اور کسی کو بدنی عمل کا ثواب بخشنا جائز ہے اور اکثر علماء اسی پر ہیں اور مالی عبادت میں کسی کو ثواب بخشنا بالاتفاق جائز ہے۔

عبادتِ مالی اور عبادتِ بدنی کے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر ہم دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ پہلے عبادتِ مالی کے ایصالِ ثواب والی حدیث ملاحظہ ہو:۔ عن سعد بن عبادة انه قال یارسول الله اِنَّ اُمَّ سعدٍ ماتت فایّ الصدقةِ افضلُ قال الماءُ قال فحفر بئرًا وقال هٰذهٖ لِاُمِّ سعد[2]۔ (ترجمہ) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہے، پس اُس کے لئے کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی۔ پس اُنہوں نے کنواں کھُدوایا اور کہاکہ یہ اُمِّ سعد کے لئے ہے۔
اِس حدیثِ پاک سے عبادتِ مالی کا ایصالِ ثواب واضح طور پر ثابت ہوا اور یہ کہ کارِ ثواب کی نسبت کسی بندے کی طرف کر دینا جائز ہے اور اِس سے کوئی شرک و بدعت لازم نہیں آتی۔
اب عبادتِ بدنی کے ایصالِ ثواب کے بارے میں حدیثِ پاک ملاحظہ ہو:۔

عن صالح بن درهم یقول انطلقنا حاجّین فاذا رجلٌ[3] فقال لنا الیٰ جنبکم قریة یقال لها الاُبُلّة قلنا نعم قال من یضمن لی منکم ان یصلّیَ فی مسجد العشّار رکعتین اواربعاً ویقولُ هٰذهٖ لابی هریرة[4]۔ (ترجمہ) حضرت صالح بن درہم کہتے ہیں کہ ہم حج کے ارادے سے نکلے تو ایک مرد (حضرت ابوہریرہؓ) نے ہم سے کہا: تمہارے

---

[1] دیکھئے اشعۃ اللمعات (فارسی) جلد ۴، ص ۲۲۹، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ سنِ طباعت ۱۹۱۳ء
[2] دیکھئے سُنَنِ ابی داؤد شریف، جلد اوّل، باب فی فضل سقی الماء، ص ۲۳۶، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سنِ طباعت ۱۳۸۷ھ
[3] ای واقفٌ وھُوَ ابوھریرۃؓ (لمعات)
[4] ابوداؤد شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف، باب الملاحم، جلد دوم، ص ۴۶۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

شہر کی جانب اُبُلّہ نامی ایک بستی ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہنے لگا: تم میں سے کون مجھے اِس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میرے لئے مسجدِ عشّار میں دو یا چار رکعت نفل پڑھے اور کہے کہ یہ ابو ہریرہؓ کے لئے ہیں۔

اِس حدیث سے بدنی عبادت کا ایصالِ ثواب واضح طور پر ثابت ہے، اِس پر مُستزاد یہ کہ ایک زندہ فرد دوسرے زندہ انسان کے لئے بھی نوافل بہ طورِ ہدیہ و ثواب پڑھ سکتا ہے، اِس کے علاوہ کسی مقام کا کسی خاص فرد سے منسوب کرنا بھی حدیثِ پاک کی رُو سے ثابت ہے، چنانچہ کنوئیں کا اُمِّ سعد سے منسُوب کرنا مُستلزمِ شرک و بدعت نہیں، اِسی طرح بعض ہدایا کا حضرت غوثِ پاک، خواجہ غریب نواز اور دیگر اولیائے کرام رحمہم اللہ سے منسوب کرنا بھی حدیث شریف کی رُو سے جائز ہے۔

# گیارھویں شریف پر ایک بڑا اعتراض اور اُس کا جواب

معترضین کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اِس کے لئے یہ تاریخ کیوں مُقرّر کی جاتی ہے، تاریخ کی پابندی کی وجہ سے اِس میں شرک و بدعت کا پہلو نمایاں ہے۔ ہم اِس سلسلے میں نہایت سلجھے ہوئے انداز میں گزارش کرتے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ ہماری گزارش پر غور کرنے کے بعد مُعترضین کے لئے گنجائش اعتراض باقی نہیں رہے گی۔

اِس حقیقت سے تو اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ شرعی ممانعت کے بغیر کسی کام کے لئے تاریخ کا تعیّن جائز ہے اور ایسے تعیّنِ تاریخ کو کام کی حُرمت میں کوئی دخل نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ مسلمان روزمرّہ کے معاملات میں بہت سے اُمُور میں تاریخ اور وقت کا تعیّن کرتے ہیں مثلاً شادی بیاہ، آمد و رفت، جلسہ جلوس، الوداعی تقریب، استقبالیہ، ظُہرانہ، عصرانہ، عشائیہ، میٹنگ، جلسۂ دستارِ فضیلت، جلسۂ تقسیمِ اسناد، تقریبِ تقسیمِ اعزازات، عدالت میں پیشی کی تاریخ، فیصلہ سُنانے کی تاریخ، مذہبی و تبلیغی اجتماعات کی تاریخ، تعلیمی اور فنّی اداروں کے کھلنے اور بند ہونے کی تاریخ، یومِ پاکستان، یومِ قائدِ اعظم اور یومِ اقبال وغیرہ وغیرہ، ہمارے خیال میں کوئی عقلمند اِس بات کا قائل نہ ہوگا کہ صرف تاریخ کے تعیّن سے مذکورہ بالا تمام کام حرام اور بدعت ہو جاتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مطلقاً تاریخ مُقرّر کرنا حُرمت و بدعت کا باعث نہیں، یہ اور بات ہے کہ کسی کام کے لئے شریعت کی مُقرّر کردہ تاریخ کو بدل کر دوسری تاریخ مُقرّر کر دینا ناجائز ہے۔ جس طرح نَو ذوالحجہ کے بجائے حج کی تاریخ دس (۱۰) ذوالحجہ قرار دینا، اِسی طرح مُباح اور مُستحسن کاموں کے لئے تاریخ کا مُقرّر کرنا اِس اعتقاد سے کہ اُس تاریخ کے بغیر یہ کام ناجائز ہوں اور اُس تاریخ پر سر انجام نہ دینے سے انسان گناہگار ہو، یہ بھی ایک شرعی وجہ سے ناجائز ہے؛ کیونکہ کسی تاریخ کے ساتھ جواز اور حُرمت کا اختصاص ثبوتِ شرعی پر موقوف ہے، اگر تاریخ کے تعیّن میں یہ اعتقاد نہیں تو پھر عدمِ جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ الحمد للہ گیارھویں شریف کی تقریب رُوحانی کے بارے میں ایسی کوئی پابندی علماء و مشائخ نے نہیں لگائی؛ یہی وجہ ہے کہ مختلف تاریخوں اور دنوں میں یہ تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ چنانچہ ربیع الثانی کا سارا مہینہ یہ تقریب منائی جاتی ہے اور سال کے دوسرے مہینوں میں بھی مختلف تاریخوں پر اِس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اگر گیارھویں شریف کے قائل

اِس بات کا اعتقاد رکھتے کہ چاند کی گیارہ تاریخ کے علاوہ یہ تقریب منعقد کرنا جائز نہیں، تو پھر اس طرح ہرگز نہ ہوتا، روزانہ اخبارات اور رسائل میں عام طور پر ہم چاند کی مختلف تاریخوں پر اس تقریبِ سعید کے منعقد ہونے کی خبریں پڑھا کرتے ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اِس تقریب کو مختلف تاریخوں اور دنوں میں منایا جاتا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ چاند کی کسی تاریخ کو بھی یہ تقریب منعقد ہو، اِسے بہرصورت گیارھویں شریف کہا جاتا ہے۔

آیئے اِس بات پر مل جُل کر غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اِس تاریخ کو اتنی شہرت حاصل ہوگئی یا اِس تاریخ پر یہ تقریب زیادہ اہتمام سے کیوں منائی جاتی ہے، کیا مصلحت اور اور کیا وجہِ ترجیح ہے، جس کی بنا پر یہ تاریخ اِتنی اہمیّت کی حامل ہے؟ اِس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ گیارہ ربیع الثانی حضرت غوثِ پاکؓ کا یومِ وصال ہے اور مقبولانِ خدا کا یومِ وصال بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بارے میں ارشاد ہے:۔ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا[1] (ترجمہ) اُن پر یومِ ولادت اور یومِ وصال اور یومِ حشر اللہ کی سلامتی ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ[2] (ترجمہ) سعد بن معاذ کی موت پر عرشِ الٰہی لرزنے لگا۔

بندۂ مومن کے یومِ وصال کی عظمت پر شاہد ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوا:۔

انّ العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدّنیا و اقبال من الاٰخرة نزل الیه ملائکة من السّماء بیض الوجوه کانّ وجوههم الشّمس معهم کفن من اکفان الجنّة وحنوط الجنّة حتّٰی یجلسوا منه مدّ البصر ثمّ یجیئ ملك الموت علیه السّلام حتّٰی یجلس عند رأسه فیقول ایّتها النّفس الطیّبة اخرجی الٰی مغفرة مّن الله ورضوان۔ قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرة من السّقاء فیأخذها فاذا اخذها لم یدعوها فی یده طرفة عین حتّٰی یأخذوها فیجعلوها فی ذٰلك الکفن وفی ذٰلك الحنوط ویخرج منها کاطیب نفحة مسك وُجِدَ تعالٰی

---

[1] القرآن ۱۹ : ۱۵

[2] بخاری شریف و مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف، جلدِ دوم، باب جامع المناقب، ص ۵۷۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

وجہ الارض قال فیصعدون بہا فلا یمرّون یعنی بہا علیٰ ملأٍ من الملٰئکۃ الا قالوا ما ھٰذا الرّوح الطیب فیقولون فلان بن فلان باحسن اسمائہ التی کانوا یسمّونہٗ بہا فی الدّنیا حتّٰی ینتھوا بہا الی السّماء الدّنیا فیستفتحون لہ فیفتح لھم فیشیّعہٗ من کلّ سماءٍ مُقرّبوھا الی السّماء التی تلیہا حتّٰی ینتھی بہ الی السّابعۃ فیقول اللہ عزّوجل اُکتبوا کتاب عبدی فی علیّین وفی روایۃٍ اذا خرج رُوحہ صلیّ علیہ کلّ ملک بین السّماء والارض وکلّ ملک فی السّماء وفتحت لہ ابواب السّماء لیس من اھل باب الاوھم یدعون اللہ ان یُعرج بروحہ من قِبَلِھم۔ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ ارشادِ نبوی ہے کہ بندہ جس وقت دُنیا کو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجّہ ہوتا ہے تو سفید چہروں والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں، اُن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور اُن کے پاس جنّت کا کفن اور جنّت کی خوشبو ہوتی ہے؛ وہ اُس مردِ مومن کی حدِ نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السّلام آکر اُس کے سر کے قریب بیٹھتے اور کہتے ہیں: اے پاکیزہ رُوح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان کی طرف نکل آ (حضور علیہ السّلام فرماتے ہیں) پس رُوح اِس طرح نکلتی ہے، جیسے مشک سے پانی کے قطرے بہتے ہیں، پس اُسے ملک الموت لے لیتا ہے، جب وہ لے لیتا ہے تو فرشتے اُس کے ہاتھ میں آنکھ جھپکنے تک رُوح کو نہیں رہنے دیتے، یہاں تک کہ اُس سے رُوح کو لے لیتے ہیں، پھر اُسے جنّت کا کفن پہناتے اور جنّت کی خوشبو لگاتے ہیں، پس رُوئے زمین کی بہترین کستوری کی خوشبو اُس سے نکلتی ہے، پس اُسے آسمان کی طرف اُٹھا لے جاتے ہیں، پس وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ رُوح کس کی ہے؟ پس فرشتے مردِ مومن کا وہ پاکیزہ نام بتاتے ہیں؛ جس سے دُنیا میں لوگ اُسے پکارتے تھے، یہاں تک کہ آسمانِ اوّل پر اُسے لے جاتے ہیں، اُس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنے کی طلب کرتے ہیں اور دروازہ کھل جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے مُقرّب فرشتے اُس رُوح کے ساتھ ایک آسمان سے

---

[1] دیکھیے مشکوٰۃ شریف، باب مایقال عند من حضرۃ الموت، جلدِ اوّل، ص ۱۴۲، مطبوعہ قدیمی کُتب خانہ کراچی

دوسرے آسمان تک چلتے ہیں، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے (اِس) خاص بندے کا نامۂ اعمال علیین میں لکھ دو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بندۂ مومن کی رُوح نکلتی ہے تو آسمان و زمین کے درمیان کے فرشتے اور آسمان کے فرشتے اُس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اُس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے جاتے ہیں اور آسمان کے ہر دروازے والے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اُس بندۂ مومن کی رُوح کو ہماری طرف گزارے۔ (انتہیٰ)

## غوثِ پاکؓ کا یومِ وصال

حضرت غوثِ پاکؓ کے یومِ وصال کے بارے میں مشہور، معتبر اور معمول قول یہ ہے کہ آنجناب نے گیارہ ربیع الثانی سن ۵۶۱ھ میں وصال فرمایا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:- وقد اشتھر فی دیارنا ھٰذا الیوم الحادی عشر وھو المتعارف عند مشائخنا من اھل الھند من اولادہٖ کذا ذکر شیخنا وسیدنا السید البھی الرضی الوصی ابوالحاسن سیدی الشیخ موسیٰ الجیلانی بن الشیخ الکامل العارف المعظم المکرم ابی الفتح الشیخ حامد الحسنی الجیلانی نقلاً من اوراد القادریۃ تصنیف المخدوم الاعظم الاکرم الامجد الافخر ولی اللہ بالاتفاق الذی یقال لہ المخدوم الثانی والشیخ عبدالقادر الثانی قدس اللہ روحہ ممانقل فیھا عن اٰبائہ الکرام رحمۃ اللہ علیھم اجمعین[1]۔

ترجمہ۔ ہمارے ملک میں حضرت کا یومِ وصال گیارہ (۱۱) ربیع الثانی مشہور ہے اور ہندوستان کے وہ مشائخ کرام، جو آنجناب کی اولاد سے ہیں، اُن کے نزدیک بھی یہی تاریخ متعارف ہے۔ ہمارے شیخِ طریقت حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانیؒ (م ۱۰۰۱ھ) نے اورادِ قادریہ سے اِسی طرح نقل فرمایا ہے، یہ کتاب حضرت مخدوم عبدالقادر ثانی اُچویؒ (م ۹۴۰ھ) کی تصنیف ہے جو بالاتفاق ولی اللہ ہیں (انتہیٰ)

---

[1] دیکھئے ماثبت بالسُّنّۃ (عربی) از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ص ۲۲۸، مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

عراق کے مشہور اور مستند عالمِ دین علامہ عبدالقادر بن محی الدین الاربلیؒ (م ۱۳۱۵ھ) بھی حضرتِ اقدسؓ کا یومِ وصال گیارہ ربیع الثانی تحریر فرماتے ہیں: وتوفی لیلۃ الاثنین بعد صلوٰۃ العشاء احدی عشرۃ من ربیع الثانی سنۃ خمس مائۃ واحدی و ستین۔[1] (ترجمہ) سوموار کی رات گیارہ (۱۱) ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں آنجنابؓ نے وصال فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے والدِ ماجد کے پیرِ طریقت شیخ امان پانی پتیؒ (م ۹۵۷ھ) بھی گیارہ ربیع الثانی کو حضرت غوثِ پاکؓ کا عرس منایا کرتے تھے، چنانچہ اخبار الاخیار میں ہے:۔ یازدہم ماہِ ربیع الآخر عرس غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کردے۔[2] بعض روایات میں آپ کا یومِ وصال نو (۹) ربیع الثانی قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالقادر اربلیؒ نے بہجۃ الاسرار کے حوالے سے یہ قول بھی نقل کیا ہے[3] اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے شیخ حضرت عبدالوہاب متقی القادری المکیؒ کے متعلق بھی لکھا کہ وہ نو (۹) ربیع الثانی کو حضرتِ اقدسؓ کا عرس شریف مناتے تھے،[4] مگر مشہور اور معمول روایت گیارھویں شریف کی ہے۔ بعض لوگ آپ کا یومِ وصال سترہ (۱۷) ربیع الثانی بھی نقل کرتے ہیں، مگر اس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: وقد یقال ان وفاتہ فی الیوم السابع عشر ولا اصل لہ۔[5] (ترجمہ) اور یہ جو روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا وصال ۱۷۔ ربیع الثانی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔

بغداد شریف میں درگاہِ غوثیہ پر گیارھویں شریف کی تقریب کا سینکڑوں سالوں سے انعقاد بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت غوثِ پاکؓ کا یومِ وصال ۱۱۔ ربیع الثانی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۸۲۳ء) فرماتے ہیں: چاند کی گیارھویں تاریخ کو حضرت کی درگاہ پر بادشاہ اور دیگر اکابر علماء و مشائخ حاضری دیتے ہیں۔ بعد از عصر ختم شریف ہوتا ہے اور پھر حضرت کی شان میں مدحیہ قصائد پڑھے جاتے اور آپ کے حالات بیان کئے جاتے ہیں، یہ سلسلہ

---

[1] دیکھئے تفریح الخاطر (عربی) از علامہ عبدالقادر بن محی الدین الاربلیؒ، ص ۱۲۹، مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت فیصل آباد

[2] دیکھئے اخبار الاخیار (فارسی)، ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] دیکھئے تفریح الخاطر (عربی) ص ۱۲۹، مطبوعہ فیصل آباد

[4] دیکھئے ماثبت بالسنۃ (عربی) ص ۳۳۷، مطبوعہ مولوی مسافر خانہ کراچی

[5] دیکھئے ماثبت بالسنۃ، ص ۳۳۸

مغرب تک جاری رہتا ہے، بعد از مغرب سجادہ نشین مع حاضرین ذکرِ جلی کرتے ہیں، پھر کھانے اور شیرینی پر فاتحہ پڑھی جاتی اور حاضرین میں نیاز تقسیم کی جاتی ہے، عشار کی نماز پڑھ کر لوگ رُخصت ہوتے ہیں[1]۔ گیارھویں شریف کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ تو ہماری گزارشات سے واضح ہوگئی، اب ہم اِس بات کو مزید ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کا مُقرّر کرنا بھی شرعاً جائز، بلکہ بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر مُستحسن ہے۔

## گیارھویں شریف اور بسلسلۂ تعیّنِ تاریخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تصریح

اِس سلسلے میں ہم عُلمائے دیوبند کے پیر و مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۸۹۹ء) کی تحریر پیش کرتے ہیں، اُمید ہے کہ معترض حضرات، حاجی صاحبؒ قبلہ کے مسلکِ اعتدال سے ضرور متاثر ہوں گے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔ نفسِ ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں، اِس میں بھی تخصیص و تعیّن کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں، بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقییدِ ہیئتِ کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں، جیساکہ بہ مصلحت نماز میں صورتِ خاص مُعیّن کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے[2]۔

پھر تاریخ کی تعیین کو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"رہا تعیّنِ تاریخ، یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو تو اُس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے، قطع نظر مصالح مذکورہ کے، اِن میں بعض اسرار بھی ہیں، پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مُضائقہ نہیں۔ ہیئتِ مُروّجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارھویں شریف حضرت غوث پاک قدس سرّہٗ کی اور دسواں، بیسواں، چہلم، شش ماہی، برسی وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد ردولوی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] دیکھئے ملفوظات عزیزی، مترجم اُردو، ص ۱۲۷، مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ ڈیری روڈ کراچی

[2] دیکھئے فیصلہ ہفت مسئلہ، ص ۷-۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شبِ برات اور دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اِسی قاعدے پر مبنی ہیں[1]۔"

(حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مؤلہ بالا کلام سے یہ نتائج نکلتے ہیں)

۱۔ ایصالِ ثواب کا جواز مُتفق علیہ ہے۔
۲۔ مصلحت کے پیشِ نظر تاریخ مُقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ بات فقہائے کرام کے فتاوٰی سے دلالۃً ثابت ہے۔
۳۔ مُقررہ تاریخ پر کوئی کام کرنا، اُس کام کے یاد آجانے اور ہوجانے کا باعث بنتا ہے۔
۴۔ تاریخ کے تعین میں بعض اسرار و رمُوز ہوتے ہیں۔
۵۔ مروّجہ ایصالِ ثواب کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ تشبّہ کے سبب حرام قرار پائے، بلکہ یہ اہلِ اسلام کا طریقہ ہے۔
۶۔ گیارھویں شریف اور اِس کے علاوہ ایصالِ ثواب کی تمام تقریبات بہ تعینِ تاریخ جائز ہیں۔

مجدّدِ ملت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ایصالِ ثواب کی تقریبات کی بعض تخصیصات اور بعض متعینہ اُمور کے بارے میں فوائدِ برہانیہ سے نقل کرتے ہیں:-

فاتحہ واطعام کہ بے شُبہ از مُستحسنات است و تخصیص کہ فعلِ مخصص است باختیارِ اُوست باعثِ منع نمی تواند شد۔ ایں تخصیصات از قسمِ عُرف و عادات اند کہ بمصالحِ خاصّہ و مناشیِٔ خفیّہ ابتداً بظہور آمدہ، رفتہ رفتہ شیوع یافتہ و تخصیصِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذبحِ جانور وتقسیمِ گوشتِ آں را بہ صدائقِ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہ طریقِ صحیح ثابت است[2]۔ (ترجمہ) فاتحہ دلوانا اور طعام کھلانا بلاشبہ امرِ مُستحسن ہے اور تخصیص جو مخصص کا فعل ہے (یعنی تخصیص کرنے والے کا) اور یہ اُس کے اختیار میں ہے، ایک مُستحسن (اچھے) کام کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں بن سکتی، یہ تخصیصات رواج اور عادات کی اقسام سے ہیں، جن کی ابتدا کسی خاص مصلحت اور مخفی منشا

---

[1] دیکھئے فیصلہ ہفت مسئلہ، ص ۷-۸، مطبوعہ کراچی
[2] دیکھئے اعلاءُ کلمۃِ اللہ فی بیانِ وما اُہِلّ بہٖ لغیر اللہ (فارسی) از حضرت اعلیٰ گولڑوی، ص ۹۱، مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور

کے پیشِ نظر ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ رواج پا گئیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے خاص طور پر جانور ذبح کرنا اور اُن کی سہیلیوں میں اُس کا گوشت تقسیم کرنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ (انتہی)

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:۔ مولانا عبداللہ گجراتیؒ کہ از اعاظمِ علماء وصُلحائے وقتِ خُود بود و معاصرِ شیخ عبدالحق دہلویؒ است، در وصیت نامۂ خود نوشتہ است: تقییدات وتخصیصات در اوضاع و تراکیبِ مأکولات وتعینات در مقروآت وفاتحہ ہا ونیاز ہائے بزرگان از ارتفاقات و رسومِ صالحہ است، چراکہ معمولِ مشائخ کرام واولیائے عظام است۔ کسانیکہ کمالِ ظاہری و باطنیٔ ایشاں متفق علیہ کافۂ اہلِ اسلام است برآں مقید بودہ اند وحکم کردہ اند، بلکہ بعضے از تراکیبِ کذائیہ مشہورہ کہ فاتحہ و نیازِ فلاں بزرگ بایں طور وبرایں چیز باید، در رسائل و اورادِ اکابرہم بہ نظر آمدہ؛ مثلِ ترکیبِ توشۂ اصحابِ کہف وغیرہ۔ گو اصل لِمِ معلوم نیست فاماعمل بداں مناسب، کہ داخلِ تجربیات است وظہورِ برکات وآثار دریں تخصیصات از یقینیات است مثل سائرِ تجربیات[1]۔

ترجمہ۔ مولانا عبداللہ گجراتی رحمۃ جو اپنے وقت کے بہت عالم، صالح اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے، اپنے وصیت نامے میں لکھتے ہیں: بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے، اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور جو خاص سُورتیں اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ (سب) نیک رُسوم اور عاداتِ حسنہ کے قبیل سے ہیں، اِس لئے کہ یہ چیزیں اُن بزرگانِ دین کا معمول رہی ہیں اور اُن حضرات نے اِن باتوں کا حکم دیا ہے، جن کے ظاہری و باطنی کمالات پر تمام اہلِ اسلام متفق ہیں۔ بلکہ اِس قسم کی بعض تراکیب جو مشہور ہیں، اکابر مشائخ کے رسائل اور اوراد میں اِن کا تذکرہ ہے، جیسے توشۂ اصحابِ کہف۔ اگرچہ اِن چیزوں کی علت معلوم نہیں، مگر اِن پر عمل کرنا مناسب ہے، کیونکہ یہ چیزیں مُجرّب ہیں اور اِن تخصیصات میں برکات اور تاثیر دیگر مُجرّبات کی طرح یقینی ہے (انتہی)

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز گیارھویں شریف کی برکات و فیوضات کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "ایک بزرگ جن کا نام بابا نُور ماہی تھا، سلسلۂ قادریہ سے منسلک

---

[1] دیکھئے اعلاءُ کلمۃ اللہ، از حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ، ص ۹۱-۹۲، مطبوعہ لاہور

تھے اور ہر مہینے گیارھویں شریف کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حضور غوثِ پاکؓ کے ساتھ خاص نسبت عطا فرمائی تھی۔ گیارھویں شریف کے بکرے یا دُنبے کو بڑی محبت سے پالتے اور اُس کے ساتھ عشق کی حد تک پیار رکھتے۔ طالب علمی کے زمانے میں چونکہ انکا ضلع شاہ پور میں قیام پذیر تھا اور وہ بزرگ شکر کوٹ میں رہا کرتے تھے، اِس لئے اِس تقریب میں خاص اصرار سے مجھے یاد کرتے۔ ایک مرتبہ میں شکر کوٹ سے انکے جا رہا تھا دیکھا تو راستے میں گیارھویں شریف کا دُنبہ ساتھ لئے ہوئے، اُس سے کمالِ محبت کا اظہار کر رہے تھے، کبھی اُسے کندھوں پر اُٹھا لیتے، کبھی نیچے ٹھہرا دیتے اور جذبۂ شوق میں فرماتے: او میرے محبوب دیا لیلیا، یعنی اے میرے محبوب کے دُنبے! اُن کا یہ جملہ سُن کر طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ دل میں سوچا آئندہ خلوت اختیار کر لوں اور درس و تدریس نہ کروں۔ فوراً مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: پیر صاحب! جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا، وہ اُس درخت کے مانند ہے، جو پھل نہ دے۔ گویا بابا صاحبؒ کو کشفِ قلوب کا مقام بھی حاصل تھا۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ درویش پاسِ انفاس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور میری استدعا کے بغیر اِس شغل کی مجھے اجازت فرمائی۔"[1]

# فوت شدگان کو ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب اور تعینِ ایّام کے ہم قائل ہیں اور ہم نے اِس موضوع کو دلائل و براہین سے واضح اور ثابت کر دیا ہے، لیکن ایک امر نہایت اہم ہے، وہ یہ کہ ختمِ کلامِ پاک، تلاوتِ آیاتِ ربّانیہ، غُرباء و مساکین اور حاضرین کی خاطر مدارات میں خلوصِ عمل اور رضائے الٰہی کو ہمیشہ مدِّنظر رکھنا چاہیئے اور ہر قسم کی ریاکاری اور نمود و نمائش سے احتراز واجب ہے کہ وہ اِس عملِ صالح کو برباد نہ کر دے۔ اِس تقریب کا مقصد احباب کی دعوت، حُکّامِ وقت اور افسرانِ محکمہ کا تعارف نہیں ہونا چاہیئے۔ اُمرائے عصر اور زُعمائے وقت کی تقریبات اور ایصالِ ثواب کی مجالس میں ایک حدِّ فاصل کا قیام اشد ضروری ہے۔ اپنے فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرتے وقت ہر فرد کے لِئے اپنی مالی بساط پیشِ نظر رکھنا اور حسبِ مقدور خرچ کرنا بھی ضروری

---

[1] دیکھئے مہرِ منیر، طبع پنجم، باب دوم، ص ۱۷۱، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۷ء

ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[1] کی نصِّ قطعی تمام اہلِ ایمان کو حفظِ اعتدال کا درس دیتی ہے۔ یہاں تک کہ حجِّ بیتُ اللہ کے فریضے کی ادائیگی کو بھی مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا[2] (زادِ راہ کی استطاعت) سے مشروط فرمایا ہے۔ جب ایک فرض کے لئے استطاعت ضروری قرار دی گئی ہے تو وہ اُمور جو فرض ہیں نہ واجب، اُن کے لئے استطاعت کیونکر شرط قرار نہ دی جائے۔ بہرحال ایصالِ ثواب کے معاملہ میں یہ امر ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ تلاوت ہو یا کوئی صدقہ وخیرات، مقصود بالذّات رضائے الٰہی ہو تاکہ اُس کے سبب اجر وثواب حاصل ہو، جسے متوفّی کی رُوح کو بخشا جائے، جیساکہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی نے فتاوٰی مہریہ کے صفحہ ۵۷ پر اِس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

[1] القرآن ۲: ۲۸۶۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اُس کی وُسعت سے زیادہ مُکلّف نہیں کرتا۔
[2] القرآن ۳: ۹۷۔ ترجمہ۔ جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔

# غوثِ اعظمؒ کے حضور اکابرِ اُمّت کا منثور خراجِ نیاز

۱۔ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ:۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؓ بادشاہِ طریق اور تمام عالمِ وجُود میں صاحبِ تصرّف تھے۔ (مہرِ منیر)

۲۔ رئیس المکاشفین حضرت محی الدّین ابنِ عربیؒ:۔ ہمارے شیخ عبدالقادر جیلیؓ عظیم الشان مقام کے مالک تھے اور اُن کی بہت بڑی شان تھی۔ (فتوحاتِ مکیہ)

۳۔ حضرت شیخ سیّد احمد الرّفاعیؒ:۔ شیخ عبدالقادرؓ کی دائیں جانب بحرِ شریعت اور بائیں جانب بحرِ طریقت ہے، جس سے چاہیں سیراب کر دیں۔ (مقالۂ علّامہ سامرائی)

۴۔ امامِ ربّانی حضرت مجدّدِ الفِ ثانیؒ:۔ ولایت کے فیوض و برکات قیامت تک حضرت غوثِ پاکؓ کے وسیلے سے حاصل ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ مرکزی مقام آپ کے بعد کسی کو نہیں ملا۔ (مکتوباتِ امامِ ربّانیؒ)

۵۔ حکیم الامّت حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلویؒ:۔ حضرت علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کے بعد مقامِ جذب ولایت میں جس ہستی نے سب سے زیادہ مضبُوطی سے قدم رکھا، وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؓ تھے۔ (ہمعات)

اِس کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کے بارے میں اپنا ایک مکاشفہ یوں بیان فرمایا ہے:۔

اِنَّ الشَّیخَ عبدَ القادرِ لہٗ شُعبۃٌ مِن سَرَیَانٍ فی العالَمِ وذٰلکَ اَنَّہٗ لَمّا مَاتَ صَارَ کَہَیْئَۃِ المَلَأِ الاعلیٰ وانطَبَعَ فِیْہِ الوجودُ السَّارِی فی العالَمِ کُلِّہٖ (ترجمہ) عالم میں اجرائے فیض کا شُعبہ خصوصی طور پر حضرت غوثِ پاکؓ کے سپرد ہے اور وہ اِس طرح کہ آپؓ اِس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہیئتِ ملاءِ الاعلیٰ کے مماثل بن گئے ہیں اور تمام عالم میں آپ کے تصرّفاتِ وجود جاری و ساری ہو گئے ہیں۔ (تفہیمات مُولّفہ شاہ ولی اللہ)

۶۔ حضرت سُلطان باہُوؒ:۔ جیسا کہ حضُورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء ہیں، اسی طرح حضرت پیرِ دستگیر زندہ جان، روشن دین، عارف باللہ، حق الیقین شاہ محی الدین قدس سرّہٗ ختمِ اولیاء ہیں۔ ختم الفقراء، ختم الفقر، ختم الولایت،

ختم الہدایت اور ختم العنایت ہیں؛ بقا باللہ کی برکات کے پہنچانے والے، غرقِ ذات، وزیرِ حضرتِ پیغمبر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ آپ اپنے طالبوں سے گناہ صغیرہ اور کبیرہ نہیں ہونے دیتے؛ آپ کے طالب ہمیشہ اپنے حال پر ہیں، اِس واسطے کہ آپ کے طالب جو گناہ کرتے ہیں، آپ پوشیدہ اور ظاہر اُس کو معاف کرا لیتے ہیں اور مجلسِ حضوریٔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیتے ہیں۔ سب کے سب پیر آپ کے مراتب کے آگے مُردہ اور آپ زندہ سرِ قدرتِ سُبحان ہیں۔

حضرت پیر، مُریدوں کے ساتھ ایسے ہیں، جیسے جان جسم کے ساتھ اور آفتاب ذرہ کے ساتھ اور درخت پتّوں کے ساتھ اور مُہر نگینہ کے ساتھ اور حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابؓ کے ساتھ۔ (محکُ الفقرا رکلاں)

# بارگاہِ غوثیّت میں مشائخِ عظام اور شعراء کا منظوم خراجِ عقیدت

## (ضروری وضاحت)

محبوبِ سُبحانی، قُطبِ ربّانی، غوث الثّقلین حضرت شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حضور مختلف شعراء کا منظوم نذرانۂ عقیدت آئندہ صفحات کی زینت ہے۔ یہ گلہائے عقیدت عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی میں ہیں؛ انہیں متقدمین و متاخرین اور عصرِ حاضر کے شعراء نے پیش کیا ہے۔ اِن شعراءِ کرام میں ایسے نفوسِ قدسیہ بھی شامل ہیں، جو بیک وقت ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام پر متمکن ہونے کے ساتھ ذوقِ سخن پر بھی عبورِ تام رکھتے تھے۔ بلا شبہ حضرت غوثِ اعظمؓ کی بارگاہِ عالیہ میں یہ خراجِ عقیدت اُن کے لئے نجاتِ اُخروی کا سرمایہ ہے؛ یہ مرتبہ تو یقیناً اُنہیں دربارِ صمدیت سے نصیب ہوگا، مگر اِس کی افادیت کا ایک ہمہ گیر پہلو اِس طرح بھی مشہود ہوتا ہے کہ ایک قاری کو جو قلبی ربط اہل اللہ سے ہے، اُس میں اضافہ اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اِس کے ساتھ یہ افادیت عصرِ حاضر کے اربابِ سخن کو بھی دعوتِ فکر دیتی ہے کہ وہ شعر و ادب کو صرف ظاہری شہرت اور ناموری کا زینہ سمجھنے اور بنانے کے بجائے اپنے افکارِ عالیہ کو اولیاء اللہ کی مدح و ثنا پر بھی مرکوز کریں۔ جیسا کہ ماضی میں صحیح العقیدہ ادیبوں اور شاعروں کا شعار رہا ہے۔ فطری طور پر اِس پاکیزہ موضوع کے مقتضیات کی فراہمی کے لئے اُنہیں اخلاصِ باطن بھی میسّر آئے گا، ادبیات میں بھی ایک بیش بہا اضافے کی صورت پیدا ہوگی اور اسلامی معاشرہ میں اُنہیں رُوحانیات سے مُنسلک ہونے کے سبب حقیقی عزّت بھی نصیب ہوگی۔

---

# عربی

# حضرت شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ

عَبْدٌ لَهٗ فَوْقَ الْمَعَالِیْ رُتْبَةٌ وَلَهُ الْمَمَاجِدُ وَالْفَخَارُ الْاَفْخَرُ

ترجمہ۔ حضرت غوث پاکؒ ایسے عبد ہیں کہ آپ کا مرتبہ بالائے رفعت ہائے خلائق ہے۔ عظمتیں اور بیش بہا افتخارات آپ کے لیے مسلّم ہیں۔

وَلَهُ الْحَقَائِقُ وَالطَّرَائِقُ فِی الْهُدٰی وَلَهُ الْمَعَارِفُ کَالْکَوَاکِبِ تَزْهَرُ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رشد و ہدایت میں حقائق و رموز عطا کئے ہیں اور آپ کے معارف ستاروں کی طرح تابندہ ہیں۔

وَلَهُ التَّقَدُّمُ وَالتَّعَالِیْ فِی الْعُلٰی وَلَهُ الْمَرَاتِبُ فِی النِّهَایَةِ تَکْثُرُ

ترجمہ۔ بلندی میں آپ کو سبقت اور بڑائی حاصل ہے اور مقامِ انتہا میں آپ کے مراتب و مقامات بکثرت ہیں۔

وَلَهُ الْفَضَائِلُ وَالْمَکَارِمُ وَالنَّدٰی وَلَهُ الْمَنَاقِبُ فِی الْمَحَافِلِ تُنْشَرُ

ترجمہ۔ آپ کے فضائل، مکارم اور سخاوتیں معروف ہیں؛ آپ کے مناقب محافل ذکر میں بیان کئے جاتے ہیں۔

غَوْثُ الْوَرٰی غَیْثُ النَّدٰی نُوْرُ الْهُدٰی بَدْرُ الدُّجٰی شَمْسُ الضُّحٰی بَلْ اَنْوَرُ

ترجمہ۔ آپ فریاد رسِ خلق، بارانِ جود اور نورِ ہدایت ہیں، ظلمتوں کے لئے بدرِ منیر اور آفتاب نصف النہار، بلکہ اُس سے بھی تابندہ تر ہیں۔

قَطَعَ الْعُلُوْمَ مَعَ الْعُقُوْلِ فَاَصْبَحَتْ اَطْوَارُهَا مِنْ دُوْنِهٖ تَتَحَیَّرُ

ترجمہ۔ آپ نے عقل و فکر سے علوم و معارف کی منازل طے فرمائیں۔ چنانچہ دیگر اکابرِ اُمت آپ کے اسالیبِ تدبّر سے حیرت زدہ ہیں۔

مَا فِیْ عُلَاهُ مَقَالَةٌ لِمُخَالِفٍ
فَمَسَائِلُ الْاِجْمَاعِ فِیْهِ تُسَطَّرُ

ترجمہ۔ آپ کی رفعتِ مقام میں کسی مخالف کو جسارتِ گفتار نہیں۔ سب نے آپ کے علوِ مرتبہ کو باتفاقِ رائے تسلیم کیا ہے۔

(مصنفِ بہجۃ الاسرار)

---

# حضرت امام محمدؒ بن سعید بن احمد بن سعیدؒ

شَهِدَتْ بِمُرْتَبَتِهٖ جَمِيْعُ مَشَائِخٍ ... فِيْ عَصْرِهٖ كَانُوْا بِغَيْرِ تَنَاكُرِ

ترجمہ۔ آپ کے معاصر مشائخ نے بغیر کسی انکار کے آپ کے مرتبۂ عالیہ کی شہادت دی۔

أَمَّا الَّذِيْنَ تَقَدَّمُوْا قَدْ بَشَّرُوْا ... بِقُدُوْمِهِ الْمَيْمُوْنِ أَكْرَمَ طَائِرِ

ترجمہ۔ اولیائے سابق نے بہترین شگون کی حیثیت سے آپ کے بابرکت ورُود کی بشارت دی۔

كَالْعَالِمِ الْبَصْرِيْ هُوَ الْحَسَنُ الَّذِيْ ... عَمَرَ الطَّرِيْقَ السَّالِكِيْنَ لِسَائِرِ

ترجمہ۔ اِن لوگوں میں حسن بصریؒ جیسے عالم بھی تھے، جنہوں نے اہلِ طریقت کے لئے راہِ سلوک کو آباد کیا۔

مِنْ عَصْرِهِ السَّامِيْ إِلٰى عَصْرِ الشَّرِيْفِ ... الْقُطْبِ مُحْيِ الدِّيْنِ عَبْدِ الْقَادِرِ

ترجمہ۔ اُنہوں نے یہ فریضہ اپنے عہدِ روشن سے حضرت محی الدین عبد القادر جیلانیؒ قطب ربّانی کے مبارک عہد تک (انجام دیا)

مَا مِنْ رَئِيْسٍ كَانَ صَدْرَ زَمَانِهٖ ... إِلَّا وَبَشَّرَ هُوَ بِأَكْرَمَ طَائِرِ

ترجمہ۔ ہر رئیسِ ولایت اپنے زمانے کا تاجدارِ طریقت تھا، بایں ہمہ اُس نے لوگوں کو ایک عظیم ہستی کے ورُود کی بشارت دی۔

وَالْكُلُّ كَانُوْا قَبْلَهٗ حُجَّابُهٗ ... فَتَقَدَّمُوْهُ وَكَانُوْا كُلَّ عَسَاكِرِ

ترجمہ۔ پہلے تمام اولیائے اُمّت حضرتؒ کے خُدّام تھے، جو لشکروں کی صورت میں آپ سے قبل آئے۔

وَأَتٰى كَسُلْطَانٍ تَقَدَّمَ جَيْشُهٗ ... شَمْسًا تُغَيِّبُ كُلَّ نَجْمٍ زَاهِرِ

ترجمہ۔ آپ ایک سُلطان کی شان کے ساتھ آئے کہ آپ کا لشکر پہلے آیا۔ آپ ایک ایسے آفتاب کی طرح نمودار ہوئے، جس نے ہر تابناک ستارے کو ماند کر دیا۔

هُوَ صَاحِبُ الْقَدَمِ الَّذِيْ خَضَعَتْ رِقَابُ ... الْأَوْلِيَاءِ لَهٗ بِغَيْرِ تَشَاجُرِ

ترجمہ۔ آپ ایسے صاحبِ قدم تھے کہ کسی قسم کی جُرأتِ اختلاف کے بغیر تمام اولیاء اللہ کی گردنیں آپ کے سامنے جُھک گئیں۔

اِذْ قَالَ مَاْمُوْرًا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ قَدَمِیْ عَلٰی رَقَبَاتِ کُلِّ اَکَابِرٖ

ترجمہ۔ جب آپ نے منبر پر مامور من اللہ ہو کر فرمایا: میرا قدم تمام اکابرِ ولایت کی گردنوں پر ہے۔

فَحَنَتْ جَمِیْعُ الْاَوْلِیَاءِ رُءُوْسَهُمْ
اِجْلَالًا لَهٗ بَادِیْهِمْ وَالْحَاضِرٖ

ترجمہ۔ پس حاضر و غائب تمام اولیاء نے حضرت غوثِ پاکؓ کی عظمت کے سامنے اپنے سروں کو خم کر دیا۔

(تفریح الخاطر، روضۃ النواظر اور نزہۃ الخاطر)

---

# جناب مولانا فیض احمد صاحب فیض

(مؤلفِ مہرِ منیر)

سَأَزُوْرُ بَابَ شَیْخٍ هُوَ مَخْدَعُ الْمَقَامِ ۔ هُوَ مُقْتَدَی الْبَرَايَا هُوَ مُرْشِدُ الْاَنَامِ[1]

ترجمہ۔ مَیں عنقریب اُس شیخِ طریقت کے آستانے کی زیارت کروں گا، جو مقامِ مخدع پر فائز ہے؛ جو پیشوائے خلائق اور رہبرِ انسانیت ہے۔

وَرِثَ الرَّسُوْلَ فَضْلًا بِكَمَالِهِ الْجَلِيِّ ۔ وَقَدِ اقْتَدٰی عَلِيًّا بِبَلَاغَةِ الْكَلَامِ

ترجمہ۔ آپ اپنے کمالاتِ جلی کے باعث باعتبارِ علم وفضل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں؛ آپ بلاغتِ کلام میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے پیرو ہیں۔

هُوَ نُوْرُ اَهْلِ بَيْتٍ وَظُهُوْرُ عِزِّ حَقٍّ ۔ خَضَعَتْ لَهُ الْاَعَالِيْ بِشَهَادَةِ الْكِرَامِ

ترجمہ۔ آپ اہلِ بیت کے نُور اور جاہ وجلالِ خُداوندی کے مظہر ہیں۔ اولیائے کرام کی شہادت کے بموجب اکابرِ ولایت نے (اپنی گردنیں) آپ کے سامنے خم کیں۔

هُوَ نَافِعُ الْبَرَايَا هُوَ وَاهِبُ الْعَطَايَا ۔ هُوَ دَافِعُ الْبَلَايَا بِتَصَرُّفٍ تَمَامٍ

ترجمہ۔ آپ خلائق کے منفعت رساں، عطیات بخشنے والے اور تصرفِ تام کے ساتھ ازالۂ مصائب کرنے والے ہیں۔

هُوَ قَالَ يَا مُرِيْدِيْ لَكَ لَيْسَ خَوْفُ شَيْءٍ ۔ هُوَ بَشَّرَ النَّدَامٰی بِمَسَرَّةِ الدَّوَامِ

ترجمہ۔ آپ نے فرمایا: اے میرے مُرید! تجھے کسی چیز کا کوئی خوف نہیں؛ آپ نے اپنے ہم نشینوں کو مسرّتِ دوام کی بشارت دی ہے۔

---

[1] یہ منقبت بحرِ رمل مثمن مشکول میں ہے؛ اِن عروض میں زحافِ شکل اجتماعِ خبن وکف سے عبارت ہے۔ فاعلاتن، زحافِ خبن سے فعلاتن بن جاتا ہے؛ اُس پر زحافِ کف کا عمل کیا جائے تو فعلاتُ بضم التاء رہ جاتا ہے؛ اِسے شکل کہا جاتا ہے۔ منقبتِ سطورہ بالا کی تقطیع فعلاتُ فاعلاتن فعلاتُ فاعلاتن ہوگی۔ تفصیلِ مزید کے لئے بحر الفصاحت اور حدائق البلاغت کی طرف رجوع کیا جائے۔

(مصنّف)

بِطَرِیْقِہٖ تَوَسَّلْ یَا فَیْضُ فِی السُّلُوْکِ
فَطَرِیْقُہٗ عَجِیْبٌ لِتَحَصُّلِ الْمَرَامِ

ترجمہ۔ اے فیض! تو سلوک میں آپ کے طریقۂ عالیہ کا توسل اختیار کر، کیونکہ حصولِ مقاصد میں آپ کے طریقۂ جلیلہ کی شان نرالی ہے۔

# فارسی

# حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ[1]

قبلۂ اہلِ صفا حضرتِ غوث الثقلینؓ　　دستگیرِ ہمہ جا حضرتِ غوث الثقلینؓ

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؓ اہلِ صفا کے قبلہ اور ہر مقام پر دستگیرِ خلق ہیں۔

یک نظر از تو بود در دو جہاں ما را بس　　نظرے جانبِ ما، حضرتِ غوث الثقلینؓ

ترجمہ۔ دونوں جہانوں میں ہمارے لئے آپ کی ایک نگاہ کافی ہے۔ سرکار! ہم پر ایک نگاہِ کرم فرمائیں۔

خاکِ پائے تو بود روشنیٔ اہلِ نظر　　دیدہ را بخش ضیا حضرتِ غوث الثقلینؓ

ترجمہ۔ آپ کی خاکِ پا اہلِ نظر کے لئے بمنزلہ نور ہے۔ آپ ہماری آنکھوں کو نورانیت عطا فرمائیں۔

حضرتت کعبۂ حاجاتِ ہمہ خلقت است　　حاجتم ساز روا، حضرتِ غوث الثقلینؓ

ترجمہ۔ آپ کی بارگاہ ہر نوعِ خلق کے لئے کعبۂ حاجات ہے۔ آپ میری حاجت برآری بھی فرمائیں۔

قطبِ مسکیں بہ غلامیٔ درت منسوب است　　داغِ مہرش بفزا! حضرتِ غوث الثقلینؓ

ترجمہ۔ مسکین قطب الدین آپ کی بارگاہ کی غلامی سے منسوب ہے۔ آپ اُس کی محبت کے داغ کو جلائے مزید بخشیں۔　(ماخوذ از سیرتِ محبوب)

---

[1] خط کشیدہ سطر، عنوان اور نام کے علاوہ حضرت خواجہ بختیار کاکی قدس سرہٗ کی منقبت میں راقم الحروف کی ایک فارسی رُباعی کا آخری مصرع بھی ہے۔ وہ رُباعی اربابِ علم و فن کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں درج کی جاتی ہے۔ عرض کیا ہے ؎

آں منفردِ زماں بہ ہوشِ ادراکی　　آئینۂ نور در لباسِ خاکی
مسترشدِ خواجہؒ، مرشدِ گنج شکرؒ　　قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ

ترجمہ۔ آپ بلحاظِ دانش و بینش زمانے میں امتیازی حیثیت کے مالک اور خاکی لباس میں ذاتِ باری کے انوار و جمال کے آئینہ و مظہر ہیں۔ آپ خواجۂ اکبر حضرت غریب نواز اجمیریؒ کے مُرید اور سُلطان الزاہدین حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے پیر و مرشد ہیں۔

## ولہٗ ایضاً

زبسم اللہ کنم آغازِ مدحِ شاہِ جیلانیؓ کہ بر قدّش درست آمد لباسِ عظم الشانی

ترجمہ۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ حضرت محبوبِ سُبحانیؓ کی مدح کا آغاز کرتا ہُوں کہ رفعت و عظمت کا لباس آپ کے قدِ موزُوں پر راس آیا ہے۔

توئی شاہِ ہمہ شاہاں، ہمہ شاہاں گدائے تو گدایانِ جہاں از دستِ تو یابند سُلطانی

ترجمہ۔ آپ تاجداروں کے تاجدار ہیں، شاہانِ وقت آپ کے گدا ہیں، بلکہ سلاطینِ عالم کو سُلطانی آپ کے ہاتھوں میسّر آتی ہے۔

گدائے درگہِ عالی ست شاہا آمدہ کاکی
بہ بخش اُو را سرافرازی ز اسرارِ خُدادانی

ترجمہ۔ اے شہنشاہ! بختیار کاکی آپ کی بارگاہِ عالی کا گدا بن کر آیا ہے، معرفتِ الٰہی کے اسرار عطا فرما کر اُسے سرافراز فرمائیں۔ (از تحفۂ حنفیہ)

# حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

بے کساں را کس اگر جوئی تو در دُنیا و دیں		ہست محی الدین سید تاجِ اربابِ یقیں

ترجمہ۔ اگر تو دین و دُنیا میں بے کسوں کے کسی فریاد رس کا جویا ہے، تو تجھے ایسی ذات حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی نظر آئے گی، جو اہلِ یقین کے تاجدار اور سردار ہیں۔

اولیاءِ اوّلین و آخریں سرہائے خُود		زیرِ پایش می نہند از حکمِ ربُّ العالمیں

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے حُکم کے تحت متقدّمین و متاخّرین اولیائے عظام اپنی گردنیں حضرت کے قدموں تلے رکھتے ہیں۔

ثمرۂ باغِ نبیؐ و میوۂ شاخِ علیؓ		سروِ بُستانِ حسنؓ، آں سرورِ دُنیا و دیں

ترجمہ۔ دُنیا و دیں کے وہ سردار، گلستانِ نبوت کا ثمر، نسلِ حیدریؓ کا میوہ اور حسنیؓ گلزار کے سَرو ہیں۔

نُورِ گلزارِ حسینؓ آں جُوئبارِ رحمتش		پیرِ پیراں، پیرِ من، محبوبِ ربُّ العالمیں

ترجمہ۔ پروردگارِ عالمیاں کے محبوب، میرے مُرشد، پیروں کے پیر، گلستانِ شبّیر کے نُور اور اُن کی رحمت کی جُوئے رواں ہیں۔

نیست در ہر دو جہاں ملجائے من جُز درگہت		الکرم یا بازِ اشہب، الکرم یا محیِ دیںؓ

ترجمہ۔ آپ کی بارگاہ کے سوا دونوں جہانوں میں میرا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں، اے بازِ اشہب (بلند پرواز سفید باز) اے محی الدینؓ آپ کرم فرمائیں۔

ہر کسے نازد بہ کس الّا بہاءُ الحق زِ دل		می فروشد در رہت از صدقِ دل ایمان و دیں

ترجمہ۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی پر ناز ہوتا ہے۔ مگر بہاءُ الدین صدقِ دل سے دین و ایمان آپ کی راہ میں نچھاور کرتا ہے۔

(از کلام الاولیاء فی شانِ سُلطان الاولیاء)

## ولہٗ ایضاً

بہاءُ الدین مُلتانی کند ہر دم ثنا خوانی		کہ تُو محبوبِ سُبحانی و محی الدین جیلانیؓ

ترجمہ۔ بہاءُ الدین زکریا مُلتانی ہر لحہ آپ کی ثنا کرتا ہے اور یُوں کہتا ہے کہ تُو محی الدین جیلانی اور محبوبِ سُبحانی ہے۔

(ایک مُستقل قصیدہ ہے، جس کا یہ مقطع ہے)

## سرحلقۂ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاءُ الدّین نقشبندؒ

بادشاہِ ہر دو عالم شیخ عبدالقادرؓ است     سَرورِ اولادِ آدم شیخ عبدالقادرؓ است
آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و قلم     نُورِ قلب از نُورِ اعظم شیخ عبدالقادر است

ترجمہ۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؓ دو نو جہانوں کے بادشاہ اور اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ آپ کا وجُودِ اقدس نُورِ اعظم ہے اور آپ کے نُورِ قلب سے آفتاب و ماہتاب، عرش و کرسی اور لوح و قلم مُستنیر ہیں۔

(فتح المبین)

# حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ

من آمدم بہ پیشِ تو سُلطانِ عاشقاں ذاتِ تو ہست قبلۂ ایمانِ عاشقاں

ترجمہ۔ اے سُلطانِ عاشقاں! میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہُوں، آپ کی ذاتِ اقدس اہلِ محبت کا قبلۂ ایماں ہے۔

در ہر دو کون جُز تو کسے نیست دستگیر دستم بگیر از کرم اے جانِ عاشقاں!

ترجمہ۔ دارین میں آپ کے سوا کوئی دستگیر نہیں، از راہِ عنایت اے جانِ عاشقاں! ہماری دستگیری فرمائیں۔

از ہر طرف بہ خاکِ درت سر نہادہ ایم یک لحظہ گوش نِہ تو بر افغانِ عاشقاں

ترجمہ۔ مَیں نے آپ کے آستانے کی خاک پر ہر طرف سے سر رکھا ہے، آپ عُشّاق کی آہ و فغاں پر لمحہ بھر کان دھریں۔

از خنجرِ نگاہِ تو مجرُوح، عالمے شُد نُطقِ رُوح بخشِ تو درمانِ عاشقاں

ترجمہ۔ ایک دُنیا آپ کے خنجرِ نگاہ سے زخمی ہے۔ آپ کا رُوح بخش کلام عُشّاق کے درد کا درماں ہے۔

کُوئے تو ہست غیرتِ جنّت بہ صد شرف حُسن و جمالِ رُوئے تو بُستانِ عاشقاں

ترجمہ۔ بہ اعتبارِ شرف آپ کا کُوچہ رشکِ جنّت ہے، آپ کے رُوئے مبارک کا حُسن و جمال اہلِ محبت کے لیئے گلزار کی حیثیت رکھتا ہے۔

صابر بخاکِ کُوئے تو سر را نہادہ است
زاں رُو کہ ہست کُوئے تو سامانِ عاشقاں

ترجمہ۔ صابر کلیری نے آپ کے کُوچے کی خاک پر اپنا سر رکھا ہے، کیونکہ آپ کا کُوچہ اہلِ دل کا ساز و سامان ہے۔

(از سیرتِ محبوب و دیوانِ حضرتؒ)

---

# بندہ نواز حضرتِ گیسو دراز چشتی نظامیؒ

(گلبرگہ شریف)

قُطبِ حق یا غوثِ اعظمؓ یا ولی روشن ضمیر بندہ ام، شرمندہ ام جز تو ندارم دستگیر

ترجمہ۔اے غوثِ اعظم! اے قطبِ ربّانی! اے روشن ضمیر ولی! مَیں آپ کا غلام ہُوں (گناہوں سے) شرمسار ہُوں، آپ کے سوا میرا کوئی دستگیر نہیں۔

بر درِ درگاہِ والا سائلم اے آفتاب! خاطرِ ناشاد را کُن شاد یا پیرانِ پیر

ترجمہ۔اے آفتابِ ولایت! مَیں آپ کی بارگاہِ قُدس میں سائل کی حیثیت سے حاضر ہُوں۔ اے پیرانِ پیر! ایک غمگین دل کو مسرّت سے ہمکنار فرمائیں۔

## ولہٗ ایضاً

یَامُحیَ الدِّین تَرَحَّمْنَا بِلُطْفٍ وَّاسِعٍ
اَنْتَ غَوْثُ الْکُلِّ مَشْھُوْرٌ بِاَنْوَاعِ الْکَرَمْ

ترجمہ۔اے محی الدّین! اپنے وسیع لُطف سے ہم پر نوازش فرمائیں، آپ تمام اولیاء اللہ کے غوث ہیں اور انواع و اقسامِ عنایات میں مشہور ہیں۔

دُزدِ رہزن را بیک دم ساختی ابدالِ حق اے شہِ دُنیا و دیں بر حالِ ما ہم کُن کرم

ترجمہ۔آپ نے ایک ڈاکو چور کو یک لخت ابدال کا مرتبہ عطا کر دیا، اے دُنیا و دین کے شہنشاہ! آپ ہمارے حال پر بھی کرم فرمائیں۔

(از جذباتِ حبیبیہ)

# سُلطان العارفین حضرت باہُو رح

شفیع اُمت و سرور بود آں شاہِ جیلانی تعالی اللہ چہ قُدرت خدایش کرد ارزانی

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاک رض سرورِ اولیاء اور افرادِ اُمتِ محمدیہ کے شفاعت کنندہ ہیں (بموجب حدیثِ پاک اولیاء اللہ بھی اپنے مُتبعین کے شفیع ہوں گے) سُبحان اللہ! ذاتِ باری تعالیٰ نے اُنہیں کیسی قدرت عطا فرمائی ہے۔

سکندر می کند دعویٰ کہ ہستم چاکرِ آں شاہ فلاطوں پیشِ علمِ اُو مُقِر آمد بنادانی

ترجمہ۔ سکندر (مُراد ہر تاجدارِ عصر) اُس شہنشاہ کی غلامی کا مدعی ہے۔ فلاطوں جیسا ہر فیلسوفِ عالم آپ کی وُسعتِ علم کے آگے جہالت کا معترف ہے۔

تُو شاہِ اولیاء و اولیا محتاج درگاہت مشائخ را سزد بر درگہت از فخر دربانی

ترجمہ۔ آپ سلطان الاولیاء ہیں اور اہلِ ولایت آپ کی بارگاہ کے محتاج ہیں، یہ امر مشائخِ عالم کے شایاں ہے کہ وہ بصد فخر آپ کے آستانۂ عالیہ کی دربانی کریں۔

مُطیعِ حکمِ تو دیواں، ملائک چوں پری بندہ شہنشاہِ شہنشاہاں، امامِ اِنسی وجانی

ترجمہ۔ تمام اہلِ دیواں (اصحابِ حضوری) آپ کے تابعِ ارشاد اور ملائک مانندِ حُور خادم ہیں۔ آپ تاجداروں کے سردار اور جن و اِنس کے مقتدا ہیں۔

ترا چوں من ہزاراں بندگاں ہستند درعالم مرا جُز آستانت نیست اگر خوانی وگر رانی

ترجمہ۔ مجھ جیسے آپ کے غلام دُنیا میں ہزاروں ہیں؛ بہر صورت میری آپ کے آستانے کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں۔ چاہے مجھے بلالیں یا رد کر دیں۔

منم سائل بجز تو نیست غمخوارم کہ گیرد دست برحمت کُن نظر بر من توئی مختارِ سُبحانی

ترجمہ۔ مَیں سائل ہُوں، میرا کوئی ایسا غمخوار نہیں جو دستگیری کرے، مجھ پر نگاہِ کرم فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (عالم نوازی کا) مختار بنایا ہے۔

---

لہ ارباب علم و فن پر واضح ہو کہ یہ عبارت، عنوان کے علاوہ اوزانِ رُباعی میں سے ہونے کے باعث رُباعی کا ایک مکمل مصرع بھی ہے۔ (مُصنّف)

سگِ درگاہِ میراں شو، چو خواہی قُربِ ربّانی — کہ بر شیراں شرف دارد سگِ درگاہِ جیلانی

ترجمہ۔ اگر تُو قُربِ خداوندی کا طلب گار ہے تو سگِ بارگاہِ جیلاں بن جا، کہ سگِ آستانۂ غوث کو شیروں پر برتری حاصل ہے۔

مثالِ ذرّۂ عاجز فتادم بر سرِ کُویت — عجب نبود اگر ایں ذرّہ را خورشید گردانی

ترجمہ۔ مَیں آپ کے کُوچے میں ایک ذرّۂ عاجز کے مانند پڑا ہُوا ہُوں، آپ کی شانِ کریمی سے بعید نہیں کہ آپ اِس ذرّے کو آفتاب بنا دیں۔

(مظہرِ جمالِ مصطفائی)

## ولہ ایضًا

شاہِ میراں ہست ثانی شہ امیر — شہسوارِ معرفت، روشن ضمیر

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؓ جنابِ حیدرِ کرّار رضی اللہ عنہ کے ثانی ا میدانِ معرفت کے شہسوار اور روشن ضمیر ہیں۔

ہر کہ را پدرش بود عارف مقیم — چوں نہ باشد سیّدِ راہِ سلیم

ترجمہ۔ جن کے جدِّ امجد مقامِ عرفان کے مالک ہوں، اُنہیں سلامتی کی راہ کا سردار کیوں کر نہ تسلیم کیا جائے۔

شو مُرید از جان باھُو بالیقیں
خاکِ پائے شاہِ میراں رأسِ دیں

ترجمہ۔ اے باھُو! دین کے سردار حضرت شاہِ میراں محی الدّین قدّس سرّہٗ کا دل وجان سے مُریدِ صادق اور خاکِ پا بن جا۔

(از گنج الاسرار)

---

# حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوریؒ

گر کسے واللہ بہ عالم از مئے عرفانی است
از طفیلِ شاہ عبدالقادرِ گیلانی است

ترجمہ۔ خدا کی قسم اگر دنیا میں کوئی شخص عرفانِ ایزدی کی شراب سے (مخمور) ہے، تو اُسے یہ کیفیت حضرت غوثِ پاکؓ کے طفیل ہی نصیب ہوتی ہے۔

شیخ خرقانی یکے از خرقہ پوشانِ وَیست
زاں جہت اُو را لقب در مرد ماں خرقانی است

ترجمہ۔ حضرتِ ابوالحسن خرقانیؒ آپ کے فیض یافتہ مشائخ میں سے ہیں! اِسی باعث لوگوں میں اُن کا لقب خرقانی ہے۔ (خرقہ پوش)

سُہروردی نیز مُلتانیست پیشِ درگہش
گرچہ اُو را صد ہزاراں بندۂ مُلتانی است

ترجمہ۔ حضرت غوث بہاءالدین سُہروردیؒ بھی آپ کی عظمت کے سامنے ایک باشندۂ ملتان کی طرح ہیں، اگرچہ ملتان میں بسنے والے ہزاروں افراد اُن کے غلام ہیں۔

ہست ہر دم جلوہ گر از چہرہ اش حُسنِ حَسَنؓ
زاں جمالش مصطفٰےؐ را راحت و ریحانی است

ترجمہ۔ آپ کے رُوئے انور سے ہر لحہ حَسنی حُسن جلوہ گر ہے، اِسی باعث آپ کا جمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس کے لئے راحت فزا اور مشامِ پاک کے لئے عنبریں ہے۔

مسکلی را یا شہِ گیلانی از لُطف و کرم
سُوئے خود آوازہ کُن وا ماندہ از حیرانی است

ترجمہ۔ اے شاہِ جیلاں! اپنے لُطف و کرم سے مسکلی کو اپنی جانب بُلائیں، کہ وہ حیرت کے ہاتھوں عاجز ہے۔

(ماخوذ از تحفۃ القادریہ)

## وَ لَہٗ ایضًا

تشنہ لب گریاں بہ سُوئے بحرِ عرفاں می روم
سر زدہ چُوں سیلِ اشکِ خود بہ افغاں می رَوم

ترجمہ۔ مَیں پیاس کی شدّت سے گریاں عرفان کے سمندر کی طرف جا رہا ہُوں، اپنے آنسوؤں کے سیلاب کی طرح سر مارتے ہوئے آہ و فغاں کرتا ہؤا جا رہا ہُوں۔

حاجئ بغداد و گیلانم زشوقِ حضرتش
گہ سُوئے بغداد و گاہے سُوئے گیلاں می رَوم

ترجمہ۔ آپ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضری کے شوق سے مَیں نے بغداد و گیلان کا احرامِ سفر باندھا

ہوا ہے، مَیں کبھی بغداد کی جانب چلتا ہوں اور کبھی گیلان کا رُخ کرتا ہوں۔

باسگانِ کُوئے اُو عقدِ محبت بستہ ام		ہردم از رُوئے وفا سُوئے محبّاں می رَوَم

ترجمہ۔ مَیں نے سگانِ کُوچۂ بغداد سے پیمانِ محبت باندھ رکھا ہے، از راہِ وفا مَیں ہر لحہ عُشاق کی جانب رواں دواں ہوں۔

(منتخب از قصیدۂ مُفرّح الافراح)

## وَلَہٗ ایضًا

داری خبرے اَے مہِ جیلی کہ معالی		در یادِ تو القادرُ قادر ہمہ شب کرد

ترجمہ۔ اے ماہِ جیلانؓ! آپ کو یقیناً خبر ہو گی کہ ابُوالمعالیؒ آپ کی یاد میں رات بھر القادرُ قادر کا وظیفہ کرتا رہا ہے۔

(بحوالہ الزمزمۃُ القمریہ)

---

# حضرت مولانا غنیمتؔ کُنجاہیؒ

غنیمتؔ ! اے غلامِ غوثِ اعظمؓ　　فدائے نامِ پاکِ قطبِ عالم

ترجمہ۔ غنیمت ! اے حضور غوثِ پاکؓ کے غلام اور اُس قطب عالم کے نام پر فدا

حدیثے کز لبت دارد نمودے　　شنیدن کردے از دُورش سجودے

ترجمہ۔ وہ بات جو تیرے مُنہ سے نکلتی ہے، سماعت دُور سے اُسے سجدہ کرنے کو لپکتی ہے۔

گرامی گوہرِ اولادِ حیدر　　ستونِ دین و آئینِ پیمبر

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؓ، سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد کے گراں بہا موتی ہیں۔ آپؓ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آئین کے ستون ہیں۔

ز ایجادش قضا بر خود کُند ناز　　کہ زد پہلو کراماتش بہ اعجاز

ترجمہ۔ آپؓ کی تخلیق کے باعث قضا و قدر خود پر ناز کرتی ہے، کیونکہ آپؓ کی کرامات معجزات کے پہلو بہ پہلو ہیں۔

---

ے دیکھئے نیرنگِ عشق المعروف مثنوی مولانا غنیمت کُنجاہیؒ، ص ۹ تا ۱۱، مطبوعہ مطبع گلزارِ ہند پریس لاہور

حضرت مولانا غنیمت کُنجاہیؒ: آپ کا نام محمد اکرم اور غنیمت تخلّص فرماتے تھے۔ کُنجاہ میں پیدا ہوئے، یہ قصبہ گجرات سے مغرب کی طرف سات (۷) میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ مولانا غنیمت کا دَور اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دَور ہے۔ آپ گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں فوت ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد شام سے ہجرت کر کے کُنجاہ آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام نذر محمد تھا؛ وہ کُنجاہ کے مُفتی تھے اور دُنیوی جاہ و منصب کے علاوہ عالمِ دین اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ آپ کے چچا کا نام شیخ ابو البقا تھا، یہ دونوں بھائی سید العارفین حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کے مُرید و خلیفہ ہونے کے ساتھ صاحبِ کشف و کرامات شمار ہوتے تھے۔ مولانا غنیمتؒ خود لکھتے ہیں کہ مجھے بچپن میں پڑھنے لکھنے سے کچھ لگاؤ نہ تھا، دن رات کھیل کُود اور لہو و لعب میں رہتا؛ اسی اثنا میں مجھے حضرت سید صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید ہونے کا موقع ملا۔ موصوف حضرت غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؓ کی اولاد سے تھے اور گجرات سے چار میل جانبِ مشرق ساداں نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ سید صاحبؒ صاحبِ کمالات بزرگ تھے،

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مُغنے گر یادِ اُو در دَیر می کرد  زلاتے لات، نفیِ غیر می کرد

ترجمہ۔ اگر کوئی بُت پرست آپؓ کو بُت خانے میں بیٹھ کر یاد کرتا تو لفظِ لات میں موجود حرفِ لَا سے غیر کی نفی ہی کرتا، گویا آپؓ کا تصوّر بھی بُت پرستوں کو دعوتِ توحید دیتا اور از رُوئے کرامت لات میں موجود حرفِ لا سے غیر کی نفی کروالیتا ہے۔ (لات ایک بُت کا نام ہے جسے بیت اللہ سے گرادیا گیا تھا)

قضائے ایزدی محوِ رضائش  اجابت دست پروردِ دُعائش

ترجمہ۔ مشیّتِ ایزدی آپ کی رضاجوئی میں محو ہے، گویا آپؓ بقولِ اقبالؒ ؎
خدا بندے سے خود پُوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

______ انسانِ کامل ہیں اور قبولیت آپؓ کے دستِ دُعا کی پروردہ (چیز) ہے۔
آپ کی دُعا اور قبولیّت میں چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی ؎ اِدھر زبان سے نکلی اُدھر قبول ہوئی یا یہ کہ جب آپؓ بارگاہِ قاضی الحاجات میں دستِ التجا دراز کرتے ہیں تو بقولِ بیدلؒ ؎
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید۔

شوی گر درخیالش گرمِ مستی  بہ بینی خود پرستی، حق پرستی

ترجمہ۔ اے شیدائے غوثِ جلیؓ! اگر تُو آپؓ کے خیال میں مست و سرشار ہو جائے گا، تو تجھے اِس خود پرستی میں بھی حق پرستی کے نظارے ملیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کے خیال میں انہماک اگرچہ بہ ظاہر خود پرستی لگتا ہے، مگر وہ بہ باطن حق پرستی ہے، اِس لئے کہ کاملین اور واصلینِ حق کا خیال و تصوّر بھی درحقیقت درسِ حق پرستی ہی دیتا ہے، یہ دونوں جُدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ؎ ہر موج کا وجُود سمندر کے ساتھ ہے۔

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

چنانچہ اُن کے فیضِ صُحبت سے غنیمتؒ کی کایا پلٹ گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی شاعری اور رُوحانیت کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ مولانا غنیمت عقیدے کے لحاظ سے سُنّی المذہب اور قادری سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھے۔ حضرت غوثِ اعظمؓ سے اُن کی گہری وابستگی تھی، چنانچہ جب کسی محفل میں اُن کے سامنے حضرت غوثِ اعظمؓ کا نام لیا جاتا، فوراً سجدے میں گر پڑتے۔ یہ خبر شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالمگیرؒ تک پہنچی، تو فوراً طلبی ہوئی۔ شہنشاہ نے پوچھا، ہمیں معلوم ہوا ہے، جب بھی تمہارے سامنے حضرت غوثِ اعظمؓ کا نام لیا جاتا ہے، تم سجدے میں گر پڑتے ہو، یہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وُجُودش افتخارِ آفریدن نمودش اعتبارِ برگزیدن

ترجمہ۔ آپؒ کا وجودِ اقدس تخلیق کے لئے باعثِ فخر ہے اور آپ کا ظہورِ قدسی انتخاب کا معیار ہے۔

کلیدِ کار ہائے مشکل اُفتاد قضا با گوشۂ ابروئے اُو داد

ترجمہ۔ قضا و قدر نے مشکل میں پھنسے ہوئے اُمور کی چابی، آپؒ کی جُنبشِ ابرو کے سپرد کر رکھی ہے، یعنی آپؒ کے ابروئے ہلال ابرو کا اشارہ لطیف قُفلِ مقاصد کے لئے کلید کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں مولانا غنیمتؒ نے چابی کو ابرُو سے تشبیہ دے کر شعر کو محاسنِ فن کے نقطۂ عرُوج پر پہنچا دیا۔

برفعت ہائے شانش یک نظر دید زمیں بوسید چرخ و باز گردید

ترجمہ۔ آسمان نے آپؒ کے مقام کی رفعتوں کو ایک نظر دیکھا، جُھک کر زمین چُومی اور واپس چلا گیا۔

بہ دادِ دل رسا، عرش آشیانا پناہا، کامِ جاں بخشا، اماناً

ترجمہ۔ اے دل کے فریاد رس! اور آشیانۂ عرش کے مکیں! جان کی تمناؤں کے بر لانے والے! اے میری پناہ اور اے میری امان!

چو خُود را من سگِ کُوئے تو خواندم بہ آہُوئے حرم نسبت رساندم

ترجمہ۔ اے میرے غوثؒ! جب میں نے خُود کو آپ کی گلی کا سگ کہا، تو گویا میں نے آہُوئے حرم کی طرف اپنی نسبت کر دی۔ فارسی میں آہُوئے حرم کا محاورہ بول کر محفوظ ہو جانا مُراد لیا جاتا ہے، چونکہ مکۂ معظّمہ کے حدُودِ حرم میں ہرن وغیرہ کا شکار ممنُوع ہے، لہٰذا وہاں کے تمام جانور شکار ہونے سے محفوظ ہیں۔ حضرتِ غنیمتؒ کا مقصد یہ ہے کہ میں سگِ کُوئے غوث کہلا کر آہُوئے حرم کی طرح محفوظ ہو گیا ہُوں، اب مجھے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا!

---

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

حرکت اسلامی عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ کیا تم اِس فعل کے جواز میں کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو؟ اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو شہنشاہ نے دیکھا کہ مولانا غنیمتؒ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں، حقیقت شناس تھا، مزید تعرض نہ کیا۔ (دیکھئے اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۲/۱۴، ص ۵۹۴-۵۹۹، مطبوعہ زیرِ اہتمام پنجاب یُونیورسٹی لاہور)

بحمد اللہ راقم الحروف نے کئی مرتبہ حضرت مولانا غنیمتؒ کے مزار پر حاضری دی ہے۔ جس طرح (باقی بر صفحۂ آئندہ)

اِس لئے کہ آپ کی غلامی کا طوق میری گردن میں ہے۔ بقولِ حضرت مولانا احمد رضا خان بیلوی

تجھ سے دَر، دَر سے سگ اور سگ سے ہے نسبت مجھ کو
میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا (حدائقِ بخشش)

تُو ہم ایک بار فرما کاے تُو از ما سرم را بگزراں از عرش بالا

ترجمہ۔ سرکار! للّٰہ آپ بھی ایک بار فرما دیجئے کہ اے غنیمت! تُو ہمارا ہے، یہ فرما کر آپ میرے سر کو عرش سے بلند و بالا کر دیں۔ بقولِ پیرِ ہرات حضرت عبداللہ انصاری ؒ ؎

اگر یک بار گوئی بندۂ من رَوَد از عرش بالا خندۂ من

ترجمۂ منظوم از راقم الحروف ؎

جو ایک بار تُو کہہ دے کہ اے مرے بندے مری ہنسی کی صدا عرش سے گزر جائے

خوش آں روزے کہ آرم رُو بہ بغداد ز سر پا کردہ از بندِ غم آزاد

ترجمہ۔ وہ کتنا مبارک دن ہوگا، جب میں دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر اپنے سر کو پاؤں بناتے ہوئے سرزمینِ بغداد کی جانب احرامِ سفر باندھوں گا۔ کُتُبِ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہرِ بغداد ہر دَور میں خصوصی امتیاز کا حامل رہا ہے، مدینۃ العلوم کا لقب پانے کے علاوہ اِسے لاکھوں اولیاء اللہ کی خوابگاہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ مثلاً اکابر میں حضرت امام ابُوحنیفہ، حضرت امام ابُو یُوسف، حضرت جُنید بغدادی، حضرت شبلی اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی وغیرہم رحمہم اللہ۔ مگر قدرتی امر یہ ہے کہ بغداد کا لفظ سُنتے ہی سامع کا ذہن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؓ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دراصل بغداد کی شہرت کا سب سے بڑا سبب حضرت غوثِ پاک ؓ کی ذاتِ گرامی ہے۔ سرزمینِ بغداد ہر دَور میں اہلِ عرفاں کا دامنِ دل کھینچتی رہی۔ لسان الغیب حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی ؒ (م ۷۹۱ھ) کے دل میں بھی اُسی کی آرزوئے زیارت انگڑائیاں لیتی رہی، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) سیالکوٹ شہر کے اکثر لوگ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ؒ (م ۱۰۶۸ھ) کی علمی عظمتوں سے ناآشنا ہیں اور اُنہیں معلوم نہیں کہ مولانا عبدالحکیم ؒ کی علمی رفعتوں کے حوالے سے اُن کا شہر ساری دنیا کے علمی حلقوں میں کتنا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

رہ نہ بُردیم بہ مقصودِ خود اندر شیراز　　　خُرّم آں روز کہ حافظ رہِ بغداد کُند

ترجمہ۔ ہم شیراز میں رہ کر اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکے، وہ دن مبارک ہوگا، جب حافظ (شیراز کو خدا حافظ کہہ کر) بغداد کا راستہ لے گا۔

بہ گردِ مرقدت گردیدہ باشم　　　مُرادِ دیدہ و دل، دیدہ باشم

ترجمہ۔ آپ کے مرقدِ انور کے گرد پھروں گا اور یُوں اپنے دل اور آنکھوں کی مُراد اپنی اِن آنکھوں سے دیکھوں گا۔

کُنم از شوقِ بے تابی در آغوش　　　زمینِ آستاں از سجدہ رُوپوش

ترجمہ۔ مَیں بے تابیٔ شوق کے باعث آپ کے آستانۂ پاک کی زمین کو آغوش میں لے کر، سجدہ ہائے عقیدت سے چُھپاؤں گا۔

---

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

معروف ومشہور ہے۔ اسی طرح کُنجاہ کے عوام بھی یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ اُن کے شہر میں کتنا عظیم انسان مدفون ہے اور اُس نے کُنجاہ کو شہرت کی کس قدر بلندیوں سے ہمکنار کر رکھا ہے۔ کُنجاہ کے محمد اشرف اچھا شعر کہہ لیتے اور نازک تخلص کرتے ہیں۔ اِن کے علاوہ محمد اسلم صاحب کُنجاہی اور ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب (ساکنِ ڈنگہ) ذوقِ لطیف کے مالک ہیں۔ نازک کُنجاہی، اُن کے برادر محمد اسلم کُنجاہی اور ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے ذوقِ علم وادب اور پھر مولانا غنیمتؒ سے میری والہانہ عقیدت کی بنا پر آپ کے مزار شریف کی مرمّت وتعمیر میں کافی حصّہ لیتے رہے خصوصاً نازک کُنجاہی اور محمد اسلم کُنجاہی صاحبان مولانا غنیمتؒ کے مزار شریف کا بہت خیال رکھتے اور صفائی کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن حضرات کو خدمتِ مزارِ غنیمتؒ کا اجر عطا فرمائے۔ بلاشبہ اِس گئے گزرے دَور میں ایسے فرض شناس اور حسّاس افراد کا وجُود بھی غنیمت ہے۔ کاش ساکنانِ کُنجاہ، مولانا غنیمتؒ کی نسبتِ سکونت ہی کو کُنجاہ کی شہرت کا سبب سمجھ کر آپ کی علمی ورُوحانی عظمتوں کو محسوس کرتے۔

# حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

غوثِ اعظم دلیلِ راہِ یقیں بالیقیں رہبرِ اکابرِ دیں

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؓ راہِ یقین کی دلیل ہیں۔ آپ بلا شُبہ اکابرِ دین کے رہنما ہیں۔

شیخِ دارین و ہادیِ ثقلین زُبدۂ آلِ سیّدِ کونین

ترجمہ۔ آپ دارین کے شیخ اور کونین کے ہادی ہیں۔ آپ آلِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر ہیں۔

اُوست در جملہ اولیاء ممتاز چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

ترجمہ۔ آپ اولیاء اللہ میں اسی طرح ممتاز ہیں، جس طرح رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام علیہم السلام میں مُنفرد ہیں۔

اولیا بندہ ہایش از دل و جاں قدمِ اُو بہ گردنِ ایشاں

ترجمہ۔ اولیاء اللہ دل و جاں سے آپ کے غلام ہیں۔ آپ کا قدم اُن سب کی گردن پر ہے۔

من کہ پروردۂ نوالِ ویم عاجز از مدحتِ کمالِ ویم

ترجمہ۔ مَیں کہ آپ کی جُود و سخا کا پروردہ ہُوں، آپ کے کمالات کی توصیف سے عاجز ہُوں۔

ہمہ دم غرقِ بحرِ احسانم اے فدائے درش دل و جانم

ترجمہ۔ مَیں ہر لحہ آپ کے بحرِ احسانات میں غرق ہُوں؛ میرے دل و جاں آپ کے آستانۂ عالیہ پر نثار۔

در دو عالم بہ اُوست اُمّیدم ہست باوے اُمیدِ جاویدم

ترجمہ۔ دارین میں آپ کی ذاتِ اقدس سے میری اُمیدیں وابستہ ہیں؛ آپ میری ہمیشہ کی اُمیدوں کے محور ہیں۔

(از اخبار الاخیار)

# حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی

## قطعہ

آں شاہِ سرافراز کہ غوثُ الثَّقَلَین است — دراصل صحیحُ النَّسَبَین از طرفین است

از سوئے پدر تا بحسنؓ سلسلۂ او — وز جانبِ مادر دُرِ دریائے حُسینؓ است

ترجمہ۔ وہ تاجدارِ سربلند جنہیں غوث الثقلین کہا جاتا ہے، اصل میں طرفین سے صحیح النسب سید ہیں باپ کی طرف سے اُن کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، والدہ ماجدہ کی جانب سے وہ حضرتِ شبیرؓ کے بحر کا گوہر ہیں۔

(از دُرّ الدارین)

# حضرت شاہ نیاز بریلوی چشتی نظامیؒ

بدہ دستِ یقیں اے دل بہ دستِ شاہ جیلانی — کہ دستِ اُو بود اندر حقیقت دستِ یزدانی

ترجمہ۔ اے دل! اپنا دستِ ارادت حضرت غوثِ پاکؒ کے دستِ پاک میں دے کہ آپ کا ہاتھ حقیقت میں دستِ الٰہی ہے۔

امیرے، دستگیرے، غوثِ اعظم، قطبِ ربانی — حبیبِ سیّدِ عالم، زہے محبوبِ سُبحانی

ترجمہ۔ آپ امیرِ ولایت، دستگیرِ خلق، غوثِ اعظم اور قطبِ ربانی ہیں۔ آپ کا کیا کہنا! آپ محبوبِ سُبحانی، سردارِ عالم اور حبیبِ مُصطفٰے ہیں۔

نشانِ شانِ بے چُونی، بیانِ سِرِّ مکنُونی — بہ سیرت مثلِ پیغمبر، بہ صورت مرتضٰی ثانی

ترجمہ۔ آپ بے مثال ذات کی شان کے نمائندہ ہیں، آپ سے اسرارِ باطن کا ظہور ہوا ہے، سیرت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اور بہ اعتبارِ صورت ثانی حیدرِ کرارؓ ہیں۔

سراپا جلوۂ حُسنی، تمامی ماہِ تابانی — کُند یعقوبیش گر باشد ایجب ماہِ کنعانی

ترجمہ۔ آپ حُسن کی تجلیات کے سراپا اور ہمہ تن چودھویں رات کے چاند ہیں۔ آپ اُس مقامِ زیبائی پر فائز ہیں کہ اگر وہاں ماہِ کنعاں بھی ہو تو وہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرح آپ پر وارفتگی کا اظہار کرے۔

شبِ بختِ سیہ را ذرّۂ مہرش کُند روشن — فروزد لمعۂ لُطفش رُخِ شامِ غریبانی

ترجمہ۔ آپ کے آفتابِ ولایت کا ایک ذرّہ سیاہ بختی کی رات کو فروزاں کر دیتا ہے۔ بےکسوں کی شام کے چہرے کو آپ کے عنایات کی روشنی چمکا دیتی ہے۔

زپائے پاکِ اُو فخریست دوشِ پاکبازاں را — حیاتِ تازہ بگرفتہ ازو دینِ مسلمانی

ترجمہ۔ پاکبازانِ طریقت کے کندھوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُن پر حضرت غوثِ پاکؒ کا قدمِ مُبارک ہے، آپ کی برکت سے دینِ اسلام کو حیاتِ نو میسر آئی۔

نیاز اندر جنابِ پاکِ اُو از قُدسیاں بلشد — کہ آید جبرئیل از بہرِ کاروبارِ دربانی

ترجمہ۔ قُدسی آپ کی بارگاہِ ناز میں اظہارِ نیازمندی کرتے ہیں، یہاں تک کہ جناب جبرئیل علیہ السلام بھی فریضۂ دربانی کی انجام دہی کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

# حضرت مولانا غلام قادر گرامی جالندھریؒ

## (مصاحبِ علّامہ اقبالؒ)

براوجِ آسماں خندد زمینم　　　زمیں بوسِ جنابِ محیِّ دینم

ترجمہ۔ مَیں حضرت غوثِ پاکؒ کی بارگاہ کا خاک بوس ہُوں؛ اِس شرف کے باعث میری زمین رفعتِ فلک پر خندہ زن ہے۔

تعالی اللہ چہ نامِ جاں نواز است　　　زبانم ماہیِ دریائے راز است

ترجمہ۔ سُبحان اللہ! آپ کا نام بھی کس قدر دلنواز ہے کہ میری زباں بحرِ اسرار میں مچھلی کی طرح سیر کر رہی ہے۔

عفاک اللہ چہ نامِ دلپذیر است　　　بنامِ ایزد چہ نامِ دستگیر است

ترجمہ۔ ماشاء اللہ! آپ کا اسمِ گرامی کیسا رُوح پرور ہے! اسمِ ذات کی قسم نامِ دستگیر کیا حسین و جمیل ہے۔

حقیقت مسندِ لاہُوت پایہ　　　تجلّی جلوۂ خورشید سایہ

ترجمہ۔ آپ مقامِ لاہُوت کے سائر (سیر کُنندہ) اور مسند نشینِ حقیقت ہیں؛ آپ کی تجلّی ایسی شان رکھتی ہے کہ خود آفتاب بھی اُس کی ایک شعاع کا پرتو ہے۔

قضا پابوسِ تمہیدِ رضایش　　　اثر خطِّ کفِ دستِ دعایش!

ترجمہ۔ تقدیر آپ کے عنوانِ رضا کی پابوس ہے؛ قبولیّتِ دُعا آپ کے کفِ دست کی لکیروں سے عبارت ہے۔

مصاحب گفت در گوشِ دلِ من　　　نیاز غوثِ اعظمؓ، حاصلِ من

ترجمہ۔ مصاحب نے میرے گوشِ دل میں کہا کہ حضرت غوثِ اعظمؓ کی نیازمندی میری زیست کا ماحصل ہے۔

غلامِ قادرم، فرخندہ نامم　　　گرامی! غوثِ اعظمؓ را غلامم

ترجمہ۔ مَیں غلام قادر ہُوں؛ نام کی یہ مناسبت کیسی مبارک ہے۔ اے گرامی! مَیں فی الحقیقت حضرت غوثِ اعظمؓ کا غلام ہُوں۔　　　(از دیوانِ گرامی)

# جناب حافظ محمد افضل فقیر

ایم۔ اے فارسی (گولڈ میڈلسٹ)

نامِ تو وظیفۂ فقیراں ما را بنواز پیرِ پیراں
ترجمہ۔ اے پیرِ پیراں! آپ کا اسمِ گرامی اہلِ فقر کا وظیفہ ہے؛ ہمیں اپنے لُطف سے نوازیں۔

از لامعہ سحر فروزت ظُلمت زدگاں، ضیا پذیراں
ترجمہ۔ آپ کی اس روشنی سے، جو سحر کو آب و تاب دیتی ہے، تاریکی میں بھٹکنے والے انسان کسبِ فیض کرتے ہیں۔

اقطاب زچشمۂ تو سیراب غوثاں بہ ولایتت وزیراں
ترجمہ۔ اقطابِ جہاں آپ کے چشمۂ کرم سے سیراب اور غوث آپ کی ولایت میں وزیر ہیں۔

در بحرِ محامدِ تو افکار چوں موج بہ یک دِگر نصیراں
ترجمہ۔ مدحت گر کے افکار آپ کے بحرِ محاسن میں لہروں کی طرح بایک دِگر ممدو معاون ہیں

ہر سلسلہ را ز تُست فیضاں خاکت اکسیرِ دستگیراں
ترجمہ۔ ہر سلسلۂ طریقت آپ ہی سے فیض یاب ہے۔ آپ کے آستانۂ عالیہ کی خاک تمام پیشوایانِ ولایت کے لئے اکسیر ہے۔

عینِ ذاتست جانِ پاکت باشد لقبِ تو میرِ میراں
ترجمہ۔ آپ کی رُوحِ اطہر عینِ ذاتِ کبریا ہے؛ (اسی باعث) آپ کا لقب میرِ میراں (سردارانِ طریقت کے سردار) ہے۔

بنوشتہ بنامِ طالبانت ہم خُلدِ جناں، خمُودِ نیراں
ترجمہ۔ تقدیرِ الٰہی نے آپ کے چاہنے والوں کے نام جنّتوں میں ہمیشہ رہنے اور آتش ہائے دوزخ کے بجھنے کا فرمان لکھ دیا ہے۔

---

[1] ماخوذ از جانِ جہاں، مجموعۂ نعت و مناقب حافظ محمد افضل صاحب فقیر

ذکرت بہ قلوبِ عاشقانست     پیراہن بر رُخِ ضریراں

ترجمہ۔آپ کا ذکرِ مبارک عُشّاق کے دلوں پر وہی اثر کرتا ہے، جو ایک پیراہن کسی نابینا کے چہرے پر، شعر میں سیّدنا یُوسف علیہ السّلام کے پیراہن اور سیّدنا یعقوب علیہ السّلام کے عَودِ بصارت کی تلمیح ہے۔

غمہا دلِ من گُداخت، مپسند     یُوسف را بیش دراسیراں

ترجمہ۔آلامِ دُنیوی نے میرے دل کو پگھلا کے رکھ دیا ہے؛ اب آپ یہ پسند نہ فرمائیں کہ یُوسف مزید اسیروں میں رہے۔

بدبختاں را سعید سازی     خود لوح و قلم تُرا دبیراں

ترجمہ۔آپ بدبختوں کی تقدیر بدل کر اُنہیں سعادت مند بنا دیتے ہیں؛ لوح و قلم بھی آپ کے دبیر(مُنشی) ہیں۔

ماثیم فقیرِ شاہِ جیلاںؒ     با رحمتِ لایزال جیراں

ترجمہ۔ہم حضرت شاہِ جیلاں قدّس سرّہٗ کے فقیر ہیں؛ بالفاظِ دیگر خداوندِ لایزال کی رحمت کے ہمسایہ ہیں۔

---

# سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی، مُصنّفِ کتاب

## (رُباعیاتِ فارسی)

نُورِ نظرِ حیدر و شاہِ زَمَنی — محبوبِ تاجدارِ مکّی مَدَنی
لختِ جگرِ فاطمہؓ اے حضرتِ غوثؓ — سروِ چمنستانِ حُسین و حَسَنیؓ

ترجمہ۔ اے غوثِ پاکؓ! آپ مکّی مدنی تاجدار کے محبوب، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے نورِ نظر، سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لختِ جگر، گلزارِ حسنین علیہما الرّضوان کے سرو اور شاہِ زمن ہیں۔

در کسوتِ خسروی فقیر آمدہ ای — سرخیلِ مشائخِ کبیر آمدہ ای
عبدالقادر! بحقِ جدِّ الحسنینؓ — دستم برگیر! دستگیر آمدہ ای

ترجمہ۔ اے غوثِ پاکؓ! آپ مشائخِ عظام کے سردار اور لباسِ شاہی میں پیشوائے فقر ہیں، جدِّ حسنینؓ کے صدقے میری دستگیری فرمائیں کہ آپ کا لقب دستگیر ہے۔

چوں موجِ قبولِ ازلی می آید — سالک، بہ درِ غوثِ جلیؒ می آید
آں تاجورِ فقر و امیرِ بغداد — از گلشنِ اُو بوئے علیؓ می آید

ترجمہ۔ جب ازلی قبولیت کی لہر موافقت میں اُٹھتی ہے تو اُس وقت خوش نصیب) سالک کو حضرت غوثِ اعظم قدس سرّہٗ کی بارگاہ میں رسائی میسّر آجاتی ہے۔ آپؓ فقر کے تاجدار اور شہنشاہِ بغداد ہیں، آپ کے گُل کدہ سے بوئے علیؓ آتی ہے۔

ہستم سگِ آستانِ عبدالقادرؒ — قسمت زَدَم زخوانِ عبدالقادرؒ
گُفتا قدمم بہ گردنِ اقطاب است — سُبحان اللہ! شانِ عبدالقادرؒ

ترجمہ۔ مَیں آستانِ غوثِ پاکؓ کا سگ اور آپؓ کے خوانِ کرم کا زَلّہ خوار (بچاکھچا کھانے والا) ہوں۔ سُبحان اللہ! زہے شان و شوکت! آپؓ کا ارشادِ مبارک ہے کہ میرا قدم تمام اقطابِ زمانہ کی گردن پر ہے۔

---

# اُردُو

## حضرت امیر مینائی لکھنوی رح

کیا غم، مری مدد پہ اگر غوثِ پاکؓ ہیں
اللہ بھی اُدھر ہے، جدھر غوثِ پاکؓ ہیں

حامی مرے، شفیق مرے، دادرس مرے
ہیں اُس طرف نبیؐ تو اِدھر غوثِ پاکؓ ہیں

کردیں گے ڈوبتی ہوئی کشتی کو میری پار
باندھے ہوئے مدد پہ کمر غوثِ پاکؓ ہیں

کھٹکا نہیں ہے کچھ مجھے آفاتِ دہر کا
آئے کوئی بلا تو سپر غوثِ پاکؓ ہیں

اِس نام سے کلیجے میں ٹھنڈک نہ کیوں پڑے
مرہم برائے زخمِ جگر غوثِ پاکؓ ہیں

شہرِ محمدی کی ہے رونق حضور سے
سرسبز نخلِ دیں کے ثمر غوثِ پاکؓ ہیں

دریائے بے کنارِ ولایت میں آسماں
مثلِ صدف ہے اُس میں گہر غوثِ پاکؓ ہیں

ہے کون جو مُطیع نہیں دل سے آپ کا
فرمانروائے جنّ و بشر غوثِ پاکؓ ہیں

پروا نہیں، جو کوئی نہیں قدرداں امیرؔ
صد شکر، قدردانِ ہُنر غوثِ پاکؓ ہیں

(از محامدِ خاتم النبیین)

# فصیح الملک حضرت داغ دہلوی ؒ

یہ دل محبوب سبحانی ؓ کے صدقے
محی الدین جیلانی کے صدقے

نثار قبۂ انور مہ و مہر
فرشتے قبر نورانی کے صدقے

تمہاری ذات سے ہے نظم عالم
جہانبانی کے سلطانی کے صدقے

مرے دل پر چلے وہ خنجر عشق
ملک ہوں جس کی قربانی کے صدقے

تمہارے لطف پنہانی کے قرباں
تمہارے فیض روحانی کے صدقے

یہ دل ہو اور موج قلزم عشق
یہ کشتی، موج طوفانی کے صدقے

یہ زیبا ہے جو ہوں لوح و قلم بھی
تمہارے اسم لاثانی کے صدقے

فدا تے شمع . پروانہ ہو اے داغ
ہم اپنے قطب ربانی کے صدقے

(مہتاب داغ)

## ناخدائے سخن حضرتِ نوح ناروی رح جانشینِ اُستاد داغ رح

ہمیں بھی کوئی پیمانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا
کبھی چھوڑا نہ کاشانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

حسابِ حشر سے پہلے وہ داخل ہوگا جنّت میں
رہے آباد میخانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

وہ پائے احمدِ بے میم کی توقیر فرمائی
بڑا عاقل ہے دیوانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

جگر کو اپنے سمجھاؤں کہ اپنے دل کو بہلاؤں
ملے گا جس کو پروانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

تمنا ہے کہ میں بغداد پہنچوں اُن کے روضے پر
شبِ معراج وہ شانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

ضیائے شمعِ عرفاں نے جہاں کو گھیر رکھا ہے
یہ دیوانہ وہ دیوانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

اُنہیں عالم سے نسبت اہلِ عالم کس طرح دیتے
مرے آگے ہو کاشانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

ہمارے خانۂ دل میں خیالِ غیر کیا آتے
جسے دیکھو وہ پروانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

چلو اے پینے والو! گیارھویں تاریخ آ پہنچی
کہ عالم تھا جُدا گانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

یہ کاشانہ ہے کاشانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

کُھلا پُرکیف میخانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

تمہیں اے نوح دیوانے ہوکیا سارے زمانے میں
زمانہ بھی ہے دیوانہ جنابِ غوثِ اعظم رض کا

(از اعجازِ نوح)

## حضرت مولانا احمد رضا خاں، فاضل بریلویؒ

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

تُو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا — تُو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

الاماں! قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا — مَر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کُتّا تیرا

مصطفٰے کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا — جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا

ابنِ زہرا کو مبارک ہو عروسِ قدرت — قادری پائیں تصدق مرے دولھا تیرا

کیوں نہ قاسم ہو کہ تُو ابنِ ابی القاسم ہے — کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

عرضِ احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب، مگر — آنکھیں اے ابرِ کرم تکتی ہیں رستا تیرا

تجھ سے در، در سے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت — میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

اِس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — عمر بھر میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد — ہند میں بھی ہُوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

سورج اگلوں کے چمکتے تھے، چمک کر ڈُوبے — اُفقِ نُور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

جو ولی قبل تھے، یا بعد ہوئے، یا ہوں گے — سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

سارے اقطابِ جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف — کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا

اور پروانے ہیں، جو ہوتے ہیں کعبے پہ نثار — شمع اِک تُو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

تُو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گلزار — لائی ہے فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا

ڈالیاں جھُومتی ہیں، رقصِ خوشی جوش پہ ہے — بُلبلیں جھُولتی ہیں، گاتی ہیں سہرا تیرا

صفِ ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری — شاخیں جھُک جھُک کے بجا لاتی ہیں مُجرا تیرا

کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز — کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ نُور — نہیں کس آئنہ کے گھر میں اُجالا تیرا

راج کس شہر پہ کرتے نہیں تیرے خُدّام — باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر — کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

| | |
|---|---|
| تاج فرقِ عرفا کس کے قدم ہیں، تیرے | سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا، تیرا |
| سُکر کے جوش میں جو ہیں، وہ تجھے کیا جانیں | خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رُتبہ تیرا |
| بادلوں سے کہیں رُکتی ہے کڑکتی بجلی | ڈھالیں چھنٹ جاتی ہیں، اُٹھتا ہے جو تیغہ تیرا |
| اِس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے | چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں رُتبہ تیرا |
| عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے | یہ گھٹائیں، اُسے منظور بڑھانا تیرا |
| وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر | بول بالا ہے ترا، ذِکر ہے اُونچا تیرا |
| مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے | نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا |
| تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے، نہ گھٹے | جب بڑھائے تجھے اللہ تعالےٰ تیرا |
| نزع میں، گور میں، میزاں پہ، سرِ پُل پہ کہیں | نہ چھُٹے ہاتھ سے دامانِ معلّےٰ تیرا |
| دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے، مگر | مطمئن ہُوں کہ مرے سر پہ ہے پلّہ تیرا |
| بہجت اس سر کی ہے، جو بہجۃ الاسرار میں ہے | کہ فلک وار مُریدوں پہ ہے سایہ تیرا |

اے رضا! چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست

کردہ ام مأمنِ خود قبلۂ حاجاتے را

(حدائقِ بخشش)

---

# سیّد نصیر الدّین نصیرؔ گیلانی، مصنّفِ کتاب

## (در زمینِ فاضل بریلویؒ)

شاہِ بغداد! سدا بول ہے بالا تیرا
کیوں نہ ہو، صاحبِ معراج ہے بابا تیرا

پرتوِ سُورۂ یٰسین، لب و لہجہ تیرا
ایک شہپارۂ تطہیر ہے چہرا تیرا

نبَوی ضو، عَلوی رنگ، بتُولی عِفّت
حَسَنی اور حُسینی ہے سراپا تیرا

جوہرِ شبّرؓ و شبیّرؓ سے پا کر ترکیب
ہوگیا کیسا نَسَبی رنگ دوبالا تیرا

چُھپ گئے سامنے اُس کے عُرَفا مثلِ نُجُوم
مطلعِ فقر پہ خورشید جو چمکا تیرا

یُوں تو سب اہلِ ولایت نے مراتب پائے
پر کسی شخص نے پایہ نہیں پایا تیرا

پا سکا تیرے سوا کون مقامِ مخدع
تجھ سے مخصُوص ہے یہ رُتبۂ اعلیٰ تیرا

کرگئے ماند ولایت کے درخشاں سب چاند
لاڈلا یہ پسرا ہے سیّدہ زہراؓ! تیرا

عہد تک تیرے نہیں تیرا تصرّف محدود
سچ تو یہ ہے کہ ہر اک عہد ہے شاہا تیرا

قصرِ افضال کے اَبواب ہوئے وا تجھ پر
نافذ و رائج دارین ہے سِکّہ تیرا

کون سے سِلسلہ کو تُو نے مُعطّر نہ کیا
کون سے گلکدہ میں رُوپ نہ جھلکا تیرا

قُربتِ ذات میں ہے تیرا قیام اور سُجُود
عرش کی پاک فضائیں ہیں مُصلّےٰ تیرا

ذہنِ تیرہ پہ اُترتی ہے ستاروں کی برات
کبھی لاتا ہُوں تصوّر میں جو مکھڑا تیرا

رنگ والوں کے بھی رنگ اُڑ گئے تیرے آگے
ذاتِ بے رنگ نے وہ رنگ جمایا تیرا

تُو ولایت کا وہ دُولہا ہے کہ باعجز و نیاز
اولیاء پڑھتے ہیں ہر دَور میں سہرا تیرا

اصفیاء ہیں تِری غوثیّتِ کبریٰ کے مُقِر
ہمہ اقطابِ جہاں دیتے ہیں پہرا تیرا

حُسن میں، علم و جلالت میں، مسیحائی میں
کوئی ثانی نہیں اے دلبرِ زہراؓ! تیرا

جان و دل وارتی اے یُوسفِ یعقوبِ عرب
دیکھ پاتی جو زلیخا رُخِ زیبا تیرا

دیکھ کر سیّدِ لولاک کا اندازِ جمال
انبیاء چُوم نہ لیں حشر میں ماتھا تیرا

جُنبشِ لب سے ہے ابوابِ اجابت کی کُشاد
رد نہیں کرتی مشیّت بھی تقاضا تیرا

اُس نے مخمور کئے بادہ کشانِ وحدت
کاسۂ وصل سے اِک گھونٹ جو چھلکا تیرا

جو کہا تُو نے وہ مامور من اللہ ہو کر
اپنی خواہش سے نہیں کوئی بھی دعویٰ تیرا

جادۂ رُشد، ترے شہر کی ایک ایک گلی
حلقۂ فیض، وہ درس اور وہ اِفتا تیرا

ابدیت کی علامت ہے ترا نُورِ جبیں
جلوۂ ذات کا آئینہ ہے جلوا تیرا

تُو نے تاریکیٔ طاغوت کا دل چیر دیا
ابنِ زہرا! یہ تدبر، یہ کلیجا تیرا

بندہ قادر کا ہے تُو اور ہے قادر کو دوام
ہم رہیں یا نہ رہیں، نام رہے گا تیرا

کچھ ملائک بھی ہیں قدرت کی طرف سے مامور
کوہِ شہرت پہ بجاتے ہیں جو ڈنکا تیرا

تاجداروں کا تصرف ہے زمیں تک محدود
سرزمینِ دلِ انساں پہ ہے قبضہ تیرا

لرز اُٹھتے ہیں سلاسل کے سفینے سارے
قادری اَوج پہ چڑھتا ہے جو دریا تیرا

بخدا ملکِ ولایت میں رسالت کے بعد
حشر تک کا جو زمانہ ہے، وہ تنہا تیرا

وہ مُقدر کے دھنی تھے کہ جنہوں نے پایا
دل نشیں عہد، وہ اک دَورِ سُنہرا تیرا

باعثِ فخر ہے عاقل کے لئے تیرا جُنوں
پاک ذہنوں کے لئے رزق ہے سودا تیرا

مَیں غلام اور تُو آقا، مَیں سوالی، تُو کریم
طے ازل میں ہوا رشتہ یہی، میرا تیرا

حکم پر شمع کی لَو، پھیر دے طوفان کا رُخ
سگ لڑے شیر سے، پائے جو اشارا تیرا

تُو ہے اُمت کا وہ نوشاہ کہ اقطابِ جہاں
جھولیاں بھرنے کو گاتے ہیں بدھاوا تیرا

تھا دلِ ارض میں پامالیٔ پیہم کا ملال
مُہرِ اعزاز بنا نقشِ کفِ پا تیرا

کیوں نہ بیٹھے وہ ترے در پہ رما کر دھونی
جس کا سرمایہ ہو لے دے کے بھروسا تیرا

بخت اُس کا ہے، کرم اُس پہ ہے، توقیر اُس کی
جس کی نظروں میں ہو دربارِ مُعلّےٰ تیرا

کیوں فرشتے نہ ستاروں سے بھریں مانگ اُس کی
وہ سُہاگن، جسے آجائے بلاوا تیرا

اپنے کوچے میں جگہ دے کہ نہ جائے گا کہیں
تیرے در سے یہ نمک خوار پُرانا تیرا

میرے نزدیک، نہیں یہ کسی اعزاز سے کم
گر کہیں لوگ مجھے بندۂ رُسوا تیرا

جس پہ ہو جاتے ہیں مخلوق کے دروازے بند
کھٹکھٹاتا ہے وہ آخر درِ والا تیرا

سبز گنبد کی تجلی سے ہے اُس کا رشتہ
کیوں نہ پھر مہبطِ انوار ہو روضہ تیرا

قبر ہو، حشر ہو، یا پُل ہو کہ میزانِ عمل
ہم غلاموں کے سروں پر رہے سایہ تیرا

وہ بھٹکنے نہیں پاتا کبھی راہِ حق سے
سامنے جس کے رہے اُسوۂ عُلیا تیرا

کیفِ نظّارہ سے محرُوم ہے چشمِ اعمٰی
جس کے پاس آنکھ ہے تکتا ہے وہ رستہ تیرا

حیف صد حیف کہ کچھ پست نظر، پست اندیش
اِس پہ کُڑھتے ہیں کہ اُونچا ہے ستارا تیرا

دستِ مشّاطۂ قدرت نے سنوارا ہے تجھے
لاکھ سر مارے، بگاڑے گا کوئی کیا تیرا

تجھ کو کیا فکر، کوئی تیرا بنے یا نہ بنے
شاہِ بطحا ترے، اللہ تعالیٰ تیرا

روک سکتا ہے اُبھرنے سے کوئی سورج کو؟
ایک چڑھتا ہوا خورشید ہے چرچا تیرا

دو سفینوں میں بیک وقت سفر نا ممکن
یا تو دُنیا کا رہے بن کے کوئی، یا تیرا

ساتھ رہتی ہے سدا تیرے تعاون کی برات
نام لیوا کبھی رہتا نہیں تنہا تیرا

جسمِ اعمال برہنہ ہے، خدارا اِسے ڈھانپ
کہ خطا پوش ہے دامانِ معلّٰے تیرا

گھیر رکھا ہے مجھے بھی شبِ رُسوائی نے
میں بھی ہُوں منتظرِ اے صبحِ تجلّے تیرا

جس نے دنیا میں کہا غوث ہیں میرے میرے
وہ قیامت میں بھی کہلائے گا تیرا تیرا

بخت جاگا، جو تجھے خواب میں دیکھا اِک بار
کیا مقدّر ہے کہ جلوہ نظر آیا تیرا

عقل دی، علم دیا، نام دیا، نسبت دی
مجھ سے ناچیز پہ احسان ہے کیا کیا تیرا

تیر بیکار ہے، گر ساتھ نہ دے زورِ کماں
نام میرا ہے، مگر کام ہے سارا تیرا

جس نے کھائی ہے ترے نام پہ مٹنے کی قسم
ہے نصیرؔ ایک وہ باقاعدہ شیدا تیرا

گر نصیرا اہلِ ستم پنجہ تُو بر تابند
ہرگز از دست مدہ دامنِ آں ذاتے را

# حضرت مولانا حسن رضا خان بریلویؒ

(مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے برادرِ خورد اور تلمیذِ اُستاد داغ دہلویؒ)

اللہ! برائے غوثِ اعظمؓ — دے مجھ کو ولائے غوثِ اعظمؓ
دیدارِ خدا تجھے مبارک — اے محوِ لقائے غوثِ اعظمؓ
وہ کون؟ کریم، صاحبِ جُود — مَیں کون؟ گدائے غوثِ اعظمؓ
سوکھی ہوئی کھیتیاں ہری کر — اے ابرِ سخائے غوثِ اعظمؓ
ہیں جانبِ نالۂ غریباں — گوشِ شنوائے غوثِ اعظمؓ
کیوں ہم کو ستائے نارِ دوزخ — کیوں رد ہو دُعائے غوثِ اعظمؓ
آئینۂ رُوئے خُوب رُویاں — نقشِ کفِ پائے غوثِ اعظمؓ
تارِ نفسِ ملائکہ ہے — ہر تارِ قبائے غوثِ اعظمؓ
سب کھول دے عُقدہ ہائے مشکل — اے ناخنِ پائے غوثِ اعظمؓ

کیا اُن کی ثنا لکھوں حسنؔ مَیں
جاں باد فدائے غوثِ اعظمؓ

(ماخوذ از ذوقِ نعت معروف بہ صلۂ آخرت)

## حضرت مولانا حسرت موہانیؒ

دستگیری کا طلب گار ہوں شیئاً للہ
میر بغداد! مَیں ناچار ہوں شیئاً للہ

حالِ دل شرم سے اب تک نہ کہا تھا لیکن
آج مَیں درپئے اظہار ہوں شیئاً للہ

کرم خاص کے لائق تو نہیں مَیں، پھر بھی
آپ کا غاشیہ بردار ہوں شیئاً للہ

آپ ہی سُنیئے کہ اب اور کہوں مَیں کس سے
بستۂ دامنِ سرکار ہوں شیئاً للہ

مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی
غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للہ

پائے رفتن ہے، نہ ہے ہند میں جائے ماندن
سخت مشکل میں گرفتار ہوں شیئاً للہ

جلوۂ پاک نظر آئے تو بر آئے مُراد
تشنۂ شربتِ دیدار ہوں شیئاً للہ

کیا کروں میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول
مَیں کہ اِک فردِ گنہگار ہوں شیئاً للہ

غوثِ اعظمؓ سے جو مانگو گے ملے گا حسرت
بس کہو، حاضرِ دربار ہوں، شیئاً للہ

(از کلیاتِ حسرت)

# جناب سید غلام معین الدین شاہ مشتاق، گولڑہ شریف

## (مصنفِ نام و نسب کے والدِ گرامی)

کیا شان ہے تیری صلِّ علیٰ یا عبد القادر جیلانیؒ
تو نورِ نبیؐ، تو نورِ خدا یا عبد القادر جیلانیؒ

ہے وِرد یہی ہر صبح و مسا یا عبد القادر جیلانیؒ
کیا نام ہے تیرا نامِ خدا یا عبد القادر جیلانیؒ

جب دامن تیرا تھام لیا یا عبد القادر جیلانیؒ
خالی نہ رہا دامانِ دعا یا عبد القادر جیلانیؒ

کونین پہ تیرا قبضہ ہے، ہر جا ترا سِکّہ چلتا ہے
ہیں مِلک میں تیری ارض و سما یا عبد القادر جیلانیؒ

جو دَر پہ ترے آ جاتا ہے، وہ من کی مُرادیں پاتا ہے
تو بحرِ کرم، تو کانِ سخا یا عبد القادر جیلانیؒ

جب حشر میں جاؤں پیشِ خدا، ہو ہاتھ مرا، دامن تیرا
مقبول ہو اتنی میری دعا یا عبد القادر جیلانیؒ

جو تیرا کھاتا پیتا ہو، جو تیرے سہارے جیتا ہو
وہ کس کو پکارے تیرے سوا یا عبد القادر جیلانیؒ

مشتاق درِ اقدس پہ کھڑا رو رو کے یہی دیتا ہے صدا
سب بخش دے میرے جرم و خطا یا عبد القادر جیلانیؒ

# سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی

## (مصنّفِ کتاب)

اللہ رے کیسا بارگہِ غوثِ جلیؒ ہے
گردن کو جھکائے ہوئے ایک ایک ولی ہے

وہ ذات، گلستانِ رسالت کی کلی ہے
نورُستہ گُلِ گلشنِ زہراؓ و علیؓ ہے

اولادِ حسنؓ، آلِ حُسینؓ ابنِ علیؓ ہے
بے شک شہِ بغداد ولی ابنِ ولی ہے

سب اِن کی عنایت ہے، خفی ہے کہ جلی ہے
ہر رسمِ کرم اِن کے گھرانے سے چلی ہے

جس دل پہ نظر اِن کی ہو، وہ روشن و بینا
اِن کو جو پسند آئے وہی بات بھلی ہے

ہوں نقشِ قدم جس پہ نبیؐ اور علیؓ کے
اُس در پہ کسی کی نہ چلے گی، نہ چلی ہے

اِک سلسلۂ نور ہے ہر سانس کا رشتہ
ایمان مرا حُبِّ نبیؐ، مہرِ علیؓ ہے

اُس ذات سے شاہی کے قرینے کوئی سیکھے
وُہ ذات کہ جو فقر کے سانچے میں ڈھلی ہے

مجھ کو بھی محبت ہے بہت بادِ صبا سے
کیوں کر نہ ہو، آخر ترے کُوچے سے چلی ہے

مشکل ہوئی آسان، اُنہیں جب بھی پُکارا
یُورشِ غم و آفت کی مرے سر سے ٹلی ہے

محشر میں وُہی غازۂ انوار بنے گی
مٹّی ترے کُوچے کی جو چہرے پہ مَلی ہے
ہر گام پہ سجدے کی تمنّا ہے جبیں کو
یہ کس کا درِ ناز ہے، یہ کس کی گلی ہے؟
جو نُور ہے بغداد کی گلیوں کا اُجالا
ہر ایک کرن اُس کی مدینے سے چلی ہے
مَیں اُن کا ہُوں، تا حشر نصیر اُن کا رہُوں گا
صد شکر کہ اُن سے مری نسبت اَزَلی ہے

---

# جناب حفیظ تائب

(پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور)

نرالی ہے جہاں میں شان و شوکت غوثِ اعظمؒ کی
انوکھی بُردباری اور قناعت غوثِ اعظمؒ کی

ملی ہے نسبتِ شبیرؓ و شبرؓ اُن کو ورثے میں
مُسلّم دونو جانب سے نجابت غوثِ اعظمؒ کی

امامِ عسکریؓ نے جُبّہ چھوڑا آپ کی خاطر
جُنیدؒ باصفا نے دی بشارت غوثِ اعظمؒ کی

سبھی رہزن ہوئے تائب، ولایت مل گئی سب کو
جو دیکھی عہدِ طفلی میں صداقت غوثِ اعظمؒ کی

بنایا چور کو ابدال، روکا سیلِ دجلہ کو
ہوئی کس کس طرح ظاہر فضیلت غوثِ اعظمؒ کی

قدم سرکار کا ہے گردنِ اقطابِ عالم پر
رہے گی تا ابد جاری ولایت غوثِ اعظمؒ کی

کیا ہے دینِ حق زندہ، لقب پایا ہے مُحی الدیں
ہے سیمائے ابد پر نقش عظمت غوثِ اعظمؒ کی

مواعظ آپ کے شمشیرِ بُرّاں کُفر کے حق میں
نہ رکھتی تھی جواب اپنا خطابت غوثِ اعظمؒ کی

مُریدِی لَاتَخَف کس نے کہا ہے، شاہِ جیلاںؒ نے
کلیدِ بخشش و رحمت ہے نسبت غوثِ اعظمؒ کی

رہا بیداریٔ شب کا مُبارک سلسلہ برسوں
مثالِ روزِ روشن ہے ریاضت غوثِ اعظمؒ کی

تنِ اُمت میں پھُونکی رُوحِ ایماں، رُوحِ اسلامی
یہی کیا کم ہے اے تائب! کرامت غوثِ اعظمؒ کی

# جناب ڈاکٹر ریاض مجید

(پروفیسر گورنمنٹ کالج فیصل آباد)

ہیں تیری ذات سے وابستہ سلسلے کیا کیا
دل و نگاہ کے روشن ہیں قافلے کیا کیا
تری رسائی میں آواز اُڑتے لمحوں کی
تری نظر میں ہیں قسمت کے فیصلے کیا کیا
ہیں ایک رَو میں بشر مختلف زمانوں کے
مسافراں رہِ بعد ادیں ملے کیا کیا
خوشا وہ ارضِ فلک مرتبت کہ جس کے لئے
رواں دواں ہیں عقیدت کے قافلے کیا کیا
وجود اُجال گئی تیرے نقشِ پا کی جھلک
گلابِ نور شبِ ذات میں کھلے کیا کیا
ہیں مدح گو ترے اپنے ہنر سے شرمندہ
نہ کچھ کہا گیا، کہنے کو لب ہلے کیا کیا
مشاہدات نمایاد تیری مجلس کی
ہوئے ہیں طے تری نسبت سے فاصلے کیا کیا
نہ منقبت ترے شایانِ شان ہوئی کوئی
رہے ہیں اپنے ہنر سے ہمیں گلے کیا کیا
ہوا ہے تازہ و شاداب خاکدانِ ریاض
ترے سحابِ عطا سے گھر ملے کیا کیا

---

# منشی محمد اسمٰعیل عیسٰی امرتسریؒ

## مخمّس

واہ[1] کیا خوب دربار ہے شان کا۔ مرحبا مرحبا
سج رہا آج دُولھا ہے جیلان کا۔ مرحبا مرحبا
سر پہ باندھے ہوئے سہرا عرفان کا۔ مرحبا مرحبا
رُوئے روشن پہ غازہ ہے قرآن کا۔ مرحبا مرحبا
طُرفہ انداز ہے غوثِ یزدان کا۔ مرحبا مرحبا

○

اولیا انبیا ہیں براتی تمام۔ ہے عجب اہتمام
پڑھ رہے فرشتے درُود و سلام۔ ہے عجب اہتمام
پی رہے ہیں مدینے کی مے خاص و عام۔ ہے عجب اہتمام
چل رہا دَور میں ہے محبت کا جام۔ ہے عجب اہتمام
بانٹتا آج ساقی ہے جیلان کا۔ مرحبا مرحبا

○

---

[1] اِس وجد آفریں اور کیف انگیز منقبت کے ناظم منشی محمد اسمٰعیل المتخلص عیسٰی امرتسریؒ (م ۱۹۴۷ء) ہیں۔ موصوف کشمیری قوم سے تعلق رکھتے تھے اور کٹڑا پرجا اندرُون ہاتھی گیٹ امرتسر کے رہنے والے تھے۔ بڑے خوش اخلاق اور وضعدار انسان تھے۔ کچھ عرصہ شہر کی چونگیوں کے انسپکٹر بھی رہے۔ علم مروجہ تعلیم معمولی تھی، مگر اُردو، فارسی اور عربی ادبیات پر خاصی دسترس رکھتے تھے اور اشعار میں سوز و گداز باطن بدرجۂ اتم موجود تھا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کی بارگاہ میں گولڑہ شریف اکثر حاضری دیتے تھے اور ایک منقبت تاجدارِ گولڑہ بھی لکھی۔ درگاہِ گولڑہ شریف کے بعض (باقی برصفحۂ آئندہ)

عرش سے خلعتِ فخر لایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
خُلد سے تاجِ رحمت منگایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
غوثِ اعظمؓ ہے دُولہا بنایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
عُرس ہے گولڑے میں رچایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
شاہِ بغداد ولیوں کے سُلطان کا۔ مرحبا مرحبا

○

گولڑے کی زمیں رشکِ صد طُور ہے۔ نُور ہی نُور ہے
ذرہ ذرہ تجلّی سے معمُور ہے۔ نُور ہی نُور ہے
تنکا تنکا بہاروں میں مسرُور ہے۔ نُور ہی نُور ہے
ہو رہا چرچا نزدیک اور دُور ہے۔ نُور ہی نُور ہے
خواجہ مہرؒ علی شہ کے فیضان کا۔ مرحبا مرحبا

○

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قدیم متوسلین کی روایت کے مطابق حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ نے حضرت غوثِ پاکؓ کی شان میں عیشی مرحوم کی ایک منقبت کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ بارگاہِ غوثیت میں مقبول ہے۔

سماجی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے، چنانچہ ہندو مسلم امن کمیٹی کے ممبر بھی رہے قیامِ پاکستان کے موقع پر امرتسر سے پاکستان کی طرف ہجرت کرتے ہوئے شہادت پائی۔ اُن کے ہمراہ اُن کے ایک بیٹے نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ پس ماندگان میں سے ایک صاحبزادہ نذیر احمد بٹ اور چار بیٹیاں ہیں، جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے عقبی محلہ موہنی روڈ میں سکونت پذیر ہیں۔

عیشی شہید کی یہ منقبت کوئی پچاس ساٹھ سال سے گولڑہ شریف منعقد ہونے والے عُرسِ غوثِ پاکؓ کے آخری دن مجلس میں چادر چڑھانے کے موقع پر پڑھی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اِن اشعار سے پیدا ہونے والی کیفیات اُن لوگوں کے دلوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، جنہیں شعر و ادب کا چنداں شعور و ذوق نہیں ہوتا۔ الفاظ کا دروبست، تخیّل کی پاکیزگی اور نسبتِ قادریہ کی سرمستیوں کا بھرپور انعکاس اِن اشعار میں پایا جاتا ہے۔ جو حضرت غوثِ پاکؓ سے شاعر کی حقیقی نسبت اور وارفتگی پر ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے۔ کچھ اشعار کی دلکشی اور کچھ مخصوص طرز میں اُن کی ادائگی اور پھر مخصوص وقت میں اُن کا (باقی برصفحہ آئندہ)

تیرا عیسٰی بھی آیا ہے دربار میں۔ آج دُربار میں
بیٹھے عاشق ہیں سب قُربِ دلدار میں۔ آج دُربار میں
مست و سرخوش محبت کے بازار میں۔ آج دُربار میں
کھیلتی سب کی آنکھیں ہیں انوار میں۔ آج دُربار میں
تازہ گلزار ہے سب کے ایمان کا۔ مرحبا مرحبا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پڑھے جانا ایک عجیب رُوحانی سماں پیدا کرتا ہے۔ کوئی آنکھ ایسی نہیں ہوتی، جو نمناک نہ ہو اور کوئی دل ایسا نہیں ہوتا، جو اُس وقت تجلیاتِ غوثیہ کی لپیٹ میں نہ آچکا ہو۔

منشی محمد اسمٰعیل شہید نے جس وجدانی کیفیت اور باطنی ارادت سے یہ منقبت لکھی ہے اور جس طرح صوری و معنوی محاسن کو اپنے کلام میں سمویا ہے، اُس کے پیشِ نظر ناممکن ہے کہ شعر و سخن کی عظمت سے آشنا کوئی فرد اُس کا جواب لکھ سکے۔ خود راقم الحروف نے خداداد صلاحیت و استعداد کے باوصف اور سال ہا سال کی مشقِ سخن کے باوجود کیفیت آبادِ دل سے چلنے والے اُس ایک بیخود کُن جھونکے کا برسوں انتظار کیا! جو الفاظ و معانی کو بقائے دوام اور سماعت کو سرمستی و سرشاری بخشتا ہے۔ بالآخر نصرتِ خداوندی کی دستگیری اور نسبتِ غوثیہ کی دل پذیری کی بدولت عیسٰی مرحوم کے انداز میں ایک منقبت نوکِ قلم پر آگئی۔ راقم الحروف کا یہ مخمس عیسٰی شہید کے کلام کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے۔

# مخمّس

## سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی مصنّفِ کتاب

(در زمینِ علیؔ امرتسریؒ)

آستاں ہے یہ کس شاہِ ذیشان کا۔ مرحبا مرحبا
قلب ہیبت سے لرزاں ہے انسان کا۔ مرحبا مرحبا
ہے اثر بزم پر کس کے فیضان کا۔ مرحبا مرحبا
گھر بسانے مری چشمِ ویران کا۔ مرحبا مرحبا
چاند نکلا حسنؓ کے شبستان کا۔ مرحبا مرحبا

○

سر کی زینت عمامہ ہے عرفان کا۔ مرحبا مرحبا
جُبّہ تن پر محمّد کے احسان کا۔ مرحبا مرحبا
رنگ آنکھوں میں زہراؓ کے فیضان کا۔ مرحبا مرحبا
رُوپ چہرے پہ آیاتِ قرآن کا۔ مرحبا مرحبا
سج کے بیٹھا ہے نوشاہ جیلان کا۔ مرحبا مرحبا

○

بزمِ کون و مکاں کو سجایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
سائباں رحمتوں کا لگایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
انبیا اولیا کو بُلایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
ابنِ زہراؓ کو دولھا بنایا گیا۔ آج صلِّ علیٰ
عُرس ہے آج محبوبِ سُبحان کا۔ مرحبا مرحبا

○

آسماں منزلت کس کا ایوان ہے ۔ واہ کیا شان ہے
آج خلقِ خدا کس کی مہمان ہے ۔ واہ کیا شان ہے
لَاتَخَفْ کس کا مشہور فرمان ہے ۔ واہ کیا شان ہے
بالیقیں وہ شہنشاہِ جیلان ہے ۔ واہ کیا شان ہے
حق دیا جس کو قدرت نے اعلان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

ہر طرف آج رحمت کی برسات ہے ۔ واہ کیا بات ہے
آج کھلنے پہ قفلِ مہمات ہے ۔ واہ کیا بات ہے
چار سُو جلوہ آرائی ذات ہے ۔ واہ کیا بات ہے
کوئی بھرنے پہ کشکولِ حاجات ہے ۔ واہ کیا بات ہے
جاگنے کو مقدر ہے انسان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

کوئی محوِ فغاں، کوئی خاموش ہے ۔ اب کسے ہوش ہے
سازِ مطرب کی نے نغمہ بردوش ہے ۔ اب کسے ہوش ہے
عقل حیرت کے پردے میں رُوپوش ہے ۔ اب کسے ہوش ہے
بزم کی بزم مستی در آغوش ہے ۔ اب کسے ہوش ہے
پی کے ساغر علیؓ کے خمستان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

کیا حسیں منظرِ جُود و اِکرام ہے ۔ دعوتِ عام ہے
اہلِ دل کی نظر مستی آشام ہے ۔ دعوتِ عام ہے
حشر تک مُدّتِ گردشِ جام ہے ۔ دعوتِ عام ہے
دستِ جبریلؑ مصروفِ اطعام ہے ۔ دعوتِ عام ہے
کھاؤ صدقہ علیؓ شاہِ مرداں کا ۔ مرحبا مرحبا

○

شمع توحید دل میں جلا کر پیو۔ دل لگا کر پیو
شاہِ بطحا کی خیرات پا کر پیو۔ دل لگا کر پیو
نغمہ کاسۃ وصل گا کر پیو۔ دل لگا کر پیو[1]
آنکھ مہرِ علی سے ملا کر پیو۔ دل لگا کر پیو
خود پلانے پہ ساقی ہے جیلان کا۔ مرحبا مرحبا

○

ہے عجب حسن کا بانکپن سامنے۔ اک چمن سامنے
اہلِ تطہیر ہیں خیمہ زن سامنے۔ پنجتن سامنے
ہے یہ روئے حسنؓ کی پھبن سامنے۔ یا حسنؓ سامنے
جلوہ فرما ہیں غوثِ زمن سامنے۔ ضوفگن سامنے
دیکھئے کیا بنے چشمِ حیران کا۔ مرحبا مرحبا

○

گلشنِ مصطفےٰ کی پھبن اور ہے۔ یہ چمن اور ہے
شاہِ ابرار کی انجمن اور ہے۔ یہ چمن اور ہے
بوئے گلدستۂ پنجتن اور ہے۔ یہ چمن اور ہے
شانِ آلِ حسینؓ و حسنؓ اور ہے۔ یہ چمن اور ہے
سرمدی رنگ ہے اِس گلستان کا۔ مرحبا مرحبا

○

فقر کی سلطنت طرفہ سامان ہے۔ رحمت ایوان ہے
اِس کے زیرِ نگیں قلبِ انسان ہے۔ عجز عنوان ہے
کس کا دستِ نظر کاسہ گردان ہے۔ عقل حیران ہے
اِک ولی زیبِ اورنگِ عرفان ہے۔ واہ کیا شان ہے
سر جھکے ہے یہاں میر و سلطان کا۔ مرحبا مرحبا

○

---

[1] قصیدہ غوثیہ کے مطلع سقانی الحب کاسات الوصال کی طرف اشارہ۔

ہر گھڑی مہرباں ذاتِ باری رہے ۔ فیض جاری رہے
خاک بوسی پہ بادِ بہاری رہے ۔ فیض جاری رہے
عالمِ کیف میں بزم ساری رہے ۔ فیض جاری رہے
بیخودی تیرے مستوں پہ طاری رہے ۔ فیض جاری رہے
مینہ برستا رہے تیرے احسان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

عرش اسرار تک جس کی پرواز ہے ۔ طُرفہ انداز ہے
علمِ لاہُوت کا حاصل اعزاز ہے ۔ طُرفہ انداز ہے
زہد و تقوٰی میں یکتا و مُمتاز ہے ۔ طُرفہ انداز ہے
آبروئے چمن قامتِ ناز ہے ۔ طُرفہ انداز ہے
پیر مہرِ علی قُطبِ دوران کا ۔ مرحبا مرحبا

○

گولڑے کی زمیں کتنی مسعود ہے ۔ خطّۂ جُود ہے
ابنِ مولا علیؓ جس میں موجود ہے ۔ خطّۂ جُود ہے
کیا حسیں منظرِ شانِ معبود ہے ۔ خطّۂ جُود ہے
ہر ایاز اس کا ہمدوشِ محمود ہے ۔ خطّۂ جُود ہے
اوج پایا ہے برجیس و کیوان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

تیرے دیوانے حاضر ہیں سرکار میں ۔ آج دربار میں
سر جھکائے جنابِ گُہر بار میں ۔ آج دربار میں
بن کے سائل تری بزمِ انوار میں ۔ آج دربار میں
یُوسفِ مصرِ دل تیرے بازار میں ۔ آج دربار میں
جشن ہے کیا دل افروز عرفان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

در بدر مفت کی ٹھوکریں کھائے کیوں ۔ ہاتھ پھیلائے کیوں
مانگنے کوئے اغیار میں جائے کیوں ۔ ہاتھ پھیلائے کیوں
اُس کے ناموسِ غیرت پہ حرف آئے کیوں ۔ ہاتھ پھیلائے کیوں
دل قناعت کی ضَو سے نہ چمکائے کیوں ۔ ہاتھ پھیلائے کیوں
جو نمک خوار ہو پیرِ پیران کا ۔ مرحبا مرحبا

○

شاہِ جیلاں رضؓ کی چوکھٹ سلامت رہے ۔ تا قیامت رہے
نقشِ پا کا چمن پُر کرامت رہے ۔ تا قیامت رہے
خلعتِ اجتبا زیبِ قامت رہے ۔ تا قیامت رہے
سر پہ ولیوں کا تاجِ امامت رہے ۔ تا قیامت رہے
سلسلہ غوثِ اعظم رضؓ کے فیضان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

وارثِ خاتمُ المرسلیں آپ ہیں ۔ بالیقیں آپ ہیں
قصرِ زہرا رضؓ کا نقشِ حسیں آپ ہیں ۔ بالیقیں آپ ہیں
دینِ برحق کے محی و معیں آپ ہیں ۔ بالیقیں آپ ہیں
بزمِ عرفاں کے مسند نشیں آپ ہیں ۔ بالیقیں آپ ہیں
ہر ولی طفل ہے اِس دبستان کا ۔ مرحبا مرحبا

○

مظہرِ ذاتِ ربِ قدیر آپ ہیں ۔ دستگیر آپ ہیں
کاروانِ کرم کے امیر آپ ہیں ۔ دستگیر آپ ہیں
شاہِ بغداد پیرانِ پیر آپ ہیں ۔ دستگیر آپ ہیں
اِس نصیرِ حزیں کے نصیر آپ ہیں ۔ دستگیر آپ ہیں
کوئی ہمسر نہیں آپ کی شان کا ۔ مرحبا مرحبا

# پنجابی

# حضرت سُلطان باہوؒ

(م ۱۶۹۱ء)

بے بغداد دی کیا نشانی: اُچیاں لمیاں چیڑاں ہُو
تن من میرا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لیراں ہُو
لیراں دی گل کفنی پاساں رلساں سنگ فقیراں ہُو
شہر بغداد دے ٹکڑے منگساں، کرساں میراں! میراں! ہُو

(کلام سُلطان باہُوؒ پنجابی)
مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد

# حضرت پیر وارث شاہؒ

(م ۱۷۹۸ء)

مدح پیر دی حُبّ دے نال کیجے، جیندے خادماں دے وچ پیریاں نی
باجھ ایس جناب دے بار ناہیں، لکھاں ڈھونڈدے پھرن فقیریاں نی
جہڑے پیر دی مہر منظور ہوتے۔ گھر تنہاندے پیریاں میریاں نی
روز حشر دے پیر دیاں طالباں نوں ہتھ سجڑے ملن گیاں چیریاں نی

(از پیر وارث شاہ، مرتبہ محمد شریف صابر)

# حضرت میاں محمدؒ بخش صاحبؒ

## (کھڑی شریف)

واہ وا میراں شاہ شہاں دا سیّد دوہیں جہانی — غوث الاعظمؓ پیر پیراں دا ہے محبوب ربانی

نانک دادک دوّتوں اُچا، سُچّا حسبوں نسبوں — نبیاں نالوں گھٹ نہ رہیا ہر صفتوں ہر وسبوں

آل نبیؐ، اولاد علیؓ دی صورت شکل اُنہاں دی — نام لیاں لکھ پاپ نہ رہندے، میل اندر دی جاندی

سے برساں دے موئے جوائے، سُکے نیر دگائے — کُھسّے رُوح فرشتیاں ہتھوں، لِکھے لیکھ مٹائے

غوثاں قطباں دے سر میراں قدم مبارک دھریا — جو دربار اُنہاں دے آیا، خالی بھانڈا بھریا

لکھاں خیر تساڈے لیندے بن منگے، بن لوڑے — دین دُنی سبھو کجھ تساندے کوئی نہ ٹھاکے، ہوڑے

چوراں نوں توں قطب بنایا، میں بھی چور اُچکاں — جس در جاواں دھکے کھاواں، اک تیرا در تکاں

عرض کراں شرمندہ تھیواں کیہ میں کراں گنہگارا — منہ میرا کد عرضاں لائق، ناقص عقل بے چارا

مت کوئی سخن اَن بھانا نکلے، عاجز منت مرواں — دھر دو قدم میرے سر حضرت! سدا شکھالا تھیواں

میں بے جانا، او گنہارا لائق نہیں جمالاں — تینوں سبھ توفیقاں حضرت! نیک کرو بد حالاں

مت کوئی گل اوّلی نکلے، رد ہو دیں اُس بابوں
بخشش منگ محمد بخشا بے پرواہ جنابوں

(سیف الملوک مرتبہ اقبال صلاح الدین)

# جناب پیر فضل گجراتیؒ

(سن وفات ۱۹۷۲ء)

ساقی بغداد کجھ ہووے عطا بغداد دی
اج سقانی الحب دے خم وچوں پلا بغداد دی

خیر تے ہے کیوں نہ ہووے ساری محفل نوں سرور
دور کاسات الوصال دا الگھٹ بغداد دی

ہر جگہ بغداد دے والی دا جاری تذکرہ
ہے شروع شیریں حکایت جابجا بغداد دی

گونجدی رہندی اے ہر تھاں شیئاً للہ دی صدا
وگدی ہردم رہندی اے جھوئے سخا بغداد دی

پہنچے ہوئے نیں چوہاں کوٹاں تے چارے سلسلے
پھیلدی رہندی اے ہر پاسے ضیا بغداد دی

چوراں دے وچ پیدا ہو جاندی اے ابدالاں دی شان
سوہنا اے ماحول، سوہنی اے فضا بغداد دی

فضل نالو نال ای آجائے گا ابر کرم
تیرے دل آونی اے جس ویلے ہوا بغداد دی

(از قطبی تارا)

# جناب دائم اقبال دائمؒ

(م ۱۹۸۴ء)

سوہنا پیر بغداد شریف والا محبوب غفار دا غوثِ اعظمؓ
ابو صالحؒ دا لختِ جگر نوری، لال حسنؓ سردار دا غوثِ اعظمؓ

وزنہ لیا سو بے پرواہیاں دا، محرم کل اسرار دا غوثِ اعظمؓ
غوث قطب ابدال تے ولی سارے ہر اک پیا پکار دا غوثِ اعظمؓ

بھور، بلبلاں، قمریاں کرن سجدے، مالی فقر گلزار دا غوثِ اعظمؓ
باراں سال دے ڈبیاں بیڑیاں نوں نال نظر دے تار دا غوثِ اعظمؓ

مُریدِی لاتخف دا بحر خنجر نعرے مار دنگار دا غوثِ اعظمؓ
لاثانی دا کوئی وکھا ثانی پھیرے عرش تے مار دا غوثِ اعظمؓ

اوسے وقت مُرید مُراد پاوے جس وقت چتار دا غوثِ اعظمؓ۔
محی الدّین عبدالقادر جیلانی ہے خطاب سرکار دا غوثِ اعظمؓ

شاہنشاہ درگاہ دا لاڈلا اے، ساقی مست خمار دا غوثِ اعظمؓ
دیوے جام تمام قلندراں نوں، محرم یار ستّار دا غوثِ اعظمؓ

خلق مہر دا مہر افروز روشن، گوہر یثربی ہار دا غوثِ اعظمؓ
مَیں بھی عاجزی عجز نیاز رکھی بخشو دان دیدار دا غوثِ اعظمؓ

کرو کرم گوار کمین اُتے منگت ہاں دربار دا غوثِ اعظمؓ!
کرے کرم رحیم کریم دائمؔ ویکھیں حال بیمار دا غوثِ اعظمؓ

(از سوہنی دائم دریا والی)

## جناب حفیظ تائب

اللہ اللہ مرتبا بغداد والے پیرؒ دا
دم بھرن سب اولیاء بغداد والے پیرؒ دا
چاہویں جے آسانیاں دنیا تے عقبیٰ والیاں
توں عمل مشغل بنا بغداد والے پیرؒ دا
تار دیوے بیڑیاں تے بدل دیوے قسمتاں
اک نظر بھر ویکھنا بغداد والے پیرؒ دا
آپ تینوں در تے سدّے، داد دیوے شوق دی
شوق توں اپنا ودھا بغداد والے پیرؒ دا
جگ دے سلطاناں نوں خاطر وچ لیوندا اے کدوں
جیہڑا ہو جاتے گدا بغداد والے پیرؒ دا
میں صدقڑے جاواں تائب اُس جنے دی عقل توں
جیہڑا شیدا ہو گیا بغداد والے پیرؒ دا

(از بک متراں دی، دُوجا ایڈیشن)

# سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی

## (مصنّفِ کتاب)

یاغوثِ اعظمؓ جیلانی! فیض ترا لاثانی
لَو دیون گے محشر توڑی نقش ترے نُورانی
تُوں پنج تن دے گھر دا چانن، تے شیخِ حقّانی
حضرت میراں عبدالقادر محبوبِ سُبحانی
حسبوں نسبوں سُچا سیّد، پھُل باغِ زہراؓ دا
صورت، سیرت حسنؓ حُسینؓ، بیٹا شیرِ خُدا دا
تُوں غوثاں قُطباں دا والی، ولیاں دا سرمایہ
نیکاں پاکاں دی وڈیائی، نبیاں دا ہمسایہ
تیرے دروازے تے آکے سبھ نے سیس نوایا
ناں تیرا ہر پیر نے جپیا، تینوں رب وَڈیایا
درس دِتا توحید دا جگ نُوں، کُفر تے شرک مٹایا
قرآنی تعلیم تے چل کے، سُنّت نوں اپنایا
حضرت میراںؓ! تیرے در تے مَیں ایہہ لکھیا پایا
اُس کھویا جو دُور کھلویا، اُس پایا جو آیا
ہر کارے را مَردے باشد، ہر مَردے را کارے
مُنکر پانی پانی ہوون، عاشق لین نظارے
کرن تجلی اہلِ ظاہر، آکھے ربّ تعالےٰ
مَیں جس نُوں جو چاہواں دیواں، مُنکر دا مُونہہ کالا
حشر دیہاڑے کم آوے گا ایہہ مضبُوط حوالا
حُبِّ نبیؐ تے مہرِ علیؓ دی تُوں بخشی جو مالا

تیری مہر عنایت ورنہ ئیں کوجھا کس کم دا
پاویں خیر غریب نوازا، کھولیں باب کرم دا
توں آقا توں صاحب سائیں، ئیں باندی آں دردی
توں تاجاں تے تختاں والا، ئیں گولی، ئیں بردی
سو سو واریں تھیواں صدقے، لکھ لکھ واری، واری
اِس محبوبی شان تری توں خلقت ہے بلہاری
یکسر محو دلاں تھیں ہوئی حسرت باغ اِرم دی
لے آئی در تیرے شاہا کچھ کے آس کرم دی
ساڈوں وچ فقیری بچدے کپڑے ساوے سُوہے
جیلانی رنگ ازلوں ملیا، کیوں جاتیے ہر بُوہے
خالی در توں موڑ نہ سخیا، دے خیرات حُسن دی
بے شک تیرے ہتھ پھڑائی، رب نے واگ زمن دی
نانا تیرا پاک محمدؐ، مالک بحر تے بر دا
دادا تیرا حیدر، فاتح بدر اَتے خیبر دا
خُلق نبی سرورؐ دا تیری رگ رگ وچ سمایا
بُریاں نال کریمی کیتی، مندیاں نوں گل لایا
حضرت میراںؒ! تیرے دَر دا ہے دستور نرالا
ہر کوئی پاوے فیض برابر کیہ ادنیٰ، کیہ اعلےٰ
تیرا بحر عنایت جس دم موج اپنی تے آوے
ہر قطرے نوں بحر بناوے، ہر ذرہ رشناوے
ساڈی اے سرورتی کوئی منّے یا نہ منّے
غم دے شوہ وچوں توں لاویں پل وچ بیڑا بنّے
بخشیں دین ایمان تحفظ، عزت تے خوشحالی
سخیا تیرے در تے آکے مانگت مُڑے نہ خالی

اسیں وچارے کرماں مارے، توں کرماں والی
اسیں کنگال، غریب نمانے، تیریاں شاناں عالی
اسیں اینے، کوجھے، کملے، توں سلطان حُسن دا
لج پالا! لج پالیں ساڈی، توں لج پال زمن دا
توں لج پال پریتاں والا، اسیں غریب نمانے
جے نہ جانیں توں لج پالا، سانوں کون سیہانے
توں کنعانِ فقر دا یوسف، اسیں قدیمی بردے
سخیاں دے گھر تھوڑ نہ کائی نظر کرم دی کردے
خیر نصیر نوں پادیں آقا! پُر کر دیویں کاسہ
تیرے ایس غلام دے تائیں ہور نہ کوئی پاسہ

(فیضِ نسبت)

متن کتاب کے لیے جن کتابوں کو بطورِ حوالہ پیش کیا گیا اُن کی تعداد ۳۲۶ ہے۔ حضرت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے نسب اور کمالات کے بارے میں اُمّتِ مُسلمہ کے جن مُستند محققین کی تصنیفات کے اسماء یہاں بطورِ ثبوت درج کیے گئے اُن کی تعداد ۲۱۱ ہے۔ اِس کے علاوہ اِنہیں اکابر کی دیگر تصنیفات جو مشمولہ کتابیات ہیں، اُن کی تعداد ۲۶۴ ہے۔ یوں اِن تمام کتب کی مجموعی تعداد ۸۰۱ بنتی ہے۔ واضح ہو کہ اِن میں غیر مُسلم مصنّفین کی دو کتابیں بھی شامل ہیں۔

# کتابیات

# کتابیات


ا

| نمبر | کتاب | نمبر | کتاب |
|---|---|---|---|
| ۱ | احیاء العلوم | ۲۰ | الاصابہ فی تمییز الصحابہ |
| ۲ | الصواعق المحرقہ | ۲۱ | I am ok. You are ok. |
| ۳ | اختلافِ اُمت کا المیہ | ۲۲ | اشارات |
| ۴ | اقبال کے محبوب صوفیا | ۲۳ | التبیان |
| ۵ | اخبار الاخیار | ۲۴ | الفتح الربانی والفیض الرحمانی |
| ۶ | الدر المختار | ۲۵ | الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القادریہ |
| ۷ | اسعاف الراغبین | ۲۶ | الرسالۃ الغوثیہ |
| ۸ | اقتباس الانوار | ۲۷ | الکبریت الاحمر فی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم |
| ۹ | اُردو انسائیکلوپیڈیا | ۲۸ | آداب السلوک والتوصل الی منازل ملک الملوک |
| ۱۰ | اشعۃ اللمعات | ۲۹ | المفردات فی غریب القرآن |
| ۱۱ | انوارِ مدینہ (ماہنامہ) | ۳۰ | الشیخ عبدالقادر الکیلانی حیاتہ وآثارہ |
| ۱۲ | آغوشِ حیرت | ۳۱ | ابوداؤد |
| ۱۳ | اصولِ کافی | ۳۲ | الاحتجاج للطبرسی |
| ۱۴ | الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب | ۳۳ | الروضۃ من الکافی |
| ۱۵ | انیس القادریہ | ۳۴ | البدایہ والنہایہ |
| ۱۶ | الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء اللہ | ۳۵ | المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم |
| ۱۷ | آتش کدۂ آذر | ۳۶ | ابن عساکر |
| ۱۸ | الزجر للمتعصب العنید المانع عن ذکر یزید | ۳۷ | اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ |
| ۱۹ | اعجاز المسیح | ۳۸ | الدرر السنیہ فی مواعظ الجیلانیہ |
| | | ۳۹ | النجوم الظاہرہ |
| | | ۴۰ | اعجازِ نوح |

۴۱ المختصر فی تاریخ شیخ عبد القادر الکیلانی
۴۲ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اُھلّ بہ لغیر اللہ
۴۳ امام ابو حنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال
۴۴ انوارِ اولیاء
۴۵ اسرار السالکین
۴۶ الدولۃ المکیہ
۴۷ انفاس العارفین
۴۸ الطراز المذھب
۴۹ الزمزمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ
۵۰ الجواھر المضیئہ شرح القصیدۃ الغوثیہ
۵۱ العصیدۃ الیوسفیہ شرحِ قصیدۂ غوثیہ
۵۲ ابنِ ماجہ
۵۳ السبع المعلقات
۵۴ انفاسِ رحیمیہ
۵۵ العبقات

ب

۵۶ بحر الرائق
۵۷ بالِ جبریل
۵۸ بہارِ شریعت
۵۹ بخاری شریف
۶۰ بہجۃ الاسرار
۶۱ بیہقی
۶۲ بہجۃ الابرار
۶۳ بشائر الخیرات
۶۴ بابا فرید الدین مسعود (انگلش)
۶۵ برِ صغیرِ پاک و ہند میں علمِ فقہ
۶۶ بُستان المحدثین
۶۷ بیان الاسرار (عربی)
۶۸ بحر الفصاحت

پ

۶۹ پیمانِ شب

ت

۷۰ تاریخ الکامل (ابنِ اثیر)
۷۱ تاریخ علامہ ابی الفدا
۷۲ تصفیہ ما بین سُنّی و شیعہ
۷۳ تحقیق الحق
۷۴ تذکرۂ کرمی
۷۵ تاریخ مشائخ چشت
۷۶ تحقیقِ سیّد و سادات
۷۷ تفسیر ضیاء القرآن
۷۸ تفسیرِ بیضاوی
۷۹ تفسیرِ ابنِ کثیر
۸۰ تفسیرِ کبیر
۸۱ تاریخ امروہہ
۸۲ تحقیق الانساب
۸۳ تذکرۃ الکرام
۸۴ تفسیرِ مظہری

۸۵ تاریخ ابنِ کثیر
۸۶ تذکرۃ الاولیاء
۸۷ تاریخ خمیس
۸۸ تاریخ الخلفاء
۸۹ تحف العقول
۹۰ تفسیر جلالین
۹۱ ترمذی شریف
۹۲ تذکرہ محدث سورتی ؒ
۹۳ تحفۃ المتقین و سبیل العارفین
۹۴ تہذیب التہذیب
۹۵ توراۃ
۹۶ تفسیر روح البیان
۹۷ تاریخ طبری
۹۸ تاریخ دعوت و عزیمت
۹۹ تحفہ اثنا عشریہ
۱۰۰ تحفہ قادریہ
۱۰۱ تفسیر الصاوی
۱۰۲ تفسیر قمی
۱۰۳ تفسیر منہج الصادقین
۱۰۴ تفسیر حسینی
۱۰۵ تصوف کی حقیقت
۱۰۶ تفریح الخاطر
۱۰۷ تحفہ حنفیہ
۱۰۸ تاریخ العراق بین احتلالین
۱۰۹ تفہیماتِ الٰہیہ
۱۱۰ تفسیرِ مجمع البیان

## ج ، چ

۱۱۱ جاوید نامہ
۱۱۲ جواہرِ فریدی
۱۱۳ جامع صغیر
۱۱۴ چودہ ستارے
۱۱۵ جلاء العیون
۱۱۶ جامع مسند
۱۱۷ جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر
۱۱۸ جذباتِ حبیبیہ
۱۱۹ جانِ جہاں

## ح

۱۲۰ حمد اللہ
۱۲۱ حاشیہ جمل (بر جلالین شریف)
۱۲۲ حیاۃ الحیوان
۱۲۳ حق الیقین
۱۲۴ حیات القلوب
۱۲۵ حزب الرجاء والانتہا
۱۲۶ حدائقِ بخشش
۱۲۷ حدائق البلاغت
۱۲۸ حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ
۱۲۹ حصنِ حصین

۱۳۰ حسن المحاضرہ فی اخبار المصر و القاہرہ
۱۳۱ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ
۱۳۲ حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین

خ

۱۳۳ خزینۃ الاصفیاء
۱۳۴ خلافتِ معاویہ و یزید
۱۳۵ خواجہ غریب نوازؒ
۱۳۶ خلافت و ملوکیت
۱۳۷ خوارق الاحباب فی معرفتِ الاقطاب

د

۱۳۸ دُرِ مختار
۱۳۹ درایۃ الزمان
۱۴۰ دارمی
۱۴۱ دیوانِ کامل امیر خسروؒ
۱۴۲ دیوانِ حافظؒ
۱۴۳ دارقطنی
۱۴۴ دیوانِ کامل جامیؒ
۱۴۵ دُرّ الدارین
۱۴۶ دیوانِ گرامی
۱۴۷ دیوانِ معین
۱۴۸ دیں ہمہ اوست

ر

۱۴۹ رُوح المعانی
۱۵۰ رنگِ اشک
۱۵۱ راہ و رسم منزل ہا
۱۵۲ ردّ الرافضہ
۱۵۳ ردّ المحتار
۱۵۴ ریاض الرضوان
۱۵۵ رشفۃ الصادی من بحرِ فضائل النبی الہادی
۱۵۶ رُوحِ مکاتیبِ اقبال
۱۵۷ رسالہ مُرجیہ
۱۵۸ رُوحِ بیدل
۱۵۹ رسالہ موسیقی
۱۶۰ رسالۃ الاسرار
۱۶۱ رموزِ خمریہ
۱۶۲ روضۃ النواظر

ز

۱۶۳ زینبیہ (الرسالہ)
۱۶۴ زُبدۃ الآثار

س

۱۶۵ سِک متراں دی
۱۶۶ سیر الاولیاء
۱۶۷ سیف الملوک
۱۶۸ سِرّ الشہادتین
۱۶۹ سیفِ چشتیائی
۱۷۰ سُنَنِ ابوداؤد

١٧١ سلسلۃ الذہب
١٧٢ سر الاسرار ومظہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار
١٧٣ سفینۃ الاولیاء
١٧٤ سیادتِ فریدی
١٧٥ سیرتِ محبوب
١٧٦ سوہنی دائم دریا والی

## ش

١٧٧ شامی
١٧٨ شمائلِ ترمذی
١٧٩ شمس الہدایت فی اثباتِ حیات المسیح
١٨٠ شہیدِ کربلا اور یزید
١٨١ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب
١٨٢ شجرۃ الاولیاء
١٨٣ شرح عقائد
١٨٤ شرح فقہِ اکبر
١٨٥ شرح کلمات الشیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ
١٨٦ شرح نبراس
١٨٧ شواہد النبوۃ
١٨٨ شعب الایمان (بیہقی)
١٨٩ شرح فتوح الغیب
١٩٠ شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی) از [illegible]
١٩١ شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی) از [illegible]
١٩٢ شرح قصیدہ غوثیہ از [illegible] شیرازی
١٩٣ شرح قصیدہ غوثیہ از [illegible]
١٩٤ شرح مشکوٰۃ طیبی
١٩٥ شرح قصیدہ غوثیہ (اُردو) از مولانا وکیل احمد سکندر پوری
١٩٦ شرح معانی الآثار

## ص

١٩٧ صراح
١٩٨ صُوفی (رسالہ)
١٩٩ صلۂ آخرت

## ض

٢٠٠ ضربِ کلیم

## ط

٢٠١ طبقات
٢٠٢ طبقات المقربین

## ع

٢٠٣ عمدۃ الطالب
٢٠٤ عوارف المعارف
٢٠٥ عمدۃ القاری

## غ

٢٠٦ غنیۃ الطالبین
٢٠٧ غیاث اللغات
٢٠٨ غمز العیون

## ف

۲۰۹ فتوحاتِ مکیہ
۲۱۰ فیروز اللغات
۲۱۱ فتاوٰی عالمگیری
۲۱۲ فتوحُ الغیب
۲۱۳ فتاوٰی قاضی خان
۲۱۴ فتاوٰی مہریہ
۲۱۵ فتح الباری
۲۱۶ فخر الحسن
۲۱۷ فیضِ بیدل
۲۱۸ فیضِ نسبت
۲۱۹ فاطمی دعوتِ اسلام
۲۲۰ فرہنگِ آصفیہ
۲۲۱ فتح المبین
۲۲۲ فتاوٰی عزیزی
۲۲۳ فرہنگِ آنندراج
۲۲۴ فوز المطالب
۲۲۵ فیض الباری
۲۲۶ فتح القدیر
۲۲۷ فیصلہ ہفت مسئلہ
۲۲۸ فوائدِ بُرہانیہ
۲۲۹ فتاوٰی غیاثیہ
۲۳۰ فتاوٰی حمّادیہ

## ق

۲۳۱ قاموس (عربی لغت)
۲۳۲ قاضی مُبارک
۲۳۳ قرآنِ مجید
۲۳۴ قسطلانی
۲۳۵ قلائد الجواہر
۲۳۶ قطبی تارا

## ك

۲۳۷ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ
۲۳۸ کتاب المروانیّہ
۲۳۹ کشف الظنون
۲۴۰ کشف الاسرار
۲۴۱ کلیاتِ جامی
۲۴۲ کلام الاولیاء فی شانِ سُلطان الاولیاء
۲۴۳ کلیاتِ حسرت
۲۴۴ کلامِ سُلطان باہُوؒ (پنجابی)
۲۴۵ کلیاتِ خمسہ (نظامی گنجویؒ)
۲۴۶ کفایہ
۲۴۷ کتاب الجبقات

## گ

۲۴۸ گفتارِ بیخود
۲۴۹ گلستانِ سعدیؒ
۲۵۰ گنج الاسرار

## ل

۲۵۱ لِسان العرب

| | |
|---|---|
| ۲۵۲ | لطائف المنن |
| ۲۵۳ | لمعات التنقیح |
| ۲۵۴ | لطائف الطوائف |
| ۲۵۵ | لوامع القرآن |
| ۲۵۶ | لطائف الغرائب |

م

| | |
|---|---|
| ۲۵۷ | مشکوٰۃ شریف |
| ۲۵۸ | مہرِ منیر |
| ۲۵۹ | ملفوظاتِ مہریہ |
| ۲۶۰ | منجد (عربی لغت) |
| ۲۶۱ | مثنوی مسافر |
| ۲۶۲ | مسلم شریف |
| ۲۶۳ | محیط |
| ۲۶۴ | مکاتیبِ اقبال |
| ۲۶۵ | مناقب المحبوبین |
| ۲۶۶ | مختصر المعانی |
| ۲۶۷ | مشارق الانوار |
| ۲۶۸ | مراۃ العرفان |
| ۲۶۹ | مثنوی لیلیٰ مجنوں |
| ۲۷۰ | موارد المصادر |
| ۲۷۱ | مرقاۃ |
| ۲۷۲ | معین الشعراء |
| ۲۷۳ | معارج النبوۃ |
| ۲۷۴ | مسندِ احمد |
| ۲۷۵ | مخازن النسب |
| ۲۷۶ | مسندِ ابویعلیٰ |
| ۲۷۷ | مستدرک |
| ۲۷۸ | مؤطائے امام مالکؒ |
| ۲۷۹ | منہاج السنۃ |
| ۲۸۰ | مظہرِ جمالِ مصطفائی |
| ۲۸۱ | محامدِ خاتم النبیین |
| ۲۸۲ | مہتابِ داغ |
| ۲۸۳ | مساجدِ بغداد |
| ۲۸۴ | مراۃ البلدانِ ناصری |
| ۲۸۵ | مخزن الاسرار |
| ۲۸۶ | مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانیؒ |
| ۲۸۷ | مناقبِ سلطانی |
| ۲۸۸ | ملفوظاتِ باقیہ |
| ۲۸۹ | مکاشفاتِ غیبیہ |
| ۲۹۰ | مکتوبِ مدنی |
| ۲۹۱ | مجمع بحار الانوار |
| ۲۹۲ | مفصّل (زمخشری) |
| ۲۹۳ | میزان (امام ذہبیؒ) |
| ۲۹۴ | مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّۃ (عربی) |
| ۲۹۵ | ملفوظاتِ عزیزی |
| ۲۹۶ | محک الفقراء کلاں |
| ۲۹۷ | مثنوی مولانا رومؒ |
| ۲۹۸ | مقالاتِ احسانی |
| ۲۹۹ | مراۃ شرحِ مشکوٰۃ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۳۰۰ | مُروج الذہب | ۳۱۵ | نُور اللغات |
| ۳۰۱ | محدّثینِ عظام اور اُن کے علمی کارنامے | ۳۱۶ | نکات الاسرار |
| ۳۰۲ | مُعجم البُلدان | ۳۱۷ | نُزہۃ الخاطر |
| ۳۰۳ | مناقبِ غوثیہ | | **و** |
| ۳۰۴ | مراتب الوجُود | ۳۱۸ | وجود وشہود |
| ۳۰۵ | معراجِ لطیف المعانی | ۳۱۹ | ولایتِ فقیہ (فارسی) |
| ۳۰۶ | مِائۃ عَامِل | | **ھ** |
| | **ن** | ۳۲۰ | ہدایہ |
| ۳۰۷ | نُورِ ایمان | ۳۲۱ | ہزار ویک حدیث |
| ۳۰۸ | نقوش | ۳۲۲ | ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین |
| ۳۰۹ | نُور الابصار | ۳۲۳ | ہمعات |
| ۳۱۰ | نَہجُ البلاغۃ (عربی) | ۳۲۴ | ہیر وارث شاہ |
| ۳۱۱ | نبراس | | **ی** |
| ۳۱۲ | نَسائی | | |
| ۳۱۳ | نیرنگِ عشق: مثنوی | ۳۲۵ | یواقیت الحکم |
| ۳۱۴ | نفحاتُ الاُنس | ۳۲۶ | ینابیع المودّۃ |

# حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ

# کے عظیم سیرت نگار

# اور اُن کی

# معرُوف تخلیقات

# حضرت غوثِ پاکؓ کے عظیم سیرت نگار اور اُن کی دُوسری معروف تخلیقات

درج ذیل جلیل القدر اکابر علماء و محدثین اور مشائخ وقت نے آپؓ کی سیرت، نسب اور کمالات پر مستقل تصانیف چھوڑیں۔ سیرتِ نبویہ کے بعد کسی شخصیت پر اتنے اکابر نے مستقل کتابیں نہیں لکھیں۔ یہ وُہ شخصیات ہیں جن کے حوالوں کے بغیر تاریخ ایک قدم آگے نہیں چل سکتی بلاشبہ محولہ ذیل شخصیات کی معرکۃ الآرا تصانیف ہمارے ماضی کا سرمایہ ہیں اور ہر دور کے ہر مکتبۂ فکر نے ان کے حوالوں کا سہارا لیا۔ چنانچہ آپ کو ہر مکتبۂ فکر کی تصانیف میں اِن کی کتابوں کے حوالہ جات جابجا ملیں گے جو اِن کی ثقاہت اور اِن کے مستند ہونے پر شاہد ہیں۔ وثوقِ مزید کے لئے ہم اُن کتب کے نام بھی درج کریں گے، جن میں آپؓ کی سیرت، نسب اور کمالات پر لکھی جانے والی تصنیفات کا تذکرہ ہے۔

(نوٹ) جب ہم کشف الظنون سے درج ذیل کتب کا حوالہ دیں گے تو (ك) لکھیں گے۔ اور جب ذیل کشف الظنون کا حوالہ دیں گے تو (ذك) لکھیں گے، اور اگر کسی دوسری کتاب میں اِن کا تذکرہ ہوگا تو اُس کتاب کا نام بھی تحریر کیا جائے گا۔ اِس کے ساتھ ساتھ جہاں تک ہو سکا ہم نے مصنفین کے سنینِ وفات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش بھی کی ہے۔

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱ | الروض الزاهر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ك) | حضرت امام احمد قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) | (۱) ارشاد الساری فی شرح الجامع الصحیح للبخاری (۲) المواهب اللدنیه (۳) منهاج الابتهاج لشرح الجامع الصحیح لمسلم بن حجاج (۴) العقود السنیة فی شرح مقدمة الجزریة فی القراٰت |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | | (۵) فتح الدانی شرح حرز الامانی للشاطبی |
| ۲ | غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبد القادرؓ (ذ ك) | حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) | (۱) فتح الباری شرح صحیح بخاری<br>(۲) الاصابه فی تمییز الصحابه<br>(۳) لسان المیزان<br>(۴) التلخیص الحبیر<br>(۵) شرح نخبة الفکر |
| ۳ | اسنی المفاخر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ك)<br>خلاصة المفاخر فی اخبار الشیخ عبد القادرؓ (ك) | حضرت امام عفیف الدین عبداللہ الیافعی الشافعیؒ (م ۷۶۸ھ) | (۱) انوار الاشعه فی اسرار الفاتحه<br>(۲) روض الریاحین فی حکایات الصالحین<br>(۳) نفحات الازهار و لمعات الانوار<br>(۴) اطراف التواریخ |
| ۴ | نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة الشیخ عبد القادرؓ بحوالہ (مقالہ علامہ سامرائی یونس ابراهیم العراقی) | حضرت ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) | (۱) مرقاة شرح مشکوٰة<br>(۲) الموضوعات الکبیر<br>(۳) شرح الشفا للقاضی عیاضؒ<br>(۴) شرح کتاب المناسك<br>(۵) شرح رسالهٔ قشیریه |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | | (۶) شرح جامع صغیر للسیوطی<br>(۷) شرح حزب البحر |
| ۵ | روضۃُ النّاظر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادرؓ (ک) | امام مجد الدین فیروز آبادیؒ (م ۸۱۷ھ) | (۱) القاموس فی اللُّغۃ<br>(۲) تنویر المقباس فی تفسیرِ ابنِ عبّاسؓ<br>(۳) تسهیلُ طریقِ الوصول الیٰ الاحادیثِ الزّائدۃِ علیٰ جامعِ الاصول<br>(۴) بُغیۃُ الرّشاف من خطبۃِ الکشاف<br>(۵) شرح قصیدۃُ بانت سُعاد<br>(۶) تحبیر الموشّین فی التّعبیر بالسّین والشّین<br>(۷) الرّوض المسلوف فیما له اسمان إلیٰ اُلوف<br>(۸) الدُّرر المبثّثۃ فی الغُرر المثلّثۃ<br>(۹) أنواءِ الغیث فی اسماءِ اللّیث<br>(۱۰) الجلیس الأنیس فی اسماء الخندریس<br>(۱۱) مقصود ذوی الألباب فی علمِ الاعراب |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | امام مجد الدین فیروز آبادیؒ (م ۸۱۷ ھ) | (۱۲) اسماء السّراح فی اسماء النّکاح<br>(۱۳) بصائر ذوی التّمییز فی لطائف الکتاب العزیز<br>(۱۴) حاصل کورة الخلاص فی فضائل سورة الاخلاص<br>(۱۵) المرقاة الوفیّة فی طبقات الحنفیّه<br>(۱۶) المرقاة الارفعیّه فی طبقات الشّافعیّة<br>(۱۷) البُلغة فی تراجم أئمّة النّحاة واللّغة<br>(۱۸) نزهة الأذهان فی تاریخ اصبهان<br>(۱۹) شوارق الأسرار العلیّة فی شرح مشارق الأنوار النّبویّة<br>(۲۰) منح الباری بالسّیل الفسیح الجاری فی شرح صحیح البخاری<br>(۲۱) الدّر الغالی فی الأحادیث العوالی<br>(۲۲) الصّلاتُ والبشر فی الصّلاة علی خیر البشر |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | امام مجد الدین فیروز آبادیؒ<br>(م ۸۱۷ھ) | (۲۳) عدۃ الحکام فی شرح عمدۃ الأحکام<br>(۲۴) الاسعاد بالاصعاد إلیٰ درجۃ الاجتہاد<br>(۲۵) سفر السّعادۃ |
| ۶ | بھجۃُ الاسرار<br>(ك) | حضرت علامہ نُور الدین شطنوفیؒ<br>(م ۷۱۳ھ)<br>(نوٹ) موصوف کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور تصنیف (حُسنُ المحاضرہ فی احوالِ المصر والقاہرہ) میں (الامام الاوحد) کے لقب سے یاد کیا اور مشہور امام علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے انہیں ثقہ کہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (الدولۃ المکیّۃ) مصنّفہ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ | |
| ۷ | قلائدُ الجواھر فی مناقب الشیخ عبد القادرؒ<br>(ك)<br>و نشمۃُ الفاخر فی ذیل علی قلائد الجواھر<br>(ذ - ك) | حضرت الشیخ محمد بن یحییٰ التادفی الحنبلیؒ (م ۹۶۳ھ) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۸ | زُبدۃُ الآثار فی مناقب غوثِ الابرار (ذ۔ ک) | حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) | (۱) اَشِعَّۃُ اللّمعات شرح مشکوٰۃ شریف (فارسی) (۲) لمعاتُ التّنقیح شرح مشکوٰۃُ المصابیح (۳) مدارجُ النّبوۃ (۴) اخبار الاخیار (۵) جذبُ القلوب الیٰ دیارِ المحبوب (۶) شرح سِفر السّعادۃ (۷) شرح فُتُوحُ الغیب (فارسی) |
| ۹ | کوکبُ المبانی وموکبُ المعانی شرح صلوٰت سیّدی عبدالقادر الجیلانیؓ (ذ۔ ک) | حضرت علامہ عبدالغنی النّابلسیؒ (م ۱۱۴۳ھ) (نوٹ) آپ مشہور فقیہ حضرت علامہ ابنِ عابدین شامیؒ کے اُستاد ہیں۔ آپ نے ایک قصیدۂ مدحیہ میں بھی حضرت غوثِ پاکؓ کے نسب کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے ۔<br>انت الّذی قد اُسّست لک نسبۃٌ<br>فی آلِ بیتِ المصطفیٰ العدنانِ<br>(ترجمہ) آپ وہ ہیں کہ قُدرت نے آپ کی نسبتِ نسب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے مضبوط فرمادی | (۱) ایضاح الدّلالات فی سماع الآلات (۲) تحریر الحاوی بشرح تفسیر البیضاوی (۳) شرح دیوان ابن الفارض (۴) ابانۃُ النّص فی مسئلۃِ القصّ (۵) ایضاح المقصود فی معنیٰ وحدۃ الوجود |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۰ | بهجة الابرار (ذ ك) | شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدّین ابوحفص عُمر بن محمد السّہروردیؒ (م ۶۳۲ھ) | عوارفُ المعارف (عربی) |
| ۱۱ | نُزهةُ النّاظر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ (ذ ك) | حضرت الشّیخ عبداللّطیف بن ابی طاہر احمد بن محمد ہبۃُ اللہ الہاشمی البغدادیؒ (م ۶۱۵ھ) (نوٹ) موصوف صاحبِ بہجۃُ الاسرار کے مشائخ سے ہیں۔ | (۱) الدّلیل فی الطریق من اقاویل اهل التّحقيق (یہ موصوف کی مشہور و مستند تصنیف ہے) |
| ۱۲ | الباهر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ (ذ ك) | حضرت امام ابنِ عدل حسین بن عبدالرحمٰن الیمنی الشّافعیؒ (م ۸۵۵ھ) | (۱) الاشارةُ الوجيزة الے المعانی العزیزة (۲) الحُجَجُ الدّامِغَه (۳) الرّسائلُ المرضیّه (۴) التّنبيهات علی التّحرّز فی الرّوايات (۵) اللّمعةُ المُقنِعَه (۶) عقدالمنسوخ فی الحديث (۷) الكفايه فی تحصينِ الرّوايه |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۳ | نفحاتُ الرّبانیّہ فی مقاماتِ الجیلانیّہ بحوالہ مُحَجّۃُ البیضاء مصنفہ علامہ مُریدِ محی الدین پشاوریؒ | حضرت العلامہ الشیخ سیّدی عبدالکریم الجیلیؒ (م ۸۲۰ھ) | (۱) الانسانُ الکامل<br>(۲) شرح مشکلات الفتوحات المکیّہ وفتح ابوابِ المغلقات من العلوم اللّدنیّہ<br>(۳) الدُّرّۃُ العینیّہ فی الشواہدِ الغَیبیّہ |
| ۱۴ | الشّرف الباھر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ (ك) | حضرت امام قطب الدین موسٰے البعلبکی الحنبلیؒ (م ۷۳۶ھ) | (۱) الذّیل علی مِراۃِ الزّمان فی تاریخ الاعیان |
| ۱۵ | دُرَرُ الجواھر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ (ك) | حضرت امام سراج الدین عُمر ابنُ الملقّن الانصاری الشّافعیؒ (م ۸۰۴ھ) | (۱) شرح الالفیہ لابنِ مالک فی النحو<br>(۲) شرح الحاوی الصّغیر للقزوینی فی الفروع<br>(۳) شرح منہاج الوصول للبیضاوی<br>(۴) تاریخ الدّولۃِ التّرکیہ<br>(۵) نُزہَۃُ العارفین من تواریخِ المتقلِ مین |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱۶ | الجنی الدانی فی مناقبِ الشیخ عبد القادر الجیلانیؒ (ذ ك) | حضرت علامہ برزنجی جعفر بن الحسین مفتی الشافعیہؒ (م ۱۱۷۷ھ) | (۱) الطوالع الاسعدیہ من المطالع المشرقیہ (۲) جالیۃ الکرب باسماءِ سید العجم والعرب (۳) الشقائق الاترجیہ فی مناقبِ الاشرافِ البرزنجیہ (۴) الفیض اللطیف باجابۃِ نائبِ الشرع الشریف |
| ۱۷ | انوار الناظر فی مناقبِ الشیخ عبد القادرؒ (ذ ك) | حضرت العلامہ مفتی العراق الشیخ ابوبکر عبد اللہ بن نصر بن حمزۃ البکری البغدادیؒ۔ (نوٹ) آپ کی وفات چھٹی صدی میں ہوئی اور آپ حضرت غوثِ پاک قدس سرہٗ کے اصحاب سے ہیں نیز موصوف آپ کے سب سے پہلے سیرت نگار ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ (السیف الربانی فی عنق المعترض علی الغوث الجیلانی مصنفہ ابن عزوز التونسیؒ) | |
| ۱۸ | جلاء الخاطر من کلام الشیخ عبد القادرؒ | حضرت سید عبد الرزاق تاج الدین الحنبلی القادری بن الغوث الاعظم قدس سرہٗ (م ۵۹۵ھ) | الاربعین عن اربعین شیخاً فی الحدیث بھی آپ کی تالیف ہے۔ (بحوالہ ہدیۃ العارفین) |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۹ | شرح کلمات الشّیخ عبدالقادر الکیلانیؒ من فتوح الغیب (سنِ طباعت ۱۹۸۷ء مطبوعہ مکتبۃ المثنّٰی بغداد) | حضرت شیخ ابنِ تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) | |
| ۲۰ | جُھدُ المُقِلّ القاصر فی نُصرۃِ الشّیخ سیّدی عبدالقادرؒ (ذ ك) | حضرت الشّیخ ابوعبداللہ محمد ابنِ احمد المساویؒ م ۱۱۳۶ھ) | (۱) کتاب لاستنابه فی امامۃِ الصّلوٰۃ (۲) صرفُ الھِمّہ الیٰ شرحِ الذِّمّہ (۳) نتیجۃُ التّحقیق فی بعضِ اھلِ النّسبِ الوثیق |
| ۲۱ | الطرازُ المُذَھّبُ فی شرح قصیدۃ مدحِ البازِ الاشھب۔ (ذ ك) | خاتم المفسّرین مرجع اہل العراق ومفتی بغداد العلّامہ ابی الفضل شہاب الدّین السیّد محمود الآلوسی البغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ) | (۱) تفسیر رُوح المعانی (۲) التّبیان شرح البرھان فی اطاعۃِ السُّلطان (۳) نظم دُرّۃ الغوّاص فی قلائدِ عرائسِ المناص (۴) حواشی علیٰ عبدالحکیم حاشیہ شمسیّہ |
| ۲۲ | النّفحۃُ العلیّہ فی الطّریقۃ القادریّۃ (ذ ك) | حضرت الشّیخ عبدالرّحمٰن وجیہ الدّین العیدروسی الیمنی العلویؒ (م ۱۱۹۲ھ) | (۱) لطائف الجُود فی مَسئلۃِ وحدۃ الوجود (۲) قطفُ الزّھر من روض |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| | | | المقولاتِ العشر<br>(۳) عقدُ الجواھر فی فضلِ آلِ بیتِ النبیِ الطاھر<br>(۴) تشنیف الاسماع ببعضِ اسرارِ السماع |
| ۲۳ | العرفُ العاطر فیمن بفاس من ابناءِ الشیخ عبدالقادرؒ (ذ ک) | حضرت شیخ عبدالسلام بن الطیب الفاسی الشریف ابی محمد المالکی القادریؒ (م ۱۱۱۰ھ) | (۱) الاشراف علی نسب الاقطاب الاربعۃِ الاشراف<br>(۲) الاحکام المعروف باحکام الظروف<br>(۳) رجاء الاجابہ بالبدریین من الصحابہ<br>(۴) تفسیرِ سورۂ اخلاص |
| ۲۴ | نزھۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادرؒ (بحوالہ حجۃ البیضاء) | حضرت امام زرقانی محمد بن عبدالباقیؒ (م ۱۱۲۲ھ) | (۱) شرح موطا امام مالکؒ<br>(۲) شرح مواھب اللدنیہ<br>(۳) مختصر المقاصد الحسنۃ للسخاوی |
| ۲۵ | تحذیر المنکر للقدرۃ للعاندِ القادر المعترض علی کلام سیدی الشیخ عبدالقادرؒ | حضرت علامہ احمد بن ابی بکر الحموی الحنبلی القادریؒ (م ۸۴۱ھ) (بحوالہ ہدیۃ العارفین) | (۱) تحفۃ العابد فی فضل بناء المساجد<br>(۲) تنبیہ الغافلین |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | | (۳) کشف السترعن مسئلۃ الروح وکیف تصعد وتنزل و تغدو وتروح |
| ۲۶ | تحفۂ قادریہ بحوالہ حیاتِ شیخ عبدالحق دہلویؒ مصنفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و بحوالہ الزمزمۃ القمریہ، از فاضل بریلویؒ | برہان العارفین حضرت شاہ ابوالمعالی القادری لاہوریؒ (م ۱۰۲۴ھ) (نوٹ) آپ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے شیخ صحبت ہیں اور آپ ہی کے ارشاد پر حضرت شیخ نے فتوح الغیب اور مشکوٰۃ شریف کی شرح لکھی۔ | (۱) نغماتِ داؤدی (فارسی) (۲) مونسِ جاں (فارسی) (۳) زعفران زار (۴) گلدستۂ ارم |
| ۲۷ | السیف الربانی فی عنق المعترض علی الغوث الجیلانیؓ (ذلک) مطبوعہ ۱۳۱۳ھ | السید محمد مکی بن الاستاذ سیدی مصطفیٰ ابن عزوز التونسی المالکیؒ (م ۱۳۳۳ھ) | (۱) ارشاد الحیران فی خلاف قالون لعثمان فی القرأۃ (۲) ھیئۃ الناسک فان السدل فی الصلوٰۃ لیس من ھب الامام مالکؒ (۳) قواطع المریل |
| ۲۸ | قصیدۂ مدحیہ (فارسی) | شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا قریشی الاسدی سہروردی ملتانیؒ (م ۶۶۱ھ) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۲۹ | تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ذ ک) | الفاضل النبیل حضرت علامہ عبد القادر الاربلیؒ (م ۱۳۱۵ھ) | (۱) شرح اللمعات لفخر الدین العراقی (۲) مرأة الشهود فی وحدة الوجود (۳) الالهامات الرحمانیه فی مراتب الحقیقة الانسانیه (۴) الدر المکنون فی سر المصون (۵) حدیقة الازهار فی الحکمة والاسرار |
| ۳۰ | الشرابُ السیلی فی ولایةِ الجیلی (ک) | علامۃ الفہامہ حضرت الشیخ محمد ابن ابراہیم الحلبیؒ (م ۹۷۱ھ) | |
| ۳۱ | الدُّرُّ الفاخر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ک) | علامہ الشیخ عبد الرحمن بن محمد بن علی السائحؒ (م ۸۳۰ھ) | |
| ۳۲ | الرسالة البیانیه فی اذکار طریقةِ القادریه (ذ ک) | الفاضل الکامل حضرت علامہ الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز الایلبصانی الرومیؒ (م بعد ۱۲۰۸ھ) | |
| ۳۳ | نثر الجواهر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ذ۔ک) | حضرت علامہ الشیخ القاضی محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ المدراسیؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۳۴ | مناقب الشیخ عبد القادرؓ المنظومہ بحوالہ ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین | حضرت علامہ الشیخ محمد بن سیدی ابراہیم بن احمد بن عطاء اللہ الشریف الحسنی المالکی المعروف بالشبیشی القادریؒ (م ۱۳۱۰ھ) | |
| ۳۵ | مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ذ۔ ک) | حضرت علامہ الشیخ عبد الرحمن الطالبانیؒ (م ۱۲۵۷ھ) | |
| ۳۶ | القصیدۃ المدحیہ (نوٹ) اس قصیدے کی شرح صاحب روح المعانی علامہ السید شہاب الدین محمود آلوسی بغدادیؒ نے لکھی۔ جس کا نام (الطراز المذہب فی شرح قصیدۃ مدح الباز الاشہب) ہے اور اس کا نسخہ مکتبہ قادریہ بغداد میں موجود ہے۔ | حضرت الشیخ عبد الباقی العمری الموصلیؒ | |
| ۳۷ | نفحۃ الریاض العالیہ فی بیان طریقۃ القادریہ (ذ۔ ک) | حضرت علامہ الشیخ الحافظ محمد رافت الرومیؒ (م ۱۲۶۹ھ) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۳۸ | النشر العاطر بمولد الشیخ عبد القادرؓ (ذ۔ ك) | حضرت علامہ الشیخ جمال الدین التونسی المالکیؒ | |
| ۳۹ | انہار المفاخر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ذ۔ ك) | حضرت علامہ الشیخ غوث الدین محمد بن ناصر الدین محمد المدراسی الشافعی الہندیؒ | |
| ۴۰ | تلطیف الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادرؓ (ذ۔ ك) (نوٹ) اس کتاب کا ترجمہ ترکی زبان میں شیخ محمد ضیاء الدین الزوحؒ نے کیا جو قسطنطینیہ سے مطبوع ہوا اور اُس کا نام تنشیط الخاطر ہے۔ | حضرت الشیخ العلامہ محمد صادق السعدی الشہابی القادریؒ | |
| ۴۱ | توفیق الملک القادر لسلوک طریق الغوث عبد القادرؓ | حضرت علامہ الشیخ کمال الدین الحنفیؒ | (۱) الاطواق الزمردیہ مصنف کی مشہور کتاب ہے |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۴۲ | ریاض البساتین فی اخبارِ الشیخ محی الدینؒ (ذ۔ک) | حضرت علامہ الشیخ محمد امین بن احمد الجیلانیؒ (م ۱۲۶۳ھ) | |
| ۴۳ | خلعتِ رحمانی فی احوال الشیخ الجیلانی (بحوالہ ترجمہ محشی مع اصول الشاشی) مطبوعہ | حضرت العلامہ برکت اللہ الہندیؒ | (۱) احسن الحواشی علی اصول الشاشی (مطبوعہ) (۲) مُنیۃ الراغبین ترجمہ غُنیۃ الطالبین (۳) حل المطالب علی کافیۃ ابنِ الحاجب (۴) تنویر المصباح علی مراحِ الارواح |
| ۴۴ | سُلطان الاذکار فی مناقبِ غوث الابرارؒ (ذ۔ک) | حضرت علامہ الشاہ محمد علم الیقین ہمدانیؒ | |
| ۴۵ | رسالہ غوثِ اعظم مطبوعہ مع شرح جواہر العشاق مترجمہ مولوی احمد حسین خان | حضرت بندہ نواز گیسو دراز چشتی نظامیؒ (م ۸۲۵ھ) گلبرگہ شریف (بھارت) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۴۶ | معرفۃ الطریقہ القادریہ (ذ۔ ک) | الشیخ حسن رضا الاقسرائی القادریؒ | |
| ۴۷ | الفتح المبین (عربی) مطبوعہ مصر، سن طباعت ۱۳۰۹ھ یہ کتاب مصنفِ نام و نسب کے پاس موجود ہے۔ | علامہ ابی الظفر سید ظہیر الدین القادری الحسنی الحسینی الحنفی | |
| ۴۸ | الکوکب الزاہر فی مناقب الغوث عبد القادرؒ بحوالہ مقالہ علامہ سامرائی العراقیؒ | علامہ الشیخ ابو الہدیٰ الصیادی الرفاعی | |
| ۴۹ | روض النواظر فی ترجمۃ الشیخ عبد القادرؒ (ذ۔ک) | الشیخ محمد سعید النجاری القادریؒ | |
| ۵۰ | الروض الناظر فی مناقب الشیخ عبد القادرؒ | الشیخ سعید بن محمد بن احمد السمان الدمشقیؒ (م ۱۱۷۲ھ) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۵۱ | الدُّرَرُ النّاظر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ (بحوالہ حُجّۃُ البیضاء) | الشیخ ابو علی الیعقوبیؒ | |
| ۵۲ | انوار المفاخر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ بحوالہ حُجّۃُ البیضاء | الامام السیّد حاتم الاہدلؒ | |
| ۵۳ | شمس المفاخر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ بحوالہ حُجّۃُ البیضاء | العلامہ محمد النخشبی الحلبیؒ | |
| ۵۴ | بھجۃ النّاظر فی مناقب الشّیخ عبدالقادرؓ بحوالہ حُجّۃُ البیضاء | الامام العلامہ المقدسیؒ | |
| ۵۵ | القول الجلی فی بیان قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃِ کُلِّ ولی بحوالہ حُجّۃُ البیضاء | العلامہ محمد سعید المفتیؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۵۶ | احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرارؒ بحوالہ حجۃ البیضاء | العلامہ محمد علی خان الفاضلؒ | |
| ۵۷ | الفیوضات الربانی فی مناقب السید عبد القادر الجیلانیؒ بحوالہ حجۃ البیضاء | العلامہ السید اسماعیل البغدادیؒ | |
| ۵۸ | انیس القادریہ بحوالہ حجۃ البیضاء | العلامہ الشیخ بہاء الدین آملیؒ | |
| ۵۹ | اعجاز الغوثیہ بحوالہ حجۃ البیضاء | ابو الحسنات قطب الدین احمد القادریؒ | |
| ۶۰ | لطائف القادریہ بحوالہ حجۃ البیضاء | العلامہ شیخ حسن القطبیؒ | |
| ۶۱ | اورادِ قادریہ بحوالہ حجۃ البیضاء | السید الشیخ محمود القادریؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۶۲ | الزمزمۃ القمریّہ فی الذب عن الخمریّہ | حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ (م ۱۳۴۰ھ) | (۱) ترجمۂ قرآن مجید (۲) فتاویٰ رضویہ (۳) الدولۃ المکیّہ (۴) حسام الحرمین (۵) الکوکبۃ الشہابیہ |
| ۶۳ | (۱) المختصر فی تاریخ شیخ الاسلام محی الدین عبد القادر جیلانیؒ و اولادہ مطبوعہ (۲) الباز الاشہب مطبوعہ بغداد ۱۳۷۶ھ | العلامہ ابراہیم الدروبیؒ | |
| ۶۴ | عقد جواہر المعانی فی مناقب الشیخ عبد القادر جیلانیؓ | بحوالہ مقالاتِ [illegible] | |
| ۶۵ | الکواکب الدریّۃ فی مناقب القادریّۃ | | |
| ۶۶ | انوارِ قادریہ (جس پر حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے تقریظ لکھی) | بحوالہ مہرِ منیر، بابِ اوّل، ص ۴۵ طبع پنجم، مطبوعہ لاہور | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۶۷ | بَھجۃُ النّاظر فی فضائلِ الشّیخ عبد القادرؒ | الشیخ العلامہ الآلُوسی البغدادیؒ | |
| ۶۸ | الشّیخ عبد القادرؒ مطبوعہ پاریس ۱۹۳۸ء | الشیخ محمد علی العینیؒ | |
| ۶۹ | مناقب الشّیخ عبد القادرؒ | الشیخ عبد الرحمٰن السّہروردیؒ | |
| ۷۰ | الدُّرَرُ السَّنیّۃ فی مواعظ الجیلانیّۃ (مطبوعہ) یہ کتاب مکتبہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف میں موجود ہے | الشیخ السید محمد سیف الدین الجیلانیؒ | |
| ۷۱ | الشّیخ عبد القادرؒ (مطبوعہ مطبعۃ الامّہ بغداد) | الشیخ یونس ابراہیم السامرائی الخطیب | |
| ۷۲ | حُجّۃُ البیضاء فی ردِّ اھلِ الطّغیٰ (مطبوعہ) | العالم الرّبانی مولانا مرید محی الدین پشاوریؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | مناقبِ غوثیہ فی ردِّ رفاعیۃ الدّ مشقیہ سنِ طباعت ۱۳۱۹ھ اِس کتاب کا ذکر انوار اولیاء میں ہے اور مصنّف کا ذکر (تذکرۂ علمائے سرحد) میں ہے۔ | | |

## عہدِ حاضر کے بعض دیگر مُصنّفین

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۷۳ | سیرتِ غوثِ اعظمؓ | علامہ نور بخش توکلی | |
| ۷۴ | سیرتِ غوث الثقلینؓ | مولانا ضیاء اللہ قادری | |
| ۷۵ | غوث الاعظم دستگیرؒ (انگلش) | عبدالعزیز عرفی ایڈوکیٹ سندھ ہائیکورٹ | |
| ۷۶ | عرفانِ قادر | عبدالعزیز عرفی ایڈوکیٹ سندھ ہائیکورٹ | |
| ۷۷ | الدر المنظم جلد اوّل فی مناقب غوث الاعظمؓ (مطبوعہ لکھنؤ) | حافظ شاہ محمد علی انور قلندر | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۷۸ | نورِ ربانی فی مدح المحبوب السبحانیؓ (مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور) | مولانا غلام قادر بھیروی (م ۱۹۵۹ء) | |
| ۷۹ | المحبوب سبحانی (سیرت غوث اعظمؓ) (مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) | پروفیسر ملک عنایت اللہ | |
| ۸۰ | حیاتِ جاودانی مناقبِ محبوب سبحانیؓ (لائبریری جامعہ اسلامیہ بہاولپور) | مترجمہ مولانا عبدالستار مرحوم | |
| ۸۱ | شاہ جیلانؓ | محمد وحیدالدین آفندی بغدادی قادری | |
| ۸۲ | سیدنا غوث اعظمؓ (مکتبہ باب العلم اچھوت مارکیٹ اُردو بازار لاہور) | صوفی گلزار احمد شکوری | |
| ۸۳ | تذکرہ سیدنا غوث اعظمؓ (مطبوعہ شعاع ادب انار کلی لاہور) | طالب ہاشمی | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۸۴ | لمعاتِ غوثِ اعظمؒ (غوثیہ منزل، شو مارکیٹ شاہ عالمی لاہور) | شاہ محمد فاروق | |
| ۸۵ | سیرتِ غوثِ اعظمؒ ناشر آستانہ بک ڈپو پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۶، دہلی (بھارت) | مولانا زاہد القادری | |
| ۸۶ | غوثِ اعظمؒ (سندھی زبان میں) سن طباعت ۱۹۶۶ء پتہ: امین کتاب گھر حیدرآباد سندھ | مولوی عبدالرحمٰن پتو | |
| ۸۷ | سیرتِ غوثِ اعظمؒ | مولانا نور احمد پسروری | |
| ۸۸ | مناقبِ غوث الابرارؒ | نواب محمد علی خان | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۸۹ | غوثِ اعظمؓ<br>سنِ طباعت ۱۹۷۹ء<br>فیروز سنز لمیٹڈ لاہور | مظہر امروہوی | |
| ۹۰ | پیرانِ پیر<br>مطبوعہ مکتبۂ مظہرِ فیضِ رضا<br>بُرج منڈی فیصل آباد<br>سنِ طباعت ۱۹۸۰ء | پروفیسر فیاض کاوش | |
| ۹۱ | سیرتِ غوثِ اعظمؓ | مولانا محمد داؤد فاروقی<br>نقشبندی مجددی | |
| ۹۲ | سوانحِ غوثِ پاکؓ | انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی | |
| ۹۳ | مظہرِ جمالِ مصطفائی<br>مطبوعہ لاہور<br>سنِ طباعت ۱۴۰۵ھ | صوفی نصیر الدین ہاشمی قادری<br>رضوی برکاتی | |

# مُستند کتابیں
# غوثِ پاک رضؓ سے متعلّق

# وہ مستند کتابیں جن میں

# حضرت غوثِ اعظم قدس سرہٗ

# کے حالات اور کمالات کا تذکرہ پایا جاتا ہے

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱ | تاریخ ابن النجار | الادیب المؤرخ الحافظ محب الدین ابو عبداللہ ابن النجار الشافعیؒ (م ۶۴۳ھ) | (۱) انساب المحدثین<br>(۲) شرح حرز الامانی للشاطبی<br>(۳) شرح المفصل للزمخشری<br>(۴) العوالی فی الحدیث<br>(۵) جنۃ الناظرین فی معرفۃ التابعین |
| ۲ | بستان العارفین | حضرت امام محی الدین نووی الشافعیؒ (م ۶۷۶ھ) | (۱) المنہاج شرح مسلم بن حجاج<br>(۲) ریاض الصالحین<br>(۳) الاربعین فی الحدیث<br>(۴) الارشاد فی اصول الحدیث<br>(۵) تہذیب الاسماء واللغات<br>(۶) تقریب الارشاد الی علوم الاسناد |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۳ | لواقح الانوار فی طبقاتِ السادۃِ الاخیار | حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) | (۱) الیواقیت والجواہر<br>(۲) لطائف المنن<br>(۳) شرح جمع الجوامع للسُّبکی<br>(۴) الانوار القدسیہ المنتخب من فتوحات المکیّہ<br>(۵) الکبریت الاحمر فی علوم الشّیخِ الاکبرؒ |
| ۴ | الیواقیت والجواہر | " " " " " | |
| ۵ | لطائف المنن | " " " " " | |
| ۶ | مراۃُ الزّمان فی تاریخ الاعیان | حضرت امام سبط ابن الجوزیؒ شمس الدّین ابو المظفر (م ۶۵۴ھ) | (۱) معادن الابریز فی التّاریخ<br>(۲) تلخیص الجامع الکبیر للشّیبانی<br>(۳) تذکرۃ الخواص من الائمۃ فی ذکر مناقبِ الائمّۃ |
| ۷ | تاریخ ابن الوردی | المورّخ عمر بن المظفر المعروف بابنِ الوردی الشّافعیؒ (م ۷۴۹ھ) | (۱) ابکار الافکار فی مشکل الاخبار<br>(۲) شرح الفیۃ لابنِ مالک<br>(۳) التحفۃ الوردیہ فی النحو<br>(۴) الرسائل المہذبہ فی المسائل الملقبہ |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
| --- | --- | --- | --- |
| ۸ | مختصر البیان فی نسب آلِ عدنان | الشیخ ابوبکر احمد بن ابی القاسم محمد المعروف بابن الجزیؒ الاندلسیؒ (م ۶۸۵ھ) | (۱) شرح الفیہ لابن مالک فی النحو (۲) التقیید علی القوانین الفقہیۃ لوالدہٖ |
| ۹ | المنتظم فی تاریخ الامم | امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ) | (۱) الوفاء فی فضائل المصطفیٰ (۲) تلقیح فہوم الاثر فی التاریخ والسیر (۳) تیسیر البیان فی تفسیر القرآن (۴) الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید |
| ۱۰ | البدایہ والنہایہ | المورخ الحافظ ابن کثیر عماد الدین الدمشقی الشافعیؒ (م ۷۷۴ھ) | (۱) تفسیر ابن کثیر (۲) شرح جامع صحیح بخاری (۳) طبقات العلماء (۴) الفصول فی سیرۃ الرسول |
| ۱۱ | الانساب | علامہ الحافظ عبدالکریم السمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) | (۱) تاریخ مرو (۲) ذیل تاریخ بغداد للخطیب (۳) رسائل الوسائل (۴) الاخطار فی رکوب البحار (۵) معجم البلدان (۶) معجم الشیوخ |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۲ | ذیل طبقات الحنابلہ لقاضی ابی یعلیٰ | حضرت علامہ ابنِ رجب حنبلی الدمشقیؒ (م ۷۹۵ھ) | (۱) استنشاقُ نسیمِ الأُنس من نفحاتِ ریاضِ القُدس (۲) الاستخراج لاحکامِ الخراج (۳) شرح صحیح بخاری شریف (۴) شرح صحیح مسلم شریف (۵) الالمام فی فضائلِ بیتِ اللہِ الحرام |
| ۱۳ | الرحمۃ فی الطّب والحکمۃ مطبوعہ دار التّربیۃ بغداد | حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) | (۱) جلالین (تفسیر) (۲) الدّرّ المنثور (تفسیر) (۳) جمع الجوامع فی الحدیث |
| ۱۴ | تاریخ الخلفاء | " " " " " " | (۴) الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النّذیر<br>مُحوّلہ بالا کُتب کے علاوہ اسلامی علُوم و فنون اور دیگر موضوعات پر کم و بیش ۵۰۰ تصانیف تفصیلِ اسمائی کتب کے لیے ملاحظہ ہو: ھدیۃ العارفین مؤلّفہ اسماعیل پاشا البغدادی، جلد اوّل، ص ۵۳۴ تا ۵۴۴، مطبوعہ استانبول (۱۹۵۱ء) |
| ۱۵ | وفیات الاعیان | المؤرخ شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد المشہور ابنِ خلّکانؒ (م ۶۸۱ھ) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۶ | شذرات الذھب فی اخبار من قد ذھب | حضرت علامہ ابن العماد الحنبلی الدمشقیؒ (م ۱۰۸۹ھ) | (۱) بغیۃ اولی النھٰی فی شرح المنتھٰی للتنوخی فی فقہِ الحنابلہ<br>(۲) شرحُ البدیعیہ<br>(۳) معطیۃ الامان من حِنثِ الایمان (فی الفقہ) |
| ۱۷ | الکوکب الدُّرّیہ فی مناقب السّادۃِ الصّوفیۃ | حضرت امام تاج الدین عبدالرؤف المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ) | (۱) شرح جامع الصّغیر للسیوطی<br>(۲) نتیجۃ الفکر فی نخبۃ الفکر للعسقلانی<br>(۳) بغیۃ الطّالبین لمعرفۃ اصطلاح المحدّثین<br>(۴) الاتحافات السّنیہ بالاحادیثِ القُدسیہ |
| ۱۸ | الفتاوی الحدیثیہ | حضرت علامہ احمد بن محمد ابنِ حجر الہیتمی المکّی الشّافعیؒ (م ۹۷۴ھ) | (۱) فتح المبین فی شرح الاربعین<br>(۲) اسعاف الابرار شرح مشکوٰۃ الانوار<br>(۳) تحریر الکلام فی الکلام عن ذکرِ مولدِ سیّد الانام<br>(۴) الصّواعق المحرقہ |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۹ | الاشراف علی نسب الاقطاب الاربعۃ الاشراف | حضرت الشیخ عبد السلام بن الطیب الفاسی مالکی قادری (م ۱۱۱۰ھ) | (۱) الدُّر السّنی فیمن بفاس من اھل النسب الحسنی (۲) ذخیرۃ الاکتساب فی من یدخل الجنۃ بغیر حساب (۳) الاشراق فی الشرفاء الواردین من العراق |
| ۲۰ | الروض الناضر فیمن اسمہ عبد القادر | حضرت علامہ محی الدین عبد القادر العیدروسی الیمنی الحضرمی (م ۱۰۳۸ھ) | (۱) المنتخب المصفیٰ فی اخبار مولد المصطفیٰ (۲) المنہاج الیٰ معرفۃ المعراج (۳) الفتح القدسی فی تفسیر اٰیۃ الکرسی (۴) عِقد لآلِ بفضائل الاٰلِ |
| ۲۱ | نتیجۃ التحقیق فی بعض اھل النسب الوثیق | حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد المسناوی المالکیؒ (م ۱۱۳۶ھ) | (۱) کتاب الاستنابہ فی امامۃ الصلوٰۃ (۲) صرف الھمّہ الی شرح الذّمہ (۳) جھد المقل القاصر فی نصرۃ الشیخ سیدی عبد القادرؒ (ان کتابوں کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے) |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۲۲ | نفحات الانس (فارسی) | عارفِ نامی حضرت علّامہ عبدالرحمٰن جامی ہروی قدس سرہ السامی (م ۸۹۸ھ) | (۱) شرح جامی (نحو)<br>(۲) شواہد النبوّۃ<br>(۳) شرح فصوص الحکم<br>(۴) شرح قصیدۃ فارضیہ<br>(۵) سلسلۃ الذہب<br>(۶) لوائحِ جامی<br>(۷) دیوانِ کامل جامی (فارسی کلام) مطبوعہ تہران، صفحات ۹۵۵ |
| ۲۳ | مکتوباتِ امامِ ربانی<br>حضرت امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی الفاروقی المعروف (مجدد الفِ ثانیؒ)<br>(م ۱۰۳۴ھ) | | (۱) المبدا والمعاد<br>(۲) المکاشفات الغیبیّہ<br>(۳) ردّ الروافض<br>(۴) اثبات النّبوّۃ<br>(۵) المعارف اللدنّیہ |
| ۲۴ | تفسیر روح المعانی (آیۂ تطہیر کے تحت) | حضرت علّامہ شہاب الدّین ابی الفضل السیّد محمود الآلوسی البغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ) | (۱) التبیان شرح البرہان فی اطاعۃِ السّلطان<br>(۲) نظم دُرّۃ الغوّاص فی فلائد عرائسِ المناص<br>(۳) حواشی علی عبد الحکیم حاشیہ شمسیہ |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| | | | (۴) الطراز المذھب فی شرح قصیدۃ ملح الباز الاشھب (ان کتابوں کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے) |
| ۲۵ | المنح البادیہ فی الاسانید العالیہ | حضرت الشیخ محمد بن عبدالرحمن الفاسی الفقیہ المالکیؒ (م ۱۱۳۴ھ) | |
| ۲۶ | منہاج السنۃ النبویۃ | حضرت العلامہ ابو العباس تقی الدین الحنبلی المعروف ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) | (۱) بیان الفرقان بین اولیاء الرحمن وحزب الشیطان (۲) الصارم المسلول علی شاتم الرسول (۳) نصیحۃ اھل الایمان فی الرد علی منطق الیونان |
| ۲۷ | انفاس العارفین | حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۸۰ھ) | (۱) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (۲) حجۃ اللہ البالغۃ (۳) شرح مؤطا امام مالکؒ |
| ۲۸ | الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ | 〃 〃 〃 〃 〃 | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۲۹ | ھمعات | حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۸۰ھ) | |
| ۳۰ | انفاسِ رحیمیہ (ملفوظات) حضرت علامہ شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ (م ھ) | | |
| ۳۱ | ملفوظاتِ عزیزی خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲ھ) | | |
| ۳۲ | بحر المعانی (بحوالہ بحر الانساب) | حضرت علامہ سید محمد بن جعفر المکی الدہلویؒ (م ۸۹۱ھ) | |
| ۳۳ | تحفۃ الاسرار بحوالہ (حجۃ البیضاء) | حجۃ الکاملین شیخ المشائخ حضرت سید جلال الدین بخاری اُچویؒ (م ۶۹۰ھ) نوٹ۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے جدِ امجد ہیں) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۳۴ | الدّر المنظوم فی ملفوظ المخدوم قطب عالم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اُچوی (م ۷۸۵ھ) | | |
| ۳۵ | خزانہ جلالی | حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اُچوی (م ۷۸۵ھ) | |
| ۳۶ | سیر المسافرین | ایضاً | |
| ۳۷ | سیر العارفین | الشیخ جلال الدین سُہروردی المعروف بہ جمالی (م ۹۴۲ھ) | |
| ۳۸ | خوارق الاحباب فی معرفۃ الاقطاب | السیّد عبداللہ البلخی | |
| ۳۹ | مشیخۃ البغدادیہ بحوالہ (مقالہ علامہ سامرائی) | الامام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد البرزالی الاشبیلی | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۴۰ | الفتوحات المکیّہ | رئیس المکاشفین حجۃ العارفین حضرت شیخ محی الدین (ابن عربی) (م ۶۳۸ھ) | (۱) فصوص الحکم<br>(۲) تفسیر القرآن تسعون (۹۰) مجلدات<br>(۳) شجرۃ الکون<br>(۴) السرّ المکتوم<br>(۵) عین الاعیان |
| ۴۱ | فصوص الحکم | ایضاً | |
| ۴۲ | تفسیرِ مظہری | عمدۃ المحققین الفاضل النبیل حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۱۶ھ) | (۱) السیف المسلول<br>(۲) مالابدّ منہ<br>(۳) تذکرۃ الموتیٰ والقبور<br>(۴) تذکرۃ المعاد<br>(۵) حقیقۃ الاسلام |
| ۴۳ | عوارف المعارف (عربی) | شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) | |
| ۴۴ | گلستان | شرف الدین شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) | (۱) گلستان<br>(۲) بوستان<br>(۳) دیوانِ فارسی |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۴۵ | حیاتُ الحیوان | حضرت علامہ دمیری کمال الدین ابوالبقاء المصری الشافعیؒ (م ۸۰۸ھ) | (۱) الجوهرة الفريد فی علم التجوید (۲) دیباجه فی شرحِ سُنَنِ ابنِ ماجه (۳) النّجوالوهّاج لشرحِ المِنهاج للنّووی (۴) شرح المعلّقات السّبع |
| ۴۶ | تاریخ ابنِ اثیر | الفاضل النّحریر علامہ ابنِ اثیر الجزریؒ (م ۶۳۰ھ) | |
| ۴۷ | معمولاتِ مظہریہ | حضرت علامہ نعیم اللہ بہرائچیؒ (م ۱۲۱۸ھ) (موصوف حضرت مظہر جانِ جاناںؒ کے خلیفہ تھے) | |
| ۴۸ | اشعۃُ اللّمعات | خاتم المحدثین شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) | |
| ۴۹ | اخبارالاخیار (فارسی) | ایضاً | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۵۰ | نکات الاسرار بحوالہ (سید ابوالحسن علی ندوی) | حضرت شیخ آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) (آپ حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے) | |
| ۵۱ | تفسیر روح البیان | الفاضل الکامل حضرت علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) | |
| ۵۲ | تاریخ الاسلام بحوالہ (قلائد الجواہر) | حضرت امام شمس الدین ذہبی المحدث (م ۷۴۸ھ) | (۱) میزان الاعتدال فی نقل الرجال (۲) تذکرۃ الحفاظ (۳) التجرید فی اسماء الصحابہ (۴) تقویم البلدان |
| ۵۳ | العبر فی خبر من غبر بحوالہ (قلائد الجواہر) | ایضاً | |
| ۵۴ | سیر النبلاء بحوالہ (قلائد الجواہر) | ایضاً | |
| ۵۵ | نشر المحاسن الغالیہ فی فضل مشائخ الصوفیۃ | حضرت امام عبداللہ یافعی | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۵۶ | مناقبِ سلطانی سوانح حضرت باھُوؒ (فارسی) (م ۱۱۰۲ھ) | حضرت حامد سلطان صاحبؒ جن کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے حضرت سلطان باھُو قدس سرّہٗ سے جاملتا ہے۔ | |
| ۵۷ | المعتبر فی انباءِ من غبر | حضرت قاضی القضاۃ مجیر الدین عبدالرحمٰن العلیمی العمری المقدسی الحنبلیؒ | |
| ۵۸ | صحائفُ الغرائب (ملفوظات) | حضرت شیخ المشائخ شاہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ (م ۷۵۷ھ) | (۱) خیر المجالس فی التصوف |
| ۵۹ | فواتُ الوفیات | حضرت الشیخ محمد بن الشاکر بن احمد الکتبیؒ (م ۷۶۴ھ) | |
| ۶۰ | نور الابصار فی مناقب آلِ بیتِ النبیّ المختار | علامہ السید مؤمن بن حسن الشبلنجی المصریؒ | (۱) فتح المنّان بتفسیرِ غریب جُملِ القرآن |
| ۶۱ | سِیَر الاقطاب | الشیخ عبدالرحیم بن اللہ دیا (موصوف نے یہ کتاب عہدِ شاہجہانی میں لکھی) | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۶۲ | اقتباسُ الانوار (فارسی) | الشیخ محمد اکرم الصابری الچشتی | |
| ۶۳ | سفینۃُ الاولیاء | شاہزادہ محمد دارا شکوہ قادری (م ۱۰۷۰ھ) | (۱) حسناتُ العارفین<br>(۲) السرّ الاکبر<br>(۳) سرّ الاسرار<br>(۴) دیوانِ اشعارِ فارسی |
| ۶۴ | قاموسُ الاعلام | الادیب الکاتب میر شمس الدین بن محمد الشامی الرومی (م ۱۳۲۲ھ) | |
| ۶۵ | الاعلام | العلّامہ خیر الدین الزرکلی | |
| ۶۶ | دائرۃُ المعارف | العلّامہ محمد فرید الوجدی | |
| ۶۷ | مساجدِ بغداد | العلّامہ محمود آلوسی بغدادی | |
| ۶۸ | العراق بین احتلالین | الاستاد عبّاس العزاوی | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۶۹ | المناہج الاحمد فی رجال الامام احمد (مخطوطہ) [illegible] | العلامہ عینیؒ | |
| ۷۰ | تاریخ محمد بن رافع السلامی | مطبوعہ بغداد | |
| ۷۱ | نظامُ القلوب | حضرت شیخ نظام الدین چشتی نظامی اورنگ آبادیؒ (م ۱۱۴۲ھ) | |
| ۷۲ | کتابُ الرقعات (مرقعِ کلیمی) | حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی نظامی دہلویؒ (م ۱۱۴۲ھ) | (۱) قرآن القرآن (تفسیر)<br>(۲) سواء السبیل<br>(۳) کشکول کلیمی<br>(۴) مرقعِ کلیمی<br>(۵) الہاماتِ کلیمی |
| ۷۳ | نافع السالکین (ملفوظات) حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی چشتی نظامیؒ (م ۱۲۶۷ھ) | | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۷۴ | دیوانِ منظوم | حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی چشتی نظامیؒ (م ۱۲۷۵ھ) | (۱) حاشیہ شرح چغمینی<br>(۲) شمس العین<br>(۳) تسمیۃ المراتب<br>(۴) تحفہ نیازیہ<br>(۵) رسالہ راز و نیاز |
| ۷۵ | خزینۃ الاصفیاء | حضرت علامہ مفتی غلام سرور چشتی لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ) | |
| ۷۶ | جامع کرامات الاولیاء | حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ (م ۱۳۵۰ھ) | (۱) جواہر البحار<br>(۲) حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلینؐ |
| ۷۷ | انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار | حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) | |
| ۷۸ | تفسیر حقانی | حضرت علامہ عبدالحق حقانی دہلویؒ (م ۱۳۳۵ھ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۷۹ | دائرۂ معارفِ اسلامیہ (اُردو) جلد ۱۲، ص ۹۲۴ طبع اوّل، سنِ طباعت ۱۹۷۳ء مطبوعہ لاہور | زیرِ اہتمامِ دانش گاہِ پنجاب لاہور | |
| ۸۰ | نورِ مطلق شرح کلمۃ الحق | حضرت مولانا العارف نُور اللہ بھرانوی چشتی صابریؒ (م ۱۲۷۶ھ) (نوٹ) موصوف حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنویؒ مصنّفِ کلمۃ الحق کے خلیفہ ہیں۔ اسی کلمۃ الحق کے جواب میں حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ نے تحقیق الحق تصنیف فرمائی تھی۔ | (۱) ہدایۃ الوہابیّن (۲) محمود الصّرف (۳) انوار الرحمٰن و تنویر الجنان |
| ۸۱ | حلیۃ المشی البغدادی (مطبوعہ بغداد) | المرتضیٰ نظمی (بحوالہ علامہ سامرائی) | |
| ۸۲ | جامع الانوار (مخطوطہ) (بحوالہ علامہ سامرائی) | المرتضیٰ نظمی (بحوالہ علامہ سامرائی) | |
| ۸۳ | حرز العاشقین | الشیخ عبدالرشید بن محمد الجنیدیؒ [illegible] | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۸۴ | حقیقۃ الحقائق | الشّیخ محمد ابراہیم البدری ؒ | |
| ۸۵ | لطائف اللّطیفہ | علامہ کمال الدین البغدادی ؒ | |
| ۸۶ | شرح فصوص الحکم | الشّیخ داوٗد قیصری ؒ | |
| ۸۷ | زینُ المجالس | علامہ قاضی محمد یوسف ؒ | |
| ۸۸ | رسالۃُ الاولیاء | الشّیخ ہاشم بیجاپوری ؒ | |
| ۸۹ | دیوانِ منظوم | الشّیخ مصطفےٰ البابی الحلبی ؒ | |
| ۹۰ | محبوب المعانی | العلامہ میر محمد صادق اورنگ آبادی قادری ؒ | — |
| ۹۱ | تاریخ بلخ | المؤرخ عبد المومن خانی ؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۹۲ | رسالۂ عربیّہ | الشیخ احمد المغربیؒ | |
| ۹۳ | ملفوظاتِ سیّد عبد الرزّاقؒ ابنِ حضرت غوثِ اعظمؓ | العلّامہ داؤد اجودیؒ | |
| ۹۴ | روضۃُ النّاظرین | الشّیخ محمد بن محمد الوتری الموصلی الرّفاعی الشّافعیؒ | |
| ۹۵ | عُروۃُ الوثقٰی | العالم قاضی طلاء محمد پشاوریؒ | |
| ۹۶ | کتاب اعلام الاخبار | عالم الدیار الرّومیہ محمود بن سلیمان الکفویؒ | |
| ۹۷ | تحفۃ الابرار | الشّیخ علی بن شیخ یحییٰ بن شیخ احمد بن علیؒ بحوالہ حجۃ البیضاء | |
| ۹۸ | شذرۃ الذّھب فی خیرِ نسب | العلّامۃ التّھامی العلمی الحسینیؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۹۹ | جوهرة العقول فی ذکر آلِ رسول ﷺ | العلامة النسابہ شیخ عبدالرحمن بن عبدالقادر الفاسیؒ | |
| ۱۰۰ | الاعتبار و تواریخ الاعتبار بالنسبة الی النبی المختار | الامام النسابہ ابنِ فرحونؒ | |
| ۱۰۱ | المواهب الجلیلة | الشیخ محمد امین الجیلانی التونسیؒ | |
| ۱۰۲ | مرأة المحاسن | العلامة النسابہ الشیخ محمد العربی الفاسیؒ | |
| ۱۰۳ | سرور القلب | الشیخ ابو التوفیق المیلیی المصریؒ | |
| ۱۰۴ | الفتح الکامل | الشیخ مراد الشاذلیؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تحلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۰۵ | نفحۃ الرحمٰن | الشیخ السید ابی بکر شطا رالمکیؒ (مؤلف السیف الربانی) | |
| ۱۰۶ | خلاصۃ الاثر | الشیخ محبیؒ | |
| ۱۰۷ | فصل الخطاب | السید عبد اللطیف شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری مدراسیؒ | |
| ۱۰۸ | خوارق الصّادقیّۃ من مواہبِ القادریّۃ | العلامہ الشیخ محمد صادق لطیفی القادریؒ | |
| ۱۰۹ | مقالاتِ مرضیہ (ملفوظاتِ مہریہ) العارف الربانی حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ) | | (۱) تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی) (۲) سیفِ چشتیائی (ردِّ مرزائیت میں) (۳) شمس الہدایہ (۴) اعلاءِ کلمۃ اللہ فی بیانِ وما اُھِلَّ بہ لغیر اللہ (۵) فتاوٰی مہریہ (۶) تصفیہ مابین سُنّی وشیعہ |

| نمبر شمار | کتاب | مصنّف | مصنّف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۱۰ | مکتوباتِ مہریہ المعروف مہرِ چشتیہ العارفِ الربّانی حضرت سیّد پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ) | | |
| ۱۱۱ | مہرِ منیر | علامہ فیض احمد فیض گولڑوی | (۱) حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی تصانیف کے تراجم) (۲) فیوضاتِ مدینہ (عربی) (۳) فتاوٰی کثیرہ (مخطوطہ) (۴) دیوانِ اشعار (مخطوطہ) |
| ۱۱۲ | تاریخ مشائخ چشت | پروفیسر خلیق احمد نظامی | (۱) حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ |
| ۱۱۳ | تواریخ آئینہ تصوف | شاہ محمد حسن چشتی صابری رامپوری | |
| ۱۱۴ | حقائق عن التصوف | الشیخ عبدالقادر عیسیٰ | |
| ۱۱۵ | روضۃ الابرار و محاسن الاخبار | الشیخ امام تقی الدین محمد ابوالاخضا اللبنانیؒ | |

| نمبر شمار | کتاب | مصنف | مصنف کی دیگر تخلیقات |
|---|---|---|---|
| ۱۱۶ | مقابیس المجالس<br>ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید چشتی نظامیؒ (م ۱۳۱۹ھ)<br>کوٹ مٹھن شریف | مولانا رکن الدین | |
| ۱۱۷ | تاریخ دعوت وعزیمت | السید ابوالحسن علی الندوی المؤرخ<br>ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ<br>رکن مجلس شوریٰ مدینہ یونیورسٹی | |

# شخصیات

# شخصیات


آدمؑ، حضرت ۳، ۴، ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۲۲، ۳۳،
۵۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳،
۱۴۲، ۱۴۴، ۱۸۹، ۲۸۴، ۳۰۷،
۳۵۹، ۴۳۳، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸،
۴۴۹، ۵۰۰، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۷۲،
۶۶۶، ۶۷۶، ۷۱۲

آلِ رضا، سید ۱۹۷

ابراہیمؑ، حضرت ۱۳۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۵۷، ۲۵۹،
۲۶۰، ۳۷۹، ۴۱۲، ۴۱۳، ۶۱۴،
۶۶۵، ۶۷۸

ابراہیم، جگر گوشہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ۷۶، ۳۸۹

ابراہیم، الدّرَدبی، علامہ ۶۳۷، ۶۳۸

ابراہیم، الدسوقیؒ ۴۵۲

ابراہیم النخعی حضرتؒ ۵۱۲

ابلیس: ۵۷، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱،
۱۹۲، ۲۴۹، ۲۸۶، ۴۴۹، ۴۵۲،
۴۶۲، ۴۷۳، ۴۸۳، ۴۸۴، ۵۱۰،
۵۷۲

ابنِ ابی اوفیٰ: ۵۴۶

ابنِ ابی حاتمؒ: ۵۲۷، ۵۳۰

ابنِ ابی شیبہ: ۵۲۷، ۵۳۰

ابن الاثیر: ۲۱۰، ۵۰۹، ۵۹۶

ابن المغازی: ۴۴۷

ابنِ المنذرؒ: ۱۶، ۵۲۷، ۵۳۰

ابنِ المنکدر: ۴۲۱، ۴۲۲

ابنِ تغری بردی، ۵۹۹

ابنِ تیمیہ، شیخ امامؒ ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۹۹، ۵۱۷، ۵۱۸،
ابوالعباس تقی الدین: ۵۸۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹،
۶۴۲

ابنِ جریر طبری: ۱۵۷، ۲۴۹، ۵۲۷، ۵۳۰، ۵۳۶، ۵۵۰

ابنِ جوزی، ۴۴۷، ۵۰۴، ۵۰۷، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۹۶

ابنِ حجر عسقلانیؒ: ۵۶، ۳۸۱، ۴۲۱، ۴۲۲، ۵۰۷،
علامہ شہاب الدین، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۸، ۵۲۴
ابوالفضل، شافعی،
مصری

ابنِ خلکان: ۵۵۰

ابنِ سعد: ۴۲۱

ابنِ سیّدہ: ۱۲۸

ابنِ شمیل: ۱۲۹

ابنِ عباسؓ: ۱۵، ۱۱۰، ۲۱۰، ۲۴۹،
۳۸۴، ۴۱۸، ۴۲۴، ۴۴۷،
۵۳۲

ابنِ عبدالبرّ: علامہ، ۲۷۰، ۲۷۳
حافظ، النمری، القرطبی
ابنِ عدی: ۳۸۱
ابنِ عمرؓ: ۶۰، ۴۱۸
ابنِ فارس: ۷۰
ابوالحسین احمد
ابنِ قتیبہ: ۵۵۰
ابنِ کثیر: علامہ، ۳۸۱، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۲۸،
حافظ، عماد الدین ۵۳۰، ۵۳۷، ۵۹۹
ابنِ ماجہ ۴۲۷
ابنِ مسعودؓ: ۲۲۶
ابنِ ملجم (ملعون) ۵۳۶
ابنِ منیر: ۵۰۸
ابنِ ہمام ۵۰۶، ۵۱۲
ابواحمد عبداللہؒ ۵۷۸
حضرت، شیخ
ابوالاعلیٰ: مولانا، ۵۳۴، ۵۳۵
سید، مودودی
ابوالبرکاتؒ: ۵۸۱
ہبۃ اللہ بن مبارک
ابوالبرکاتؒ: ۵۸۱
حضرت طلحۃ العاقولی
ابوالبقاءؒ: شیخ (مولانا ۷۱۹
غنیمت کنجاہیؒ کے محترم)
ابوالحسن زید فاروقی ۴۲۸، ۴۲۹
نقشبندی، مولانا شاہ

ابوالحسن علی بن ۶۶۰
احمد المجبیؒ
ابوالحسن علی الندویؒ: ۵۸۴، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۹۴،
۶۶۲، ۶۶۳
ابوالحسن خرقانیؒ: ۷۱۷
ابوالحسین بن ابویعلیٰ: ۵۰۶
قاضی
ابوالحسن بن المبارک ۵۸۱
بن الطیوریؒ
ابوالحسن، حضرت ۵۸۰
محمد بن القاضی ابویعلیٰ
محمد بن الحسینؒ
ابوالخطاب، حضرت ۵۸۰
محفوظ الکلوذانی الحنبلیؒ
ابی العاصؓ: ۸۲
ابوالعباس: (شاعر) ۲۵۵
ابوالعباس مستظہر باللہ: ۵۸۰
خلیفہ
ابوالغنائم، حضرت ۵۸۰
محمد بن محمد بن علی
بن میمون النرسیؒ
ابی الفداء، علامہ ۵۳۷
ابوالفرح ۹۷۲
محمد فاضل الدین
بٹالوی

ابوالفضل، علامہ ۱۲۸، ۱۳۰، ۲۵۵
جمال الدین، الافریقی،
المصریؒ
ابوالفضل محمد بن ۶۳۵
حسن ختلیؒ
ابوالقاسم قشیریؒ ۶۳۵، ۶۳۶
ابوالقاسم، حضرت، ۵۸۰
علی بن احمد بن
بنان الکرخیؒ
ابوالقاسم گورگانیؒ، ۶۳۵، ۶۳۶
شیخ
ابوالمعالی قادریؒ: ۶۷۱، ۷۱۷، ۷۱۸
لاہوری، شاہ
ابوالنجیب، شیخ ۶۵۴، ۶۶۸
عبدالقاہر سہروردیؒ
ابوالوفا، حضرت علی ۵۸۰
بن عقیل الحنبلیؒ
ابوالوفا، یحییٰ بن ۵۸۴
سعید بن یحییٰ بن المظفرؒ
ابوبکر، حضرت محمد ۵۸۰
بن المظفرؒ
ابوبکر حراز، حضرت ۵۷۸
شیخ
ابوبکر بن الصدیقؓ ۶۲، ۶۷، ۱۹۸، ۱۷۷، ۱۷۸،
صدیق اکبرؓ ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۳۱۸، ۳۱۹،

(مسلسل) ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۳، ۴۶۴، ۴۷۰،
۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۸، ۴۷۹،
۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۹۵، ۵۱۶،
۵۳۵، ۵۶۵، ۵۷۲، ۵۹۸، ۶۰۰،
۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۲۷
ابوبکر بن عبدالرحمن ۸۵
بن محمد شہاب الدین
العلوی، الحضرمی،
الشافعی، مصریؒ
ابوبکر بن عیاشؓ ۱۶۴، ۱۶۵
ابوبکر بن ہوار البطائحیؒ: ۵۷۸
حضرت، شیخ
ابوبکر عبدالعزیز ۵۰۶
ابوجعفر، حضرت بن ۵۸۰
احمد بن الحسین
القاری سراجؒ
ابی جمال الدین: ۶۰۰
السید، محمد
ابوجہل بن ہشام: ۵۱، ۷۴، ۷۵، ۹۹، ۱۳۹، ۱۹۱،
۵۳۹
ابوحنیفہؒ: امام ۴۴، ۷۷، ۸۱، ۸۲، ۱۶۹، ۱۷۰،
۴۵۶، ۵۳۹، ۵۴۰، ۷۲۲
ابوداؤد: (صاحب سنن) ۳، ۱۷۱، ۳۵۹، ۳۶۸، ۳۸۲
ابوداؤد (غیر صاحب سنن) ۳۸۱
نفیع بن حارث)

ابوذرؓ حضرت ۱۷، ۴۱۹، ۴۷۱
ابوزکریا حضرت یحییٰ ۵۸۰
بن علی التبریزیؒ
ابوزید: (شاعر) ۱۳۰
ابوسعید ابوالخیرؒ: ۳۵، ۴۸۰، ۶۳۵، ۶۳۶
حضرت، شیخ
ابوسعید قیلویؒ ۶۵۴، ۶۶۵
ابوسعیدؓ ۴۲۴
ابوسعید: حضرت ۵۸۰
المبارک بن علی المخزومی
الحنبلیؒ
ابوسعید حضرت محمد ۵۸۰
بن عبدالکریم بن خشیشاؒ
ابوسفیانؓ ۵۲۵
ابوصالح موسیٰ ۵۵۱، ۵۷۹، ۵۹۹، ۶۷۳
جنگی دوست:
(حضرت غوث اعظمؒ
کے والد ماجد)
ابوصالح نصرؒ قاضی ۴۵۰
بن عبدالرزاق بن
عبدالقادر
ابوطالب کلیم ۴۴۴
ابوطالب: حضرت ۵۸۰
عبدالقادر بن محمد
بن یوسفؒ
ابوعبداللہ المسلمیؒ: ۵۷۸
حضرت، شیخ
ابوعبداللہ یحییٰ ۵۸۱
ابوعصمہؒ ۱۴۰
ابوغالب احمدؒ: ۵۸۱
حضرت
ابوغالب: ۵۸۰
حضرت محمد بن الحسن
الباقلانیؒ
ابولہب: اصل نام ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۳۷۷،
عبدالعزیٰ تھا ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳
ابومدین مغربی ۶۵۴، ۶۶۸
ابومنصور: احمد الطبسیؒ ۱۲۹، ۴۶۷
ابومنصور عبدالرحمٰن ۵۸۱
القزازؒ
ابونصر محمدؒ حضرت ۵۸۰
ابوہریرہؓ عبدالرحمٰن ۳، ۴، ۱۰، ۶۰، ۱۳۳، ۱۴۲، ۱۴۴،
۲۱۰، ۴۷، ۲۷۷، ۳۹۵، ۴۲۱، ۴۲۲،
۴۲۲، ۵۰۷، ۵۷۳، ۶۸۳،
۶۸۴
ابویعلیٰ: قاضی ۴۲۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۱۲
احمد البدویؒ ۴۵۲
احمد الرفاعیؒ ۴۵۲، ۶۶۸، ۶۹۵
شیخ، حضرت،
سید

احمد بن حجرؒ، علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الہیتمی، مکی، شافعی ۹۷، ۱۰۷، ۱۲۷، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۵۷، ۲۶۵، ۴۰۱، ۴۲۳، ۵۰۴، ۵۰۶

احمد بن محضار العطاس، سید، المعروف مدنی صاحبؒ ۳۴۲

احمد بن علی بن الحسین بن علی بن مہنا ۴۵۰، ۴۹۸

احمد بن محمد الحسینی ۴۹۸

احمد جام ژندہ پیلؒ ۱۲۸

احمد حمویؒ: سید، علامہ ۶۷۲، ۶۷۳

احمد دہلوی: سید ۶۱۴

احمد رضا خانؒ: فاضل بریلوی ۱۰۹، ۴۸۹، ۴۹۳، ۵۴۳، ۵۸۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۶۹، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۷۲۲، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۴۱

احمد رودولویؒ: شیخ ۶۹۰

احمد زروق المحدث الفاسیؒ ۷۷۱

احمد سعید کاظمیؒ: حضرت، علامہ ۳۶۷

احمد عبد الغفور عطارؒ ۴۳۷

احمد علیؒ: حضرت، مولانا، محدث، سہارنپوری ۳۹۶

احمد علی الحائری لاہوری (شیعہ مفسر قرآن) ۵۲۹

احمد ندیم قاسمی ۲۹۲

احمد یار خان: مفتی، بدایونی، گجراتی ۵۳۴

اَخفش (امام نحو) ۲۵۵

اَخی سراجؒ ۲۷۸

ارسطو ۲۴۸

اُسامہ بن زیدؓ ۳۹۰، ۴۲۴، ۴۲۵

اسحاقؑ: حضرت ۳۷۹، ۴۱۲، ۴۱۳

اسحاق بن راہویہ (استادِ امام بخاریؒ) ۵۱۴، ۵۱۵

اسرار احمد چشتیؒ: المعروف متوالی صاحبؒ ۳۴۲، ۳۷۳

اسماءؓ ۳۰۷

اسماعیلؑ ۲۵۹، ۲۶۶، ۳۷۲، ۴۱۲، ۴۱۳، ۶۱۴

اسماعیل پاشا البغدادی ۶۰۳

اسماعیل حقیؒ: علامہ، شیخ، افندی، مصری ۲۰۳، ۳۳، ۴۳۵، ۵۲۷

اسماعیل دہلوی: ۶۶۲

مولوی
اشک، صاحبزادہ ۲۴۹، ۳۳۰، ۵۵۴
واجد علی خان رام پوری

اصغر گونڈوی: ۴۰۲، ۵۷۱

مولانا
اعجاز الحق قدوسی ۹۲، ۱۰۶، ۳۳۰

افضال الحق: ۳۶۰، ۳۶۱

مولانا، رام پوری
اقبال، علامہ، ڈاکٹر، شیخ، محمد ۱۸، ۳۱، ۴۷، ۴۸، ۵۲، ۵۳، ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۱۳۱، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۲۱، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۷۴، ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۲، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۳۸، ۳۵۱، ۴۸۰، ۴۹۳، ۵۵۴، ۵۹۱، ۵۹۸، ۵۷۱، ۵۷۲، ۶۲۲، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۴۵، ۶۸۵، ۷۲۰، ۷۲۷

اقبال صلاح الدین ۷۵۳

اقتدار ہاشمی ۱۵۷، ۱۵۸

اقرع بن حابس تمیمی ۱۸۳

اکبر الہ آبادی: ۵۳، ۱۳۳، ۱۵۱، ۲۰۲، ۲۷۶، ۲۹۱، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۳، ۳۵۶، ۴۵۰، ۴۹۴، ۵۶۲، ۶۳۳، ۶۳۷
حضرت سید اکبر حسین

الابلوس معلوف ۳۰۰، ۳۷۴، ۴۱۴
الیسوعی لبنانی،
صاحب منجد

التمش، سلطان ۴۷

الطاف حسین حالی: ۳۰۳

مولانا
الطاف حسین شاہ، ۹۱

پیر، سید
العز بن عبد السلام ۶۷۱

القیلوی، البغدادی
المقتفی لامر اللہ: ۵۸۴
خلیفہ

اللہ بخش تونسوی: ۳۹۶
حضرت، خواجہ

الیاس، حضرت ۱۵۸، ۱۵۹

امام ابو اسحاق ۶۷۳
اسفرائینی

امام ابو یوسف ۱۶۹، ۵۳۰، ۷۲۲

امام ابی العطار، ۶۰۰
عبداللہ

امام احمد بن حنبل ۱۱۵، ۱۹۹، ۳۸۱، ۳۸۲، ۴۲۶، ۵۰۹، ۵۰۷، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۹۳

امام السیلی ابی طاہر الدین ۶۰۰
محمد الجواد

امام بخاریؒ ۸، ۱۱۶، ۲۷۳، ۲۸۲، ۳۱۹، ۵۱۵، ۶۰۹، ۶۷۵

امام ترمذیؒ ۳، ۲۲، ۶۰، ۱۲۶، ۳۰۷، ۳۵۹، ۳۷۸، ۴۲۴، ۴۲۵، ۵۱۶

امام جعفر صادقؓ ۲۲۰، ۲۲۱، ۳۶۶، ۳۶۷، ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۶، ۶۰۷

امام ذہبیؒ: شمس الدین ۱۶۱، ۶۵۶، ۶۷۵

امام راغب اصفہانیؒ: علامہ ۶۱۲

امام رضاؓ: علی الرضا ۳۶۸، ۶۰۰

امام زُفرؒ ۵۴۰

امام شافعیؒ ۱۱۳، ۱۲۹، ۲۰۹، ۳۳۵، ۵۳۶، ۵۵۲، ۵۵۳

امام طلحہؒ ۶۰۰

امام عبدالرحمٰنؒ ۶۰۰

امام عبداللہؒ ۶۰۰

امام عبد بن حمیدؒ ۱۲

امام عسکریؓ ۷۳۶

امام غزالیؒ: ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۳۰، ۵۹، ۱۸۳،

حجۃ الاسلام حضرت ۱۹۱، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹، ۳۳۰، ۳۵۳، ۵۸۰، ۵۸۳

امام فخر الدین رازیؒ ۴۴، ۵۹، ۱۵۰، ۱۹۱، ۵۲۷، ۵۳۰، ۶۶۵

امام کمال الدین عیسیٰؒ ۶۰۰

امام مالکؒ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹

امام محمدؒ ۵۴۰، ۶۰۰

امام مسلمؒ ۵، ۲۳، ۵۶، ۲۲۶، ۵۱۵، ۵۱۷، ۶۷۳

امام موسیٰ کاظمؓ ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۶۰۰

امان پانی پتیؒ: شیخ ۶۸۹

امجد حیدرآبادیؒ: سید ۱۳، ۲۷، ۲۹، ۵۶، ۲۱۱، ۲۲۵، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۱، ۲۹۳، ۳۱۲، ۳۵۲، ۳۷۷، ۵۷۳

امجد علی: علامہ مفتی قادری رضویؒ ۵۳۳

امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت حاجی حافظ شاہ محمد ۶۹۰، ۶۹۱

اُمِّ سعدؓ ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۸۳، ۶۸۴

اُمِّ سلمہؓ: اُمّ المؤمنین ۲۳۹، ۳۱۴، ۳۱۵

اُمِّ سلمہؒ (حضرت غوث اعظمؒ کی جدّۂ محترمہ) ۶۰۰

اُمِّ فروہؓ (امام جعفر صادقؓ کی والدۂ ماجدہ) ۵۹۸، ۶۰۶، ۶۰۷

اُمِ کلثومؓ: سیّدہ، بنتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۷۶، ۸۲، ۶۰۳

اُمِ کلثوم: سیّدہ، بنتِ علیؓ ۸۲، ۵۹۵، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵

اُمِ کلثوم بنتِ عبداللہ بن عامر (زوجۂ یزید) ۵۰۹

اُمیّہ بن خلف ۱۳۹

اُمید فاضلی ۳۲۹

امیر حمزہ شنواری ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷

امیر خسرو دہلویؒ: ۱۳۲، ۲۲۰، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۲۶،

ابو الحسن ۳۴۹، ۵۷۸، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۴

امیر معاویہؓ: حضرت ۲۷۳، ۴۸۰، ۵۰۹، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۹، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۵۴، ۵۵۵، ۶۰۹، ۶۱۰

امیر مینائیؒ امیر احمد ۳۰۸، ۳۰۲، ۳۴۴، ۴۹۰، ۵۱۱، ۷۳۳

انسؓ: حضرت ۸۲، ۲۶۰

انور شاہ کشمیریؒ مولانا، علامہ، سیّد ۹۳، ۶۵۶، ۶۶۳

اورنگ زیب عالمگیر ۵۷۰، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱

آلوسی: علامہ ابو الفضل شہاب الدین، السیّد محمود بغدادیؒ ۳، ۶، ۷، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۵۶، ۱۷۵، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۶۱، ۲۸۳، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۵۲۷، ۵۳۰، ۵۳۲، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۸، ۶۶۸، ۶۷۶

آیاز ۱۹۸، ۳۳۸، ۷۵۳

ایوبؑ: حضرت ۱۵۸، ۱۵۹


## ب


بابا فغانی ۳۴۳

بابا گرونانک ۹

بابا نور ماہی ۶۹۲، ۶۹۳

بابر مرزا ۵۲۰

باقرؓ: حضرت، امام ۳۶۶، ۴۷۱، ۴۷۷، ۶۰۰

باقر قزوینی ۳۶۴

باقر ملا مجلسی ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸

باہوؒ: سلطان العارفین حضرت سلطان ۶۶۴، ۶۷۲، ۶۹۶، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۵۹

بایزید بسطامیؒ ۲۸۳، ۵۲۰، ۵۲۱، ۶۴۷، ۶۴۹، ۶۶۶

بدر الدین اسحاقؒ حضرت، مولانا، بخاری، دہلوی ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۶۰۵

بدرالدین عینیؒ: ۵۰۵، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹
شارحِ بخاری
بُرہانُ الدینؒ: ۶۹
علامہ المرغینانی
بُرہانُ الدینؒ: ۶۵۴
مولانا
بُش (BUSH) ۶۲۰
امریکہ کے صدر
بغوی: محدّث ۲۴۹، ۲۵۰
بقا بن بطوؒ: شیخ ۶۵۴
بُقراط ۲۴۸
بلالؓ: حضرت ۳۳، ۱۸۳
بلقیس: ۲۰۳، ۲۰۴، ۶۷۹
(ملکۂ سبا)
بندہ نواز: حضرت ۶۵۴، ۷۱۳
گیسو دراز، چشتیؒ
نغؒ امی
بُو علی سینا ۲۵، ۳۶۴
بُو علی قلندرؒ: ۲۵، ۲۸۰، ۳۴۸، ۶۹۱
حضرت شاہ، پانی پتی
بہادر شاہ ظفر ۳۹۶
بہاء الدین زکریاؒ: ۴۴، ۶۶۹، ۷۱۱، ۷۱۷
حضرت، خواجہ،
سہروردی،
ملتانیؒ

بہاء الدین نقشبندؒ ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۴۳، ۶۶۳،
حضرت، خواجہ، ۶۶۴، ۷۱۲
سرسلسلہ نقشبند
بی بی شریفہ: ۱۰۵، ۱۰۶
دخترِ حضرت گنج شکرؒ
بی بی فاطمہ: ۱۰۵، ۱۰۶
دخترِ حضرت گنج شکرؒ
بیخود: سید ۳۴۸، ۳۶۴
وحید الدین دہلویؒ
بیدل: خلاقِ معانی ۲، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۳۲، ۳۸، ۳۹،
حضرت، میرزا ۶۲، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۸۶، ۱۸۷،
عبدالقادر ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۴،
۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۷، ۲۸۲، ۲۸۵،
۲۹۳، ۲۹۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۹،
۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۷، ۳۳۹،
۳۴۲، ۳۶۲، ۳۹۴، ۴۲۸، ۴۳۱،
۴۴۱، ۴۴۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۶۹،
۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۳، ۵۹۶، ۶۲۵،
۶۲۸، ۷۲۰
بیدم وارثیؒ ۳۳۹، ۳۴۲
بیہقیؒ ۵


## ت


تابش دہلوی ۳۲۹
تفتازانیؒ علامہ ۱۴۹، ۵۰۵
سعد الدین

تقی الدین، مولانا ۵۴۷
ندوی، مظاہری
تمرتاشی: صالح بن ۷۸
محمد بن عبداللہ بن
احمد الخطیب التمرتاشی
الحنفی
تمنا، مولانا، ۱۵۶
عمادالدین
تیمور لنگ ۳۰۴، ۳۰۵
تھامس اے ہیریس ۳۱۰


## ث


ثناء اللہ، قاضی، ۱۸۲، ۲۴۹، ۲۵۱، ۵۱۱، ۶۶۴،
پانی پتیؒ ۶۷۱، ۶۷۶


## ج


جابرؓ، حضرت، ۲۴۹، ۳۶۶
بن عبداللہ
جاحظ ۵۱۸
جارج پنجم، ۲۹۴
(شہنشاہ برطانیہ)
جامیؒ: حضرت، ۳۲، ۵۹، ۱۲۶، ۱۷۶، ۱۸۷،
مولانا عبدالرحمٰن ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۹۲،
۴۰۱، ۵۲۰، ۵۳۳، ۵۳۸، ۵۴۶،

۵۶۰، ۵۹۸، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳،
۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۷۶، ۷۲۵
جبرائیلؑ: ۹۵، ۱۸۴، ۲۱۲، ۲۱۳، ۳۳۷،
رُوح القدس ۴۲۸، ۴۴۱، ۴۶۲، ۴۸۱، ۴۸۳،
۴۹۷، ۶۷۸، ۶۷۶، ۷۵۲
جعدہ ۵۳۷
جعفر طیارؓ، حضرت ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۶۹،
۲۵۶، ۲۵۸، ۲۷۳
جعفر قاسمی ۹
جگر مرادآبادی: علی سکندر ۱۹۵، ۳۴۰
جگن ناتھ آزاد ۲۲۹
جلال الدین رومیؒ: ۲۶، ۳۲، ۴۵، ۴۹، ۵۳، ۵۴،
حضرت، مولانا، ۵۹، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۶۶، ۲۷۵، ۲۸۵،
عارفِ رومی، پیرِ روم ۲۸۶، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۴۹، ۳۵۰،
۳۵۲، ۳۵۴، ۳۶۶، ۴۰۷،
۶۱۵، ۶۳۵، ۶۷۵
جلال الدین: ۱۹۱، ۲۷۰، ۵۱۵، ۵۱۸، ۶۰۳، ۶۴۰
علامہ، سیوطی ۶۵۶، ۶۷۳، ۶۷۵
جلیل مانک پوریؒ، ۳۵۰، ۳۷۹
حسن، حضرت،
حافظ
جمیع بن عمیرؓ ۴۲۵
جنید بغدادیؒ: ۲۰۳، ۵۷۸، ۶۲۲، ۷۳۶
سید الطائفہ،
حضرت

جوش ملیح آبادی، شبیر حسن خان ۶۵، ۱۹۲، ۳۴۹، ۴۵۰

جوہریؒ: امام لغت، علامہ ۳۸۲

## چ

چنگیز ۴۳۴

## ح

حاجی خلیفہ کاتب چلپی ۶۷۱

حارث بن عبدالمطلب ۱۶۹

حافظ، لسان الغیب، حضرت، خواجہ شمس الدین شیرازیؒ ۲۵، ۳۲، ۱۹۶، ۲۲۱، ۲۲۸، ۳۱۷، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۶۵، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۲۰، ۶۰۶، ۷۲۲، ۷۲۳

حافظ محمود شیرانی ۳۹۲

حاکم ۱۹۷، ۴۱۸، ۴۲۳، ۴۲۶، ۵۱۲

حسام الدین: مولانا، ملتانی ۱۸۴

حسرت موہانیؒ: مولانا، فضل الحسن ۴۴، ۳۳۹، ۵۶۶، ۷۴۲

حسنؓ، حضرت، امام ۱۶، ۱۹، ۶۷، ۹۶، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۶۰، ۱۶۱، ۶۷۸، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۷۰، ۳۸۹، ۴۰۵، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۶۹، ۴۸۶، ۴۸۹، ۴۹۰، ۵۱۰، ۵۲۳، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۵۴، ۵۷۹، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۷۱۱، ۷۲۵، ۷۳۳، ۷۳۶، ۷۵۱، ۷۵۳، ۷۶۳، ۷۶۵

حسنؒ ۷۷، ۲۲۵

حسن بصریؒ ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۵۳۱، ۷۰۲

حسن بن صباح ۵۸۲

حسن رضا خان بریلویؒ ۷۳۱

حسن مثنیٰ: بن امام حسنؓ ۹۶، ۴۴۳، ۴۵۱، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱

حسن محمود ہاشمی ۴۴۴

حسن نظامیؒ، خواجہ ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۹۸

حسینؓ، حضرت، امام، شہید کربلا ۶۷، ۹۶، ۱۰۳، ۱۲۴، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۷۸، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۸۲، ۳۸۹، ۳۹۲، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۵، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۴

(مسلسل) ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۳۸، ۴۴۷، ۴۴۸،
۴۶۴، ۴۶۹، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۹۰،
۴۹۲، ۴۹۳، ۵۰۵، ۵۰۹، ۵۱۰،
۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۲۱، ۵۳۶،
۵۳۷، ۵۴۱، ۵۷۹، ۶۰۰، ۶۰۲،
۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹،
۶۱۰، ۷۱۱، ۷۲۵، ۷۳۸، ۷۴۴،
۷۴۹، ۷۵۳
حسین احمد عباسی: ۱۵۶، ۱۵۷
حکیم
حسین الواعظ: ۵۲۸
مولانا، سید الکاشفی
ہرویؒ
حفصہؓ، سیدہ، ۴۷۰، ۶۱۰
اُمّ المومنین
حفصہؓ، سیدہ، ۶۰۲
بنتِ عبداللہ
حفیظ تائب ۵، ۷۴۶، ۷۵۶
حکیم ترمذی ۲۵۸
حکیم جامی ۱۵۷، ۱۵۸
حمزہؓ: حضرت امیرؓ ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۴۵
سید الشہداء
حوّاؓ ۷، ۴۴۹، ۵۰۳، ۵۰۴

## خ

خالد بن ولیدؓ ۲۵۰، ۲۵۱
خبابؓ ۱۸۳
خدا بخش، خواجہ، ۳۶۰
ملتانی
خدیجہؓ اُمّ المومنین ۶۹۱، ۶۹۲
خضرؑ، حضرت ۱۴، ۲۹۱، ۳۰۲، ۷۳۷
خلال ۵۰۶
خلیق احمد نظامی: ۹۸، ۱۸۵، ۱۹۴، ۲۲۰، ۲۷۲،
پروفیسر ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۶، ۳۴۳،
۴۵۵، ۴۵۶، ۶۵۰، ۶۷۱
خلیل بلخیؒ، شیخ ۵۷۸
خمار بارہ بنکوی ۳۲۹
خمینی: امام انقلابؒ ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰
علامہ
خواجہ احمد حسین خان ۶۷۲
امروہویؒ
خیرات احمد: ۵۳۵
خان بہادر

## د

داتا صاحبؒ: ۱۰۹، ۴۶۴، ۶۳۵، ۷۴۹
حضرت علی ہجویری
المعروف داتا گنج بخشؒ
داراشکوہ ۵۹۹
دارقطنی ۳۲۰
داغ: استاد دہلویؒ ۱۰۳، ۱۵۵، ۱۹۵، ۲۰۲، ۲۹۱،
(نواب مرزا خان) ۳۴۳، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۶۴،

(مسلسل) ۴۸۷، ۴۹۲، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۴۱،

داؤدؑ: حضرت ۹، ۱۸، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۵۰، ۵۱، ۱۵۸، ۱۵۹

داؤدؒ: بن موسیٰ جنگی دوست ۴۵۱، ۵۹۹، ۶۰۰
حضور غوث پاکؒ

دائمؔ: دائم اقبال ۷۵۵

دجّال ۴۹۱، ۴۹۲

دُرّہ بنتِ ابی لہب ۴۲۱، ۴۲۲
(مُبَیْعَہْ)

دمیریؒ: علامہ ۵۰۷

دولت: ایک ۳۰۵
جنگ نواز کا نام)

دیوی دیال: ۲۹۴
رائے صاحب انسپکٹر پولیس

ڈ

ڈارون ۴۵۰

ذ

ذوق: خاقانیٔ ہند ۱۸۰، ۴۲۰، ۹۲۵
استاد، محمد ابراہیم دہلویؒ

ر

راحت اندوری ۳۲۹

رافع بن معلّیٰ ۴۲۱، ۴۲۲

رانجھا ۲۴

رشید احمد ارشد ۴۵۴
حافظ، سید

رشید رضا: علامہ ۵۹۹

رضا حسین: علامہ، ۳۵۴
رشید تُرابی

رضا علی زادہ: سید ۳۶۶، ۳۷۴

رضی حیدر: خواجہ ۳۳۶

رفاعہ قُرظی ۱۱۳

رفیق احمد: ڈاکٹر بلگرامی ۳۲۹

رقیہؓ: سیدہ، بنتِ رسولؐ ۷۶، ۸۲، ۶۰۴
رسالت مآبؐ

روشن دین گیلانیؒ: ۴۳۰
حضرت، پیر

رویانیؒ: عبدالواحد ۵۱۲
ابن اسمٰعیل ابوالمحاسن

رئیس احمد جعفری: ۲۹۶
ندوی

ریاض الحق: مولانا ۱۵۴، ۱۵۵
عباسی

ریاض خیرآبادی ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴

ریاض مجید ڈاکٹر ۷۴۷

ز

زاہد شاہ ۹۸

زبیر افضل عثمانی: ۵۸۵، ۵۸۶
مولانا

زِرّ بن حُبیش ۵۱۷

زُرقانیؒ: امام ۹۷۵

زکریا ؑ ۱۵۸، ۱۵۹
زلیخا ۳۶، ۷۳۸
زمخشری ۶۷۵
زوار حسین شاہ ۶۶۰
نقشبندی، سید
زیبا ناروی ؒ، ۲۶۹، ۳۳۰، ۳۴۹، ۳۶۹
سید صغیر حسین
زید بن ارقم ؓ ۵۱۶
زید بن ثابت ؓ ۱۱۰، ۴۳۷
زید بن حارثہ ؓ ۸۱، ۸۳، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶،
۹۹
زید بن علی ؓ ۴۹۵
زید بن عمر فاروق ؓ ۹۵
زین الدین، علامہ، ۶۹
الشہیر با بن نجیم ؒ
زین العابدین، حضرت امام ۴۷۵، ۴۷۸، ۶۰۰
زینب ؓ، سیدہ، ۶۷، ۸۲، ۶۰۳.
بنت رسالت مآب ؐ
زینب، سیدہ، بنت علی ؓ ۴۹۷، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵
زینب، بنت جحش، ۶۷، ۸۱، ۸۳، ۹۳، ۹۴، ۹۵،
ام المومنین ؓ ۹۹

س

سارا، حضرت ابراہیم ؑ ۳۷۹، ۳۸۲، ۶۱۴
کی زوجہ محترمہ

سردار محمد نواز خان ۳۹۷
گھیبہ
سرخسی ؒ، شمس الائمہ، ۷۷، ۷۸
امام
سرخوش ۳۵۴
سعد ؓ ۶۰
سعد بن ابی وقاص ؓ ۴۲۴، ۵۱۵، ۵۷۲، ۵۷۳
سعد بن عبادہ ؓ ۶۸۳
سعد بن معاذ ؓ ۱۲۹، ۱۳۰، ۶۸۶
سعدی، استاد سخن، ۳۲، ۴۷، ۵۵، ۶۴، ۲۱۹، ۲۲۰،
شیخ مصلح الدین، ۲۴۲، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۳۱، ۴۲۹
شیرازی ؒ ۳۵۲، ۵۴۲، ۵۷۸، ۶۲۹
سعید المقبری ۴۲۱، ۴۲۲
سفیان بن عوف ۵۰۸، ۵۰۹
سکندر ۷۱۵
سلمان فارسی ؓ ۳۳، ۱۲۰، ۳۸۳، ۴۷۱
سلمہ ؓ، ام المومنین ؓ ۴۱۵
سلمہ بن الاکوع ۴۲۵
سلیمان ؑ، حضرت ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۵۰، ۵۱، ۱۵۸،
۱۵۹، ۳۰۴، ۷۶۸
سلیمان الجمل، علامہ ۳۸۰
سلیمان تونسوی ؒ، ۶۵۵
حضرت، خواجہ
سوز ناروی، ۹۱، ۹۲، ۱۵۴، ۱۵۵
شاہد حسن

سیبویہ: امام نحو ۲۵۳
سیّد حسن اختر شاہ ۳۴۰
سیّد عمر: سجادہ نشین ۶۵۵
(حضور غوثِ پاکؒ)
سیّد محمد مبارک علوی، ۱۰۶، ۳۳۰
کرمانی المعروف بہ میر خورد
سیماب اکبرآبادی: ۲۴۵، ۳۳۴، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۹۴
علامہ، عاشق حسین

## ش

شامیؒ: علامہ ۷۸، ۸۰
شاہ جہان ۵۷۰
(شہنشاہِ ہند)
شاہ رفیع الدینؒ ۶۱۹
شاہ سیف الدین ۱۰۶، ۶۰۵
عبدالوہابؒ
شاہ عبدالحق: ۶۴، ۱۵۴، ۳۶۰، ۳۶۵
سیّد، (مصنفِ نام و
نسب کے جدِ محترم)
شاہ عبدالرحیم عبدالسلام، ۱۰۶، ۶۰۵
شاہ عبدالرحیم ۶۶۴
نقشبندیؒ
شاہ عبدالعزیزؒ: ۴۶۵، ۴۸۱، ۴۸۹، ۵۱۳، ۵۳۸،
محدث دہلوی ۶۱۹، ۶۳۲، ۶۶۳، ۶۷۱، ۶۸۹
شاہ عبدالقادرؒ ۶۱۹
شاہ غوث محمد: ۶۷۲
قادری، لاہوریؒ
شاہ کمال کیتھلیؒ ۶۶۳
شاہ نیاز بریلویؒ: ۴۷۶، ۴۷۷، ۵۹۷، ۶۶۹، ۷۲۲،
چشتی، نظامی
شاہ ولی اللہ: ۲۷۱، ۲۷۲، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۶۳،
محدث، دہلویؒ ۶۶۴، ۶۹۵
شبلنجیؒ: علامہ، شیخ ۱۱۰، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶،
مصری، شافعی ۱۶۷، ۱۶۹، ۴۳۳، ۴۵۱، ۴۵۲،
۴۵۳، ۶۰۷
شبلیؒ: حضرت ۲۰۳، ۵۲۱، ۷۲۲
شدّاد ۵۷
شرافت علی فاروقی ۴۳۴
شطنوفیؒ: علامہ، ۵۷۸، ۶۵۴، ۶۵۶، ۶۶۵، ۶۷۶،
نورالدین، الشافعی ۶۷۷
شعبی ۴۶۱
شمر ۵۲۱، ۵۴۹
شمس الدین ۳۹۶
سیالویؒ: حضرت
شہاب الدین ۴۵۳، ۴۵۴، ۶۵۴، ۶۶۸،
سہروردیؒ: حضرت، ۶۹۵، ۷۲۲
شیخ
شہربانو (حضرت امام ۳۸۲
حسینؓ کی زوجہ محترمہ)
شیفتہ ۳۷۶

## ص

صالح بن درہم ۶۸۳
صالح کولابی: ۶۴۸،۶۴۷
مولانا
صالح محمدؒ: ۷۱۹
سید
صائب تبریزی: ۳۴۴،۲۱۴،۴۰،۳۲
مرزا محمد علی
صدیق حسن خان: ۱۷۹،۱۷۸
نواب
صغرا/صفورا/صیفرا ۳۸۰
صفی لکھنوی ۳۷۶
صہیبؓ ۱۸۳،۳۳

## ط

طارق بن زیاد ۵۸۳
طبرانی ۴۲۰،۲۲۹،۱۲۷/۹۷
طبرسیؒ: شیخ ۳۷۹
طحاویؒ: امام ۱۷۱،۱۷۰
طوسی: شیخ الطائفہ ۳۶۸/۳۷۹
طیبی: احمد شہاب الدین ۶۷۳
الشافعی النحوی

## ظ

ظفر علی خان: مولانا ۵۳۵،۳۶۸

## ع

عابد علی بالمعروف ۳۵۵،۳۵۴
ڈاکٹر مظہر علی خان
عامری قیس ۵۴۲،۸۸/۸۷
بن الملوح العامری
المعروف بہ مجنوں
عائشہؓ سیدہ، ۲۲۴،۲۲۳،۲۱۵،۱۱۶،۹۲
صدیقہ ام المومنین ۴۷۵،۴۲۹،۴۶۹،۴۷۰،۴۷۳،
۶۱۰،۴۸۳
عباسؓ: حضرت، ۱۳۹،۱۳۸،۱۳۷،۱۲۴،۱۲۳،
عم رسالت مآب ۱۴۰، ۱۹۱،۱۹۹، ۴۲۷
عبدالاحدؒ شیخ ۶۶۳
(حضرت مجدد الف ثانیؒ
کے والد گرامی)
عبدالباقیؒ ۶۴۷،۶۴۹،۶۵۰،۶۹۱
شیخ باقی باللہ
عبداللہ: حضرت، ۶۰۲،۶۰۱،۶۹۶
(حضرت عثمانؓ کے پوتے)
عبداللہ المحضؓ ۴۳۱،۴۳۲،۴۳۳،۴۵۱،
۵۹۹،۶۰۰،۶۰۱
عبداللہ المطرف ۶۰۱،۶۰۲،۶۰۶
عبداللہ المکی ۴۵۱،۵۹۹،۶۰۰
بانی عبداللہ
عبداللہ انصاری پیرؒ ۱۸۶،۶۳۲

عبداللہ بلخیؒ ۶۶۳
عبداللہ: مولوی، ۵۶۰
چکڑالوی
عبداللہ صومعیؒ: ۵۷۹، ۶۰۰
حضرت، سیّد
عبداللہ گجراتیؒ: ۶۹۲
مولانا
عبداللہ بن ۹۷
ابی اوفیٰؓ
عبداللہ بن ۴۳۶
امام حسنؓ
عبداللہ بن جحش ۹۵
عبداللہ بن جعفر ۶۰۳، ۶۰۴
عبداللہ ابن سبا ۶۲۷
عبداللہ بن عباسؓ ۴۳۷
عبداللہ بن ۳۸۱
عبدالقدوس
عبداللہ بن محمد ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۴۷
بن حنبلؒ
عبداللہ بن عمرؓ ۴۱۸، ۴۱۹، ۶۰۲
عبداللہ بن یحییٰ بن ۴۵۱، ۵۹۹
عبداللہ بن ۵۹۹
یحییٰ الزاہد
عبدالجبار خلف مولانا ۳۶۲
فتح محمد صاحبؒ

عبدالحقؒ: علامہ ۳۶۰
خیرآبادی
عبدالحقؒ: حضرت، ۱۰۵، ۱۱۲، ۱۲۸، ۳۵۳، ۳۸۲،
شیخ محدّث، دہلوی ۴۵۴، ۶۱۸، ۶۵۰، ۶۵۳، ۶۵۶،
۶۶۱، ۶۶۲، ۶۷۱، ۶۷۴، ۶۸۳،
۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۲، ۷۲۳
عبدالحق: مولوی، ۸۶
ملہوٹی
عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ۷۲۲
حضرت، مولانا
عبدالحیؒ: مولانا، ۳۶۱
چشتی صاحبؒ
عبدالرحمٰن: ۱۶۷
اجہوری، مالکی
عبدالرحمٰنؒ: ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۵
علامہ الجزائری
عبدالرحمٰن الطفسونجیؒ ۶۶۰، ۶۶۱
عبدالرحمٰن، حضرتؒ
قاری الہ آبادیؒ ۳۷۶
عبدالرحمٰن، حضرتؒ ۳۷۳
قاری جونپوری
عبدالرحمٰن، میرؒ ۴۳۱
بن سیف الدین
عبدالرحمٰن، حضرتؒ ۵۸۰
بن احمد

عبدالرحمٰن بن زبیر ۱۱۳
عبدالرحمٰن خلف ۳۷۳
قاری محبوب علی لکھنویؒ
عبدالستار، خلف ۳۶۲ مولانا فتح محمد صاحبؒ
عبدالشکور، مفتی، ۳۶۸ ہزاروی
عبدالعزیز، حضرت ۵۸۱ محمد بن المختارؒ
عبدالعزیز، علامہ ۲۶۰، ۵۰۴ پرہارویؒ
عبدالعلی، مولانا ۲۷۲ بحر العلوم
عبدالغفار، خلف ۳۶۱ مولانا فتح محمد صاحبؒ
عبدالغفور، حضرت، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، مولانا ہزارویؒ ۳۶۸، ۳۶۹
عبدالغنی، ڈاکٹر مرحوم ۲۹۳
عبدالقادر، السید، شیخ، الجیلانیؒ ۱۱، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۳۱، ۳۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱
۲۳۱، ۳۳۰، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۹۲،
۴۱۰، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳،
۴۵۵، ۴۵۶، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳،
۴۶۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸،
۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳،
۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹،
۵۴۶، ۵۶۳، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹،
۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶،
۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۳، ۵۹۶،
۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱،
۶۰۲، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸،
۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۳۰،
۶۳۷، ۶۳۸، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۵،
۶۴۶، ۶۴۷، ۶۵۳، ۶۵۵، ۶۵۶،
۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱،
۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶،
۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱،
۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸،
۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۶،
۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۳، ۶۹۵،
۶۹۶، ۶۹۷، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳،
۷۰۴، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲،
۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷،
۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۴،
۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹،
۷۳۰، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶،
۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱،
۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۶،
۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳،

(مسلسل) ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۶۱، ۷۶۳، ۷۶۴،
۷۶۵
عبدالقادر: ایک ۴۵۳، ۴۵۴
مجذوب صوفی
عبدالقادر بن ۶۵۴، ۶۸۹
محی الدین اربلی
عبدالقادر ثانی اُچویؒ ۶۸۸
حضرت، مخدوم
عبدالقیوم: ڈاکٹر ۷۲۳
(ساکن ڈنگہ)
عبدالمالک کھوتویؒ ۶۷۲، ۶۷۴
مولانا
عبدالوہاب: علامہ ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۷
شعرانیؒ
عبدالوہاب: متقی ۶۸۹
القادری، المکیؒ
عبدالوہاب (حضرت ۱۰۶، ۶۰۵
غوث اعظمؓ کے بیٹے)
عبدشمس - ۹۶
عبدمناف ۹۶
عبیداللہ احرار ۴۴
نقشبندیؒ
عبیدہ ۵۱۴
عبیداللہ بن زیاد ۵۰۵
عثمان غنیؓ: حضرت ۴۴، ۸۲، ۹۹، ۲۷۱، ۲۷۳، ۴۲۹،
۴۳۴، ۴۶۴، ۴۷۳، ۴۷۹،
۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۴، ۵۲۵، ۵۴۵،
۵۹۵، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۶
عثمان ہارونیؒ: ۶۲۳
شیخ
عراقیؒ ۲۰۳، ۳۴۹
عُرفی ۳۴۴
عزالدین: ۵۸۶
شیخ الاسلام بن
عبدالسلام
عزیز ملک ۳۶۷، ۵۲۹
عطا محمد بندیالوی: ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۹
حضرت، مولانا
عقبہ بن عامرؓ ۵
عقیلؓ ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۹۱، ۱۹۹، ۲۵۸، ۲۷۳
عقیلؒ: حضرت، ۵۷۸
شیخ
عکرمہؓ ۱۲۹، ۳۸۴
علامہ السید عباس ۶۳۸
العزاویؒ
علاء الدین خلجی ۲۹۶
علاء الدین علی احمدؒ ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۶۰۵، ۷۱۳
صابر کلیریؒ
علقمہ بن ناجیہؓ ۲۴۹
علی الخواصؒ ۱۴۴، ۱۶۵

علی النقی، حضرت امام ۳۷۸

علی بن ابراہیم القمیؒ ۳۶۸

علی ابن ابی طالبؓ، ابو تراب، شیرِ خدا، حیدرِ کرّار ۱۶، ۱۹، ۶۱، ۷۴، ۷۵، ۹۵، ۹۹، ۱۳۳، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۹، ۱۸۴، ۲۵۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۸۲، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۸، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۵، ۵۵۲، ۵۶۵، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۷، ۶۲۹، ۶۵۸، ۶۹۵، ۷۰۴، ۷۱۱، ۷۱۶، ۷۱۹، ۷۲۶، ۷۳۰، ۷۴۴، ۷۵۲، ۷۶۱، ۷۶۵

علی بن مدینیؒ ۶۷۵

علی بن یزید ۳۸۱

علی ہیتیؒ ۶۵۳

عمّارؓ، حضرت ۳۳، ۱۸۳

عمّار بن یاسرؓ ۳۲۱، ۳۲۲

عمران بن حصینؓ ۶۰

عمر خیام ۳۳۶

عمر فاروقؓ، حضرت ۶۲، ۸۲، ۹۵، ۹۶، ۱۰۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۷۰، ۲۷۱، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۳، ۳۳۹، ۳۶۳، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۹۵، ۵۱۶، ۵۳۵، ۵۶۵، ۵۹۸، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۶

عمر بن عبد العزیزؒ ۱۲۷، ۱۳۰، ۳۳۶، ۵۵۴، ۵۵۵

عمرو بن العاصؓ ۵۲۵

عمرو بن سعدؓ ۵۳۹

عمرو بن کلثوم ۳

عَوفی ۲۳۹

عیاض بن حمار المجاشعی ۵

عیاض، قاضی ۶۷۴

عیسیٰؑ، حضرت مسیح ۱۲۰، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۷۰، ۲۷۲، ۳۰۳، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۶، ۵۹۸، ۶۶۸، ۶۸۰، ۶۸۶

عُیینہ بن حصن فزاری ۱۸۳

## غ


غالب: میرزا ۵۲، ۳۹۳، ۴۳۳، ۵۷۳، ۶۲۹
اسد اللہ خان
غزنوی: سلطان ۱۹۸، ۳۳۸، ۷۵۴
محمود
غلام احمد: پرویز ۱۸۰، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۳
غلام احمد: علامہ، ۳۶۱
حافظ المعروف قاری
صاحب بہاولپوری
غلام احمد: مرزا، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۶۷،
قادیانی ۵۲۹، ۶۴۶، ۶۵۰
غلام اللہ خان: ۵۶۱
مولوی
غلام حسین آفاق ۳۷۹
بنارسی
غلام سرور مفتی: ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۶۷، ۵۸۶، ۵۸۷،
لاہوری ۶۰۶، ۶۴۳۵، ۶۷۱
غلام صابر چشتی ۱۵۵
میاں
غلام علی اینڈ سنز ۳۹۳
غلام علی غلام حسن ۵۱۳
وغیرہ
غلام قادر گرامیؒ: ۳۳۱، ۷۲۷
جالندھری
غلام محمد: حضرت، ۳۷۳
قاری، پشاوری
غلام محمد گولڑویؒ: ۳۶۰، ۳۶۱
حضرت، علامہ المعروف
شیخ الجامعہ صاحبؒ
غلام محمد یسین: ۳۵۰، ۳۵۱
مفتی، قاضی
غلام محی الدین: ۹۴، ۱۵۴، ۲۷۹، ۳۲۳، ۳۲۴،
سید، المعروف ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۶، ۳۳۷،
قبلہ بابوجیؒ ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳،
۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰،
۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۰،
۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴،
۳۹۸، ۵۵۱
غلام معین الدین شاہ: ۴۳، ۱۵۴، ۳۶۰، ۷۴۳
سید، مشتاق (مصنف
کے والد گرامی)
غلام یزید ۵۱۳
غنی کاشمیریؒ ۱۴۲، ۱۴۳، ۲۰۷، ۳۴۳
مولانا
غنیمت کنجاہیؒ: ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳
حضرت، مولانا،
محمد اکرم
غیاث الدین: ۵۷۰، ۶۱۴
مولانا، محمد

# ف

فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا بتول، خاتونِ جنت ۱۶، ۱۸، ۶۲، ۷۵، ۷۶، ۸۰، ۸۳، ۹۵، ۹۹، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۸، ۲۵۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۰۳، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۸، ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۸۶، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۷، ۵۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۰۶، ۷۳۰، ۷۴۴، ۷۵۱، ۷۵۵، ۷۶۵

فاطمہ، سیدہ، بنتِ امام حسینؓ ۶۹۶، ۷۳۳، ۹۰۱

فاطمہ بنت الاسود ۳۹۰

فاطمہ، امّ الخیر، امۃ الجبار ۵۷۹، ۶۰۰

فانی بدایونی: (شوکت علی خان) ۱۵۴

فتح اللہ: ملّا کاشانی ۴۶۹

فتح محمد، حضرت، علّامہ، مولانا ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۷، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹،

فخر الدینؒ، علّامہ، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۲، ۴۵۵، حضرت، فخر جہاں، ۴۵۶ محمد محب النبی دہلوی

فخر الدین علی: کاشفی، مولانا ۵۲۰

فرّا، امام نحو ۱۲۹

فرعون ۴۳، ۵۷، ۱۵۲، ۲۲۰، ۲۵۸، ۳۰۸، ۴۷۵

فریابی ۵۲۷، ۵۳۰

فریدؒ ۹

فرید احمد، امام طب، حکیم ۱۵۶

فرید الدینؒ، حضرت، شیخ، عطّار، نیشاپوری ۲۲۰، ۲۷۱، ۳۵۲

فرید الدینؒ، حضرت، بابا مسعود گنج شکر ۹، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۷۸، ۲۸۰، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۵۴، ۷۰۹

فضل الٰہی سیٹھی ۳۵۵

فضل الدین، ملک، نقشبندی مجددی ۱۰۵

فضل الرحمٰنؒ: ۳۲۶،۳۲۵
حضرت، شاہ،
گنج مرادآبادی
فضل اللہ بن: ۶۷۲
روزبہان، علامہ
فضل حق: ۳۶۰
علامہ رامپوریؒ
فضل گجراتیؒ: پیر ۷۵۴
فنا نظامی کانپوری ۳۲۹
فیض احمد فیض: ۹۱،۵۶، ۹۲، ۲۹۴، ۳۲۴، ۳۲۴،
حضرت، علامہ، ۳۲۷، ۳۶۲، ۳۶۹، ۵۱۱، ۵۳۵،
مولانا، مؤلف مہر منیر، ۶۵۴، ۶۶۶، ۶۷۰، ۷۰۴، ۷۰۵
فیض عالم حکیم، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۱۲۸، ۱۲۷،
صدیقی ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹،
۴۳۴، ۴۹۲، ۵۳۵، ۵۳۶،
۵۴۵، ۵۴۹، ۵۶۱، ۶۲۰

## ق

قاآنی: خلاق المعانی ۳۷۶
حکیم
قابل اجمیری ۳۵۶
قارون ۴۹، ۳۰۳
قاری محمد طیب ۵۱۲
مہتمم دارالعلوم
دیوبند
قاسم جگر گوشہ ۷۶، ۳۸۹
رسالت مآبؐ
قاسم بن محمد بن ۶۰۷
ابی بکر الصدیقؓ
قائد اعظم ۶۸۵
قتادہؒ: حضرت ۱۲۹، ۵۳۰
قتیل شفائی ۳۵۳
قدسیؒ: جان محمد ۱۲۶
قرطبیؒ ۴۱۸
قریش ۵۶، ۱۲۶، ۱۲۸
قسطلانیؒ: امام، ۵۰۵، ۵۰۸
(شارح بخاری)
قضیب البان ۶۵۴
موصلیؒ: شیخ
قطب الدین: ۷۰۹، ۷۱۰
حضرت، خواجہ،
بختیار اوشی کاکیؒ
قطب الدین: ۳۵۱
حضرت، مولانا، آقا حق
مظفرآبادیؒ
قیس بن عامر ۷۷، ۸۸، ۵۴۲

## ک

کنانہ ۵۶، ۱۲۶
کیا الہراسی: ۵۰۷
فقیہ، شافعی

کیف، رامپوری ۳۲۹

# گ

گُل فقیرؒ مولوی، پشاوری: ۳۵۱
گُل محمدؐ ۳۷۰

# ل

لبید ۵۵۲
لطیف علی بیگ: ۳۶۴
حاجی
لُقمان ۵۲۲
لُوطؑ، حضرت ۴۱، ۴۲، ۴۳
لیلیٰ ۷۸، ۸۸، ۸۹، ۴۱۰

# م

ماجد الکردی، شیخ ۶۵۴
مارگریٹ تھیچر: ۶۲۰
(وزیر اعظم برطانیہ)
ماعزؓ ۳۸۳
ماہر لکھنوی ۳۲۹
مجاہدؒ حضرت ۵۲۷، ۵۳۰، ۵۳۱
مجدد الفِ ثانی: ۴۵۳، ۴۵۲، ۶۲۵، ۶۲۶،
امام ربانی شیخ احمد ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۷،
سرہندیؒ ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳،
۶۶۴، ۶۷۶، ۶۹۵

مجذوب فرنگی ۱۸۰
مجنوں ۲۸، ۸۹، ۴۱۰
محبوب علی بقاری ۳۷۲، ۳۷۳
حضرت، علامہ،
لکھنوی
محبوب علی، درگاہ ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۱،
گولڑہ شریف کے قوال ۳۵۴
محسن مُلّا کاشانی ۴۶۷
محمد اسحاق بولوی ۱۷۰
محمد اسلم کنجاہی ۷۲۳
محمد اسمٰعیل جلیسی ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱
امرتسریؒ، منشی
محمد اسمٰعیل سیٹھیؒ ۳۲۵، ۳۵۴، ۳۵۵
پشاوری
محمد اشرف نازک ۷۲۳
کنجاہی
محمد اعظم، قادریؒ ۶۷۲
نوشاہی، مولانا
محمد افضل فقیر: ۷۲۸
حافظ
محمد اکرم، شیخ، ۱۰۵، ۱۰۶
چشتی، صابری
محمد الصّبان ۱۰۲، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۲۵،
مصریؒ، علامہ، ۱۹۱، ۴۱۹، ۵۱۲، ۶۰۳
شیخ

محمد امین کاشف، ۳۵۰، ۳۵۱
قاضی
محمد بخشؒ، میاں، ۴۴، ۲۴۴، ۷۵۲
کھڑی شریف
محمد بشیر الدین، ۳۵۱
قاضی، مظفرآبادی
محمد بن ابی بکر ۶۰۷
صدیق
محمد بن داؤد ۴۵۱، ۵۹۹
محمد بن حنفیہ ۱۹۱
محمد بن سعید ۷۰۲
بن احمد، حضرت امام
محمد بن عبدالوہاب ۴۳۷، ۴۴۸
نجدی
محمد بن محمد بن محمد ۶۵۶
امام، محدث الجزری
محمد بن ملا پیر ۶۸۲
محمد شیرازی
محمد بن یحییٰ قلمر، ۵۹۶
تادفی، حنبلیؒ
محمد بن یعقوب، ۴۷۱، ۴۷۷
ملا الکلینی
محمد جمال جالو ملتانی ۹۸
محمد حسن خان ۵۲۹
مراضانی

محمد حسین الٰہ آبادی، ۳۶۵
حضرت، مولانا
محمد خان، ساکن ۸۶
ملوٹ
محمد رسول اللہ، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸، ۱۶، ۱۷، ۱۸،
رسالت مآب، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۳۲، ۳۳،
حضور خیر الانام، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۴، ۴۹،
سیّد کونین، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲،
صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳، ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۸۰،
۸۱، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۳،
۹۴، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۲،
۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶،
۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹،
۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷،
۱۵۴، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۴،
۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱،
۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۰،
۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۳،
۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱،
۲۱۵، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۴،
۲۲۶، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۰،
۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳،

(مسلسل) ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۲۱، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۴۵، ۳۶۸، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۲، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۷، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۶، ۴۹۷، ۵۰۲، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۳، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۳، ۵۵۵، ۵۵۹، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۷۲، ۵۷۳، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۴۳، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۸، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۶، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۶، ۷۰۳، ۷۱۱، ۷۱۷، ۷۱۹، ۷۲۲، ۷۲۴، ۷۳۰، ۷۳۳، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۵۱، ۷۵۳، ۷۵۵، ۷۶۱، ۷۶۵، ۷۶۶

محمد زکریا، مولانا ۶۰۵، ۱۰۶

محمد سعیدؒ، خواجہ، ۹۵۹

مخدوم زادہ

محمد سیف الدین، ۵۹۲

السید، الجیلانی

محمد شریف صابر ۷۵۲

محمد شفیع، حضرت، ۳۶۵

مولانا، ساکن بھوتی

محمد صادق، ۳۳۷، ۳۳۸

الشیخ خلیل

محمد طارق بزاروی ۳۶۸

محمد عبداللہ قریشی ۹۲

محمد علی اصغر، ۱۰۵
مولانا، چشتی
محمد فاضل کلانوریؒ، ۶۷۲
علامہ
محمد فواد عبدالباقی ۵۲۶
محمد قلی سلیم، ۴۰۶
طہرانی
محمد کرم شاہ، علامہ، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۸۶
جسٹس، پیر، بھیروی،
الازہری
محمد نعمت اللہ، ۱۵۴، ۱۵۵
حضرت، مولانا،
فاروی، الہ آبادیؒ
محمد نوشہ گنج بخشؒ، ۷۱۹
حضرت، حاجی
محمد یونس وفا، ۳۵۵
سیٹھی، پشاوری
محمود احمد، سید، ۳۶۵
رضوی
محمود برکاتی ۱۵۵، ۱۵۸
محمود عباسی ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷،
۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶،
۱۴۷، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۹،
۳۱۷، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۹۴، ۵۱۷

۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۵، ۵۴۹،
۵۵۱، ۶۲۰
محی الدین، ۲۹، ۳۰، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۳،
رئیس المکاشفین، ۱۹۶، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۳،
حضرت ابن عربی، ۲۶۴، ۲۶۵، ۳۴۷، ۳۴۸، ۵۱۹،
شیخ اکبرؒ ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۷، ۶۹۵
مختار علی (خلف ۳۷۳
قاری محبوب علیؒ)
مخلص کاشی ۴۰۷
مرزا مظہر ۶۷۱
جانِ جاناںؒ
مرغوب علی (خلف ۳۷۳
قاری محبوب علیؒ)
مریمؑ ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۳۳۸، ۳۳۹،
۶۷۸
مزید، مولانا ۵۲۰
مستان شاہ کابلیؒ ۱۵۲
مستنجد باللہ، ۵۸۶
خلیفہ
مسعودی ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۵۰
مسلم بن عقبہ ۵۰۵
مسور بن مخرمہؓ ۲۷۴، ۴۲۶
مشتاق احمد چشتی، مولانا ۳۶۲
مشتاق احمد سیٹھی ۳۵۵
پشاوری

مشتاق علی قوال ۳۵۰، ۳۵۱
(برادر محبوب علی قوال
درگاہ گولڑہ شریف)
مصطفیٰ، شیخ ۱۴۴، ۳۵۲
غلام ہمدانی)
معشوق علی خانؒ: ۳۵۱
حضرت، مولانا،
حافظ، رامپوری
معقل بن یسار ۱۱۶
معین الدین حسنؒ: ۲۵، ۳۱، ۱۰۹، ۲۶۷، ۲۸۰، ۳۰۵،
خواجہ خواجگان، ۳۲۹، ۳۷۳، ۳۹۲، ۴۶۴، ۵۵۱،
حضرت غریب نواز ۶۵۴، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۸۴، ۷۰۹
اجمیریؒ
معین الدین، مولانا، ۳۹۲
بن مولانا شرف الدین
حاجی محمد الفراہی
(ملا معینی)
مقداد بن الاسودؓ: ۴۷۱
حضرت
مقدام بن معدیکربؓ ۸
ملک الموت، ۶۸۶، ۶۸۷
عزرائیلؑ
ملک سلطان محمود ۹۱
ٹوانہ
ملک مسعود ٹوانہ ۹۱

ممتاز احمد، مولوی، ۳۶۲، ۳۶۷
چشتی
مناظر احسن گیلانی: ۵۷۹
مولانا، سیّد
مناوی، علامہ ۵۶، ۶۰۷
مندل ۳۸۱، ۳۸۲
منصور بطائحیؒ: ۵۷۸
شیخ
منصور حلّاج ۳۵۰، ۵۸۳، ۶۶۶
منظور حسین: ۳۶۰
خواجہ، ملتانی
مَنلا ۴۲۱
منور حسین قریشی، ۴۳۴، ۴۳۵
ہاشمی، عباسی
موسیٰؑ، حضرت، ۱۳، ۴۳، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۶۱،
کلیم اللہ ۳۰۳، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۸۲، ۴۰۹،
۴۱۲، ۴۱۳، ۵۱۵، ۵۱۶، ۶۶۶،
۶۷۷، ۶۷۸
موسیٰ اشعری ۵۷۵
موسیٰ الجون بن ۴۵۱، ۵۹۹، ۶۰۰
عبداللہ المحض
موسیٰ بن عبداللہ ۴۵۱، ۵۹۹، ۶۰۰
موسیٰ پاک شہید ملتانی ۶۸۸
مہدیؑ، امام ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸،
۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۷، ۴۷۸، ۵۱۹، ۵۳۰

مہر احمد نواز: ۳۵۴
پنج پھولاں

مہر خان محمد: ۳۵۴
برنوٹا، ساکن جھنگ

مہر علی شاہ: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، حضرت اعلیٰ، قبلہ، ۳۴، ۵۱، ۶۴، ۸۴، ۸۶، ۸۸، سید، پیر گولڑوی ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۷، ۱۵۴، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۵۱، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۷، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۹۲، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۲۳، ۵۲۹، ۵۳۵، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۴، ۶۲۷، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۲، ۶۴۹، ۶۵۷، ۶۶۳، ۶۶۶، ۶۷۰، ۶۷۲، ۶۷۹، ۶۹۶، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۷۲۴، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۶۶

مُہلّب ۵۰۵، ۵۰۸

میاں نُور جہانیاں: ۳۴۲
حضرت بقبلہ، چشتی، نظامی، فخری

میر تقی میر ۲۳۹، ۳۹۴، ۴۸۷، ۵۵۱

میر جان محمد: ۵۷
حضرت، سید

میر درد خواجہؒ ۳۱، ۳۱۶

میکائیلؑ ۳۱۲، ۳۱۳

ن

ناصر علی سرہندیؒ ۲۰۵، ۳۱۶

ناصر احمد: مرزا ۶۳۴، ۶۵۰
قادیانی

نجم الحسن کراروی ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۹۸، ۴۹۹، ۵۹۸

نذر محمد (مولانا ۷۱۹
غنیمت کنجاہیؒ کے
والد گرامی)

نذیر احمد: ڈاکٹر ۷۵۱

نذیر احمد: ۳۳۰
لیفٹیننٹ کرنل

نذیر سید محمدؒ، دہلوی ۵۲۹

نصیر الدین نصیر گیلانی ۱۶۲، ۳۲۵، ۳۳۴، ۳۹۳، ۴۰۱، [illegible]

گولڑہ شریف (مصنف نام بھی) ۲۸۳، ۳۷۰، ۳۸۷، [illegible]

(مسلسل) ۷۵۱،۷۵۵،۷۹۵،۷۶۷
نصیر الدین، سید، ۶۵۵
ہاشمی، قادری، رضوی، برکاتی
نضر بن کنانہ ۱۲۸،۱۲۹،۱۳۷
نظام (ایک شخص) ۴۴۰
نظام الدین، حضرت، شیخ، اورنگ آبادی ۲۶۷
نظام الدینؒ: سلطان المشائخ، حضرت، خواجہ، محبوب الٰہی ۳۱،۴۴،۱۸۴،۲۱۹،۲۲۰،۲۴۳، ۲۷۸،۲۷۹،۲۹۵،۲۹۶،۲۹۷، ۲۹۸،۳۰۲،۳۳۰،۶۱۴،۶۵۵
نظامی گنجوی، مولانا ۱۴۷،۱۴۸،۴۴۸
نظیر اکبر آبادی ۵۷،۵۸
نظیری نیشاپوری ۱۵۱،۳۴۴
نعمانی ۴۶۸
نمرود ۵۷
نوحؑ ۱۵،۱۷،۲۵۴،۲۹۵،۲۷۸،۴۱۲
نوح نارویؒ ۱۵۵،۴۳۷،۴۷۳،۷۳۵
نور الدین، حضرت، شیخ ابو الحسن علی بن یوسف ۷۰۱
نور الدین زنگیؒ ۴۷،۵۸۳
نور اللہ میاں، مولانا، الٰہ آبادی ۱۵۴،۱۵۵
نور محمد تہاری ۶۴۴،۶۵۸
نور محمدؒ، حضرت، قبلہ، خولجہ، مہاروی ۱۹۸،۳۴۲،۳۴۳،۴۵۶
نیاز فتح پوری ۱۵۷

## و

واثلہ بن الاسقع ۵۶
وارث شاہؒ، حضرت، پیر ۷۵۲
وصی احمدؒ، حضرت، مولانا، محدث سورتی ۳۳۵،۳۳۶
وکیع بن الجراحؒ ۶۷۵
وکیل احمد سکندرپوریؒ، مولانا ۶۷۲
ولید بن عقبہ بن ابی معیط ۲۴۹،۲۵۰،۲۵۱،۲۵۲
وہبؒ، حضرت ۱۶

## ہ

ہارونؑ ۱۵۸،۱۵۹،۵۱۵،۵۱۶
ہارون الرشید، خلیفہ ۱۵۸،۱۵۹
ہاشم ۹۶
ہاشم رضا ۵۲۰،۶۳۳
ہامان ۴۷۵

ہدایت اللہ ۵۲۹
ہلاکو ۴۳۴
ہیر سیال ۲۴

## ی

یار محمد بندیالویؒ: ۳۶۵
حضرت، مولانا
یحییٰؑ ۱۳۶،۱۵۸،۱۵۹،۲۰۷
یحییٰ الزاہد ۴۵۱،۵۹۹
بن محمد
یحییٰ بن معین: ۳۸۱،۳۸۲
امام
یزید (ملعون) ۱۷،۱۸،۱۹،۱۳۰،۱۵۶،۱۵۷،
۲۸۳،۳۱۷،۴۴۱،۴۸۰،۵۰۳،
۵۰۴،۵۰۵،۵۰۶،۵۰۷،۵۰۸،
۵۰۹،۵۱۰،۵۱۱،۵۱۲،۵۱۳،۵۱۴،
۵۲۰،۵۲۱،۵۲۳،۵۳۵،۵۳۶
یعقوبؑ، حضرت ۴۱۲،۴۱۳،۷۲۶،۷۲۹،۷۳۸
یعقوب علی خان: ۳۴۰
صاحبزادہ،
(وزیر خارجہ پاکستان)
یعقوب حمویؒ: ۵۷۸
امام
یوسفؑ، حضرت ۳۵،۱۳۶،۱۵۸،۱۵۹،۷۲۶،۷۲۹،
۷۳۸،۷۵۴،۷۶۷
یونس ابراہیم ۴۹۷،۵۹۴،۵۹۹،۶۰۱،۶۰۵،
السامرائیؒ، علامہ، ۶۹۵
الشیخ

# اعلامِ متنِ کتاب کے سنینِ وفات

# اَعلامِ متنِ کتاب کے سنینِ وفات[1]

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی | نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | ابراہیمؑ، حضرت | ۱۸۰۰ ق م | | بن مہران ابو محمد الرازی المعروف بابنِ ابی حاتم التمیمی، الحنظلی | |
| ۲ | ابراہیم جگر گوشۂ رسالت مآبؐ | ۱۰ھ، بعمر ۱۰ ماہ ۱۶ دن بہ اختلافِ روایات | ۷ | ابنِ ابی شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی (محدث) | ۲۳۵ھ کوفہ میں وفات پائی |
| ۳ | ابراہیم الدسوقیؒ | ۶۷۶ھ | ۸ | ابن الاثیر مجد الدین المبارک بن محمد موصلی | ۱۲۱۰ء |
| ۴ | ابراہیم نخعیؒ (امام ابو حنیفہؒ کے استاد امام حماد کوفیؒ کے استاد) | ۹۵ھ | ۹ | ابن المنذر: محمد بن ابراہیم بن المنذر ابوبکر النیشاپوری (محدث، فقیہ) | ۳۱۸ھ |
| ۵ | ابن ابی اوفیٰؓ (صحابی) | ۸۷ھ | | | |
| ۶ | ابنِ ابی حاتمؒ: عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر ابنِ داؤد | ۳۲۷ھ | ۱۰ | ابن المنکدر: محمد بن المنکدر (تابعی) | ۱۳۰ھ |

[1] قارئین کے افادہ کے لئے اعلامِ متن میں سے جن کے سنینِ وفات دستیاب ہو سکے ہیں، بہ ترتیبِ حروفِ تہجی الگ دیئے جا رہے ہیں تاکہ تلاش میں سہولت رہے۔ سنین کی صحت کے بارے میں اپنی طرف سے امکانی حد تک کاوش و احتیاط سے کام لیا گیا ہے، تاہم بعض شخصیات کے سنینِ وفات کے سلسلے میں اختلافِ روایات کی بنا پر اسے حرفِ آخر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اُمید ہے تحقیق و تفتیش سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم قارئین میری اس محنت کو یقیناً مفیدِ مطلب پائیں گے۔ (مصنف)

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی | نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۱ | ابنِ تغری بردی: جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن الاتابکی الادیب، المؤرخ | ۸۰۲ھ | | الحافظ ابوالحسن الضریر الاندلسی (امامِ لغت) | |
| ۱۲ | ابنِ تیمیہ: شیخ، امام، ابوالعباس، تقی الدین | ۷۲۸ھ | ۱۹ | ابنِ عباس: (رسالت مآب کے چچا زاد اور مفسر) | ۶۸ھ |
| ۱۳ | ابنِ جریر طبری: ابوجعفر محمد بن جریر (مؤرخ، مفسر) | ۳۱۰ھ | ۲۰ | ابنِ عبداللہ: الحافظ جمال الدین ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری، الادیب، الفقیہ المالکی، المعروف بابن البر القرطبی | ۴۶۳ھ |
| ۱۴ | ابنِ جوزی: علامہ عبدالرحمٰن (محدث، نقاد) | ۵۹۷ھ | ۲۱ | ابنِ عدی کوفی: ابوعبدالرحمٰن الہیثم بن عدی بن عبدالرحمٰن بن زید بن اُسید بن جابر الطائی الثعالبی البحتری الکوفی | ۲۰۷ھ |
| ۱۵ | ابنِ حجر عسقلانی: علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد ابوالفضل شافعی مصری | ۸۵۲ھ | ۲۲ | ابنِ عمرؓ: عبداللہ، صحابی (فقیہ، مجتہد) | ۷۳ھ |
| ۱۶ | ابنِ خلکان: شمس الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن خلکان | ۶۸۱ھ | ۲۳ | ابنِ فارس: ابوالحسین احمد بن فارس القزوینی | ۱۰۰۴ھ |
| ۱۷ | ابنِ سعد: ابوعبداللہ محمد بن سعد (صاحبِ طبقات) | ۲۳۰ھ | ۲۴ | ابنِ قتیبہ: ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ۔ الکوفی | ۲۷۶ھ |
| ۱۸ | ابنِ سیدہ: علی بن اسماعیل بن سیدہ | ۴۵۸ھ | | | |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۲۵ | ابن کثیر: حافظ اسماعیل بن عمر عماد الدین ابو الفداء الدمشقی | ۷۷۴ھ |
| ۲۶ | ابنِ ماجہ: ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، ربعی (صاحبِ سُنن) | ۲۷۳ھ بعمر ۶۴ سال |
| ۲۷ | ابنِ مسعودؓ: عبد اللہ (صحابی، مجتہد، فقیہ) | ۳۲ھ |
| ۲۸ | ابنِ ملجم: عبد الرحمٰن (حضرت علیؓ کا قاتل) | ۴۰ھ |
| ۲۹ | ابنِ منیر: علی بن محمد بن منصور الجذامی الاسکندرانی زین الدین المعروف بابن منیر، المحدث، الفقیہ المالکی | ۶۹۹ھ |
| ۳۰ | ابنِ ہمامؒ: کمال الدین محمد ابن عبد الواحد السیواسی (صاحبِ فتح القدیر) | ۸۶۱ھ |
| ۳۱ | ابو الاعلیٰ مودودی | ۱۹۷۹ء |
| ۳۲ | ابو الحسن خرقانیؒ: شیخ ابو الحسن | ۴۲۵ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | علی بن جعفر (سلطان محمود غزنوی کے پیر) | |
| ۳۳ | ابو الخطاب: حضرت محفوظ الکلوذانی الحنبلیؒ (حضرت غوث پاکؒ کے استادِ محترم) | ۵۱۰ھ |
| ۳۴ | ابی العاص بن الربیعؓ: (رسالت مآبؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سگے بھانجے) | ۱۲ھ |
| ۳۵ | ابو العباس مستظہر باللہ (عباسی خلیفہ) | ۵۱۵ھ |
| ۳۶ | ابو الفرح محمد فاضل الدین بٹالوی | ۱۱۵۱ھ |
| ۳۷ | ابو الفضل محمد بن حسن ختلیؒ (حضرت داتا صاحبؒ کے شیخ) | ۴۵۳ھ |
| ۳۸ | ابو القاسم قشیریؒ: عبد الکریم بن ہوازن الشافعی | ۴۶۵ھ |
| ۳۹ | ابو القاسم گورگانیؒ: شیخ | ۴۵۰ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۴۰ | ابوالمعالیؒ قادری: لاہوری | ۱۰۲۴ھ |
| ۴۱ | ابوالنجیبؒ: شیخ عبدالقاہر سہروردی (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے چچا) | ۵۶۳ھ |
| ۴۲ | ابوالوفا: علی بن عقیل الحنبلیؒ (غوثِ پاکؓ کے استادِ محترم) | ۵۱۳ھ |
| ۴۳ | ابوبکرن الصدیقؓ: صدیقِ اکبرؓ یارِ غار، خلیفۂ اوّل | ۱۳ھ |
| ۴۴ | ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن محمد شہاب الدین العلوی الحضرمی الشافعی | سن وفات نہیں ملا (سن ولادت ۱۲۶۲ھ ہے۔ |
| ۴۵ | ابوبکر بن عیاشؒ (امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ان سے روایت کی) | ۱۵۳ھ بعمر ۹۶ سال |
| ۴۶ | ابوجعفر: بن احمد بن الحسین القاری سراجؒ (غوثِ پاکؓ کے استادِ محترم) | ۵۲۱ھ |
| ۴۷ | ابوجہل: عمرو بن ہشام ابن مغیرۃ المخزومی | ۲ھ |
| ۴۸ | ابوحنیفہؒ: نعمان بن ثابت بن زوطا الکوفی (سرخیلِ مسلکِ احناف) | ۱۵۰ھ وصال بغداد میں ہوا |
| ۴۹ | ابوداؤد: سلیمان بن اشعث (صاحبِ سُنن) | ۲۷۵ھ بعمر ۷۳ سال بصرہ میں وفات پائی |
| ۵۰ | ابوداؤد دارمی (غیر صاحبِ سُنن) | ۱۲۰ تا ۱۳۰ھ بہ اختلافِ روایات |
| ۵۱ | ابی ذرؓ: جُندب بن جُنادہ (ایک جلیل القدر صحابی) | ۳۲ھ |
| ۵۲ | ابوسعید ابوالخیرؒ: فضل اللہ | ۴۴۰ھ |
| ۵۳ | ابوسعیدؒ: المبارک بن علی المخزومی الحنبلی (حضرت غوث پاکؓ کے استادِ محترم اور شیخ) | ۵۱۳ھ |
| ۵۴ | ابی سُفیانؓ بن حرب بن اُمیّہ (امیر معاویہؓ کے والد) | ۳۲ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۵۵ | ابو صالح نصرؒ: القاضی ابو صالح نصر بن عبد الرزاق بن محی الدین عبد القادر الگیلانیؒ (آپ عباسی خلیفہ المستنصر کے عہد میں بغداد کے قاضی القضاۃ رہے) | ۶۳۳ھ |
| ۵۶ | ابو طالب کلیم: ہمدانی (فارسی کا مشہور شاعر) | ۱۰۶۱ھ |
| ۵۷ | ابو عصمہؒ (امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد) | ۱۷۳ھ |
| ۵۸ | ابو لہب: عبد العزّٰی | ۲ھ |
| ۵۹ | ابو مدین مغربی: شعیب ابن حسین (ابن عربیؒ کے شیخ) | ۵۹۰ھ |
| ۶۰ | ابو ہریرہؓ: عُمیر بن عامر بن عبد ذی الشری الدوسی الیمانی | ۵۹ھ |
| ۶۱ | ابو یعلیٰ موصلی: قاضی احمد بن علی بن المثنیٰ بن یحییٰ بن عیسیٰ ابن ہلال التمیمی الموصلی، الحافظ، المحدث (صاحب مُسند) | ۳۰۷ھ |
| ۶۲ | احمد البدویؒ: ابو الفتیان | ۶۷۵ھ |
| ۶۳ | احمد الرفاعیؒ (سلسلہ رفاعیہ کے بانی اور حضرت غوث پاکؒ کے ہم عصر بزرگ) | ۵۷۸ھ |
| ۶۴ | احمد بن حجرؒ: علامہ شہاب الدین احمد بن حجر، الہیتمی، مکی، الشافعی | ۹۷۴ھ |
| ۶۵ | احمد بن عضار العطاس: المعروف (مدنی صاحب) | ۱۹۷۴ء |
| ۶۶ | احمد جام زندہ پیلؒ: شیخ شہاب الدین ابو النصر احمد بن ابو الحسن بن احمد بن محمد النامقی الجامی | ۵۳۶ھ |
| ۶۷ | احمد حسین خان، امروہی | ۱۳۶۱ھ |
| ۶۸ | احمد رضا خانؒ: بن مولانا محمد نقی علی خان (فاضل بریلوی) | ۱۳۴۱ھ |
| ۶۹ | احمد رودولویؒ: شیخ عبد الحق | ۸۳۶ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۷۰ | احمد زروق المحدث الفاسیؒ | ۸۹۹ھ |
| ۷۱ | احمد سعید کاظمیؒ: (لقب غزالیِ زماں، محدث، متکلم اور مفسر) | ۱۹۸۵ء، ملتان میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ |
| ۷۲ | احمد علی: محدث سہارن پوریؒ (حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کے استادِ محترم) | ۱۲۹۵ھ |
| ۷۳ | احمد علی الحائری، لاہوری (شیعہ مفسرِ قرآن) | ۱۳۶۰ھ |
| ۷۴ | اَخفش: اخفش تین گزرے ہیں | |
| (۱) | اَخفشِ اکبر: عبد الحمید بن عبد المجید سیبویہ کا استاد | سنِ وفات نہیں ملا۔ |
| (۲) | اَخفشِ اوسط: ابوالحسن سعید بن مسعدہ، سیبویہ (م ۱۷۷ھ) کا شاگرد | ۲۱۶/۲۱۵ھ |
| (۳) | اَخفشِ اصغر: ابوالحسن علی بن سلیمان | ۳۱۶/۳۱۵ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۷۵ | اخی سراجؒ: (حضرت نظام الدین اولیاء کے مُریدِ خاص) | ۷۵۸ھ |
| ۷۶ | ارسطو: (شہرۂ آفاق یونانی فلسفی، سکندرِ اعظم کا اتالیق) | ۳۸۴ ق۔م |
| ۷۷ | اُسامہ بن زیدؓ: بن الحارثہ القُضاعی | ۵۴ھ |
| ۷۸ | اسحاق بن راہویہ (امام بخاری کے استاد) | ۲۳۸ھ بعمر ۷۷ سال نیشاپور میں وفات پائی۔ |
| ۷۹ | اسرار احمد چشتی (متولی صاحب اجمیری) | ۱۹۸۴ء |
| ۸۰ | اَسماء بنتِ ابوبکرؓ: ذات النطاقین؛ متنِ کتاب میں حدیثِ منقول کی مخاطبہ اَسماء بنتِ عُمیس نہیں، بلکہ اَسماء بنتِ ابوبکرؓ ہیں تفصیل کے لیے دیکھئے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از مُلّا علی قاریؒ ص ۳۶۰، مطبوعہ مصر، سنِ طباعت ۱۳۰۹ھ) | ۷۳ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۸۱ | اسماعیل حقیؒ: آفندی مصری (صاحبِ رُوح البیان) | ۱۱۳۷ھ |
| ۸۲ | اسماعیل دہلوی: مولوی | ۱۸۳۱ء |
| ۸۳ | اشک: صاحبزادہ واجد علی خان رامپوریؒ (المعروف اچھن صاحب) | ۱۹۵۸ء |
| ۸۴ | اصغر گونڈوی: مولانا اصغر حسین | ۱۹۳۶ء |
| ۸۵ | افضال الحقؒ: مولانا، رامپوری | ۱۹۵۵ء |
| ۸۶ | اقبال: علامہ، ڈاکٹر، شیخ، محمدؒ (شاعرِ مشرق) | ۱۹۳۸ء |
| ۸۷ | اقرع بن حابس تمیمیؓ (صحابی) بقولِ حافظ ذہبیؒ خلافتِ عثمانی میں محاذِ جوزجان پر شہادت پائی۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ | ۳۱ھ |
| ۸۸ | اکبر الٰہ آبادیؒ: حضرت، سید اکبر حسین | ۱۹۲۱ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۸۹ | الابلوس معلوف الیسوعی لبنانی (صاحبِ منجد) | ۱۹۴۶ء |
| ۹۰ | التمش یا التتمش: سلطان شمس الدین (البری قبیلے کے سردار کا بیٹا، ترکی الاصل تھا) | ۶۳۳ھ |
| ۹۱ | الطاف حسین حالیؒ: مولانا | ۱۹۱۴ء |
| ۹۲ | العز بن عبد السلام بن احمد الکیلوی، البغدادی (آپ نے غوث پاکؒ کے ایک عربی قصیدے کی تخمیس لکھی) | ۶۵۹ھ |
| ۹۳ | المقتفی لامر اللہ (عباسی خلیفہ) | ۵۵۵ھ بعمر ۶۶ سال |
| ۹۴ | اللہ بخش تونسویؒ: حضرت، خواجہ | ۱۹۰۱ء |
| ۹۵ | امام ابو اسحاقؒ: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران الاسفرائینی، الفقیہ الشافعی، المتکلم الاصولی | ۴۱۸ھ نیشاپور وفات پائی۔ پھر ان کی میت اسفرائن لے جائی |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| | | گئی آپ کی مجلس میں رسالہ قشیریہ کے مصنف امام ابو القاسم قشیریؒ آیا کرتے تھے امام بیہقیؒ نے اپنی تصانیف میں ان سے مروی سولیات کو درج کیا ہے۔ یاد رہے کہ اسفرائن جرجان اور نیشاپور کے درمیان ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام مہرجان تھا۔ |
| ۹۶ | امام ابو یوسفؒ: قاضی (امام اعظمؒ کے مشہور شاگرد، فقیہہ، مجتہد، قاضی القضاۃ) | ۱۸۲ھ |
| ۹۷ | امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزیؒ (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے آپ سے روایات لی ہیں) | ۲۴۱ھ بعمر ۷۷ سال بغداد میں وفات پائی |
| ۹۸ | امام السیبانی علاء الدین محمد الجوادؒ | ۲۲۰ھ |
| ۹۹ | امام بخاریؒ: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل | ۲۵۶ھ سمرقند کے قریب خرتنگ میں آپ کا مزار ہے۔ |
| ۱۰۰ | امام ترمذیؒ: محمد بن عیسٰی | ۲۷۹ھ ترمذ میں وفات پائی ترمذ جیحوں کے مشرقی کنارے پر ایک مشہور شہر ہے |
| ۱۰۱ | امام جعفر صادقؓ | ۱۴۸/۱۴۹ھ |
| ۱۰۲ | امام ذہبیؒ: شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (محدث، مؤرخ، نقاد) | ۷۴۷ھ |
| ۱۰۳ | امام راغب اصفہانیؒ: ابو القاسم حسین بن محمد بن المفضل (مشہور محقق لغتِ قرآن) | ۵۰۲ھ |
| ۱۰۴ | امام رضاؒ: ابو الحسن علی الرضا بن موسٰی الکاظم | ۲۰۳ھ آپ کا مزار مشہد (مشرقی ایران) میں مرجع خلائق ہے |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۰۵ | امام زفرؒ: ابو الھذیل زفر بن الھذیل (امام اعظمؒ کے معتمد شاگرد، بصرہ کے قاضی رہے) | ۱۵۸ھ بصرہ میں وفات پائی۔ |
| ۱۰۶ | امام شافعیؒ: محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع القرشی، ابو عبداللہ الامام الشافعیؒ | ۲۰۴ھ بعمر ۵۴ سال مصر میں وفات پائی اور مصر کے قرافہ صغریٰ میں مدفون ہوئے قرافہ، مصر میں واقع اس مقام کا نام جہاں حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام، اہل بیت عظام، صحابہ کرام، محدثین، علماء اسلام اور دیگر صالحین امت کے مزارات مقدسہ ہیں۔ |
| ۱۰۷ | امام احمد بن محمد بن ناصر کشی | ۳۴۴ھ در کش، (جرجان سے تین فرسخ پر واقع ایک بستی کا نام) |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۰۸ | امام عسکریؓ: الحسن بن علی العسکری | ۲۶۰ھ سامرا میں وفات پائی۔ |
| ۱۰۹ | امام غزالیؒ: ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الطوسی، الغزالی، حجۃ الاسلام | ۵۰۵ھ طوس میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے بغداد میں ان کے مزار کا قول ضعیف ہے البتہ وہاں آپ کے چھوٹے بھائی احمد الغزالی دفن ہیں۔ |
| ۱۱۰ | امام فخر الدین رازیؒ: محمد بن عمر بن الحسین الرازی، المفسر، المتکلم، الفیلسوف، الاصولی، الطبیب، الفقیہ الشافعی (شہر رے کی نسبت سے آپ کو رازی کہا جاتا ہے۔ رے تہران کے جنوب مشرق میں ایک اہم شہر ہے۔) | ۶۰۶ھ |
| ۱۱۱ | امام مالکؒ: مالک بن انس، ابو عبداللہ الاصبحی | ۱۷۹ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۱۲ | امام محمدؒ: ابوعبداللہ محمد بن حسن الشّیبانی (امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد) | ۱۸۹ھ رَے کے مضافات میں واقع رَنبویہ گاؤں میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے صاحب معجم البُلدان نے مشہور امام نحو علی بن حمزۃ الکسائی (م ۱۸۲ھ) کے یہیں دفن ہونے کے متعلق لکھا ہے |
| ۱۱۳ | امام مسلمؒ: ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری، النیشاپُوری (جامع صحیح مسلم) | ۲۶۱ھ |
| ۱۱۴ | امام موسیٰ کاظمؓ | ۱۸۳ھ مزار شریف بمقام کاظمین (بغداد) واقع ہے۔ |
| ۱۱۵ | امان پانی پتیؒ: شیخ (آپ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین کے شیخ طریقت تھے۔ | ۹۵۷ھ |
| ۱۱۶ | امجد حیدر آبادیؒ: سیّد، (مشہور اُردو رباعی گو شاعر) | ۱۹۶۱ء |
| ۱۱۷ | امجد علی قادری رضوی (صاحب بہارِ شریعت) | ۱۳۶۷ھ |
| ۱۱۸ | امداد اللہ مہاجر مکیؒ: حضرت، حافظ، حاجی، شاہ | ۱۸۹۹ء |
| ۱۱۹ | اُمّ سلمہؓ: اُمّ المومنین، ہند بنت ابی اُمیّہ | ۶۳ھ بعمر ۸۴ سال |
| ۱۲۰ | اُمّ کلثومؓ: سیدہ بنتِ رسالت مآبؐ (حضرت عثمان غنیؓ کی زوجۂ محترمہ) | ۹ھ |
| ۱۲۱ | اُمیّہ بن خلف، آنحضرتؐ کا بدترین دشمن، غزوۂ بدر میں حضرت بلالؓ کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ | ۲ھ |
| ۱۲۲ | امیر خسرو دہلوی: ابوالحسن | ۷۲۵ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | (حضرت محبوب الٰہیؒ کے محبوب مُرید اور ایک جامع الکمالات شخصیت) | |
| ۱۲۳ | امیر معاویہؓ بن ابی سفیان: (امارتِ بنو اُمیّہ کے بانی، بعض خطوطِ نبویہ کے کاتب تھے، البتہ صحیح قول کے مطابق کاتبِ وحی نہ تھے) | ۶۰ھ |
| ۱۲۴ | امیر مینائیؒ: منشی امیر احمد | ۱۹۰۰ء |
| ۱۲۵ | انسؓ: انس بن مالک ابوحمزہ الاخزرجی (حضورؐ کے خادمِ خاص) | ۹۱ھ بعمر ۱۰۳ سال بصرہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی |
| ۱۲۶ | انور شاہ کشمیریؒ: مولانا، شیخ الحدیث، علامہ، سید | ۱۳۵۲ھ |
| ۱۲۷ | اورنگ زیب عالم گیر: محی الدین (مغل شہنشاہ) | ۱۷۰۷ء |
| ۱۲۸ | آلوسی: علامہ ابوالفضل شہاب الدین، السید محمود بغدادی، مفسر (صاحبِ روح المعانی) | ۱۲۷۰ھ |
| ۱۲۹ | ایاز: ملک (محمود غزنوی کا وفادار غلام) | ۱۰۵۷ء |
| | **ب** | |
| ۱۳۰ | بابا فغانی (فارسی کا مشہور شاعر) | ۹۲۵ھ بمقام مشہد وفات پائی |
| ۱۳۱ | بابا گرو نانک | ۱۵۳۸ء |
| ۱۳۲ | بابر مرزا: ظہیر الدین محمد بن عمر شیخ مرزا | ۱۵۳۰ء |
| ۱۳۳ | باقرؒ، حضرت، امام ابوجعفر محمد الباقر | ۱۱۴ھ |
| ۱۳۴ | باقی باللہؒ: سید رضی الدین محمد باقی | ۱۶۰۳ء |
| ۱۳۵ | باہوؒ، سلطان العارفین، حضرت سلطان (سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ اور صوفی شاعر) | ۱۱۰۲ھ |
| ۱۳۶ | بایزید بسطامیؒ: طیفور بن عیسیٰ | ۲۶۹ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۳۷ | بدرُالدین اسحاق بخاری، دہلوی (حضرت بابا گنج شکرؒ کے خلیفۂ خاص اور داماد) | ۶۹۰ھ |
| ۱۳۸ | بدرالدین عینیؒ: محمود بن احمد بن موسیٰ (شارحِ بخاری) | ۸۵۵ھ |
| ۱۳۹ | بُرہان الدینؒ: علی بن ابو بکر المرغینانی، فقیہِ حنفی (صاحبِ ہدایہ) مرغینان، فرغانہ کے مضافات میں واقع ایک علاقہ اور فرغانہ سمرقند سے تقریباً ۲۰۵ میل مشرق میں واقع ایک شہر۔ | ۵۹۳ھ |
| ۱۴۰ | بغویؒ: ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، الشافعی، محدث، مفسر، فقیہ، صاحب معالم التنزیل والمصابیح | ۵۱۶ھ |
| ۱۴۱ | بقا بن بطوؒ (غوثِ پاکؓ سے مستفیض ہمعصر بزرگ) | ۵۵۳ھ |
| ۱۴۲ | بُقراط (مشہور یونانی طبیب) | ۲۹۹ق م |
| ۱۴۳ | بلالؓ بن رباح: (مؤذنِ مسجدِ رسول) | ۲۰ھ بعمر ۶۳ سال دمشق میں وفات پائی۔ |
| ۱۴۴ | بلقیس (ملکۂ سبا) | ۹۵۰ق م |
| ۱۴۵ | بندہ نواز: خواجہ سید محمد حسنی، حضرت گیسو دراز، چشتی، نظامی | ۸۲۷ھ |
| ۱۴۶ | بُو علی سینا، ابو علی حسین بن عبداللہ (صاحبِ الشفاء فی المنطق) | ۴۲۸ھ |
| ۱۴۷ | بُو علی قلندر پانی پتیؒ: شرف الدین شاہ | ۷۲۴ھ مزار شریف پانی پت میں ہے |
| ۱۴۸ | بہادر شاہ ظفر: سراج الدین (مغلیہ دور کا آخری تاجدار بحالتِ قیدِ فرنگ رنگون میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہے۔) | ۱۸۶۲ء |
| ۱۴۹ | بہاء الدین زکریاؒ: حضرت، خواجہ، ملتانی | ۶۶۶ھ |
| ۱۵۰ | بہاء الدین نقشبندؒ: حضرت خواجہ، سر سلسلۂ طریقۂ نقشبندیہ | ۷۹۱ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۵۱ | بیخود: سید وحید الدین احمد دہلویؒ | ۱۹۵۵ء |
| ۱۵۲ | بیدلؒ: خلّاقِ معانی، حضرت، میرزا عبد القادر (فارسی کے مشہور شاعر اور بہت سے دیگر علوم و فنون کے ماہر) | ۱۱۳۳ھ |
| ۱۵۳ | بیدم وارثیؒ: (اُردو کے مشہور شاعر) | ۱۹۴۴ء |
| ۱۵۴ | بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین (محدّث) | ۴۵۸ھ نیشاپور میں بعمر ۷۴ سال وفات پائی۔ |
| | **ت** | |
| ۱۵۵ | تفتازانیؒ: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر (تفتازان خراسان میں نسا کے قریب ایک شہر ہے) واضح رہے کہ امام نسائی اسی قریہ کی نسبت سے نَسائی کہلاتے ہیں۔ (نسائی بفتح نُون صحیح ہے اور بکسرِ نون غلط ہے۔ | ۸۰۸ھ |
| ۱۵۶ | تُمرتاشی: صالح بن محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمرتاشی، الحنفی (تمرتاش خوارزم کے ایک گاؤں کا نام ہے) | ۱۰۵۵ھ |
| ۱۵۷ | تیمور لنگ | ۱۴۰۵ء |
| | **ث** | |
| ۱۵۸ | ثناء اللہ: قاضی، پانی پتی (صاحبِ تفسیرِ مظہری) | ۱۲۶۴ھ |
| | **ج** | |
| ۱۵۹ | جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت | ۷۸ھ |
| ۱۶۰ | جاحظ: ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ البصری، الامام اللغوی النحوی (معتزلی، ادیب نحوی اور مشہور بدصورت) | ۲۵۵ھ |
| ۱۶۱ | جارج پنجم (شہنشاہِ برطانیہ) | ۱۹۳۶ء |
| ۱۶۲ | جامیؒ: حضرت، مولانا عبد الرحمٰن (فارسی کے مشہور شاعر، صوفی اور جلیل القدر عالمِ دین) | ۸۹۸ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۶۳ | جعفرِ طیارؓ: بن ابی طالب، صحابی، لقب ذوالجناحین | ۸ھ |
| ۱۶۴ | جگر مُرادآبادی: علی سکندر | ۱۹۶۰ء |
| ۱۶۵ | جلال الدّین رُومی: حضرت، مولانا، عارفِ رُومی، پیرِ رُومؒ | ۶۷۲ھ |
| ۱۶۶ | جلال الدّین: علامہ سُیُوطیؒ: (مشہور مُفسّر، محدّث، مؤرّخ، تقریباً ۵۰۰ کتابوں کے مُصنّف) سُیُوط، مصر کے ایک وسیع اور آباد علاقے کا نام ہے۔ | ۹۱۱ھ |
| ۱۶۷ | جلیل مانک پوریؒ: حسن، حضرت، حافظ۔ اُردو میں تین دیوان جانِ سخن، تاجِ سخن اور معراجِ سخن یادگار چھوڑے ہیں۔ | ۱۹۴۶ء |
| ۱۶۸ | جُنید بغدادیؒ: ابوالقاسم جُنید بن محمد الخزّار القواریری (غوثِ پاکؒ کے مشائخ میں سے ہیں آپ کے باپ دادا نہاوند سے آئے تھے) | ۲۹۸ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۱۶۹ | جوش ملیح آبادی: شبیر حسن خان | ۱۹۸۲ء |
| ۱۷۰ | جوہریؒ: اسماعیل بن حماد الجوہری، الامام ابونصر الفارابی اللغوی، مشہور امامِ لغت ترکی النسل تھے، آخری عمر میں دماغی توازن درست نہ رہا۔ مصنوعی پر لگا کر اُڑنے کی کوشش میں چھت سے گر کر نیشاپور میں وفات پائی۔ (دیکھئے کشف الظنون، جلد دوم ص ۱۰۷۱، مطبوعہ بیروت، سنِ طباعت ۱۹۵۵ء) | ۳۹۵ھ |
| | **چ** | |
| ۱۷۱ | چنگیز خان: تموجن (ہلاکو خان کا دادا) | ۱۲۲۷ء |
| | **ح** | |
| ۱۷۲ | حاجی خلیفہ کاتب چلپی: مصطفیٰ بن عبداللہ بن محمد القسطنطینی، الرّومی، الادیب الفاضل الحنفی، الشہیر بکاتب چلپی و ایضاً بحاجی خلیفہ چلپی، تُرکی مؤرّخ، (صاحب کشف الظنون) | ۱۰۶۸ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی | نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۷۳ | حارث بن عبد المطلبؓ | ۱۵ھ | ۱۸۱ | حسن بن صباح: (باطنی تحریک کا سربراہ) | ۵۱۸ھ |
| ۱۷۴ | حافظ: لسان الغیب، حضرت خواجہ شمس الدین شیرازی (فارسی کے مشہور صوفی اور کلاسیکل شاعر) | ۷۹۱ھ | ۱۸۲ | حسن رضا خان بریلویؒ: (فاضل بریلویؒ کے بھائی) | ۱۹۲۸ء |
| ۱۷۵ | حافظ محمود شیرانی: (مشہور محقق اور نقاد) | ۱۹۴۶ء | ۱۸۳ | حسن مثنّٰی بن امام حسنؓ | ۹۷ھ |
| ۱۷۶ | حاکم: محمد بن عبداللہ بن محمد ابن حمدویہ بن نعیم بن الحکم الضبی ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری، المعروف بابن البیع (صاحبِ مستدرک) | ۴۰۵ھ | ۱۸۴ | حسن نظامیؒ: خواجہ (اُردو کے مشہور ادیب، نثر نگار (حضرت اعلیٰ گولڑوی سے بیعت تھے) | ۱۹۵۷ء |
| | | | ۱۸۵ | حسینؓ: حضرت، امام، شہیدِ کربلا | ۶۱ھ |
| ۱۷۷ | حسام الدّین، مولانا، ملتانی | ۱۵۵۲ء | ۱۸۶ | حسین الواعظ: مولانا، سید، الکاشفی، ہروی (صاحبِ تفسیر حسینی) | ۹۱۰ھ |
| ۱۷۸ | حسرت موہانی: مولانا فضل الحسن (اُردو کے مشہور شاعر) | ۱۹۵۱ء | ۱۸۷ | حفصہؓ، سیدہ، اُمّ المومنین (حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی) | ۵۴ھ |
| ۱۷۹ | حسنؓ: حضرت، امام (رسالت مآبؐ کے بڑے نواسے) | ۵۰ھ جنت البقیع میں مدفون ہوئے | ۱۸۸ | حکیم ترمذی: ابوعبداللہ محمد بن علی (یہ وہ حکیم ترمذی ہیں جنہیں شیخ ابن عربیؒ نے الامام اور صاحب الذوق التام کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور ان کے | ۲۵۵ھ |
| ۱۸۰ | حسن البصریؒ: (تابعی، صوفی) (اکثر سلاسل طریقت کے مرجع) | بہ اختلافِ روایات ۱۱۰ھ بصرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے | | | |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
| --- | --- | --- |
| | ۵۵ سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں: ملاحظہ ہو فتوحاتِ مکیہ، جلد ثانی ص ۴۰ تا ۱۳۹ مطبوعہ مصر سن طباعت ۱۳۲۹ھ) | |
| ۱۸۹ | حمزہ بن عبدالمطلب: کنیت ابوعمارہ، سید الشہداء | ۳ھ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ |
| | **خ** | |
| ۱۹۰ | خالدؓ بن ولید بن مغیرۃ المخزومی (سیف اللہ) | ۲۱ھ |
| ۱۹۱ | خبابؓ بن الارت (اسلام کی خاطر سخت مظالم برداشت کرنے والے صحابہ میں نمایاں مقام کے حامل) | ۳۷ھ |
| ۱۹۲ | خدیجہؓ، اُمّ المومنین | باختلاف روایات ۳، ۴ یا ۵ سال ہجرت سے قبل مکہ میں وفات پائی |
| ۱۹۳ | خلال: احمد بن محمد بن ہارون البغدادی، ابوبکر الخلال الحنبلی | ۳۱۱ھ |
| | **د** | |
| ۱۹۴ | داتا صاحبؒ: حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش | ۴۶۴ھ |
| ۱۹۵ | داراشکوہ | ۱۰۶۹ھ |
| ۱۹۶ | دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی، البغدادی (محدث) (دارقطن بغداد کے ایک محلے کا نام ہے، آپ اسی سے منسوب ہیں) | ۳۸۵ھ |
| ۱۹۷ | دارمی: عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن بہرام الدارمی، الحافظ ابومحمد السمرقندی | ۲۵۵ھ بعمر ۷۴ سال |
| ۱۹۸ | داغ: نواب مرزا خان دہلویؒ (اردو غزل کے استاد شاعر) | ۱۹۰۵ء |
| ۱۹۹ | داؤدؑ، حضرت | ۹۶۴ ق م |
| ۲۰۰ | دائم: اقبال دائم | ۱۹۸۴ء |
| ۲۰۱ | دمیری، کمال الدین محمد بن | ۸۰۸ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | عیسیٰ الدمیری الشافعی (ماہر علم الحیوان)، صاحبِ حیوٰۃ الحیوان | |
| | **ڈ** | |
| ۲۰۲ | ڈارون: چارلس رابرٹ | ۱۸۸۲ء |
| | **ذ** | |
| ۲۰۳ | ذوق خاقانی ہند، استاد محمد ابراہیم دہلویؒ (داغ کے اُستاد) | ۱۸۵۴ء |
| | **ر** | |
| ۲۰۴ | رافع بن معلّی (بدری صحابی) | ۲ھ غزوۂ بدر میں عسکر بن ابی جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ |
| ۲۰۵ | رشید رضا، علامہ (صاحبِ تفسیر المنار) | ۱۹۳۵ء |
| ۲۰۶ | رضا حسین: علامہ رشید ترابی | ۱۹۷۳ء |
| ۲۰۷ | رُقیہؓ، سیدہ بنتِ رسالت مآبؐ | ۲ھ |
| ۲۰۸ | رُوح اللہ، لقب آیت اللہ، | ۱۹۸۹ء |
| | شیعہ عالم، المعروف امام خمینی | |
| ۲۰۹ | رُویانی: عبدالواحد ابن اسماعیل بن احمد بن محمد ابو المحاسن، الفقیہ الشافعی (رُویان طبرستان کے علاقے میں ایک بڑے شہر کا نام ہے۔ امام رُویانی کو ملحدوں نے شہید کیا۔) | ۵۰۲ھ |
| ۲۱۰ | ریاض الحق: مولانا، عباسی | ۱۹۷۱ء |
| ۲۱۱ | ریاض خیرآبادی: سید (امیر مینائی کے شاگرد اور اُردو کے مشہور شاعر) | ۱۹۳۴ء |
| | **ز** | |
| ۲۱۲ | زِرّ بن حُبَیش (تابعی) | ۸۳ھ بعمر ۱۲۰ سال |
| ۲۱۳ | زُرقانی: ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی، المصری، المالکی، الزرقانی (زرقان حضرموت میں ایک مقام کا نام ہے) | ۱۱۲۲ھ |
| ۲۱۴ | زمخشری: العلامہ جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد بن احمد، الادیب النحوی، اللغوی، الفقیہ الشافعی، الشہیر بالزمخشری | ۵۳۸ھ زمخشر خوارزم کے مضافات میں ایک بڑے گاؤں کا نام |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۲۱۵ | زیبا ناروی رح: سیّد صغیر حسین (نوح ناروی کے شاگرد) | ۱۹۸۷ء |
| ۲۱۶ | زید بن ارقم رض (صحابی) | ۶۶ ھ |
| ۲۱۷ | زید بن ثابت رض (صحابی) | ۴۵ ھ |
| ۲۱۸ | زید بن حارثہ رض (صحابی) حضرت اُسامہ رض کے والد، یہ وُہ خوش نصیب صحابی ہیں، جن کا نام قرآنِ مجید میں آیا، دیکھئے القرآن ۳۳ : ۳۷ | ۸ھ غزوہ مُوتہ میں شہید ہوئے |
| ۲۱۹ | زید بن علی رض بن امام حسین رض | ۱۲۲ھ |
| ۲۲۰ | زین الدین، علاّمہ، الشہیر بابنِ نجیم رح بن ابراہیم بن محمد ابن محمد بن ابی بکر الشہیر بابنِ نجیم المصری، الفقیہہ الحنفی | ۹۷۰ھ |
| ۲۲۱ | زین العابدین رض (امام حسین رض کے صاحبزادے) | ۹۴ھ بعمر ۵ سال وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے |
| ۲۲۲ | زینب رض: سیّدہ بنتِ رسالت مآب | ۸ ھ |
| ۲۲۳ | زینب رض بنتِ جحش، اُمّ المؤمنین | ۲۰ ھ |
| | **س** | |
| ۲۲۴ | سردار محمد نواز خان گھیبہ | ۱۹۶۸ء |
| ۲۲۵ | سرخسی رح: محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، الحنفی (سرخس خراسان اور مرو اور نیشاپور کے درمیان ایک قدیم شہر کا نام ہے) | ۴۸۳ ھ |
| ۲۲۶ | سعد بن ابی وقاص رض: مالک بن وہیب الزُہری القرشی (فاتح ایران، عشرۂ مبشرہ میں سب سے آخری وفات پانے والے، اور ایمان لانے والوں میں تیسرے آدمی) | ۵۵ھ جنت البقیع میں دفن ہوئے، عمر ستر سے کچھ اُوپر تھی۔ |
| ۲۲۷ | سعد بن عبادہ رض: ابو ثابت انصاری (قوم انصار کے سردار تھے) | ۱۵ھ حوران میں وفات پائی، حوران دمشق کے مغرب میں ایک علاقہ کا نام ہے۔ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۲۲۸ | سعد بن معاذؓ (حدیث میں ہے کہ ان کی وفات پر عرشِ عظیم کانپ اُٹھا اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی) | ۵ھ |
| ۲۲۹ | سعدیؒ، شرف الدین مصلح بن عبداللہ الشہیر بسعدی الشیرازی، الادیب، الفاضل الصوفی (گلستاں، بوستاں کے مصنف) | ۶۹۱ھ |
| ۲۳۰ | سعید المقبری (محدث) | ۱۲۵ھ |
| ۲۳۱ | سلمان فارسیؓ (صحابی، حضورؐ نے ان کو اہلِ بیت میں شمار فرمایا) | ۳۳ھ عمر ۲۵۰ بروایات ۳۵۰ سال ۳۵ھ میں وفات پائی |
| ۲۳۲ | سلمہ بن الاکوعؓ (اصحابِ بیعتِ رضوان میں سے ہیں۔ بہادر اور پہلوان تھے) | ۷۴ھ عمر ۸۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ |
| ۲۳۳ | سلیمانؑ، حضرت | ۹۰۰ ق-م |
| ۲۳۴ | سلیمان جمل، علامہ | ۱۲۰۴ھ |
| ۲۳۵ | سلیمان تونسویؒ، حضرت، خواجہ (حضرت اعلیٰ سیالویؒ کے شیخ) | ۱۸۵۰ء |
| ۲۳۶ | سوز ناروی، شاہد حسن (نوح نارویؒ کے شاگرد اور اُردو کے شاعر) | ۱۹۷۳ء |
| ۲۳۷ | سیبویہ، امامِ نحو: ابوبشر عمرو بن عثمان بن قنبر الملقب بسیبویہ۔ مقام بیضا میں ولادت ہوئی، بصرہ میں زندگی گزاری اور ساوہ کے مقام پر وفات پائی۔ ساوہ، رَے اور ہمدان کے درمیان واقع ایک خوبصورت شہر، جو ہمدان اور رَے دونوں سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے | ۱۷۷ھ |
| ۲۳۸ | سید محمد بن مبارک، علوی، کرمانی المعروف بہ امیر خورد، حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مرید، صاحب سیر الاولیاء۔ | ۷۷۵ھ |
| ۲۳۹ | سیماب اکبر آبادی علامہ عاشق حسین (اُردو کے نامور شاعر اور اُستاد داغ کے شاگرد) | ۱۹۵۱ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | **ش** | |
| ۲۴۰ | شامیؒ: ابن عابدین السید محمد امین عابدین بن عمر عابدین بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم، الدمشقی، الحنفی المفتی العلامہ الشہیر بابن عابدین (صاحبِ ردالمحتار علی الدر المختار) | ۱۲۵۲ھ |
| ۲۴۱ | شاہجہان (شہنشاہِ ہند) | ۱۶۶۶ء |
| ۲۴۲ | شاہ رفیع الدین دہلویؒ | ۱۲۴۹ھ |
| ۲۴۳ | شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی | ۱۲۳۹ھ |
| ۲۴۴ | شاہ عبدالقادر دہلویؒ | ۱۲۳۰ھ |
| ۲۴۵ | شاہ غوث محمدؒ، قادری، لاہوری (غوث پاکؒ کی اولاد میں سے تھے، مزار لاہور میں ہے) | ۱۱۵۲ھ |
| ۲۴۶ | شاہ کمال کیتھلیؒ | ۹۸۱ھ |
| ۲۴۷ | شاہ نیاز بریلویؒ چشتی نظامی: احمد بن عبداللہ الحسینی | ۱۲۵۰ھ |
| ۲۴۸ | شاہ ولی اللہؒ محدث دہلویؒ | ۱۱۷۶/۱۱۸۰ھ |
| ۲۴۹ | شبلیؒ: ابوبکر (غوث پاکؒ کے مشائخ میں سے تھے) | ۹۴۵ھ |
| ۲۵۰ | شطنوفیؒ: علامہ نورالدین الشافعی | ۷۱۴ھ |
| ۲۵۱ | شعبیؒ: عامر بن شراحیل الکوفی (امام اعظمؒ کے استادِ محترم) | ۱۰۴ھ بعمر ۸۲ سال کوفہ میں وفات پائی |
| ۲۵۲ | شمس الدین سیالویؒ (پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے شیخ طریقت) | ۱۳۰۰ھ |
| ۲۵۳ | شہاب الدین سہروردیؒ: حضرت، شیخ | ۶۳۲ھ |
| ۲۵۴ | شیفتہ (اُردو کے نامور شاعر) | ۱۸۶۹ء |
| | **ص** | |
| ۲۵۵ | صائب تبریزی: مرزا محمد علی (فارسی کے عظیم شاعر) | ۱۰۸۰ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
| --- | --- | --- |
| ۲۵۶ | الصبّان: ابو العرفان محمد بن علی المصری، الحنفی المعروف بالصبّان | ۱۲۰۶ھ |
| ۲۵۷ | صدیق حسن خان: نواب | ۱۳۰۷ھ |
| ۲۵۸ | صفی لکھنوی: سید علی نقی | ۱۹۵۰ء |
| ۲۵۹ | صُہیبؓ بن سنان الرّومی (صحابی) | ۸۰ھ بعمر ۹۰ سال وفات پائی بقیع میں دفن ہیں |
| | **ط** | |
| ۲۶۰ | طارق بن زیاد (فاتح اندلس) | ۶۸۰ھ |
| ۲۶۱ | طبرانی: سلیمان ابن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی الحافظ ابو القاسم الطبرانی (علم حدیث کی طلب میں مختلف شہروں کا سفر کرتے ہوئے ۳۳ سال گزار دیئے اور آپ نے جن مشائخ سے استفادۂ علم کیا اُن کی تعداد ایک ہزار ہے) | ۳۶۰ھ قرمطیوں کی زہرخورانی سے اصفہان میں وفات پائی اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت [illegible] کے پہلو میں دفن ہونے کا شرف پایا |
| ۲۶۲ | الطحاوی: ابو جعفر احمد ابن محمد بن سلامۃ الازدی الطحاوی (مشہور قصبہ، محدث) طحا مصر کا ایک قصبہ ہے۔ | ۳۲۱ھ بعمر [illegible]؛ معجم البلدان (حوالہ) جلد ۴، ص ۲۲، مطبوعہ بیروت سنِ طباعت ۱۹۷۹ء |
| ۲۶۳ | طُوسی: شیعہ عالم | ۴۶۰ھ |
| ۲۶۴ | طیبی: احمد شہاب الدین الشافعی النحوی | ۹۷۹ھ |
| | **ظ** | |
| ۲۶۵ | ظفر علی خان (صحافی، ادیب اور شاعر) | ۱۹۵۶ء |
| | **ع** | |
| ۲۶۶ | عابد علی: المعروف ڈاکٹر مظفر علی خان، علامہ رشید ترابی مرحوم کے بھائی اور انگریزی کے نامور اُستاد | ۱۹۷۰ء |
| ۲۶۷ | عامری: قیس بن الملوح العامری المعروف بہ مجنوں | ۸۰ھ |
| ۲۶۸ | عائشہؓ: سیدہ، صدیقہ، اُمّ المومنین | ۵۷/۵۸ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۲۶۹ | عبّاس بن عبد المطلب (عم رسالتمآب ﷺ) | ۳۲ھ |
| ۲۷۰ | عبداللہ المحض رض: امام حسن رض کے پوتے، غوثِ پاک رح کے جدِ امجد | ۱۴۵ھ |
| ۲۷۱ | عبداللہ انصاری رح: پیرِ ہرات، (شیخ سعدی رح نے نثر نگاری میں ان کا تتبع کیا) | ۴۸۱ھ |
| ۲۷۲ | عبداللہ بن ابی اوفیٰ رض (صحابی) | ۸۷ھ کوفہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی |
| ۲۷۳ | عبداللہ بن امام حسن رض (تابعی) | ۱۴۵ھ |
| ۲۷۴ | عبداللہ بن جحش رض (صحابی) | ۳ھ |
| ۲۷۵ | عبداللہ بن جعفر رض (صحابی) الملقب بہ بحر الجود یعنی سخاوت کا سمندر | ۸۰ھ بعمر ۹۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی |
| ۲۷۶ | عبداللہ ابن عباس رض | ۶۸ھ |
| ۲۷۷ | عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل (محدث) امام احمد بن حنبل رح کے شاگرد اور صاحبزادے | ۲۹۰ھ |
| ۲۷۸ | عبداللہ ابنِ عمر رض مجتہد، صحابی | ۷۳ھ |
| ۲۷۹ | عبدالحق رح خیرآبادی: مولانا فضل امام رح صاحبِ مرقاۃ کے پوتے اور فضل حق خیرآبادی رح کے صاحبزادے | ۱۳۱۶ھ |
| ۲۸۰ | عبدالحق رح محدث دہلوی (مشہور محدث، صوفی اور کئی کتابوں کے مصنف) | ۱۰۵۲ھ |
| ۲۸۱ | عبدالحکیم سیالکوٹی رح بن شمس الدین محمد السیالکوٹی (جامع العلوم شخصیت تھے) | ۱۰۶۸ھ بحوالہ ہدیۃ العارفین من کشف الظنون جلد ۵، ص ۵۰۷ |
| ۲۸۲ | عبدالحق: مولانا، چشتی صاحب، (بہاولپوری) | ۱۹۸۱ء |
| ۲۸۳ | عبدالرحمٰن رح: علامہ الجبرائی | ۱۲۴۰ھ |
| ۲۸۴ | عبدالرحمٰن رح: حضرت بکری الہ آبادی | ۱۳۴۹ھ |
| ۲۸۵ | عبدالرحمٰن رح: حضرت، قاری، جونپوری | ۱۹۲۳ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۲۸۶ | عبدالرحمٰن بن الحسین بن عمر الاجهوری، المصری، الازہری المالکی | ۱۱۹۷ھ |
| ۲۸۷ | عبدالعزیز پرہاروی: علامہ، (صاحبِ نبراس) | ۱۲۳۹ھ بعمر ۳۰ سال وفات پائی۔ |
| ۲۸۸ | عبدالعلیؒ: مولانا محمد بن نظام الدین محمد لکھنوی، الہندی، ابوالعباس السہالوی المعروف بحرالعلوم | ۱۲۲۵ھ |
| ۲۸۹ | عبدالغفور، ہزارویؒ، شعلہ بیان خطیب، مشہور عالمِ دین اور حضرت (پیر مہر) علی گولڑویؒ کے مرید | ۱۹۷۰ء |
| ۲۹۰ | عبدالغنی: ڈاکٹر مرحوم (مصنف رُوحِ بیدل) | ۱۹۸۹ء |
| ۲۹۱ | عبدالقادر جیلانی رضؓ حضرت غوثِ اعظم جیلانی رضؓ | ۵۶۱ھ |
| ۲۹۲ | عبدالقادر ثانی اُچویؒ (مزار اُچ شریف ضلع بہاولپور میں ہے) | ۹۴۰ھ |
| ۲۹۳ | عبدالقادر: بن محی الدین الاربلی (مشہور صوفی اور علامہ) | ۱۳۱۵ھ اربل، مُوصل کے پاس واقع ایک شہر کا نام |
| ۲۹۴ | عبدالمالک کھوڑویؒ: قصیدۂ غوثیہ کے شارح، اور دیگر کئی کُتب کے مصنف، واضح ہو کہ کھوڑی ضلع گجرات میں ڈنگہ کے قریب واقع ایک گاؤں کا نام ہے۔ | ۱۳۶۰ھ |
| ۲۹۵ | عبدالوہاب: علامہ شعرانی (شعران: مُوصل میں واقع ایک پہاڑ کا نام) | ۹۷۳ھ |
| ۲۹۶ | عبدالوہاب: مُتقی القادری، المالکیؒ | ۱۰۰۱ھ |
| ۲۹۷ | عبدالوہابؒ: (حضرت غوثِ اعظمؒ کے صاحبزادے) | ۶۰۳ھ |
| ۲۹۸ | عُبیداللہ احرار نقشبندیؒ | ۸۹۵ھ |
| ۲۹۹ | عُثمانِ غنیؓ: (خلیفۂ ثالث، لقب ذُوالنّورین) | ۳۵ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۰۰ | عُثمان ہارونیؒ (خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے شیخ) | ۶۰۷ھ |
| ۳۰۱ | عراقیؒ: شیخ فخرالدین (فارسی کا صُوفی شاعر) | ۶۸۸ھ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء (فارسی) |
| ۳۰۲ | عُرفی: جمال الدین محمد (فارسی کا مشہور شاعر) | ۹۹۹ھ |
| ۳۰۳ | عزّالدین بن عبدالسلام (فقیہہ) | ۶۶۰ھ |
| ۳۰۴ | عُقبہ بن عامر الجُہنی (صحابی) | ۵۸ھ |
| ۳۰۵ | عقیلؓ ابنِ ابی طالب | امارتِ معاویہ میں وفات پائی |
| ۳۰۶ | عکرمہؓ: ابنِ ابی جہل | ۱۳ھ |
| ۳۰۷ | علاءالدین خلجی | ۱۳۱۶ء |
| ۳۰۸ | علاءالدین: علی احمد صابر کلیریؒ | ۶۹۰ھ |
| ۳۰۹ | علی النقی: حضرت امام ابن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر | ۲۵۴ھ |
| ۳۱۰ | علی بن ابراہیم القُمی (شیعہ عالم) | ۲۱۷ھ |
| ۳۱۱ | علی ابنِ ابی طالبؓ: ابوتراب، شیرِ خُدا، حیدرِ کرّار | ۴۰ھ |
| ۳۱۲ | علی بن المدینی: امام بخاریؒ کے استاد | ۲۳۴ھ بعمر ۷۳ سال وفات پائی |
| ۳۱۳ | علی ہیتیؒ: غوث پاکؓ کے منظورِ نظر مستفیض اور ہم عصر بزرگ جنھوں نے سب سے پہلے آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھنے کا شرف حاصل کیا۔ | ۵۱۱ھ |
| ۳۱۴ | عمّار بن یاسرؓ (صحابی) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے یوں فرمایا تھا کہ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی؛ چنانچہ جنگِ صفّین میں امیر معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ | ۳۸ھ |
| ۳۱۵ | عمران بن حصین: صحابی | ۵۲ھ بمقام بصرہ |
| ۳۱۶ | عمر خیام: عمر بن ابی الحسن الاسترآبادی المعروف بہ خیام، فارسی کا مشہور رباعی گو شاعر | ۵۰۷ھ نیشاپور میں وفات پائی۔ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۱۷ | عمر فاروقؓ: حضرت | ۲۳ھ |
| ۳۱۸ | عمر بن عبدالعزیزؒ (بنو امیہ کے نیک سیرت اور پاکیزہ کردار حکمران) | ۱۰۱ھ |
| ۳۱۹ | عمرو بن العاصؓ (فاتح مصر) | ۴۳ھ |
| ۳۲۰ | عمرو بن کلثوم (صاحب سبعہ معلقہ) | ۵۵۴ھ |
| ۳۲۱ | عوفی: محمد بن سعد بن محمد بن الحسن بن عطیۃ العوفی (مفسر، فقیہہ) | ۲۷۶ھ |
| ۳۲۲ | عیاضؒ: قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرا بن موسیٰ القاضی ابوالفضل الیحصبی، البُستی، المراکشی | ۵۴۴ھ |
| ۳۲۳ | عُیینہ بن حصن فزاری (صحابی) | عہدِ عثمانی میں وفات پائی۔ |
| | **غ** | |
| ۳۲۴ | غالب: میرزا اسداللہ خان | ۱۸۶۹ء |
| ۳۲۵ | غزنوی: سلطان محمود | ۱۰۳۰ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۲۶ | غلام احمد: پرویز | ۱۹۸۵ء |
| ۳۲۷ | غلام احمد: مرزا قادیانی | ۱۹۰۸ء |
| ۳۲۸ | غلام اللہ خان: مولوی | ۱۹۸۰ء |
| ۳۲۹ | غلام حسین آفاق بنارسی | ۱۹۳۴ء |
| ۳۳۰ | غلام سرور مفتی: لاہوری (صاحب خزینۃ الاصفیاء) | ۱۳۰۷ھ |
| ۳۳۱ | غلام قادر گرامیؒ: جالندھری | ۱۹۲۷ء |
| ۳۳۲ | غلام محمد: پشاوری | ۱۹۴۷ء |
| ۳۳۳ | غلام محمد گھوٹویؒ: شیخ الجامعہ صاحبؒ | ۱۹۴۸ء |
| ۳۳۴ | غلام محمد یٰسین: مفتی، قاضی، مظفر آبادی | ۱۹۸۲ء |
| ۳۳۵ | غلام محی الدینؒ: سیّد، المعروف قبلہ بابوجیؒ | ۱۹۷۴ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۳۶ | غنی کاشمیری: مولانا محمد طاہر | ۱۰۷۹ھ |
| ۳۳۷ | غنیمت کنجاہی: مولانا محمد اکرم | ۱۶۹۵ء |
| ۳۳۸ | غیاث الدین: مولانا محمد (صاحبِ غیاث اللغات فارسی) | ۱۸۵۲ء |
| | **ف** | |
| ۳۳۹ | فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا | ۱۱ھ |
| ۳۴۰ | فانی بدایونی: شوکت علی خان | ۱۹۳۴ء |
| ۳۴۱ | فتح محمد: مولانا (مصنفِ نام ونسب کے استادِ محترم) | ۱۳۸۹ھ |
| ۳۴۲ | فخر الدین: فخرِ جہاں محمد محب النبی دہلوی | ۱۱۹۹ھ |
| ۳۴۳ | فراء، الحافظ ابو زکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور الدیلمی، الکوفی، اللغوی، المقری، البغدادی (مکہ شریف جاتے ہوئے راستے میں وفات پائی) | ۲۰۷ھ |
| ۳۴۴ | فرعون | ۱۲۱۵ ق م |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۴۵ | فریابی: احمد ابن رجا ابو جعفر | ۲۶۵ھ |
| ۳۴۶ | فرید الدین: حضرت، شیخ، عطار، نیشاپوری | ۶۲۶ھ |
| ۳۴۷ | فرید الدین: حضرت، بابا، مسعود گنج شکر | ۶۶۴ھ |
| ۳۴۸ | فضل الٰہی سیٹھی | ۱۹۶۹ء |
| ۳۴۹ | فضل الرحمٰن: گنج مراد آبادی | ۱۳۱۳ھ |
| ۳۵۰ | فضل اللہ بن روزبہان | ۹۲۷ھ |
| ۳۵۱ | فضلِ حق: علامہ رامپوری | ۱۳۵۸ھ |
| ۳۵۲ | فضل گجراتی: پیر، (پنجابی شاعر) | ۱۹۷۲ء |
| ۳۵۳ | فنا نظامی: کانپوری | ۱۹۸۸ء |
| ۳۵۴ | فیض عالم الحکیم صدیقی (مشہور خارجی) | ۱۹۸۴ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| | **ق** | |
| ۳۵۵ | قاآنی: خلاق المعانی، حکیم، حبیب بن گلشن الشیرازی | ۱۲۷۰ھ |
| ۳۵۶ | قاسم: جگر گوشۂ رسالت مآبؐ | بعثت سے قبل وفات پائی |
| ۳۵۷ | قاسم بن محمد بن ابی بکر بن الصدیقؓ | ۱۰۶ھ |
| ۳۵۸ | قائدِ اعظم: محمد علی جناح | ۱۹۴۸ء |
| ۳۵۹ | قتادہؓ بن نعمان انصاری بدری | ۲۳ھ بعمر ۶۵ سال |
| ۳۶۰ | قدسی: جان محمد | ۱۶۴۶ء |
| ۳۶۱ | قرطبیؒ: امام ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری المالکی | ۶۷۱ھ |
| ۳۶۲ | قسطلانیؒ: شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی، المصری، الشافعی | ۹۲۳ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۶۳ | قضیب البان موصلیؒ: شیخ | ۵۷۰ھ |
| ۳۶۴ | قطب الدینؒ: بختیار اوشی کاکی | ۶۳۴ھ بحوالہ خزینۃ الاصفیا (فارسی) |
| ۳۶۵ | قطب الدین: مظفر آبادی | ۱۹۱۹ء |
| | **ک** | |
| ۳۶۶ | کیا الھراسی: علی بن محمد بن علی الطبری الآملی، عماد الدین ابو الحسن البغدادی الشافعی المعروف بالکیا الھراسی (امام غزالی کے ہم عصر) | ۵۰۴ھ |
| | **گ** | |
| ۳۶۷ | گل فقیرؒ: مولوی، پشاوری | ۱۹۶۴ء |
| | **ل** | |
| ۳۶۸ | لبید بن ربیعہ (عربی کا مشہور شاعر، حضورؐ نے اس کے شعر پسند فرمائے) | ۴۱ھ |
| ۳۶۹ | لقمانؑ | حضرت داؤدؑ کا عہدِ پیغمبری، قبر یمن میں ہے۔ |
| ۳۷۰ | لیلیٰ | ۸۰ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| | م | |
| ۳۷۱ | ماجد الکُردیؒ: (غوثِ پاکؓ سے مستفیض ہم عصر بزرگ) | ۵۶۱ھ |
| ۳۷۲ | مجاہدؒ: بن جبر، کنیت ابو حجاج، (تابعی، فقیہِ مکہ، امامِ تفسیر) | ۱۰۰ھ |
| ۳۷۳ | مجدّد الفِ ثانیؒ: امام ربّانی شیخ احمد سرہندیؒ | ۱۰۳۴ھ |
| ۳۷۴ | مجذُوب فرنگی: فریڈرش (نطشہ)، جرمن فلسفی | ۱۹۰۰ء |
| ۳۷۵ | محبُوب علی: لکھنوی (مصنّفِ نام ونسب کے استادِ تجوید) | ۱۹۸۵ء |
| ۳۷۶ | محمد اسحاق، مولوی، شاہ، فارُوقی، دہلوی | ۱۲۶۲ھ |
| ۳۷۷ | محمد اعظم نوشاہی | ۱۳۵۷ھ |
| ۳۷۸ | محمد بخشؒ: کھڑی شریف (صاحبِ سیف الملوک پنجابی) | ۱۹۰۴ء |
| ۳۷۹ | محمد بن ابی بکر صدیقؓ | ۳۸ھ |
| ۳۸۰ | محمد بن حنفیہ (حضرت علیؓ کے صاحبزادے) | ۸۱ھ |
| ۳۸۱ | محمد بن عبد الوہاب نجدی | ۱۷۹۲ء |
| ۳۸۲ | محمد بن یحییٰ، تادفی، حنبلیؒ | ۹۶۳ھ |
| ۳۸۳ | محمد بن یعقوب: مُلّا الکلینی | ۳۲۸ھ |
| ۳۸۴ | محمد جمالؒ: حافظ، ملتانی | ۱۲۲۶ھ |
| ۳۸۵ | محمد حسین الٰہ آبادیؒ | ۱۳۲۲ھ |
| ۳۸۶ | محمد زکریا (دیوبندی) | ۱۹۸۲ء |
| ۳۸۷ | محمد شفیع: مولانا، ساکن موضع بھوئی، ضلع اٹک، واضح ہو کہ جب حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ نو (۹) سال کی عمر کو پہنچے تو آپ ۱۸۶۹ء میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سے علمی استفادہ کے لئے موضع بھوئی تشریف لے گئے، یہاں دو سال | ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۳ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| | شاملِ درس رہنے کے بعد انگہ ضلع سرگودھا تشریف لے گئے۔ حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ نے استادِ محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کو اپنی تصنیف اعلاء کلمۃ اللہ کے خطبہ میں بدیں الفاظ خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:۔ استاذی (مولائی) کشافِ معضلاتِ حقائق معقول، حلالِ مشکلاتِ دقائق منقول، ماہرِ منقول و معقول، واقفِ فروع و اصول، اسوۂ علمائے اعصار، قدوۂ فضلائے امصار، مرکزِ دائرۂ ارشاد، محورِ کرۂ سداد، مبلغ دنیائے درایت، منہاجِ بیدائے کفایت، قاضی قضایائے معضلہ، مفتی فتاوائے مشکلہ، مقتدا، الاجل، مولانا و مولیٰ الاکمل ابو البرکات، ماحی البدعات جناب مولوی محمد شفیع رضی اللہ عنہ:۔ (اعلاء کلمۃ اللہ فی بیانِ وما اُھِلَّ بہ لغیر اللہ، ص ۲، سن طباعت ۱۹۸۵ء) | |
| ۳۸۸ | محمد قلی سلیم طہرانی: (فارسی کا شاعر) | ۱۰۵۷ھ |
| ۳۸۹ | محمد نعمت اللہ تاروی، الٰہ آبادیؒ | ۱۹۵۸ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۳۹۰ | محمد نوشہ گنج بخشؒ | ۱۰۶۴ھ |
| ۳۹۱ | محمود احمد عباسی؛ (مصنفِ خلافتِ معاویہ و یزید) | ۱۹۷۴ء |
| ۳۹۲ | محی الدین: ابو عبد اللہ محمد بن علی، المعروف بہ ابنِ عربی الحاتمی، الطائی (صاحبِ فتوحات و فصوص) | ۶۳۸ھ |
| ۳۹۳ | مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (مشہور نقشبندی بزرگ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے شیخ) | ۱۱۹۵ھ |
| ۳۹۴ | مستان شاہ کابلیؒ (فارسی کا صوفی شاعر) | ۱۹۰۳ء |
| ۳۹۵ | مُستنجد باللہ (عباسی خلیفہ) | ۵۶۶ھ |
| ۳۹۶ | مسعودی: علی بن الحسین بن علی الهذلی، البغدادی ابو الحسن مسعودی (مؤرخ) | ۳۴۶ھ |
| ۳۹۷ | مسور بن مخرمہؓ (صحابی) | ۶۴ھ یزیدی لشکر کے مکہ پر حملہ کے |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی | نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|---|---|---|
| | | دورانِ منجنیق کا پتھر لگنے سے بحالتِ نماز شہادت پائی۔ | ۴۰۶ | مناظر احسن گیلانی | ۱۹۵۶ء |
| ۳۹۸ | مُصحفی، شیخ غلام ہمدانی (اُردو کے مشہور شاعر) | ۱۸۲۴ء | ۴۰۷ | مناوی، الحافظ زین الدین، عبدالرؤف، الفقیہ الشافعی | ۱۰۳۱ھ |
| ۳۹۹ | معشوق علی خان رامپوریؒ | ۱۹۶۸ء | ۴۰۸ | مندل | ۱۶۸ھ |
| ۴۰۰ | معقل بن یسارؓ (اصحابِ شجرہ میں سے تھے) | ۶۰ھ | ۴۰۹ | منصور حلاج | ۲۹۷ھ |
| ۴۰۱ | معین الدین حسنؒ، خواجہ سنجری، حضرت غریب نواز اجمیریؒ | ۶۳۳ھ | ۴۱۰ | مُلّا خسرو حنفی، فقیہ | ۸۸۵ھ |
| ۴۰۲ | معین الدین، مولانا، بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی (مُلّا معینی) | ۱۴۹۳ء | ۴۱۱ | موسیٰؑ، حضرت کلیم اللہ | ۱۴۵۱ ق۔م |
| ۴۰۳ | مقداد بن الاسودؓ (صحابی) | ۳۳ھ بعمر ۷۰ سال | ۴۱۲ | موسیٰ، پاک شہید ملتانیؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے شیخ اور حضرت غوث پاکؓ کی اولاد میں سے تھے | ۱۰۰۱ھ |
| ۴۰۴ | مقدام بن معدیکربؓ (صحابی) | ۸۷ھ بعمر ۹۱ سال | ۴۱۳ | مہر احمد نواز، تخلص بیخ پھولاں | ۱۹۸۲ء |
| ۴۰۵ | ملک سلطان محمود ٹوانہ | ۱۹۵۶ء | ۴۱۴ | مہر علی شاہ گولڑویؒ، ایوانِ قادیانیت کو متزلزل کرنے والا سب سے پہلا ہاشمی جیلانی جلیل جس نے مرزائیت کے مکرو فریب کی دھجیاں بکھیر دیں۔ | ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| ۴۱۵ | مُہلّب: ابوالقاسم مُہلّب بن احمد بن اسید المشہور بابن ابی صُفرہ المحدّث المالکی، شارح بخاری۔ واضح ہو کہ متن کتاب میں حدیثِ قیصر پر بحث کے ضمن میں جس مُہلّب کا تذکرہ ہوا ہے، اُس سے مُراد یہ مُہلّب ہیں، نہ کہ مُہلّب بن ابی صُفرۃ الازدی تابعی بصری (م ۸۲ھ) | ۴۳۵ھ |
| ۴۱۶ | میر تقی میرؔ: اُردو کے نامور غزل گو شاعر | ۱۸۱۰ء |
| ۴۱۷ | میر جان محمّد: سیّد، سندھ کے عظیم صُوفی اور فارسی کے شاعر | ۱۱۶۷ھ |
| ۴۱۸ | میر درد: خواجہ عربی، فارسی کے قادرالکلام اور عظیم صُوفی شاعر، وجہِ شہرت اُردو غزل، فارسی اور عربی میں استادانہ رُباعیات کے خالق، بمسلکِ حنفی اور بہ اعتبارِ سلسلہ قادری، نقشبندی تھے۔ حضرت بہاء الدین نقشبند گیارہ واسطوں سے آپ کے جدِّ پدری ہیں، والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم دستگیر سید عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔ سماع کا شوق | ۱۷۸۴ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | فطری تھا، چنانچہ آپ اپنے زمانے میں موسیقی کے سب سے بڑے استاد سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور اور جیّد اساتذۂ فن آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسبِ فیض کرتے تھے۔ درج ذیل مشہور عالم شعر کے خالق حضرت خواجہ میر درد ہی تو ہیں ؎<br>دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو<br>ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں<br>اسی غزل کے ایک اور شعر میں عربی کے ایک لفظ کا صحیح استعمال، آپ کی عربی دانی، ذہانت اور وسعتِ علمی پر شاہد ہے۔ میر درد کی طرح غالب، نظیری، حافظ، خاقانی، جامی، خسرو، سعدی، رومی اور میرزا عبدالقادر بیدل رحمہم اللہ جیسے اساتذۂ فن کا منظوم و منثور کلام الفاظ اور محاورات کے صحیح استعمال میں درجۂ سند رکھتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو ؎<br>صُورتوں میں خُوب ہوں گی شیخ گو حُورِ بہشت<br>پر کہاں یہ شوخیاں، یہ طور، یہ محبُوبیاں<br>بظاہر مصرعِ اوّل میں لفظِ حُور کو جمع باندھنا عام استعمال کے مطابق غلط معلوم ہوتا ہے، مگر درحقیقت یہی | |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
| --- | --- | --- |
| | (مسلسل متعلق بہ صفحۂ گزشتہ)<br>درست ہے کیونکہ لفظِ حُور بہ اعتبارِ لغتِ عرب جمع ہے اور اس کا واحد حَوْرَاء ہے۔ حَوْرَاء اُس عورت کو کہتے ہیں، جس کی سفیدیِ چشم انتہائی سفید اور سیاہیِ چشم انتہائی سیاہ ہو۔ البتہ فارسی کے اساتذۂ سخن اِس لفظ کو مُفرَس بنا کر حُور سے حُوراں اور حُوریاں بہ صُورتِ جمع الجمع استعمال میں لاتے ہیں مثلاً لسان الغیب حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎<br>شکرِ ایزد کہ میانِ من و اُو صلح فتاد<br>حُوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند<br>اِسی طرح اُستادِ جہانِ سخن حضرت شیخ سعدی شیرازی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف گلستاں میں اِس لفظ کو یُوں استعمال فرماتے ہیں ؎<br>حُورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف<br>از دوزخیاں پُرس کہ اعراف بہشت است<br>اکثر پنجابی اور اُردو شعراء فارسی اساتذۂ سخن کے تتبع میں حُوروں، حُوریں اور حُوراں کے الفاظ لکھتے اور بولتے ہیں۔ خواجہ میر دردؔ نے شاعری کے علاوہ خالصتاً دینی اور علمی موضوعات پر بھی قلم اُٹھایا، مرقومۃ الذیل فہرستِ کُتُب آپؒ کی علمی وسعت پر شاہدِ بیّن ہے:۔<br>۱۔ اسرار الصلوٰۃ ۲۔ واردات<br>۳۔ علم الکتاب ۴۔ نالۂ درد<br>۵۔ آہِ سرد ۶۔ شمعِ محفل<br>۷۔ دردِ دل ۸۔ حُرمتِ غنا<br>۹۔ واقعاتِ درد ۱۰۔ سوزِ دل<br>۱۱۔ دیوانِ فارسی ۱۲۔ دیوانِ اُردو | |
| | **ن** | |
| ۴۱۹ | ناصر علی سرہندی | ۱۱۰۸ھ |
| ۴۲۰ | ناصر احمد، مرزا قادیانی (ربوہ کی قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ) | ۱۹۸۲ء |
| ۴۲۱ | نجم الحسن کراروی (شیعہ عالم) | ۱۹۸۲ء |
| ۴۲۲ | نَسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار | ۳۰۳ھ ایک روایت کے مطابق مکہ جاتے ہوئے بمقام رملہ فلسطین انتقال ہوا اور نعش مکہ پہنچائی گئی۔ |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۴۲۳ | نظام الدینؒ: حضرت، شیخ، اورنگ آبادی | ۱۱۴۱ھ |
| ۴۲۴ | نظام الدینؒ: سلطان المشائخ، حضرت، خواجہ، محبوب الٰہی | ۷۲۵ھ |
| ۴۲۵ | نظامی گنجویؒ: مولانا، نظام الدین الیاس بن یوسف ابن مؤید القمی ابو احمد، الگنجوی المشہور بالنظامی | ۵۹۶ھ |
| ۴۲۶ | نظیر اکبر آبادی (اُردو کے مشہور شاعر) | ۱۲۴۶ھ |
| ۴۲۷ | نظیری نیشاپوری: (فارسی کے مقتدر شاعر) | ۱۶۱۴ء |
| ۴۲۸ | نمرود | عہد ۲۰۰۰ ق م |
| ۴۲۹ | نوحؔ ناروی: مولوی محمد نوح اُردو کے اُستاد شاعر اور داغ دہلویؒ کے جانشین، اُردو میں تین دیوان سفینۂ نوح، طوفانِ نوح اور اعجازِ نوح یادگار چھوڑے چوتھا دیوان غیر مطبوع ہے جو مسودہ کی شکل میں اُن کے نواسوں کے پاس الٰہ آباد میں موجود ہے۔ | ۱۹۶۲ء |

| نمبر شمار | شخصیت | سن وفات ہجری / عیسوی |
|---|---|---|
| ۴۳۰ | نورالدین زنگیؒ | ۵۶۹ھ |
| ۴۳۱ | نور محمد: مہارویؒ | ۱۲۰۵ھ |
| ۴۳۲ | نیاز فتح پوری: نیاز محمد خان | ۱۹۶۶ء |
| | **و** | |
| ۴۳۳ | واثلہ بن الاسقعؓ (صحابی) | ۸۳/۸۹ھ تین سال آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے بعمر ۱۰۰ سال بیت المقدس میں وفات پائی۔ |
| ۴۳۴ | وارث شاہؒ: (پنجابی شاعر) | ۱۷۹۸ء |
| ۴۳۵ | وصی احمد، محدث، سورتیؒ (حضرتِ اعلیٰ کے اُستاد بھائی اور ہم سبق) | ۱۹۱۶ء |
| ۴۳۶ | وکیع بن الجراح کوفی (تابعی) محدث، فقیہ | ۱۹۷ھ |

| نمبر شمار | شخصیت | سنِ وفات ہجری/عیسوی |
|---|---|---|
| | **ہ** | |
| ۴۳۷ | ہارونؑ : (حضرت موسیٰؑ کے بھائی) | ۱۴۰۰ ق م |
| ۴۳۸ | ہارون الرشید (نامور عباسی حکمران) | ۸۰۹ء |
| ۴۳۹ | ہدایت اللہ : (نامور ادیب، عزیز ملک کے دادا) | ۱۹۱۱ء |
| ۴۴۰ | ہلاکو خان (ایران کے ایلخانی خاندان کا بانی اور چنگیز خان کا پوتا) | ۱۲۶۴ء |
| | **ی** | |
| ۴۴۱ | یار محمد بندیالویؒ، (حضرت مولانا محمد حسین اللہ آبادیؒ کے خلیفہ اور شاگرد) | ۱۹۴۷ء |
| ۴۴۲ | یحییٰؑ : (بنو اسرائیل کے پیغمبر، حضرت زکریاؑ کے صاحبزادے) | ۳۱ ق م |
| ۴۴۳ | یحییٰ بن معینؒ : ابوزکریا، مشہور محدث، امام حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ نے ان سے استفادہ کیا۔ دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ ۲۳۳ھ میں بغداد سے حج کے لیے پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، حاضری کے بعد جب مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے تو پہلی منزل پر خواب میں یہ آواز سنی۔ اے ابوزکریا! ہماری ہمسائیگی چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ یہ سن کر واپس آگئے، تین دن بعد وہیں انتقال فرمایا۔ انہیں ایک یہ سعادتِ عظمیٰ بھی حاصل ہے کہ انہیں اُس مقدس تختے پر غسل دیا گیا جس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو غسل دیا گیا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت یحییٰ بن معینؒ شاعر بھی تھے۔ | ۲۳۳ھ |
| ۴۴۴ | یزید : ابنِ معاویہؓ | ۶۴ھ |

# اماکنِ کتاب

# اماکن

## ا


اُبلّہ (ایک بستی کا نام): ۶۸۳
اجمیر شریف: ۳۳۲، ۳۷۳، ۵۵۱، ۷۳۶
اَحسار: ۳۳۷
آذربائیجان: ۵۷۸
آرمینیا: ۱۲
استانبول: ۳۸۱، ۳۸۲، ۵۹۲
اسلام آباد: ۱۵۵
اصفہان: ۶۵۴
القدس (بیت المقدس): ۱۳۲، ۵۸۳، ۹۱۷
الوس: ۹۲۷
الٰہ آباد (بھارت): ۱۵۴، ۱۵۵
امرتسر ( " ): ۷۳۸، ۷۳۹
امروہہ ( " ): ۱۵۶
امریکہ: ۵۴۹
انبالہ (بھارت): ۳۳۰
اندلس: ۵۸۳
انڈیا: ۲۵۶
انطاکیہ: ۵۸۳
انگلستان: ۹۳
انگہ (ضلع شاہ پور): ۶۹۳
ایران: ۱۳۸، ۳۷۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۷۶، ۵۲۰، ۵۷۸، ۶۲۳، ۶۳۸


## ب


بُخارا: ۷۳۶
بدر: ۵۰۶، ۵۱۰، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۳۱، ۶۲۹، ۶۸۰
برز: ۵۷۸
برنگھم: ۶۳۹
بُشتیر: ۵۷۸، ۵۷۹
بصرہ: ۲۷۳
بغداد: ۳۹۷، ۵۳۶، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۵، ۵۸۹، ۵۹۹، ۶۰۱، ۶۲۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۶۰، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۸۹، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۳۰، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۴۲، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۷، ۷۵۹، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴
بندیال: ۵۰۴
بنھا العسل (ایک مصری بستی): ۱۱۰
بہاول پور: ۳۶۰، ۳۶۱
بیروت: ۳۱، ۳۲، ۷۰، ۸۰، ۸۱، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۰، ۲۱۰، ۲۵۵، ۳۰۰، ۳۷۴، ۴۱۴، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۷۸، ۶۰۳، ۶۱۲، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۲۰، ۶۶۵، ۶۷۱

بھوئی: ۳۶۵

بھیرہ: ۳۶۴

## پ

پاک پتن: ۲۴۳

پاکستان: ۳۸، ۹۴، ۱۳۳، ۱۴۵، ۱۵۵، ۲۵۶، ۲۹۰، ۳۰۱، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۵۶، ۳۶۵، ۳۷۳، ۴۱۷، ۵۰۳، ۵۴۵، ۶۱۷، ۶۴۹، ۶۵۳، ۶۸۵، ۷۴۹

پٹنہ: ۵۷۹

پسرور: ۵۲۹

پشاور: ۳۲۵، ۳۵۴، ۳۵۳

## ت

ترکی: ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۴۸۲، ۴۸۳، ۵۹۴

تیونس: ۶۵۶

تونسہ شریف: ۶۵۵

تہران: ۳۲۶، ۳۶۶، ۴۷۱، ۴۷۷، ۵۷۹

## ج

جھنگ: ۳۵۴

## چ

چشت: ۷۳۶

## ح

حبشہ: ۵۸۸

حجازِ مقدس: ۳۸

حرمین الشریفین: ۵۸۸

حرا (غار): ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۵

حسن ابدال: ۳۶۵، ۳۷۳

حضرموت: ۵۸۲

حمص: ۵۸۳

حیدر آباد دکن (بھارت): ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۹۸

## خ

خراسان: ۶۵۴

خیبر: ۵۱۶

خیر آباد (بھارت): ۳۶۰

## د

دمشق: ۵۱۳، ۶۲۸

دہلی: ۷۴، ۷۵، ۱۰۵، ۱۳۳، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۹۴، ۳۶۴، ۵۱۵، ۵۷۰

دیوبند: ۱۵۴، ۵۰۵، ۵۱۲، ۴۳۳، ۶۹۰

## ڈ

ڈنگہ: ۷۲۲

## ر

رام پور (بھارت): ۳۴۰

راولپنڈی: ۱۹۵، ۲۹۴، ۳۷۵، ۳۹۶، ۵۲۹

رِشت (صوبہ گیلان کا مرکزی شہر): ۵۷۹
رشید (قاہرہ کے مغرب میں ایک بستی): ۶۵۶
رُوس: ۶۷۲
ریاض (سعودی عرب): ۴۳۸

## ز

زنجان: ۵۷۹

## س

سادہ: ۷۱۹
ساڈھورا: ۴۳۰
سراندیپ: ۵۸۸
سرگودھا: ۵۰۴
سعودی عرب: ۴۳۸، ۶۱۸
سکھر: ۱۲۸، ۳۵۴، ۴۵۴، ۶۱۸، ۶۸۹
سمرقند: ۵۲۰
سندھ: ۶۱۸
سیال شریف: ۳۲۴، ۳۹۴
سیالکوٹ: ۵۲۹، ۷۲۲

## ش

شام: ۲۶۳، ۵۸۸، ۶۳۸، ۷۱۹
شبلنجی (مصر کی ایک بستی): ۱۱۰
شاہ پور: ۶۹۳
شطنوف (قاہرہ کے مغرب میں لب نیل ایک شہر): ۶۵۶
شفت (صوبہ گیلان کا ایک شہر): ۵۷۹
شکرکوٹ: ۶۹۳
شیراز: ۷۲۳

## ط

طائف: ۱۸۲
طرابلس: ۵۸۳
طفسونج (دجلہ کے مشرق میں ایک شہر): ۶۶۰
طُور: ۳۷۲، ۷۴۹

## ع

عراق: ۵۱۰، ۵۷۸، ۵۸۱، ۵۸۸، ۶۳۸، ۶۸۹، ۷۳۶
عکہ: ۵۸۳
علی گڑھ: ۳۵۲، ۶۵۰

## ف

فومن (صوبہ گیلان کا ایک شہر): ۵۷۹
فیصل آباد: ۶۸۹، ۷۷۲

## ق

قادیان: ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۶۷
قاہرہ: ۷۹، ۸۰، ۱۹۶، ۶۵۶
قسطنطینیہ: ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۰۹
قم: ۳۶۸، ۳۶۹
قیلوبیہ (لب نیل مطر آباد کے قریب ایک مصری گاؤں): ۶۶۵

## ک

کان پور (بھارت): ۱۷، ۲۲، ۲۳، ۵۶، ۸۲، ۱۲۳، ۲۱۶، ۲۲۶، ۲۷۴، ۳۰۷، ۳۵۴، ۳۵۹، ۳۷۸، ۳۸۲، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۴۹، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۲۵، ۵۴۱، ۵۵۵، ۵۷۳، ۶۰۹، ۶۷۶

کراچی: ۳، ۳۲، ۴۷، ۶۹، ۹۸، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۵۰، ۱۸۲، ۱۸۵، ۲۱۰، ۲۲۰، ۲۵۱، ۲۷۲، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۶، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۴۳، ۳۵۴، ۳۶۰، ۳۹۰، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۸۸، ۵۴۷، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۱۳، ۶۳۸، ۶۴۶، ۶۴۸، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۳، ۶۸۳، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱

کربلا: ۴۱۷، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۴۹، ۵۵۱، ۶۰۸

کعبہ شریف (بیت اللہ): ۱۷، ۲۲، ۳۸، ۱۲۷، ۱۳۲، ۲۵۴، ۲۸۰، ۲۹۰، ۳۷۷، ۵۴۴، ۶۹۳، ۷۲۰، ۷۳۶

کنجاہ (ضلع گجرات): ۷۱۹، ۷۲۳

کوٹری: ۱۵۷

کوئٹہ: ۷۷، ۷۸، ۶۷۱

کوفہ: ۲۷۰، ۲۷۳

کوہِ قاف: ۵۸۸

کیمبرج: ۳۴۰

## کھ

کھڑی شریف: ۷۶۱

## گ

گجرات: ۴۹۸، ۵۹۸، ۷۱۹

گلبرگہ شریف: ۷۱۴

گولڑہ شریف: ۸۸، ۱۵۴، ۱۵۵، ۲۸۷، ۳۲۵، ۳۴۰، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۳، ۳۹۳، ۴۳۰، ۷۴۳، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۴

گیلان: گیلان۔ جیلان۔ دیلم۔ ۵۷۸، ۵۷۹، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۴۸، ۷۴۹

گیلانی: (بھارت کے ضلع پٹنہ کی ایک بستی کا نام) ۵۷۹

## ل

لالہ موسیٰ: ۲۸۷

لاہور: ۳، ۵، ۸، ۹، ۱۹، ۲۳، ۵۱، ۵۶، ۶۰، ۸۱، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۷۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۷۹، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۶، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۶

(لاہور مسلسل) ۳۷۳، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳،
۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۹۳، ۳۹۶،
۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۹، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۲۳،
۴۳۱، ۴۳۹، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۶۱، ۴۹۴،
۴۹۸، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۹،
۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۵۴، ۵۷۹، ۵۸۱،
۵۸۴، ۵۸۸، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۶، ۶۱۴،
۶۱۷، ۶۳۶، ۶۳۹، ۶۴۱، ۶۵۴، ۶۵۵،
۶۵۷، ۶۶۰، ۶۶۳، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲،
۶۸۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۷۱۹، ۷۴۶،

لبنان: ۲۵۵، ۳۰۰، ۶۱۲، ۶۱۷

لکھنؤ: ۱۳۸، ۳۲۸، ۳۴۲، ۳۷۹، ۳۸۲،
۴۰۱، ۵۷۰، ۶۱۴، ۶۸۳

لندن: ۵۴۹، ۶۳۹

لینن گراڈ (روس): ۶۷۲

م

مازندران: ۵۷۸

مدینہ منورہ: ۶، ۴۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۲۳، ۱۳۸،
۱۶۷، ۱۷۶، ۲۶۴، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۴۲،
۳۸۶، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۲،
۵۰۴، ۵۰۵، ۷۲۵، ۷۲۸

مراغہ: ۵۷۹

مصر: ۳، ۷، ۱۰، ۱۲، ۱۷، ۲۹، ۳۰، ۳۳،
۴۹، ۸۰، ۸۵، ۹۶، ۹۷، ۱۰۳، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۷، ۱۲۷، ۱۴۰، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۲،
۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۵،
۱۸۳، ۱۹۲، ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰،
۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۱، ۲۳۲،
۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۵،
۲۸۴، ۳۲۲، ۳۵۴، ۳۸۰، ۴۱۸، ۴۱۹،
۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۶،
۴۲۷، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۴۷،
۴۴۸، ۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۵، ۵۰۴، ۵۰۶،
۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۴، ۵۲۷،
۵۳۸، ۵۳۶، ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۷، ۶۲۶،
۶۵۴، ۶۵۵، ۶۶۵، ۶۷۶، ۶۷۷،
۶۸۲، ۷۵۴

مظفر آباد (لب نیل ایک بستی): ۶۶۵

مکہ مکرمہ: ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۸۲، ۱۸۴، ۲۵۴،
۴۰۸، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷،
۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲،
۶۵۵، ۷۲۱

ملتان: ۱۹، ۸۲، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۳۶۲،
۴۸۹، ۵۳۵، ۶۱۲، ۷۱۷

ملہوٹ: ۸۶

منڈی بہاء الدین: ۴۹۸، ۵۹۸

مہار شریف: ۳۴۲

ن

نارہ (الٰہ آباد کا نواحی قصبہ): ۱۵۴، ۱۵۵

نوشہرہ گکے زئیاں (ضلع سیالکوٹ): ۵۲۹
نیف/نالف: ۵۷۸

## و

وادیِ حمرا: ۲۶۴
واسط (دجلہ کے مشرق میں ایک بستی): ۶۶۰

## ہ

ہرات: ۵۲۰
ہری پور (ہزارہ): ۳۵۱
ہندوستان (بھارت): ۹۳، ۹۴، ۱۴۵، ۲۱۶، ۲۵۶، ۲۸۷، ۲۹۰، ۳۰۵، ۳۳۵، ۳۶۵، ۵۷۹، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۵۵، ۶۶۱، ۶۸۸، ۷۳۶، ۷۴۳

## ی

یثرب: ۳۸۶
یمن: ۴۲۱، ۵۸۸
یو۔پی: ۳۴۰، ۳۵۲
یورپ: ۳۴۰
یونان: ۲۴۸

# اشعارِ مندرجہ کی فہرست
# کتاب میں

# فہرستِ اشعار و مصارِیع مندرجۂ کتاب


| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل[1] | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| ابو زید | سَوَاءٌ سَیِّدِنَا وَسَیِّدُ غَیْرِنَا | ۱۳۰ | | فرد |
| ابو سعید ابو الخیرؒ | یک لحظہ چراغ آرزو ہا پُف کن | ۳۵ | | رباعی |
| | مردانِ خدا میل بہ ہستی نہ کنند | ۲۰۶ | | 〃 |
| | یا گردنِ روزگار را زنجیرے | ۴۸۰ | | 〃 |
| | شب خیز کہ عاشقاں بہ شب راز کنند | ۶۳۶ | | 〃 |
| احمد جام ژندہ پیلؒ | چیزے کہ انبیا را حاصل نہ بود کُلّی | ۱۲۸ | | فرد |
| احمد رضا خان بریلویؒ | ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں | ۱۰۹ | | 〃 |
| | میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں | ۴۹۳ | ع | |
| | بہجت اُس سِر کی ہے جو بہجۃُ الاسرار میں ہے | ۵۸۵ | | 〃 |
| | جس کی منبر بنی گردنِ اولیا | ۶۶۹ | | 〃 |
| | واہ! کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا | ۷۳۶ | | 〃 |
| احمد ندیم قاسمی | عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن | ۲۹۲ | | 〃 |


[1] فہرست ہٰذا میں جس مصرع کے سامنے علامت ع ہوگی، اُس سے مراد وہ مصرعے ہوں گے جو بطور ضرب المثل مشہور ہیں، یا پھر جنہیں حسبِ ضرورت استعمال میں لایا گیا ہے۔ (مصنّف)

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ دوم | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| اشکؔ رامپوری | اِن ہمدموں کی کارگزاری نہ پوچھیے | ۲۴۹ | | فرد |
| | اک دن وہ مل گئے تھے سرِ رہگزر کہیں | ۳۴۰ | | 〃 |
| | سرِ قبر اک نقشِ پا چاہتا ہوں | ۳۴۰ | | قطعہ |
| | وہ تو ہیں کھلے دشمن، اُن کا خیر سے کیا ذکر | ۵۵۴ | | فرد |
| اصغرؔ گونڈوی | چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے لالہ وگُل کو | ۴۰۲/۸۷ | | 〃 |
| اقبالؔ | آدمیت احترامِ آدمی | ۸ | | 〃 |
| | ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق | ۳۱ | | 〃 |
| | نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا | ۴۷ | | 〃 |
| | گلہ از سختیِ ایّام بگزار | ۴۸ | | قطعہ |
| | گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر | ۵۲ | | فرد |
| | صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر | ۵۳ | | 〃 |
| | دیں مجو اندر کتب اے بے خبر | ۵۳ | | 〃 |
| | پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر | ۵۴ | | 〃 |
| | منزلش برتر ز ماہ و آفتاب | 〃 | | 〃 |
| | نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش | 〃 | | 〃 |
| | از نئے آں نے نوازِ پاک باز | 〃 | | 〃 |
| | ہر کجا رومی برد آنجا برو | 〃 | | 〃 |
| | رومی آں عشق و محبت را دلیل | 〃 | | 〃 |
| | گر نیابی صحبتِ مردِ خبیر | 〃 | | 〃 |
| | پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز | 〃 | | 〃 |
| | زانکہ رومی مغز را داند ز پوست | 〃 | | 〃 |
| | شرحِ او کردند و او را کس ندید | 〃 | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ معروف | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| اقبال | رقصِ تن از حرفِ او آموختند | ۵۴ | | فرد |
| | رقصِ تن در گردش آرد خاک را | 〃 | | 〃 |
| | در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے | ۹۵ | | 〃 |
| | جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی | ۱۳۱ | | 〃 |
| | مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز | ۱۶۰ | | 〃 |
| | نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمینؐ | 〃 | | 〃 |
| | بانوئے آں تاجدارِ ھَل اَتیٰ | 〃 | | 〃 |
| | مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق | 〃 | | 〃 |
| | مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ | 〃 | | 〃 |
| | آں ادب پروردۂ صبر و رضا | 〃 | | 〃 |
| | رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست | 〃 | | 〃 |
| | ورنہ گردِ تربتش گردیدمے | 〃 | | 〃 |
| | اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اِس زمانے میں | ۱۸۰ | | 〃 |
| | رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد | 〃 | ع | |
| | در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ | ۱۹۳ | ع | |
| | اِس دیرِ کہن میں ہیں غرض مند پجاری | ۱۹۹ | | فرد |
| | چہ باید مرد را طبعے بلندے، مشربِ نابے | ۲۰۳ | | 〃 |
| | چناں با بندگی در ساختم من | ۲۲۱ | | 〃 |
| | نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے | ۲۴۷ | | 〃 |
| | اللہ کی دین ہے، جسے دے | ۲۷۴ | | 〃 |
| | عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات | ۲۸۰ | | 〃 |
| | خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات | ۲۸۴ | | 〃 |
| | اُس کی امیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل | 〃 | | 〃 |
| | ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ | ۲۸۶/۴۷۳ | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ موزوں | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| اقبال | عصرِ ما پیغمبرے ہم آفرید | ۲۸۷ | ع | |
| | پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند | ۲۹۲ | | فرد |
| | کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے | ۳۰۲ | | ״ |
| | مسیحؑ و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا | ״ | ع | |
| | خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن | ״ | ع | |
| | آہ زاں قومے کہ از پا او فتاد | ۳۰۵ | | فرد |
| | مسلمِ ایں کشور از خود نا امید | ״ | | ״ |
| | لاجرم از قوّتِ دیں بدظن است | ״ | | ״ |
| | از سہ قرن ایں امّتِ خوار و زبوں | ״ | | ״ |
| | دولتِ اغیار را رحمت شمرد | ״ | | ״ |
| | نکتہ ہا از پیرِ رومؒ آموختم | ۳۰۶ | | ״ |
| | مال را گر بہرِ دیں باشی حمول | ״ | | ״ |
| | گر نداری اندریں حکمت نظر | ״ | | ״ |
| | از تہی دستاں کشادِ امتاں | ״ | | ״ |
| | نظارے کو تو جنبشِ مژگاں بھی بار ہے | ۳۱۴ | | ״ |
| | اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے | ۳۲۲ | ع | |
| | نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں | ۳۳۸ | ع | |
| | نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ | ۳۵۱ | | فرد |
| | رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید | ۴۸۰ | | ״ |
| | اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی | ۴۹۴ | | ״ |
| | یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ | ۵۶۸ | | ״ |
| | یا حیرتِ فارابی یا تاب وتبِ رومی | ״ | | ״ |
| | یا عقل کی روباہی یا عشقِ یدُاللّٰہی | ۵۶۹ | | ״ |
| | عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی | ۵۷۷ | | ״ |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| اقبال | شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی | ۶۲۲ | | فرد |
| | پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں | ۶۳۲ | | " |
| | جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے | ۶۳۴ | ع | |
| | مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ | " | | فرد |
| | عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں | " | | " |
| | عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں | " | | " |
| | ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر | ۶۳۶ | | " |
| | دو نیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا | ۶۴۵ | | " |
| اکبر الٰہ آبادیؒ | نہ کتابوں سے، نہ کالج کے اثر سے پیدا | ۵۳ | | " |
| | سعادت روح کی کس بات میں ہے، آپ کیا جانیں | " | | " |
| | کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں | " | | " |
| | حضرت کی ہرزہ لائی کچھ مستند نہیں ہے | ۱۳۳ | | " |
| | ذہن میں جو گھر گیا، لا انتہا کیوں کر ہوا | ۱۵۱ | | " |
| | اَلَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی بدہ ووٹے بہ محفل ہا | ۲۰۲ | | " |
| | حلقے نہیں یہ زلف کے، حلقے ہیں جال کے | ۲۷۹ | | " |
| | ہے سرسبز گلشن اُن کی بزم عیش و عشرت کا | ۲۹۱ | | " |
| | یہ لیڈر گا رہا ہے قوم کے گیت | ۳۰۱ | | " |
| | کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر | ۳۰۴ | | " |
| | نیچریت چیست از دیں گم شدن | ۳۲۵ | | " |
| | منزلِ گور تک پہنچتا ہے | " | | " |
| | اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی | ۳۲۷ | | رباعی |
| | بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے | ۳۳۴ | | فرد |
| | مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں | ۳۵۶ | | " |

| صنفِ سخن | مصرع موزوں | صفحہ نمبر | مصرعِ اوّل | شاعر کا نام |
|---|---|---|---|---|
| قطعہ | | ۴۵۰ | مشرقی ہیں ہے ذوقِ روحانی | اکبر الٰہ آبادی |
| فرد | | ۴۶۴ | کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منہ موڑیے | |
| 〃 | | ۵۶۴ | نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی | |
| 〃 | | ۶۳۷ | اُسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے | |
| 〃 | | ۶۴۳ | کریما بہ بخشائے بر حالِ بندہ | |
| 〃 | | 〃 | وہ کرتے ہیں سب چھپ کر، تدبیر اسے کہتے ہیں | |
| | ع | ۳۹۸ | فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٌ | امام شافعیؒ |
| فرد | | ۴۳۵ | اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ | |
| 〃 | | ۵۵۲ | وَلَوْ لَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِیْ | |
| 〃 | | ۷۰۲ | شَهِدَتْ بِرُتْبَتِهٖ جَمِيْعُ مَشَائِخٍ | امام محمد بن سعیدؒ |
| رباعی | | ۴ | واجب سے ظہورِ شکلِ امکانی ہے | امجد حیدر آبادیؒ |
| 〃 | | ۶ | مسلم ہو تو مسلم کو برادر سمجھو | |
| قطعہ | | ۱۳ | جہاں کو ناز ہے ہستی پر اپنی | |
| رباعی | | ۲۷ | ہیں مستِ مئے شہود تو بھی ہیں بھی | |
| 〃 | | ۴۹ | ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے | |
| 〃 | | ۵۶ | انسان ہزار ہیں، مگر قسم ہے ایک | |
| 〃 | | ۱۸۰ | کھیتی مرے فلسفہ کی پکتی ہی نہیں | |
| 〃 | | ۲۱۱ | کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے | |
| 〃 | | ۲۱۴ | رحمت منڈلا رہی ہے پیچھے پیچھے | |
| 〃 | | ۲۱۵ | تسکین نہیں جان کو جاناں کے سوا | |
| 〃 | | ۲۲۵ | جو مغز سے خالی ہو وہ نے اچھی ہے | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اول | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| امجد حیدرآبادیؒ | کس شان سے میں کہتا ہوں اللہ رے میں | ۲۲۵ | | فرد |
| | کس شان سے شیخ خود نما بیٹھا ہے | ۲۸۳ | | رباعی |
| | اِس سینے میں کائنات رکھ لی میں نے | ۲۸۴ | | 〃 |
| | دنیا نہیں عیشِ جاودانی کے لئے | ۲۹۱ | | 〃 |
| | ہر چیز مسبّبِ سبب سے مانگو | ۲۹۳ | | 〃 |
| | جمعیتِ مال وزر میں حکمت کیا ہے | ۳۰۸ | | 〃 |
| | افیون ہو یا مٹھائی منہ میں رکھ لی | ۳۱۲ | | 〃 |
| | گیسو میں ہے بل کہ میرے خم کو دیکھو | ۳۵۷ | | 〃 |
| | اک ایک کی تاک میں لگا رہتا ہے | ۴۵۲ | | 〃 |
| | ہو چلی ختم انتظار میں عمر | ۴۷۷ | | فرد |
| | ہے نام کے ساتھ ساتھ بدنامی بھی | ۵۷۴ | | رباعی |
| امیر خسروؒ | مفتخر از وے بہ غلامی منم | ۲۲۰ | | فرد |
| | چوں گوہر مدحِ خواجہ سُفتم | ۲۹۶ | | 〃 |
| | اکنوں قدرے دُرِ معانی | ۲۹۷ | | 〃 |
| | قطبِ زمن و پناہِ ایماں | 〃 | | 〃 |
| | در شرع نظامِ دینِ احمد | 〃 | | 〃 |
| | در حجرۂ فقر بادشاہے | 〃 | | 〃 |
| | بر مہ زگلیم کردہ رایت | 〃 | | 〃 |
| | شاہنشہِ بے سریر و بے تاج | 〃 | | 〃 |
| | بر خاک ز رحمت آسمانے | 〃 | | 〃 |
| | در پردۂ غیب محرمِ راز | 〃 | | 〃 |
| | در عالمِ وحدت ایستادہ | 〃 | | 〃 |
| | از خواجگی آستیں کشیدہ | 〃 | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| امیر خسروؒ | بیناترِ جملہ پاک بیناں | ۲۹۷ | | فرد |
| | ہر شب کہ رود بریں کہن بام | ۲۹۸ | | " |
| | در پیش دوند جملہ مشتاق | " | | " |
| | مسند ز سپہر برتر شش باد | " | | " |
| | ایں شربتِ عاشقی ست خسرو | ۳۲۶ | | " |
| | از ہجو توئے برید نتواں | " | | " |
| | خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند | ۹۲۲ | | " |
| امیر مینائیؒ | جو تجھے بھول گئے، تجھ کو بھی لازم ہے امیر | ۳۴۲،۳۰۸ | | " |
| | درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانہ دل کا | ۴۹۰ | ع | |
| | مجھ کو محب سمجھ کے حسینؓ شہید کا | ۵۱۱ | | " |
| | کیا غم مری مدد پہ اگر غوثِ پاکؒ ہیں | ۷۳۳ | | " |
| باقر قزوینی | اے مولوی! از کبر دماغت گندہ | ۳۶۴ | | قطعہ |
| بختیار اوشی کاکیؒ | قبلۂ اہلِ صفا حضرتِ غوثُ الثقلینؒ | ۷۰۹ | | فرد |
| بندہ نواز گیسو درازؒ | قطبِ حق، یا غوثِ اعظمؒ، یا ولی روشن ضمیر | ۷۱۴ | | " |
| بوعلی قلندرؒ | اگر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را | ۳۴۸ | ع | |
| بہادر شاہ ظفر | دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں | ۳۹۶ | ع | |
| بہاء الدین زکریاؒ | اولیائے اوّلین و آخریں سرہائے خود | ۶۶۹ | | فرد |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| بہاء الدین زکریاؒ | بے کساں راکس اگر جوئی تو در دنیا دیں | ۷۱۱ | | فرد |
| بہاء الدین نقشبندؒ | سہ نشاں بود ولی راز نخست داں بہ معنی | ۶۳۳ | | قطعہ |
| | دوم آنکہ در مجالس چو سخن کند بہ معنی | 〃 | | 〃 |
| | سوم آں بود بہ معنی ولی اخص عالم | 〃 | | 〃 |
| | بادشاہِ ہر دو عالم شیخ عبد القادرؒ است | ۷۱۲،۶۶۴ | | فرد |
| بیخود دہلویؒ | دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا | ۳۴۸ | | 〃 |
| | تعلیم دے رہے ہیں قیامت کو چال کی | ۳۶۴ | ع | |
| | پامال نعش کیوں نہ ہو مجھ خستہ حال کی | 〃 | ع | |
| بیدلؒ | بانسب محتاج نہ بود صاحبِ کسب وکمال | ۲ | | فرد |
| | گر آبرو بود از حادثات کاہش نیست | ۲۳ | | 〃 |
| | خاک را نفیِ خود اثباتِ چمن باکردن است | ۲۶ | | 〃 |
| | آرزو از نفیِ ما اثباتِ یار ایجاد کرد | ۲۸ | | 〃 |
| | بے فقر آشکار نہ گردد عیارِ مرد | ۴۸ | | 〃 |
| | می گزد جوہرِ آئینہ کفِ دستِ تہی | ۴۹ | | 〃 |
| | بہ ایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگِ ناگاہے | ۵۵۵/۴ | ع | |
| | تمام شوخیم لیک غافل کہ دل براہِ کہ می خرامد | ۱۵۲ | | فرد |
| | غبارِ ہر ذرہ می فروشد بحیرت آئینۂ تپیدن | 〃 | | 〃 |
| | ز رنگِ گل تا بہارِ سنبل شکست دارد دماغِ نازے | 〃 | | 〃 |
| | نگہ بہ جا رسد چو شبنم ز شرم می باید آب گردد | ۱۵۳ | | 〃 |
| | مگر [illegible] غلط نگاہے رسد بہ فریادِ حالِ بیدل | 〃 | | 〃 |
| | بے باک پا منہ بہ ادب گاہِ اہلِ فقر | ۱۸۶ | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| بیدل | خداست حاصلِ خدمت گزینِ درویشاں | ۱۸۶ | | فرد |
| | پاکی چو بحر موج زند از جبینِ شاں | " | | " |
| | ہر کہ زیں انجمن آثارِ صفامی بیند | ۱۹۳ | | " |
| | تواضع ہائے دشمن مکرِ صیّادی بود بیدل | ۲۱۵ | | " |
| | ادب نہ کسبِ عبادت، نہ سعیِ حق طلبی ست | ۲۲۰ | | " |
| | ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو وسمن درآ | ۲۲۷ | | " |
| | من نمی گویم بہ کلّی از تعلقہا برآ | ۲۳۴ | | " |
| | نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت | ۲۳۹ | | " |
| | قدرِ تو کس چہ داند تا بر تو جاں فشاند | ۲۴۲ | | " |
| | خاکِ ایں بیاباں را گریہ ات نہ زد آبے | ۲۴۷ | | " |
| | ز تشریفِ جہاں بیدل بہ عریانی قناعت کن | ۲۸۲ | | " |
| | بلیش از انست در آئینۂ من مایۂ نور | ۲۸۵ | | " |
| | بیدل صد حیف نارسائیت نہ رفت | ۲۹۳ | | رباعی |
| | از فقر باز بر سرِ دنیا زدیم پا | ۲۹۵ | | فرد |
| | گر نہ منظورِ کرم بخششِ عبرت باشد | ۳۰۶ | | " |
| | حرص قانع نیست بیدل ورنہ از سازِ معاش | ۳۰۹ | | " |
| | قناعت پیشہ ای، ہشدار کایں حرصِ غنا دشمن | " | | " |
| | اسباب بر آزادہ دِلاں سخت حجابیست | ۳۱۴ | | " |
| | در دستِ جُہد نیست عنانِ سُبک رواں | ۳۱۵ | | " |
| | رہبرِ عالمِ بالاست خیالِ قدِ یار | ۳۳۹ | ع | |
| | عیدِ نگاہ چشم بہ رُویت کشودن است | ۳۴۲ | ع | |
| | بہر کجا ناز سر برآرد نیاز ہم پائے کم ندارد | ۳۶۲ | | فرد |
| | مژہ برہم آورم از حیا کہ برہنہ بہ قبا رسد | ۳۹۴ | ع | |
| | دلِ بے نوا بہ کجا بردغم تنگ دستی و مفلسی | " | ع | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ منفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| بیدل | با آلِ نبیؐ بندگیم ایمانی ست | ۴۲۸ | | رباعی |
| | بیدل ستم است رفضیانِ خود سر | ″ | | ″ |
| | بیدل عبث است از سخن پروردن | ۴۳۱ | | ″ |
| | غیرتِ روشن ضمیراں لمعۂ تیغ بلاست | ۴۴۲ | | فرد |
| | خلقے از فطرتِ ضلالت تمہید | ۵۱۳ | | رباعی |
| | آخر اقبالِ دیں بہ اد بار افتاد | ۵۱۴ | | ″ |
| | بادشاہی بہ جنوں جمع نہ گردد بیدل | ۵۶۹ | | فرد |
| | اے مغروراں اکہ مستِ تخت و کلہ اید | ۵۷۰ | | رباعی |
| | زسازِ عافیتِ خاک می رسد آواز | ۵۹۶ | | فرد |
| | چنداں کہ دمد نخل سر ریشہ بخاک است | ۶۲۵ | | ″ |
| | با شاہ ہر آنکہ التجایش باشد | ۶۲۸ | | رباعی |
| بیدمؒ | وضعِ پُرکاری سے سرتاسر رہا وہ بے نیاز | ۳۳۹ | | فرد |
| | تیرا ہر جلوہ ہے آئینۂ اسرارِ ازل | ۳۴۲ | | ″ |
| جامیؒ | لِیْ حَبِیْبٌ عَرَبِیٌّ مَدَنِیٌّ قُرَشِیٌّ | ۱۲۶ | | ″ |
| | فہمِ رازش چہ کنم او عَرَبِی من عَجَمِیٌّ | ″ | | ″ |
| | سگیست جامی و جایش ہمیشہ خاکِ درت | ۵۴۴/۵۷ | | ″ |
| | بیا جامی رہا کن شرمساری | ۱۸۷ | | ″ |
| | شدم ز مدرسہ و خانقاہ بیگانہ | ۴۰۱ | | ″ |
| | جہاں شد ز رنگ و بوئے نسیم تازہ اے حریف | ″ | | ″ |
| | جمعے از بیعتش اِبا کردند | ۵۳۳ | | ″ |
| | وآں خلافے کہ داشت با حیدرؓ | ″ | | ″ |
| | حق در آنجا بدستِ حیدرؓ بود | ″ | | ″ |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ منفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| جامی | صفتِ بادۂ عشقش زمن مست مپرس | ۵۶۰ | | فرد |
| | بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی | ۴۴۲،۵۹۸ | | 〃 |
| | آں شاہِ سرافراز کہ غوث الثقلین ست | ۷۲۵ | | قطعہ |
| جگر مرادآبادیؒ | ہم بھی گرے سو بار، مگر | ۱۹۵ | | فرد |
| جلیل مانکپوریؒ | ہم سمجھتے ہیں تری عشوہ گری کو ساقی | ۳۵۰ | | فرد |
| جوش ملیح آبادی | اے دوست! دل میں گردِ کدورت نہ چاہیئے | ۶۵ | | مسدس ۶ |
| | اکثر انعام قہر بن جاتا ہے | ۱۹۲ | | رباعی |
| | خود کو گم کردہ راہ کر کے چھوڑا | ۴۴۹ | | 〃 |
| حافظ شیرازیؒ | تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز | ۲۵ | ع | |
| | بعدِ منزل نہ بود در سفرِ روحانی | ۱۰۰ | ع | |
| | مبیں حقیر گدایانِ عشق راکایں قوم | ۱۹۶ | | فرد |
| | بہ ولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی | ۲۲۱ | | 〃 |
| | ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما | ۲۴۱ | ع | |
| | من ارچہ در نظرِ یار خاک شدم | ۲۴۸ | | فرد |
| | در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند | ۳۱۷ | | 〃 |
| | مباش درپئے آزار و ہر چہ خواہی کن | ۳۳۲ | | 〃 |
| | مبوس جز لبِ معشوق و جامِ مے حافظ | ۳۳۳ | | 〃 |
| | نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم و بس | ۳۵۶ | | 〃 |
| | بدامنش نہ رسد دستِ ہر گدا، حافظ! | ۳۷۵ | ع | |
| | ہیچ کسے بخویشتن رہ نہ برد بسوئے او | ۴۲۰ | | فرد |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| حافظ شیرازیؒ | کہ نصیبِ دگرانست نصابِ زر و سیم | ۴۹۲ | ع | |
| | کرا رسد کہ کند عیبِ چہرۂ پاکت | ۶۰۶ | | فرد |
| حالیؒ | بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر | ۳۰۳ | | ״ |
| حسرت موہانیؒ | وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے | ۵۵ | ع | |
| | نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے | ۱۴۴ | | فرد |
| | پرتوِ حسن سے زیبا ہی رہے گا حسرت | ۳۳۹ | | ״ |
| | جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں | ۵۶۶ | | ״ |
| | دستگیری کا طلب گار ہوں شیئاً للہ | ۷۴۲ | | ״ |
| حسن رضا بریلویؒ | اَللہ! برائے غوثِ اعظمؓ | ۷۴۱ | | ״ |
| حفیظ تائب | شہِ دیں کے فکر و نگاہ سے مٹے رنگ و نسل کے تفرقے | ۵ | | ״ |
| | نرالی ہے جہاں میں شان و شوکت غوثِ اعظمؓ کی | ۷۴۶ | | ״ |
| | اللہ اللہ مرتبہ بغداد والے پیر دا | ۷۵۹ | | ״ |
| داغ دہلویؒ | پوچھے یہ کوئی چوٹ تو اُس خستہ جگر سے | ۱۰۴ | | ״ |
| | جن کو اپنی خبر نہیں اب تک | ۱۹۵ | | ״ |
| | تم جسے چاہو چڑھاؤ سر پہ | ۲۰۲ | | ״ |
| | برنگِ بوئے گل اہلِ چمن، چمن سے چلے | ۲۹۱ | | ״ |
| | جادو بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت | ۳۱۵ | ع | |
| | ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں | ۳۴۳ | | ״ |
| | ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں | ۳۴۹ | | ״ |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرع مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| داغ دہلویؒ | بھلا ہو پیرِ مغاں کا اِدھر نگاہ ملے | ۳۵۰ | | فرد |
| | اللہ تیری شان کے قربان جایئے | ۴۸۷ | ع | |
| | کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں | ۴۹۲ | | 〃 |
| | یہ دل محبوبِ سبحانی کے صدقے | ۷۴۴ | | 〃 |
| دائم اقبال دائم | سوہنا پیر بغداد شریف والا محبوب غفار دا غوثِ اعظمؓ | ۷۵۵ | | 〃 |
| ذوق دہلویؒ | یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے | ۱۵۴ | ع | |
| | موت نے کر دیا لاچار، وگرنہ انساں | ۱۸۰ | | فرد |
| | سبطینِ نبیؐ یعنی حسنؓ اور حسینؓ | ۴۲۰ | | رباعی |
| | اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے | ۹۲۵ | | فرد |
| رومیؒ | گر کُنی جاں را تو بر جاناں نثار | ۲۶ | | 〃 |
| | نیم جاں بستاند وصد جاں دہد | 〃 | | 〃 |
| | گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | ۲۷ | ع | |
| | ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست | ۳۱ | ع | |
| | لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا | ۴۵ | | 〃 |
| | آب در کشتی ہلاکِ کشتی است | ۴۹ | | 〃 |
| | علم را بر دل زنی یارے بود | ۱۹۲ | | 〃 |
| | گرچہ آید در نوشتن شیر و شیر | ۲۴۴ | ع | |
| | بندگانِ خاص علّام الغیوب | ۲۷۵ | | 〃 |
| | ایں چنیں تا صد چراغ از نقل شد | ۲۸۵ | | 〃 |
| | اے بسا ابلیس آدم روئے ہست | ۲۸۶ | | 〃 |
| | کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر | ۷۸۹/۹۱۵ | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| رومیؒ | شیر آں باشد کہ مردم را دَرَد | ۲۸۹/۴۱۵ | | فرد |
| | ناز را روئے بباید ہمچو وَرد | ۳۶۶ | | ″ |
| | دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر | ۴۰۷ | | ″ |
| ریاض خیرآبادیؒ | بعد توبہ بھی یہ پھینکا نہیں جاتا ہم سے | ۴۰۲ | | ″ |
| | یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے | ″ | | ″ |
| | ذرا چھپا کے حرم تک یہ زمزمی لے جائے | ″ | | ″ |
| | جو آج پی ہو تو ساقی حرام شے پی ہو | ″ | | ″ |
| | دستِ شفقت سر پہ یوں اک رند نے پھیرا ریاضؔ | ۴۰۳ | | ″ |
| | مئے کہن میں جھلک سی ہے کچھ جوانی کی | ″ | | ″ |
| | شرابِ تند کا خوگر ہوں، کیا کیا ساقی | ″ | | ″ |
| | جامِ مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن | ″ | | ″ |
| | ابھی پی لی، خراب پی لی | ″ | | ″ |
| | عادت سی ہے نشہ ہے نہ اب کیف | ″ | | ″ |
| | داڑھی کی نہیں ریاضؔ اب شرم | ″ | | ″ |
| | وہ جانا مرا روٹھ کر میکدے سے | ″ | | ″ |
| | توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر | ″ | | ″ |
| | رحمت کو یہ ادا مری شاید پسند آئے | ۴۰۴ | | ″ |
| | جو ہم آئے تو بوتل کیوں الگ پیرِ مغاں رکھ دی | ″ | | ″ |
| | اتری ہے آسمان سے جو کل، اٹھا تو لا | ″ | | ″ |
| | مجھ کو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں | ″ | | ″ |
| | تاشیخ کا منہ ہو بند، چکھا دوں شرابِ خلد | ″ | | ″ |
| [illegible] | [illegible] تری ذات سے وابستہ سلسلے کیا کیا | ۷۴۷ | | ″ |

| صنفِ سخن | مصرعِ معزونہ | صفحہ نمبر | مصرعِ اوّل | شاعر کا نام |
|---|---|---|---|---|
| فرد | | ۲۶۹ | کہیں سب کو نہ تم مجھ سا ہی دیوانہ سمجھ لینا | زیبا نارویؒ |
| ″ | | ۳۴۰ | رنگ ہے روپ ہے، خوشبو کا تکلف نہ سہی | |
| ″ | | ۳۴۹ | ہماری بزم میں چلتا ہے رات بھر ساغر | |
| ″ | | ۳۶۹ | ہمسری اپنی کسی کوکب گوارا ہو سکی | |
| | ع | ۴۰ | نہد شاخِ پُرمیوہ سر بر زمیں | سعدی شیرازیؒ |
| | ع | ۴۷ | درویش صفت باش وکلاہِ تتری دار | |
| فرد | | ۵۵ | نیاوردم از خانہ چیزے نخست | |
| ″ | | ۶۴ | طریقت بجز خدمتِ خلق نیست | |
| | ع | ۱۹۵ | خفتہ را خفتہ کے کند بیدار | |
| ″ | | ۲۱۹ | خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | |
| ″ | | ۲۴۱ | دوستاں را کجا کنی محروم | |
| ″ | | ۲۴۲ | تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ | |
| ″ | | ۳۰۹ | چہل سال عمرِ عزیزت گزشت | |
| ″ | | ۳۱۲ | منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست | |
| ″ | | ۳۴۱ | بہ زیورہا بیارایند وقتے خوبرویاں را | |
| قطعہ | | ۵۴۲ | اگر زباغ رعیت ملک خورد سیبے | |
| | ع | ۵۲۸ | بالائے سرش زہوشمندی | |
| فرد | | ۶۲۹ | گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم | |
| فرد | | ۶۶۴ | سگِ درگاہِ میراں شو چو خواہی قربِ ربانی | سلطان باہوؒ |
| ″ | | ۷۱۵ | شفیعِ امت و سرور بود آں شاہِ جیلانی | |
| ″ | | ۷۵۱ | بے بغداد دی کیا نشانی اُچیاں لمیاں چیڑاں ہُو | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| سیّد آلِ رضا | جو اُنہیں عزورِ جفا ملا، تو ہمیں بھی نازِ وفا ملا | ۱۹۷ | | فرد |
| سیماب اکبر آبادیؒ | اپنے معیارِ محبت پہ نگاہِ تنقید | ۳۴۵ | | ؍؍ |
| | یہ مراگفتہ بےکیف و پریشاں سیماب | ۳۴۳ | | ؍؍ |
| | ہوائے شوق کی قوت وہاں لے آئی ہے مجھ کو | ۳۷۵ | | ؍؍ |
| | خلوصِ دل سے جو سجدہ ہو اُس سجدے کا کیا کہنا | ۳۷۷ | | ؍؍ |
| | تری اِس بھول کا احساں تری اِس یاد کا شکر | ۳۹۴ | | ؍؍ |
| شاہ ابوالمعالیؒ | گر کسے واللہ بہ عالم از مئے عرفانی است | ۷۱۷ | | ؍؍ |
| شاہ نیاز بریلویؒ | زہے عزّ و جلالے، بو ترابے، فخرِ انسانے | ۴۷۷ | | ؍؍ |
| | امیرِ کشورِ فقرے، شہِ اقلیمِ عرفانے | ؍؍ | | ؍؍ |
| | انیسِ محفلِ اُنسے، جلیسِ مجلسِ قُدسے | ؍؍ | | ؍؍ |
| | زہے ظلمت کشائے مشعلِ تاریکیِ عالم | ؍؍ | | ؍؍ |
| | براہِ حق نمائی ناقہ ہائے کاروانش را | ؍؍ | | ؍؍ |
| | پیمبر بر سرِ منبر نشست و خواند مولائش | ؍؍ | | ؍؍ |
| | نیاز اندر قیامت بے سر و ساماں نخواہی شد | ؍؍ | | ؍؍ |
| | شاہبازِ لامکانی مظہرِ ربِّ قدیر | ۵۹۷ | | ؍؍ |
| | زپائے پاک او فخر یست دوشِ پاکبازاں را | ۶۶۹ | | ؍؍ |
| | بدہ دستِ یقیں اے دل بہ دستِ شاہِ جیلانیؓ | ۷۶۶ | | ؍؍ |
| شیخ اکبرؒ | اُحِبُّ لِحُبِّکَ الْحُبْشَانَ طُرًّا | ۸۷ | | ؍؍ |
| شیخ عبدالحقؒ | غوثِ اعظم دلیلِ راہِ یقیں | ۷۶۴ | | ؍؍ |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| شیخ نور الدینؒ | عَبْدٌ لَهٗ فوقَ المَعَالِیْ رُتْبَةٌ | ۷۰۱ | | فرد |
| شیفتہ | شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ | ۳۷۶ | | " |
| صابر کلیریؒ | من آمدم بہ پیشِ تو سلطانِ عاشقاں | ۷۱۳ | | " |
| صائب تبریزی | درونِ خانۂ خود ہر گدا شہنشاہ ست | ۳۲ | | " |
| | فروتنی ست دلیلِ رسیدگانِ کمال | ۴۰ | | " |
| | ظہورِ خشمِ بزرگاں تہی ز رحمت نیست | ۲۱۴ | | " |
| صفی لکھنوی | ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا | ۳۷۶ | ع | |
| ظفر علی خان | میں آج سے مرید ہوں عبد الغفور کا | ۳۶۸ | | " |
| | سیّد بھی ہیں فقیر بھی ہیں اور ملنگ بھی | ۵۳۵ | | " |
| عامری | اُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانَ حَتّٰی | ۸۷ | | " |
| عبد القادر جیلانیؒ | کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطَرَازِ عِزٍّ | ۲۴۱ | | " |
| | وَ وَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا | ۲۴۱، ۲۷۷ | | " |
| | نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللهِ جَمْعًا | ۲۴۱ | | " |
| | اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا | ۳۴۲، ۵۹۶، ۶۵۳، ۶۵۷، ۶۶۰ | | " |
| | وَکُلُّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَاِنِّیْ | ۳۴۶، ۴۴۵، ۶۷۸ | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| عبدالقادر جیلانیؒ | اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ | ۶۶۷ | | فرد |
| | مَافِی الْمَنَاهِلِ مَنْهَلٌ مُسْتَعْذَبٌ | ۶۷۱ | | " |
| | وَمَاقُلْتُ حَتّٰی قِیْلَ لِیْ قُلْ وَلَاتَخَفْ | ۶۷۷ | | " |
| عثمان ہارونیؒ | نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم | ۶۲۳ | | " |
| | تو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر بار می رقصم | " | | " |
| | تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی | " | | " |
| | بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں | " | | " |
| | خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را | " | | " |
| | منم عثمانِ ہارونی کہ یارِ شیخ منصورم | " | | " |
| عراقیؒ | نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت | ۲۰۳ | | " |
| علیؓ ابن ابی طالب | رَضِیْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا | ۵۲۲ | | قطعہ |
| عمر خیام | مے خوردنِ من نہ از برائے طرب است | ۳۲۶ | | رباعی |
| عمرو بن کلثوم | اَلَا لَا یَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا | ۴ | | فرد |
| | اِذَا بَلَغَ الْفِطَامَ لَنَا صَبِیٌّ | ۴ | | " |
| غالب | پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم | ۵۲ | | " |
| | شرم تم کو مگر نہیں آتی | ۸۲ | ع | |
| | غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے | ۳۹۳ | | |
| | کعبہ سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی | ۵۲۴ | ع | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| غالب | ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا | ۵۷۳ | | فرد |
| | غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست | ۶۲۹ | | " |
| غنی کاشمیریؒ | زیباست خوئے آتش اولادِ بولہب را | ۱۴۲ | | " |
| | تو ابنِ بو ترابی باید کہ خاک باشی | ۱۴۴ | ع | |
| | سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است | ۲۰۷ | | " |
| غنیمت کنجاہیؒ | غنیمت! اے غلامِ غوثِ اعظمؓ | ۷۱۹ | | " |
| فانی بدایونی | ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا | ۱۵۴ | | " |
| فرید ثانی | فریدا مہندی رانگی جو، لائی سگل جہاں | ۹ | | " |
| فضل گجراتی | ساقیِ بغداد! کچھ ہووے عطا بغداد دی | ۷۵۴ | | " |
| فیض احمد فیض | سَاَذْدُبَابَ شَیْخٍ ھُوَمُخْدَعُ الْمُقَام | ۷۰۴ | | " |
| قاآنی | گر فرو تر نشست قاآنی | ۳۷۹ | | قطعہ |
| قابل اجمیری | ہم بے کسوں کی بزم میں آتا ہے اور کون | ۳۵۶ | | فرد |
| قتیل شفائی | جو میں نہ ہوں تو زمانے کی سانس رک جائے | ۳۵۳ | | " |
| گرامی جالندھریؒ | خموشی با تکلّم در ستیزہ | ۲۲۱ | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| گرامی جالندھریؒ | بر اوجِ آسماں خندہ زنیم | ۷۲۷ | | فرد |
| محمد اسمٰعیل علیمی امرتسریؒ | واہ کیا خوب دربار ہے شان کا، مرحبا مرحبا | ۷۴۸ | | " |
| محمد افضل فقیر | نامِ تو وظیفۂ فقیراں | ۷۲۸ | | " |
| محمد جان قدسیؒ | اے قریشی لقب و ہاشمی و مُطّلبی | ۱۲۶ | ع | |
| محمد قلی سلیم | لاف از نسب مزن کہ چو آئینہ در جہاں | ۴۰۶ | | فرد |
| مخلص کاشی | نسب صورت بہ بخشد گر نداری جوہرِ ذاتی | ۴۰۷ | | " |
| مستان شاہ کابلیؒ | نہ موسٰی گفتن و آنجا نہ فرعون | ۱۵۲ | | " |
| مشتاق | کیا شان ہے تیری صلِّ علیٰ یا عبدالقادر جیلانیؓ | ۷۴۳ | | " |
| مصحفی امروہوی | نخوت سے جو کوئی پیش آیا | ۱۴۴ | | " |
| | یہ زمانہ وہ ہے جس میں ہیں بزرگ و خورد جتنے | ۳۵۲ | | " |
| مظہر جانِ جاناں نقشبندی دہلویؒ | خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را | ۵۱۹ | ع | |
| معین کاشی | شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ | ۳۹۲ | | رباعی |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرع مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| مہر علی شاہؒ | ہووان مَیں سگ مدینے دی گلی دا | ۱۷۶ | | فرد |
| | بیروں نہ زدم قدمے دیں طرفہ تماشا ہیں | ۳۱۶ | | ״ |
| | جیا ترست ہے درشن دیکھو صدقہ حسنؓ حسینؓ پیا | ۴۰۵ | | ״ |
| | مہر علیؒ ہے حبِ نبیؐ، حبِ نبیؐ ہے مہر علیؒ | ״ | | ״ |
| | تا یافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دل | ۴۱۰ | | ״ |
| | مہر ہے ساری علیؓ دی، شک نہ رہ گیا اک ذرا | ״ | | ״ |
| میاں محمد بخشؒ | کجھ وی منکا تے لعل وی منکا اِکو رنگ دوہاں دا | ۲۴۴ | | ״ |
| | واہ وا میراں شاہ شہاں دا سید دوہیں جہانی | ۷۵۳ | | ״ |
| میر تقی میر | لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام | ۲۳۹ | | ״ |
| | میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو | ۳۹۴ | | ״ |
| | ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا | ۴۵۰ | | ״ |
| | قدم راہِ محبت میں نہ رکھ میر | ۴۸۷ | | ״ |
| | اُس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں | ۵۵۱ | | ״ |
| میر جان محمد سندھیؒ | روتے محبوبِ ازل زیرِ نقابِ آدمی ست | ۵۷ | | ״ |
| | گر نہ بُرد ابلیس پے محبوسِ بندِ خویش بود | ״ | | ״ |
| | ذہنِ صائب گر بہ کار آید تواں دریافتن | ״ | | ״ |
| میر دردؒ | جان سے ہو گئے بدن خالی | ۳۱ | | ״ |
| | آپ سے ہم گزر گئے کب کے | ۳۱۹ | | ״ |
| ناصر علی سرہندی | محبت جادۂ دارد نہاں درخلوتِ دلہا | ۲۰۵ | | ״ |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| ناصر علی سرہندی | توراہ از کثرتِ اسباب برخود تنگ می سازی | ۳۱۶ | | فرد |
| نصیر الدین نصیر سیّد (مصنفِ نام ونسب) | خدا کی مار ان کافرہتوں کی اِس ڈھٹائی پر | ۹ | | فرد |
| | گر جمع روافض است نزدِ تو مُریہ | ۱۸ | | رباعی |
| | اہلِ دیں سوئے کعبہ سجدہ کنند | ۳۸ | | فرد |
| | کافر نہیں منکر ترے نانا کا، مگر | ۴۰ | | " |
| | کبھی بھلا دیا مجھ کو، کبھی سرمستیاں دے دیں | ۴۵ | | " |
| | نہ وہ اہتمامِ مئے کہن نہ وہ میکدے کا نظام ہے | ۴۸ | | " |
| | صلاحیت نہ باشد ہیچ شے جز صحبتِ نیکاں | ۵۴ | | " |
| | وہ مل گئے، نگاہ ملی، دل سے دل ملا | ۵۵ | | " |
| | میرے نزدیک یہی توشۂ عقبیٰ ہے نصیر | ۶۲ | | " |
| | جانچ پرکھ ہے اوروں کی | ۶۵ | | " |
| | چشمِ بلبل لائقِ دیدارِ روئے گل بود | ۱۲۵ | | " |
| | حقیقت دیکھ لیں خود جوڑ کر تصویر کے ٹکڑے | ۱۶۴ | | " |
| | پتا چلتا نہیں اور آگ لگ جاتی ہے تن من میں | ۱۸۰ | | " |
| | یہ ایسی شے نہیں ہے جو یہاں رکھ دی، وہاں رکھ دی | ۱۹۱ | ع | |
| | یہ الگ بات ملے دیر سے یا جلدی سے | ۱۹۴ | ع | |
| | ہمیں ہے فقیری میں شاہی میسّر | ۱۹۷ | | " |
| | چلنے والوں کو صرف چلنا ہے | ۲۰۴ | | " |
| | مردانِ خدا رغبتِ ہستی نہیں کرتے | ۲۰۷ | | قطعہ |
| | در عشق چو پروانہ گدازی، مردی | ۲۱۲ | | رباعی |
| | گلوں کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ | ۲۱۵ | | فرد |
| | پاس جب آئے تو ہم پر کھل گیا دامِ فریب | " | | " |
| | من اجرم کوشی پے بہ پے، تو و پردہ پوشی دمبدم | ۲۲۲ | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نصیر الدین نصیر سید | گر فتم کز جہانِ رنگ و بُویم | ۲۲۲ | | قطعہ |
| | اِس سے بہتر کوئی موقع نہیں تنہائی کا | ۲۲۳ | | فرد |
| | بنشیں براہِ خود آگہاں بہ امیدِ چشمِ عنایتے | ۲۲۴ | | " |
| | لہجے میں اگر رس ہو تو دو بول بہت ہیں | ۲۴۷ | | " |
| | ہر قطرہ بہ بحر جوں گہر کے بالد | ۲۶۲ | | رباعی |
| | تنویرِ رسولِ انس و جاں مہرِ علیؓ | ۲۶۴ | | " |
| | فضلِ خداست ذٰلِكَ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَا | ۲۶۶ | ع | |
| | گر خاتمِ رسالت و دو جیم من اے علیؓ | ۲۷۱ | | فرد |
| | بر نہ تابی جلوہ اش، عکسِ جمالش را بیاب | ۲۸۴ | | " |
| | تمکینِ ادب بہ ہرزہ گاماں نہ دہند | ۲۹۰ | | رباعی |
| | درویشی و فقر و کج کلاہی دارد | ۲۹۸ | | " |
| | یوں دیدہ حق نگر کو خیرہ نہ کرو | ۳۰۸ | | " |
| | از بہرِ معاش حیلہ سازی تا کے | ۳۱۲ | | " |
| | بس اِس کے بعد تو راہِ عدم ہے | ۳۱۳ | | فرد |
| | جو شئے بھی ہے اِس دہر میں بس آنی ہے | " | | رباعی |
| | ہے دورِ طرب، سایۂ ابرِ گزراں | " | | " |
| | دانا ہے تو دنیا کو سمجھ دامِ ہوس | " | | " |
| | یہ مقامِ ناز و نیاز ہے، مرا دل ہی محرمِ راز ہے | ۳۳۸ | | فرد |
| | حسینوں کے بدن کی وجہِ آرائش تو ہیں زیور | ۳۴۱ | | " |
| | ٹھنی ہے گفتگو کی اور خاموشی کی آپس میں | " | | " |
| | سر دیکھتے ہی وہ قدِ بالا | " | | " |
| | سینۂ او داغ داغ از درد بود | ۳۴۲ | | " |
| | یہ کون رکھ کے خراں آشنا زمیں پہ قدم | " | | " |
| | وہ ہمارے، ہم اُن کے ہو جائیں | ۳۴۴ | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نصیر الدین نصیر سیّد | نشستہ ام بہ سرِ راہ و در تو راہے نیست | ۳۴۳ | | فرد |
| | وہی بزم ہے، وہی دھوم ہے، وہی عاشقوں کا ہجوم ہے | ۳۴۵ | ع | |
| | ہے کمی تو اِک اُسی چاند کی جو تہِ مزار چلا گیا | ″ | ع | |
| | یہ مہ و نجوم کی روشنی ترے حسن کا تو بدل نہیں | ″ | | فرد |
| | نہ وہ دَور میکدوں کے نہ وہ شور میکشوں کا | ۳۵۲ | | ″ |
| | آسماں سے کوئی پوچھے، یہ تنک تاب ہلال | ۳۶۲ | | ″ |
| | در راہِ وفا تیز مپو، دم درکش | ۳۶۳ | | رباعی |
| | اک ادا ہے بس اور کچھ بھی نہیں | ۳۶۶ | | فرد |
| | تمام میکدہ سیراب کر دیا جس نے | ۳۶۸ | | ″ |
| | ادا ہوتے رہیں گے اُن کے در پر عمر بھر سجدے | ۳۷۵ | | ″ |
| | اے تاجورِ سریرِ امکاں مددے | ۳۸۳ | | رباعی |
| | ازواجِ پیمبر قرآں میں امت کی مقدس مائیں ہیں | ۳۸۷ | | فرد |
| | مقصود در اصل تو ہے ازواج کی ذات | ۳۸۹ | | رباعی |
| | جو منکرِ قرآں ہے مسلمان نہیں | ″ | | ″ |
| | یہ کرم کم ہے کہ وہ یاد کریں تجھ کو نصیر | ۳۹۳ | | فرد |
| | چشمِ ساقی کی توجہ تھی کہ آڑے آئی | ۳۹۸ | | ″ |
| | کہیں اور اپنا گزر نہیں، کہیں اور جائیں نصیر کیوں | ۴۰۶ | | ″ |
| | خدا ہی اب سنبھالے تو سنبھالے | ۴۳۱ | | ″ |
| | ایک ہیں اُن کو اپنے، بیگانے | ۴۵۰ | | ″ |
| | خواہ میری یہ فراست ہے کہ نادانی ہے | ۴۷۴ | | ″ |
| | صنّاعِ گل و لالہ و نقّاشِ چمن زار | ″ | | ″ |
| | صورت گرِ ایجاد و نگارندۂ آفاق | ″ | | ″ |
| | پرتو زِ ہمہ جلوہ نما در ہمہ عالم | ″ | | ″ |
| | خود صاحبِ ادراک و بروں از حدِ ادراک | ″ | | ″ |

| صنفِ سخن | مصرع مفرد | صفحہ نمبر | مصرعِ اوّل | شاعر کا نام |
|---|---|---|---|---|
| فرد | | ۴۷۴ | از تابِ جمالش ہمہ زیبائی گلشن | نصیر الدّین نصیر سیّد |
| " | | " | دُردِ تہِ جام است زمیخانہ بدوش | |
| " | | " | برکشتِ جہانست سحابِ کرمِ او | |
| " | | " | تا ذرہ مدحش زسد فکرِ سخنور | |
| " | | " | بینند نصیر اہلِ نظر جلوہ حسنش | |
| رباعی | | ۴۸۳ | مخدومِ صحابۂ نبیؐ بالتحقیق | |
| " | | " | تائیدِ خدا، گواہِ شانِ عمرؓ است | |
| " | | ۴۸۴ | بیخود شدم از مئے ولائے عثمانؓ | |
| " | | " | در مصحفِ حق آیتِ دین ست علیؓ | |
| فرد | | ۵۱۷ | ہمارا کام ہے اچھی بری ہر بات سمجھانا | |
| " | | ۵۴۲ | زمانہ اِس لیے دیوانگی پہ مائل ہے | |
| " | | ۵۵۳ | نہیں کہہ کر نگاہیں جھک گئی ہیں | |
| رباعی | | ۵۶۰ | چھپتا نہیں دنیا میں کوئی زشت نہ خوب | |
| قطعہ | | ۵۶۷ | سراپا غرقِ دریائے شہود اند | |
| رباعی | | ۵۷۱ | در فرصتِ چند روزہ بے باک شدیم | |
| " | | ۶۱۱ | از داو ملت اند بے ربط و وفاق | |
| " | | " | زیں مذہبیانِ خود سر و تفرقہ خُو | |
| فرد | | ۶۱۲ | اب حشر میں کیا منہ کھولیں ہم، کیا بات کریں، کیا بولیں ہم | |
| " | | ۶۲۹ | اڑائے دھول کوئی چاند پر کب دھول پڑتی ہے | |
| " | | ۶۳۰ | قال کی گنجائشیں اُن کی تمنا میں نہیں | |
| رباعی | | ۶۳۷ | از فقر قلندر و معانی یابی | |
| " | | ۶۳۰ | نورِ نظرِ حیدر و شاہِ زمنی | |
| فرد | | ۶۳۸ | شاہِ بغدادؓ! اسد ابول ہے بالا تیرا | |
| " | | ۶۴۴ | اللہ رے کیا بارگہِ غوثِ جلیؓ ہے | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نصیر الدین نصیر سیّد | آستاں ہے یہ کس شاہِ ذی شان کا، مرحبا، مرحبا | 751 | | |
| | یا غوثِ اعظم گیلانی، فیض ترا الاثانی | 765 | | فرد |
| نامعلوم | اَلنَّاسُ فِیْ عَالَمِ التَّمْثِیْلِ اَکْفَاءٌ | 7 | | " |
| | بہ چہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے | " | | " |
| | دریا سمٹے قطرہ ہو | 25 | | " |
| | ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد | 288،47 | | " |
| | بود در آب، چو برخاست خشک پر برخاست | 47 | ع | |
| | گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی | 58 | ع | |
| | ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا | 244،44<br>281 | ع | |
| | دفعتاً ترکِ تعلق میں تو رسوائی ہے | 66 | | فرد |
| | ناطقہ سر بگریباں کہ اِسے کیا کہیے | 100 | ع | |
| | لگایا آتنہ یہ کہہ کے اُس نے روزنِ در میں | 108 | | " |
| | شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ | " | ع | |
| | قابلیت ہو تو دیدارِ جمال اچھا ہے | 109 | | " |
| | چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک | 132 | ع | |
| | ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند | 140 | ع | |
| | ابو البشر بود آدمؑ، ابو تراب علیؓ | 142 | ع | |
| | اعمالِ پسندیدہ کہاں سے لاؤں | 166 | | رباعی |
| | کارِ طفلاں تمام خواہد شد | 169 | ع | |
| | درِ درویش را درباں نہ باشد | 186 | ع | |
| | برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ | 187 | | فرد |
| | باچنیں زورِ جنوں پاسِ گریباں داشتم | 193 | | " |
| | اُس حسنِ برق وش کا دل سوختہ وہی ہے | " | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرع مفرد | صنفِ سخن |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| نامعلوم | درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ | ۱۹۴ | | فرد |
| | ہمیں چاہیے اِن سے لینے کا ڈھب کچھ | " | ع | |
| | کجا روم، بہ کہ گویم، بگو، چہ چارہ کنم | ۲۰۰ | ع | |
| | کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے، کچھ ہم کھنچے کھنچے | ۲۰۲ | | فرد |
| | تھا کچھ ابھی بیان، ابھی کچھ بیان ہے | ۲۰۴ | | " |
| | مردانِ خدا میل بہ ہستی نہ کنند | ۲۰۶ | | رباعی |
| | پس فنا مجھے مٹی نہ دے او آئنہ وش | ۲۱۴ | | فرد |
| | تیری دنیا میں ہمارا کیا ہے | ۲۴۰ | | " |
| | بازار میں بیٹھا ہے مگر گوشہ نشیں ہے | ۲۸۰ | ع | |
| | بہت جانچ لیتے ہیں، دیتے ہیں تب کچھ | " | ع | |
| | مردیکہ ہیچ جامہ ندارد ز اتفاق | ۲۸۱ | | فرد |
| | عذابِ دوزخ کے ڈر سے توبہ، یہ بہرِ حور و قصور سجدے | ۲۸۳ | | " |
| | بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست | " | ع | |
| | رہے ہیں اِس لیے ہم اللہ والوں کی خوشامد میں | ۲۸۵ | | " |
| | یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال، افسوس ہے | ۲۹۱ | | " |
| | زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز | ۲۹۴ | ع | |
| | ببایدت تا سگِ دنیا نیاید | ۲۹۶ | ع | |
| | اشکوں سے تر ہے پھول کی ہر ایک پنکھڑی | ۳۱۳ | | فرد |
| | کل کی امیدوار ہے دنیا | " | | " |
| | حسرتوں کا مزار ہے دنیا | " | | " |
| | ہر جگہ جنگ، ہر جگہ ہے نزاع | ۳۱۴ | | " |
| | گرچہ ظاہر میں صورتِ گل ہے | " | | " |
| | ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر | " | | " |
| | جیتے جی ہیں غریب اِس میں دفن | " | | " |

| شاعر کا نام | مصرعِ اول | صفحہ نمبر | مصرعِ مفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نامعلوم | زندگی نام رکھ دیا کس نے | ۳۱۴ | | فرد |
| | گل وبلبل بھی جس سے ناخوش ہیں | 〃 | | 〃 |
| | بیٹھا ہوا وطن میں بھی سالک سفر میں ہے | ۳۱۶ | ع | |
| | گر خود روی، بے حاصلی | ۳۳۷ | | 〃 |
| | دلِ من داند ومن دانم و داند دلِ من | 〃 | ع | |
| | عیاں شد معنیٔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْر | ۳۳۹ | | |
| | سرو چوں دید آں قدِ پاک | ۳۴۱ | | 〃 |
| | وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں | ۳۴۴ | | 〃 |
| | تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم | ۳۴۶ ۵۹۸ | ع | |
| | ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما | ۳۴۸ | ع | |
| | ہست قرآں در زبانِ پہلوی | ۳۴۹ | ع | |
| | بات کروں تو پیا کی جو سنوں تو پی کی بات | ۳۵۴ | | فرد |
| | روشن از عکسِ جمالش عالمِ امکانِ ما | ۳۵۵ | | 〃 |
| | منِ حقیر کجا و کجا غریب نواز | ۳۵۶ | ع | |
| | بہتریں گوہرِ گنجینۂ ہستیت سخن | ۳۶۳ | | 〃 |
| | نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر | ۳۶۸ | ع | |
| | اللہ کرے زورِ بیاں اور زیادہ | 〃 | ع | |
| | زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد | ۳۷۰ | ع | |
| | آتشِ رشک وحسد سے سنگ بھی خالی نہیں | ۳۷۲ | | 〃 |
| | ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رو ہوگا | ۳۷۷ | | 〃 |
| | کبھی یہ شان کہ ٹھکرا دیا سفینوں کو | ۳۹۶ | | 〃 |
| | إِنِ افْتَخَرْتَ بِآبَاءٍ مَضَوْا سَلَفًا | ۳۹۹ | | 〃 |
| | مرد اگر لاف از آب وگِل می زند بے مشرب است | ۴۰۰ | | 〃 |
| | یک نعرۂ مستانہ زجائے نہ شنیدم | ۴۰۷ | | 〃 |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ منفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نامعلوم | مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے | ۴۱۰ | ع | |
| | در آرزوئے رُتبتِ مایند دیگراں | ۴۳۲ | | فرد |
| | یوں پکارے ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے | ۴۳۹ | | " |
| | نظامِ بے نظام ار کافرم خواند | ۴۴۰ | | قطعہ |
| | ہوتے نہ گر ازل میں چودہ ستارے ہادی | ۴۴۶ | | فرد |
| | ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا | ۴۵۰ | | " |
| | فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمّتِ اوست | ۴۵۷ | | " |
| | بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست | ۲۸۳ ۴۷۵ | ع | |
| | درخانہ اگر کس است یک حرف بس است | ۴۸۶ | ع | |
| | گویم زکمالِ تو چہ غوث الثقلینا | " | | قطعہ |
| | ما عاجز و حیران بماندیم بہ گرداب | " | | " |
| | ماتشنہ چو ماہی ہمہ در دشت فتادیم | " | | " |
| | سر در قدمت جملہ نہادند و بگفتند | " | | " |
| | ایں بارگہِ حضرتِ غوث الثقلین است | ۴۸۷ | | " |
| | پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا | ۴۹۰ | ع | |
| | کئی بھونکتے مرگئے اُن کے دشمن | ۴۹۱ | | فرد |
| | اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا | ۵۱۳ | | " |
| | عاملاں در زمانِ معزولی | ۵۲۱ | | قطعہ |
| | ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں | ۵۲۳ | ع | |
| | اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت | " | " | |
| | جس کا جو ہوتا ہے، رکھتا ہے اُسی سے نسبت | ۵۳۶ | " | |
| | اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں | ۵۴۰ | " | |
| | پس ازیں بہ ہر سرِ رہ من و عرضِ بے نوائی | ۵۴۵ | | فرد |
| | منکرِ مے بودن و ہمرنگِ مستاں زیستن | ۵۴۸ ۹۴۳ | ع | |

| شاعر کا نام | مصرعِ اوّل | صفحہ نمبر | مصرعِ منفرد | صنفِ سخن |
|---|---|---|---|---|
| نامعلوم | خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست | ۴۲۹ | ع | |
| | از کوزہ ہماں بروں تراود کہ دروست | ۴۳۰ | ع | |
| | بہ جز رہبر نہیں ممکن جہاں میں جب ہنر کوئی | ۴۳۵ | | فرد |
| | تو اپنا در نہ کھولے گا، میں تیرا در نہ چھوڑوں گا | ۴۳۶ | | 〃 |
| | بر کریماں کارہا دشوار نیست | ۴۴۸ | ع | |
| نظامی گنجوی | اوّل و آخر بہ وجود و صفات | ۱۴۷ | | فرد |
| | اوّلِ او اوّلِ بے ابتداست | 〃 | | 〃 |
| | زیرنشینِ علمت کائنات | 〃 | | 〃 |
| | ہستیٔ تو صورتِ پیوند نے | 〃 | | 〃 |
| | آنکہ تغیّر نہ پذیرد توئی | 〃 | | 〃 |
| | ما ہمہ فانی و بقا بس تراست | 〃 | | 〃 |
| | اے شرفِ نامِ نظامی بتو | ۱۴۸ | | 〃 |
| | در شعر مپیچ و در فنِ او | ۴۴۹ | | 〃 |
| نظیر اکبر آبادی | دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی | ۵۷تا۵۸ | | |
| نظیری نیشاپوری | کنہِ ذاتِ تو بہ ادراک نشاید دانست | ۱۵۱ | | فرد |
| نوح ناروی | قدر کیا اُن کو چھلکتے ہوئے پیمانوں کی | ۴۳۷ | | 〃 |
| | مانا کہ وہ نازک ہیں، وہ نازوں کے پلے ہیں | ۴۷۳ | | 〃 |
| | ہمیں بھی کوئی پیمانہ جنابِ غوثِ اعظمؓ کا | ۴۳۵ | | 〃 |
| وارث شاہ | مع پیر دی محبت دے نال کیجے جیہندے خادماں نوں کوچ پیریاں نی | ۷۵۲ | | 〃 |

| صنفِ سخن | مصرعِ مفرد | صفحہ نمبر | مصرعِ اوّل | شاعر کا نام |
|---|---|---|---|---|
| | ع | ۳۴۷ | جانِ من ایں کردہ ای، آں کردہ ای | واقف لاہوری |
| فرد | | ۵۱۱ | لیس من جندب ان لم تنقم | یزید بن معاویہ |

# کچھ مناظر، کچھ یادیں

# تصاویر

اس پردے میں پوشیدہ لیلائے دو عالم ہے    بے وجہ نہیں بیدمؔ کعبہ کی سیہ پوشی

(بیدمؔ وارثی)

جاں کا خرابہ رشکِ حدیقہ بنا دیا　　　اے شہرِ مصطفیٰؐ تری آب و ہوا کی خیر

(حفیظ تائب)
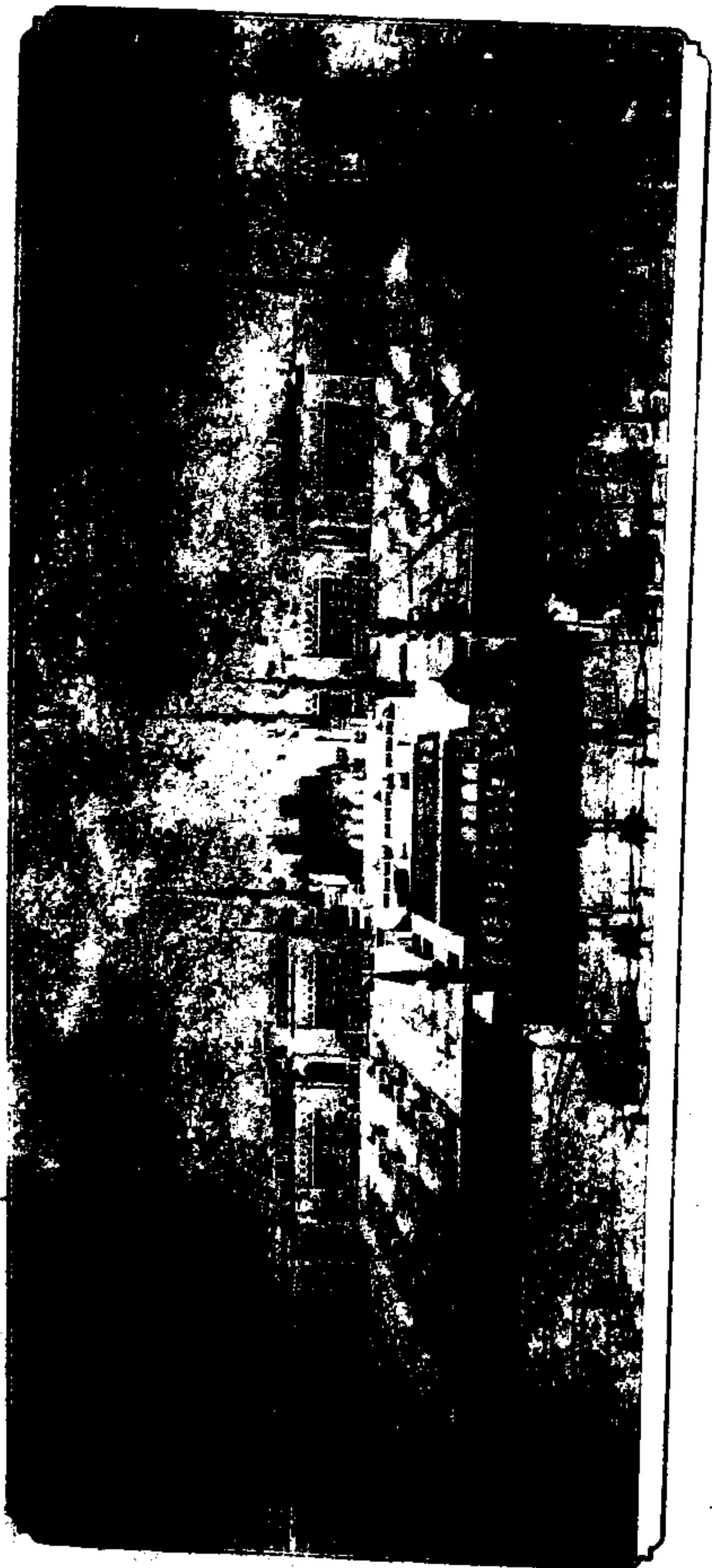
اِک مہرؒ کہ ہے پُورِ شہ بدر و حُنین — اِک صاحبِ معرفت دلِ شمسؒ کے چین
یکساں ہے مہر و شمس کا علوی بُرج — دیکھو تو نصیرؔ یہ قِران السعدین

دائیں جانب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اور بائیں جانب حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیالویؒ (یہ تاریخی تصویر مصنف کو صاحبزادہ رب نواز صاحب سیالوی زید مجدہٗ نے عطا فرمائی)

۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کی ایک یادگار تصویر؛ درمیان میں حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیالوی گلے میں پٹکا ڈالے تشریف فرما ہیں۔ آپ کے دائیں جانب اولادِ امجاد ہے؛ جب کہ بائیں جانب آپ کے ساتھ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور اُن کے ساتھ حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی رحمہم اللہ بیٹھے ہیں۔

یارب مکُن بہ نازِ دگر امتحانِ ما
برداشتیم پیشِ تو دستِ دُعا بس است (بیدلؒ)

حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ، آستانۂ عالیہ کی مسجد میں نماز کے بعد بحالتِ دُعا

کیا ہائے عَبدہٗ کا یہ ہالہ ہے گردِ رُخ　　قرباں ترے خرامِ عبادت شعار کے

(از مصنّف)

وارثِ علومِ مولا علیؓ، نائبِ غوثِ جلیؓ، عارفِ دوراں حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرّہٗ بعد از نماز گولڑہ شریف کی جامع مسجد کے صدر دروازے سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ نایاب تصویر تقریباً سنہ ۱۹۰۰ عیسوی کی ہے، جو درگاہ گولڑہ شریف کی پرانی خادمہ سرور جان عرف ماسی سرور مرحومہ (م ۱۹۷۱ء) کی والدہ مرحومہ کے پاس تھی۔ اور ماسی سرور مرحومہ کے بھتیجے محمد نواز نے مصنّف کو دی۔

پاک پتن شریف میں عُرس کے موقع پر رسمِ سماع کا ایک منظر حضرت دیوان غلام قطبؒ (م ۱۹۸۷ء) عالمِ طفولیت میں سر پر دستار رکھے اور ہاتھ میں عصا لیے ہوتے! آپ کے بائیں جانب حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ اور دائیں جانب حضرت قبلہ باوجیؒ دست بستہ کھڑے نظر آرہے ہیں۔

تصویر ۱۹۳۴ء، فراہم کردہ میاں فضل الرحمٰن ایڈوکیٹ ڈیرہ منشیاں، پاک پتن

حضرت قبلہ باوجیؒ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد خان وزیر احمد عرف خان بھائی (م ۱۹۸۵ء) کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ سید احمد عباس المعروف حضرت مدنی صاحبؒ کے علاوہ متوسلین کی ایک جماعت بھی تھی۔
حضرت باوجیؒ اور مدنی صاحبؒ تصویر میں نمایاں ہیں۔ باوجی صاحبؒ کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر جناب شاہ عبدالحق صاحب اور اُن کے ساتھ مصنّف کے والدِ محترم جناب غلام معین الدین شاہ صاحب سر پر سفید دستار
باندھے اور ہاتھ میں کوئی کتاب اُٹھائے کھڑے ہیں۔ خان بھائی ٹوپی پہنے حضرت باوجیؒ کے قدموں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

شمعِ ایوانِ حرم ہو یا چراغِ طاقِ دَیر    ہم کو دونوں سے تعلق ہے کہ ہیں پروانہ ہم

انسانی اخلاق و مروّت کی پاسداری کے تحت سردار امریک سنگھ کے ساتھ حضرت قبلہ بابوجیؒ کی ریلوے اسٹیشن دہلی پر چائے کی دعوت کا ایک منظر؛ آپ کی یہ تصویر حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے عرسِ مبارک پر حاضری کے سفر میں اُتاری گئی۔

کربلائے معلّٰی کے مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کا ایک منظر؛ حضرت قبلہ باوجیؒ کے بائیں جانب مصنّف کے والدِ ماجد
اور حضرت باوجیؒ کے عین پیچھے مؤلّفِ مہرِ منیر مولانا فیض احمد صاحب فیضؔ درگاہ سے باہر نکل رہے ہیں۔
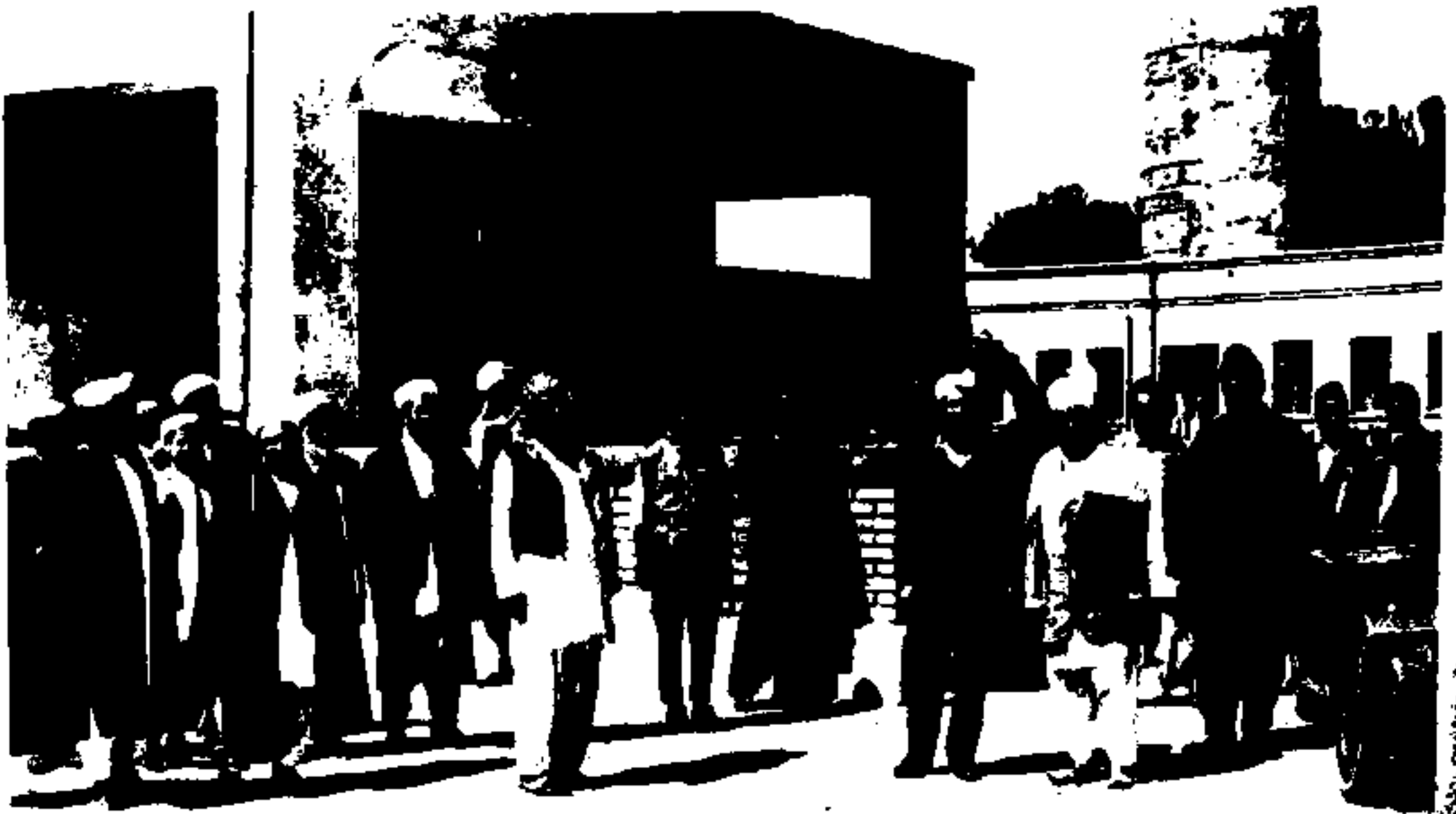
ہرات میں امام المفسّرین حضرت فخرالدین رازیؒ کے مزارِ مبارک سے ملحقہ فخرالمدارس کے اساتذہ کے ساتھ حضرت باوجی صاحب قبلہؒ کی ایک یادگار تصویر۔ مصنّفِ نام و نسب نے ہرات کے اِس سفر میں شرکت کی، مگر وہ تصویر میں شامل نہ ہو سکا۔ دائیں سے بائیں: حاجی محمد یعقوب مرحوم (م ۱۹۸۰ء) والدِ مصنّف کے ماموں۔ مشتاق علی قوّال۔ عزیزالحق قریشی۔ حضرت باوجیؒ۔ مدرّسین کے ہمراہ مولوی فیض احمد صاحب فیضؔ مؤلّفِ مہرِ منیر۔

حضرت پیر سید غلام محی الدین بابوجیؒ دمشق، مدینہ ریلوے لائن کے مقامِ آغاز پر (دمشق، یکم جون ۱۹۶۴ء)

حضرت قبلہ غلام معین الدین شاہ صاحب (المعروف بڑے لالہ جی) کے دائیں جانب حضرت شاہ عبدالحق صاحب اور بائیں جانب سردار محمد صبح صادق خاں وٹو راجپوت بیٹھے ہیں۔ پس منظر میں دائیں سے بائیں نمبر ایک پر محبوب علی، نمبر دو پر امیر علی، نمبر تین پر مشتاق علی (درگاہ گولڑہ شریف کے قوال) نمبر چار کے بعد سردار محمد اکرم خان وٹو راجپوت اور آخر میں سکھ مذہب کے ایک صاحب کھڑے ہیں۔

دفعتاً سازِ دو عالم بے صدا ہو جائے گا　　کہتے کہتے رُک گئے جس دن ترا افسانہ ہم

حضرت قبلہ بابوجیؒ بحالتِ قیام مشغولِ اوراد و معمولات (میدانِ عرفات)

حضرت بابوجی صاحبؒ، حضرت مدنی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے سیّد شرف صاحب کے ساتھ (کراچی)

حضرت قبلہ باؤجی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی دست بستہ موتی محل کی چھت پر کھڑے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے
عرس مبارک میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہٗ کی حاضری درگاہ کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ (تصویر: پاک پتن شریف)

حضرت قبلہ باؤجیؒ کے دائیں جانب حضرت احمد العطاس مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے سید شرف صاحب اور بائیں جانب
کرنل محمد ممتاز حسین نوشروی حضرت باؤجیؒ قبلہ کا ہینڈ بیگ اٹھائے ہوئے ہیں۔ (فوٹو کراچی غالباً ۱۹۵۹ء)

جلوت میں ہُوں تو شاکی ہنگامۂ ہجوم　　　خلوت میں ہُوں تو ساتھ ہے دُنیا خیال کی

حضرت قبلہ بابوجیؒ (۱۹۶۷ء)

حضرت قبلہ باوجیؒ میلاد شریف کے موقع پر شیرینی تقسیم کرتے ہوتے۔ پس منظر میں ملک ضیاء الدین صاحب آف حسن ابدال ہاتھ میں شیرینی لئے ہوئے ہیں۔ (فوٹوگرافی: امیر علی لانگری درگاہ گولڑہ شریف)

گولڑہ شریف میں حضرت غوث پاکؓ کے عرس مبارک کی تقریب کا ایک منظر حضرت بابوجیؒ واضح نظر آ رہے ہیں۔

گولڑہ شریف میں حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے عرسِ مبارک کی آخری نشست کا ایک منظر ——— حضرت قبلہ بابوجیؒ
آپ کے پیچھے حضرت سید غلام معین الدین شاہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف فرما ہیں۔

حضرت سید غلام معین الدّین شاہ صاحب گیلانی عرس کے موقع پر متوسلین درگاہ میں
چادریں تقسیم کرنے کے بعد قوالی سنتے ہوئے مزار شریف کی طرف جا رہے ہیں۔

حضرت قبلہ بابوجی قدس سرّہٗ نوشاہ بائیں سردار تاج محمد خان بلوچ مرحوم کی شادی منعقدہ ۱۹۵۹ء کے موقع پر؛ قبلہ بابوجی کے دائیں جانب جناب حافظ محمد مظفر حسین صاحب مرحوم ساکن نو محمد ٹلاں تحصیل پنڈی گھیپ، اُن کے بعد قبلہ شاہ عبدالحق صاحب اور کرسی کے آگے سر پر ٹوپی رکھے؛ نیازمند نصیر الدین نصیر مصنّفِ کتاب ہٰذا دُولہا کے ساتھ کھڑا ہے۔

حضرت قبلہ بابوجیؒ، خواجہ نیاز احمد مرحوم کے صاحبزادے مشتاق احمد ملتانی کی سہرابندی کے موقع پر ۲۲۔نومبر ۱۹۵۷ء (ملتان)

خواجہ مقبول حسین کی شادی منعقدہ ۱۹۶۸ء ملتان میں حضرت قبلہ بابوجیؒ کی شمولیت کا ایک منظر

خواجہ مہر بخش کی شادی منعقدہ ۱۹۶۲ء ملتان کا ایک منظر ـــــ تصویر میں حضرت قبلہ بابوجیؒ سب سے آگے تشریف فرما ہیں! آپ کے پیچھے مصنفِ نام و نسب کے والدِ ماجد اور عمِ محترم بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔

جہانگیر آباد خانیوال میں حضرت قبلہ بابوجیؒ کی ایک تقریب میں شمولیت

نواب زادہ علی حسین خاں قصوری کی شادی منعقدہ ۱۹۶۴ء کا ایک منظر، جس میں حضرت باوجیؒ تشریف فرما ہیں۔ اسی موقع پر دولہا کے ساتھ بائیں طرف حاجی محمد الیاس، حضرت غلام معین الدین شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالحق صاحب اور مصنفِ نام ونسب بیٹھے ہیں۔
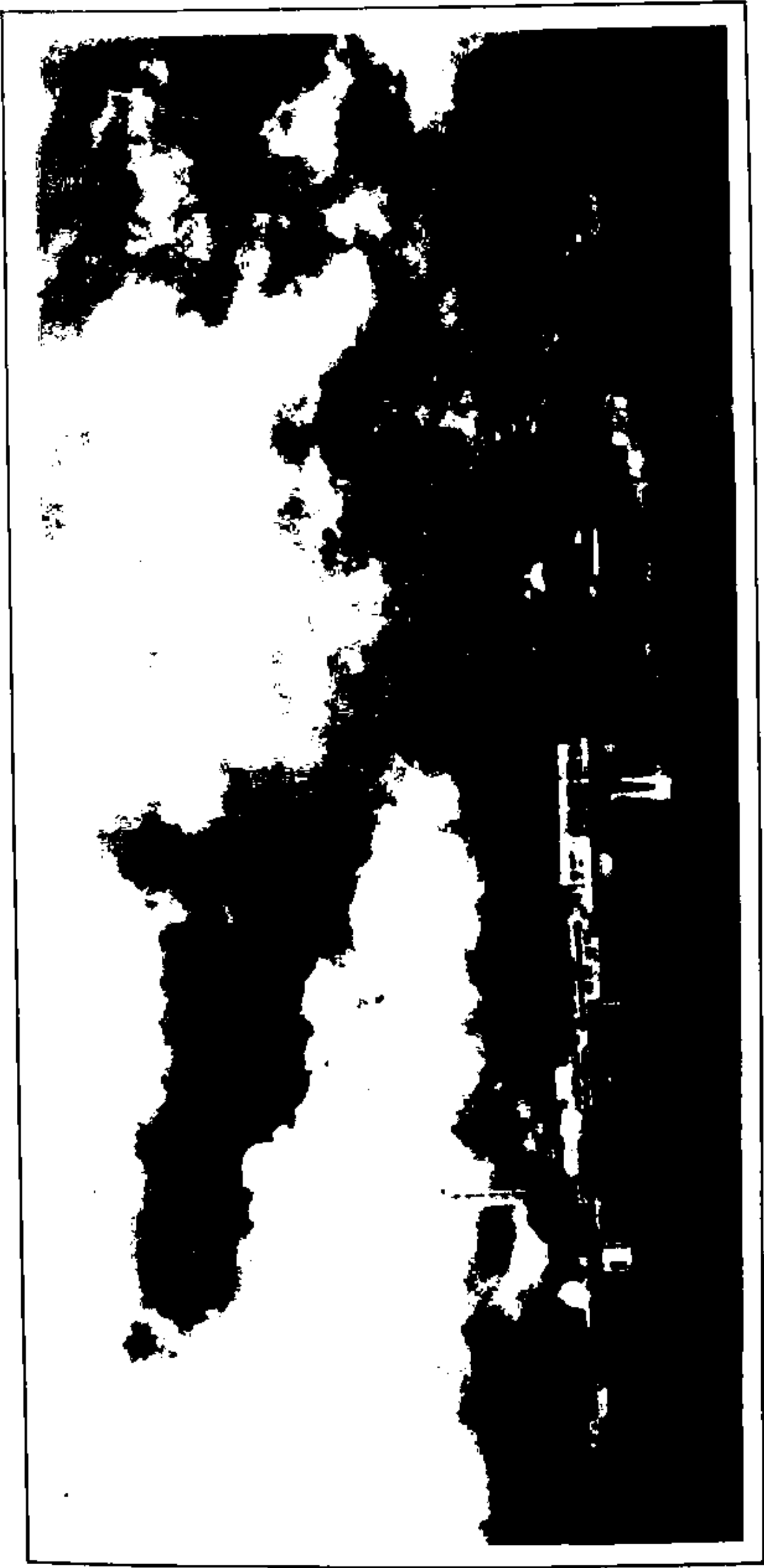
اے طالبانِ جلوۂ عرفان و آگہی　　دیکھو! وہ مہر و ماہ کی منزل ہے سامنے

(از مصنف)

عکاسی: شفیق احمد ساکن سہام، راولپنڈی کینٹ

درگاہِ غوثیہ چشتیہ مہریہ گولڑہ شریف کا ایک طائرانہ منظر
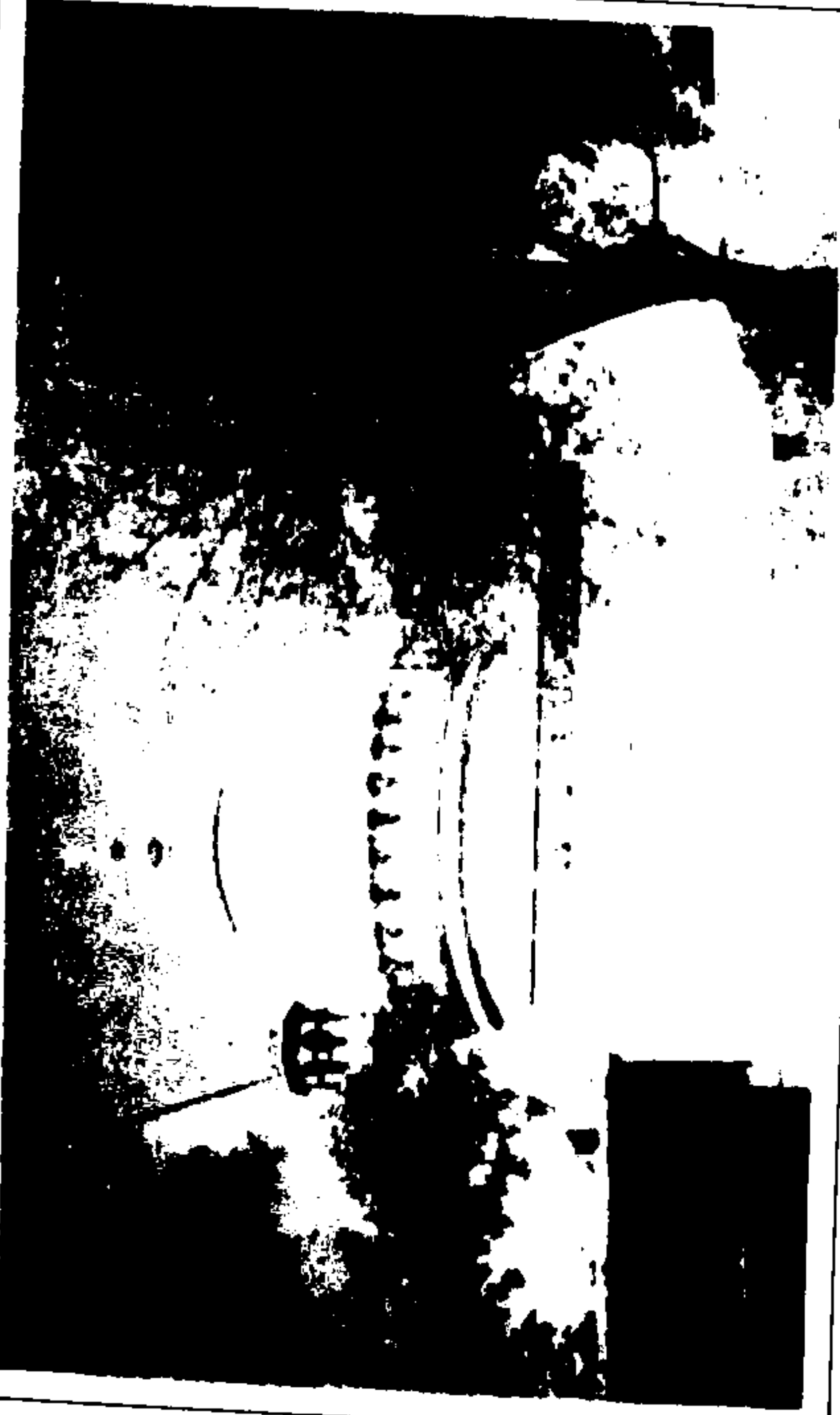
مامعنیٔ مُسلسلِ زُلفِ تو خوانده ایم　　مشکل کہ مرگ قطع کُند داستانِ ما　　(بیدلؒ)

گولڑہ شریف میں حضرت پیر فضل الدین شاہ گیلانیؒ کا مزارِ مُبارک

آپؒ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے شیخِ طریقت اور آپ کے والدِ ماجد حضرت پیر سیّد نذر دین شاہ گیلانی (م ۱۹۰۳ء) کے ماموں تھے۔
یہ روایت جو عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت پیر سیّد فضل الدین شاہ گیلانی (م ۱۸۹۱ء) حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ماموں تھے، درست نہیں۔
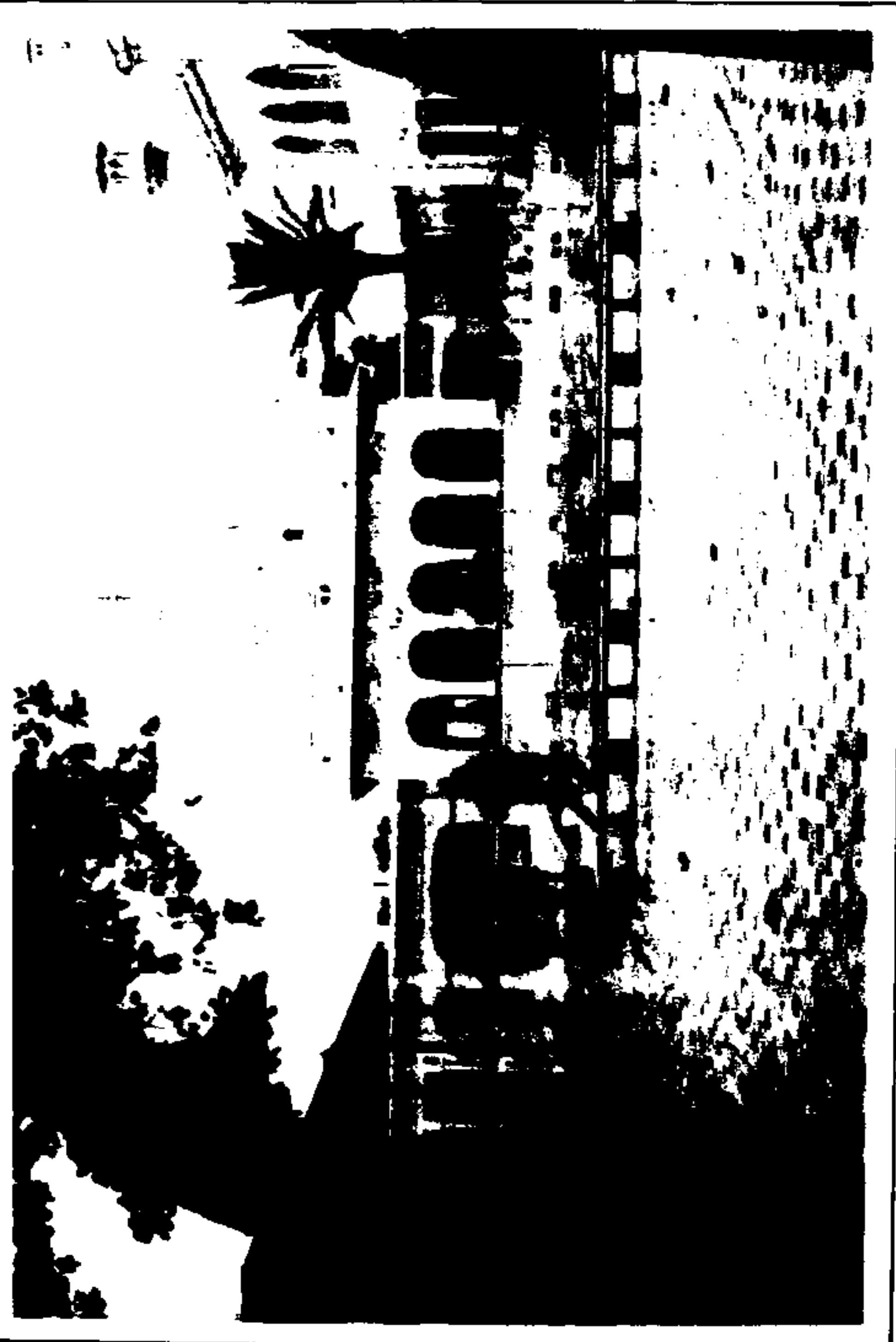
بے باک پا منہ بہ ادب گاہِ اہلِ فقر　　خوابیدہ است شیرِ نیستانِ بوریا　　(بیدلؔ)

شمال کی جانب سے درگاہِ مہریہ کی جامع مسجد اور مزارِ پُرانوار کا ایک لطیف منظر
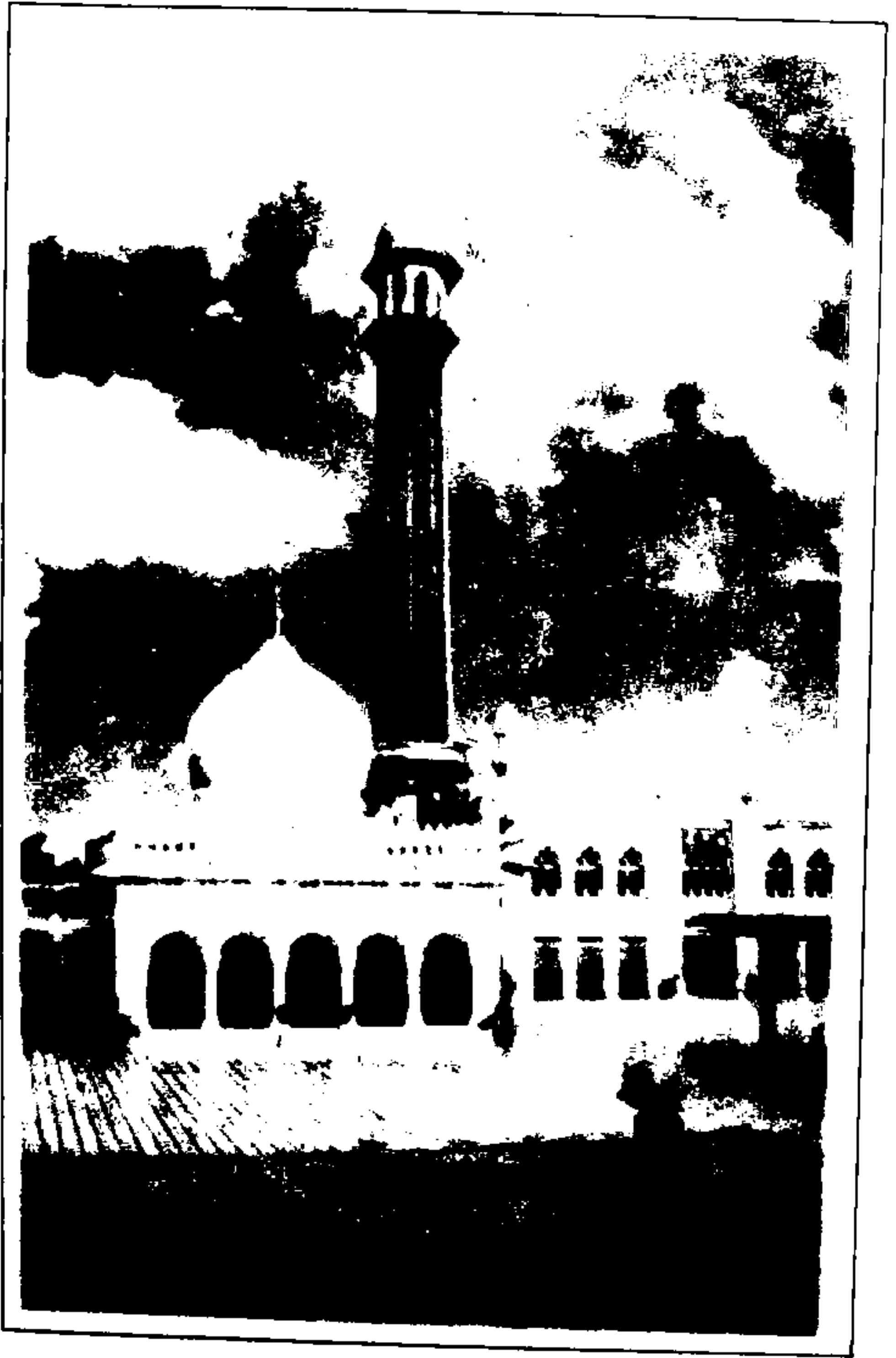
تا قیامت در کفِ خاکے کہ نقشِ پائے اُوست　　　　دل تپید، آئینہ بالد، گُل دمد، جاں بشگفد

(بیدلؒ)

درگاہِ عالیہ غوثیہ چشتیہ نظامیہ گولڑہ شریف کی جامع مسجد
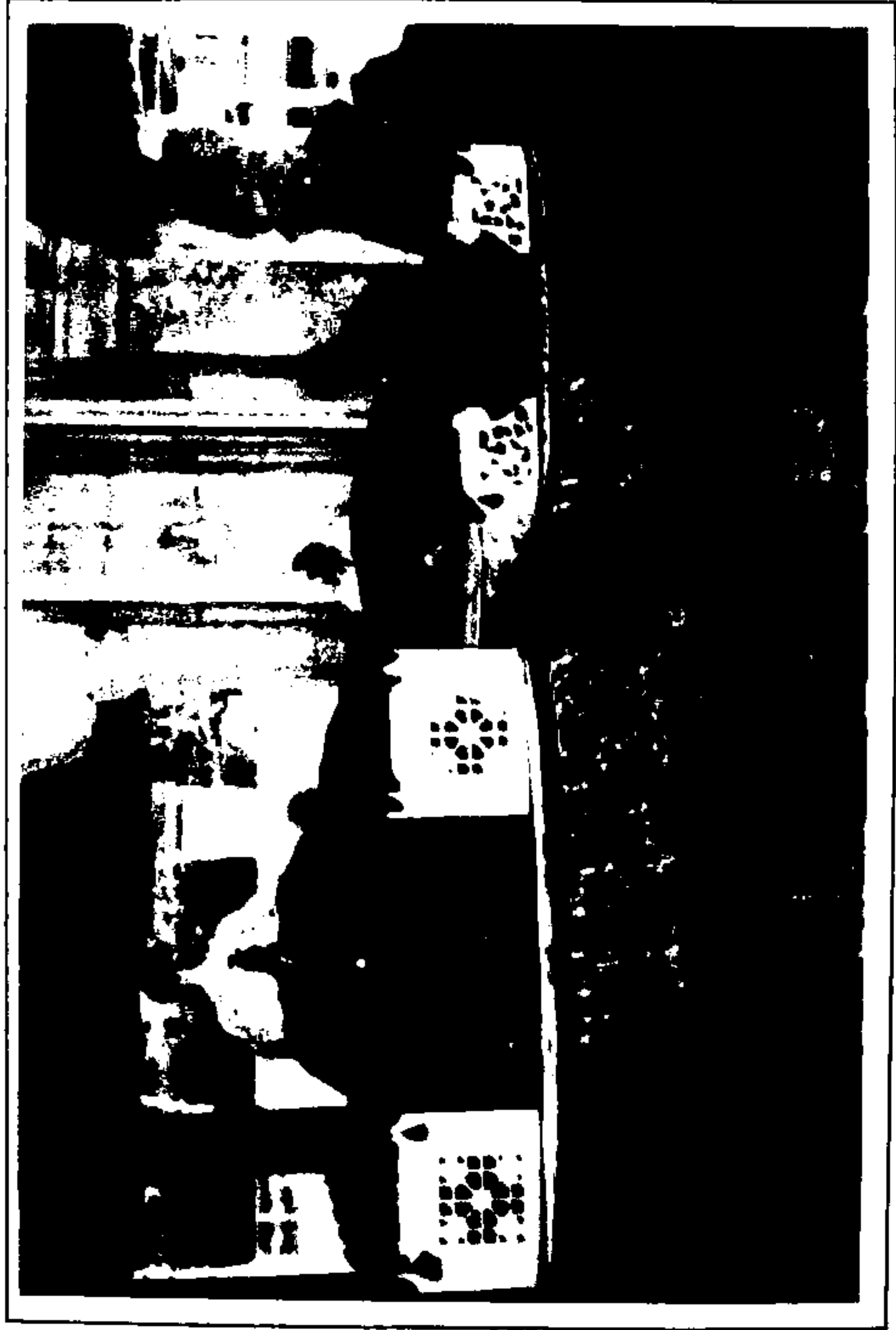
در جستجوئے ما نہ کشی زحمتِ سُراغ　　جائے رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد　　(بیدلؒ)

بائیں جانب حضرات اعلیٰ پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کا مزار مبارک اور دائیں طرف حضرات قبلہ بابو جی قدس سرہ کا مرقد انوار
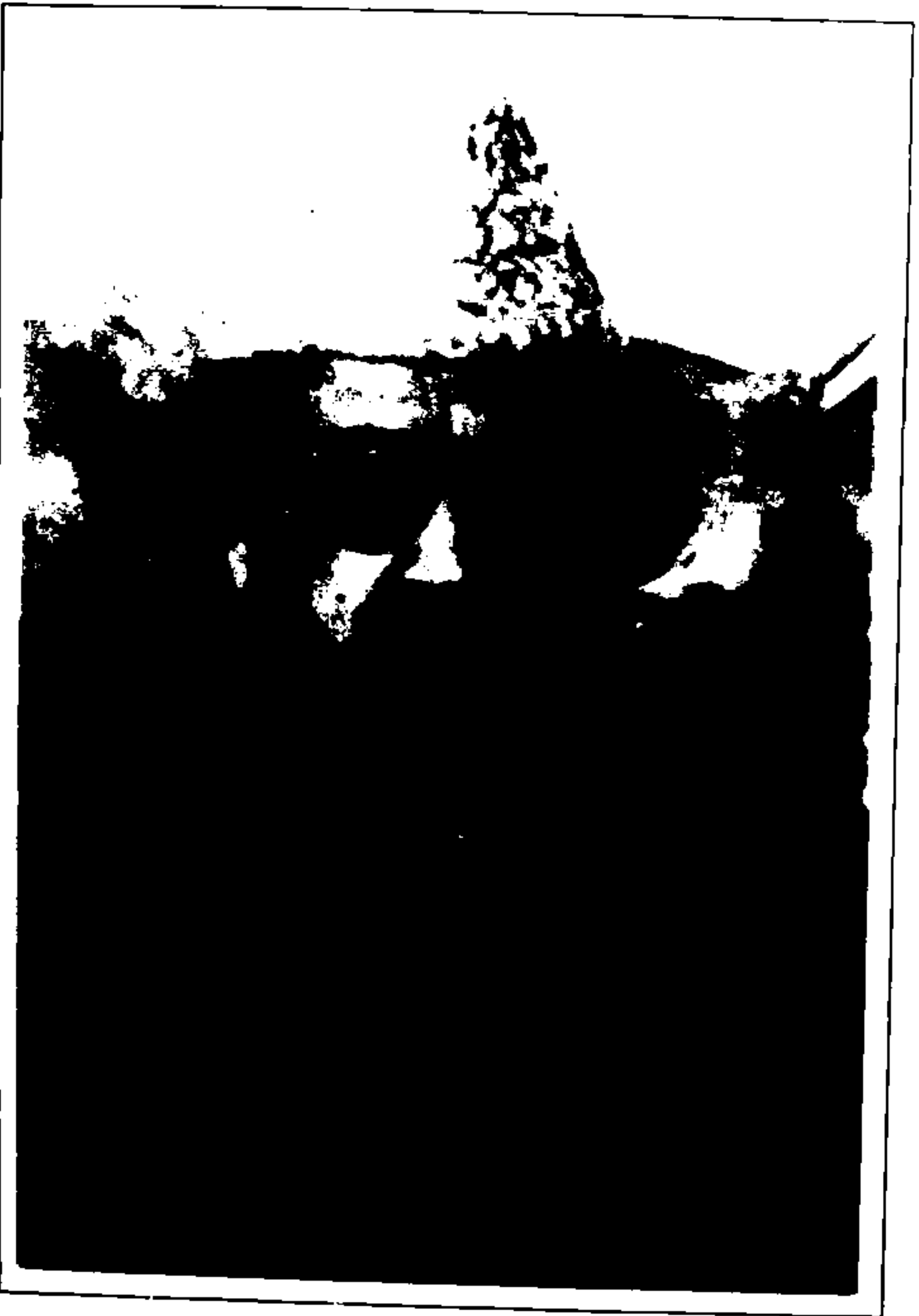
حضرت سیّد غلام معین الدّین گیلانی

مصنّف کے والدِ ماجد

(م ۱۹۹۷ء)

حضرت قبلہ شاہ عبدالحق صاحب

مصنّف کے عمِ محترم

کہتے ہیں وُہ کہ اِک تری تصویر کے سوا    حرفِ غلط کوئی بھی نہیں اِس کتاب میں

مُصنّفِ نام و نَسب

# تصانیفِ نصیر

| نمبر | کتاب | تعارف | کیفیت |
| --- | --- | --- | --- |
| 1:- | لفظِ اللہ کی تحقیق | (متلاشیانِ راہِ حق کے لیے سامانِ تحقیق) | مطبوعہ |
| 2:- | قرآنِ مجید کے آدابِ تلاوت | (قرآنِ مجید کی رفعت و عظمت، قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنے والا رسالہ) | مطبوعہ |
| 3:- | موازنۂ علم و کرامت | (مقامِ علم گھٹانے والوں کے لیے تازیانۂ عبرت) | مطبوعہ |
| 4:- | اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت | (اثباتِ توحید و ردِ شرک کے لیے دلائلِ قاطعہ) | مطبوعہ |
| 5:- | نام و نسب | (سیادتِ غوثِ پاکؓ کے تحقیقی ثبوت، نکاحِ سیدہ کی شرعی حیثیت اور شیعہ و خوارج کے عقائد کا تفصیلی جائزہ) | مطبوعہ |
| 6:- | حضرت پیرانِ پیرؓ کی شخصیت، سیرت اور تعلیمات | (ایک ایمان افروز اور شرک سوز مقالہ) | مطبوعہ |
| 7:- | راہ و رسمِ منزل ہا | (تصوف اور عصری مسائل پر سیر حاصل بحث) | مطبوعہ |
| 8:- | امام ابوحنیفہ اور اُن کا طرزِ استدلال | (امام الائمہ، سراج الامہ کے علمی و فقہی مقام و مرتبہ کا بیان) | زیرِ طبع |
| 9:- | کیا ابلیس عالم تھا؟ | (اربابِ علم و اصحابِ تحقیق کے لیے پیغامِ مباہات) | مطبوعہ |
| 10:- | اسلام میں شاعری کی حیثیت | (ایک انوکھا اور اچھوتا تحقیقی مقالہ) | مطبوعہ |
| 11:- | رنگِ نظام | (قرآن و حدیث کی روشنی میں اُردو مجموعۂ رباعیات) | مطبوعہ |
| 12:- | دیں ہمہ اوست | (عربی، فارسی، اردو اور پنجابی نعتیں) | مطبوعہ |
| 13:- | فیضِ نسبت | (عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں مناقب) | مطبوعہ |
| 14:- | آغوشِ حیرت | (فارسی رُباعیات) | مطبوعہ |
| 15:- | پیمانِ شب | (اُردو غزلیات کا پہلا مجموعہ) | مطبوعہ |
| 16:- | دستِ نظر | (اُردو غزلیات کا دوسرا مجموعہ) | مطبوعہ |
| 17:- | عرشِ ناز | (فارسی، اُردو، پوربی، پنجابی اور سرائیکی میں متفرق کلام) | مطبوعہ |
| 18:- | لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب | (حضرت پیرانِ پیرؓ کے گستاخوں کے منہ پر غیبی طمانچہ) | مطبوعہ |